

ملاحح الکبریٰ

جلد دوم

تصنیف

حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ

ترجمہ

علامہ مفتی سید غلام معین الدین نعیمی رحمۃ اللہ علیہ



شبیر بکراکاز

۴۰. اردو بازار۔ زبیدہ سنٹر ۰ لاہور

باسمہ تعالیٰ
 اَللّٰهُ رَبُّ مُحَمَّدٍ صَلَّی عَلَیْهِ وَسَلَّمَا
 نَحْنُ عِبَادُ مُحَمَّدٍ صَلَّی عَلَیْهِ وَسَلَّمَا

نام کتاب	مدارج النبوة (جلد دوم)
تصنیف	حضرت شیخ محقق علامہ شیخ محمد عبدالحق محدث دہلوی علیہ الرحمۃ
مترجم	الحاج مفتی غلام معین الدین نعیمی علیہ الرحمۃ
سن اشاعت	جولائی 2004ء
کمپوزنگ	words maker Lhr.
باہتمام	ملک شبیر حسین
مطبع	اشتیاق اے مشتاق پرنٹرز لاہور
ناشر	شبیر برادرز لاہور
قیمت	روپے (مکمل سیٹ)

WWW.NAFSEISLAM.COM

ملنے کے پتے

ادارہ پیغام القرآن زبیدہ سینٹر اردو بازار لاہور
 مکتبہ اشرفیہ مرید کے (ضلع شیخوپورہ)

فہرست مضامین

۵۵	۹	مقدمہ	وجی کے مراتب
۵۷	۱۳	باب اول	اول مسلمان سابق الایمان
۵۸	"	در ذکر نسب شریف، ایام حمل ولادت و ایام رضاعت	دعوت و تبلیغ
۶۰	۱۷	نسب شریف	مسلمانوں کو اذیتیں پہنچانا
۶۲	۱۸	حضرت عبدالمطلب کا تذکرہ	صحابہ کا جانب حبشہ ہجرت کرنا
۶۳	۱۹	واقعہ فیل	ایک چھوٹی افواہ کی حقیقت
۶۶	۲۱	ہاشم اور عبد مناف کا تذکرہ	سید الشہداء حضرت حمزہ کا ایمان لانا
۶۷	"	قصی، کلاب، مرہ بن کعب لوی اور فہر کا تذکرہ	حضرت عمر فاروق کا اسلام لانا
۶۹	۲۲	قریش کی وجہ سے تسمیہ اور ان کے نسب کا ذکر	قریش کا عہد نامہ لکھنا اور شعب ابوطالب میں مقید ہونا
۷۱	۲۳	مشاہدات حضرت عبدالمطلب، چاہ زمزم کا قصہ	حضرت ابوطالب کی ۱۰ ہجری میں وفات
۷۳	۲۷	حضرت عبد اللہ کا مذ	سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کی وفات
۷۵	۲۸	استقرار حمل کے واقعات	جنات کی بیعت
۷۷	۳۰	ولادت مبارکہ کے حالات	مدینہ منورہ سے انصاری آمد، بیعت و ترغیب ہجرت
۷۸	۳۵	ایام رضاعت	باب چہارم
"	۴۱	باب دوم	قضیہ ہجرت اور ابتدائی واقعات
۸۱		کفالت، انتقال عبدالمطلب اور ابوطالب کی اعانت	مبشرات ہجرت
۸۹	"		منارہ، سیدہ منورہ کا طرف کوچ فرمانا

۱۳۴	سماع موتی و حصول علم و شعور	۹۹	مجد نبوی شریف کی تعمیر
۱۳۷	اسیران بدر	۱۰۲	حضرت عائشہ صدیقہ سے زفاف فرمانا
۱۴۰	اصحاب بدر کی فضیلت میں احادیث کا بیان	"	مدینہ منورہ میں مہاجرین کا بیمار ہونا
۱۴۳	سریہ عمیر بن عدی	۱۰۳	اذان کی مشروعیت اور حضرت سلمان کا اسلام لانا
"	غزوہ قرقرۃ الکدر	۱۰۴	عقد مواخات
۱۴۴	سریہ سالم بن عمیر	"	تعداد نماز میں اضافہ، بھیڑیے کا کلام کرنا
"	غزوہ قینقاع	۱۰۵	عاشورے کا روزہ
۱۴۶	نماز عید قربان و قربانی	۱۰۶	حضرت براء بن معرور اور اسعد بن زرارہ کی وفات
"	امیہ بن صلت شاعر کا مرنا	۱۰۷	۲ ہجری کے واقعات، تحویل قبلہ
"	غزوہ سویق	۱۰۸	نکاح سیدہ فاطمہ الزہراء
"	۳ ہجری کے واقعات غزوہ غطفان	۱۱۱	زکوٰۃ، روزہ، رمضان، نماز عید الفطر، فطرانہ
۱۴۷	کعب بن اشرف یہودی کا قتل	"	جہاد و قتال کا حکم
۱۵۰	غزوہ نجران	۱۱۲	غزوہ اور سریہ کی تعریف
"	سریہ قردہ، ابورافع تاجر کا قتل	۱۱۳	غزوہ ابواء
۱۵۲	امام حسن مجتبیٰ کی پیدائش	"	سریہ دار ارقم بن ابی الارقم
"	سیدہ ام کلثوم کا حضرت عثمان سے نکاح	۱۱۴	بعث حمزہ بن عبدالمطلب
۱۵۳	غزوہ أحد	"	سریہ سعد بن ابی وقاص، علم کی تشریح
۱۵۸	معرکہ أحد	۱۱۵	غزوہ بواط، غزوہ عثیرہ
۱۶۳	سید الشہداء حضرت حمزہ کی شہادت	"	کنیت ابوتراب کی وجہ
۱۶۵	صحابہ کرام کی شجاعتیں	۱۱۶	غزوہ بدر اولیٰ
۱۶۹	حضرت حظلہ غسیل الملائکہ کی شہادت	"	سریہ عبداللہ بن جحش
"	عمرو بن جموح انصاری کا جذبہ شہادت	۱۱۸	غزوہ بدر
۱۷۰	حضرت مصعب بن عمیر کی شہادت	۱۲۴	بدر کا میدان کارزار
۱۷۲	مسلمان عورتوں کی خدمت گزاریاں	۱۳۰	ملائکہ کی آمد اور ان کی نصرت
۱۷۳	خواجہ کائنات کا زخمی ہونا	۱۳۱	فرشتوں کے دیکھنے کی تحقیق
۱۷۶	میدان أحد کے آخری مناظر	"	روز بدر قتال ملائکہ کے بارے میں آیات و احادیث کا ذکر
۱۷۷	جنگ أحد کے خاتمہ کے بعد کے حالات	۱۳۴	بدر کے قیدیوں اور مقتولوں کی تعداد

۲۴۲	سریہ محمد بن مسلمہ بسوئے بنی ثعلبہ	۱۸۰	شہداء اُحد کی مخصوص فضیلتیں
"	سریہ محمد بن مسلمہ بجانب نجد	۱۸۵	سریہ رجب
۲۴۳	غزوہ ذی قرد	۱۹۰	سریہ ابوسلمہ مخزومی
۲۴۵	سریہ عکاشہ بن محسن بسوئے بنی اسد	"	سریہ عبداللہ بن انیس
۲۴۶	سریہ زید بن حارثہ بر موضع حوم	۱۹۱	۴ ہجری کے واقعات - سریہ بیر معونہ
"	سریہ زید بن حارثہ بر موضع غیص	۱۹۴	قنوت نازلہ
۲۴۷	سریہ زید بن حارثہ بسوئے اُم قرقہ	"	غزوہ بنی نضیر
"	سریہ زید بن حارثہ بسوئے طرف	۱۹۹	حضرت عبداللہ سبط رسول ﷺ کی وفات
"	سریہ زید بن حارثہ بسوئے بخشی	۲۰۰	غزوہ بدر صغریٰ
۲۴۸	سریہ زید بن حارثہ بار دگر بوادی القرئی	۲۰۲	رجم اور چوری پر ہاتھ کاٹنے کی سزا
"	سریہ عبدالرحمن بن عوف بسوئے بنی کعب	۲۰۳	شراب کی حرمت
"	سریہ علی مرتضیٰ بسوئے فدک قضیہ عکل	۲۰۴	۵ ہجری کے واقعات - غزوہ مرسیع
۲۵۰	سریہ عبداللہ بن رواحہ	۲۰۸	آیت تیمم
"	عمر بن اُمیہ کا مکہ بھیجنا	"	ہار کی گمشدگی
۲۵۱	دعائے استسقاء اور اس کی چھ صورتیں	۲۰۹	عزل کا مسئلہ
۲۵۴	عمرہ حدیبیہ کے واقعات	"	قضیہ
۲۶۴	صلح نامہ حدیبیہ	۲۱۸	غزوہ خندق
۲۶۸	دست اقدس سے کتابت فرمانے کی بحث	۲۲۷	غزوہ بنو قریظہ
۲۷۰	بعد صلح حدیبیہ قربانی کرنا	۲۳۶	احکام شرع میں حضور مالک و مختار ہیں
۲۷۲	بادشاہوں کی طرف وجود و فرامین کی ترسیل	"	مزنی قبیلہ کا اسلام لانا چاند گرہن سورج گرہن
۲۷۳	انگشتری مبارک	۲۳۷	غزوہ دومۃ الجندل
"	مکتوب گرامی بنام نجاشی شاہ حبشہ	۲۳۸	میت کو صدقہ کا ثواب پہنچنا
۲۷۴	دوسرا مکتوب گرامی بنام نجاشی شاہ حبشہ	"	سریہ ابو عبیدہ بن الجراح بجانب سیف البحر
"	مکتوب گرامی بنام ہرقل شاہ روم	۲۳۹	۶ ہجری کے واقعات - فرضیت حج
"	احوال کسریٰ شاہ فارس اور اس کے نام	۲۴۰	غزوہ ذات الرقاع
۲۷۸	مکتوب گرامی	۲۴۱	غزوہ بنو لحيان
۲۸۱	مقتول شاہ مصر و اسکندریہ کا حال	"	سریہ محمد بن مسلمہ بسوئے بنی کلاب

۳۳۲	تین دن سے زیادہ سوگ کی ممانعت	۲۸۲	مکتوب گرامی بنام حارث بن ابی شمر غسانی
"	سریہ عمرو بن العاص بجانب ذات السلاسل	۲۸۳	مکتوب گرامی بنام ہوزہ والی یمامہ
۳۳۵	سریۃ الخطبہ	۲۸۴	مکتوب گرامی بجانب بحرین
۳۳۷	فتح مکہ مکرمہ	۲۸۵	مکتوب گرامی بجانب ملک عمان
۳۴۱	مکہ مکرمہ کی جانب روانگی	۲۸۶	قضیہ ظہار خولہ بنت ثعلبہ
۳۴۷	خانہ کعبہ سے بتوں کا توڑنا	۲۸۸	اونٹ اور گھوڑوں کی دوڑ
۳۵۲	عورتوں کی بیعت کا طریقہ	"	ام رومان والدہ حضرت عائشہ صدیقہ کی وفات
۳۵۴	بحرین کا قتل اور بعض کی معافی	۲۸۹	۷ ہجری کے واقعات غزوہ خیبر
"	ابن خطل کا قتل	۲۹۲	خیبر کے واقعات
"	عبداللہ بن سرح	۲۹۶	خیبر شکن علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی شجاعت
۳۵۵	عکرمہ ابو جہل کی معافی اور اسلام	۳۰۳	خیبر کے قضایا و احکام
۳۵۷	صفوان بن امیہ کا حال	۳۰۴	ام المؤمنین حضرت صفیہ اور ام حبیبہ سے زفاف
"	حویث بن نقید کا حال	۳۰۵	یہود کا زہر دینا
۳۵۸	مقیس بن صبابہ کا حال	۳۰۷	حضرت علی مرتضیٰ کی نماز عصر کے لیے آفتاب کو لوٹانا
"	ہبار بن الاسود کا حال	۳۰۸	حضور کے لیے جس شمس کے واقعات
۳۵۹	حارث بن طلاطلا کا حال	۳۱۰	قصہ لیلة التعلیس
"	کعب بن زبیر کا حال	۳۱۳	لحم خرمی حرمت
"	وحشی قاتل حمزہ رضی اللہ عنہ کا حال	"	گھوڑے کے گوشت کا حکم
۳۶۱	عبداللہ بن الزبیری کا حال	۳۱۵	لہن و پیاز کا حکم حرمت متعہ
"	ہند بنت عتبہ زوجہ ابوسفیان رضی اللہ عنہ کا حال	"	ایک شخص کا خودکشی کرنا
۳۶۲	قرینہ اور قرنتا کا حال	۳۱۶	فتح فذک
"	ارنب کا حال	۳۱۷	غزوہ وادی القریٰ
"	سارہ بن المطلب کی باندی کا حال	"	عمرۃ القضاء
"	ام سعد کا قتل	۳۲۳	۸ ہجری کے واقعات
۳۶۳	فتح مکہ کے بعد مدت اقامت اور فیصلہ مقدمات	۳۲۵	سریہ غالب لیٹی بسوئے کدید
۳۶۷	غزوہ حنین	"	سریہ فذک
۳۷۵	فتح قلعہ طائف	"	سریہ موتہ

۳۸۵	حضرت ابراہیم بن رسول اللہ کی ولادت	طیج بن خویلد اسدی مدعی نبوت	۳۷۵
"	سیدہ زینب بنت رسول اللہ کی وفات	سبحاح بنت الحارث مدعیہ نبوت	۳۷۵
۳۸۶	منبر شریف کی تعمیر غلہ کی گرانی	سریہ زید بن اسامہ	"
۳۸۷	ریاض جنت	قسم چہارم درمیان وفات	۳۷۸
۳۸۹	وفد عبدالقیس کی آمد	ماہ صفر کا آخری ہفتہ (آخری چہار شنبہ)	۳۸۰
۳۹۱	۹ ہجری کے واقعات، عمال کی روانگی وغیرہ	باب دوم	۳۸۶
۳۹۹	واقعہ ایلاء	زمانہ علالت کے واقعات	"
۴۰۳	ایک عورت کے رجم کا واقعہ	حدیث قرطاس	۳۸۸
۴۰۴	حضرت ماعز کا رجم	حضرت صدیق اکبر کو امامت کا حکم فرمانا	۳۸۹
۴۰۵	غزوہ تبوک و غزوہ جیش العسرت	حضرت صدیق اور حضرت عبدالرحمن بن عوف کی اقتداء	
۴۱۶	مسجد ضرار	میں نماز پڑھنا	۳۹۱
۴۱۸	تخلف کرنے والوں کا حال	قبر کے سامنے سجدہ کرنے کی ممانعت	۳۹۲
۴۲۰	ابن ابی منافق کی موت	رحلت کی رات چراغ میں تیل تک نہ تھا	۳۹۳
۴۲۲	شاہ حبشہ نجاشی کا انتقال	انصار کے حق میں وصیت	"
۴۲۳	حج درامارت حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ	مسواک فرمانا	۳۹۵
۴۲۴	قضیہ لعان	نماز فجر میں ملاحظہ فرمانا	۳۹۷
۴۲۷	۱۰ ہجری کے واقعات	ملک الموت کا اجازت لینا	"
"	سریہ حضرت خالد بن ولید	حضرت خضر کی آمد	۵۰۲
۴۵۰	تقسیم مملکت باذان	باب سوم	۵۰۸
۴۵۳	حجۃ الوداع اور اسکی مکمل تفصیل	غسل، تجہیز و تکفین اور نماز و صلوٰۃ	"
۴۶۷	غدير خم	تکفین کی کیفیت	۵۱۰
۴۷۰	جیش جریر بن عبداللہ بجلی بسوئے ذی الکلاع	نماز کی کیفیت	۵۱۱
۴۷۱	حضرت ابراہیم بن رسول اللہ کی وفات	حضور اکرم کی نماز کی دعا	۵۱۲
۴۷۲	صورت بشری میں حضرت جبریل کی آمد	تدفین کی کیفیت	"
"	۱۱ ہجری کے واقعات، علالت رحلت اور دیگر متعلقات	ذکر غم و الم و مفارقت	۵۱۵
"	مسئلہ کذاب	قبر انور اور مسجد نبوی کی زیارت	۵۱۶
۴۷۳	اسود غنی مدعی نبوت	خصائص موت و تقسیم میراث	"

۵۷۷	بارگاہ نبوت کی خدمت گزار عورتیں	۵۲۰	حیات انبیاء کرام علیہم السلام
۵۸۴	باب پنجم: در ذکر موالی حضور اکرم ﷺ	۵۲۳	قسم پنجم: باب اول در ذکر اولاد کرام
۶۶۰۳	باب ششم: در ذکر محافظین بارگاہ رسالت	"	فرزند ان رسول کی بحث
۶۶۱۰	باب ہفتم: کاتبان بارگاہ رسالت	۵۲۹	در خزان رسول
۶۶۳۳	باب ہشتم: سفراء اور قاصدوں کے بیان میں	۵۳۷	باب دوم: در ذکر امہات المؤمنین از واریج مطہرات
۶۵۸	باب نہم: ذکر اعمال بارگاہ نبوت	۵۶۱	مطلقات النبی
۶۶۶	باب دہم: موزن خطیب، شاعر حدی خوانوں کے تذکرے	۵۶۵	حضور اکرم کی باندیاں
"	موزنین بارگاہ رسالت	باب سوم: حضور کے چچا، پھوپھی رضاعی بھائی اور	جدا ت کے ذکر میں
۶۶۹	شعراء بارگاہ رسالت	۵۶۶	سید الشہداء حضرت حمزہ کا تذکرہ
۶۷۸	خطباء بارگاہ رسالت	"	حضرت عباس کا تذکرہ
۶۸۰	حدائق بارگاہ رسالت	۵۶۸	جدا ت یعنی دادا اور نانی
۶۸۱	باب یازدہم: اسلحہ و آلات حرب	۵۷۰	رضاعی بھائی
۶۸۴	موشی وغیرہ	"	باب چہارم: خدام بارگاہ رسالت
۶۹۲	گھریلو سامان	۵۷۲	حضرت انس بن مالک
۶۹۳	انگشتی، موزے، جے	"	حضرت عبداللہ بن مسعود اور دیگر خدام
۶۹۴	عمامہ مبارک	"	حضرت ابوذر غفاری
۶۹۵	تکلمہ بر احوال نبوت برہان اہل معرفت	۵۷۴	

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

کعب بن زہیر (جو سب سے معلقات کے شعراء میں ایک بلند پایہ شاعر ہے) کا یہ شعر

إِنَّ الرَّسُولَ لَنُورٌ يُسْتَضَاءُ بِهِ وَصَارَ مِنْ سُيُوفِ اللَّهِ مَسْلُورٌ

سرکار کائنات فخر موجودات صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی کے جمالی اور آفاقی دونوں مقدس پہلوؤں کی ایک ایسی جامع تعبیر ہے جس کا ہر لفظ حقیقت کا ترجمان ہے۔ حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ اور حضرت ابوطالب (عم رسول اللہ) نے حضور نبوت میں اس طرح نذرانہ محبت و عقیدت پیش کیا۔

أَلَمْ تَرَ أَنَّ اللَّهَ أَرْسَلَ عَبْدَهُ بِآيَاتِهِ وَاللَّهُ أَعْلَى وَأَمَجَدُهُ
وَشَقَّ لَهُ مِنْ إِسْمِهِ يَسْجَلُهُ قَدْ وَ الْعَرْشِ مَحْمُودٌ وَهَذَا مُحَمَّدٌ (حضرت ابوطالب)

فدایان جمال مصطفوی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ نذرانہ محبت و عقیدت اور ذات والا صفات کے جمالیاتی اور آفاقی پہلوؤں کو صرف شعری ساخت ہی میں پیش نہیں کیا بلکہ اوصاف و کمالات نبوی عربی فارسی اور اردو زبانوں کے لاکھوں نثری صفحات پر ضو فشاں اور ضیا بار ہیں۔ دوسری صدی ہجری میں جب مسلمانوں کی فتوحات کا سیلاب ایک طرف اندلس کی سرحدوں کو چھو رہا تھا اور دوسری طرف چین کی طرف بڑھ رہا تھا اس وقت جہانگیری فکر کے ساتھ ساتھ خانوادہ عباسیہ نے علم کی روشنی تاریک سے تاریک تر گوشوں تک پہنچائی۔ ارباب علم و فن کو نوازا گیا۔ علمائے کرام اور اصحاب قلم کو فکر معاش سے بے نیاز کر کے تصنیف و تالیف کے میدان میں سرگرم عمل بنایا، علم و حکمت کے تمام موضوعات پر ارباب علم نے قلم اٹھایا۔ ابن ندیم کی کتاب الفہرست ملاحظہ کیجئے۔ آپ کو اس دور کی تصانیف کا کچھ اندازہ ہو جائے گا۔ وہ موضوع جس پر اس صدی میں سب سے زیادہ لکھا گیا وہ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ تھی۔ ایک طرف احادیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی ترتیب و تبویب کا کام جاری تھا۔ مسائل فقہی کا استخراج و استنباط کیا جا رہا تھا۔ مسانید مرتب ہو رہی تھیں۔ فقہ اسلامی کی تدوین شروع ہو چکی تھی۔ تاریخ ادب اور تاریخ تمدن زیر تالیف تھی۔ تفسیر قرآن میں علماء کا قلم اپنی دقیقہ سنجیوں میں محو تھا۔ مدارس اسلامیہ میں حدیث و فقہ کا درس شروع ہو چکا تھا۔ غرضیکہ اسلامی زندگی کے روحانی اور عملی پہلوؤں کی تکمیل و تزیین کے سامان بڑی سرعت کے ساتھ فراہم کئے جا رہے اور تکلہ پار ہے تھے۔ عباسی خلفاء نے یونانی علم و حکمت کی شمعیں دینی مدرسوں میں فروزاں کرنا شروع کیں۔ ان مباحث سے کچھ فتنے ضرور اٹھے لیکن عقل انسانی نے وہ جلا پائی کہ افلاطون اور ارسطو کے مردہ فنون پھر زندہ ہو گئے۔ غرضیکہ مذہبیات و ادبیات و عقلیات کا دھارا اس قدر تند رہا کہ کچھ عرصے بعد ان پر بند باندھنا دشوار ہو گیا۔

سرزمین عرب ہی نہیں بلکہ اسپین کی خشک کھیتی پر بھی عرب کا اسباب علم اس طرح برسا کہ فکر و عقل کی بلند یوں کو چھوٹنے کا دعویٰ کرنے والی قوموں نے بھی ان سے استفادہ کیا اور اپنی شرافت علمی کے باعث وہ آج بھی اس کا اقرار کرتے ہیں۔

بغداد کی نظامیہ درس گاہ نے تشنگان علوم کو دور دور سے کھینچ لیا اور ان کے سینوں کو علوم اسلامیہ سے اس طرح معمور کر دیا کہ ان کی

فیصلہ صادر کر سکتے تھے۔ ان مختلف آراء کے بیان سے یہ ضرور ہوا کہ بعض مباحث طویل ہو گئے۔

مناظرہ شیخہ الحدیثہ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے

حیات طیبہ کے ہر پہلو کو پیش کیا ہے اور آپ کی معاشرتی زندگی کے ہر رخ کو ضبط تحریر میں لائے۔ خصوصاً جلد دوم کے آخری ابواب یعنی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اعمات، بردران رضاعی، جدات، خدام بارگاہ، موالی، محافظین، کاتبان وحی، سفر اعمال، خطاط، موزنین، عدی خوانان اور شعرائے بارگاہ رسالت کے احوال میں تفصص اور ان کا استقصا قابل داد ہے۔ حضرت محدث دہلوی سے پہلے اس مہم کو کوئی دوسرا سیرت نگار سر نہیں کر سکا تھا۔ اسی کے ساتھ ساتھ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے آلات حرب واسلحہ کا بھی ذکر فرمایا ہے۔ علم ہائے بارگاہ نبوی کی تحقیق بھی کی ہے۔ حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے فروس بغول نیز اثاث البیت کو بھی تفصیل سے بیان کیا ہے۔ اس طرح آپ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی معاشرتی اور مدنی زندگی کے پہلو کو کمال تحقیق کے ساتھ بیان کیا ہے۔ اس مختصر میں یہ گنجائش نہیں ہے کہ میں حضرت محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کی سیرت نگاری پر تفصیل سے بحث کر سکوں۔

مدارج النبوت جلد دوم کا ترجمہ آپ کے سامنے ہے اس کے مطالعہ سے آپ کو اندازہ ہو جائے گا کہ حضرت محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم کی نگارش میں کسی تبحر علمی اور ژرف نگہی سے کام لیا ہے۔ جو خصوصیات اس سیرت کی میں نے پیش کی ہیں وہ مدارج النبوت کو قبول عام اور مستند بنانے میں کہاں تک کار فرما ہیں۔ وَمَا عَلَيْنَا إِلَّا الْبَلَاغُ

شمس بریلوی

ایئر پورٹ کراچی۔ یکم اگست ۱۹۷۰ء



مناعم الفتوت ترجمہ مدارج النبوت

(حصہ دوم)

قسم دوم: حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے نسب شریف ایام حمل و ولادت شریف ایام رضاعت، حضور کے دادا حضرت عبدالمطلب رضی اللہ عنہ کی کفالت، ان کی وفات کے بعد حضرت ابوطالب کی اعانت، ان کے ساتھ شام کی جانب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا سفر فرمانا، وہاں بحیرہ اربعہ کا علامات نبوت کو پہچانا، خدیجہ الکبریٰ رضی اللہ عنہا سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا نکاح فرمانا، تعمیر کعبہ کا تذکرہ وحی نبوت کی ابتداء، ثبوت نبوت، ظہور دعوت، اذیت کفار، صحابہ کرام کی جانب حبشہ ہجرت کرنا، حضرت ابوطالب کی وفات، ام المومنین سیدہ خدیجہ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کی رحلت، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا طائف شریف کی طرف تشریف لے جانا، اجنہ کا بیعت کرنا، طائف کے شہر پسندوں کا اظہار عداوت کرنا، انصار مدینہ کا پہنچنا، ہجرت کے اثبات و موجبات، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا صحت و سلامتی کے ساتھ مدینہ منورہ پہنچنا وغیرہ کے بیان پر یہ دوسری قسم مشتمل ہے۔ اس میں چار باب ہیں:

باب اول

در ذکر نسب شریف ایام حمل و ولادت و ایام رضاعت

یہ ایک دائمی اور ابدی حقیقت ہے کہ اول مخلوقات اور ساری کائنات کا ذریعہ اور تخلیق عالم آدم علیہ السلام کا واسطہ نور محمدی صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔ جیسا کہ صحیح حدیث میں ہے کہ **أَوَّلُ مَا خَلَقَ اللَّهُ نُورِي** (اللہ تعالیٰ نے ساری مخلوق سے پہلے میرے نور کو پیدا فرمایا) اور تمام مکونات علوی و سفلی آپ ہی کے نور سے ہیں۔ آپ ہی کے جوہر پاک سے ارواح، شہیبات، عرش، کرسی، لوح، قلم، جنت و دوزخ، ملک و فلک، انسان و جنات، آسمان و زمین، بخار، جبال اور تمام مخلوقات، عالم ظہور میں آئی۔ اور باتبار کیفیت، تمام کثرتوں کا صدور اسی وحدت سے ہے اور اسی جوہر پاک سے ساری مخلوقات کا ظہور و بروز ہے۔ اس حقیقت کے اظہار و بیان میں اہل علم حضرات عجیب و غریب عبارات اور مضامین کا ذکر فرماتے ہیں۔

حدیث مبارکہ سے **أَوَّلُ مَا خَلَقَ اللَّهُ الْعَقْلَ** (اللہ نے سب سے پہلے عقل کو پیدا فرمایا) لیکن یہ حدیث محققین و محدثین کے

حدیث شریف میں ہے کہ جب قلم کو پیدا کیا گیا تو حق تعالیٰ نے اس سے فرمایا ”لکھ“، ا قلم نے عرض کیا کیا لکھوں؟ فرمایا لکھ! اے کائناتِ کَانَ وَمَا یُکُونُ اِلٰی الْاَبَدِ یعنی جو کچھ ہو گیا اور جو کچھ آئندہ ابد تک ہوگا سب لکھ! لہذا معلوم ہوا کہ قلم کی پیدائش سے پہلے کچھ کائناتِ علم وجود میں تھی۔

علاء فرما: ترجمہ کے عشرہ کے ساتھ ساتھ اس کا خلاصہ

جب حق تعالیٰ نے قلم کو پیدا فرمایا تو اسے حکم فرمایا کہ ساقی عرش ابواب جنت اس کے چوں اس کے چوں اور اس کے مخلوق پر لکھ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ مُحَمَّدٌ رَّسُولُ اللَّهِ ایک روایت میں ہے کہ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ مُحَمَّدٌ رَّسُولُ اللَّهِ خَاتَمُ الْأَنْبِيَاءِ اس کے بعد حکم ہوا کہ قیامت تک جو کچھ ہونے والا ہے..... سب کچھ لکھ جیسا کہ حدیث میں ہے کہ جَحَفَتِ الْقَلَمُ بِمَا هُوَ۔ ”جو کچھ ہونے والا تھا سب کچھ لکھ کر قلم خشک ہو گیا۔“

جب حق تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا فرمایا تو ان کی کنیت ابو محمد رکھی منقول ہے کہ جب حضرت آدم علیہ السلام سے خاص قسم کی لغزش واقع ہوئی تو انہوں نے مناجات کی۔ ”اے رب بواسطہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) میری اس لغزش کو معاف فرمادے“ حق تعالیٰ نے فرمایا: تم نے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو کہاں سے جانا؟ ”حضرت آدم علیہ السلام نے عرض کیا اسی زمانہ میں جبکہ تو نے مجھے پیدا فرمایا تھا اس وقت میری نظر عرش اور ابواب جنت پر پڑی تو لکھا لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ مُحَمَّدٌ رَّسُولُ اللَّهِ میں نے جان لیا کہ ضرور تیرے نزدیک ساری مخلوق سے برگزیدہ ہستی یہی ذات کریم ہوگی جس کا نام تو نے اپنے نام کے ساتھ ملا کر لکھا ہے۔ اس پرند فرمائی گئی کہ یہ نبی آخر الزمان ہیں جو تمہاری ذریت یعنی اولاد سے ہیں۔ ان کا اسم گرامی آسمان میں احمد اور زمین میں محمد ہے اگر یہ نہ ہوتے تو میں آسمان و زمین کو نہ پیدا کرتا۔ اے آدم علیہ السلام میں نے تمہیں انہیں کے طفیل پیدا فرمایا ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی فضیلت میں حضرت سلمان رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے کہ جبریل علیہ السلام نے بارگاہ رسالت میں آ کر عرض کیا: اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ کا رب فرماتا ہے کہ اگر میں نے ابراہیم علیہ السلام کو ظلیل بنایا ہے تو تمہیں حبیب بنایا ہے اور میں نے اپنے نزدیک تم سے زیادہ برگزیدہ کسی مخلوق کو پیدا نہیں کیا اور میں نے دنیا و جہان کو اسی لیے پیدا فرمایا ہے کہ وہ جان لیں کہ میرے نزدیک تمہاری قدر و منزلت اور مرتبت ہے اگر تم نہ ہوتے تو دنیا کو پیدا نہ کرتا۔“

اس کے بعد حق تعالیٰ نے نور محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کو پیشانی آدم علیہ السلام میں رکھا۔ ایک روایت میں ہے کہ ان کی پشت میں رکھا جو ان کی پیشانی سے چمکتا تھا۔ پھر تمام اعضاء میں سرایت کی اور حق تعالیٰ نے اس نور کی برکت سے آدم علیہ السلام کو تمام مخلوقات کے اسما، تعلیم فرمائے اور فرشتوں کو انہیں سجدہ کرنے کا حکم فرمایا۔ اس میں دو قول ہیں ایک جماعت کہتی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد میں کہ اِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ (جب تمہارے رب نے فرشتوں سے فرمایا) ملائکہ سے مراد ابلیس اور اس کے ساتھ فرشتوں کا وہ لشکر ہے جو زمین میں تھے وہی سجدہ کرنے کیلئے مامور ہوئے تھے۔ علماء کی ایک جماعت یہ کہتی ہے کہ جب حق تعالیٰ نے آسمان و زمین اور ملائکہ و اجنہ کو پیدا فرمایا تو فرشتوں کو آسمان میں رکھا اور اجنہ کو زمین میں ٹھہرایا۔ اس کے بعد کچھ عرصہ تک اجنہ زمین میں حق تعالیٰ کی عبادت کرتے رہے بعد ازاں انہوں نے ظلم و بغاوت کی بنیاد ڈالی تو اللہ تعالیٰ نے ملائکہ کے ایک لشکر کو ان کی ہلاکت و استیصال کیلئے زمین پر بھیجا۔ ان کو اتنا آکھ، اسے مستقر، ہمشہہ، نہر کا، خار جو، کہا جانے لگا اس بنا پر کہ وہ فرشتے اجنہ سرخازین و نگہبان مقرر کئے تھے۔ علماء کی یہ

جماعت ابلیس کو از قسم ملائکہ خیال کرتی ہے یہ جو قرآن میں ”و کسان من الجن“ جو جنات میں سے تھا۔ ”آیا ہے اس کے یہی معنی مراد لیتے ہیں اور اس گروہ ملائکہ میں ابلیس پیشوا و مرشد اور زیادہ عالم تھا۔ پھر وہ جنات جن کے تصرف میں زمین تھی وہاں سے نکال کر پہاڑوں جزیروں اور دریاؤں میں ڈال دیئے گئے اور فرشتوں کی اس قسم کو جن کا نام ”جن“ تھا زمین میں ٹھہرا دیا گیا۔ اور حق تعالیٰ نے تمام روئے زمین آسمان دنیا اور جنت کی نگہبانی ابلیس کو دیدی۔ ابلیس کبھی زمین میں عبادت کرتا، کبھی آسمان میں اور کبھی جنت میں لہذا حق تعالیٰ نے اس قسم کے ملائکہ کو جن کا نہ دار ابلیس تھا حکم فرمایا کہ وہ آدم کو سجدہ کرے تو ابلیس کے سوا سب نے سجدہ کیا۔ جیسا کہ کتب تفاسیر و تواتر

قرآن کے زیادہ موافق ہے۔

صاحب مواہب لدنیہ حضرت امام جعفر صادق سلام اللہ علیہ علی آباءہ الکرام واولادہ العظام سے نقل کرتے ہیں کہ امام صاحب نے فرمایا سب سے پہلے حضرت جبریل علیہ السلام نے حضرت آدم علیہ السلام کو سجدہ کیا۔ ان کے بعد میکائیل نے۔ ان کے بعد اسرافیل نے۔ ان کے بعد عزرائیل نے اور ان کے بعد ملائکہ مقررین نے سجدے کیے اور فرمایا: فَسَجَدَ الْمَلَائِكَةُ كُلُّهُمْ أَجْمَعُونَ۔ سب سے آخر میں تمام فرشتوں نے سجدہ کیا۔

جب حضرت آدم علیہ السلام کو جنت میں داخل فرمایا گیا تو انہوں نے اپنے جنسی رفیق کی خواہش ظاہر کی جس سے محبت کریں اور ذکر حق میں باطنی سکون و قرار حاصل کریں۔ حق تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو نیند میں مبتلا کر دیا اور اس حالت خوابیدگی میں ان کی بائیں پسلی نکال کر اس سے سیدہ حواء کو پیدا فرمادیا۔ ان کا نام ”حواء“ اسی بناء پر رکھا گیا کہ وہ ”جی“ یعنی زندہ سے پیدا کی گئی ہیں۔ جب حضرت آدم علیہ السلام نے حواء کو دیکھا تو اپنے دونوں ہاتھ ان کی طرف بڑھائے۔ اس پر فرشتوں نے کہا: ”ٹھہریے۔ تاکہ نکاح ہو جائے اور آپ ان کا مہر ادا کر دیں۔“ حضرت آدم علیہ السلام نے فرمایا ”مہر کیا ہے؟“ فرشتوں نے کہا ”تین مرتبہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیج دو مہر ادا ہو جائے گا۔“ ایک روایت میں بیس مرتبہ آیا ہے۔ چنانچہ حق تعالیٰ عزاسمہ نے حضرت آدم علیہ السلام کا نکاح حضرت حواء سے فرمایا اور اپنے کلام اقدس سے خطبہ پڑھا۔ اس خدائی اعزاز پر ابلیس آدم علیہ السلام سے حسد کرنے لگا۔ مختصر آیت کہ ابلیس نے حضرت آدم علیہ السلام کو وسوسہ میں مبتلا کر کے ان کو جنت سے نکلوا دیا۔ جب حضرت آدم علیہ السلام زمین پر تشریف لائے تو اپنے کیے پر بہت پشیمان ہوئے اور طرح طرح کی دنیاوی مشقتیں جھیلیں چنانچہ مروی ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام جب زمین پر تشریف لائے تو تین سو سال تک سر جھکائے اشک ندامت بہاتے رہے اور آسمان کی جانب سر نہ اٹھایا۔ مسعودی فرماتے ہیں کہ اگر تمام روئے زمین کے رہنے والوں کے آنسو جمع کیے جائیں تو وہ حضرت آدم علیہ السلام کے آنسوؤں کے مقابلہ میں کم ہی نکلیں گے۔

کچھ روایتوں میں آیا ہے کہ حق تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کے آنسو سے عودِ رطب، زنجبیل، صندل اور طرح طرح کی خوشبوئیں پیدا فرمائیں اور حضرت حواء کے آنسو سے لونگ و جانفل وغیرہ پیدا فرمائیں۔ بعد ازاں حق تعالیٰ نے انہیں وہ کلمات الہام فرمائے جن کے سبب ان کی توبہ مقبول بارگاہ ہوئی۔ اکثر مفسرین کے قول کے مطابق وہ کلمات یہ ہیں: رَبَّنَا ظَلَمْنَا أَنْفُسَنَا وَإِنْ لَّمْ تَغْفِرْ لَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَكُونَنَّ مِنَ الْخَاسِرِينَ۔ یعنی اے ہمارے رب ہم نے اپنی جانوں پر ظلم کیا اب اگر تو نہ بخشے اور ہم پر رحم نہ فرمائے تو یقیناً ہم نقصان اٹھانے والوں میں سے ہوں گے۔

کتب تفاسیر و سیر میں اور بھی کلمات استغفار مذکورہ ہیں اور بعض مفسرین نے کلمات الہام کی تفسیر سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم سے توسل اور آپ کے ذریعہ شفاعت کی طلب سے کی ہے۔ یہ قول دیگر اقوال کے منافی و مخالف نہیں ہے کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے توسل سے ہی توبہ و استغفار کی گئی تھی۔

واضح رہنا چاہیے کہ حضرت آدم علیہ السلام کا قصہ ان کا جنت میں داخل ہونا ابلیس کا وسوسہ ڈالنا اور ان کا جنت سے باہر آنا یہ طویل و واقعات ہیں۔ چونکہ کاتب حروف کا مقصود سید البشر افضل المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کے قصہ کا ذکر نہ کرنا بلکہ اس سے

نون و سکون ضاد) بن کنانہ (بکر کاف و نون کے ساتھ) بن خزیمہ (نجار معجمہ وزراء بر لفظ تصغیر) بن مدرکہ (بضم میم و سکون دال و کسر را) بن الیاس (بکسر ہمزہ ایک قول کے بموجب اور دوسرے قول کے بموجب بفتح ہمزہ بمعنی یاس (نا امید) جو رجاء (امید) کی ضد ہے اور ہمزہ (وصل کیلئے صاحب مواہب کہتے ہیں کہ یہ قول اصح ہے) بن مضر (بضم میم و فتح ضاد) بن نزار (بکسر نون و براء) بن معد (بضم میم و فتح عین اور بعض کے نزدیک بفتح میم و سکون عین اسے صحیح کہتے ہیں) بن عدنان (بفتح عین و سکون دال) یہاں تک سلسلہ نسب میں ارباب سیر اور اصحاب علم النساب سب کا اتفاق ہے اور اس سے اوپر معلوم صحیح نہیں ہے۔ اس میں اتفاق ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اولاد اسماعیل علیہ السلام سے ہیں اور حضرت ابراہیمؑ حضرت نوحؑ حضرت ادریسؑ صلوات اللہ علیہم و سلامہ آپ کے اجداد میں ہیں۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے منقول ہے فرماتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب اپنا نسب شریف بیان فرمایا کرتے تھے تو معد بن عدنان سے تجاوز نہیں کرتے۔ اس جگہ ظہر جاتے تھے اور فرماتے کذب النسابون نسب گویوں نے جھوٹ ملا رکھا ہے۔ ایسا

۴۰۰ اونٹ تھے۔ حضرت عبدالمطلب قریش کے ساتھ اونٹ پر سوار ہو کر نکلے اور جبل شہیر پر آئے۔ اس وقت حضرت عبدالمطلب کی پیشانی پر نور محمدی صلی اللہ علیہ وسلم ہلال کی مانند چمکنے لگا اور اس نور مبارک کی تیز شعاعیں خانہ کعبہ پر پڑنے لگیں جس سے وہ خوب روشن ہو گئی۔ جب حضرت عبدالمطلب نے اس نور مبارک کو دیکھا تو فرمانے لگے: اے گروہ قریش! جاؤ بلاشبہ اس معاملہ میں تمہیں کامیابی ہوگی۔ خدا کی قسم! یہ نور مبارک اسی وقت چمکتا ہے جبکہ ہمیں کامیابی اور ظفر مندی حاصل ہوتی ہے۔ اس کے بعد قریش لوٹ گئے اور منتشر ہو گئے۔ ابرہہ نے ایک شخص کو بھیجا تا کہ وہ لشکر کو شکست دے۔ جب وہ مکہ مکرمہ میں داخل ہوا اور حضرت عبدالمطلب کے چہرہ پر نور پر نظر ڈالا تو وہ دم بدم کرا کر رہا۔ یہ سچا واقعہ ہے کہ ابرہہ نے مکہ کو چھوڑ دیا اور نہ واپس آیا۔

عبدالمطلب کو سجدہ کر کے کہنے لگا میں گواہی دیتا ہوں تم قریش کے سچے سردار ہو۔

ایک روایت میں ہے کہ جب حضرت عبدالمطلب ابرہہ کے پاس تشریف لے گئے اور اس نے اس سفید ہاتھی کو بلایا جو خانہ کعبہ کو منہدم کرنے کیلئے لایا گیا تھا۔ جب ہاتھی نے حضرت عبدالمطلب کے چہرہ پر نور پر نظر ڈالی تو وہ سجدے میں گر گیا۔ حالانکہ یہ ہاتھی دوسرے ہاتھیوں کے برعکس ابرہہ کو بھی سجدہ نہ کرتا تھا۔ گویا کہ یہ ہاتھی حق تعالیٰ کی مشیت کے مطابق حضرت عبدالمطلب کے آگے سر جھکا کر زبان حال سے کہہ رہا تھا کہ سلام ہو اس پر جو اے عبدالمطلب تمہاری پشت میں ہے۔ اس ہاتھی کے سر پر چند آنکس مارتے تھے مگر

خود قریش نے بھی خانہ کعبہ کی کئی مرتبہ از سر نو تعمیر کی ہے۔ ان میں سے ایک مرتبہ تو اس سال اس کی تعمیر ہوئی تھی جس سال سیدہ فاطمہ الزہراء رضی اللہ عنہا پیدا ہوئیں۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بنفس نفیس خود پتھر اٹھاتے تھے۔ یہ انہدام و تعمیر بقصد درنگی تھی۔

ہاشم

حضرت عبدالمطلب کے والد ہاشم کا نام عمرو ہے۔ ہاشم اس وجہ سے کہتے ہیں کہ ہاشم کے معنی روٹی کے ٹکڑے ٹکڑے کرنا ہیں۔ سب سے پہلے جس نے اپنی قوم کو قحط کے زمانہ میں اشکنہ یعنی روٹی کے ٹکڑے پکا کے کھلائے وہ یہی تھے اور علو مرتبت کے لحاظ سے ان کو عمر و اعلیٰ بھی کہتے ہیں۔ یہ بہت خوبصورت اور صاحب جہ و جلال تھے۔ ہاشم کے چار فرزند تھے ایک اسد جو علی مرتضیٰ کی والدہ کے والد تھے دوسرے نفیلہ تیسرے صفیٰ چوتھے عبدالمطلب جو ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے دادا تھے۔ ان کی کوئی اولاد حضرت عبدالمطلب کے سوا باقی نہ رہی۔

عبد مناف



کے نام اپنے لیے۔ کلاب ایک حکیم کا نام بھی ہے بعض کہتے ہیں کہ کلاب کا نام عروہ تھا۔

مرہ بن کعب

یہ وہ پہلا شخص ہے جس نے یوم عروہ مقرر کیا۔ عروہ بفتح عین جمعہ کے دن کا نام ہے۔ وہ اس دن قریش کو جمع کرتا اور انہیں خطبہ دیتا اور نبی آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد کی بشارت دیتا۔ یہ انہیں بتاتا تھا کہ وہ میری نسل میں سے ہوں گے۔ وہ لوگوں کو ان کی پیروی کرنے اور ان پر ایمان لانے کی تلقین کرتا۔ اس ضمن میں اس نے بہت سے اشعار لکھے ہیں جن میں سے ایک شعر یہ ہے۔

يَلِكَيْتَنِي شَاهِدًا فَحَوَاءُ دَعْوَتِهِ
حِينَ الْعَشِيرَةُ تَبْغِي الْحَقَّ خُذْ لَانًا

لوی بن غالب

لوی لائی کی تصغیر ہے جس کے معنی ہیں خوب عیش و عشرت کی زندگی گزارنا۔

فہر

فہر کے بارے میں اہل سیر و تاریخ کی ایک جماعت کہتی ہے کہ قریش اس کا لقب ہے اور قریش کی نسبت اسی کی جانب کرتے ہیں۔ چنانچہ جو فہر کی نسل سے نہیں ہوتا اسے قریشی نہیں کہنا کہتے تھے۔ اکثر اہل سیر یہ بھی کہتے ہیں کہ قریش نصر بن کنانہ کا لقب ہے اور ان کی اولاد کو قرشی اور قریشی کہتے ہیں۔

قریش کی وجہ تسمیہ

قریش نام رکھنے میں متعدد وجوہات بیان کیے گئے ہیں مشہور وجہ یہ ہے کہ قریش ایک بہت بڑا آبی جانور ہے جو مچھلیوں کو کھاتا ہے۔ کوئی دوسرا آبی جانور اسے نہیں کھا سکتا۔ یہ تمام دریائی جانوروں پر غالب و برتر رہتا ہے۔ صراح میں اس کی شہادت میں بعض شعراء متقدمین کے اشعار نقل کیے گئے ہیں لیکن بعض یہ کہتے ہیں کہ متفرق اور منتشر ہو جانے کے بعد حرم پاک میں چونکہ وہ لوگ دوبارہ مجتمع ہوئے تھے اور قریش کے معنی ہی جمع ہونے اور اکٹھا ہونے کے ہیں۔ تیسری وجہ یہ بیان کی جاتی ہے کہ یہ لوگ اہل تجارت اور صاحب نہر تھے اور قریش کے معنی کسب و ہنر اور اکٹھا کر نیکے ہیں۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ جب لوگ حج کیلئے آتے ہیں تو یہ لوگ فقراء و مساکین کے احوال کی تفتیش کرتے اور ان کی امداد کرتے تھے۔ یہاں قریش کے معنی تفتیش کے ہیں۔ صراح میں قریش کے معنی غالب آنے اور اقراش کے معنی کسی کیلئے سعی و کوشش کرنے کے ہیں۔

مدرکہ

مدرکہ کا نام عامریا عمر تھا۔ مدرکہ معنی پانے والے کے ہیں۔ اس کی وجہ تسمیہ اہل سیر یہ بیان کرتے ہیں کہ ایک دن وہ ایک خرگوش کے پیچھے دوڑے اور اسے پکڑ لیا اس پر ان کے والد نے ان کا لقب مدرکہ رکھ دیا۔ اور وہ اسی لقب سے مشہور ہوئے۔ بعض وجہ تسمیہ یہ بتاتے ہیں کہ ان کے آباؤ اجداد جو عزت و شرف رکھتے تھے وہ سب ان میں جمع تھیں۔ اس کلمہ کا ”تاء“ مبالغہ کیلئے ہے کذا فی روضہ الاحباب اور یہ بھی ممکن ہے کہ یہ تاء صفت سے اسمیت و علم کی جانب منتقل کرنے کیلئے ہو۔ (واللہ اعلم)

الیاس

الیاس پہلے شخص ہیں جنہوں نے بیت الحرام کی طرف اونٹوں کی ہڈی بھیجی، قاموس میں کہا گیا ہے کہ یہ پہلے شخص ہیں جنہیں یاس محرکہ یعنی سیل پہنچی ہے۔ منقول ہے کہ وہ اپنی پت میں حج کے موقع پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے تبلیہ کی آواز سنا کرتے تھے۔

مضر

مضر وہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے اپنے اہل کیلئے حدی کو مقرر کیا۔ یہ اپنے زمانہ میں تمام لوگوں سے بہتر خوش آواز تھے اور دین اسلام اور ملت ابراہیم علیہ السلام پر قائم تھے۔

نزار

نزار نذر سے بنا ہے جس کے معنی قلیل کے ہیں۔ کہتے ہیں کہ جب یہ پیدا ہوئے تو ان کے والد نے ان کی دونوں آنکھوں میں نور محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کو چمکتے دیکھا اور اس پر بہت خوش ہوئے۔ اور اسی خوشی میں مساکین کو کھانا کھلایا اور کہا کہ یہ سب کچھ اس بچے کی ولادت کی خوشی میں بہت کم ہے۔ اسی بنا پر ان کا نام ”نزار“ رکھا۔ ان کی کنیت ابوربیعہ تھی۔

معد بن عدنان

معد بن عدنان کے بھائی سعد بن عدنان تھے۔ معد بن عدنان حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اجداد میں سے ہیں۔ نسب شریف عدنان سے اوپر نہیں جاتا اور نہ ہی آنحضرت ﷺ پر اس سلسلہ میں وحی کی گئی۔

مشاہدات حضرت عبدالمطلب

وصل: جب حق تعالیٰ نے ابرہہ کے شر سے حضرت عبدالمطلب کو نجات بخشی تو ایک دن حضرت عبدالمطلب ”حجرہ“ میں سو رہے تھے۔ انہوں نے ایک بہت برا خواب دیکھا جس سے وہ خوفزدہ ہو گئے۔ انہوں نے اپنا خواب قریش کے کاہنوں سے بیان کیا۔ کاہنوں نے جواب دیا کہ اگر تمہارا خواب سچ ہے تو یقیناً تمہاری پشت سے کوئی ایسا شخص پیدا ہوگا جس پر تمام زمین و آسمان والے ایمان لائیں گے اور اس کی نشانیاں خوب ظاہر و روشن ہوں گی۔ اس کے بعد حضرت عبدالمطلب نے فاطمہ سے نکاح کیا۔ وہ حضرت عبد اللہ ذبیح (حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے والد ماجد ہیں) سے حاملہ ہوئیں اور حضرت عبد اللہ کے لقب ذبیح ہونے کا واقعہ بہت مشہور و معروف ہے۔

چاہ زمزم کا قصہ

جاننا چاہیے کہ جب سیدہ ہاجرہ کے بطن اقدس سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے فرزند حضرت اسماعیل علیہ السلام پیدا ہوئے تو نور محمدی ان کی پیشانی میں چمکتا تھا۔ حضرت سارہ جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کی زوجہ مطہرہ تھیں اس پر رشک کرنے لگیں اور وہ حضرت اسماعیل علیہ السلام اور سیدہ ہاجرہ رضی اللہ عنہا کو دیکھنے کی تاب نہ رکھتی تھیں۔ چونکہ ان کے کوئی فرزند نہ تھا اس لیے وہ نہ چاہتی تھیں کہ سیدہ ہاجرہ کے ہاں ایسا فرزند ہو جو اس نور مبارک کا حامل ہو۔ بالآخر حضرت سارہ رضی اللہ عنہا نے خواہش ظاہر کی کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام سیدہ ہاجرہ اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کو کسی ایسی جگہ لیجا جہاں نہ عمارت ہو نہ کھیتی نہ آب و دانہ ہو اور نہ آبادی، تنہا چھوڑ کر آجائیں اور حضرت

ابراہیم علیہ السلام کو حضرت سارہ رضی اللہ عنہا کی دل جوئی اور خاطر داری کا حکم دیا گیا تھا۔ اس کے بعد وہ سیدہ ہاجرہ رضی اللہ عنہا اور اسماعیل علیہ السلام کو لے کر اس مقام پر تشریف لائے۔ ۱۵۱ھ تک یہاں رہے۔ پھر مدینہ منورہ کے

طویل ہے چونکہ اس جگہ زمزم شریف کی حالت کا بیان مقصود ہے کہ وہ کیسے گم ہوا اور پھر وہ حضرت عبدالملک کے زمانہ میں کیسے ظاہر ہوا۔
منقول ہے کہ جب تک حضرت اسماعیل علیہ السلام حیات رہے خانہ کعبہ کی تولیت انہیں سے متعلق رہی۔ آپ کے بعد ”ثابت“ جو کہ سب سے بڑے آپ کے فرزند تھے آپ کے قائم مقام ہوئے طویل زمانہ گزر جانے کے بعد ان کے اور قبیلہ جرہم کے درمیان اس رشتہ کی بنا پر جو حضرت اسماعیل علیہ السلام سے تھے جھگڑا اور خصومت پیدا ہو گئی اور صلح صفائی نہ ہو سکی جس کی بنا پر بہت سے فرزند ان حضرت اسماعیل علیہ السلام مکہ سے نکل کر عرب کے اطراف و اکناف میں جا بسے اور مکہ کی حکومت قوم جرہم کے پاس رہ گئی۔ کچھ عرصہ تک یہی صورت رہی جب قوم جرہم کا ایک حاکم عمرو بن حارث ہوا اور اس نے ظلم و ستم کی بنا ڈالی اور مسافروں کو ستانے لگا جو ہدیہ خانہ کعبہ کیلئے آتے یا کوئی بھیجتا تو وہ خود اس پر قبضہ کر لیتا۔ اس وقت عرب کے وہ قبیلے جو گرد و نواح میں بستے تھے اس کے استیصال و ہلاکت کیلئے اٹھ کھڑے ہوئے۔ قوم جرہم ان کے مقابلہ کی تاب و طاقت نہ رکھتی تھی بھاگ کھڑی ہوئی اور یمن کی جانب چلی گئی۔ اور بھاگتے وقت ابن عمرو بن حارث نے حجر اسود کو رکھ کر کہہ دیا کہ اس کو رکھ کر اور دوسو نے کی ہرن کی مورتیوں کی جو زرو جو اہر سے مرصع تھی جسے اسفند یا فارسی نے بطور ہدیہ خانہ کعبہ بھیجا تھا اور اسے غزال الکعبہ کہتے تھے اور چند ہتھیار جو خانہ کعبہ میں تھے سب کو چاہہ زمزم میں چھپا کر اسے پاٹ دیا۔ اور جگہ کو زمین کے برابر کر کے۔ اس کا نام و نشان تک مٹا دیا۔ حق تعالیٰ نے حرم مکہ کی اس بے حرمتی اور وہاں ظلم و فسق برپا کرنے کی پاداشت میں ان پر ایک وبا بھیجی جسے اہل عرب ”حدسہ“ کہتے ہیں۔ کچھ تو ہلاک ہوئے اور کچھ وہاں سے بھاگ کھڑے ہوئے۔ اس کے بعد حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد مکہ میں واپس آئی اور رہنے لگی لیکن چاہہ زمزم اسی دن سے گم اور بے نشان رہا۔ جس وقت اہل مکہ کی حکومت

کرو گے؟ تو ان سب نے کہا ہم آپ کے رب کی اور آپ کے آبا حضرت ابراہیم علیہ السلام و اسماعیل علیہ السلام و اسحاق علیہ السلام کے رب کی عبادت کریں گے۔ تو اس آیت میں حضرت اسماعیل علیہ السلام کو آبا میں شمار کیا حالانکہ وہ حضرت یعقوب علیہ السلام کے چچا اور حضرت اسحاق علیہ السلام کے بھائی تھے۔ یہی صورت حضرت اسحاق علیہ السلام کے ذبح ہونے کے قول میں ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے آپ کو ان کا فرزند فرمایا حالانکہ وہ چچا ہیں اور حضور ابن عم، لیکن ابن قیم پہلے قول جمہور کی ترجیح میں کہتے ہیں کہ اس میں کوئی شک و شبہ نہیں کہ حضرت ذبح علیہ السلام مکہ میں تھے اسی لیے روزِ نحر یعنی قربانی کے دن مکہ میں قربانیاں کی جاتی ہیں جس طرح کہ صفا و مروہ کی سعی اور رمی جمرات مکہ میں ہے۔ یہ اس بنا پر ہے کہ حضرت اسماعیل علیہ السلام اور ان کی والدہ کی یادگار رہے اور ذکر الہی قائم رہے اگر ذبح شام میں ہوتی تو قربانیاں بھی شام میں ہوتیں۔ نیز قرآن کریم میں ذبح کو حلیم فرمایا گیا ہے اور حلیم وہی ہوتا ہے جو رضائے الہی کی خاطر اپنے آپ کو قربانی کیلئے پیش کرے۔ قرآن کریم میں حضرت اسحاق علیہ السلام کی صفت میں علیم فرمایا گیا ہے اس کے ماسوائے کی فطری عادت ہے کہ پہلا بچہ زیادہ محبوب ہوتا ہے، جب حضرت خلیل علیہ السلام کے دل میں اس کا تعلق پیدا ہوا تو محبت کی غیرت نے تقاضا کیا کہ اس کو ذبح کرنے کے حکم کے ساتھ قطع کیا جائے۔

اور ایک بات یہ بھی ہے کہ حضرت اسماعیل علیہ السلام کی ولادت حضرت اسحاق علیہ السلام کی ولادت سے مقدم ہے اور یہ تو جہاں بات اور ترجیحات لغوی ہیں کہ غلبہ ظن کا افادہ نہیں کرتیں۔ چہ جائیکہ قطعی و یقینی ہو۔

صاحب مواہب ایک حکایت بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ نے ایک یہودی عالم سے جو مسلمان ہو چکے تھے پوچھا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دونوں فرزندوں میں سے کس کو ذبح کرنے کا حکم دیا گیا تھا۔ انہوں نے کہا خدا کی قسم! اے امیر المومنین یہودی خوب جانتے ہیں کہ یہ حکم حضرت اسماعیل علیہ السلام کیلئے تھا لیکن اے گروہ عرب! وہ تم سے حسد کرتے ہیں کہ تمہارا باپ افضل ہو۔ جس کا ذکر حق تعالیٰ نے کیا ہے۔ اور وہ اس کا انکار کر کے کہتے ہیں کہ وہ حضرت اسحاق علیہ السلام ہیں۔

علامہ شیخ جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ اپنے رسائل میں بیان کرتے ہیں کہ حضرت اسحاق علیہ السلام کے ذبح ہونے کا قول اہل کتاب کی تحریفات میں سے ہے (اتمی) لیکن یہ قول مشائخ عظام کے کلام میں موجود ہے (واللہ اعلم)

حضرت عبداللہ کا حسن و جمال

وصل: جب حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کے حسن و جمال کی شہرت عام ہو گئی اور ذبح و فدیہ کا واقعہ مزید شہرت کا باعث ہوا تو قریش کی عورتیں ان کے جمال و وصال کی طالب بن کر سرِ راہ نکل کر کھڑی ہو گئیں اور ان کو اپنی جانب بلانے لگیں۔ مگر حق تعالیٰ نے انہیں محفوظ رکھا۔ اہل کتاب بعض علامتوں اور نشانیوں سے پہچان گئے تھے کہ نبی آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم کا وجود گرامی حضرت عبداللہ کے صلب

سیدہ آمنہ (رضی اللہ عنہا) کا نکاح حضرت عبداللہ بن عبدالمطلب سے کر دوں اور پھر یہ بات اپنے دوستوں کے ذریعہ حضرت عبدالمطلب کی خدمت میں پہنچائی۔ حضرت عبدالمطلب بھی یہی چاہتے تھے کہ عبداللہ کی شادی ہو جائے اس سلسلہ میں وہ کسی ایسی عورت کی جستجو میں تھے جو شرف حسب و نسب اور عفت میں ممتاز ہو۔ آمنہ بنت وہب میں یہ صفات موجود تھیں عبدالمطلب نے اس رشتہ کو پسند کیا اور حضرت عبداللہ کا ان کے ساتھ نکاح کر دیا۔

منقول ہے کہ حضرت عبداللہ بنی اسد کی ایک عورت کے سامنے سے گزرے یہ خانہ کعبہ کے پاس کھڑی تھی اور اس کا نام رقیصہ یا قتیلہ بنت نوفل تھا۔ جب اس عورت کی نظر حضرت عبداللہ پر پڑی تو وہ آپ کے حسن و جمال پر فریفتہ ہو گئی اور کہنے لگی وہ سوانح جو تم پر فدا کیے گئے ہیں میرے ذمہ ہیں۔ میں پیش کروں گی۔ حضرت عبداللہ کو اس پر عفت و حیا دامنگیر ہوئی آپ انکار کر کے آگے نکل گئے۔ دوسرے دن ایک شعمی عورت نے جو علم کہانت میں ماہر اور خوب مالدار تھی اس نے بھی اپنے مال کے ذریعہ حضرت عبداللہ کو دور غانا چاہا۔ اسی طرح بہت سی عورتوں نے پیش کش کی۔ مگر عبداللہ کسی کے فریب میں نہ آئے۔ جب گھر تشریف لائے تو حضرت آمنہ سے زفاف ہوا۔ اور نور محمدی صلی اللہ علیہ وسلم ان کی پشت مبارک سے منتقل ہو کر رحم آمنہ میں جلوہ فگن ہوا۔ اور وہ حاملہ ہو گئیں۔ یہ منی کے ایام تھے۔ جیسا کہ آگے آئے گا پھر جب دوسری مرتبہ اس عورت کے سامنے سے حضرت عبداللہ گزرے تو اس عورت نے حضرت عبداللہ کی مشابہت میں نور مبارک سے اٹو وہ کہنے لگی اے امانت مہربان! نکاح تو نہ کرے۔

کے تمام بادشاہوں کے تخت الٹ دیئے گئے۔ اور اس رات ہر گھر روشن و منور ہوا۔ اور کوئی جگہ ایسی نہ تھی جو انوارِ قدس سے جگمگانہ رہی ہو۔ اور کوئی جانور ایسا نہ تھا جس کو قوتِ گویائی نہ دی گئی ہو اور اس نے بشارتِ ندی ہو، مشرق کے پرندوں نے مغرب کے پرندوں کو خوشخبریاں دیں۔ قریش کا یہ حال تھا کہ وہ شدید قحط اور عظیم تنگی میں مبتلا تھے۔ چنانچہ تمام درخت خشک ہو گئے تھے اور تمام جانور نحیف و لاغر ہو گئے تھے۔ پھر حق تعالیٰ نے بارش بھیجی۔ جہاں بھر کو سرسبز و شاداب کیا۔ درختوں میں تروتازگی آئی۔ خوشی و مسرت کی ایسی لہر دوڑی کہ قریش نے اس سال کا نام ”سنتہ الفتح والاہتاج“ رکھا۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم شکمِ مادر میں نومینے کامل رہے مادرِ محترمہ نے عام عورتوں کی طرح کسی قسم کی گرانی بار، درد اور طبیعت کی بد مزگی محسوس نہ کی۔ سیدہ آمنہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ مجھے معلوم ہی نہ تھا کہ میں حمل سے ہوں صرف اتنا تھا کہ حیض (ماہواری) بند ہو گیا تھا۔ لیکن بعض روایتوں میں آیا ہے کہ فرمایا کچھ بوجھ سا معلوم ہوتا ہے ابو نعیم نے دونوں روایتوں کی جمع تطبیق اس طرح کی ہے کہ ابتداء علق میں ثقل معلوم ہوتا تھا مگر مدت گزر جانے کے بعد حمل میں خفت محسوس ہونے لگی۔ اور یہ دونوں باتیں خلافِ عادت و دستور ہیں۔ کذا فی الموابہ نیز ابو نعیم و حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت آمنہ رضی اللہ عنہا کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے حاملہ ہونے کے دلائل میں سے ایک بات یہ تھی کہ قریش کے ہر چوپایہ نے اس رات گویائی کی اور کہا کہ قسم ہے خانہ کعبہ کے رب کی، آج رات اللہ کا رسول حمل میں تشریف لایا ہے جو ساری دنیا کا امام اور تمام جہاں والوں کا آفتاب ہے اور ایک روایت میں آیا ہے کہ روئے زمین کے تمام چوپائے اس رات گویا ہوئے اور سب نے اسی طرح بشارت دی۔

سیدہ آمنہ فرماتی ہیں کہ میں خواب و بیداری کی درمیانی حالت میں تھی کہ کسی نے ندا دی اے آمنہ تم حمل سے ہو گویا کہ میں نہیں جانتی تھی کہ میں حمل سے ہوں۔ اس کے بعد بتایا کہ تم اس امت کے افضل سے حاملہ ہو اور ایک روایت میں ہے کہ ساری مخلوق سے افضل سے حاملہ ہو۔ اس وقت مجھے معلوم ہوا کہ میں حمل سے ہوں اور فرماتی ہیں کہ حمل کے ہر مہینہ میں آسمان و زمین کے درمیان میں یہ آواز سنا کرتی کہ تمہیں مبارک ہو وہ وقت قریب آ پہنچا ہے کہ ابوالقاسم صلی اللہ علیہ وسلم دنیا میں جلوہ افروز ہونے والے ہیں جو صاحبِ خیر و برکت ہیں۔ یہ روایت بہت ہی ضعیف ہے۔

سنتہ آمنہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم میرے شکم میں رہتے تھے کہ ایک دفعہ مجھے سہاگہ اور انوکھا کامیاب سے

سارا جہاں منور ہو گیا اور میں نے بصرے کے محلات دیکھے۔ بصرہ شام کی جانب ایک شہر کا نام ہے اسی قسم کا ایک واقعہ ولادت شریف کے وقت میں بھی منقول ہے۔

سیدہ آمنہ کے لطنِ اقدس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا اور کوئی فرزند تو لد نہ ہوا اور نہ حضرت عبداللہ سے ہی حضور کے سوا کوئی اور فرزند پیدا ہوا۔

محمد بن اسحاق کہتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ابھی شکمِ مادر ہی میں تھے کہ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کی وفات ہو گئی تھی۔ بعض کہتے ہیں کہ آٹھ ماہ یا سات ماہ یا دو ماہ کے گود میں تھے کہ وفات پائی۔ اور یہ قول، اصح اقوال ہے۔

حضرت عبداللہ کی وفات مدینہ منورہ میں ہوئی ان دنوں وہ بسلسلہ تجارت قریش کے ساتھ تھے۔ جب واپسی میں مدینہ منورہ سے گزر رہا تو قافلہ سے جدا ہو کر اپنے بھائیوں کے پاس جو بنی نحر ٹھہر گئے۔ جب قافلہ کے لوگ مکہ مکرمہ پہنچے تو حضرت عبداللہ کے طلب نے

تھے۔ لیکن بعض کہتے ہیں مقام ابواء میں مدفون ہوئے تھے۔ ابواء مدینہ کے قریب ایک مقام کا نام ہے اور لوگوں میں یہی مشہور ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ، سے مروی ہے وہ فرماتے ہیں کہ جب حضرت عبداللہ نے وفات پائی تو فرشتوں نے مناجات کی کہ اے ہمارے رب! ہمارے سردار! محمد مصطفیٰ (صلی اللہ علیہ وسلم) جو تیرے نبی اور تیرے حبیب ہیں یتیم ہو گئے؟ حق تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ان کا میں حافظ و ناصر اور کفیل ہوں۔ ان پر صلوٰۃ و سلام بھیجو، اور ان کیلئے برکتیں مانگو اور ان کیلئے دعائیں کرو صَلَّوْاۤتُ اللّٰہِ تَعَالٰی وَمَلَائِکَتِہِ وَالنَّبِیِّیْنَ وَالصِّدِّیْقِیْنَ وَالشُّہَدَآءِ وَالصَّالِحِیْنَ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ بِنِ عَبْدِ اللّٰہِ بْنِ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ وَبَرَکَاتُہٗ وَسَلَامُہٗ،

ولادت مبارک

وصل: سبحان اللہ جب آپ کے حمل مبارک کا رعب و دبدبہ کا یہ عالم ہے تو آپ کی ولادت مبارک کا حال کیا ہوگا؟! تعالیٰ اللہ جل جلالہ۔ جاننا چاہیے کہ جمہور اہل سیر اور ارباب تواریخ کا اس پر اتفاق ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت مبارک عام الفیل، چالیس یا پچپن دن کے بعد ہوئی ہے۔ یہ قول سب سے زیادہ صحیح ہے۔ اور یہ بھی مشہور ہے کہ ماہ ربیع الاول میں ولادت ہوئی ہے اور بعض علماء اسی کو اختیار کرتے ہیں اور بعض بارہ بھی کہتے ہیں اور بعض دو ربیع الاول اور بعض آٹھ ربیع الاول کی رات گزرنے کے بعد کہتے ہیں بہت سے علماء اسی کو اختیار کرتے ہیں اور بعض دس بھی کہتے ہیں لیکن پہلا قول یعنی بارہ ربیع الاول کا زیادہ مشہور و اکثر ہے۔ اسی پر اہل مکہ کا عمل ہے ولادت شریف کے مقام کی زیارت اسی رات کرتے ہیں اور میلاد شریف پڑھتے ہیں۔

یہ ولادت مبارکہ بارہویں ربیع الاول کی رات روزِ دوشنبہ واقع ہوئی۔ اور وحی کی ابتداء، ہجرت مدینہ منورہ پہنچنا، فتح مکہ مکرمہ اور وفات شریف بھی روزِ دوشنبہ ہوئی۔ اور وقت ولادت مبارک صبح صادق میں طلوع آفتاب سے پہلے اور ”غفر“ کے طلوع کے وقت ہوئی۔

نہیں فرمایا جیسا کہ روز جمعہ کو مخصوص فرمایا جو حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق کا دن۔

اس کی وجہ اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کی کرامت اور آپ کی امت پر آپ کے وجود باوجود کی عنایت کے سبب سے تخفیف ہے۔ جیسا کہ ارشاد فرمایا: وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا رَحْمَةً لِّلْعَالَمِينَ

اور آپ کو نہیں بھیجا مگر سارے جہان کیلئے رحمت۔ انتہی۔ پیر کے دن روزہ رکھنا اس لحاظ سے کہ اس دن حضور اکرم صلی اللہ وسلم کی ولادت شریف سے بزرگی و کرامت حاصل ہوئی ہے مستحب ہے۔ حدیث شریف میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم روزہ دو شنبہ کو رکھا کرتے تھے۔ اور جب اس دن روزہ رکھنے کی وجہ دریافت کی گئی تو فرمایا میں اس دن پیدا ہوا۔ اور اسی دن مجھ پر وحی نازل کی گئی۔ (رواہ مسلم)

ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ مکہ مکرمہ میں ایک یہودی تھا جو تجارت کرتا تھا جب وہ رات آئی جس میں سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ولادت فرمائی تو اس یہودی نے کہا اے گروہ قریش! کیا آج کی رات تم میں کوئی فرزند پیدا ہوا ہے قریشیوں نے کہا ہمیں معلوم نہیں۔ اس یہودی نے کہا اس آخری امت کا نبی پیدا ہو گیا ہے اور اس کے دونوں شانوں کے درمیان ایک علامت ہے جس میں گھوڑے کی رگ کی مانند بال مجتمع ہیں۔ پھر اس یہودی کو سیدہ آمنہ کے پاس لائے اس نے کہا اپنے فرزند کی زیارت کرو پھر اس نے پشت مبارک سے قمیض اٹھا کر علامت دیکھی تو وہ بیہوش ہو کر زمین پر گر پڑا اور کہنے لگا خدا کی قسم! بنی اسرائیل سے نبوت جاتی رہی۔ (رواہ الحاکم) ابو نعیم حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ، سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت شریف کے وقت سات یا آٹھ سال کا بچہ تھا۔ میں نے یہ قصہ سنا اور دیکھا ہے کہ ایک یہودی صبح کے وقت اپنی قوم کو پکار رہا تھا اور فرمایا کر کر ہا تھا۔ یہودیوں نے اس سے کہا تجھے کیا ہوا کیوں فریاد کر رہا ہے اور ہمیں بلا رہا ہے۔ اس نے کہا آج کی رات احمد کے ستارے نے طلوع کر لیا ہے۔

عثمان بن ابی العاص اپنی والدہ سے روایت کرتے ہیں کہ وہ کہتی ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت شریف کے وقت موجود تھی میں نے دیکھا ایک نور ظاہر ہوا جس نے گھر اور تمام درو دیار کو نورانی کر دیا میں نے دیکھا کہ آسمان کے ستارے زمین کے نزدیک آگئے ہیں میں نے خیال کیا کہ شاید وہ مجھ پر گر پڑیں گے۔ تمام گھر پر انوار ہو گیا۔ احادیث صحیحہ و مشہورہ میں آیا ہے کہ سیدہ آمنہ فرماتی ہیں کہ میں نے شب ولادت میں دیکھا کہ ایک نور ظاہر ہوا جس سے شام کے محلات روشن ہو گئے اور میں نے ان کو دیکھا۔

حلیہ سعدیہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مرضعہ سے مروی ہے کہ سیدہ آمنہ فرماتی ہیں کہ مجھ سے ایک ستارہ عالم ظہور میں آیا جس سے ساری زمین روشن ہو گئی اور میں نے شام کے محلات دیکھے اور یہ فرزند پاک و صاف پیدا ہوا کسی قسم کی آلائش و پلیدی نہ تھی۔ یہ روایت اس امر میں صریح ہے کہ ولادت شریف عادت کے مطابق ہوئی جس طرح کہ تمام عورتوں کو ہوتی ہے نیز ایک اور حدیث میں ہے کہ فَاتَّخَذَ فِي الْمَخَاضِ تَوَجُّهَ دُرَّوْزٍ لَمْ يَكُنْ يَكْزُلُهَا۔ اس سے بھی یہی بات ظاہر ہوتی ہے۔

حضرت عبدالرحمن رضی اللہ عنہ بن عوف اپنی والدہ سے جن کا نام ”شفا“ تھا روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے بتایا:

جس وقت حضرت آمنہ سے فرزند تولد ہوا تو وہ میرے ہاتھ میں آیا۔ جو ختنہ شدہ تھا۔ پھر چھینک آئی اس پر کسی کہنے والے کی آواز سنی يَسْرَحْمَكَ اللّٰهُ۔ ”شفا“ بیان کرتی ہیں کہ مشرق و مغرب کے درمیان ہر چیز روشن ہو گئی اور میں نے اس وقت شام کے محلات و قصور دیکھے۔ ایک روایت میں روم کے محلات اور ایک روایت میں شام کے محلات آئے ہیں۔ شام ہی زیادہ صحیح ہے کیونکہ شام حضور کا ملک ہے اور کتب سابقہ میں آیا ہے۔ اور شام کی فضیلت میں بکثرت حدیثیں مروی ہیں۔ اور ”شفا“ بیان کرتی ہیں کہ میں ڈری اور مجھ پر لرزہ طاری ہو گیا۔ اس کے بعد ایک نور داہنی جانب سے ظاہر ہوا۔ کسی کہنے والے نے کہا اسے کہاں لے گیا؟ دوسرے نے جواب دیا مغرب

کی جانب تمام مقامات متبرکہ میں لے گیا۔ پھر بائیں جانب سے بھی ایک نور ظاہر ہوا۔ اس پر بھی کسی کہنے والے نے کہا کہ اسے کہاں لے گیا دوسرے نے جواب دیا اسے میں مشرق کی جانب تمام مقامات متبرکہ میں لے گیا۔ اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کے سامنے پیش کیا انہوں نے اسے اپنے سینہ سے لگایا اور طہارت و برکت کی دعا مانگی۔ ”شفاعاً“ بیان کرتی ہیں یہ بات میرے دل میں ہمیشہ جاگزیں رہی یہاں تک کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہوئے تو میں اسلام لائی اور اولین و سابقین میں سے ہوئی۔

نیز وہ سیدہ آمنہ کی بابت بیان کرتی ہیں کہ وہ فرماتی تھیں کہ میں نے خراب میں کسی کو کہتے سنا جبکہ چھ ماہ کی حاملہ تھی اس نے مجھ سے کہا اے آمنہ تم سارے جہان سے افضل کی حاملہ ہو جب تم سے وہ پیدا ہو تو اس کا نام محمد رکھنا۔ اور اپنے حال کو پنہاں رکھنا۔ اس روایت سے ظاہر و معلوم ہوتا ہے کہ محمد نام رکھنا آمنہ کی جانب سے ہوگا۔ حالانکہ دوسری حدیث میں آیا ہے کہ یہ نام حضرت عبدالمطلب نے رکھا ہے۔ تو ان دونوں روایتوں میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔

سیدہ آمنہ فرماتی ہیں کہ جب مجھ پر وہ حالت طاری ہوئی جو عام عورتوں کو وضع حمل کے وقت درد وغیرہ ہوتا ہے تو میں گھر میں تنہا تھی اور حضرت عبدالمطلب طواف میں تھے۔ اس وقت میں نے ایک عظیم آواز سنی جس سے میں خوفزدہ ہو گئی۔ اس کے بعد میں نے دیکھا ایک مرغ سفید کا بازو میرے سینے کو لے رہا ہے تو میرا خوف اور وہ درد جاتا رہا۔ پھر میں نے دیکھا کہ میرے پاس ایک سفید شربت کا پیالہ لایا گیا میں نے اسے پیا اور سکون و قرار حاصل ہوا۔ پھر میں نے نور کا ایک بلند مینار دیکھا اس کے بعد اپنے پاس بلند قامت والی عورتیں دیکھیں جن کا قد عبدمناف کی لڑکیوں کی مانند کھجور کے درختوں کی طرح ہے۔ میں نے تعجب کیا یہ کہاں سے آگئیں اس پر ان میں سے ایک نے کہا میں آسیہ، غفرنوں کی بیوی ہوں۔ دوسری نے کہا میں مریم بنت عمران ہوں اور یہ عورتیں خورعین ہیں۔ اور میرا حال بہت سخت ہو گیا اور ہر گھڑی عظیم سے عظیم تر آوازیں سنتی جس سے خوف معلوم ہوتا تھا۔ اسی حالت کے دوران میں نے دیکھا کہ ایک فرشتہ زمین و آسمان کے درمیان کھینچا گیا اور میں نے دیکھا کہ زمین و آسمان کے درمیان بہت سے لوگ کھڑے ہیں جن کے ہاتھوں میں چاندی کے آفتابے ہیں۔ پھر میں نے دیکھا کہ پرندوں کی ایک ڈار میرے سامنے آئی یہاں تک کہ میرا کمرہ ان سے بھر گیا۔ ان کی چونچیں زمر کی اور ان کے بازو یاقوت کے تھے اور حق تعالیٰ نے میری آنکھوں سے پردہ اٹھا دیا اور میں نے مشرق و مغرب کو دیکھا۔ اور میں نے دیکھا کہ تین علم ہیں ایک مشرق میں اور ایک مغرب میں اور ایک خانہ کعبہ کے اوپر نصب ہے۔ پھر مجھے دردزدہ ہوا اور محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) متولد ہوئے۔ اس وقت میں نے دیکھا کہ آپ سجدے میں ہیں اور دونوں انگشتبائے مسجد آسمان کی جانب اٹھائے ہوئے ہیں۔ اور انصر کی مانند گریاں کنناں ہیں۔ اس کے بعد میں نے ایک ابر سفید دیکھا جس نے انہیں میری نظروں سے چھپا دیا۔ اور میں نے کسی کی آوازی سنی جو کہہ رہا تھا انہیں زمین کے مشرق و مغرب کی سیر کراؤ اور ان کے شہروں میں گشت کراؤ تا کہ وہاں کے رہنے والے آپ کے اسم مبارک اور نعت و صورت کو پہچان لیں اور جان لیں کہ آپ کی صفت مآتی ہے۔ جو کہ شرک کے آثار کو محو فرما کریں گے۔

ایک اور حدیث میں ہے کہ سیدہ آمنہ فرماتی ہیں کہ جب حضور کو لٹایا گیا تو میں نے ایک بہت بڑے نورانی ابر کو دیکھا جس میں گھوڑوں کے منہ بنانے اور بازوؤں کے پھڑ پھڑانے اور لوگوں کے باتیں کرنے کی آوازیں سنیں یہاں تک کہ اس ابر نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ڈھانپ لیا اور میری نظروں سے غائب ہو گئے اس وقت میں نے ایک منادی کو ندا کرتے سنا وہ کہہ رہا تھا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو زمین کے جملہ گوشوں میں پھر او اور جن و انس کی روحوں پر گشت کراؤ، فرشتوں، پرندوں اور چرندوں کو زیارت کراؤ۔ اور ان کو حضرت

یعقوب علیہ السلام کی بشارت، حضرت موسیٰ علیہ السلام کی شدت، حضرت ایوب علیہ السلام کا صبر، حضرت یونس علیہ السلام کی طاعت، حضرت یوشع علیہ السلام کا جہاد، حضرت داؤد علیہ السلام کا لُحْن اور آواز حضرت دانیال علیہ السلام کی محبت، حضرت الیاس علیہ السلام کا وقار، حضرت یحییٰ علیہ السلام کی عصمت اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے زہد کا پیکر بناؤ (علیہم السلام) اور تمام نبیوں کے دریائے اخلاق میں غوطہ دوسیدہ آمنہ فرماتی ہیں کہ اس کے بعد وہ ابر مجھ سے کھل گیا۔ تو میں نے دیکھا کہ سبز ریشمی کپڑے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم خوب لپٹے ہوئے ہیں اور چشمہ کی مانند اس حریر سے پانی ٹپک رہا ہے۔ اور کوئی کہنے والا کہتا ہے کہ ماشاء اللہ ماشاء اللہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو تمام دنیا پر کس شان سے بھیجا گیا۔ دنیا کی کوئی مخلوق ایسی نہیں ہے جو آپ کی تابع فرمان نہ ہو۔ سب ہی کو آپ کے قبضہ قدرت میں دیا گیا ہے پھر جب میں نے آپ کی طرف نظر کی تو میں نے دیکھا کہ گویا آپ چودھویں رات کے چاند کی مانند چمک رہے ہیں اور آپ کے جسم اطہر سے مشک و عنبر کی لپٹیں آرہی ہیں۔ اور تین شخص کھڑے ہیں ایک کے ہاتھ میں چاندی کا آفتاب ہے دوسرے کے ہاتھ میں سبز زمرہ کا طشت ہے اور تیسرے کے ہاتھ میں سفید حریر ہے۔ اس کے بعد انہوں نے ایک انگشتری نکالی جس سے دیکھنے والوں کی نظریں جھپک گئیں۔ پھر اسے سات مرتبہ دھویا اور اس انگشت سے آپ کے شانوں کے درمیان مہر کیا۔ اور حریر میں لپیٹ کر اٹھالیا اور کچھ دیر اپنے آغوش میں لیکر میرے سپرد کر دیا۔

حضرت عبدالمطلب سے منقول ہے کہ وہ فرماتے ہیں کہ میں شب ولادت، کعبہ کے پاس تھا جب آدھی رات ہوئی تو میں نے دیکھا کہ کعبہ مقام ابراہیم کی طرف جھکا اور سجدہ کیا اور اس سے تکبیر کی آواز آئی کہ اَللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ رَبُّ مُحَمَّدٍ الْمُصْطَفٰی اَلْاَنَ قَدْ طَهَّرْنٰی رَبِّیْ مِنْ اَنْجَاسِ الْاَصْنَامِ وَاَرْجَاسِ الْمُشْرِكِیْنَ، اللہ بلند و بالا ہے اللہ بلند و بالا ہے وہ رب ہے محمد مصطفیٰ کا۔ اب مجھے میرا رب بتوں کی پلیدی اور مشرکوں کی نجاست سے پاک فرمائے گا، اور غیب سے آواز آئی رب کعبہ کی قسم، کعبہ کو برگزیدگی ملی۔ خبردار ہو جاؤ کعبہ کو ان کا قبلہ، ان کا مسکن ٹھہرایا۔ اور وہ بت جو کعبہ کے گرد اگر نصب تھے ٹکڑے ٹکڑے ہو گئے اور سب سے بڑا بت جسے بُہل کہتے تھے منہ کے بل گر پڑا تھا۔ ندا آئی کہ سیدہ آمنہ سے محمد مصطفیٰ پیدا ہو گئے۔ اور ابرار رحمت ان پر اترا آیا ہے۔

جاننا چاہیے کہ جمہور اہل سیر کا مذہب ہے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم ختنہ شدہ اور ناف بریدہ پیدا ہوئے تھے۔ حضرت انس رضی

روشن اور حیرت و تعجب میں ڈالنے والی بات کسری کے محل کا لرزنا کا منہا اور اس کے چودہ کنگرے کا گر پڑنا ہے۔ اور بعض علماء نے چودہ کے عدد سے اس طرف اشارہ ہونا مراد لیا ہے کہ ان کی بادشاہی چودہ آدمیوں تک ہوگی۔ چنانچہ چار سال میں دس لوگوں نے بادشاہی کی اور لقمہ حار نے زمانہ خلافت امیر المومنین سندن عثمان، ذوالنورین، رضی اللہ عنہ تک مکے بعد دیگرے بادشاہوں کا کذا فی اللہ امر۔ وضاحت۔

الاحباب میں خلافت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کے زمانہ تک کہا ہے۔

انہیں نشانیوں میں سے دریائے سادہ کا خشک ہونا اور اس کا پانی زمین میں چلا جانا اور اس نالے کا جاری ہونا جسے وادی سادہ کہتے ہیں جو ہزار برس سے خشک تھا۔ فارسیوں کے آتش کدہ کی آگ کا بجھ جانا ہے جو ہزار برس سے روشن تھی۔ انہیں حالات کی کثرت سے کسری پر انتہائی خوف و ہراس طاری ہو گیا ہر چند کہ وہ بظاہر بہادری اور دلیری دکھاتا اور لوگوں سے چھپاتا تھا۔ اسی دوران فارس کے سب سے بڑے قاضی، جسے وہ ”موبدان“ کہتے ہیں اس نے یہ بھی خواب دیکھا کہ قوی و توانا اونٹ اور چست و چالاک عربی گھوڑے دوڑتے آرہے ہیں، اور دجلہ کو پار کر کے شہروں میں پھیل گئے ہیں۔ موبدوں نے اس کی یہ تعبیر دی کہ بلا عرب میں کوئی واقعہ رونما ہوگا۔ جس کی وجہ سے ممالک عجم مفتوح و مغلوب ہوں گے۔ کسری نے اس حال کی جستجو میں کچھ لوگوں کا کاہنوں کے پاس اور خصوصاً ”سطیح“ کے پاس بھیجا جو علم کہانت میں سب سے زیادہ ماہر تھا اس کے عجیب و غریب حالات، ہیں، کہتے ہیں کہ اس کے جوڑ (مفاصل) نہ تھے اور وہ کھڑے ہونے اور بیٹھنے پر قادر نہ تھا۔ مگر جس وقت کہ وہ غصہ میں ہوتا تو وہ مشک کی مانند پھول جاتا اور بیٹھ جاتا۔ اس کے اعضاء میں انگلی کے پوروں اور سر کے سوا کوئی ہڈی نہ تھی۔ گویا کہ وہ گوشت کا ایک ڈھیر تھا۔ جب لوگ اسے کسی جگہ لیجانا چاہتے۔ تو اسے پکڑے میں کپڑوں کی طرح لپیٹ لیتے اور لیجاتے کہتے ہیں کہ اس کا منہ اس کے سینہ میں تھا، اس کے سر اور گردن نہ تھی یہ بھی کہتے ہیں کہ اس کی عمر چھ سو سال کے قریب تھی۔ جب اس سے کہانت کی باتیں اور غیبی خبریں کو کہلوائی جاتیں تو اسے اس طرح ہلاتے جس طرح لہسی کے منکے کو ہلایا جاتا ہے اس کا سانس پھول جاتا اور وہ خبریں بولنے لگتا چنانچہ جب کسری کے ایلچی ”سطیح“ کے پاس آئے تو وہ موت کے سمرات میں مبتلا تھا انہوں نے سلام کیا اور کسری کی تحیت پہنچائی اس سے کوئی جواب نہ سنا گیا۔ چند اشعار پڑھے جن میں کسری کا سوال مضمر تھا اور اس کے حال کا استکشاف تھا سطیح نے جب ان شعروں کو سنا انہیں کر کہنے لگا یہ وقت ہے جبکہ قرآن کی تلاوت ہوگی اور صاحب عصا ظاہر ہوگا یعنی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہوں گے وادی ساوہ جاری ہوگا، اور دریائے ساوی کا خشک ہو کر پانی اتر جائے گا۔ فارس کا آتش کدہ بجھ جائے گا۔ سطیح کی زندگی کا درخت اس دنیا میں نہ رہے گا۔ سطیح اتنی بات کہہ کر گر پڑا اور مر گیا۔

حق تعالیٰ نے مزدجرد کا مملکت کو جو فارس کا آخری بادشاہ تھا حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کے ہاتھ رفتح کر کے اسے کربلا لے کر لشکر لے کر

مسلمانوں کے مقابل سے بھاگ کھڑے ہوئے۔ اس کے بعد چند مرتبہ اس نے لشکر کو جمع کر کے جنگیں کیں بلا آخر حضرت عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ کی خلافت کے زمانہ میں خراسان کی جانب چلا گیا اور ایک اصہبانی نے اسے ۳۱ھ میں ایک مرد کے قرضہ میں ہلاک کر دیا۔

یعنی مولود کو چادر اڑھائی جس کے نور کی شعاعوں سے زمین کے مشارق و مغارب کی راہیں روشن ہو گئیں۔ اور اس کی حرارت سے تمام بت گر پڑے، اور اس کے رعب و دبدبہ سے زمین کے بادشاہوں کے دل دہل گئے۔
یہ واقعہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی شب ولادت کا ہے۔

ایام رضاعت

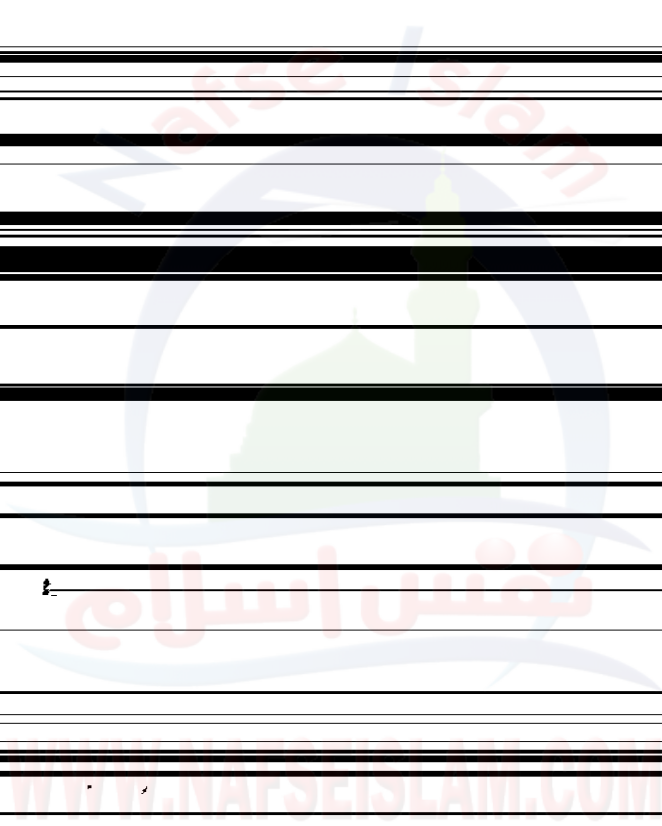
وصل: سب سے پہلے جس نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو دودھ پلایا وہ ابولہب کی باندی ثویبہ (بضم ثاء و فتح واو و سکون یا) تھی۔ جس شب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت ہوئی ثویبہ نے ابولہب کو بشارت پہنچائی کہ تمہارے بھائی حضرت عبداللہ کے گھر فرزند پیدا ہوا ہے ابولہب نے اس مژدہ پر اس کو آزاد کر کے حکم دیا کہ جاؤ دودھ پلاؤ۔ حق تعالیٰ نے اس خوشی و مسرت پر جو ابولہب نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت پر ظاہر کی اس کے عذاب میں کمی کر دی اور دو شنبہ کے دن اس پر سے عذاب اٹھالیا جاتا ہے۔ جیسا کہ حدیث میں آیا ہے۔ اس حدیث میں میلاد شریف پر ڈھوانے والوں کیلئے حجت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت کی رات میں خوشی و مسرت کا اظہار کریں اور خوب مال و زر خرچ کریں۔ مطلب یہ کہ باوجودیکہ ابولہب کافر تھا اور اس کی مذمت قرآن کریم میں نازل ہو چکی ہے جب اس نے حضور کی میلاد کی خوشی کی اور اس نے اپنی باندی کو دودھ پلانے کی خاطر آزاد کر دیا۔ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے حق تعالیٰ نے اسے اس کا بدلہ عنایت فرمایا۔

ثویبہ کے اسلام میں اختلاف ہے بعض محدثین انہیں صحابیات میں شمار کرتے ہیں سیر کی کتابوں میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بحکم رضاعت اُن کا اعزاز و اکرام فرمایا۔ اور مدینہ مطہرہ سے ان کیلئے کپڑے اور انعام بھجواتے ان کی وفات غزوہ خیبر کے بعد ۸ھ میں ہوئی ہے اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب فتح مکہ کے وقت مکہ مکرمہ تشریف لائے تو ان کے رشتہ داروں کے بارے میں دریافت کیا کہ کوئی عزیز و قریب ہے معلوم ہوا کہ کوئی نہیں ہے۔ کذا فی روضۃ الاحباب اور انہیں ثویبہ نے سید الشہداء حضرت حمزہ بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ کو بھی دودھ پلایا ہے۔ اس بنا پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کے درمیان رضاعی بھائی کی نسبت بھی ثابت ہے۔ منقول ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے سات دن سیدہ آمنہ رضی اللہ عنہا کا دودھ نوش فرمایا اور چند دن ثویبہ کا دودھ پیا اس کے بعد حلیمہ سعدیہ نے دودھ پلانے کی سعادت حاصل کی۔ چونکہ ان کا اپنا نام و نسبت ہی حلم و وقار اور سعادت کے ساتھ متصف تھا اور وہ اس قبیلہ بنی سعد بن بکر سے ہیں جن کی شیریں زبانی اعتدال آب و ہوا اور رفصاحت و بلاغت مشہور و معروف ہے۔ مردی ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں عربوں میں سب سے زیادہ فصیح ہوں اس لیے کہ میں قریشی ہوں اور میں نے قبیلہ بنی سعد بن بکر کا دودھ پیا ہے۔ حضرت حلیمہ سعدیہ کے دودھ پلانے کے ضمن میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے جو فضائل و کرامات اور معجزات مروی ہیں وہ احاطہ بیان اور گنتی و شمار کی حد سے باہر ہیں ان میں سے مختصر اہم تحریر میں لاتا ہوں۔

مواہب لدنیہ میں ہے کہ ابن اسحق بن راہویہ، ابو یعلیٰ، بطرانی، بیہقی اور ابو نعیم سعدیہ سے نقل کرتے ہیں وہ فرماتی ہیں کہ میں قبیلہ بنی سعد بن بکر کے ساتھ دودھ پلانے کیلئے کسی بچے کو لینے مکہ مکرمہ آئی۔ یہ زمانہ شدید قحط سالی کا تھا آسمان سے زمین پر پانی کا ایک قطرہ تک نہ برسا تھا۔ ہماری ایک مادہ گدھی تھی جو لاغری و کمزوری کی وجہ سے چل نہیں سکتی تھی۔ ایک اونٹنی تھی جو دودھ کا ایک بوند نہ دیتی تھی۔ میرے ساتھ میرا بچہ اور میرے شوہر تھے۔ ہماری تنگی کا یہ عالم تھا کہ رات چھین سے گزرتی تھی اور نہ دن آرام سے جب ہمارے قبیلہ کی عورتیں مکہ پہنچیں تو انہوں نے دودھ پلانے کیلئے تمام بچوں کو لے لیا بجز حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے۔ کیونکہ جب وہ یہ سنتی تھیں کہ وہ یتیم ہیں

تو ان کے سوا حالت ہی تھی کہ کیا عمر، کیا مال، کیا زوجہ۔ زکوٰۃ کی ۔ لڑائی میں : مگر یہ باقی تھی ، حضرت صلوات علیہ وسلم سلم

مجھے قوت و توانائی بخشی۔ اے نبی سعد کی عورتو! تم پر تعجب ہے اور تم غفلت میں ہو اور تم نہیں جانتیں کہ میری پشت پر کون ہے۔ میری پشت پر سید المرسلین، خیر الاولین والآخرین اور حبیب رب العالمین ہے۔“ حلیمہ سعدیہ فرماتی ہیں کہ راستہ میں دائیں بائیں میں سنتی کہ کہتے اے



گرمی کا تھا۔ تو میں آپ کی تلاش میں چل دی اور میں نے آپ کو شیماء کے ساتھ پایا۔ میں نے شیماء سے کہا کہ کیوں گرمی اور لو میں لے کر آ گئی۔ شیماء نے کہا ہم نے تو گرمی کی شدت محسوس نہیں کی کیونکہ میں نے دیکھا کہ ابر کا ٹکڑا آپ پر سایہ کیے رہا جہاں تشریف لے جاتے ابر ساتھ جاتا۔ یہاں تک کہ ہم یہاں پہنچ گئے۔ (الحديث) اس سے معلوم ہوا کہ آپ برابر کا سایہ کرنا بچپن ہی سے تھا، لیکن علماء کہتے ہیں کہ یہ دائمی طور پر نہ تھا کہ ہمیشہ آپ کے سر مبارک پر برابر سایہ کرتا۔ اور یہ صورت ضرورت و احتیاج کے وقت ہوتی۔

سینہ مبارک کے چاک کرنے اور قلب اطہر کو غسل دینے کا قضیہ بھی دایہ حلیمہ سعدیہ کے یہاں پیش آیا یہ واقعہ اس طرح ہے کہ ایک دن حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حلیمہ سعدیہ سے فرمایا اے مادر! مجھے اپنے بھائیوں کے ساتھ جب وہ بکریاں چرانے جاتے ہیں کیوں نہ بھجھتے۔

جب میرے احشاء کو پانی سے غسل دینے لگے تو دوسرے نے کہا کہ اولے کے پانی سے غسل دو۔ تو پانی اور اولے دونوں سے غسل دیا۔ یہ روایت اس دعائے ماثورہ کے مناسب حال ہے جو آپ کیا کرتے تھے کہ اَللّٰهُمَّ اغْسِلْ خَطَايَايَ بِمَاءِ الشَّجِّ وَالْبُرْدِ اِيك روایت میں بِمَاءِ الشَّجِّ وَالْبُرْدِ ہے۔ مقصود شمول انواع طہارت ہے اس کے بعد دوسرے نے کہا اٹھو تم اپنا کام کر چکے۔ پھر انہوں نے سینہ کے جوڑ سے ناف تک ہاتھ پھیرا اور وہ شکاف مل گیا۔ اس کے بعد مجھے آہستگی سے اٹھایا اور مجھے اپنے سینہ سے لگایا اور میری دونوں آنکھوں کے درمیان بوسہ دیا۔ اور کہنے لگے اے خدا کے حبیب کچھ نہ پوچھو اگر آپ جانتے کہ آپ کیلئے کیا کچھ خیر و خوبی ہے تو آپ کی آنکھیں روشن ہو جائیں اور آپ خوش ہوتے۔ اس کے بعد وہ مجھے وہیں چھوڑ کر آسمان کی جانب پرواز کر گئے۔ اور میں ان کو دیکھتا رہا۔ حلیہ شریف کے بیان میں حضرت انس رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ ہم رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سینہ و شکم مبارک پر اس جوڑ کے نقش و نشان کو سیدھی لکیر کی مانند دیکھا کرتے تھے۔

علماء فرماتے ہیں کہ غسل قلب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مخصوص نہیں ہے بلکہ تمام نبیوں کیلئے عام ہے۔ ان میں جو شیطان کا حصہ ہوتا تھا دور کر دیا جاتا تھا۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا شق صدر بچپن کے زمانہ کے ساتھ جبکہ آپ دانی حلیمہ سعدیہ کے یہاں تشریف فرما تھے مخصوص نہیں ہے بلکہ متعدد مرتبہ شق صدر واقع ہوا ہے۔ ایک اس وقت میں جبکہ آپ چھ سال کے تھے اور روایت میں دسویں سال بھی آیا ہے۔ اور احادیث صحیحہ میں ثبوت کے ساتھ منقول ہے کہ شب معراج میں بھی واقع ہوا اور بعض علماء نے خاص اسی ضمن میں تمام مرتبوں کو جمع کر کے رسالے لکھے ہیں اور ہم نے بھی مشکوٰۃ کی شرح میں اور اس کتاب کے شروع میں ذکر کیا ہے۔

حلیمہ سعدیہ فرماتی ہیں کہ جب شق صدر کا قضیہ پیش آیا تو میرے شوہر اور دوسرے لوگوں نے بھی مشورہ دیا کہ اس سے پہلے کہ آپ کو کوئی گزند پہنچے بہتر یہی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کی والدہ ماجدہ اور ان کے جد امجد کے سپرد کر دینا چاہیے۔ حلیمہ سعدیہ بیان کرتی ہیں کہ اس کے بعد ہم حضور کو لے کر مکہ مکرمہ کی طرف چلے گئے۔ جب ہم مکہ کے قرب و جوار میں پہنچے تو میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک جگہ بٹھا کر قضائے حاجت کیلئے چلی گئی جب واپس آئی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اس جگہ موجود نہ پایا۔ بہت تلاش و جستجو کی مگر کوئی نام و نشان نہ پایا۔ ناامید ہو کر سر پر ہاتھ مار کر دُعا کہہ کر پکارنے لگی۔ اتنے میں ایک بوڑھا شخص لاشی ٹیکتا میرے پاس آیا اس نے مجھ سے کہا اے سعدیہ! کیا بات ہے کیوں نالہ و شیون کر رہی ہو؟ میں نے کہا کہ میں نے محمد بن عبدالمطلب کو ایک مدت تک دودھ پلایا ہے۔ اب میں انہیں لے کر ان کی والدہ اور دادا کے سپرد کرنے آئی تھی۔ لیکن وہ مجھ سے گم ہو گیا ہے۔ بوڑھے نے کہا رو و نہیں

مند اور پریشان دیکھ رہا ہوں۔ اور ہمارا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) تمہارے ساتھ نہیں ہے؟ میں نے کہا اے ابوالحارث میں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو خوب اچھی طرح لا رہی تھی جب میں مکہ میں داخل ہوئی تو میں انہیں بٹھا کر قضائے حاجت کیلئے چلی گئی واپسی پر وہ غائب ملے۔ ان کی جستجو و تلاش میں بہت زیادہ سرگرداں رہی مگر کوئی خبر نہ پاسکی۔ یہ سن کر حضرت عبدالمطلب کو صفایہ تشریف لے گئے اور قریش کو آواز دی کہ اے آل غالب میرے پاس آؤ۔ جب تمام قریش جمع ہو گئے تو قریش نے کہا اے سردار! آپ کو کیا معاملہ درپیش ہے؟ فرمایا میرا فرزند محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) گم ہو گیا ہے۔ اس کے بعد عبدالمطلب اور تمام قریش سوار ہو کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تلاش میں نکلے اور مکہ کی اعلیٰ و اسفل ہر جگہ میں تلاش کیا مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نہ ملے۔ اس کے بعد حضرت عبدالمطلب مسجد حرام میں آئے اور خانہ کعبہ کا طواف کیا۔ اور بارگاہ الہی میں مناجات کی۔ یہاں آپ نے ہاتھ غیبی کی آواز سنی کہ اے لوگو! نہ کھاؤ کیونکہ محمد کا خدا حافظ ہے وہ آپ اپنی حفاظت سے کبھی دور نہ فرمائے گا۔ حضرت عبدالمطلب نے کہا کہ ہاتھ غیبی مجھے بتاؤ کہ محمد کہاں ہیں؟ اس نے کہا تمہارے کی جانب چل دیئے۔ راہ میں ورقہ بن نوفل ان کے سامنے آئے۔ وہ بھی ان کے ہمراہ ہو لیے۔ یہاں تک کہ جب وادی تہامہ پہنچے تو دیکھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کھجور کے درخت کے نیچے تشریف فرما ہیں اور اس کے پتے چن رہے ہیں۔ عبدالمطلب نے پوچھا مَنْ أَنْتَ يَا عَلَّامُ اے فرزند تم کون ہو؟ آپ نے فرمایا میں محمد بن عبد اللہ بن عبدالمطلب ہوں۔ حضرت عبدالمطلب نے کہا۔ میری جان تم پر قربان ہو میں تمہارا دادا عبدالمطلب ہوں اس کے بعد انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو سواری پر اپنے آگے بٹھایا اور خوش خوش مکہ مکرمہ لے آئے۔ اور بہت سا سونا اور بے شمار اونٹ صدقہ میں دیئے۔ اور حلیمہ سعدیہ کو قسم قسم کے انعام و اکرام سے مالا مال کیا۔ وہ اپنے قبیلہ کی جانب لوٹ گئیں۔ اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے کہ اس گمشدگی میں کیا بعید تھا۔ بعض مفسرین آیہ کریمہ ”وَوَجَدَكَ ضَالًّا فَهَدَىٰ“ کی یہی تفسیر کرتے ہیں۔ اور اسی طرح پر حلیمہ سعدیہ کا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو لانے سے پہلے شق صدر کا واقعہ بیان کرتے ہیں۔

ایک روایت میں آیا ہے کہ جب حلیمہ سعدیہ مکہ مکرمہ میں سیدہ آمنہ کے پاس حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو لے کر آئیں تو اس خیر و برکت کے پیش نظر، جو آپ کے قدم مبارک سے پہنچی تھی ان کے دل میں یہ خواہش پیدا ہوئی کہ کچھ عرصہ مزید حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان کے پاس تشریف فرما رہیں چنانچہ سیدہ آمنہ سے کہا کہ چونکہ مکہ مکرمہ میں وبا پھیلی ہوئی ہے اس لیے میں انہیں اپنے قبیلہ میں واپس لیے جاتی ہوں۔ سیدہ آمنہ اس پر راضی ہو گئیں۔ حلیمہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دوبارہ قبیلہ بنی سعد لے گئیں اس مرتبہ دو یا تین سال یہاں رہے اور اسی دوران شق صدر کا واقعہ ہوا۔

حلیمہ سعدیہ کے بعد ام ایمن نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت و پرورش کے فرائض انجام دیئے یہ ام ایمن رضی اللہ عنہا حضرت عبد اللہ بن عبدالمطلب کی باندی تھیں اور وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت عبد اللہ کی میراث میں حاصل ہوئی تھیں۔ مواہب لدنیہ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ام ایمن رضی اللہ عنہا کا حضانت کے فرائض انجام دینا سیدہ آمنہ کی رحلت کے بعد تھا۔ ام ایمن رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے کبھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بھوک و پیاس کی شکایت کرتے نہ دیکھا۔ جب صبح ہوتی تو ایک پیالہ زمزم کا نوش فرماتے اور شام تک کچھ طلب نہ فرماتے۔ اکثر ایسا ہوا کہ دوپہر کے وقت کھانے کیلئے عرض کیا جاتا تو فرماتے مجھے کھانے کی رغبت نہیں ہے۔

باب دوم

کفالت اور انتقال عبدالمطلب اور ابوطالب کی اعانت اور
اُن کے ساتھ سفر کرنا

اس باب میں حضرت عبدالمطلب کی کفالت، ان کے انتقال، ابوطالب کی امداد و اعانت اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ان کے ساتھ شام کی جانب سفر کرنا اور بحیرہ راہب کا آپ کی نبوت کی علامتوں کے پہچاننے اور اُم المومنین سیدہ خدیجہ الکبریٰ رضی اللہ عنہا سے نکاح فرمانے اور تعمیر خانہ کعبہ کا ذکر وہاں ہے۔

جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم چار پانچ چھ یا سات سال کے ہوئے اور ایک روایت میں بارہ سال کہا گیا ہے مگر صحیح چھ یا سات سال ہے سیدہ آمنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو لے کر ام ایمن رضی اللہ عنہا کے ساتھ اپنے والد سے ملنے قبیلہ بنی نجار مدینہ منورہ تشریف لے گئیں اور وہاں ایک مہینہ گزار کر مکہ مکرمہ کو واپس ہونے لگیں۔ تو دوران سفر مقام ”ابواء“ میں انتقال فرمایا اور اسی جگہ دفن کی گئیں۔ ”ابواء“ مدینہ کے قریب ایک جگہ کا نام ہے۔ ایک روایت میں ہے کہ سیدہ آمنہ کی قبر انور مکہ مکرمہ کے مقام حجون میں جانب معلّا یعنی بلندی میں ہے بعض کہتے ہیں کہ ممکن ہے ابواء میں مدفون ہونے کے بعد انہیں مکہ مکرمہ منتقل کیا گیا ہو۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث میں ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ان باتوں کو یاد کرتے تھے جو آپ نے والدہ ماجدہ سیدہ آمنہ کے قیام کے دوران مدینہ میں دیکھی تھیں اور جب اس مکان کو ملاحظہ فرماتے جس میں سیدہ آمنہ نے اقامت فرمائی تھی۔ تو فرمایا: **مَا كَانَ مِنْ مَرْءٍ إِلَّا وَهَلَكَ أَوْ نَزَّاهُ أَوْ سَاقَىٰ مِنْهُ طَرَفٌ**، **وَكَيْفَ كَرِهَ الْكَافِرُ**۔ **مَا كَانَ مِنْ مَرْءٍ إِلَّا وَهَلَكَ أَوْ نَزَّاهُ أَوْ سَاقَىٰ مِنْهُ طَرَفٌ**۔

کیلئے یمن کی جانب تشریف لے گئے۔ تو اس نے حضرت عبدالمطلب کو بشارت دی کہ آپ کی نسل سے نبی آخر الزماں ظاہر ہوں گے۔ اس سفر سے لوٹنے کے بعد حضرت عبدالمطلب نے دیکھا کہ قریش میں شدید قحط پڑا ہوا ہے۔ یہ قحط مسلسل کئی سال تک رہا اس وقت

حضرت عبدالمطلب نے نبی اشارات کے بعد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ دعائے استسقاء کی۔ حضور کو اپنے کندھوں پر بٹھا کر بارش کی دعا مانگی۔ پھر خوب زور کی بارش ہوئی جس سے کئی سالوں کی خشکی ناپید ہو گئی۔ وفات کے وقت حضرت عبدالمطلب کی عمر ایک سو دس سال تھی۔ ایک روایت میں ایک سو بیس سال اور ایک روایت میں ایک سو چالیس تھی۔ عبدالمطلب کے بعد حضرت ابوطالب جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حقیقی چچا تھے۔ حضور کے عہد کفالت میں لائے گئے اگرچہ زبیر بن عبدالمطلب بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حقیقی چچا تھے لیکن حضرت عبد اللہ اور حضرت ابوطالب کے درمیان محبت و ارتباط بہت زیادہ تھی۔ حضرت عبدالمطلب انہیں وصیت فرما گئے تھے کہ حضور کی محافظت خوب اچھی طرح کرنا اس وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر مبارک آٹھ سال کی تھی۔ نو دس اور چھ سال بھی کہا گیا ہے۔ ایک روایت میں یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اس بات کا اختیار دیا گیا تھا کہ آپ اپنے چچاؤں میں سے کس کی کفالت میں جانا پسند فرماتے ہیں تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوطالب کی کفالت پسند فرمائی تھی۔ حضرت ابوطالب نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی کفالت و محافظت ظہور نبوت سے پہلے اور اس کے بعد خوب اچھی طرح انجام دی۔ وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بغیر کھانا تک نہ کھاتے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا بستر مبارک اپنے دانے پہلو میں بچھاتے، گھر کے اندر اور باہر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے ہمراہ رکھتے۔ ابوطالب نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مدح و ثناء میں بہت سے اشعار کہے ہیں ان میں سے ایک یہ ہے:

وَشَقَّ لَهُ مِنْ اِسْمِهِ لِيَجْلَهُ
قُدُّوا الْعَرْشَ مَحْمُودٌ وَهَذَا مُحَمَّدٌ

حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ نے اس شعر کی اس طرح تفسیر کی ہے:

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ اَرْسَلَ عَبْدَهُ
بِاَيَاتِهِ وَاللّٰهُ اَعْلٰى وَ اَمَجَدُ

وَشَقَّ لَهُ مِنْ اِسْمِهِ لِيَجْلَهُ
قُدُّوا الْعَرْشَ مَحْمُودٌ وَهَذَا مُحَمَّدٌ

روضۃ الاحباب میں اسی طرح بیان کیا گیا ہے۔

حضرت ابوطالب کے عہد کفالت میں بھی مکہ مکرمہ میں قحط پڑا تھا۔ چنانچہ ابن عساکر عروط سے روایت کرتے ہیں کہ میں قحط کے زمانہ میں مکہ مکرمہ آیا تو لوگ مجتمع ہو کر استسقاء کیلئے ابوطالب کے پاس آئے۔ ان قریشیوں میں بچے بھی تھے ان میں ایک فرزند آفتاب تابان کی مانند نکلا جس کے چہرہ انور پہ ابر کا پردہ پڑا ہوا تھا۔ ابوطالب نے اس فرزند جلیل کو پکڑ کر خانہ کعبہ کے ساتھ اس کی پشت ملا دی اور اس فرزند جلیل نے آسمان کی جانب انگشت مبارک سے اشارہ کیا حالانکہ اس سے پہلے آسمان پر بدلی کا ایک ٹکڑا بھی نہ تھا۔ اس کے بعد بادل ہر جانب سے گھر کر آ گئے اور اتنا برسہ کھدی نالے بھر گئے۔ اس وقت ابوطالب نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مدح میں یہ قصیدہ کہا:

وَاَيُّضَ يُسْتَسْقٰى الْعَمَامُ بِوَجْهِهِ
شَمَائِلُ النَّبِيَامِى وَعِصْمَةٌ لِلْاَرَامِلِ

یہ شعر اس قصیدے میں ہے جسے انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مدح و ثناء میں کہا ہے۔ محمد ابن اسحاق اس قصیدہ کو اسی (۸۰) سے زیادہ اشعار پر مشتمل بتاتے ہیں۔ کہتے ہیں کہ انہوں اس قصیدے کو اس وقت لکھا جبکہ قریش حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف مجتمع ہوئے تھے اور جو آپ پر اسلام لانے کا ارادہ کرتا وہ اس سے شکر کرتے تھے۔ انہوں نے اس قصیدے میں کفار کی مذمت کی ہے اور قریش کے انکار اور ان کی عداوت پر ملامت کی ہے۔ انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت و یقین اور قبول کی طرف ترغیب دی ہے۔ ابن القین کہتے ہیں کہ ان کا یہ قصیدہ اس کی دلیل ہے کہ ابوطالب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کو بعثت سے پہلے ہی سے بحیرہ

راہب وغیرہ جس کا نام جریمیں تھا کے خریدنے کی بنا پر خوب جانتے تھے۔ شیخ ابن حجر عسقلانی فرماتے ہیں کہ ابوطالب نے اس قصیدے کو بعثت کے بعد لکھا ہے۔ ابوطالب کا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کی معرفت بہت سی حدیثوں میں آیا ہے اور اسی بنا پر شیعہ ان کے اسلام پر استدلال کرتے ہیں۔ شیخ موصوف نے فرمایا کہ میں نے علی بن حمزہ نصری کی وہ کتاب دیکھی ہے جس میں انہوں نے ابوطالب کے اشعار جمع کر کے دعویٰ کیا ہے کہ وہ مسلمان تھے اور اسلام پر ہی وہ اس جہان سے گئے اور حشو یہ گمان کرتے ہیں کہ ان کی وفات کفر پر ہوئی ہے اور وہ اس پر استدلال کرتے ہیں کہ کوئی چیز ان کی جانب سے اسلام پر ثابت نہیں ہے۔ انتہی محدثین نقل کرتے ہیں کہ ابوطالب کے حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان نہ لانے اور دعوت اسلام کے قبول نہ کرنے پر دلیل موجود ہے۔ وہ نقل کرتے ہیں کہ ابوطالب کی وفات کے وقت حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے سر ہانے تشریف فرما ہو کر دعوت اسلام دی مگر ان کی جانب سے قبولیت واقع نہ ہوئی۔ نیز یہ بھی منقول ہے کہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے اپنا سر جھکا کر سنا کہ وہ کلمہ شہادت پڑھ رہے ہیں۔ اس کے بعد انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر دی کہ آپ کے چچا اسلام لے آئے۔ اس پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خوشی کا اظہار فرمایا۔ (واللہ اعلم)

بارہویں سال حضور نے ملک شام کی جانب سفر فرمایا اور بصرے پہنچے۔ اس سفر میں بحیرہ راہب نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم میں نبی آخر الزمان کی ان علامتوں اور صفوں کو دیکھا اور پہچانا جو توریت، انجیل اور دیگر آسمانی کتابوں میں اس نے پڑھی تھیں۔ بحیرہ راہب نصاریٰ کے اجبار میں سے ہے۔ زہد دور ع کی صفت میں ممتاز تھا۔ بصرہ کے قریب ایک دیہات میں ایک صومعہ تھا جس میں وہ نبی آخر الزمان کے دیدار کے انتظار میں عرصہ دراز سے ٹھہرا ہوا تھا اور عمر گزار رہا تھا۔ کوئی جب قریش کا قافلہ اس راہ سے گزرتا تو وہ صومعہ

بیٹھے گا۔ یہ کہ یہ درخت بے برگ و بار اور خشک تھا اس کے تنے بھی بوسیدہ تھے۔ پتے جھڑ چکے تھے حضور کے بیٹھنے کی وجہ سے وہ درخت سرسبز میوہ دار ہو گیا اور اس کے گرد اگر دوسری و شادابی پھیل گئی۔ نسطور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور کہنے لگا میں آپ کو لات وعزاکا قسم دیتا ہوں۔ بتائے آپ کا نام کما سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ثَكَلْتُ اُمَّكَ میرے ماس سے دور ہو کیونکہ کسی

عرب نے اس سے زیادہ مکروہ و ناگوار اور شدید ترین مجھ سے بات نہیں کی ہے۔ اسی طرح بھیرا نے بھی آپ کو قسم دی تھی اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر اسے تنبیہ فرمائی تھی۔ نسطور کے ہاتھ میں ایک کتاب تھی جسے وہ دیکھتا جاتا اور کہتا جاتا تھا کہ قسم ہے اس خدا کی جس نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر انجیل نازل فرمائی۔ یہ وہی ہے یعنی یہ وہی نبی آخر الزمان ہیں غرضیکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا مال تجارت بصرہ میں فروخت کیا اور دوسروں سے دونا نفع حاصل ہوا۔ قافلہ والوں کو بھی آپ کی صحبت کی برکت سے بہت نفع ہوا جس وقت مکہ مکرمہ واپسی ہوئی تو دو پہر کا وقت تھا۔ سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا اپنی سہیلیوں کے ساتھ بالا خانہ پر بیٹھی ہوئی تھیں۔ انہوں نے دیکھا کہ دوسرے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سر مبارک پر سایہ کئے ہوئے ہیں۔ روضۃ الاحباب میں ایسا ہی نقل کیا گیا ہے اور مواہب لدنیہ میں ہے کہ سیدہ خدیجہ نے دیکھا کہ سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے سر مبارک پر دو فرشتے سایہ کئے ہوئے ہیں۔ ظاہر ہے کہ وہ دونوں فرشتے مرغ کی صورت میں متشکل ہوں گے ورنہ مرغوں کے سایہ کرنے کا کیا موقع؟ سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کے غلام میسرہ اور ان کے مخصوص آدمی خزیمہ نے جو راہ میں خوارق و کرامات مشاہدہ کئے وہ بھی کسی حد تک سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کے عظیم میلان اور شرح صدر پیدا ہونے کیلئے بہت ہوں گے کیونکہ انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نکاح کرنے کا پیغام بھیجا تھا۔ حالانکہ سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا عقل و فراست میں کامل اور قریش کی عورتوں میں اشرف و انساب تھیں۔ ان میں بہت زیادہ المادار تھیں اور بکثرت قریشی اس بات کے حریص تھے کہ وہ ان کے ساتھ نکاح کر لیں اور پیغام بھیجے تھے۔ مگر سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا نے کسی کو قبول نہ فرمایا تھا پھر سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا نے خفیہ طور پر ایک عورت کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بھیجا تھا کہ وہ معلوم کرے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نکاح کی طرف مائل ہیں یا نہیں اور یہ عورت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو نکاح کی ترغیب دلاتی رہی۔ اس نے کہا اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کیا چیز آپ کو نکاح سے مانع ہے؟ فرمایا میں دنیاوی ساز و سامان نہیں رکھتا۔ اس عورت نے کہا اگر کوئی عورت ایسی پیدا ہو جائے جو صاحب جمال ہو اور مال وافر رکھتی ہو اور حسب و نسب میں سب سے زیادہ اشرف ہو۔ وہ نکاح کے اخراجات وغیرہ کی کفیل ہو تو کیا حضور قبول فرمائیں گے۔ فرمایا ایسی عورت کہاں پیدا ہوتی ہے اس عورت نے کہا خدیجہ رضی اللہ عنہا بنت خویلد آپ کو بہت چاہتی ہیں۔ اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرمائیں تو اسے شوق دلاؤں اور راضی کروں۔ فرمایا کوئی مضائقہ نہیں۔ اس کے بعد وہ عورت سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کے پاس گئی اس نے کہا مبارک ہو حضور صلی اللہ علیہ وسلم بھی آپ کو چاہتے ہیں۔ اس پر سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا بہت خوش ہوئیں اور اظہار ت مسرت کیا۔ انہوں نے کسی کو اپنے چچا عمرو بن اسد کے پاس بھیجا کہ وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ عقد کے وقت موجود ہوں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم بھی ابوطالب حمزہ رضی اللہ عنہ اور دیگر چچاؤں کے ساتھ اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور دیگر رؤسا شہر کے ساتھ سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کے مکان تشریف لے گئے۔ جہاں عقد و نکاح واقع ہوا۔ مواہب لدنیہ سے معلوم ہوتا ہے کہ سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کے والد بوقت نکاح زندہ تھے لیکن روضۃ الاحباب میں ہے کہ صحیح یہ ہے کہ اس وقت سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کے والد زندہ نہ تھے بلکہ عمرو بن اسد تھے۔ (واللہ اعلم)

خطبہ نکاح سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا

حضرت ابوطالب نے ایک بلیغ خطبہ پڑھا جس کا ترجمہ یہ ہے۔ ”حمد و ثناء اس خدائے برتر کی جس نے ہمیں حضرت ابراہیم رضی

اللہ عنہ کے فرزند حضرت اسماعیل علیہما السلام کی نسل سے گردانا اور ہمیں معدوم مضر کی اصل سے پیدا کیا اور اپنے گھر کا محافظ و پیشوا بنایا اور گھر کو ہمارے لیے فراوانی بخشی کہ اطراف و جوانب سے اس کی زیارت کیلئے آئیں۔ ہمیں تو یقین مرحمت فرمائی کہ جو اس گھر کی طرف آئے وہ

کوئی قریشی مرد اس کے ہم پلہ نہیں ہے۔ یہ سب پر بھاری ہیں۔ اگرچہ مال میں یہ کم ہیں لیکن مال ڈھلتی چھاؤں ہے اور یہی ایک بات حائل ہے باوجود اس کے محمد صلی اللہ علیہ وسلم وہ ہستی مقدس ہے جسے تم جیسے خویش و اقربا خوب جانتے اور پہچانتے ہیں۔ بلاشبہ آپ خدیجہ رضی اللہ عنہا بنت خویلد کی خواستگاری فرماتے ہیں اور میں اپنے مال میں سے ان کا مہر میں اونٹ قرار دیتا ہوں۔ میں خدا کی قسم اٹھا کر کہتا ہوں کہ اس کے بعد ان کی ایک عظیم شان اور بلند مرتبت ہوگی۔

روضۃ الاحباب میں ہے کہ جب ابوطالب نے خطبہ مکمل کیا تو ورقہ بن نوفل جو کہ سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کے چچا زاد بھائی تھے۔ انہوں نے بھی خطبہ پڑھا اس کا مضمون یہ ہے کہ ”اس خدائے برتر کی حمد و ثناء ہے جس نے ہمیں ایسا بنایا جیسا کہ ابوطالب نے بیان کیا اور ہمیں وہ فضیلت بخشی جس کا انہوں نے ذکر فرمایا۔ اس کے بعد اس بنا پر کہ ہم تمام عربوں میں سب سے بہتر اور ان کے پیشوا ہیں اور تم سب بھی ان تمام فضیلتوں کے اہل اور جامع ہو۔ کوئی گروہ تمہاری فضیلت کا منکر نہیں ہو سکتا اور کوئی ایک شخص بھی تمہارے فخر و شرف کا انکار نہیں کر سکتا۔ بلاشبہ ہم سب کی خواہش ہے کہ تمہارے ساتھ عقد و نکاح کے ذریعہ اتصال و یگانگت ہو۔ تو اے گروہ قریش تم گواہ رہو کہ میں نے خدیجہ رضی اللہ عنہا بنت خویلد کو حضور محمد بن عبد اللہ کی زوجیت میں چار سو مشقال عوض مہر پر دیا۔ ابوطالب نے کہا اے ورقہ میں جانتا ہوں کہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کے چچا عمرو بن اسد بھی آپ کے ساتھ نکاح میں لائے ہو۔ اگر عمرو بن اسد نے بھی کہا اے

چاہی۔ روم سے یا قوم نامی ایک شخص آیا ہوا تھا جو فن تعمیر کا ماہر و استاد تھا۔ اس سے کہا کہ اس کی تعمیر کرے۔ تمام قریش پتھر اٹھا اٹھا کر لاتے تھے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم بھی انہیں میں شامل تھے۔ آپ بھی پتھر اٹھا اٹھا کر لاتے تھے۔ قریش نے اپنے تہبند اتار کر کندھوں پر ڈال رکھے تھے تاکہ پتھر کے اٹھانے میں حارج نہ ہو۔ زمانہ جاہلیت میں ستر کھولنے کا عام رواج تھا وہ اسے عیب و برانہ جانتے تھے لیکن عبد اسلام میں یہ مؤکد و مقرر ہوا مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا تہ بند شریف نہ اتارا۔ آپ کے چچا حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے ازراہ شفقت آپ کو آمادہ کیا کہ تہ بند کھول دیں۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تہ بند اتارنے کا ارادہ فرمایا تو اچانک پاؤں کے بل بہوش ہو کر زمین پر آ رہے۔ جب ہوش آیا تو آپ نے تہ بند تہ بند پکارا۔ اس وقت غیب سے ندا آئی کہ حُيْمَرُ عَوْرَتُكَ۔ ستر پوشی کو لازم کرو۔ علما فرماتے ہیں کہ یہ سب سے پہلی ندا نبی تھی جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو کی گئی۔

جہاں کے جہاں نہ کہ تہ بند تہ بند پکارا۔ اس وقت غیب سے ندا آئی کہ حُيْمَرُ عَوْرَتُكَ۔ ستر پوشی کو لازم کرو۔

جنگ اور خونریزی کی نوبت آ جائے مگر ان میں یہ قرار پا گیا کہ جو صبح کے وقت سب سے پہلے مسجد حرام میں داخل ہوا اسے ثالث بنالیا جائے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سب سے پہلے مسجد حرام میں داخل ہوئے سب نے کہا ”جَاءَ الْإِمِينُ“ امین تشریف لائے اور سب آپ کی ثالثی پر راضی ہو گئے۔ حضور نے اپنی چادر مبارک کو بچھایا اور حجر اسود کو اس کے درمیان رکھا۔ فرمایا ہر قبیلہ کا ایک ایک شخص آئے اور اس کا کنارہ پکڑے جب وہ سب اٹھا کر اس کی جگہ لائے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حجر اسود کو اٹھا کر اپنے دست مبارک سے اس کی جگہ نصب فرمادیا۔

خانہ کعبہ کے چھ ستون رکھے گئے تھے جیسا کہ احادیث میں آیا ہے۔ مورخوں نے لکھا ہے کہ خانہ کعبہ کی سب سے پہلی بنیاد حضرت آدم علیہ السلام نے رکھی لیکن وہ عمارت طوفان نوح میں بہہ گئی۔ اس کے بعد حضرت ابراہیم علیہ السلام نے تعمیر فرمائی۔ اس کے بعد عمالقہ نے اس کے بعد قبیلہ جرہم نے بنایا۔ ان کے بعد عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ نے اور سب سے آخر میں حجاج بن یوسف ثقفی نے حجاج عبد الملک بن مروان کا امیر الامراء تھا۔ اس نے عبد الملک کے حکم سے اس میں تغیر و تبدل کیا اور یہی تعمیر اب تک باقی ہے۔

منقول ہے کہ ہارون رشید نے چاہا کہ مروانیوں کی تعمیر کو منہدم کر کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث مبارک کے مطابق اسے درست کر دے۔ اس سلسلہ میں اس نے حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے مشورہ کیا۔ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا۔ امیر المؤمنین خانہ کعبہ کو اپنے حال پر چھوڑ دو تاکہ آئندہ یہ بادشاہوں کا کھلونا نہ بن جائے۔ وہ ایک دوسرے کے تعصب میں رد و بدل کر کے اسے خراب و بے حرمت نہ کرتے رہیں۔ اجمالی طور پر اتنی ہی بحث کافی ہی تفصیل تاریخ مکہ میں مذکور ہے۔

تاریخ اذرقی میں مقاتل سے حدیث مرفوعہ مذکور ہے کہ جب آدم علیہ السلام نے بارگاہ الہی میں دعا کی۔ کہ اے میرے رب! میں اپنے آپ کو جانتا ہوں اور تیرے اس نور کو دیکھا ہے جس کی عبادت کی جاتی ہے۔ پھر حق تعالیٰ نے بیت المعمور کو زمین پر اتارا جہاں آج خانہ کعبہ ہے۔ وہ دیا قوت سرخ کا تھا اس کی لمبائی آسمان و زمین کے درمیان ہے۔ آدم کو حکم دیا کہ اس کا طواف کریں اس سے پہلے ان کے

میں یہ نہیں آیا ہے کہ حضرت خلیل علیہ السلام کے گھر سے پہلے یہاں کوئی گھر تھا۔ انہوں نے اسے بنایا حضرت اسماعیل علیہ السلام اپنی گردن مبارک پر پتھر اٹھا اٹھا کر لاتے تھے۔ سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت میں ہے کہ حضرت خلیل علیہ السلام نے اس کی پانچ پہاڑوں کوہ حرا، کوہ شبیر، کوہ لبنان، کوہ طور اور کوہ جودی کے پتھروں سے تعمیر فرمائی تھی۔ بعض روایتوں میں کوہ حرا، کوہ قنیس، کوہ قدس، کوہ درقان، کوہ رضوی مذکور ہوا ہے۔ فرشتے ان پتھروں کو مذکورہ پہاڑوں سے لاتے تھے اور پتھروں کے اٹھانے میں حضرت اسماعیل علیہ السلام کی مدد کرتے تھے۔ اس کے بعد عمالقہ اور جرہم نے تعمیر کیا۔ عمالقہ اور جرہم کی تقدیم و تاخیر میں اختلاف ہے۔ کیونکہ عمالقہ کی ولایت جرہم کی ولایت سے مقدم ہے درست یہی ہوگا۔ عمالقہ کی تعمیر مقدم ہے۔ حضرت خلیل کی بنا کے بعد قصی بن کلاب کی تعمیر ہے۔ اس کے

باب سوم

از ابتدائے وحی تا واقعات ہجرت

اس باب میں ابتدائے وحی، نبوت، ظہور دعوت، کفار کی دشمنی و عداوت، صحابہ کی جہش کی جانب ہجرت، ابوطالب کی وفات، سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کا وصال، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا طائف کی جانب تشریف لے جانا، اور جنات کی بیعت کرنا وغیرہ مضامین ہیں۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر مبارک چالیس سال کی ہوئی تو وحی و بشارت کا ظہور ہوا جس سے آفاق عالم منور ہو گیا۔ اس نور وحی کا ظہور، دو شنبہ کے روز آٹھ یا تین ۳ ربیع الاول کو ۴۱ ہجری عام الفیل میں (بقول صحیح) ہوا۔ ایک جماعت آیہ کریمہ ”شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِي أُنْزِلَ فِيهِ الْقُرْآنُ“ (رمضان کا وہ مہینہ ہے جس میں قرآن نازل کیا گیا) اور ارشاد باری تعالیٰ اِنَّا أَنْزَلْنَاهُ فِي لَيْلَةِ الْقَدْرِ (ہم نے قرآن کو لیلۃ القدر میں نازل فرمایا) سے خیال کرتی ہے کہ وحی کی ابتداء رمضان مبارک میں ہوئی۔ اس لیے کہ حق تعالیٰ نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر از قسم نبوت، سب سے پہلے جس چیز کا اکرام فرمایا وہ نزول قرآن ہے اور چونکہ فرمایا ہے کہ نزول قرآن رمضان میں ہوا ہے اس سے ثابت ہوا کہ وحی کی ابتداء بھی رمضان ہی میں ہوئی ہوگی۔ لیکن اکثر مفسرین کا خیال یہ ہے کہ پورا قرآن بیک بار رمضان مبارک کی لیلۃ القدر میں لوح محفوظ سے آسمان دنیا پر نازل ہوا۔ اور وہاں سے ملحوظ مصلحت اور باعتبار واقعات تھوڑا تھوڑا تیس ۲۳ سال کی مدت تک اترتا رہا۔ گو واقعات کے اعتبار سے قرآن کا نزول لوح محفوظ کی ترتیب کے خلاف ہوا۔ لیکن اب جو مصاحف میں مرقوم ہے وہ اسی لوح محفوظ کی ترتیب پر ہے۔ اس کی مثال یوں سمجھئے جیسے کسی فقہ کی کتاب میں خاص ترتیب سے ہر قسم کے مسائل درج ہوں۔ اور لوگ اپنی ضرورت احتیاج کے مطابق اس فقہ کی کتاب سے آگے پیچھے سے مسائل نکالتے ہوں۔ بعض کے نزدیک ابتداء وحی ماہ رجب میں ہوئی ہے۔ یہ قول شاذ و نادر ہے۔

منقول ہے کہ جب ظہور نبوت کا وقت قریب آیا تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو خلوت اور لوگوں سے یکسوئی محبوب کر دی گئی۔ اس کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کوہ حرا میں جیسے جبل نور بھی کہتے ہیں خلوت نشینی اختیار فرمائی۔ اس حلقہ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم جمال

WWW.NAFSEISLAM.COM

کعبہ سے چشم مبارک کو روشن بھی فرماتے اور عبادت الہی بھی کرتے۔ اور رب العزت کی جانب متوجہ ہو کر عالم استغراق میں بیٹھا بھی کرتے اس میں علماء کا اختلاف ہے کہ ایسی خلوت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عبادت فکر سے تھی یا ذکر سے لیکن مذہب مختار یہ ہے کہ قلبی و زبانی ذکر سے تھی۔ اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کی شریعت میں سے جو کچھ آپ کے نزدیک ثابت تھا یا ہر وہ چیز آپ کے نزدیک انبیاء سابقین علیہم السلام کی شریعت میں سے ثابت تھی یا جو چیز آپ کی بصیرت میں مستحسن تھی اس پر عمل فرماتے تھے۔ آپ اپنے کا شانہ اقدس سے کچھ طعام لیجا کر لاتے۔ اور جب طعام ختم ہو جاتا یا گھروالوں کی جانب رجحان ہوتا تو پہاڑ سے اتر آتے۔ اس کے بعد آپ توشہ لے کر دوبارہ تشریف لے جاتے بعض روایتوں میں آیا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہر سال ایک مرتبہ مکہ کی بستی سے باہر تشریف لے جاتے اور ایک ماہ غار حرا میں خلوت گزیر رہتے۔ جب ایام وحی قریب آئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خلوت و عبادت میں کثرت کر دی اور التزام شروع فرما دیا یا یک آپ پر حق کا ظہور ہوا وحی اتری اور قرآن مجید نازل ہوا، کوئی یہ خیال نہ کرے کہ نبوت کا ظہور اور وحی کا ورود، ریاضت و مجاہدہ اور عبادت کے اثر سے تھا اس لیے کہ نبوت، حق تعالیٰ کے محض عنایت و مہربانی ہے۔ اس میں کسب و عمل کا کوئی

داخل نہیں ہے

تَبَارَكَ اللَّهُ مَا وَحَىٰ بِمُكْتَسَبٍ وَلَا نَبِيٍّ عَلَىٰ غَيْبٍ بِمُتَمِّمٍ

ہاں ولایت میں کسب و ریاضت سے البتہ کچھ نسبت و تعلق ہے اور اس میں اس کی تاثیر کا کچھ فضل ہے کیونکہ اس کے ذریعہ بعض جہانوں کا کشف، بعض روحانیت کا مشاہدہ اور بعض معانی کا الہام حاصل ہوتا ہے۔ لیکن نبوت، قرب خاص اور ایک مخصوص نسبت ہے جس کا تعلق وحی آسمانی سے ہے اس کے حامل روح الامین ہیں جنہیں روح الامین اور جبریل کہتے ہیں۔ یہ منصب رفیع، محض اصطفاء اور اجتباء الہی سے حاصل ہوتا ہے۔

چنانچہ جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں فرشتہ وحی لے کر حاضر ہوا تو اس نے کہا اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ کو مژدہ ہو کہ میں جبریل علیہ السلام ہوں اور مجھے حق تعالیٰ نے آپ کے پاس بھیجا ہے آپ امت کی جانب خدا کے رسول ہیں۔ آپ جن وانس کو کلہ طیبہ لا الہ الا اللہ کی دعوت دیجئے۔ اور کہا اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم پڑھئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں پڑھنے والا نہیں یا میں پڑھنا نہیں جانتا مطلب یہ کہ میں اُمی ہوں کسی سے میں نے پڑھنا لکھنا نہیں سیکھا ہے۔ اس کے بعد جبریل علیہ السلام نے اپنی آغوش میں لیا اور پوری طاقت صرف کی جتنی کہ میری اس کے ساتھ تھی۔ حدیث کے لفظ دعویٰ کے متحمل ہیں ایک یہ کہ جبریل علیہ السلام نے آغوش میں لے کر اپنی پوری طاقت جتنی اس میں تھی مجھ پر صرف کی اور وہ بے بس ہو گئے دوسرے معنی یہ کہ جتنی میری طاقت تھی اتنی زور سے مجھے آغوش میں لے لیا اور میں بے طاقت ہو کر بے بس ہو گیا۔ لیکن درست پہلے ہی معنی ہیں شارحین نے اس کی تصریح کی ہے۔ پھر جبریل نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو چھوڑ کر دوبارہ کہا پڑھئے۔ میں نے کہا میں پڑھنے والا نہیں ہوں۔ جبریل نے پھر آغوش میں لیا، اور بھیجا۔ پھر چھوڑ کر کہا پڑھئے؟ میں نے کہا میں پڑھنے والا نہیں۔ تیسری مرتبہ پھر جبریل نے آغوش میں لیا اور بھیجا اور کہا..... اِقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِي خَلَقَ ۝ خَلَقَ الْإِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ ۝ اِقْرَأْ وَرَبُّكَ الْأَكْرَمُ الَّذِي عَلَّمَ بِالْقَلَمِ ۝ عَلَّمَ الْإِنْسَانَ مَا لَمْ يَعْلَمْ یعنی پڑھئے اپنے رب کے نام سے جس نے پیدا کیا۔ آدمی کو خون کی پھلک سے بنایا۔ پڑھئے۔ اور تمہارا رب ہی سب سے بڑا کریم ہے جس نے قلم سے لکھنا سکھایا۔ آدمی کو وہ سکھایا جو نہ جانتا تھا۔

ایک روایت میں ہے کہ جبریل علیہ السلام نے عرض کیا اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) شیطان کے شر سے استعاذہ کیجئے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اَسْتَعِیْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّیْطَانِ الرَّجِیْمِ پھر جبریل نے کہا کہیے بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ اس کے بعد کہا اِقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِیْ خَلَقَ۔ مطلب یہ ہے کہ آپ اپنی قوت و طاقت کی جانب نظر نہ ڈالیے بلکہ ہماری تائید و تقویت پر نظر رکھیے کیونکہ ہم آپ کے رب اور آپ کے معلم ہیں۔

جبریل علیہ السلام کا آغوش میں لے کر دبانایا ایک قسم کا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے وجود گرامی میں ملکوتی انوار داخل کر کے تصرف کرنا تھا۔ تاکہ آپ وحی کے قبول کرنے میں آمادہ اور اس کے ماسوا سے خالی و بے التفات ہو جائیں۔ نیز اس میں اُس قول کے وزنی ہونے کی جانب اشارہ ہے جو آپ کی جانب القا ہونے والا ہے۔ جبکہ قرآن کریم میں ہے: **اِنَّا سَنُلْقِيْ عَلَیْكَ قَوْلًا ثَقِيْلًا** بیشک ہم آپ پر وزنی القاء فرمائیں گے! اس سے اس جانب بھی اشارہ ہے کہ یہ از قسم تخیل و وسوسا نہیں ہے کہ تخیل و وسوسا کی تاثیر اور تصرف جسم میں نہیں ہوتی۔ اور اس میں بار بار کی تکرار سے مقصود، تاکید و لزوم اور مبالغہ ہے۔ اس جگہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد **مَا اَنَا بِقَادِرٍ** میں ایک بحث ہے وہ یہ کہ امی کا تعلیم و تلقین کے ذریعہ کسی کلام کو پڑھنا کیسے بعید و خلاف ہے باوجودیکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فصاحت و بلاغت کے درجہ کمال پر فائز تھے۔ البتہ کسی کتاب کو یا کسی لکھی ہوئی تحریر کو پڑھنا امتیت کے منافی ہے۔ اس لیے یہ کلمہ

اُس مقام کی ہیبت اور دہشت سے ہی صادر ہوا ہوگا اور حدیث کے شارحین نے اس کلمہ کو اہمیت پر ہی محمول کیا ہے۔



زبان کو بھی جانتے تھے۔ ان سے سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا نے کہا اے چچا زاد بھائی! اپنے بھتیجے کی بات تو سنئے وہ کیا فرماتے ہیں؟ سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ورقہ بن نوفل کا برادر زادہ یعنی بھتیجا کہا تھا۔ یہ عرب کا عرف ہے کہ وہ ایک دوسرے کو برادر یا برادر زادہ کہا کرتے ہیں۔ اور اہل سیر یہ بھی کہتے ہیں کہ ورقہ، حضرت عبداللہ کے ہم عمر تھے۔ ورقہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کیا بات ہے؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا تمام حال جو گزرا تھا ان سے بیان فرما دیا۔ یہ سن کر ورقہ نے کہا یہ وہ ناموس ہے جو حضرت موسیٰ علیہ السلام پر نازل ہوتا تھا۔ اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ کو مبارک و خوشی ہو کہ آپ اللہ کے رسول ہیں میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ وہ نبی ہیں جس کی حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے بشارت دی کہ ”میرے بعد ایک رسول مبعوث ہوگا جس کا نام نامی احمد ہے“ اور قریب ہے کہ آپ کافروں کے ساتھ جہاد و قتال پر مامور ہوں۔ کاش میں اس دن تک زندہ رہتا اور جوان قوی و توانا ہوتا جب آپ کی قوم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس جگہ سے نکالے گی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا وہ مجھے یہاں سے نکال دیں گے؟ ورقہ نے کہا ہاں! آپ جو کچھ لے کر تشریف لائے ہیں اس کی مانند کوئی ایک لے کر کبھی نہیں آیا۔ اس کے باوجود ان سے دشمنی کی گئی اور انہیں ایذا میں پہنچائی گئی۔ مطلب یہ کہ سنت الہی اسی طرح جاری ہے کہ کافر لوگ ہمیشہ نبیوں کے دشمن رہے ہیں اور کوئی نبی ایسا نہیں آیا جس کی کافروں نے دشمنی نہ کی ہو۔ اگر میں نے آپ کا وہ دن پایا تو میں آپ کی پوری پوری نصرت و مدد کروں گا۔ پھر کچھ عرصہ کے بعد ورقہ نے وفات پائی۔ اور ظہور دعوت کا زمانہ انہوں نے نہ پایا۔ لیکن وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے والوں اور آپ کی تصدیق کرنے والوں میں سے ہیں ایسے اور بہت سے حضرات ہیں جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی صورت غصری کے ظہور و وجود سے پہلے ہی آپ پر ایمان لائے ہوئے تھے جیسے نجار وغیرہ اب رہا یہ ورقہ کو صحابی کہہ سکتے ہیں؟ تو ظاہر ہے کہ صحابہ کی تعریف یہ کی گئی ہے کہ مَنْ رَأَى النَّبِيَّ مُؤْمِنًا جس نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ایمان کے ساتھ دیکھا تو یہ ان پر صادق ہے اور اس میں ظہور دعوت کی شرط نہیں لگائی گئی ہے۔ مشکوٰۃ میں ایک حدیث مروی ہے کہ سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ورقہ کے انتقال کے بعد ان کا حال دریافت کیا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں نے خواب میں ان کو دیکھا ہے وہ سفید لباس پہنے ہوئے ہیں، سفید لباس ایمان کی نشانی ہے۔ روضۃ الاحباب میں ایک حدیث مروی ہے کہ فرمایا میں نے قیس کو جنت میں دیکھا ہے ان کے جسم پر سبز لباس ہے۔ اس لیے کہ وہ مجھ پر ایمان لائے اور میری تصدیق کی ہے۔ قیس سے مراد ورقہ ہیں۔ قیس اور قیس، نصاریٰ کے علمی دانشمندیوں اور ان کے دینی پیشواؤں کو کہتے ہیں۔ اور مواہب لدنیہ میں کہا گیا ہے کہ وہ آپ پر سب سے پہلے ایمان لانے والوں میں سے ہیں اور ابن مندہ نے ان کو صحابہ میں شمار کیا ہے۔

سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کا حضور کو ورقہ کے پاس لے جانے کے واقعہ میں یہ اشارہ ہے کہ حیرت و اشتباہ کے وقت علماء اور اہل بصیرت سے مشورہ و استفسار کرنا لازم ہے اسی سے صوفیاء، کرام اور طالبان و سالکان طریقت، اپنے مشائخ سے کشف حقیقت حاصل کیلئے اپنے خیالات اور واقعات کو پیش کرنے میں استدلال کرتے ہیں۔

ایک شبہ کا ازالہ:

تنبیہ: اس مقام میں ایک اعتراض و اشتباہ لاحق ہوتا ہے وہ یہ کہ حدیث بخاری کا سیاق کلام یہ ہے کہ حضور خوف سے کانپتے لرزتے تشریف لائے اور حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے کہا کہ میں اپنے آپ سے ڈرتا ہوں۔

سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا نے صفات حمیدہ اور کمالات رفیعہ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دی کہ ایسی خوبیوں والا شخص ابتلا و

خدا لان سے محفوظ رہتا ہے۔ سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا بعد اظہار نبوت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ورقہ کے پاس آپ کے حال مبارک کی وضاحت و استفسار کی غرض سے لے گئیں حالانکہ یہ ثابت ہے کہ حق سبحانہ، تعالیٰ نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے وسعت مبارک پر راجحہ، اے ناہ فرجہ، سرہم، آں، کا صداقت کا معرفت ہوئی جیسا کہ مروی ہے کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم غار حرا میں اس

حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا کرتے تھے کہ اَشْهَدُ اَنْنِیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ میں گواہی دیتا ہوں کہ یقیناً میں خدا کا رسول ہوں۔ آپ کا یہ فرمانا اس لیے تھا کہ لوگوں کے ذہن نشین ہو جائے اور وہ تصدیق و ایمان کیلئے تیار و آمادہ ہو جائیں۔ اس مفہوم کو خوب اچھی طرح ذہن نشین اور اس مطلب کو خوب عمدہ طریقہ سے سمجھ لینا چاہیے تاکہ اس مقام پر کوئی تمہیں وہم و شک میں نہ مبتلا کر دے۔

جو کچھ کہ مذکور ہوا اس سے معلوم ہو گیا ہوگا کہ نزول قرآن کے سلسلہ میں سب سے پہلے جو چیز نازل ہوئی وہ سورۃ اقرأ میں سے اِقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِیْ خَلَقَ سے عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَا لَمْ یَعْلَمْ تک نازل ہوا۔ امام محمد الدین نووی رحمۃ اللہ فرماتے ہیں کہ یہی حق و صواب ہے کیوں کہ اس پر جمہور اسلاف و اخلاف کا مذہب ہے۔ لیکن ایک یہ روایت بھی ہے کہ سب سے پہلے بِسْمِ اللّٰهِ الْمَدِیْنُہُ نازل ہوئی امام نووی فرماتے ہیں کہ یہ بات ضعیف ہی نہیں باطل ہے۔ اور بِسْمِ اللّٰهِ الْمَدِیْنُہُ کا نزول، وحی کی قرأت کے بعد ہے جیسا کہ آگے آئے گا۔ ایک دوسری روایت ہے سب سے پہلے سورۃ فاتحہ نازل ہوئی۔ تو اس بارے میں یہ بھی یہ کہتے ہیں کہ یہ حدیث محفوظ نہیں ہے اور اگر ہو بھی تو محتمل ہے کہ اقرار کے بعد بِسْمِ اللّٰهِ الْمَدِیْنُہُ کے بعد اس کے نازل ہونے کی خبر دینا مقصود ہو۔ بعض کہتے ہیں کہ سب سے پہلے آیہ کریمہ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ نازل ہوئی کیوں کہ جبریل علیہ السلام نے کہا اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم استعاذہ کیجئے اس پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کہا اَسْتَعِذُّ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ اور جبریل علیہ السلام نے کہا کہیے بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ اور اس کے بعد کہا۔ اِقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِیْ خَلَقَ جِسا کہ مواہب میں مذکور ہے۔ نیز ابھی اہل کتب و علماء نے اس میں

وحی کے مراتب:

وصل: علماء کرام وحی کے کئی مراتب بیان کیے ہیں۔ اول روایے صالحہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ابتداء میں جو چیز سب سے پہلے ظاہر ہوئی وہ روایے صالحہ ہے۔ اور ایک روایت یہ بھی ہے کہ وَكَانَ لَا يَرَى إِلَّا جَاءَتْ مِثْلَ فَلَقِ الصُّبْحِ یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی روایا ایسی ہوتی جیسے صبح صادق کا طلوع ہونا، کتابوں میں مذکور ہے کہ یہ کیفیت چھ مہینہ رہی۔ چنانچہ اس عرصہ میں نبوت میں کلام ہے (واللہ اعلم)

دوسرا مرتبہ وحی کا یہ تھا کہ جبریل علیہ السلام نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب شریف میں القا کرتے تھے بغیر اس کے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم، جبریل علیہ السلام کو دیکھیں۔ جیسا کہ آپ نے فرمایا کہ میرے دل میں روح قدس نے القاء والہام کیا ہے کہ ہرگز اس وقت تک کوئی نہیں مرے گا جب تک کہ اپنا رزق پورا نہ کر لے (آخر حدیث تک) اس حدیث کو حاکم نے روایت کر کے صحیح کہا ہے۔

تیسرا مرتبہ وحی کا یہ تھا کہ جبریل علیہ السلام کسی آدمی کی صورت اختیار کر کے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آتے اور پیغام الہی پہنچاتے تھے تاکہ جو کچھ ارشاد باری ہے اسے یاد فرمائیں۔ اور اکثر حضرت دحیہ بکلی رضی اللہ عنہ کی صورت میں آتے۔ یہ قبیلہ بنی کلب کے خوبرو صحابی تھے۔ ان کے حسن و جمال کا یہ عالم تھا کہ جب یہ بغرض تجارت نکلتے محمل نشین عورتیں نظارہ کرتیں۔

حضرت جبریل علیہ السلام کا دحیہ رضی اللہ عنہ بکلی کی صورت اختیار کرنے کے بارے میں اہل نظر کلام کرتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ جب جبریل علیہ السلام دحیہ رضی اللہ عنہ بکلی کی صورت میں آئے تو جبریل علیہ السلام کی روح کہاں تھی؟ اگر ان کے جسم شریف میں تھی تو ان کی صورت اصلی میں تو تین سو پر ہیں۔ لہذا جو کچھ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا نہ تو وہ جبریل علیہ السلام کی روح ہے اور نہ ان کا جسم، اور اگر روح اسی جسم میں تھی جو دحیہ رضی اللہ عنہ کی صورت میں ہے تو وہ اپنے جسم اصلی سے نکل کر اس جسم میں آ گئی تو کیا جسم سے انتقال روح کی وجہی جبریل علیہ السلام وفات پا گئے یا ان کا جسم روح منقلہ سے خالی ہو کر بے روح زندہ رہا۔ مواہب لدنیہ میں عینی سے جو بخاری کے شارح اور حنفی المذہب ہیں انہوں نے کہا کہ بعد نہیں ہے کہ انتقال روح، موجب موت نہ ہوئی ہو۔ اور جسم شریف روح کی جدائی سے کسی قسم کا نقصان اٹھائے بغیر باقی رہا، ہو دوسرے جسم میں روح کا ہونا ایسا ہی ہے جیسی کہ شہداء کے روحوں کی منتقلی سبز پرندوں کے جوف کے ساتھ ہے۔ اور ارواح کی جدائی سے، جسموں کا مرنا، عقلاً امر واجب نہیں ہے بلکہ امر عادی ہے جسے حق تعالیٰ بنی آدم میں جاری فرمایا ہے اور لازم نہیں ہے کہ بنی آدم کے سوا میں بھی ایسا ہی ہو۔ بلکہ بنی آدم میں بھی عقلاً جائز ہے اور حق تعالیٰ کی قدرت میں داخل ہے۔ یہ کلام ظاہری طور پر ہے جسے بعض علماء نے کہا ہے، اہل تحقیق کے نزدیک دحیہ رضی اللہ عنہ بکلی کی صورت اختیار کرنے کی یہ صورت ہوگی کہ جبریل علیہ السلام کے ذہن میں دحیہ رضی اللہ عنہ کی جو صورت علمی تھی اسے اپنی اس صفتِ کاملہ اور ارادہ شاملہ کے سبب اس صورت علمی کو اپنی موجودہ صفات کو ظاہر کرتے اور خود کو دحیہ رضی اللہ عنہ کی صورت میں ظاہر فرماتے۔ اور اس صورت علمی کو اپنی موجودہ صفات کے ساتھ شامل کرتے تھے اور جبریل علیہ السلام اپنے مقام میں اپنی ملکی ذات و صفات کے ساتھ ثابت و برقرار رہتے تھے۔ جس طرح ظہور حق تعالیٰ اور اس کا تمثیل بصورت عالم ہے۔ یہی طریقہ تمثیل روحانیات بصورت جسمانیات اور تمثیل حق، بصورت بشر اور تمثیل بعض کامل اولیاء کرام، بصورت متعددہ ہے۔ اسے خوب سمجھ لو۔ اور حضرت جبریل علیہ السلام غیر صورت دحیہ رضی اللہ عنہ میں بھی آتے تھے جیسا کہ اسلام ایمان اور احسان کے بیان میں حدیث جبریل علیہ السلام مروی ہے۔

چوتھا مرتبہ وحی کا یہ ہے کہ صلصلۃ الجرس یعنی رہٹ کی مانند آواز سنائی دیتی تھی اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا کوئی دوسرا وحی

کے کلمات ومعانی کو نہیں سمجھ سکتا تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر اقسام وحی میں یہ قسم سب سے بڑھ کر سخت تھی۔ یہاں تک کہ شدید سردی کے دنوں میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشانی مبارک سے پسینہ نچکنے لگتا تھا اور اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم اونٹ پر سوار ہوتے تو وہ زمین پر بیٹھ جاتا تھا۔ ایک مرتبہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر اسی طرح وحی آئی اس وقت آپ اپنا سر مبارک زید رضی اللہ عنہ بن ثابت کی ران پر رکھے ہوئے تھے ان کی ران اتنی وزنی ہو گئی کہ قریب تھا کہ وہ ٹوٹ جائے طبرانی، زید بن ثابت رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی آنے کی حالت لکھتا ہوں کہ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی نازل ہوتی تو آپ پر اتنی شدت و خفگی ہوتی کہ چہرے پر چاندی کے دانوں کی مانند پسینہ ٹپک آتا تھا۔ ایک دن آپ میری ران پر سر رکھے سو رہے تھے کہ میری ران اتنی وزنی ہو گئی کہ قریب تھا کہ میرا پاؤں ٹوٹ جائے اور میں نے گمان کیا کہ اب میں بھی اپنے پاؤں پر نہ چل سکوں گا اس طرح جس وقت سورہ مائدہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوئی تو قریب تھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ناقہ کی ٹانگیں اس سے ٹوٹ جائیں۔

وحی میں مطلقاً ثقل و بوجھ بھی آیا ہے۔ چنانچہ جب آپ پر وحی نازل ہوتی تو آپ اس کی وجہ سے خفی محسوس فرماتے اور آپ کے روئے تاباں کا رنگ متغیر ہو جاتا اور خاکستری رنگ کی مانند ہو جاتا اور آپ کا سر مبارک جھک جاتا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب بھی اپنے سرنگوں کر دیتے۔ جب یہ کیفیت ختم ہو جاتی تو سر مبارک کو اوپر اٹھاتے۔ محققین کہتے ہیں کہ افاضہ اور استفاضہ یعنی فیض پہنچانے اور فیض حاصل کرنے میں یکسانیت و مناسبت شرط ہے مطلب یہ کہ کبھی جبریل علیہ السلام کی ملکیت، حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر غالب آتی اور وہ آپ کو آپ کی حالت سے لیجا کر عالم ملکوتیت میں پہنچا دیتے اور کبھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بشریت، جبریل علیہ السلام پر غالب آ جاتی اور ان کو صورت بشری میں لے آتے۔ یہ وعدہ اور بشارت کی صورت میں ہوتا۔ اور پہلی صورت، انداز و وعید کے وقت ہوتی۔

وحی کا پانچواں مرتبہ یہ تھا کہ کبھی جبریل علیہ السلام اپنی اصلی صورت میں (مع تین سو پروں کے) آتے اور وحی پہنچاتے جیسا کہ سورہ وانجم میں مذکور ہے۔ علماء فرماتے ہیں کہ ایسا دوبار ہوا تھا (واللہ عالم)

چھٹا مرتبہ وحی کا یہ ہے کہ حق تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر اس حالت میں وحی فرمائی جبکہ آپ آسمانوں کے اوپر تھے نماز وغیرہ کی وحی اسی طرح فرمائی تھی۔

وحی کا ساتواں مرتبہ، حق تعالیٰ کا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے براہ راست کلام فرمانا ہے جس طرح کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کلام فرمایا۔

وحی کا آٹھواں مرتبہ، حق تعالیٰ کا حضور سے بے حجاب کلام فرمانا ہے۔ آسمانوں کے اوپر کی وحی اسی قبیل سے ہے۔ صاحب مواہب کہتے ہیں کہ یہ اس مذہب کے رو سے ہے جو یہ کہتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حق تعالیٰ کا شب معراج دیدار کیا۔ یہ مسئلہ اختلافی ہے (واللہ اعلم)

کبھی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے رب کو خواب میں دیکھتے اور حق تعالیٰ آپ سے کلام فرماتا۔ جیسا کہ حدیث میں ہے کہ میں نے اپنے رب کو احسن صورت میں دیکھا اور رب نے اپنے دونوں دست قدرت کو میرے شانوں پر رکھا اور میں نے اس کی ٹھنڈک اپنے سینہ میں محسوس کی۔ مجھ سے رب تعالیٰ نے دریافت فرمایا کہ ملائعہ اعلیٰ میں کس چیز پر جھگڑا ہے (آخر حدیث تک) اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا وہ اجتہاد جس سے علم شریعت حاصل ہو صائب تھا نیز اسے وحی کے اقسام میں سے شمار کرتے ہیں۔ صاحب مواہب فرماتے ہیں کہ اگر سب متفق ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اجتہاد فرماتے تو وہ قطعی درست و صواب ہوتا۔ کیونکہ آپ خطا سے معصوم تھے۔

مشہور اصول کی کتاب میں ہے کہ آپ کو کبھی خطا پر قائم نہ رکھا جاتا اور آپ کو آگاہ کر دیا جاتا تھا۔ جیسا کہ بدر کے قیدیوں کے سلسلہ میں ہے۔ صاحب مواہب فرماتے ہیں کہ حلیمی نے کہا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کہا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر ۴۶ قسموں سے وحی کی گئی ہے اور ان سب کو انہوں نے بیان کیا ہے فتح الباری میں کہا گیا ہے کہ ان میں سے اکثر احوال کے اختلاف کے اعتبار سے وحی کو محمول کیا گیا ہے۔ اور تمام انواع، ان قسموں میں داخل ہیں جو بیان کر دی گئی ہیں۔ (واللہ اعلم)۔

بعض علماء فرماتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں جبریل علیہ السلام چوبیس ہزار مرتبہ نازل ہوئے۔ اور حضرت آدم علیہ السلام پر بارہ مرتبہ، حضرت ادریس علیہ السلام پر چار مرتبہ، حضرت نوح علیہ السلام پر پچاس مرتبہ، حضرت ابراہیم علیہ السلام پر بیالیس مرتبہ، حضرت موسیٰ علیہ السلام پر ایک سو چار مرتبہ اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر دس مرتبہ۔ مواہب لدنیہ میں ایسا ہی منقول ہے (واللہ اعلم)۔

علماء فرماتے ہیں کہ ایمان و توحید کے بعد عبادات میں سب سے پہلے دو رکعت نماز واجب ہوئی جس کی جبریل علیہ السلام نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو تعلیم دی۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے ساتھ ادا فرمائی۔ اور مقاتل نے کہا ہے کہ ابتداء میں نماز کی فرضیت دو رکعتوں میں تھی۔ دو رکعت فجر میں اور دو رکعت عشاء میں۔ جیسا کہ حق تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ بِالْعَشِيِّ وَالْإِبْكَارِ (اور اپنے رب کی تسبیح عشاء اور فجر میں کرو)۔ فتح الباری میں کہا گیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم واقعہ معراج سے پہلے نماز پڑھا کرتے تھے۔ اور اسی طرح آپ کے صحابہ بھی۔ البتہ اس میں اختلاف ہے کہ نماز بجگانہ کی قسم میں سے کوئی نماز فرض تھی؟ بعض کہتے ہیں کہ طلوع آفتاب اور غروب آفتاب سے پہلے کی نماز فرض تھی۔ اور وہ اس رجحان میں جو تعالیٰ کا ارشاد آتا ہے: اِنَّ اَوَّلَ مَا خَلَقَ كَانَ رِجَالٌ مِّنَ الْاِنْسَانِ (پہلے انسان کے رِجَال تھے)۔

جابر رضی اللہ عنہ، ابوسعید خدری، اور زید بن ارقم رضی اللہ عنہم! جمعین ہیں۔ یہی قول ابن شہاب، قتادہ وغیرہ کا ہے۔ اور بعض لکھتے ہیں کہ سب سے پہلے ورقہ بن نوفل ایمان لائے ہیں۔ اور شیخ ابن الصلاح فرماتے ہیں کہ سب سے زیادہ محتاط اور موزوں تر یہ ہے کہ آزاد مردوں میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ! بچوں اور نو عمروں میں علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ، عورتوں میں سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا، اور موالیٰ میں زید رضی اللہ عنہ بن حارث اور غلاموں میں سے حضرت بلال حبشی رضی اللہ عنہم ہیں۔ (واللہ اعلم)

ابن عبد اللہ نے دعویٰ کیا ہے کہ سب سے پہلے علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ ایمان لائے لیکن وہ نو عمر اور بچے تھے اسلام کو اپنے والد

۱۱۱۱: ... لہذا یہ کہنا اور حرف بہ الکرہ، لہذا رضی اللہ عنہما اور ان کے اور اپنے اسلام کا اظہار کر کے وہ اسے اس روایت

ایک روز یہ لوگ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور ابوطالب کے پاس آئے آپ ان کو دعوت اسلام دینے لگے ان کے بعد تمام قریش مجتمع ہو کر ابوطالب کے پاس پہنچے اور مطالبہ کیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ہمارے سپرد کر دو۔ ابوطالب نے جواب دیا کہ کہ اگر اوٹنی اپنے بچہ کے بغیر رہ سکے تو میں اس کو تمہارے سپرد کر دوں۔ اس کے بعد انہوں نے چند اشعار حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب کرتے ہوئے کہے ”اے محمد! قریش، ہرگز نہ... کہ وہ ابلہ آکر انا، آہ، آہ... بھیجے اسکیم، اگر آ... ۲۰... کا بخ... تبلیغ... ع... سبھرا... کھنگلا... خ... ح... کہ..."

کی داڑھی اور سر کو اس زور سے گھسیٹا کہ داڑھی کے اکثر بال بچ گئے اور اس سے ان کا سر بھاڑ دیا۔ ایک روایت میں ہے کہ اس نے ان کے سر اور منہ پر اتنی جوتیاں ماریں کہ وہ بیہوش ہو کر گر پڑے۔ مگر ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ برابر یہی نصیحت فرماتے رہے کہ: **اَتَقْتُلُونَ رَجُلًا اَنْ يَقُولَ رَبِّيَ اللَّهُ وَقَدْ جَاءَكُمْ بِالْبَيِّنَاتِ مِنْ رَبِّكُمْ**۔ کیا تم ایسے شخص کو مار ڈالنا چاہتے ہو جو یہ کہتا ہے کہ میرا رب اللہ ہے اور وہ یقیناً اپنے رب کی جانب سے دلائل و براہین لائے ہیں۔ یہ قول آل فرعون کے مومن کا ہے جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے حق میں فرعونیوں سے کہتا تھا۔

صحیح بخاری میں سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ انہوں نے کہا ہم رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کعبہ میں کھڑے تھے کہ اتنے میں عقبہ بن ابی معیط لعنتہ اللہ سامنے سے آیا اور اپنی چادر کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی گردن مبارک میں ڈال کر گھسیٹا اور اتنی شدت سے لپیٹا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا گلا گھٹ گیا۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے اس بد بخت کو کندھے سے پکڑ کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے دور کیا اور فرمایا: **اَتَقْتُلُونَ رَجُلًا اَنْ يَقُولَ رَبِّيَ اللَّهُ** کیا تم اسے جان سے مارنا چاہتے ہو جو کہتا ہے کہ میرا رب اللہ ہے۔

علماء فرماتے ہیں کہ مومن آل فرعون سے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ افضل ہیں اس لیے کہ مومن آل فرعون نے زبانی مدد پر اکتفا کیا

اور ابو بکر رضی اللہ عنہ نے اپنی جان کی قربانی سے مدد حاصل کی۔

اللہ تعالیٰ ان کے لیے اجر عظیم عطا فرمائے۔ آمین

www.nafseislam.com

www.nafseislam.com

www.nafseislam.com

www.nafseislam.com

www.nafseislam.com

www.nafseislam.com

www.nafseislam.com

www.nafseislam.com

www.nafseislam.com

www.nafseislam.com

www.nafseislam.com

www.nafseislam.com

www.nafseislam.com

www.nafseislam.com

www.nafseislam.com

www.nafseislam.com

www.nafseislam.com

www.nafseislam.com

www.nafseislam.com

www.nafseislam.com

www.nafseislam.com

www.nafseislam.com

www.nafseislam.com

www.nafseislam.com

www.nafseislam.com

www.nafseislam.com

www.nafseislam.com

www.nafseislam.com

سے ان کی گردن زخمی ہو جاتی۔ امیہ بن خلف جو حضرت بلال رضی اللہ عنہ کا مالک تھا ان کو مکہ کے ریگزاروں میں لے جاتا اور انہیں گرم ریت پر ننگا کرتا ہوا ایک بڑا پتھر ان کے سینہ پہ رکھتا اور ان کے بدن داغ دیتا اور کبھی دھوپ میں لٹا کر لٹھیوں سے پیٹتا لیکن حضرت بلال رضی اللہ عنہ کی زبان پر ”أَحَدًا أَحَدًا“ جاری رہتا یہاں تک کہ بلال رضی اللہ عنہ کو سانس لینا دشوار ہو گیا اور عذاب کی یہ تلخی ایمان کی چاشنی سے بدل گئی۔ ایک دن وہ اس عذاب میں مبتلا تھے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ ان کے پاس پہنچ گئے اور انہیں امیہ بن خلف نجی سے خرید کر آزاد کر دیا۔ اس پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”اے ابوبکر رضی اللہ عنہ! بلال رضی اللہ عنہ کے خریدنے میں مجھے کیوں شریک نہ کر لیا؟“ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ میں نے ان کو اسی وقت آزاد کر دیا تھا۔

حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ اور ان کے ماں باپ کو طرح طرح کی اذیتیں دیا کرتے تھے۔ ایک روز انہیں دھوپ میں گرم ریت پر لٹا کر اذیتیں دے رہے تھے کہ ادھر سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم گزرے انہیں اذیت میں دیکھ کر فرمایا: ”اے یاسر رضی اللہ عنہ کے بیٹے صبر کرو۔ سمیہ رضی اللہ عنہ تمہارے ساتھ جنت کا وعدہ کیا جاتا ہے۔“

ابو جہل العین نے عمار رضی اللہ عنہ کی والدہ سمیہ کی اندام نہانی میں دشمن مار کر شہید کر دیا اور پھر ان کے باپ کو بھی۔ یہ اسلام میں سب سے پہلے شہید ہیں۔

منقول ہے کہ کچھ قریشی یہودیوں کے پاس گئے ان سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کی علامتوں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے احوال کے بارے میں پوچھا۔ یہودیوں نے کہا کہ ان سے تین باتیں دریافت کرو اگر وہ ان کا صحیح جواب دے دیں تو نبی و رسول ہے ورنہ دیوانہ شخص ہے۔ ان سے پوچھو کہ وہ کون لوگ ہیں جو پچھلے زمانہ میں خدا کی طلب میں نکلے تھے؟ اس سے ان کی مراد اصحاب کہف تھی۔ اور پھر ان سے پوچھو کہ وہ کون شخص ہے جس نے چوتھائی زمین کی سیر کی ہے؟ ان سے ان کی مراد حضرت ذوالقرنین سے تھی اور آخر میں ان سے روح کے بارے میں پوچھو کہ وہ کیا ہے؟ اور اس کی کیا حقیقت ہے؟ اس پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کُلُّ آتَمًا میں تم کو ان کا جواب دوں گا چوں کہ آپ نے انشاء اللہ نہ کہا تھا اس پر کچھ دیر بعد وحی نازل ہوئی اور حق تعالیٰ نے فرمایا: وَلَا تَقُولَنَّ شَيْءٌ إِنِّي فَاعِلٌ ذَلِكَ غَدًا إِلَّا أَنْ يَشَاءَ اللَّهُ آپ کسی چیز کے بارے میں یوں نہ کہیں کہ اسے کل کروں گا مگر یہ کہ آپ انشاء اللہ کہیں۔ اس کے بعد قرآن اصحاب کہف اور حضرت ذوالقرنین کے بارے میں نازل ہوا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دونوں کے قصے پڑھ کر سنائے۔ اور پھر روح کی حقیقت کے بیان کے لئے کھڑے ہوئے۔

علماء اختلاف کرتے ہیں کہ روح سے مراد انسانی روح یا جبریل علیہ السلام یا فرشتوں کی وہ صنف ہے جو روز قیامت صف باندھے کھڑے ہوں گے۔ جیسا کہ قول باری تعالیٰ میں ہے: يَوْمَ يَقُومُ الرُّوحُ وَالْمَلَائِكَةُ صَفًّا۔ جس دن روح اور فرشتے صف باندھے کھڑے ہوں گے۔

علماء فرماتے ہیں کہ راجح یہی ہے کہ اس سے مراد روح انسانی ہے۔ لہذا پچھ لوگ یہی کہتے ہیں کہ اس سے مراد حق سبحانہ یہ ارشاد ہے کہ قُلِ الرُّوحُ مِنْ أَمْرِ رَبِّي اے نبی! تم فرما دو روح میرے رب کا حکم ہے۔ مطلب یہ کہ روح کی حقیقت کو تب جاننے والی ذات رب تعالیٰ ہی ہے اور وہی اثر انداز ہے اس کی حقیقت کی معرفت میں کسی اور کو کوئی دلیل و راہ نہیں ہے۔ اور حق یہ ہے کہ اس آیت میں اس کی کوئی دلیل نہیں ہے کہ حق تعالیٰ سبحانہ نے اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کو روح کی مابیت پر مطلع فرمایا ہے بلکہ محتمل ہے کہ مطلع کر دیا گیا ہو گا لیکن دوسروں کو اس پر باخبر کرنے کا حکم نہ فرمایا گیا ہو گا۔ بعض علماء قیامت کے علم و وقت کے بارے میں بھی ایسا ہی کہتے ہیں (واللہ اعلم) اور حق تعالیٰ کے اس قول کے مفہوم کی طرف اشارہ کرتے ہیں کہ فرمایا: وَمَا أَوْفَيْتُمُ مِنَ الْعِلْمِ إِلَّا قَلِيلًا اور تمہیں نہیں دیا گیا علم

مگر بہت کم۔ کیونکہ یہ خطاب اس قوم سے ہے جس نے اس بارے میں سوال کیا تھا۔ مطلب یہ کہ تم اس قابل نہیں کہ اس کی حقیقت کو جان سکو۔ اور جو چیز اس حقیقت کے مانند ہے اس کے سمجھنے سے بھی تم عاجز ہو۔ لہذا یہودیوں کو علامات نبوت نہ بتانا اور اس کی خبر نہ دینا بھی اس بنا پر تھا۔ نہ کہ اس وجہ سے کہ آپ کو معلوم نہ تھا۔ اسی بنا پر یہودیوں نے کہا تھا کہ اگر جواب دیدیں تو سمجھ لینا کہ نبی ہیں۔

بندہ مسکین (یعنی صاحب مدارج النبوة حقہ اللہ بنور العلم والیقین) کہتا ہے کہ کوئی مومن عارف کیسے جرات کر سکتا ہے کہ حضور سید المرسلین امام العارفین صلی اللہ علیہ وسلم سے حقیقت روح کی نفی کر سکے کیونکہ حق تبارک و تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی ذات و صفات کا علم دیا اور آپ پر اولین و آخرین کے علوم خوب واضح فرمائے تو روح انسانی کی حقیقت جامعہ کے پہلو میں کیا وقعت ہے۔ وہ علم معوذہ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کہ مقلد میرا سا ہے جیسے درسا کے مقابلہ میرا ایک قطرہ ما آفتاب روشن کے مقابلہ میرا ایک ذرہ۔

صحابہ کا جانب حبشہ ہجرت کرنا:

جب صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین پر کفار کا ظلم و ستم حد سے بڑھ گیا۔ تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو حبشہ ہجرت کر جانے کا حکم فرمایا وہ جگہ امن و امان کی تھی۔ یہ ہجرت ماہ رجب نبوت کے پانچویں سال میں ہوئی تھی۔ گیارہ مرد اور ایک قول کے بموجب بارہ مرد اور چار عورتیں اور ایک قول کے مطابق پانچ عورتیں پوشیدہ طور پر ہجرت کر گئے تھے بعض نے اہل و عیال کے ساتھ اور بعض نے بغیر اہل و عیال کے ہجرت کی تھی یہ لوگ سمندر کے کنارہ تک تو پیدل گئے پھر وہاں سے کشتی میں سوار ہو کر حبشہ کی جانب روانہ ہو گئے حق تعالیٰ نے ان سب کو حبشہ میں نجاشی کے زیر سایہ پہنچا دیا۔ نجاشی حبشہ کے بادشاہ کو کہتے ہیں۔ اس نجاشی کا نام اصمہ تھا۔ جس نے سب سے پہلے اہل کے ساتھ ہجرت کی وہ حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ تھے آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی زوجہ سیدہ رقیہ بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تشریف لے گئے تھے۔ جب سلامتی کے ساتھ پہنچنے کی اطلاع ملنے میں دیر ہوئی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو فکر و ماتمکیر ہوئی۔ پھر ایک عورت نے آنکھیں دھو کر میں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو اپنی زوجہ کے ساتھ ایک دراز گوش پر سوار جاتے دیکھا ہے۔ اس پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بلاشبہ عثمان رضی اللہ عنہ بن عفان پہلے شخص ہیں جس نے خدا کے نبی حضرت لوط علیہ السلام کے بعد اپنی زوجہ کے ساتھ ہجرت کی ہے بعد میں دوسرے صحابہ کرام بھی حبشہ پہنچ گئے۔ اور نجاشی کے زیر سایہ بحفاظت رہنے لگے۔ کچھ عرصہ بعد ایک جھوٹی خبر پھیلی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور مشرکوں کے درمیان صلح ہو گئی ہے جب یہ خبر حبشہ پہنچی تو یہ لوگ حبشہ سے نکل کر مکہ چلے گئے۔ مکہ کے قریب پہنچنے پر معلوم ہوا کہ صلح کی خبر نامعتبر اور جھوٹی تھی۔ اور کفار اسی طرح مسلمانوں کی ایذا رسانی میں سرگرم ہیں۔ ان مہاجروں میں سے جو صحابی مکہ میں داخل ہو گئے تھے کچھ عرصہ بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اجازت سے وہ پھر حبشہ چلے گئے۔ اس مرتبہ مسلمانوں کی بہت بڑی جماعت نے حبشہ کی طرف ہجرت کی۔ جب کفار کو مسلمانوں کے حبشہ میں امن و چین سے رہنے کی خبر ملی تو انہوں نے عمرو بن العاص کو ایک جماعت کے ساتھ ہدیوں اور تحفوں سمیت نجاشی کے پاس بھیجا تا کہ وہ مسلمانوں کو حبشہ سے نکال دے۔ انہوں نے نجاشی کے دربار میں پہنچ کر اسے سجدہ کیا اور تحفے پیش کیے۔ اور عرض مدعا کر کے اس کی خوشامد کرنے لگے۔ نجاشی نے انہیں منع کیا اور کہا کہ یہ مناسب نہیں ہے کہ جس قوم نے ہمارے ملک میں ہماری پناہ لی ہو۔ اسے ہم ان کے دشمنوں کے حوالے کر دیں۔ اس کے بعد حکم دیا کہ مسلمانوں کو بلایا جائے تا کہ وہ خود بات کریں اور اپنے دین و ملت کا اظہار کریں۔ چنانچہ جب مسلمان نجاشی کے دربار میں پہنچے تو انہوں نے سجدہ تحیت کے بعد سلام کیا نجاشی کے مصاحبوں نے پوچھا کہ تم نے سجدہ کیوں نہ کیا؟ اس پر حضرت جعفر بن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جو مہاجرین حبشہ میں سے تھے فرمایا ہم غیر خدا کو سجدہ نہیں کرتے کیوں کہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم

محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں جو کچھ مذکور ہے اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ:

جعفر رضی اللہ عنہ کے کلام سے نجاشی کے دل میں ایک ہیبت طاری ہو گئی، اس نے اُن سے کہا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر جو کلام نازل ہوا ہے اس میں سے کچھ تلاوت کرو۔ حضرت جعفر رضی اللہ عنہ نے سورہ مریم کی تلاوت کی۔ اس پر نجاشی اور پادریوں میں سے جو بھی ان کے پاس تھا سب رونے لگے۔ اور سب نے یک زبان کہا ”خدا کی قسم! یہ کلام اور وہ کلام جو حضرت موسیٰ علیہ السلام پر نازل ہوا دونوں ایک ہی مشکوٰۃ سے نکلے ہیں“۔ اور نجاشی نے کہا۔ ”میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں اور یہ وہی ہستی مقدس ہیں جس کی بشارت، حضرت عیسیٰ بن مریم علیہ السلام نے دی ہے اور فرمایا ہے کہ ان کے بعد وہ تشریف لائیں گے“۔ اس کے بعد نجاشی نے قریش کے تحفوں کو لوٹا دیا اور ان کو ذلیل و رسوا کر کے دربار سے نکال دیا۔

ایک جھوٹی افواہ کی حقیقت

وصل: اثنائے بیان میں اجمالاً تذکرہ آ گیا تھا کہ ”مہاجرین حبشہ کی ایک جماعت، حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور کفار قریش کے درمیان صلح ہونے کی خبر پھیل جانے کی بنا پر حبشہ سے آئی تھی اور پھر وہ لوٹ گئی تھی“۔ اس کی تفصیل یہ ہے۔

ایک دن حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تبلیغ و انداز کی غرض سے مشرکوں کے آگے سورہ والنجم کی تلاوت کر رہے تھے۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس آیہ کریمہ پر پہنچے اَفْرَأَيْتُمْ اللَّتَّ وَالْعُزَّىٰ وَمَنَاةَ الثَّالِثَةَ الْأُخْرَىٰ (کیا تم نے لات و عزریٰ اور ایک اور تیسرے مناتہ بت کو نہ دیکھا) تو شیطان نے دُھل اندازی کی اور مشرکوں کے کانوں میں یہ آواز پہنچائی تِلْكَ الْغَرَابِيقُ الْعُلَىٰ وَإِنَّ شَفَاعَتَهُنَّ لَنُورٌ تَجْلَىٰ۔ یہ وہ بلند رتبہ اصنام ہیں اور ان کی شفاعت مقبول ہے“۔ پھر جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سورہ تمام فرمائی تو سجدہ کیا دوسرے مسلمانوں نے بھی سجدہ کیا مشرکوں نے بھی مسلمانوں کی موافقت کی۔ وہ بھی سجدے میں چلے گئے اس وقت مسجد حرام میں کوئی کافر ایسا نہ تھا جس نے سجدہ نہ کیا ہو۔ بجز بقول مشہور امیہ بن خلف جی کے۔ اس نے اپنے سر پر خاک ڈالی اور اپنا چہرہ پیٹ ڈالا۔ کہنے لگا ”بس اتنا ہی کافی ہے“۔ پھر مشرکین خوش ہو کر کہنے لگے، محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمارے بتوں کو یاد کیا اور ان کی تعریف کی اور ان کی شفاعت کا اثبات کیا، ہم بھی ان کے ساتھ اتنا ہی اعتقاد رکھتے ہیں۔ ہم ان کو خالق، رازق اور جلانے والا اور مارنے والا نہیں جانتے۔ جب محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمارے ساتھ اس بات میں اتفاق کر لیا تو ہم ان سے صلح کرتے ہیں اور ان سے اور ان کے ساتھیوں سے ظلم و ستم کا ماتھ اٹھاتے ہیں“۔ یہ خبر گوشہ گوشہ میں پھیل گئی اور شیطان نے اسے خوب پھیلا دیا۔ جب حبشہ کے مہاجرین کو یہ خبر پہنچی تو وہ اسے

اہل علم کلام کرتے ہیں۔ قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ نے الشفا میں بحث کر کے اس کی اصلیت کو ثانی و دانی طریقہ پر ضعیف قرار دیا ہے۔ امام فخر الدین رازی بھی اپنی تفسیر میں کہتے ہیں کہ یہ قصہ باطل ہے جسے زندیقوں نے گھڑا ہے۔ اور بعض کہتے ہیں کہ یہ زبیری کی افتراءات میں سے ہے۔ بھلا یہ کیسے ممکن ہو سکتا ہے کہ زبان حق ترجمان صاحب وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوَىٰ اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُوحَىٰ (وہ اپنی خواہش سے کلام نہیں فرماتے بلکہ وہی کلام فرماتے ہیں جو وحی کی جائے) سے بتوں کی تعریف ہو جائے۔ اور یہ ناممکن ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم قرآن میں ایسی چیز کا قصداً یا سہواً اضافہ فرمائیں جو قرآن میں سے نہ ہو۔ خصوصاً ایسی چیز کا اضافہ جو توحید کے سلسلہ میں اپنی لائی ہوئی چیز کے منافی و برخلاف ہو۔ اور یہی فرماتے ہیں کہ نقل و روایت کے اعتبار سے یہ نادر و غریب قصہ ثابت ہے اور ان کے راویوں میں کلام کیا گیا ہے کہ یہ سب کے سب مطعون ہیں۔ اور بخاری نے اپنی صحیح میں روایت کیا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے سورۃ والنجم کو ختم کر کے سجدہ کیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تمام مسلمانوں، مشرکوں اور جن وانس نے سجدہ کیا۔ اس کو اباب صحاح نے بطریق کثیرہ روایت کیا ہے اور ان میں غرائق والی بات نہیں ہے۔ اس میں کوئی شک و شبہ نہیں ہے کہ جو کوئی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر بتوں کی تعظیم کہہ کر قاتل ہو گا۔ کافر ہو گا۔ اور عتق لفظ سے مراد کچھ اور ہے۔

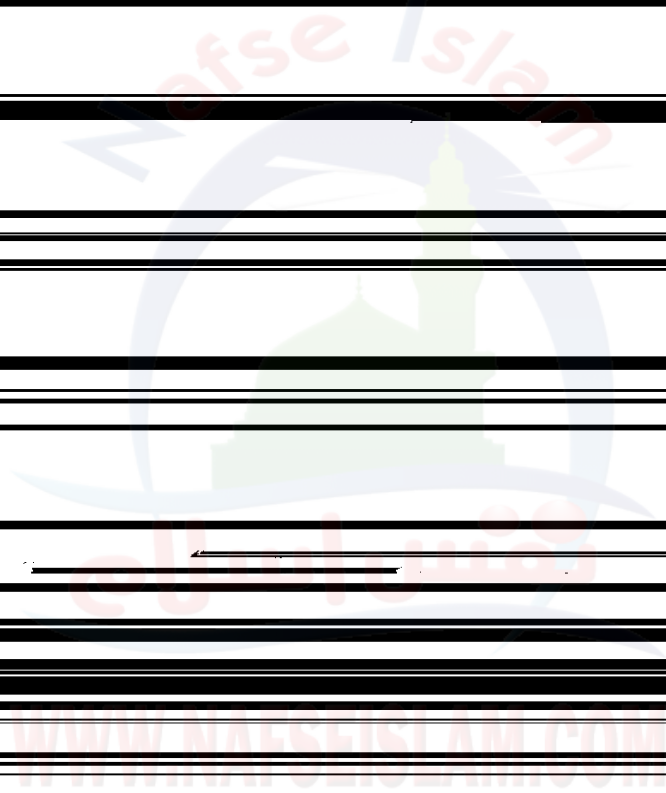
تھی۔ یا شیطان سے مراد شیاطین کی جنس ہے جس میں انسانی شیطان بھی شامل ہیں۔

بعض اس کی یہ تاویل کرتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تلاوت قرآن میں ترتیل فرماتے اور ہر آیت کے سرے پر وقفہ اور سکوت فرماتے تھے۔ اور شیطان اس گھات میں لگ گیا کہ کسی سکتہ میں اپنی آمیزش کر دے چنانچہ اس نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وقفہ اور سکتہ میں حضور ہی کی آواز کے مشابہ ترنم میں ان کلمات کو ادا کر دیا اور جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب تھے انہوں نے گمان کر لیا کہ یہ کلمات بھی (معاذ اللہ) حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ہی ادا کیے ہیں۔ پھر انہوں نے اسے پھیلا دیا۔ صاحب مواہب لدنیہ فرماتے ہیں کہ یہ تاویل احسن و عمدہ ہے اور قاضی ابن العربی نے بھی جو کہ اعظم علماء مالکیہ میں سے ہیں اسے مستحسن قرار دیا ہے۔ اور فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اس آئیہ کریمہ میں خبر دی ہے کہ تمام انبیاء و مرسلین میں یہ سنت الہی جاری رہی ہے کہ جب کچھ کلام فرماتے تو شیطان اپنی طرف سے اس میں کچھ کلمے ملاتا رہا ہے اور یہ آئیہ کریمہ اس بات پر نص ہے کہ شیطان نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تلاوت میں آمیزش کر کے اس نے بڑھیا تھانہ یہ کہ (معاذ اللہ) حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی زبان مبارک سے ان کلمات کو ادا کیا تھا۔

اگر کوئی یہ کہے کہ یہ تاویلات و توجیہات اس وقت فرض کی جاسکتی ہیں جبکہ یہ قصہ ثابت ہو۔ لیکن اگر قصہ ہی موضوع و باطل ہو تو آئیہ کریمہ مذکورہ و مَا أَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ کے معنی کیا ہیں؟ اور القاء شیطان سے کیا مراد ہے؟ اور نسخ آیات اور اسے محکم کرنا کونسی آیتوں میں ہے؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ ثبوت قصہ کی تقدیر پر ”تمنی“ کے معنی قرأت و تلاوت کے ہیں۔ اور ”انیت“ کے معنی قرأت کے آئے ہیں۔ اور اس قصہ کے وضعی اور بطلان کی تقدیر پر ”تمنی“ کے معنی آرزو کرنے اور ہوائے نفس، شہوت نفس کا اندیشہ کرنے اور دنیا کی جانب مائل ہونے اور اس میں مشغول ہونے اور وہ دلی خطرات جن کو دوسوہ کہتے ہیں اور سہو سے پوشیدہ رکھنے اور ان کا باطن میں راہ پانے کے معنی میں ہے۔ اور انبیاء اکرام علیہم السلام پر ان باتوں کی نسبت جائز ہے جبکہ ان پر اصرار استمرار نہ ہو اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد کہ اِنَّهٗ لَيَغْنُ عَلٰی قَلْبِيْ وَاسْتَغْفِرُ اللّٰهَ اِیْ بِمَحْمُولِ ہے۔ اور کبھی ”تمنی“ کا مطلب ”قوم کے ایمان لانے پر زیادہ خواہش کرنے کی جانب راجع ہوتا ہے اور کسی ایسی چیز کی خواہش کرنا جس سے وہ ایمان کی طرف زیادہ سے زیادہ قریب ہو سکیں اور ان کی محبت والفت کا موجب بن کر ان کے دل نرم و گداز بن سکیں۔ اور شیطانی القا سے ان کے دل پھر جائیں۔ چونکہ انبیاء علیہم السلام معصوم ہوتے ہیں اس لیے وہ شیطانی القا سے پاک و منزہ ہیں۔ اور ان کے عز و کمال کو ارشاد و انداز میں ہر اس چیز سے دور رکھتے ہیں جو انہیں زائل کرنے والی ہے۔ اور ان نشانیوں کو دکھاتے اور برقرار رکھتے ہیں جو امر آخرت میں مستغرق ہونے کی جانب داعی ہوں۔ جیسا کہ فرمایا بحکم اللہ بایاتہ اللہ اپنی آیتوں کو محکم فرماتا ہے۔“ اور اس میں حق تعالیٰ کی بیشمار حکمتیں ہیں جن کو خدا کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ یہی خلاصہ تفسیر بیضاوی کے کلام کا ہے۔ انہوں نے اس قصہ کو نقل کر کے اس کا رو کیا ہے۔ اور اس کے آخر میں کہا ہے کہ انبیاء علیہم السلام پر سہو اور وساوس قلبی کے اطلاق کے جواز میں یہ آیت دلالت کرتی ہے (واللہ اعلم)

منقول ہے کہ سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے بھی حبشہ کی طرف ہجرت کی تھی۔ لیکن ہجرت ثانی کے ساتھ۔ ہجرت اول کے بارے میں بالفعل کوئی تصریح ہم نے نہیں پائی۔ ظاہر یہ ہے کہ یہ ہجرت ثانی ہی مراد ہوگی۔ (واللہ اعلم) اور ”روضۃ الاحباب“ سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ ہجرت تیرہویں سال بیعت عقبہ ثانیہ کے بعد، ہجرت مدینہ سے پہلے تھی۔ اور جب حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ہجرت کی تو شہر مکہ کے لوگوں نے کہا وہ ہم میں سے کس طرح باہر نکل سکتے ہیں۔ اس کے بعد وہ لوگ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو واپس لائے اور یہ واپسی برک الغماد سے ہوئی تھی۔ مکہ والے یہیں سے لوٹا کہ مکہ مکرمہ لائے تھے۔ اور جب قبیلہ کے سردار مالک بن دغنے کے قریب پہنچے تو اس نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو جگہ دی اور قریش کے شر سے اپنی پناہ میں لے لیا۔ اور حضرت صدیق رضی اللہ عنہ اپنے

گھر میں رب العزت کی عبادت کرنے لگے۔ انہوں نے مکان کے صحن میں ایک کوٹھری مسجد کی بنا کی جس میں وہ نماز پڑھتے، تلاوت



چالیس کے عدد کو پورا فرمایا۔ مدنیہ طیبہ میں آپ کی قبر انور کی زیارت کے وقت سلام میں یہ کہتے ہیں کہ اَلْسَّلَامُ عَلَیْكَ یَا مَنِّ کَمَلِ اللّٰهُ بِہِ الْاَزْیَعِیْنِ سلام ہوا آپ پر اے وہ ہستی جس کے ذریعہ اللہ نے چالیس کی تعداد مکمل فرمائی۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا اسلام لانا

مواہب لدنیہ میں ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اسلام کے وقت مسلمانوں کی تعداد کچھ اوپر چالیس مردوں اور گیارہ عورتوں پر مشتمل تھی۔ اور تعجب ہے کہ اس مدت تک اسلام لانے میں کیوں تاخیر واقع ہوئی۔ قیاس تو مقتضی تھا کہ اس سے پہلے اس وقت ہی اسلام لاتے جبکہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اسلام لائے تھے۔ مگر اس میں حکمت دین کی قوت کا اظہار تھا اور یہ کہ چالیس کا عدد مکمل ہو۔ کیوں کہ اس عدد کی تکمیل میں ایک عظیم تاثیر پنہاں ہے۔ (واللہ اعلم)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ کفر میں ان کی جانب سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت ایذا، ظلم و ستم اور سزا کلمات، کبھی بھی واقع نہیں ہوئے۔ آپ کے اسلام لانے کے بارے میں مختلف عبارتیں اور متعدد حکایتیں منقول ہیں۔ ممکن ہے کہ وہ واقعہ درست ہوں اور جس راوی کو جیسا معلوم ہوا ویسا ہی نقل کر دیا ہو (واللہ اعلم)

مواہب لدنیہ میں ہے کہ سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے فرمایا مجھے اسلام اپنی بہن کے ذریعہ پہنچا۔ میری بہن حضرت سعید رضی اللہ عنہ بن زید بن عمرو بن نفیل کی زوجیت میں تھیں جو کہ عشرہ مبشرہ میں سے ہیں۔ اور آخر حدیث میں عشرہ مبشرہ کی بشارت مذکور ہے۔ فاروق اعظم رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں اپنی بہن کے پاس گیا اور میں نے کہا، اور اپنی جان کی دشمن! مجھے پتہ چلا ہے کہ تو صالحی یعنی بے دین ہو گئی ہے؟ کیوں کہ کفار ان مسلمانوں کو جنہوں نے باپ دادا کا دین چھوڑ کر اسلام قبول کر لیا تھا صالحی۔ یعنی بے دین کہتے تھے۔ وہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے اپنی بہن کو خوب پیٹا یہاں تک کہ وہ لہو لہان ہو گئی۔ جب اس نے خون دیکھا تو میری بہن رو کر کہنے لگی تم جو چاہو کرو۔ یقیناً میں مسلمان ہو گئی ہوں۔ آپ بیان کرتے ہیں کہ میں اسی غصہ کی حالت میں گھر کے اندر گیا وہاں میں نے ایک جگہ ایک کتاب دیکھی جس میں لکھا ہوا تھا۔ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ جب میں نے اَلرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ کو پڑھا تو خوفزدہ ہو کر کانپنے لگا۔ اور میں نے اپنے ہاتھ سے اس کتاب کو رکھ دیا۔ پھر دوبارہ جو میری نظر اس پر پڑی تو میں لکھا دیکھا کہ

سَبَّحَ لِلّٰهِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَهُوَ الْعَزِیْزُ
الْحَكِیْمُ لَہٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ یُحِیْیُ
وَيُمِیْتُ وَهُوَ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ هُوَ الْاَوَّلُ
وَالْاٰخِرُ وَالظَّاهِرُ وَالْبَاطِنُ وَهُوَ بِکُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمٌ
زمین و آسمان کی ہر چیز اللہ تعالیٰ میں مشغول ہے اور وہی عزت و
حکمت والا ہے۔ اسی کیلئے آسمانوں اور زمین کی ملکیت ہے۔ وہی
زندہ کرتا اور مارتا ہے اور وہ ہر شے پر قادر ہے وہی اول ہے اور وہی
آخر ہے۔ اور وہی ظاہر ہے اور وہی باطن ہے اور وہی ہر شے کا
جاننے والا ہے۔

آپ فرماتے ہیں میں اسے پڑھتا رہا یہاں تک کہ جب میں آیت پر پہنچا کہ وَآمَنُوا بِاللّٰهِ وَرَسُولِهِ اور اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ۔ تو میں نے اسی وقت کہا: اَشْهَدُ اَنْ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَ اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَسُوْلُ اللّٰهِ اس کے بعد مسلمان خوشی و مسرت کا اظہار کرتے اور تکبیر بلند کرتے ہوئے باہر نکلے کیوں کہ انہوں نے میری زبان سے کلمہ طیبہ نکلنے سن لیا تھا۔ اس کے بعد میں رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم خدا کی بارگاہ دار ارقم (جو کہ مکہ کے نچلے حصہ میں واقع ہے) میں پہنچا۔ چند دنوں سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم یہیں قیام پذیر تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم میرے سامنے تشریف لائے اس وقت مجھے دو شخص بازوؤں سے مضبوط پکڑے ہوئے تھے۔ جب

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب ہوا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ”انہیں چھوڑ دو“۔ انہوں نے مجھے چھوڑ دیا اس کے بعد میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بالکل سامنے بیٹھ گیا۔ پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے گریبان کو پکڑ کر اپنی طرف کھینچا اور فرمایا اے ابن خطاب! اسلام قبول کر لے۔ اے خدا! ان کے دل کو ہدایت دے، اس وقت میں نے کہا: اَشْهَدُ اَنْ لَا اِلَهَ اِلَّا اللّٰهُ وَ اَشْهَدُ اَنَّكَ رَسُوْلُ اللّٰهِ اس وقت تمام مسلمانوں نے خوب بلند آواز سے تکبیر کہی جسے مکہ کی ہر گلی میں سنا گیا۔ اس سے پہلے یہ حالت تھی کہ جو مسلمان ہوتا وہ اپنے اسلام کو چھپاتا تھا۔ لیکن اس وقت خوب اظہار و اعلان ہوا۔ اس کے بعد میں باہر آیا۔ اور میں اس شخص کے پاس گیا جس کی یہ عادت تھی کہ وہ کسی کا بھید چھپاتا نہ تھا۔ میں نے اس سے کہا میں صابی ہو گیا ہوں اس پر وہ شخص خوب زور سے چیخا اور کہنے لگا خبردار ہو جاؤ ابن خطاب صابی ہو گئے ہیں۔ اس کے بعد لوگوں کا وتیرہ ہو گیا کہ وہ مجھے بلاتے تاکہ ایذا و تکلیف پہنچائیں مگر وہ میرے ہاتھ سے مار

داخل ہو گئے ہیں۔“ یہ سن کر میرا ماموں ایک خچر پر کھڑا ہوا اور اس نے مکہ والوں کو مخاطب کر کے کہا۔ ”خبردار ہو جاؤ میں نے اپنے بھانجے کو امان دیدی ہے۔“ اس کے بعد لوگ مجھ سے دور ہٹ گئے۔

دوسری روایتوں میں اس طرح ہے کہ ابو جہل شقی نے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ پر بڑی شدتیں اور سختیاں کیں۔ مگر اس کا بس نہ چل سکا۔ اور لاچار ہو کر رہ گیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اس کے بعد لوگوں کا یہ حال رہا کہ میں ان کے ساتھ بھلائی کرتا مگر وہ میرے ساتھ ناروا سلوک کرتے۔ یہاں تک کہ حق تعالیٰ نے دین اسلام کو قوی فرمایا۔

ایک اور روایت میں اس طرح مروی ہے کہ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ اپنی بہن اور بہنوئی کے گھر پہنچے تو تلاوت قرآن کی آواز ان کے کانوں میں پڑی وہ سورۃ طہ پڑھ رہے تھے جو ایک صحیفہ میں لکھی ہوئی تھی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا ”یہ صحیفہ کیا ہے مجھے“ ان کے پاس سے ”یہ قرآن ہے“ ان کے پاس سے ”یہ قرآن ہے“ ان کے پاس سے ”یہ قرآن ہے“ ان کے پاس سے ”یہ قرآن ہے“

مجمع میں پہنچی اس وقت حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! کفار تو لات وعزی کی علی الاعلان پرستش کرتے ہیں اور آپ دین کو چھپا کر رکھتے ہیں۔ اس کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ خانہ کعبہ کی طرف چلے گئے۔ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ضرب و حرب سے کفار کے مجمع کو خانہ کعبہ کے گرد و نواح سے دور کیا۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خانہ کعبہ میں داخل ہوئے۔ اور صحابہ کے ساتھ دو رکعت نماز پڑھی۔ مفسرین فرماتے ہیں کہ آیہ کریمہ **يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ حَسْبُكَ اللَّهُ وَمَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ** (اے نبی تمہیں اللہ کافی ہے۔ اور یہ مسلمان جو آپ کی پیروی کرتے ہیں) اسی وقت نازل ہوئی تھی۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے منقول ہے کہ جب حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ اسلام لائے تو جبریل علیہ السلام نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے حاضر ہو کر کہا کہ آسمان والے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اسلام لانے پر مبارک باد عرض کرتے اور اظہار خوشی و مسرت کرتے ہیں۔ (رواہ ابن ماجہ)

قریش کا عہد نامہ لکھنا اور شعب ابوطالب میں مقید ہونا وغیرہ

وصل :- نبوت کے ساتویں سال میں جب قریش نے دیکھا کہ حضرت حمزہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کے اسلام لانے سے دین اسلام کی عزت و قوت بڑھ گئی ہے اور صحابہ حبشہ کی جانب جا رہے ہیں اور اسلام قبائل عرب میں پھیلتا جا رہا ہے تو ان کے حسد و عداوت کی آگ بھڑکا، اور وہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے قتل و ملاکت میں کمر بستہ ہو کر کھڑے ہو گئے۔ لیکن چونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم حضرت

المطلب سے شادی بیاہ خرید و فروخت 'ملنا جلنا' اٹھنا بیٹھنا اور گفت و شنید نہ کرے گا۔ اور مکمل مقاطعہ و بایکات کریں گے۔ اور وہ اس سر زمین سے کسی قسم کا فائدہ نہ اٹھا سکیں گے۔ انہوں نے بازار والوں سے یہ عہد لیا کہ کوئی چیز ان کے ہاتھ فروخت نہ کی جائیگی کبھی ایسا تھا کہ حج کے زمانہ میں گرد و نواح سے آنے والے لوگ اگر ان کے ہاتھ کچھ فروخت کرتے تو وہ انہیں بھی روکتے تھے اور وہ سامان خود بیش قیمت دے کر خرید لیا کرتے تھے۔ اس سلسلے میں انہوں نے ایک "عہد نامہ" لکھا اور مہر کر کے خانہ کعبہ میں آویزاں کر دیا کہ ان کے ساتھ صلح نہیں ہو سکتی مگر محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے قتل پر کہتے ہیں کہ جس ہاتھ نے اس "عہد نامہ" کو لکھا تھا وہ شل ہو گیا تھا۔ کیا خوب کسی نے کہا ہے۔ بیت

یار گود دوست شود جملہ جہاں دشمن باش بخت گو پشت مدہ روئے زمین لشکر گیر
يُرِيدُونَ اَنْ يُطْفِئُوا نُوْرَ اللّٰهِ بِاَفْوَاهِهِمْ وَاللّٰهُ مُتِمُّ نُوْرِهِ وَلَوْ كَرِهَ الْكَافِرُوْنَ كفار چاہتے ہیں کہ اللہ کے نور کو اپنے
بھگتوں سے بجاد کر دیں۔ مگر اللہ کا نور کبھی بجاد نہیں ہو سکتا۔



بالضرور چند سالوں میں اہل روم اہل فارس کو مغلوب کر لیں گے۔ اس پر ابی بن خلف نے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کو جھٹلایا اور اُن سے شرط باندھی کہ تین سال تک اگر رومی فارسیوں پر غلبہ پا گئے تو دس اونٹ میں تمہیں دوں گا ورنہ تم ڈینا۔ پھر حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور سارا ماجرا عرض کیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جاؤ انٹوں کی زیادتی کر دو اور مدت میں بھی کچھ بڑھا دو۔ یہ اس بنا پر ہے کہ ”بضع“ اس عدد کو کہتے ہیں جو تین سے دس تک ہو۔ اور چونکہ حق تعالیٰ نے مبہم فرمایا تھا۔ تعین نہ فرمائی تھی اس



منقول ہے کہ ابوطالب نے چند اشعار کہے جس کا مضمون یہ ہے کہ ”آپ نے مجھے دعوتِ اسلام دی اور میں جانتا ہوں کہ آپ ہمیشہ سے میرے ناصح اور خیر خواہ ہیں۔ اور یقیناً آپ کا فرمانا سچ ہی ہے اور آپ اس میں ”امین“ ہیں اور آپ نے ایسے دین کو ظاہر کیا ہے جسے میں جانتا ہوں کہ وہ دین ساری مخلوق کے دینوں سے بہتر و افضل ہے۔ اگر مجھے لوگوں کے برا بھلا اور ملامت کرنے کا خوف نہ ہوتا تو یقیناً آپ مجھے قبول کرنے والا اور اسے ظاہر کرنے والا جواں مرد پاتے۔“

اس کے بعد قریش نے واویلا کرنا شروع کر دیا اور کہا اے ابوطالب کیا تم اپنے باپ دادا کی ملت اور اپنے بزرگوں، عبدالمطلب، ہاشم اور عبدمناف کے دین سے برگشتہ ہو رہے ہو؟ ابوطالب نے کہا۔ ”نہیں میں اسے بزرگوں کی ملت رہوں۔“ اور وفات پا گئے۔



میں یہ بھی آیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ”میں نے سنا ہے“ اس کے باوجود صحیح حدیث میں ان کے کفر پر اس سے استدلال و اثبات کیا گیا ہے کہ ان کا آخری کلام ”علی ملۃ عبدالمطلب“ ہے۔ اور انہوں نے لا الہ الا اللہ نہیں کہا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یقیناً میں اس وقت تک تمہاری مغفرت مانگتا ہوں گا۔ جب تک مجھے اس سے منع کر دیا جائے۔ اس وقت یہ آ یہ کریمہ نازل ہوئی۔

مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ وَالَّذِينَ آمَنُوا أَنْ يَسْتَغْفِرُوا
لِلْمُشْرِكِينَ وَلَوْ كَانُوا أُولِي قُرْبَىٰ۔
نبی اور ایمانداروں کو زیبا نہیں ہے کہ مشرکوں کیلئے استغفار کریں اگرچہ قریبی رشتہ دار ہی کیوں نہ ہو۔

نیز مروی ہے کہ ابوطالب کے بارے میں نازل ہوا کہ اِنَّكَ لَا تَهْدِي مَنْ اَحْبَبْتَ وَلَكِنَّ اللَّهَ يَهْدِي مَنْ يَشَاءُ (بے شک آپ جسے بہت زیادہ چاہتے ہیں ہدایت پر نہیں لاسکتے لیکن اللہ جسے چاہتا ہے ہدایت فرماتا ہے) صحیح بخاری میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اہل طائفہ کے بارے میں فرمایا کہ تم لوگ تمہارے قریبی رشتہ داروں کو ہدایت نہ کرو۔

اعانت کرتے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بدلے اظہار غضب کرتے تھے تو کیا ان کو اسی کا کچھ صلہ ہے؟ فرمایا ہاں! میں نے ان کو جہنم کے طبقات اور اس کی گھائیوں میں پایا تو میں ان کو وہاں سے نکال لایا اب صرف ان کے پاؤں آگ میں ہیں۔ جس کی حرارت دماغ تک پہنچتی ہے اور اس سے ان کا دماغ کھولتا ہے۔ اور ایک روایت میں اتنا زیادہ آیا ہے کہ ان کا دماغ ان کے پاؤں کی طرف میلان کرتا ہے۔ نیز مروی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا روز قیامت لوگوں میں از روئے عذاب سب سے ہلکا اور سبک ترین عذاب ابوطالب کیلئے ہے کہ صرف جوتیوں کی بندش تک آگ میں ہے جس سے ان کا دماغ کھولتا ہے اور یہ اس ضمن میں مروی ہے کہ کفار کے نیک عمل ان کے عذاب کی تخفیف کا سبب ہیں۔

روضۃ الاحباب میں بھی ابوطالب کے حالت کفر مرنے کے بارے میں خبریں مذکور ہیں۔ نیز منقول ہے کہ امیر المومنین سیدنا علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ نے فرمایا کہ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آ کر عرض کیا ”اِنَّ عَمَلَكَ الشَّيْخُ الضَّالَّ قَدَّمَاتٍ بَيْنَكَ اَبِیْكَ“ آپ کے بوڑھے گمراہ چچا کی وفات ہو گئی ہے! حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے رو کر فرمایا انہیں غسل دو اور ان کی تجہیز و تکفین کرو، میں نے عرض کیا ”یا رسول اللہ وہ حالت شرک میں مرے ہیں“ فرمایا ”جاؤ انہیں زمین میں ڈھانپ دو“ اور یہ بھی فرمایا: غَفَرَ اللَّهُ لَهُ وَرَحِمَهُ اللَّهُ اللہ انہیں بخشے اور رحمت فرمائے۔ نیز منقول ہے کہ سیدنا عالم صلی اللہ علیہ وسلم ابوطالب کے جنازے کے ہمراہ تشریف لے گئے اور فرمایا اے میرے چچا تم نے صلہ رحمی کا حق ادا کر دیا، اور میرے حق میں تم نے کوئی کمی اور کوتاہی نہ کی اللہ تعالیٰ تمہیں اس کی جزائے خیر دے۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ حضرت ابوطالب کا قصہ غرابت و ندرت سے خالی نہیں ہے۔ اور اسی طرح سے مروی ہے کہ جب قریش نے مزاحمت و مخالفت کا اظہار کیا تو ابوطالب نے کہا عبدالمطلب ہاشم اور عبدمناف کی ملت پر مرتا ہوں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا عبدالمطلب اور ان کا قوم سب آگ میں ہیں اور علماء متاخرین اشارت کرتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام آؤ اجداد، شرک و کفر

تھے۔ گھر سے جسے ”بیت الحزن“ کہنا چاہیے بہت کم نکلتے تھے۔ کفار نے پہلے سے بہت زیادہ ظلم و جفا کی بنیاد رکھی۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کے انتقال نے بعد اہم المؤمنین سیدہ سودہ اور سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے نکاح فرمایا۔ سیدہ سودہ رضی اللہ عنہا بنت زمعہ قرشیہ عامریہ اور بیوہ تھیں۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کنواری چھ سالہ تھیں۔ ہجرت کے بعد سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے زفات واقع ہوا۔ باقی حالات ازواج مطہرات کے ضمن میں انشاء اللہ آئیں گے۔ اس کے بعد کچھ دنوں تک ابولہب نے بحکم عصبیت لوگوں کے سامنے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی رسمی حمایت کا اظہار کیا لیکن جب اس نے سنا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم



درمیان مکہ بستی ہے) اٹھا کر انہیں کچل کر ہلاک کر دوں؟ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں نہیں چاہتا کہ انہیں نیست و نابود کیا جائے بلکہ میں امید رکھتا ہوں کہ حق تعالیٰ ان کی نسل سے ایسے لوگ پیدا فرمائے گا جو اس کی عبادت کریں گے اور کسی کو اس کا شریک نہ مانیں۔ اگر اللہ علیہ السلام کے ارادے سے یہ لوگ پیدا نہ ہوں تو میں اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا ہوں کہ ان کی نسل سے ایسے لوگ پیدا ہوں جو اس کی عبادت کریں گے اور کسی کو اس کا شریک نہ مانیں۔

”قرن المنازل“ بھی کہتے ہیں۔ صاحب مواہب فرماتے ہیں کہ طائف میں حضور کی اقامت دس روز رہی اور روضۃ الاحباب میں کہا گیا ہے کہ ایک روایت کے مطابق حضور ایک ماہ تک رہے تھے۔ (واللہ اعلم)

جنات کی بیعت

وصل: جب اہل طائف نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت کو قبول نہ کیا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پریشانی اور مصیبت کی حالت میں مکہ کی جانب مراجعت فرمائی۔ راستہ کے کنارے ایک باغ میں پہنچے۔ جب اس باغ کے محافظ و نگہبان نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشانی مبارک پر پریشانی کا اثر دیکھا تو ان کی رگ رحم حرکت میں آئی اور انکو رکا ایک خوشہ اپنے نصرانی غلام کے ہاتھ جس کا نام عداس تھا حضور کی خدمت میں بھیجا۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے انکو رکا خوشہ کھانے کیلئے دست مبارک رکھا تو بسم اللہ پڑھی۔ اس پر عداس نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف دیکھا اور کہنے لگا خدا کی قسم! میں نے اس طرف کے لوگوں کے منہ سے ایسا کلمہ نہیں سنا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے عداس سے دریافت فرمایا تم کہاں کے رہنے والے ہو اور تمہارا دین کیا ہے؟ اس نے کہا میں نصرانی ہوں اور نینوا کا رہنے والا ہوں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم مرد صالح حضرت یونس بن متی کے قریہ کے رہنے والے ہو۔ عداس نے کہا آپ حضرت یونس کو کیسے جانتے اور پہچانتے ہیں؟ فرمایا وہ میرے بھائی اور میری مانند خدا کے نبی ہیں۔ عداس نے کہا آپ کا نام کیا ہے؟

فرمایا میرا نام محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اس نے کہا میں نے مدت سے آپ کا نام دیکھا ہے اور آپ کی تعریف میں نے توریت میں پڑھی ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ کو مکہ میں مبعوث فرمائے گا۔ مکہ والے آپ کی اطاعت نہ کریں گے اور آپ کو نکال دیں گے۔ بالآخر آپ کی مدد ہوگی اور آپ کا دین روئے زمین پر پھیلے گا۔ اس کے بعد عداس نے آپ کے دست مبارک کو بوسہ دیا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دونوں قدمہائے مبارک کو چوم کر آنکھوں سے لگایا اور مسلمان ہو گیا۔ وہ دعائیں جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اس ضعف و ناتوانی اور پریشان حالی میں مانگی ہیں ان میں سے ایک یہ ہے جس میں امت کے درمندانوں اور پیچاروں کیلئے تلقین و ہدایت ہے۔

اے میرے رب! میں تجھ سے اپنی قوت کی کمزوری اپنے حلیہ کی کمی اور مخلوق کی طرف سے اپنی رسوائی کی شکایت کرتا ہوں تو ہی ارحم الراحمین اور تو ہی کمزور اور ناتوانوں کا رب ہے تو نے مجھے ایسے دور دراز کے دشمنوں کے حوالہ کر دیا ہے جو میری شکل دیکھتے ہی غصہ میں آ جاتے ہیں۔ ایسوں کیلئے تو نے مجھے مالک بنایا ہے اگر یہ تیرا غضب میرے لیے نہیں ہے تو مجھے کوئی فکر و اندیشہ نہیں کیونکہ تیری عافیت بہت وسیع ہے۔ میں تیرے اس وجہ کریم کے نور کی پناہ چاہتا

اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَشْكُوْا اِلَیْكَ ضَعْفَ قُوَّتِیْ وَ قِلَّةَ حِیْلَتِیْ وَهُوَ اِنِّیْ عِنْدَ الْمَخْلُوْقِیْنَ اَنْتَ اَرْحَمُ الرَّاْحِمِیْنَ وَ اَنْتَ رَبُّ الْمُسْتَضْعَفِیْنَ وَ دَرِّبْنِیْ اِلَیْ مَنْ یَّكْلِفُنِیْ اِلَیْ عَدُوِّ یَبْعِدُوْا تَجَهَّیْنِیْ وَ مَلَأْ كِفَّتَهُ اَمْرِیْ اِنْ لَّمْ یَكُنْ لَّكَ بِیْ غَضَبٌ فَلَا اُبَالِیْ وَلَٰكِنْ عَافِیَّتَكَ اَوْ سَمِعْتَ اِلَیْ اَعُوْذُ بِنُورِ وَجْهِكَ الَّذِیْ اَشْرَقَتْ بِهٖ الظُّلُمَاتُ وَ صَلَّحْ عَلَیْهِ اَمْرَ الدُّنْیَا وَ الْاٰخِرَةِ اَنْ

حق ہے کہ اپنی رضا و خوشنودی کیلئے سختی و عتاب فرمائے تیرے سوا کسی کی قوت و طاقت نہیں ہے۔

ایک روایت میں ہے کہ جب ابوطالب نے وفات پائی تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پایادہ طائف تشریف لے گئے اور طائف والوں کو دعوت اسلامی دی مگر انہوں نے قبول نہ کیا آپ نے مغموم و محزون حالت میں واپسی پر ایک درخت کے نیچے تشریف فرما ہوئے اور دو رکعت ادا کر کے دعا مانگی اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَشْكُوْ اِلَیْكَ (آخر تک) احادیث و سیر کی کتابوں میں یہ دعاء مذکور ہے۔

واپسی میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم ”وادی نخلہ“ میں پہنچے (وادی نخلہ ایک مقام کا نام ہے جو مکہ مکرمہ کی ایک منزل کی مسافت پر واقع ہے) وہاں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شب قیام فرمایا۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے رات میں نماز کیلئے قیام فرمایا تو شہر نصیبین (حمد ملک شام میں ہے) کے ساتھ جن اور ایک روایت میں فوجوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تلاوت قرآن کی آواز سنی اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا نماز میں قرآن کریم کی تلاوت کرنے کے بارے میں وَاذْصُرْنَا اِلَیْكَ نَفَرًا مِّنَ الْجَنِّ یَسْتَمِعُوْنَ الْقُرْآنَ کی آیت کریمہ اس طرف مشیر ہے۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نماز سے فارغ ہوئے تو جنات کی یہ جماعت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ظاہر ہو کر آئی اور حضور نے انہیں ایمان کی دعوت دی۔ اور وہ ایمان لے آئے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے اپنی قوم کی طرف لوٹ گئے۔ جب وہ اپنی قوم میں پہنچے تو انہوں نے کہا یَنْقُصُوْنَا اِنَّا سَمِعْنَا کِتَابًا اُنْزِلَ مِنْۢ بَعْدِ مُوسٰی کَذٰلٰی فِیْ رَوْضَةِ الْاَحْبَابِ۔ مواہب لدنیہ میں سیدنا ابن مسعود رضی اللہ عنہما سے کچھ اور یہی روایت منقول ہے جسکے مطابق جنات کے کچھ لوگوں نے قرآن کریم سنا لیکن وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ظاہر ہو کر موجود نہ ہوئے اور اس مرتبہ انہوں نے صرف قرآن کی سماعت پر ہی اکتفا کیا۔ پھر وہ اپنی قوم کی طرف گئے اسکے بعد فوج در فوج جنات قوم آنے لگی۔ اور ٹولیوں کی ٹولیاں بکر قرآن کریم سننے کیلئے آتیں اور ایمان لاتیں رہیں۔ مگر وہ ظاہر ہو کر سامنے نہیں آئے نادیہ مسلمان ہوئے۔ منقول ہے کہ حرم کے نزدیکی درختوں میں سے ایک درخت نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کلام کیا اور اس نے خبر دی کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جنات کی قوم آپ سے ملاقات کیلئے آئی ہوئی ہے جو مقام ”حجون“ میں ٹھہری ہوئی ہے حجون ایک مقام کا نام ہے جو مکہ مکرمہ کی بلندی میں واقع ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ان کے استقبال کیلئے مکہ مکرمہ سے باہر تشریف لائے اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہما کو اپنے ہمراہ لیا۔ اور مقام ”حجون“ پہنچے جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم حجون کی کھائی میں اترے تو اپنی انگشت مبارک سے زمین پر ایک دائرہ کھینچا اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہما سے فرمایا اس دائرے سے باہر قدم نہ نکالنا تاکہ کوئی آفت تمہیں نہ پہنچے۔ پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نماز میں مشغول ہوئے اور نماز میں سورہ طہ کی تلاوت فرمائی ایک روایت میں بارہ ہزار اور ایک روایت میں چھ ہزار جنات حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں موجود تھے۔ نماز کے بعد سب کو دعوت اسلام دی اور سب مسلمان ہو گئے۔

مروی ہے کہ جنات کی قوم نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے نبوت پر گواہی مانگی تو ایک درخت کو جو اس وادی کے کنارے کھڑا تھا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے قریب بلایا وہ سامنے آ کر کھڑا ہو گیا اور کہا میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں (صلی اللہ علیہ وسلم)۔

مروی ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جنات نے اپنے اور اپنے جانوروں کے کھانے کیلئے مجھ سے توشہ مانگا ہے۔ اس پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جنات کیلئے استخوان یعنی ہڈیاں اور ان کے چوپایوں کیلئے سرگین مقرر فرمائی۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جنات سے فرمایا جب تم ہڈیوں کو لے کر خدا کا نام لو گے تو حق تعالیٰ اس پر اتنا گوشت پیدا فرما دے گا کہ تم سیر ہو جاؤ گے اور جب تم اپنے

چوپایوں کیلئے سرگین لوگے تو حق تعالیٰ اس میں دانی اور غلے پیدا فرمادے گا۔ اسی بنا پر شریعت میں ہڈی اور سرگین سے استنجا کرنا ممنوع قرار دیا گیا ہے۔ جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم طائف سے مکہ مکرمہ واپس ہوئے تو آپ یکا یک مکہ مکرمہ میں داخل نہ ہوئے مبادا کہ مکہ والوں نے طائف اور ثقیف کے لوگوں کی حرکتیں اور ان کی شاعتیں اور حماقتیں نہ سن لی ہوں اور وہ بھی ویسی ہی بدسلوکی کرنے لگیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے کسی کو قریش کے قبائل کی طرف امان و پناہ کیلئے بھیجا مگر کسی نے نہ مانا۔ یہاں تک کہ مطعم بن عدی نے اپنی امان و پناہ میں لینے کا وعدہ کیا۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی اطلاع ملی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم مکہ مکرمہ میں داخل ہوئے حجر اسود کو بوسہ دیا اور خانہ کعبہ کا طواف کیا۔ (زاد ہا اللہ تعظیماً و تشریفاً) اور دو رکعت نماز پڑھی۔ (صلی اللہ علیہ وسلم)

مدینہ منورہ سے قوم انصار کی آمد، ان کی بیعت اور ان کی طرف سے ہجرت کی ترغیب

وصل: حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نبوت کے گیارہویں سال حج کے زمانہ میں منیٰ میں عقبہ کے قریب تشریف فرما تھے کہ مدینہ منورہ کے قریب خرزج کا ایک گروہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو دعوتِ اسلام دی اور قرآن مجید سنایا۔ اور فرمایا کہ ”حق تعالیٰ نے مجھے منصب رسالت عطا فرمایا ہے اگر میری متابعت کرو گے تو دنیا و آخرت میں نیک بخت و سعادت مند رہو گے۔ انہوں نے چونکہ مدینہ منورہ کے یہودیوں سے سن رکھا تھا کہ نبی آخر الزماں کے ظہور و بعثت کا زمانہ قریب آ گیا ہے جب انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی باتیں سنیں اور آپ کے جمال باکمال کا مشاہدہ کیا تو وہ ایک دوسرے سے کہنے لگے ”خدا کی قسم! یہ وہی نبی ہے جن کے بارے میں یہودی کہا کرتے ہیں اس وقت کو غنیمت سمجھو اور ان پر ایمان لے آؤ تاکہ مدینہ والوں میں سے کوئی تم پر سبقت نہ لے جائے۔ وہ سب مسلمان ہو گئے یہ چھ اشخاص تھے پورا قصہ ہجرت کے مبادیات میں آئے گا۔

نبوت کے بارہویں سال یعنی ہجرت سے ایک سال پہلے قصہ معراج پیش آیا۔ اس قصہ شریفہ معظمہ کی تفصیل حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فضائل کے باب میں پہلے گزر چکی ہے۔ نماز پنجگانہ کی فرضیت بھی اسی سال میں ہے اور یہ جو گزرا نبی کہ ام المؤمنین سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز پڑھا کرتی تھیں وہ نماز پنجگانہ کے ماسوا تھیں اور یہ بات تحقیق ہو چکی ہے کہ ابتدائے وحی میں ہی ان کے اول اور اس کے آخر میں نماز فرض ہوئی تھی لیکن نماز پنجگانہ کی فرضیت (معراج میں) بارہویں سال میں ہوئی اور سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کی وفات دسویں سال میں ہوئی۔

باب چہارم

قضیہ ہجرت اور اس کے ابتدائی واقعات

نبوت کے تیرھویں سال میں ہجرت اور اس کے ابتدائی واقعات رونما ہوئے جو تمام خیرات و برکات کے ابواب کی ابتدائی کنجی ہیں۔ بد آنکہ: بعد از کثرت شرائع و احکام و بعد از شدت جہل و عداوت قریش نافر جام، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اس انتظار میں رہے کہ اللہ تعالیٰ کوئی سبب ایسا پیدا فرمادے جس کی بنا پر کوئی قوم ایسی مل جائے جو دین اسلام کی ناصر و مؤید اور اعدائے دین کے معارض و متصادم رہے۔ اس غرض سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم قبائل عرب کے ان میلوں اور مجموعوں میں تشریف لے جاتے جہاں وہ مجمع ہو کر آتے تھے آپ وہاں جلوہ گر ہو کر اظہار دین اسلام اور تبلیغ رسالت میں مشغول ہوتے جو تمام قبائل عرب اس سعادت کا ادراک کرتے لیکن اس دولت کے حاصل کرنے میں متوقف و متردد رہتے اور کہتے کہ وہ لوگ جو آپ کے بہت نزدیک ہیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات سے بخوبی واقف و باخبر ہیں اگر وہ آپ کی اطلاعات و پیروی میں سبقت کر لیں تو اوروں کو اصلاح احوال میں کسی قسم کا تردد و توقف نہ رہے گا۔

اسی دوران قبیلہ بنی اشہل کے کچھ لوگ بقصد حلیف بننے اور قریش سے معاہدہ کرنے مدینہ منورہ سے آئے ہوئے تھے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں دعوتِ اسلامی دی تو ان میں ایک جوان جس کا نام ایاس بن معاذ تھا اپنی قوم سے کہنے لگا۔ ”اے قوم! اس شخص کی بیعت کر لو خدا کی قسم! اس شخص سے عہد کر لینا قریش سے عہد و حلف کے باندھنے سے زیادہ بہتر اور زیادہ اہم ہے۔“ ان میں سے ایک اور شخص جوان کا سردار تھا اس سعادت کے فرمانے میں مانع آیا اور اس نے کہا ”دیکھو اور انتظار کرو کیا ہوتا ہے۔“ اور لوگ بھی اس

عقبہ ادنیٰ کے اصحابہ بقول اصح چھ حضرات ہیں۔ اسعد بن زرارہ، جابر بن عبد اللہ انہیں میں سے ہیں۔ جب یہ جماعت مدینہ منورہ پہنچی تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ذکر مبارک کا مدینہ میں خوب چرچا ہوا۔ مدینہ منورہ کے مجالس اور بیوت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذکر شریف سے منور ہو گئے اور دعوت اسلام کی اشاعت ہوئی یہ واقعہ گیارہویں سال کا ہے۔

== مدارج النبوت == [۷۹] == جلد دوم ==

جن میں حضرت عبادہ رضی اللہ عنہ بن صامت اور عویم رضی اللہ عنہ بن ساعدہ بھی ان میں شامل تھے آئے تو اسی عقبہ کے قریب شرف بیعت سے مشرف ہوئے۔ اس جماعت میں سے ذاکوان رضی اللہ عنہ بن عبد قیس زرقی نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کوچ کیا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مکہ مکرمہ میں ٹھہر گئے۔ پھر وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مدینہ منورہ آئے ان کو مہاجر انصاری کہتے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس جماعت کی خواہش پر حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کو ان کے ہمراہ کر دیا تاکہ وہ ان کو قرآن کریم اور دین کے مسائل سکھائیں۔ وہ ان کے ساتھ جماعت قائم کرتے تھے۔ اسی سال مدینہ منورہ میں جمعہ کی اقامت واقع ہوئی۔ اور حضرت مصعب رضی اللہ عنہ بن عمیر، انصاری کی مدد سے دعوت اسلام کے اظہار اور احکام شرع کے بیان میں مشغول ہو گئے۔ یہاں تک کہ ایک دن، نبی عبداللہ کے ایک باغ میں اہل مدینہ کی ایک جماعت کے سامنے تلاوت قرآن کریم اور احادیث رسول رؤف رحیم صلی اللہ علیہ وسلم بیان کر رہے تھے کہ کسی نے سعد رضی اللہ عنہ بن معاذ کا جو اکبر قوم میں سے تھا اور اسعد رضی اللہ عنہ بن زرارہ کے ماموں کا بیٹا تھا اس کی خبر پہنچی۔ سعد رضی اللہ عنہ بن معاذ اس خبر کو سنتے ہی ہاتھ میں نیزہ پکڑ کر اس باغ کے دروازہ پر آکھڑا ہو گیا اور امیروں کی طرح غرور و تکبر کی روش اختیار کر کے کہنے لگا، کیا بات ہے یہ در ماندہ مسافر نادانوں اور بے سمجھوں کو راہ سے بھٹکا تا ہے کسی نے اسے ہمارے باغ میں لا کر کھڑا کیا ہے۔ اس سے کبد و اگر آئندہ اس جگہ آیا تو اپنی سزا کو پہنچے گا۔ اس کے بعد وہ جماعت درہم برہم ہو گئی۔ دوسرے دن حضرت مصعب بن عمیر، حضرت اسعد بن زرارہ رضی اللہ عنہما کے ساتھ اسی جگہ کے قریب دعوت اسلام اور تلاوت قرآن کریم کر رہے تھے کسی نے پھر سعد بن معاذ کو خبر پہنچائی اس نے آ کر پھر انکار کی روش اختیار کی لیکن اب اتنی شدت و گرمی نہ تھی جتنی ایک دن پہلے تھی۔ حضرت اسعد رضی اللہ عنہ بن زرارہ نے جو قدرے نرمی کو دیکھا تو اس کے سامنے آ گئے اور کہا ”اے میرے ماموں زاد بھائی! پہلے اس شخص کی بات سنو کہ کیا کہتا ہے اگر برا کہتا ہے اور گمراہی کا راستہ دکھتا ہے تو جو چیز اس سے بہتر اور زیادہ راہ راست پر ہوا سے بتاؤ۔ اگر نیک بات کہتا ہے اور راہ ہدایت دکھاتا ہے تو کیوں تم اسے برا کہتے ہو اس کے وجود شریف کو غنیمت تصور کیوں نہیں کرتے۔“ اس پر سعد رضی اللہ عنہ بن معاذ نے

تو یہ حضرات شریک ساتھیوں سے خفیہ طور پر نکل کر عقبہ کے قریبی پہاڑ پر جمع ہو گئے اور سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کے جمال جہاں آراء کے طلوع کا انتظار کرنے لگے۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم بھی اپنے چچا حضرت عباس رضی اللہ عنہ بن عبدالمطلب کے ساتھ جو ابھی مشرف بہ اسلام نہ ہوئے تھے لیکن وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت و شفقت اور اہتمام کی خاطر، اس مقام پر آئے۔ ایک قول یہ ہے کہ جماعت انصار کے آنے سے پہلے حضور صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے ہوئے تھے۔ پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس جماعت کو بیعت اسلام سے مشرف فرمایا اس وقت حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا اے قوم! تم جانتے ہو کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہم میں کس درجہ عزت و شرافت اور بزرگی رکھتے ہیں۔ ہم سب نے ہر چند حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اس سے باز رہنے کی کوششیں کیں لیکن انہوں نے ہماری بات نہ مانی اور تم کو مجتمع اور متفق کرنے سے باز نہ آئے۔ اب اگر تم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ وفائے عہد کا مصمم اور مضبوط عزم رکھتے ہو اور تم اپنی جانوں پر مکمل اعتماد و بھروسہ رکھ کر ان سے عہد و میثاق میں مستحکم و موکم موافقت کرتے ہو کہ خواہ کچھ بھی حالات درپیش آئیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ وفا کریں گے جیسا کہ وعدہ کر رہے ہو تو بہتر ہے ورنہ ابھی کہہ دو تا کہ تم کو بعد میں پشیمانی اور شرمساری نہ اٹھانی پڑے اور اپنی دشمنی عداوت کا تم کو نشانہ نہ بننا پڑے۔ انصار کی جماعت نے کہا ”اے عباس رضی اللہ عنہ جو کچھ تم نے کہا ہم نے سن لیا اور جان لیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! آپ فرمائیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہم سے اپنے لیے اور اپنے رب العزت کیلئے جو بھی عہد لینا چاہیں ہم سے لے لیجئے۔“ اس پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کچھ آیات کریمہ تلاوت کر کے نصیحت فرمائی اور ارشاد فرمایا ”خدا کا عہد یہ ہے کہ اس کی عبادت کی جائے اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ بنایا جائے۔ اور میرا عہد یہ ہے کہ تبلیغ رسالت میں میری اعانت و نصرت کی جائے۔ اور اس راہ میں کفار کی جانب سے جو بھی رکاوٹ درپیش آئے اس میں جہاد و قتل سے مقابلہ کیا جائے اور اپنے پاؤں پر نہ بیٹھا جائے۔“ اور فرمایا۔ ”مجھ سے بیعت و عہد کرو کہ جو کچھ میں کہوں گا اسے سنو گے اور اس کی متابعت و فرمانبرداری کرو گے خواہ خوشی و مسرت کی حالت میں ہو یا مفلسی و کمزوری کی حالت میں تنگی و کشادگی کی ہر حالت میں خدا کی راہ میں مال خرچ کرو گے اور امر معروف اور نہی عرم المنکر بجالاؤ اگر حق تعالیٰ کہہ گا کہ اس راہ میں کفر نہ آئے گا۔“

ہیں اور باب سیر اس کو عقبہ ثانیہ کا نام دیتے ہیں۔ اور کلام قوم کے اقتضاء کے بموجب، اسے ”عقبہ ثالثہ“ کا نام دینا مناسب ہے۔ یہ واقعہ نبوت کے تیرہویں سال ماہ ذی الحجہ میں ہجرت سے تین ماہ پہلے رونما ہوا۔ اس کے تین ماہ بعد ہجرت کا قصہ واقع ہوا۔ اور اس سے پہلے جو کچھ گزشتہ میں بیان ہوا وہ گیارہویں سال میں واقع ہوا تھا۔

اس کے بعد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے انصار مدینہ میں سے بارہ حضرات کا انتخاب فرما کر ان کو ان کا نقیب اور سردار مقرر فرمایا۔ تاکہ وہ ان کے احوال کے محافظ و نگہبان بنیں۔ یہ بارہ نقیب انصار مدینہ کے رؤساء اور ان کے اکابر ہیں۔ ان میں سے ایک انصاری نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا ”یا رسول اللہ اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرمائیں تو ان مشرکوں کو جو آج منیٰ میں جمع ہیں تلوار کی دھار پر رکھ لیں اور سب کو بے دریغ قتل کر دیں؟“ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ”مجھے ابھی اس کا حکم نہیں دیا گیا ہے کہ تلوار سونتوں۔ اور مشرکوں کے ساتھ قتال کروں۔“ اس کے بعد انصار اپنے گھروں کی طرف لوٹ گئے اور سب نے عہد و پیمان کی پابندی کی (رحمہم اللہ تعالیٰ)۔

انصار مدینہ نے واپسی کے وقت حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا۔ ”یا رسول اللہ! اگر آپ ہمارے ساتھ تشریف لے چلیں اور ہمارے شہروں کو قدمِ مہینت لڑو، میں سرفراز فرمائیں تو زہ سعادۃ، حکم، آپ کا ہی حکم ہے۔ آپ جو کچھ بھی فرمائیں گے ہم سب جان و دل سے بندہ فرمان ہوں گے۔ اور ہر حکم کی تعمیل کریں گے۔“ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ”مجھے ابھی مکہ سے نکلنے کا حکم نہیں ہوا ہے اور میری ہجرت کیلئے کوئی مقام متعین نہیں کیا گیا ہے جس وقت بھی حکم ہوا جہاں کیلئے بھی اشارہ ہوا ہجرت کروں گا۔“ یہ فرما کر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے انصار مدینہ رضی اللہ عنہم کو وداع فرمایا۔ عالم تصور میں سوچنا چاہیے کہ یہ وقت! جمعیت حضور صلی اللہ علیہ وسلم و ذوق اور سرور کا کیسا وقت ہوگا اس وقت و حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور اس ذوق و سرور پر ہماری جانیں قربان ہوں۔ جب کفار کو انصار مدینہ کی بیعت کی خبر ملی تو وہ حسرت سے سینہ پر ہاتھ مارنے لگے اور ذلت کی خاک سر پر ڈالنے لگے۔

مبشرات ہجرت

وصل: جب انصار مدینہ کے قبیلے عہد و قرار کرنے کے بعد اپنے اپنے مقامات پر لوٹ گئے تو سید کائنات فخر موجودات علیہ التحیۃ والتسلیمات بارگاہ صمدیت جل وعلیٰ کی طرف متوجہ ہوئے تاکہ اختیار ہجرت و تعیین وقت اور تخصیص مقام کے بارے میں ارشاد باری تعالیٰ معلوم ہو جائے۔ پہلا جو مقام آپ کو دکھایا گیا ان کی صفیں دو تین مقاموں میں مشترک پائی جاتی تھیں جو بلاد بحرین، ملک شام کے قریب تھا، قرآن شریف میں مذکور ہے کہ تھے اسی سے تعلق رکھتے تھے اس لیے کہ بعد از وضاحت یہ مقام مخصوص متعبر کر

معیار و خروج کے سلسلہ میں ابھی تک توقف میں تھے لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بعض اصحاب کرام کو مدینہ طیبہ کی جانب ہجرت کر جانے کی اجازت مرحمت فرمائی تھی کچھ دنوں بعد اکثر صحابہ کرام مدینہ طیبہ کی طرف متوجہ ہو گئے جیسے حضرت عمر بن رضی اللہ عنہ خطاب اپنے بھائی زید بن رضی اللہ عنہ خطاب کے ساتھ اور عیاش رضی اللہ عنہ بن ربیعہ، بیس اکابر صحابہ کرام کے سواروں کے ساتھ، حمزہ رضی اللہ عنہ بن عبدالمطلب عبد الرحمن رضی اللہ عنہ بن عوف، طلحہ رضی اللہ عنہ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہ، عثمان رضی اللہ عنہ بن عفان رضی اللہ عنہ، زید رضی اللہ عنہ بن حارثہ رضی اللہ عنہ، عمار رضی اللہ عنہ بن یاسر، عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ، اور بلال رضی اللہ عنہ وغیرہ۔

معارج النبوت میں علماء فرماتے ہیں کہ اکثر صحابہ کرام نے پوشیدہ طور پر ہجرت کی تھی مگر حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے علی الاعلان ہجرت کی تھی۔ چنانچہ تلوار حائل کر کے کمان ہاتھ میں لیکر اور نیزہ تھام کر کعبہ معظمہ میں داخل ہوئے حالانکہ قریش کعبہ کے صحن میں بیٹھے ہوئے تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے خانہ کعبہ میں داخل ہو کر اس کے سات چکر لگائے۔ اور طواف ختم کر کے مقام ابراہیم میں دو گانہ پڑھا باطمینان و سکون ارکان نماز ادا کیے اور فرمایا زمانہ کے وہ لوگ ناخوش رہیں جو پتھر کے کٹڑوں کو اپنا معبود و خدا جانتے ہیں۔ پھر فرمایا ”جو چاہتا ہے کہ اپنے بچوں کو یتیم بنائے اور اپنی بیوی کو یتیمہ کرے وہ میرے تعاقب میں آئے۔“ اس پر کسی کو جنبش کرنے کی طاقت نہ ہوئی اور کوئی شخص ان کے تعاقب میں نہ نکلا۔ مکہ مکرمہ میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ صحابہ کرام میں سے سوائے حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے کوئی باقی نہ رہا جیسا کہ ارباب سیر بیان کرتے ہیں لیکن اس کا مطلب یہ ہے کہ اعیان صحابہ اور اکابر و مشاہیر صحابہ میں سے بجز حضرت علی اور حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے کوئی باقی نہ رہا تھا ورنہ حدیثوں میں یہ آیا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہجرت فرما جانے کے بعد مشرکین مکہ نے ان کمزوروں کو ان صحابہ کرام پر جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نکلنے کی سکت نہیں رکھتے تھے ظلم و ستم کے پہاڑ توڑے اور قسم قسم کے عقوبات و آزار پہنچائے۔ نیز ان حضرات پر قرآن کریم ناطق ہے کہ کمزور و ناتواں صحابہ کرام مکہ مکرمہ میں دعائیں مانگا کرتے تھے کہ رَبَّنَا اخْرِجْنَا مِنْ هَذِهِ الْقَرْيَةِ الظَّالِمِ اَهْلُهَا۔ اے ہمارے رب ہمیں اس بستی سے نکال جس کے رہنے والے ظالم ہیں۔

حدیث مبارک میں ہے کہ سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ، نے بھی چاہا کہ اسباب سفر مہیا کر کے مدینہ طیبہ کی طرف ہجرت کر جائیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ”ٹھہرو! مجھے توقع ہے کہ اللہ تعالیٰ مجھے ہجرت کی اجازت مرحمت فرمائے گا۔ تو تم میرے ساتھ ہونا۔“ ایک روایت میں آیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ ”ابھی جلدی نہ کرو مجھے امید ہے کہ حق تعالیٰ اس سفر میں کسی کو میرا مصاحب بنائے۔“ اس کے بعد حضرت صدیق رضی اللہ عنہ اس تمنا میں رہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا مصاحب میں بنوں۔

جب مشرکین مکہ کو ترقی و کمال کے مبادیات اور انتظام مصالح احوال کے اسباب کا احساس ہوا اور انہوں نے صحابہ کرام کے مدینہ کی جانب کوچ کر کے چلے جانے کے نتائج پر غور کیا تو استدلال کیا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بھی یقیناً یہاں سے تشریف لے جائیں گے تو وہ شر اور فساد کیلئے مشورت و عناد کی طرف متوجہ ہوئے اس زمانہ میں ان اشرار کا سرخیل ابو جہل لعین تھا اور دیگر شیاطین بھی اس کے معاون بن گئے تھے ابلیس لعین بھی ”شیخ نجدی“ کی صورت میں ان کا ساجھی بن گیا تھا۔ وہ ان کی مجلس مشاورت میں آ کر بیٹھتا تھا۔ اس وقت کہ انہو نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو مکہ سے تشریف لے جانے میں مصلحت کا مشورہ دیا۔ کسی نے قد کر دینے کا مشورہ دیا اور کسی نے قتل

وہلاک کر دینے کی رائے دی جیسا کہ آئمہ کربہ میں ہے:

وَإِذْ يَمْكُرُ بِكَ الَّذِينَ كَفَرُوا لِيُثْبِتُوكَ أَوْ يَقْتُلُوكَ

اے محبوب اس وقت کو یاد کیجئے جبکہ کفار آپ کے بارے میں خفیہ

طعن منصوب کر رہے تھے کہ تو آ کر قتل کر دے یا آ کر قتل

الْبَاكِينَ ۝
 کر دیں یا آپ کو نکال دیں۔ وہ بھی خفیہ باتیں کر رہے تھے اور اللہ

تعالیٰ بھی ان کے مکر کا بدلہ دینے میں تدبیر فرما رہا تھا اور اللہ تعالیٰ

مکاروں کو بہترین سزا دینے والا ہے

ابو جہل نے منصوبہ بنایا کہ ”پانچوں قبیلوں میں سے پانچ شخص لیے جائیں اور یہ پانچوں یکبارگی محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر (معاذ اللہ) تلوار کی ضرب لگائیں۔ بنی ہاشم، ان متفرق قبیلوں سے قصاص و بدلہ لینے میں عاجز رہ جائیں گے۔“ شیخ نجدی (شیطان العین) نے تمام رایوں کو کمزور قرار دیا اور ابو جہل کی رائے کو پسند کیا۔ اس کے بعد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان حالات کے مشاہدہ کے بعد اس ہجرت کا ارادہ فرمایا جو انبیاء علیہم السلام کی سنت ہے۔

سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ کی جانب سے ہجرت کی اجازت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس

آیت کریمہ میں ہے۔

وَقُلْ رَبِّ اَدْخِلْنِيْ مُدْخَلَ صِدْقٍ وَّاَخْرِجْنِيْ
 مُخْرَجَ صِدْقٍ وَّاجْعَلْ لِّيْ مِنْ لَّدُنْكَ سُلْطٰنًا
 نَصِيْرًا
 اور یوں دعا کرو کہ اے میرے رب مجھے سچی طرح داخل کر
 اور سچی طرح باہر لے جا اور مجھے اپنی طرف سے مدد کا غلبہ دے۔

ایک روایت میں ہے کہ جبریل علیہ السلام نے حاضر ہو کر یہ حکم رب سنایا کہ اِنَّ اللّٰهَ يٰۤاْمُرُكَ بِالْهٰجِرَةِ اللّٰه تعالیٰ آپ کو ہجرت کرنے کا حکم فرماتا ہے، منقول ہے کہ سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ایک خواب دکھا اور خود ہی اس کی تعبیر نکالی جو مکمل تھی آپ نے خواب کی تعبیر یہ نکالی کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ مدینہ منورہ ہجرت کریں گے اور وہیں وفات پا کر مدینہ میں ہی مدفون ہوں گے۔ یہ خواب روضہ الاحباب میں مذکور ہے۔

جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اراد فرمایا کہ صبح کے وقت ہجرت کر جائیں۔ تو شام ہی کو حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ سے فرمایا کہ آج رات تم یہیں سونا۔ تاکہ مشرکین شک و شبہ میں مبتلا ہو کر حقیقت حال سے باخبر نہ ہوں۔ لیکن اصل سبب علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو چھوڑنے کا یہ تھا کہ کفار قریش کی کچھ امانتیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس رکھی ہوئی تھیں۔ چونکہ وہ باعقاد دیانت اور بمشاہدہ امانت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس امانتیں رکھا کرتے تھے اور وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ”محمد امین و صادق“ کہا کرتے تھے۔ اس بنا پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی مرتضیٰ کو اپنے بستر استراحت پر لٹایا اور اپنی خاص چادر مبارک اوڑھا کر انہیں سلا یا۔ لہذا حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ وہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے عشق و محبت میں اپنی جان کو فدا کیا۔ اور اپنے آپ کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر قربان ہونے کیلئے خود کو پیش کیا۔ اہل سیر فرماتے ہیں کہ آیہ کریمہ:

وَمِنَ النَّاسِ مَن يَشْتَرِيْ نَفْسَهُ ابْتِغَاءَ مَرْضٰتِ
 اللّٰهِ وَاللّٰهُ رَؤُوفٌ بِالْعِبَادِ
 کچھ لوگ وہ ہیں جنہوں نے اپنے آپ کو اللہ کی خوشنودی کی خاطر فروخت کیا۔ اور اللہ بندوں کے ساتھ بہت مہربان ہے۔

یہ آیہ کریمہ اسی ضمن میں نازل ہوئی ہے۔ اسی ضمن میں حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کے چند اشعار بھی نقل کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا۔

وَقَيْتُ نَفْسِيْهِ خَيْرَ مَنْ وَطِئَ الْحَصَى
 وَمَنْ طَافَ بِابْنَيْتِ الْعَيْتِقِ وَبِالْحَجَبِ
 میں نے خود اس شخص کو بچایا جو تمام ان لوگوں سے بہتر ہیں جس نے سنگریزوں کو روندنا ہے اور جس نے خانہ کعبہ اور حجر اسود کا طواف

کیا ہے۔

رَسُولَ اللَّهِ الْخَلْقِ إِذَا مَكْرُوا بِهِ فَجَاءَهُ ذُو الطَّوْلِ الْكَرِيمُ مِنَ الْمَكْرِ
خدا کے پیغمبر کے ساتھ جب دشمنوں نے مکر کیا تو خدا نے ان کو اس مکر سے بچایا۔

وَبِئْسَ أُرَاعِيهِمْ مَتَى يَنْشُرُونَنِي وَقَدْ وَطَّئْتُ نَفْسِي عَلَى الْقَتْلِ وَالْأَسْرِ
میں نے رات گزاری اور ان کو دیکھتا رہا کہ کب مجھ کو آپ کے بستر سے اٹھاتے ہی اور حقیقت میں میرا نفس قتل اور قید ہونے پر آمادہ ہو گیا تھا۔

وَبَاتَ رَسُولُ اللَّهِ فِي الْغَارِ آمِنًا مَوْتَى وَفِي حِفْظِ الْإِلَهِ وَفِي سِتْرِ
اور پیغمبر خدا نے امن اور حفاظت کے ساتھ غار میں رات گزاری اور خدا کی نگہبانی اور پردے میں رہے۔

أَقَامَ ثَلَاثًا ثُمَّ قَلَانَص قَلَانَصُ يَفْرِيْنُ الْحَصَى أَيْنَمَا يَفْرِي
تین روز اس میں ٹھہرے رہے پھر اونٹ تیار کیے گئے اور دو اونٹ سنگستان طے کرتے تھے جہاں سے بھی گزرتے تھے۔

أَرَدْتُ بِهِ نَصْرَ الْإِلَهِ تَبَلًا وَأَضْمَرْتُهُ حَتَّى أُوْتِدَفَى قَبْرِئِي
اس سے میرا مطلب دنیا سے بے تعلق ہو کر خدا کی مدد تھا اور اس کو میں اپنے دل میں رکھوں گا یہاں تک کہ (اپنی قبر میں نہ رکھ دیا جاؤں)۔

ان شعروں میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی اس سفر میں رفاقت کی طرف اشارہ ہے کیونکہ وہ بھی جاں نثاری اور حفاظت کے موجب ہیں۔ اس سلسلہ میں علماء کے مختلف اقوال ہیں کہ ان دونوں حالتوں میں شجاعت کے اعتبار سے کون کامل اور قوی تر ہے۔ حضرت علی مرتضیٰ کی شجاعت یہ ہے کہ بالفعل اپنی جان کو قربان کیا اور فدیہ بنایا۔ اور حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی شجاعت و جرأت یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے رفیق سفر بن کر خود کو مہلکہ عظیمہ میں ڈال دیا۔ کیوں کہ اس وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اس سفر میں حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے سوا کوئی شریک نہ تھا اس بارے میں بعض کہتے ہیں کہ...

دیکھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مشت خاک سورہٴ ناس کو فہم نہ کر سکا کہ پڑھ کر ان کے چہروں کی طرف پھینکی۔ ایک روایت میں ہے کہ: **وَإِذَا قَرَأْتَ الْقُرْآنَ جَعَلْنَا بَيْنَكَ وَبَيْنَ الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِالْآخِرَةِ حِجَابًا مَّسْتُورًا** کو بھی زیادہ کر کے پڑھا تھا۔ اور آپ ان سب کے آگے سے نکلے چلے آئے۔

ابن حاتم کی روایت میں ہے جس کی تصحیح حاکم نے کی ہے کہ اس وقت جس جس کافر کے سر پر یہ خاک پڑی تھی وہ سب روز بدر ہلاک ہو گئے۔

ابو جہل لعین نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف اشارہ کرتے ہوئے بر طریق استہزاء کہا ”یہ کہتے ہیں کہ اگر تم میرے دین کے تابع ہو جاؤ تو ممالک عرب و عجم تمہارے ہو جائیں گے۔ اور بہشت بریں تمہاری جگہ ہوگی۔ اگر تم میری پروی نہ کرو گے تو دنیا میں تم میرے ہاتھ سے مارے جاؤ گے اور آخرت میں تمہارا ٹھکانا جہنم ہوگا۔“ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے فرمایا: ”ہاں! میں یہی کہتا ہوں ایسا ہی ہوگا اور تو بھی دوزخیوں میں سے ایک ہوگا۔ جیسا کہ مجھے اس کی خبر دی گئی ہے۔“ اس کے بعد مٹی بھر خاک لیکر ان پر پھینکی۔

اسی دوران ایک شخص کمر جھکائے کفار کی جماعت میں آیا اس نے کہا ”یہاں کیوں کھڑے ہو کس کا انتظار ہے“ کفار نے کہا ”ہم صبح ہونے کا انتظار کر رہے ہیں تاکہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو (خاک بدہن کفار) قتل کریں۔“ اس نے کہا ”خراہی ہو تمہاری کیا وہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم نہ تھے جو تمہارے آگے سے نکلے چلے گئے۔“ ابو جہل اور تمام کافر شرمندگی کی خاک سر پر ڈالنے لگے۔ جب صبح ہوئی تو انہوں نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو دیکھا وہ ان سے پوچھنے لگے تمہارے صاحب (آقا) کہاں تشریف لے گئے ہیں۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے فرمایا: **اللَّهُ أَعْلَمُ بِحَالِ رَسُولِهِ** اللہ تعالیٰ ہی اپنے رسول کا حال زیادہ جانتا ہے۔

مروی ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مکہ معظمہ سے باہر تشریف لے جاتے وقت ”خرواہ“ پر جو کہ حرم شریف کا ایک مقام ہے کھڑے ہو کر زمین مکہ کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا ”خدا کی قسم! تیری زمین، خدا کی تمام زمینوں سے زیادہ میرے نزدیک محبوب ہے اگر تیری زمین کے رہنے والے مجھے ہجرت پر مجبور نہ کرتے تو میں اس سے باہر نہ ہوتا“ یہ حدیث اس جماعت کی حجت ہے جو مدینہ منورہ سے مکہ مکرمہ کو افضل جانتے ہیں۔ اور دوسری جماعت مکہ مکرمہ سے مدینہ منورہ کو افضل جانتی ہے اس لیے کہ حق سبحانہ و تعالیٰ نے اپنے حبیب کو اس جگہ لے جا کر وہاں مقیم و آباد کرایا اور آثار و اوارفتوحات کے ظہور کا مہمدا بنایا۔ میں نے علماء کی اس بحث کی تفصیل جذب القلوب الی دیار المحبوب (جو مدینہ منورہ کی تاریخ ہے) بیان کر دی ہے اور دونوں طرف کے دلائل کو بیان کر کے مکہ مکرمہ سے مدینہ منورہ کی افضلیت کی ترجیح ثابت کی ہے وہاں دیکھنا چاہیے۔

اس کے بعد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ، کے پاس تشریف لائے اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی حدیث میں ہے کہ ہم حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ، کے ساتھ دوپہر کے وقت سخت گرمی کے سبب گھر میں بیٹھے ہوئے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایسی چلچلاتی دھوپ میں چادر مبارک لپیٹے تشریف لائے حالانکہ ایسے وقت میں گھر سے وہی نکلتا ہے جس کو کوئی شدید معاملہ درپیش ہو۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ، نے عرض کیا میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں اس وقت آپ کا تشریف لانا کسی امر عظیم ہی کی بنا پر ہوگا کبھی آپ ایسے وقت تشریف نہیں لائے۔“ حضور نے استیذان کرتے ہوئے فرمایا گھر میں جو بھی ہو اسے باہر کر دو۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: ”یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! آپ کی زوجہ کے سوا گھر میں کوئی اور موجود نہیں ہے۔“ اس کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم ہجرت بیان فرمایا۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا ”یا رسول اللہ کیا ابوبکر رضی اللہ عنہ بھی خدمت میں رہے گا؟ فرمایا ہاں!“

روضۃ الاحباب میں ہے کہ سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا میں نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو اس خوشی میں روتے ہوئے دیکھا حالانکہ اس وقت تک میرا یہ گمان نہ تھا کہ کوئی خوشی میں بھی روتا ہوگا۔ مخفی نہ رہنا چاہیے کہ حضرت عائشہ کا خوشی سے رونے کا گمان کرنا بقرینہ حال تھا۔ جسے انہوں نے ذوق کی بنا پر دریافت کیا۔ ورنہ وطن کے چھوڑنے کا غم و اندوہ اور سیدہ الا بر صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات ستوہ صفات پر محنت و مشقت کا بار پڑنے کا بھی غم موجود تھا (واللہ اعلم)

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے دواونٹ تھے جسے انہوں نے چار سو درہم میں خریدا تھا۔ ایک دوسری روایت میں ہے کہ آٹھ سو درہم میں خریدا تھا۔ اور چار مہینہ پہلے سے اسے خوب چارہ پانی دے کر موٹا تازہ کر رہے تھے۔ دونوں کو انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کیا تا کہ ان میں سے ایک حضور صلی اللہ علیہ وسلم قبول فرمائیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں نے اسے قبول کیا مگر اس کی قیمت لینی ہوگی۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس اونٹ کو نو سو درہم میں خریدا لیا۔ حضرت ابوبکر سے اونٹ خریدنے میں ایک حکمت پنہاں تھی باوجودیکہ باہم انتہائی صدق و اخلاص اور اتحاد و اتفاق موجود تھا اور اس سے پہلے بھی حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر بہت کثرت سے مال خرچ کر چکے تھے۔ لیکن اس وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ چاہا کہ راہ خدا میں کسی اور سے استمداد و استعانت کریں۔ جیسا کہ آئمہ کریمہ کے مفہوم کا اظہار ہے کہ: لَا تُشْرِكْ بِعِبَادَةِ رَبِّهِ أَحَدًا اپنے رب کی عبادت میں کسی کو اپنا سا جھی نہ بناؤ۔ اس اونٹنی کا نام بقول صحیح ”قصواء“ تھا۔ اور ایک قول کے بموجب ”جدعا“ تھا۔ اونٹ خریدنے کے بعد بنی ویل کے ایک شخص کو جس کا نام عبد اللہ بن اسیر قط (بضم ہمزہ و فتح را و سکون یا) تھا اور جو رہبری میں ماہر اور رازوں کے چھپانے میں مشہور تھا اس کو راہبری کیلئے اجرت پر لیا۔ تاکہ وہ دو تین دن کے بعد ان دونوں اونٹوں کو ”جبل ثور“ کے قریب لے کر آجائے۔ وہ دین کفر میں تھا امام نوری فرماتے ہیں کہ اس کا اسلام لانا معلوم نہ ہوا (واللہ اعلم)

حضرت ابوبکر صلی اللہ علیہ وسلم کا مکہ ہجرہ کرنا بعد از عتق کرنا اور بعد از بعضی ذلالت و اذیت اور بعضی

ارباب سیر بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ، نے اپنے گھر میں پانچ ہزار درہم رکھا کرتے تھے جن کو انہوں نے ساتھ لے لیا اور راہ میں جائے پناہ کے مقام تک کبھی آگے چلتے اور کبھی پیچھے چلتے تھے۔ منقول ہے کہ راہ میں، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا پائے اقدس مجروح ہو گیا تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ، نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے کاندھوں پر اٹھالیا اور غار ثور کے دہانہ تک لائے۔ غار ثور میں حضرت صدیق رضی اللہ عنہ پہلے داخل ہوئے تاکہ کوئی آفت اور تکلیف حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو نہ پہنچے کیوں کہ حشرات الارض اس غار میں رہا کرتے ہیں۔ اس کے بعد حضرت صدیق رضی اللہ عنہ نے احتیاط کے ساتھ اپنی قیمتی چادر مبارک بھاڑ کر غار کے تمام سوراخوں کو بند کیا غار میں اندھیرا تھا۔ صرف ایک سوراخ رہ گیا اور چادر کا کپڑا ختم ہو گیا۔ تو انہوں نے اپنے پاؤں کی ایڑی مضبوطی سے لگا دی اور عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اندر تشریف لے آئیے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اندر تشریف لے آئے اور اپنا سر مبارک حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کے زانو پر رکھ کر آرام فرما ہو گئے۔ سانپ اور بچھوؤں نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پاؤں پر ڈسنا شروع کر دیا لیکن انہوں نے نہ صرف اف کی اور نہ جنبش کی مبادا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بیدار نہ ہو جائیں اور نیند میں خلل واقع نہ ہو جائے۔ مگر شدت تکلیف سے آنکھوں سے آنسو نکل کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرہ انور پر گرے۔ جس سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم بیدار ہو گئے۔ حضور نے فرمایا: يَا أَبَا بَكْرٍ لَا تَحْزَنْ إِنَّ اللَّهَ مَعَنَا اے ابوبکر رضی اللہ عنہ غم نہ کرو بیشک اللہ ہمارے ساتھ ہے۔ اس کے بعد حق تعالیٰ نے سیکند نازل فرمایا اور ان کے دل میں آرام قرار پیدا ہوا اور پھر سانپ بچھوؤں نے کچھ نقصان نہ پہنچایا۔ حدیث میں بیان کیا گیا ہے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا ”غار میں جب میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پائے اقدس کی طرف دیکھا کہ اس سے خون بہہ رہا ہے تو مجھے رونا آ گیا کیوں کہ میں جانتا تھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اتنی محنت و مشقت کی عادت نہیں ہے۔

اہل معرفت فرماتے ہیں کہ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پائے اقدس کی طرف دیکھا کہ اس سے خون بہہ رہا ہے تو كَلَّا إِنَّ مَعِيَ رَبِّي سَيَهْدِينِ ہرگز نہیں وہ قابو پا سکتا بلاشبہ میرے ساتھ میرا رب ہے جو میری رہنمائی کرے گا۔ اور جب حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے قریش کی حالت کی شکایت کی تو سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لَا تَحْزَنْ إِنَّ اللَّهَ مَعَنَا (تم غم نہ کرو بیشک اللہ ہمارے ساتھ ہے) لہذا حضرت موسیٰ علیہ السلام کی نظر پہلے اپنی ذات پر پڑی اس کے بعد حق تعالیٰ کی ربوبیت کا مشاہدہ کیا اس لیے حضرت موسیٰ علیہ السلام کا مشاہدہ اس مقولہ کے موافق ہے کہ: مَا رَأَيْتُ شَيْئًا إِلَّا رَأَيْتُ اللَّهَ بَعْدَهُ میں نے کسی چیز کو نہیں دیکھا مگر یہ کہ اس کے بعد اللہ کو میں نے دیکھا۔ اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی پہلی ہی نظر مبارک الوہیت پر واقع ہوئی اس کے بعد اپنی ذات کا ملاحظہ کیا۔ یہ ارشاد اس قول کے موافق ہے کہ: مَا رَأَيْتُ شَيْئًا إِلَّا رَأَيْتُ اللَّهَ قَبْلَهُ میری نظر کسی چیز پر نہ پڑی مگر یہ کہ اس سے پہلے اللہ کو دیکھا۔ یہ مشاہدہ اتم و اکمل ہے۔

مواہب لدنیہ میں بعض عرفاء سے منقول ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے اس قول پر غور و فکر کرو جو انہوں نے بنی اسرائیل سے فرمایا کہ: إِنَّ مَعِيَ رَبِّي (میرے ساتھ میرا رب ہے) اور ہمارے نبی سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے قول پر نظر کرو جو کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ: إِنَّ اللَّهَ مَعَنَا بیشک اللہ ہمارے ساتھ ہے) لہذا حضرت موسیٰ علیہ السلام نے رب کی معیت کے مشاہدے کو اپنے ساتھ مخصوص فرمایا اور اپنے متبعین کو اس کے ساتھ شامل نہ کیا۔ مگر ہمارے نبی سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے مشاہدہ نور باری تعالیٰ میں حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کو بھی شامل فرمایا۔ اور اپنے نور کے ساتھ ان کی مدد فرمائی۔ لہذا ان کو بھی معیت رب کا مشاہدہ کرایا۔ اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ، کے باطن میں اسے سرایت فرمایا جس سے ان پر سیکند نازل ہوا۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ، تجلی ربانی اور اس کے مشاہدہ میں اپنے حال پر قائم و ثابت نہ رہتے۔

نیز حضرت موسیٰ علیہ السلام کے قصہ میں اور ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے واقعہ رب تعالیٰ کی معیت کے مشاہدہ میں بھی بڑا فرق ہے۔ انتہی (یعنی حضرت موسیٰ علیہ السلام کا مشاہدہ صرف اپنی ذات میں ہی ہے۔ اور ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا مشاہدہ نہ صرف یہ کہ اپنی ذات اقدس میں ہے بلکہ دوسرے بھی اس میں شامل ہیں۔ (وللہ الحمد)

بندہ مسکین یعنی صاحب مدارج النبوت علیہ الرحمۃ نورہ اللہ قلبہ نور الصدق والیقین فرماتے ہیں کہ یہی صورت حال، حضرت موسیٰ علیہ السلام کے دیدار باری تعالیٰ کے سوال میں ہے کہ انہوں نے افراد کے ساتھ اپنے لیے ہی دعا مانگی۔ اور مناجات کی کہ اَرِنْسِیْ اَنْظُرْ اِلَیْکَ (دکھا مجھ کو میں تیری طرف نظر کروں) لیکن ہمارے نبی سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی مناجات میں اس طرح دعا فرماتے ہیں کہ اَرِنَا حَقَائِقَ الْاَشْیَاءِ کَمَا هِیَ (اے رب ہمیں اشیاء کی حقیقتوں کو جیسی کہ وہ ہیں دکھا) یعنی دعاء میں صیغہ جمع کا استعمال فرماتے ہیں تاکہ آپ کے تابعین بھی اس میں شامل ہو جائیں۔ نیز بات کو پردہ میں رکھ کر مناجات کی کہ حقائق اشیاء کی روایت کی دعاء کی اور اس طرح نہ فرمایا کہ اَرِنْسِیْ ذَاتَکَ (مجھے اپنی ذات کا دیدار کرا) یہ کمال ادب و معرفت کی رعایت ہے کیوں کہ حقیقت الحقائق حق تعالیٰ ہے۔ یہ بھی کمال معرفت اور ایک حقیقت ہے (فافہم واللہ اعلم) جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم غار ثور میں داخل ہو گئے تو حق تعالیٰ نے بول کا ایک درخت غار ثور کے دہانہ پر لگا دیا اور ایک وحشی کبوتر کے جوڑے کو بھیجا کہ وہ اپنا آشیانہ اس درخت پر بنائے اور اسی رات اس نے انڈے دے دیئے۔ اور مکڑی کو حکم فرمایا کہ وہ اپنا جالا تنے۔ مواہب لدنیہ میں بسند لبرار منقول ہے کہ حرم مکہ کے کبوتر اسی جوڑے کی نسل سے ہیں۔ کیوں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی دعائے برکت سے یہ قیامت تک شکار اور ہلاک ہونے سے محفوظ رہیں گے۔

ابو نعیم ”حلیہ“ میں روایت کرتے ہیں کہ مکڑی نے حضرت داؤد علیہ السلام کیلئے پہلی مرتبہ اس وقت جالا تھامنا جب ان کو جالوت نے طلب کیا تھا۔ اور دوسری مرتبہ ہمارے نبی سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کیلئے غار ثور میں جالا تھامنا ہے۔

روز ہوتے ہیں اور اگر یہ پنجشنبہ دوسرے ہفتہ کا ہے تو بارہ اور تیری روز بنتے ہیں (واللہ اعلم) اور روز صحیح، تین شبانہ روز مشہور ہے۔ حضرت عبداللہ بن ابی بکر رضی اللہ عنہ ان کے حالات جو دیکھتے اور سنتے وہ سب رات کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو پہنچا دیتے تھے۔ اور عامر بن فہرہ (بضم فاو فصح ہا وسکون یا) جو کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے غلام تھے اس جگہ بکریاں چرانے لاتے اور روزانہ رات کو دودھ دے جاتے اور اسی دودھ سے رات کا کھانا ہوتا۔ راقم السطور کا خیال ہے کہ اس غار کا دہانہ اس طرح واقع ہو کہ اس میں داخل ہونا یا کسی چیز کا اندر پہنچانا ممکن و آسان ہے جیسا کہ مشاہدہ میں آتا ہے لیکن وہاں سے نکلنا آسان نہیں ہے۔ چونکہ وہاں مکاری نے جالات رکھا تھا اور کتوبر نے انڈے دے رکھے تھے اور درخت نے آڑ کر رکھی تھی۔ لہذا ان راتوں میں وضو اور استنجہ کیلئے نکلنے کی کیا صورت ہوگی یا تو احتیاج کی بناء پر ان کا وقوع نہیں ہوا ہوگا۔ یا خروج بطریق معجزہ ہوگا۔

اس وقت غار ثور کا دہانہ کچھ کشادہ ہے کہ اس سے با آسانی باہر نکلتے ہیں ممکن ہے کہ لوگوں کی آسانی کیلئے بعد میں کشادہ کر دیا گیا ہو۔ یا جیسا کہ تاریخ کی کتابوں میں لکھا ہوا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے نکلنے کے وقت جبریل علیہ السلام نے پر مار کر اس کا دہانہ کشادہ کر دیا تھا۔ لیکن اس روایت کے بارے میں از باب حدیث اور شراح حدیث میں سے کسی کو ایسا نہیں پایا جس نے اس میں جرح کی ہو۔ اور یہ مصنف (اور مترجم) جب اس غار شریف کی زیارت سے مشرف ہوا تو ہم میں سے ایک شخص مونا فریہ نومند جس کا سینہ چوڑا تھا اس سے کہا گیا کہ پہلے تم داخل ہو تو وہ بِسْمِ اللّٰہ کہہ کر درود پڑھتا ہوا بے تکلف اور بے تحاشہ داخل ہو گیا۔ اس وقت اس فقیر کے بے اختیار بلند آواز سے چیخ نکل گئی اللہ، اللہ، سبحان اللہ ایک وقت وہ تھا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو آیات کبریٰ دکھانے کیلئے عرش اعلیٰ پر لیجا یا گیا اور ایک روز ایسا بھی آیا کہ کفار کے خوف سے حشرات الارض کی مانند غار میں داخل کیا گیا۔ معاً اسی وقت یہ خیال پیدا ہوا کہ شہود میں کوئی فرق و تفاوت نہیں ہے وہاں بھی شہود تھا جبکہ عرش اعلیٰ پر لیجا یا گیا اور یہاں بھی بغیر فرق و امتیاز کے شہود تھا۔ اگر کچھ فرق تھا تو کشف صفات میں تھا شہود ذات ایک ہی ہے۔

دے بر پشت پائے خود نہ بینم

گہے بر طارم اعلیٰ نشینم

(واللہ اعلم) رات کو اسی غار میں شب باشی کی گئی۔ اور کچھ دنوں بعد ایک دن حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس مقام کی زیارت کی غرض سے صبح سے شام تک دعا اور درود و سلام میں گزاری (واللہ المجیب)

غار ثور سے مدینہ منورہ کی طرف کوچ فرمانا

وصل: جب غار ثور میں تین راتیں گزر گئیں تو تیسری رات کی صبح کے وقت عبداللہ بن اریقظ جسے راہبری کے طور پر اجرت میں لیا تھا۔ دونوں اونٹوں کو لے کر غار کے قریب آ گیا۔ اور اس نے دونوں اونٹ پیش کیے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے غلام عامر رضی اللہ عنہ بن فہرہ بھی آ گئے تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اس اونٹ پر جس کا نام جدعا (یا قصواء) تھا سوار ہوئے اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو اپنا روایف بنایا اور دوسرے اونٹ پر عبداللہ رضی اللہ عنہ اور عامر رضی اللہ عنہ سوار ہو گئے۔ اور ساحلی راستہ اختیار کیا۔ یعنی سمندر کے کنارے کنارے سفر شروع کر دیا۔ اس دن اور پھر تمام رات برابر چلتے رہے۔ دوسرے دن جب آفتاب کی تمازت بڑھی اور دھوپ میں گرمی پیدا ہوئی تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ، نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قیلولہ یعنی آرام کرنے کیلئے سایہ دار جگہ کی تلاش شروع کر دی۔ انہوں نے ایک پتھر دیکھا جو سایہ دار تھا اور ہموار جگہ تھی صاف کر کے اپنے ساتھ کی پوستین یعنی چمڑے کا بستر بچھا دیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر تکیہ لگا کر آرام فرمایا۔ اور سو گئے اس بیابان میں ایک جوان بکریاں چرا رہا تھا۔ حضرت صدیق رضی اللہ عنہ نے

اس سے دودھ طلب کیا اس نے ایک پایلہ دودھ دہ کر اس میں پانی ملا کر دیا تاکہ ٹھنڈا ہو جائے۔ چونکہ اہل عرب کی عادت تھی کہ تازہ دودھ چونکہ گرم ہوتا ہے تو اس میں پانی ملا کر ٹھنڈا کر لیتے ہیں۔ حضرت صدیق رضی اللہ عنہ نے اس دودھ کو پیا۔ اس کے بعد جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم بیدار ہوئے تو ایک پیالہ دودھ کا حضور کو بھی نوش کرایا۔ پھر سوار ہو کر سفر شروع کر دیا۔

اس مقام پر علماء ایک سوال کرتے ہیں کہ کیا حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کو چراہے سے بغیر بکریوں کے مالک کی اجازت کے دودھ لینا جائز تھا؟ جواب میں کہتے ہیں کہ قریش کی عادت تھی کہ وہ اپنے چرواہے کو اجازت دے دیتے تھے کہ اگر کوئی راہ گیر مسافر سامنے آئے اور دودھ مانگے تو اسے دودھ دیدیا جائے یا یہ وجہ ہو کہ چرواہے کا مالک حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کا شناسا ہو اور انہوں نے اسے پہچان لیا ہو تو اس دلالت کے اعتماد سے کہ اگر اس کے مالک کو معلوم ہو گیا تو وہ راضی اور خوش ہوگا۔ چرواہے سے دودھ لے لیا۔ اور یہ بھی احتمال ہے کہ انہوں نے دودھ کی قیمت ادا کی ہو اور چرواہا فروخت کرنے کی اجازت رکھتا ہو (واللہ اعلم)

حضرت اسماء بنت ابی بکر صدیق رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ جب کفار قریش رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جستجو و تلاش میں ناکام ہو گئے تو قریش کی ایک جماعت ہمارے یہاں آئی ان میں ابو جہل لعین بھی تھا۔ میں شور سن کر باہر نکلی۔ ابو جہل نے پوچھا ”تیرا باپ کہاں ہے؟“ میں نے کہا ”خدا کی قسم! میں نہیں جانتی کہاں ہیں؟ اس ملعون نے ہاتھ اٹھا کر برا بھلا کہتے ہوئے میرے رخسار پر ایک طمانچہ مارا جس سے میرے آدیزے ٹوٹ کر گر پڑے۔

انشاء سفر ہجرت میں ایک بڑا عجیب و غریب واقعہ یہ پیش آیا کہ ام معبد عاتکہ بنت خالد خزاعی کے خیمہ میں جو کہ ”قدید“ میں تھا پڑاؤ کیا۔ یہ ام معبد عورت بڑی عاقلہ بوڑھی اور ہشیار تھی۔ وہ اپنے خیمہ کے دروازہ پر بیٹھ کر مسافروں کی مہمان نوازی اور خاطر داری کیا کرتی تھی اور انہیں کھانا پانی دیتی تھی۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے کھجوریں، دودھ اور گوشت کھانے کیلئے طلب فرمایا۔ ان میں سے کوئی چیز اس کے پاس موجود نہ تھی۔ اس نے کہا یہ سال ہمارے لیے سخت قحط سالی کا ہے اور بہت تنگ دستی میں ہیں۔ اگر کچھ بھی موجود ہوتا تو آپ کی ضرورت مہمانی کرتی۔ اس کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خیمہ میں نظر مبارک ڈالی۔ اس خیمہ کے ایک گوشہ میں انتہائی لاغر و بلی پتلی بکری کھڑی دیکھی۔ جو ناتوانی کی وجہ سے چراگاہ جانے سے رہ گئی تھی۔ حضور نے فرمایا اے ام معبد یہ بکری کیسی ہے کہ گھر میں رہ گئی۔

(یعنی ”طرمادہ“ کے بعد وہ مر گئی)۔

اس کے بعد ابو معبد یعنی ام معبد کا شوہر جس کا نام ”اکتم بن الحنن“ تھا آیا جو کہ اپنی بکریوں کو چرا کر لایا تھا اور وہ بکریاں لاغری و ناتوانی میں اپنی کمریں زمین سے پیوست کر رہی تھیں۔ اس نے جب تمام برتنوں میں دودھ بھرا دیکھا تو کہنے لگا اے ام معبد اتنا دودھ کہاں سے آیا۔ گھر میں تو کوئی دودھ والی بکری بھی نہ تھی۔ اور جو دودھ والی بکریاں تھی بھی تو وہ دور چراگاہ میں تھیں۔ ام معبد نے کہا۔ ”نہیں خدا کی قسم! یہ بات نہیں۔ بلکہ ہمارے پاس ایک ایسا برکت والا شخص آیا تھا جس کی صفت ایسی اور ایسی تھی وہ نہایت خوش رو اور خوش اخلاق تھا۔“ اس کے بعد اس نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وہ اخلاق و صفات اور شکل و شمائل بیان کیے جس کا ذکر حلیہ شریف کے ضمن میں آچکا ہے۔ وہ عورت زبان فصیح اور بیان ملیح رکھتی تھی۔ اس پر ابوسعید نے کہا خدا کی قسم! یہ شخص وہی ہوگا قریش جس کی جستجو و تلاش میں سرگرداں ہیں۔ اور اس کا نام اور شہرہ سارے جہان میں پھیلا ہوا ہے۔ اگر میں اس وقت موجود ہوتا تو میں ان کی خدمت کی سعادت حاصل کرتا اور ہمیشہ میں انہیں کی خدمت میں رہتا۔ اور میں تمنا رکھتا ہوں کہ میں ان کے ساتھ مل جاؤں گا اور ان کے زمرہ میں شامل ہو جاؤں گا۔ منقول ہے کہ اس کے بعد اس نے ہجرت کی اور ام معبد اور اس کے شوہر نے اسلام قبول کر لیا۔ اور اپنے گھر میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نزول اجلال کی تاریخ یاد رکھی۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے تشریف لے جانے کے چند روز بعد اہل مکہ نے ایک غیبی آواز کو بلند آواز سے یہ کہتے سنا۔

جزی اللہ رب الناس خیر جزائہ

رفیقین خلا خیمتی ام معبد

فقد فاز من امسی رفیق محمد

ہما نزل اہا بالبر ثم ترحلا

ان شعروں کے ساتھ دیگر اشعار بھی سنائی دیئے جو کفار قریش کی مذمت میں تھے۔ اور وہ اشعار ام معبد کی بکری کے دودھ دوہنے کے قصہ پر مشتمل تھے۔ ان کے سوا دیگر وہ اشعار جو حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی مدح و ثنا میں ان کے جواب میں کہے ہیں۔ وہ سب روضۃ الاحباب میں مذکور ہیں۔ ام معبد کی بکری کی طرح دودھ دوہنے کا ایک واقعہ مذکور ہے وہ یہ کہ ایک چراہے کے پاس بغیر دودھ والی اونٹنی تھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے دودھ دوہا اور بہت زیادہ دودھ نکالا، ان کے علاوہ ہجرت کے دوران راستہ میں بکثرت واقعات کتابوں میں مذکور ہیں ان میں سے ایک واقعہ سراقہ بن مالک بن عیشم (بضم جیم و سکون عین و ضم شین) کا ہے وہ یہ ہے کہ قریش نے لوگوں میں منادی کرادی تھی کہ جو کوئی حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے صاحب یعنی ابوبکر رضی اللہ عنہ کو قتل کرے گا یا ان کو قید کر کے لائے گا اسے انعام میں سوانٹ دیئے جائیں گے۔ پھر کسی کو سراقہ کے پاس بھیجا کہ وہ اس کام کو انجام دے سراقہ بیان کرتے ہیں کہ میں اپنے گھوڑے پر سوار ہو کر پیچھا کرنے کیلئے نکلا یہاں تک کہ میں ان کے قریب پہنچ گیا مگر میرے گھوڑے نے ٹھوکر کھائی اور میں زمین پر گر پڑا دوبارہ سوار ہوا تو اسی طرح ٹھوکر کھائی اور زمین پر گر پڑا۔ جب میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب پہنچا تو میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی قرأت کی آواز سنی۔ یکا یک میرے گھوڑے کے دونوں اگلے پاؤں زمین میں دھنس گئے اور میں کود کر گھوڑے کی پیٹھ سے اتر گیا۔ میں نے گھوڑے کو ڈانٹا کہ اٹھ پھر اس نے اپنے دونوں آگے کے پاؤں زمین سے نکالے۔ اور میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بہت قریب پہنچ گیا یہاں تک کہ میرے اوپر آپ کے درمیان ایک یادو نیزے سے زیادہ کا فاصلہ نہ رہا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے میری طرف نگاہ فرما کر فرمایا: اَللّٰھُمَّ اَکْفِنَا شَرَّہٗ بِمَا شِئْتَ (اے خدا ہمیں اس کے شر سے جس طرح تو چاہے محفوظ رکھ) تو اسی وقت گھوڑے کے چاروں پاؤں زانوں تک دھنس گئے میں التجا کرنے لگا کہ

جمال باکمال محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے طلوع کے منتظر رہتے۔ جب سورج گرم ہو جاتا اور دھوپ سخت ہو جاتی تو گھروں کو لوٹ جاتے تھے۔ اچانک ایک یہودی کی جو مقام مقررہ پر کھڑا تھا اس جماعت مبارکہ کے کوکبہ قدوم پر نظر پڑی اس نے جان لیا کہ حضور انور تشریف لے آئے ہیں تو قبیلہ انصار کو جو کہ اس کے قریب ہی تھا آواز دی کہ یہ آ رہے ہیں تمہارے مقصد و مقصود تمام مسلمان اپنے ہتھیاروں سے

لیس ہو کر سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے استقبال اجلال کیلئے نکل پڑے اور انہوں نے ”بالائے حرہ“ ملاقات کی۔ مرحبا اہلاً و سہلاً کہتے ہوئے مبارک بادی و خوشی و مسرت کا اظہار کرنے لگے ان کا ہر جوان بچہ، عورت و مرد اور چھوٹا بڑا کہنے لگا جساء رسول اللہ و جساء نبی اللہ۔ اللہ کے رسول اللہ تشریف لے آئے اور اللہ کے نبی نے قدم مینست لڑو مفرمایا۔ اور اپنی عادت کے مطابق، خوشی و مسرت میں اچھلنے کودنے لگے۔

بیان کرتے ہیں کہ قبیلہ بنو نجار کی لڑکیاں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری کی خوشی و شادمانی میں دف بجاتی اور گاتی ہوئی نکل آئیں۔

نَحْنُ جَوَارِ مِنْ بَنِي النَّجَارِ يَا حَبِذَا مُحَمَّدًا مِنْ جَارِ
قبیلہ بنو نجار کو ایک جانب سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ قریبی نسبت بھی تھی۔ (یعنی سیدہ آمنہ رضی اللہ عنہ اسی قبیلہ کی دختر تھیں) اس کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے قبائل انصار کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا کیا تم مجھے پسند کرتے ہو؟ سب نے بیک زبان کہا یقیناً یا رسول اللہ۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں بھی تم سے محبت رکھتا ہوں۔ قبائل انصار کی پردہ نشین عورتیں اپنے اپنے گھروں کی چھتوں، دروازوں اور گلیوں میں کھڑے ہو کر یہ تہنیت گانے لگیں۔

طَلَعَ الْبَدْرُ عَلَيْنَا مِنْ ثِيَابِ الْوَدَاعِ
وَجَبَّ الشُّكْرُ عَلَيْنَا مَا دَعَا إِلَيْهِ دَاعِ

بعض روایتوں میں اتنا زیادہ آیا ہے

أَيُّهَا الْمَبْعُوثُ فِينَا بِالْأَمْرِ الْمَطَاعِ

سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے وہ فرماتے ہیں کہ میں اس زمانہ میں آٹھ یا نو سال کا تھا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد سے درو دیوار ایسے منور و روشن ہو گئے۔ جس طرح آفتاب طلوع کرتا ہے۔ اس طرح جس دن اس آفتاب نبوت نے اس جہان سے روپوشی اختیار کی سب جگہ تیرہ و تاریک ہو گئی تھی۔ بعینہ، اسی طرح جیسے سورج غروب ہو جاتا ہو۔

حضور اکرم اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مدینہ منورہ میں رونق افروز ہونا بارہ ربیع الاول یا تیرہ ربیع الاول کو ہوا یہ اختلاف تاریخ، باختلاف روایت ہلال ہے۔ امام نووی نے کتاب سیر میں روضہ سے بارہ ربیع الاول پر جزم کیا ہے اور بھی چند اقوال ہیں لیکن وہ مقام صحت سے بعید ہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا مکہ مکرمہ سے نکلنا ستائیس صفر کو ہوا تھا۔ اور غار ثور سے پہلی ربیع الاول کو نکلے تھے۔ علماء سیر کے درمیان

افروزی کے دن سے ہے۔ لیکن لوگوں میں مشہور یہ ہے کہ تاریخ کا اعتبار اور اس کے لکھنے کی ابتداء، سیدنا عمر بن خطاب فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں حضرت مآب سیدنا علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کے اتفاق فرمانے کے ساتھ ماہ محرم سے ہوئی۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا سب سے پہلے مدینہ منورہ پہنچ کر نزول فرمانا بنی عمرو بن عوف کے گھروں میں ہوا تھا۔ بعد میں جس جگہ مسجد بنائی گئی ہے۔ اور اسی جگہ سیدنا علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ نے تین دن کے فرق سے مکہ مکرمہ سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہو کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مسرت و شادمانی میں اضافہ فرمایا روضۃ الاحباب میں ارباب سیر بیان کرتے ہیں کہ حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ مکہ مکرمہ سے پایادہ سفر کرتے ہوئے آئے تھے پیدل چلنے کی وجہ سے ان کے پاؤں میں چھالے پڑ گئے تھے۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے چھالوں پر دست اقدس پھیرا تو وہ اسی وقت ٹھیک ہو گئے تھے۔ انتہی۔ یہ حقیقت اس کیفیت کی مانند ہے جو روز خیبر پیش آئی تھی کہ ان کی آنکھوں میں آشوب آ گیا تھا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لعاب دہن شریف لگانے سے وہ اسی وقت ٹھیک ہو گئی تھیں۔ اور وہ پھر کبھی نہ دکھی تھیں۔

منقول ہے کہ سیدنا عالم صلی اللہ علیہ وسلم نزول اجلال کے بعد ایک درخت کے سایہ میں سر مبارک جھکا کر بیٹھ گئے اور آپ پر سکوت و خاموشی غالب رہی۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ، لوگوں سے ملاقات کرنے میں مشغول رہے چونکہ اژدہام اور لوگوں کا اشتیاق بہت زیادہ تھا۔ بعض انصار ایسے آ رہے تھے جنہوں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا نہ تھا وہ یہی گمان کر رہے تھے کہ حضرت صدیق رضی اللہ عنہ ہی ان کے نبی ہیں وہ آ کر آپ ہی کو سلام کر کے تحیت کے قواعد بجاتے تھے۔ جب آفتاب بلند ہوا اور سایہ ختم ہو گیا تو حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ دھوپ کا خیال کر کے اپنی چادر پھیلا کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سر ہانے کھڑے ہو گئے اس طرح حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے لوگوں کے شبہ کا ازالہ فرمادیا۔

صاحب مواہب فرماتے ہیں کہ اس کلام سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو آفتاب کی دھوپ پہنچتی تھی۔ اور ابریا فرشتہ آپ کے سر مبارک پر بعثت سے پہلے سایہ کرتا تھا۔ جیسا کہ اس کے محل میں تصریح کر دی گئی ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے چند روز اسی جگہ قیام فرمایا ایک قول کے بموجب بیس روز اور ایک قول کے بموجب چار روز، یعنی دو شنبہ، سہ شنبہ، چار شنبہ اور پنجشنبہ قول اول زیادہ صحیح ہے۔ بہر تقدیر جمعہ کے دن، سورج کے بلند ہونے کے وقت ”بطن وادی“ سے گزر کر اس مقام میں تشریف لائے جہاں اب مسجد صغیر بنائی گئی ہے وہاں آپ نے نماز جمعہ پڑھائی اور طویل و بلیغ خطبہ دیا جو ابشار و انداز۔ (یعنی خوشخبری دینے والا اور ڈرانے والا) اور اہل ایمان کے دلوں کو نور سے لبریز کرنے والا تھا۔ پھر آپ نماز جمعہ کے بعد اپنی سواری پر سوار ہوئے اور مدینہ طیبہ کے اندر، بستی کی جانب اطمینان و سکون کے ساتھ روانہ ہوئے اور قبائل انصار پیدل اور سوار سب کے سب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی رکاب کرامت مآب میں مجتمع ہو کر چل دیئے۔ اس وقت بنی عمرو بن عوف کے لوگ جو اس بستی کے رہنے والے تھے یعنی قبا کے باشندے تھے عذر خواہی کرتے ہوئے آئے اور عرض کرنے لگے کہ شاید دامان عزت و جلال سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کو اس جگہ قیام پذیر ہونے میں کوئی رنج و ملال لاحق ہوا ہے جس کی وجہ سے اس جگہ سے انتقال و ارتحال فرمایا جا رہا ہے؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مجھے اس بستی کا جس کا نام ”اکالہ القرئی“ ہے حکم دیا گیا ہے ”اکالہ القرئی“ اکالہ البلدان“ مدینہ منورہ کے ناموں میں سے ہیں۔ یہ نام اس لحاظ سے ہے کہ اس کا تسلط تمام شہروں پر اور اس کا حکم ہر جانب جاری و ناقد ہے۔ بعض علماء اس نام کو اس کے فضل و عظمت اور اس کے رتبہ پر محمول کرتے ہیں۔ مطلب یہ کہ تمام شہروں کی بزرگیاں اور اس کی عظمتیں، اسی مدینہ کی عظمت کے مقابلہ میں نیست و نابود ہیں۔ اور مکہ مکرمہ کا نام ”ام القرئی“ (بستیوں کی ماں) اس اعتبار سے ہے کہ اس کی عراقت و اصالت تمام شہروں پر قائم و ثابت ہے۔ اس کی امومت و اصالت نیست و نابود

ہونے کا اقتضاء نہیں کرتی۔

غرضیکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نکلنے اور ان کی طرف تشریف لے جانے کے بعد جملہ قبائل انصار کے لوگ توقع و انتظار کی آنکھ کو سراہ بچھا کر اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دامن کرم کو تھام کر عرض کرنے لگے کہ ہمارے غریب خانہ میں قیام فرما کر نعمت و ثروت کے اظہار اور خدمت گاری و جاں نثاری کی سعادت مرحمت فرمائیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہر ایک کے حق میں دعائے خیر فرماتے ہوئے کہتے کہ میری یہ اونٹنی مامور ہے۔ جہاں یہ بیٹھ جائے گی اسی جگہ میری قرار گاہ و گاہ۔ اس کے بعد سیدھا راستہ اختیار فرما کر اونٹنی کو مدینہ طیبہ کی جانب اس کی مرضی پر چھوڑ دیا اور اس کا انتظار فرمایا کہ اونٹنی کہاں بیٹھتی ہے۔ یہاں تک کہ اونٹنی وہاں تک آئی جہاں اب مسجد نبوی شریف ہے۔ اونٹنی بے اختیار اس جگہ بیٹھ گئی۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر اونٹنی کی پشت پر ہی وہ کیفیت طاری ہو گئی جو نزول وحی کی حالت کے ساتھ مخصوص ہے۔ پھر اونٹنی اٹھ کر کھڑی ہو گئی اور چند قدم آگے بڑھ کر گھومی اور پھیر پہلی جگہ آ کر بیٹھ گئی۔ گویا اونٹنی کا یہ آنا اور جانا مسجد نبوی کی تعمیر و بنیاد کے اظہار کیلئے تھا۔ جیسا کہ واقع ہوا۔ حضرت ابوالیوب انصاری رضی اللہ عنہ، کے گھروں کے دروازے اس جگہ سے بالکل قریب تھے۔ ابوالیوب رضی اللہ عنہ انصاری حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ضروریات کے اسباب اونٹنی سے اتار کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر مبارک کے سامنے لائے۔ ممکن ہے کہ انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب سے ایسا ہی اشارہ پایا ہو خدا ہی بہتر جانتا ہے۔ جیسا کہ ایک روایت میں ہیں جسے روضۃ الاحباب میں نقل کیا گیا ہے۔ پھر وہ سامان اپنے گھر میں لے گئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اَلْمَرْءُ مَعَ رَحْلِهِ مطلب یہ کہ آدمی کی وہیں اقامت ہے جہاں اس کا سامان سفر ہے، اس کے بعد حضرت ابوالیوب انصاری رضی اللہ عنہ کا مکان ہی نزول شریف کی سعادت سے مشرف ہوا۔ ذَلِکَ فَضْلُ اللّٰهِ یُؤْتِیْہِ مَن یَّشَآءُ۔

مبارک منزل لے کاں خانہ راما ہے چینیں باشد ہمایوں کسورے کاں عرصہ راشا ہے چینیں باشد

ابن جوزی نے دختران انصار مدینہ بنی نجار وغیرہ کی گزشتہ حکایتوں کو اس جگہ نقل کیا ہے۔ لیکن روضۃ الاحباب وغیرہ کے سلسلہ کلام سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ ان حکایتوں کا مقام پہلی جگہ ہی ہے۔ بہر تقدیر ان حکایتوں کا تعلق شہر مدینہ میں نزول اجلال فرمانے کے وقت کے ساتھ ہے خواہ اول ہو یا آخر۔

حضرت ابوالیوب انصاری رضی اللہ عنہ، سے مروی ہے وہ فرماتے ہیں کہ جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے مکان کو شرف اقامت سے سرفراز فرمایا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مکان کی چٹخی منزل کو اپنے لیے پسند فرمایا۔ میں، میری والدہ اور میرے بچے بالا خانہ پر رہنے لگے۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں بالا خانہ کی رہائش میں بہت حرج اور تکلیف محسوس کرتا ہوں۔ اسی لیے کہ سردار انبیاء علیہم السلام تو چٹخی منزل میں رہیں اور میں ان کے اوپر بالا خانہ میں رہوں۔ یا رسول اللہ! آپ صلی اللہ علیہ وسلم بالائی منزل پسند فرما لیجئے تا کہ ہم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زیر سایہ رہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہمارے لیے چٹخی منزل زیادہ درست، موافق اور مناسب ہے کیونکہ ہمارے ساتھ ایک جماعت کثیرہ ہے۔ اور اطراف و جوانب سے لوگ ہمارے پاس آئیں گے۔ لہذا تم اور تمہارے گھر والے اوپر کی ہی منزل میں سکونت رکھیں۔ ایک اور روایت میں آیا ہے کہ حضرت ابوالیوب رضی اللہ عنہ انصاری برابر اس عرض و التجا میں مصر رہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اوپر کی منزل میں اقامت فرمائیں اور خود چٹخی منزل میں سکونت رکھیں۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا حضرت ابوالیوب رضی اللہ عنہ انصاری کے مکان میں قیام فرمانے کی مدت اصح روایات کے بموجب سات مہینہ ہے۔ مگر روایتوں میں کم و بیش واقع ہوئی ہے۔

قسم

و ذکر و اعتقاد سنہ ہجری ۱۰۲۰ و فاریہ سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم

چونکہ یہ واقعات دس سنوں پر مشتمل ہیں اس لیے ہر سن کے واقعات کو مستقل ایک ایک باب کر کے بیان کیا جائے گا۔ لہذا کتاب کی یہ تیسری قسم بھی دس ابواب پر مشتمل ہوگی۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مدینہ منورہ میں اقامت باتفاق دس سال رہی۔ علماء سیر نے ان دس سالوں کے واقعات کو ایک ایک سال کے واقعات کی شکل میں جدا جدا بیان کیا ہے ان میں سے بعض واقعات میں اختلاف بھی ہے کہ کون سے سال میں رونما ہوئے۔ اور ایک سال کے واقعات کے سالوں میں بھی علماء سے تفرق یہ کہ تاخیر یا قریب ہو گیا۔ ہر مباحثہ لڑنے میں ”سنواری“ کر لینا کرتے کہ کہ

ساتھ مقید نہیں کیا ہے۔ معارج النبوت میں ہر سال کے واقعات لکھے ہیں۔ مثلاً سال اول، سال دوم، سال سوم وغیرہ۔ اگرچہ ان لفظوں سے اہم عدد بیان کرنا حال اور اس کے مرتبہ کا ذکر کرنا ہوتا ہے۔ لہذا مناسب ہے کہ اسی ترتیب زمانی کے ساتھ واقعات کا ذکر کیا جائے۔ لیکن ظاہر ہے کہ مجدد عدد، مقصود ہے دیگر کتابوں میں اس ترتیب کے سوا بھی مرقوم ہیں۔ مگر ہم نے روضۃ الاحباب کے موافقت کی روش اختیار کی ہے اور یہی کتاب متداول اور مشہور ہے۔

پہلی سن ہجری کے واقعات

تعمیر مسجد قبا

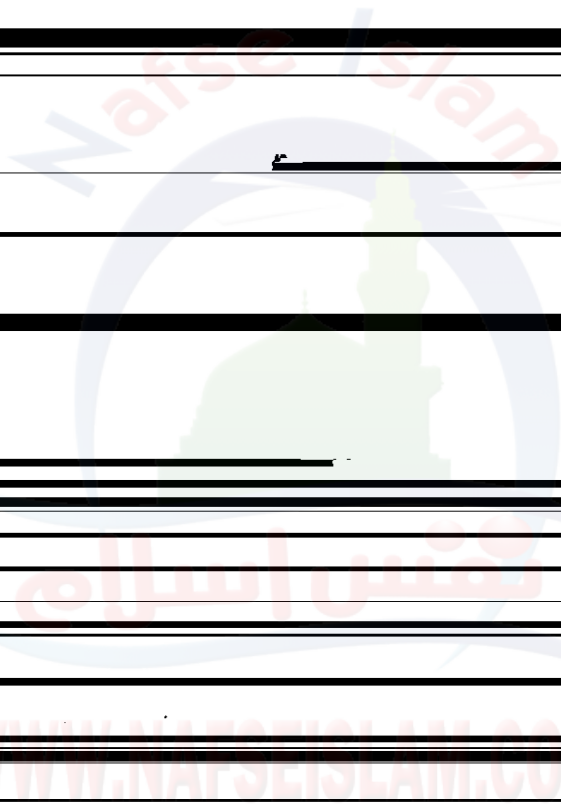
سن اول ہجری کے واقعات میں سب سے پہلا واقعہ، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے مدینہ منورہ میں رونق افروز ہونے کے بعد، مسجد قبا شریف کی تاسیس و تعمیر ہے کیونکہ نبی عمرو بن عوف کے گھروں میں نزول فرمانے کے بعد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دست مبارک سے پتھر اٹھا کر رکھا اور خلفاء ثلاثہ نے ہجر حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے کہ وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے کے تین دن کے بعد اس کی تعمیر مکمل ہو گئی۔

رہے ہوں۔ یہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا مدینہ منورہ کی تشریف آوری کے بعد پہلا وعظ مبارک ہے۔ اس کے بعد میں اپنے گھر لوٹ گیا۔ دوسری مرتبہ خلوت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضری دی۔ اور میں نے آپ سے تین سوال کیے جس کا بجز بنی کے



کی۔ مثلاً حمی بن اخطب اور اس کا بھائی یاسر بن اخطب کہ یہ اپنی قوم میں شدید عداوت اور خبث انسانی میں گرفتار تھے۔ اور ان اشقیاء کے گروہ میں سے بعض نے نفاق کو اپنا حیلہ اور دنیاوی مال و زر کے جمع کرنے کا ذریعہ اور حیات فانی کی حفاظت کا وسیلہ بنایا اور اس و خزانہ کے قبیلہ کے کچھ لوگوں نے بھی جو کہ انصار کے دونوں قبیلے ہیں ان میں سے بعض نے منافقوں کے ساتھ نفاق میں اتفاق کا مظاہرہ کیا اور اکثر منافقین یہود میں سے تھے۔

بعض احبار اور علماء یہود ایسے بھی تھے جن کی پیشانی میں رحمت ازلی سے ہی حرف سعادت اور اقبال مندی تحریر تھا اور یہ سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے۔



ایک روایت میں آیا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت کیا کہ یہ احاطہ کس کا ہے؟ انہوں نے کہا یہ دو تیمیوں کا ہے اور وہ اس جگہ کھجوروں کو خشک کر کے تمر بناتے ہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس احاطہ کو خرید لو۔ تو بنی نجار نے کہا ہم ان دونوں تیمیوں کو اس کی قیمت ادا کر کے اس زمین کو آپ کی نذر کرتے ہیں اور ایک روایت میں ہے کہ خود ان دونوں تیمیوں نے کہا ہم اس کی قیمت نہیں لیں گے ہم کو آپ کی نذر کرتے ہیں۔ مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے انکار فرمایا اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے اس مال میں سے جو وہ اپنے ساتھ لائے تھے ان کی قیمت میں دس سونے کے مثقال ان کو عطا فرمائے۔

نادر و عجیب روایتوں میں سے ایک روایت یہ ہے کہ جسے طبرانی نے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک انصاری سے جس کا مکان مسجد نبوی کے برابر تھا اشارۃً فرمایا کہ کیا ممکن ہے کہ اپنی اس زمین کے ٹکڑے کو اس گھر کے بدلے فروخت کر دے جو تجھے حق تعالیٰ جنت میں عطا فرمائے گا۔ تاکہ میں مسجد شریف کو وسیع کر سکوں۔ چونکہ وہ انصاری اس معاملہ کی توفیق نہ پاتا تھا عرض کرنے لگا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں عیال والا ہوں۔ میری اتنی گنجائش نہیں ہے کہ میں زمین کو یونہی دیدوں۔ حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ نے اس مکان کو دس ہزار درہم ادا کر کے اس سے خرید لیا۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر اسے مسجد نبوی میں شامل کر دیا۔ اس مقام سے یہ نکتہ معلوم ہو جاتا ہے کہ نیکی و خوشنودی کے حصول میں لوگوں کے طبائع اور ہمتیں مختلف ہیں۔ یہ انصاری محتاج تھا اور صاحب عیال تھا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب سے امرایجابی واقع نہ ہوا تھا بلکہ اسے اختیار دیا گیا تھا کہ چاہے ایسا کرے چاہے ایسا نہ کرے۔ اور ابتدائے زمانہ میں صحابہ تمام مہذب الاخلاق نہ تھے یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت میں رفتہ رفتہ مہذب ہوئے ہیں۔ اس جگہ کچھ کھجوروں کے درخت ٹیلے اور شرکوں کی قبریں تھیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم فرمایا کہ درختوں کو کاف ڈالو اور ٹیلوں کو ہموار کر دو اور قبروں کو زمین بوس کر کے جگہ ہموار بنائی جاسکتی ہے اور قبرستان کو مسجد کیلئے ہموار کرنا جائز ہے۔ اس کے بعد صحابہ سے فرمایا کہ مسجد کی تعمیر کیلئے اینٹیں تھاپیں۔ مدینہ منورہ میں ابھی تک وہ جگہ مخصوص و متعین ہے جہاں اینٹیں تھاپی گئی تھیں۔ وہ جگہ بقیع کی جانب واقع ہے، اس کے بعد مسجد نبوی شریف کی دیواریں خشت خام سے بنائی گئیں اور چھت کھجور کے پتوں اور ستون اس کے تنوں سے تعمیر ہوئے۔ اس زمانہ میں مسجد نبوی شریف کی یہ حالت تھی کہ اگر بارش ہوتی تو چھت سے پانی پڑکا کرتا اور اس سے مٹی بھی جھڑا کرتی اور مسجد میں کیچڑ ہو جاتی تھی اسی کیچڑ میں سجدہ کیا جاتا تھا۔ صحابہ کرام اینٹیں اٹھا اٹھا کر لاتے سب ایک ایک اینٹ لاتے تو حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ دو اینٹیں اٹھا کر لاتے اور فرماتے ایک اینٹ اپنی طرف سے اور ایک اینٹ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب سے۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے لوگوں کو ایک اجر ہے تو انہیں دو نا اجر ہے۔ اور بشارت دی کہ آخر عمر میں تمہاری غذا دودھ کا پینا ہوگا اور تمہیں باغی لوگ شہید کریں گے۔ اور ایک روایت میں اتنا زیادہ ہے کہ تم باغیوں کو جنت کی طرف بلاؤ گے اور وہ باغی تمہیں جہنم کی طرف بلائیں گے۔

مروی ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کرام کے ساتھ مل کر ایٹھیں اٹھا کر لاتے تھے اور مٹی سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا شکم مبارک آلودہ ہو جاتا تھا۔ جب صحابہ یہ دیکھتے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم خود نفس نفیس ایٹھیں اٹھا کر لارہے ہیں تو وہ بھی کام میں خوب کوشش کرتے اور یہ رجز یعنی ترانہ پڑھتے جاتے۔ لَسْنُ قَعْدَنَا وَالنَّبِيُّ يَعْمَلُ ذَاكَ إِذَا الْعَمَلُ الْمُضِلُّ يُعْنِي هُمْ يَنْثُرْ ہیں اور نبی کریم کا مرکز، سر، اور پیٹہ، لقاؤنگر، اگر زوالا عمل، ہر امر خضر، اگر صلوات اللہ علیہ وسلم بھی صحابہ کرام کی طرح کوشش کرتے تھے۔

ایک روایت میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنے پیڑوں میں رکھ کر اینٹ لاتے تھے اور فرماتے تھے شعر
هَذَا الْحِمْلُ لَا حِمْلَ خَيْرَ هَذَا اَبْرُ عُنْدَ رَبِّنَا وَاَطْهَرُ
اور یہ رجز بھی پڑھا کرتے تھے۔

اَللّٰهُمَّ لَا خَيْرَ اِلَّا خَيْرَ الْاٰخِرَةِ فَارْحِمِ الْاَنْصَارَ وَالْمُهَاجِرَةَ
مواہب لدنیہ میں ابن شہاب کا قول ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ان شعروں کے سوا اور کوئی شعر موزوں کرنا ہم تک نہیں
پہنچا ہے۔ اور بعض کہتے ہیں کہ آسیہ کریمہ میں جو مخالفت فرمائی گئی ہے وہ انشاء شعر یعنی اشعار کا اختراع کرنا ہے نہ کہ انشاء یعنی شعر نگنانا۔
اور انشاء کی مخالفت پر بطریق تمثیل کوئی دلیل نہیں ہے۔

مسجد نبوی شریف کی لمبائی ابتداء تعمیر کے وقت قبلہ سے شمال تک چودھ گز اور مشرق سے مغرب تک ساٹھ گز تھی۔ اور فتح خیبر کے
بعد جو دوسرے سال میں واقع ہوا اس کی تعمیر دوبارہ کی گئی اور دونوں جانب سوسو گز کی ہو گئی۔ اس کے بعد مزید اضافہ اور تغیر و تبدل ہوا اور
زیب وزینت نے راہ پیدا کی مکمل تذکرہ تاریخ مدینہ میں ہم نے بیان کر دیا ہے۔ اول تعمیر کے وقت مسجد کا قبلہ بیت المقدس کی جانب تھا
بعد ازاں بدل کر مسجد حرام کی جانب کیا گیا۔ جیسا کہ ۲ ہجری کے واقعات میں آئے گا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں محراب کی
علامت آج کل جیسی نہ تھی۔ محراب کی ابتداء حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں ہوئی۔ اس زمانہ میں وہ ولید بن عبدالملک
کی طرف سے مدینہ منورہ میں گورز تھے اور انہوں نے مسجد نبوی شریف کی تعمیر کی تھی۔

مواہب لدنیہ میں ہے کہ مسجد نبوی شریف میں ایک جگہ سایہ دار تھی جس میں وہ صحابہ بود و باش کرتے تھے جن کا گھر بار نہ تھا۔ اس
جگہ کو ”صفہ“ اور اس جگہ رہنے والوں کو اصحاب صفہ کہتے ہیں۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم رات کے وقت ان کو اپنے پاس بلاتے۔ اور صحابہ
کرام میں جو صاحب ثروت اور توکر تھے ان کے سپرد فرماتے کہ وہ ان کی ضیافت یعنی خاطر داری کریں۔ ان کو ”اضیاف اللہ“ کہتے
ہیں۔ اور وہ ان میں سے ایک جماعت کی مہمانداری کرتے تھے۔

صحیح بخاری میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے کہ وہ فرماتے ہیں میں نے اصحاب صفہ کے ستر ایسے اشخاص کو دیکھا ہے
جن کے پاس کچھ نہ تھا بجز تہبند یا کملی کے، جسے وہ اپنے گلے میں باندھے ہوئے تھے۔ وہ کسی کے آدھی پنڈلی تک پہنچاتا تھا اور کسی کے
ٹخنوں تک وہ سجدہ کرتے وقت اسے پلیٹ لیتے تھے تاکہ ستر نہ کھلے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی اس عبارت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ
اصحاب صفہ ستر سے زیادہ تھے بلاشبہ حدیث مبارک میں ہے کہ ایک وقت میں ان کی تعداد چار سو تک پہنچ گئی تھی۔ کبھی ان کی یہ تعداد کسی
کے انتقال کر جانے، نکاح کر لینے یا کسی اور وجہ سے کم بھی ہو جاتی تھی۔ اور کبھی اس سے زیادہ بھی ہو جاتی تھی۔ ان میں سے ستر اصحاب
صفہ تو میر معونہ کے غزوہ میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے اسلام لانے سے پہلے شہید ہو گئے تھے۔ بعض کتابوں سے یہ بھی معلوم ہوتا
ہے کہ صفہ مسجد کے اس حصہ کو کہا جاتا رہا جو سب سے پہلے بناتھا اور تحویل قبلہ کے بعد جو مسجد تعمیر کی گئی وہ دوسری جانب تھی پہلی مسجد کی دیوار
کو اپنے حال پر قائم رکھا گیا، پہلی مسجد میں منبر شریف تعمیر نہیں کیا گیا تھا بلکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں کھجور کے ایک ستون سے
ٹیک لگا کر خطبہ دیا کرتے تھے۔ پھر جب منبر بنایا گیا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر نشست فرمائی اور کھجور کا وہ ستون حضور صلی اللہ
علیہ وسلم کی مفارقت میں گزر گڑا کر نالہ و فریاد کرنے لگا۔ مواہب لدنیہ میں ہے کہ یہ واقعہ ۱۷ھ میں ہوا۔ بعض اہل سیر کہتے ہیں کہ اس
زمانہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم مٹی کے ایک چبوترے پر جو کہ چوبی منبر بننے سے پہلے تھا خطبہ دیا کرتے تھے۔ اور احادیث صحیحہ اس پر
ناطق ہیں کہ خطبہ دیتے وقت کھجور کے ستون سے ٹیک لگایا کرتے تھے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد نبوی شریف کے پہلو میں چند حجرے خشت خام سے بنائے تھے جس پر کھجور کی شاخوں سے چھت ڈالی گئی تھی۔ اس وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات میں سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا اور سیدہ سودہ رضی اللہ عنہا تھیں، حناخ ایک حجرہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کیلئے اور دوسرا حجرہ حضرت سودہ رضی اللہ عنہ کیلئے تعمیر فرمایا اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے زفاف فرمانا

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے زفاف فرمانا بھی پہلی سن ہجری میں نو ماہ بعد ماہ شوال المکرم میں واقع ہے اور سن نبوی کمی کے احوال کے ضمن میں معلوم ہو گیا ہوگا کہ دسویں سن نبوت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدہ عائشہ اور سیدہ سودہ رضی اللہ عنہما سے نکاح فرمایا تھا سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے نکاح فرمایا تھا سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا اس وقت چھ سال کی تھیں۔

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے وہ فرماتی ہیں کہ جب ہم مدینہ منورہ میں آئے تو میرے والد محترم ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے محمد بن حنیف بن حبیب بن لیاف یا خارجہ بن زید میں قیام فرمایا۔ جس دن میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے کاشانہ اقدس میں آئی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس انصار کے مردوزن کی ایک جماعت حلقہ بنائے بیٹھی ہوئی تھی۔ میری والدہ نے میری بالوں میں کنگھی کی اور مانگ نکالی اور میرا منہ دھلایا اور مجھے لیکر وہاں آئیں جہاں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم رونق افروز تھے۔ چونکہ میرا سانس پھول گیا تھا اس لیے کچھ دیر توقف کیا۔ اس کے بعد وہ مجھے لیکر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حجرے میں آئیں میں نے دیکھا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ایک سریر پر تشریف فرما ہیں۔ میری والدہ نے مجھے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پہلو میں بٹھا دیا۔ اور عرض کرنے لگیں ”یا رسول اللہ یہ آپ کی زوجہ ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وجہ سے اور آپ میں ان کی وجہ سے برکت دے۔“ اس کے بعد تمام لوگ گھر سے چلے گئے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے ساتھ زفاف فرمایا۔ کوئی اونٹ یا بکری ذبح کر کے عروسی کھانا (ولیمہ) تیار نہ کیا۔

سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا اپنے والد کی مزاج پر سی کیلئے آئی ہوتی تھیں۔ انہوں نے جب یہ سنا تو کہنے لگیں خدا کی قسم! میرے والد ہوش میں نہیں ہیں۔ انہیں خبر نہیں کہ وہ اپنی زبان سے کیا کہہ رہے ہیں، اور حضرت بلال و عامر رضی اللہ عنہما کو دوسرے گوشہ میں مبتلا دیکھا۔ وہ کفار مکہ پر لعنت بھیج رہے تھے کہ انہوں نے مکہ سے نکال دیا۔ وہ مکہ کے چشموں، بانگوں اور مرغزاروں کی یاد میں اشعار پڑھ رہے تھے اور بحکم طبع واویلا اور بخار کی مدہوشی میں ہذیان میں مبتلا ہیں سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے ان کے احوال کی شکایت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں جا کر کی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ ”خداوند ہمارے دلوں میں مدنیہ منورہ کو ایسا محبوب بنادے جیسا کہ ہم مکہ مکرمہ سے محبت رکھتے ہیں یا اس سے زیادہ اور مدینہ کی ہوا کہ ہمارے جسموں کیلئے صحیح و درست بنادے اور ہمارے صاع اور یعنی ناپنے تولنے کے پیمانوں میں بھی برکت دیدے۔ اور اس جگہ سے بخار کو جگہ کی طرف منتقل فرمادے۔“

اذان کی مشروعیت

اسی سن اول ہجری کے واقعات میں سے اذان کی مشروعیت ہے اس کا تذکرہ عبادات کے باب میں تفصیل سے گزر چکا ہے اعادہ کی حاجت نہیں ہے بعض ارباب سیر اسے سن دوم ہجری کے واقعات میں شمار کرتے ہیں (واللہ اعلم)

سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کا اسلام لانا

اسی سن اول ہجری کے واقعات میں سے حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کا اسلام لانا ہے۔ یہ اصفہان کے رہنے والے تھے اور وہ اس قوم سے تعلق رکھتے تھے جو اہل بق گھوڑوں کی پرستش کرتی ہے۔ انہوں نے دین کی تلاش میں مسافرت اختیار کی سب سے پہلے انہوں نے دین نصرانی اختیار کر کے انجیل پڑھی۔ اس کے بعد انہیں عرب کی ایک قوم نے گرفتار کر لیا اور انہیں ایک یہود کے ہاتھوں فروخت کر دیا۔ پھر اس یہود نے انہیں مکاتیب کر دیا اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بدل کتابت سے ان کی اعانت فرمائی۔ بعض ارباب سیر کہتے ہیں کہ آزادی کی شرط پر انہیں خرید لیا۔ وہ دس جگہ فروخت ہو چکے تھے یہاں تک کہ سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچے جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ میں رونق افروز ہوئے تو اسی وقت اسلام لے آئے تھے ان کے اسلام لانے کا قصہ یہ ہے کہ ایک دن انہوں نے ایک طباقان ترکھوروں کا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لا کے رکھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا۔ اے سلمان رضی اللہ عنہ! یہ کھجوریں کیسی ہیں؟ عرض کیا یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کیلئے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کیلئے صدقہ کا مال ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اسے اٹھا لو ہم صدقہ نہیں کھاتے۔ تو وہ اٹھا کر لے گئے۔ دوسرے دن پھر ایک طباقان ترکھوروں کا لا کے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے آگے رکھا۔ فرمایا اے سلمان رضی اللہ عنہ! یہ کیسی ہیں؟ عرض کیا یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کیلئے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کیلئے ہدیہ ہیں۔

صدقہ اور ہدیہ میں فرق یہ ہے کہ صدقہ محتاجوں کو مہربانی کے طور پر دیا جاتا ہے اور اس میں دینے والے کی بلندی ہے۔ اور ہدیہ، بڑوں کی خدمت میں بطور پیش کش اور نذرانہ لایا جاتا ہے اس میں دینے والے کی پستی اور لینے والے کا ادب و احترام ملحوظ ہوتا ہے۔

اس کے بعد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ سے فرمایا اپنے ہاتھ بڑھاؤ اور کھاؤ۔ اس وقت حضرت سلمان کی نظر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پشت مبارک میں مہربانوت پر پڑی۔ وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اس نشانی کو پہچانتے ہی اسلام لے آئے حالانکہ وہ اس وقت یہودی کے غلام تھے۔ اس کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اس یہودی سے خرید لیا اور آزاد فرمادیا۔

حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ، کی عمر کے بارے میں جو اقوال ہیں ان میں سے ایک قول تین سو پچاس سال کا ہے اور اکثر کے

نزدیک دو سو پچیس سال ہے اور قول صحیح یہی ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا زمانہ پایا ہے (واللہ اعلم)
وہ غزوہ خندق کے موقع پر اول شاہد ہیں۔ کیوں کہ انہوں نے ہی خندق کھودنے کا مشورہ دیا۔ اور کہا کہ ہمارے ملک میں دستور

خواہش تھی کہ سلمان رضی اللہ عنہ ہمارے ساتھ ہوں۔ اس پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سلمان من اهل البيت، یعنی سلمان رضی اللہ عنہ ہمارے اہل بیت میں سے ہیں اور وہ ان شخصوں میں سے ایک ہیں جن کی جنت مشتاق ہے۔ جیسا کہ حدیث میں آیا ہے۔
حضرت عمر بن خطاب فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے اپنی خلافت کے زمانہ میں انہیں ”مدائین“ کا امیر (گورنر) مقرر فرمایا۔ حضرت سلمان رضی اللہ عنہ اپنی محنت سے کھاتے تھے بیت المال سے جو کچھ ملتا وہ سب صدقہ کر دیا کرتے تھے۔ وہ حاجتمندوں سے محبت رکھتے تھے۔ ”اصحاب صفہ“ میں سے ہیں اور ان کے مناقب بکثرت مروی ہیں۔ انہوں نے ”مدائین“ میں حضرت عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ کی خلافت کے زمانہ میں ۳۵ھ یا ۳۶ھ میں وفات پائی اور بعض کہتے ہیں کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں وفات پائی لیکن پہلا قول زیادہ صحیح ہے اور وہ خود کو فرمایا کرتے ”انا سلمان بن الاسلام“، یعنی میں اسلام کا بیٹا سلمان رضی اللہ عنہ ہوں“ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے کہ قریش خوب جانتے ہیں کہ زمانہ جاہلیت میں خطاب عزیز تھا۔ لیکن عمر بن الاسلام رضی اللہ عنہ، سلمان بن الاسلام رضی اللہ عنہ کا بھائی ہے۔

عقد مواخات

اسی سن اول ہجری کے واقعات میں سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا مہاجرین و انصار کے درمیان عقد مواخات باندھنا ہے۔ یہ رشتہ مواخات پینتالیس، پینتالیس اور ایک قول کے بموجب پچاس پچاس انصار اور مہاجرین کے درمیان باندھا گیا تھا۔ یہ عقد مواخات، باہمی یگانگت اور حق توارث میں مربوط کرنا تھا۔ یہ سب آئمہ کریمہ و اولو الارحام بغضہم اولی بغض فی کتاب اللہ (رحمی)

نماز عصر اور نماز عشاء میں دو دو رکعت کا اضافہ ہو گیا۔ اور نماز فجر کی دو رکعتیں بدستور برقرار رہیں۔ کیوں کہ ان میں قرأت طویل ہے۔ اور نماز مغرب کو بھی اسی طرح برقرار رکھا کیوں کہ وہ دن کے وتر ہیں۔

صحیح بخاری میں سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ دو در رکعت نماز فرض کی گئی پھر جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ منورہ ہجرت فرمائی تو دو اور چار رکعت فرض کی گئیں۔ اور سفر کی نماز کو پہلے فریضہ پر برقرار رکھا گیا۔ ”یہ حدیث نماز قصر کے وجوب میں احناف کی دلیل و حجت ہے۔ مگر بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ چار رکعت فرض تھی بعد کو مسافر پر کمی کر دی گئی۔ اس کی دلیل پر حدیث ہے کہ فرمایا: **إِنَّ اللَّهَ وَضَعَ مِنَ الْمُسَافِرِ نِصْفَ الصَّلَاةِ** بیشک اللہ نے اپنی نماز کو مسافر پر آدھی فرض فرمائی، بعض علماء فرماتے ہیں کہ حضر میں نمازیں چار رکعت شروع ہوئیں اور سفر میں دو رکعتیں۔ اسے مسلم وغیرہ نے روایت کیا ہے غرضیکہ مذہب حنفی میں قصر کا وجوب ہے اور مذہب شافعی میں رخصت و اجازت ہے اور اگر چار پڑھے تو عزیمت ہے اور احناف کے نزدیک رخصت کا اطلاق مجازاً ہے اسکی مفصل تحقیق و تفصیل فقہ کی کتابوں میں ہے۔

بھیڑیئے کا کلام کرنا

اسی سن اول ہجری کے واقعات میں سے بھیڑیے کا کلام کرنا ہے۔ منقول ہے کہ مدینہ منورہ کے باہر ایک بھیڑیا ریوڑ سے ایک بکری لے بھاگا۔ چرواہا اس بھیڑیے کے تعاقب میں گیا اور اس سے بکری چھین لے۔ بھیڑیے نے کہا اللہ تعالیٰ نے مجھے رزق دیا تھا اور تو نے اسے مجھ سے چھین لیا۔ چرواہا حیران رہ گیا اور کہنے لگا تعجب ہے کہ بھیڑیا بات کرتا ہے۔ بھیڑیے نے کہا یہ کوئی تعجب کی بات نہیں ہے۔ تعجب کی بات تو یہ ہے کہ ایک شخص مدینہ کے سنکستان اور نخلستان کے درمیان گزشتہ آؤ آئندہ کی خبریں دے رہا ہے اور تو اس کی تصدیق نہیں کرتا اس کے بعد وہ چرواہا جو یہودی تھا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور اس نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے بھیڑیے کے کلام کرنے کا قصہ بیان کیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ قیامت کی نشانیوں میں سے ایک نشانی ہے۔ بہت جلد وہ وقت آنے والا ہے جبکہ آدمی اپنے گھر سے نکلے گا اور ابھی گھر لوٹ کر نہ آئے گا کہ اس کی جوتیاں اور اس کا کوڑا اس کے جانے کے بعد جو کچھ گھر میں ہوا ہے سب کی خبریں دے گا۔

اس واقعہ کو علماء صدق نبوت کے معجزات کے ضمن میں بیان کرتے ہیں کہ بھیڑیے کا کلام کرنا حقیقت میں معجزہ ہے۔

عاشورہ کا روزہ

۱۵۱۔ اولا، ہاجرۃ الیقا، موسیٰ مجرم کے والد صحابہ کرام کو روزِ کھف کا حکم دنا لگا۔ سنا تا ایامِ احوال رضی اللہ عنہما۔

مروی ہے کہ جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ رونق افروز ہوئے تو یہود کو دیکھا کہ وہ روز عاشورہ کا روزہ رکھتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اس دن حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرعون کے شر سے نجات پائی اور تمام قبطی لشکر دریائے نیل میں غرق ہوا تھا۔ اس نعمت کے شکرانہ میں حضرت موسیٰ علیہ السلام باقی تمام عمر اس دن روزہ رکھتے رہے۔ اس پر سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہم اپنے بھائی موسیٰ علیہ السلام کی سنت کو زندہ رکھنے اور اس کا اتباع کرنے کے زیادہ حقدار اور مستحق ہیں۔ اور منادی کو بلا کر حکم دیا کہ اعلان کر دیں کہ اس دن روزہ

جو چاہے نہ رکھے۔ بعض کتابوں سے یہ مفہوم ظاہر ہوتا ہے کہ پہلے عاشورہ کا روزہ فرض تھا لیکن رمضان کے روزے کی فرضیت کے بعد اس کی فرضیت منسوخ ہو گئی۔

بخاری، مسلم، موطا، ابوداؤد اور ترمذی میں سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ قریش زمانہ جاہلیت میں عاشورہ کا روزہ رکھتے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی روزہ رکھا کرتے تھے۔ علماء فرماتے ہیں کہ قریش کا عاشورہ کے روزے کی پابندی کرنا غالباً شرائع سابقہ کی تلقین کے سبب ہو اسی لیے وہ اس دن کی عظمت کرتے تھے اور خانہ کعبہ پر غلاف چڑھاتے تھے۔

حضرت عکرمہ سے مروی ہے کہ زمانہ جاہلیت میں قریش سے کوئی گناہ سرزد ہوا تھا اور ان کے دلوں میں اس کا خوف بیٹھ گیا تھا تب ان سے کہا گیا کہ عاشورہ کا روزہ رکھو تا کہ اس گناہ کا کفارہ ہو جائے (کنذلی فتح الباری) سفر السعادة میں کہا گیا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم عاشورہ کا روزہ پابندی سے رکھا کرتے تھے۔ اور جامع الاصول میں نسائی سے منقول ہے کہ چار چیزیں ایسی ہیں جن کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کبھی ترک نہ فرماتے تھے عاشورہ کا روزہ، عشرہ ذی الحجہ کے روزے، ایام بیض کے روزے اور فجر کی فرض سے پہلے کی دو سنتیں نیز علماء عاشورہ کے روزے کے مراتب میں فرماتے ہیں کہ اس کی تین صورتیں ہیں۔ افضل و اکمل یہ ہے کہ تین روزے رکھے جائیں یعنی نویں، دسویں اور گیارہویں کا۔ اور دوسرا مرتبہ یہ ہے کہ دو روزے رکھے جائیں نویں اور دسویں کا۔ اور تیسرا مرتبہ یہ ہے کہ صرف دسویں کا روزہ رکھا جائے۔ فتح مکہ کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر میں نے آئندہ سال پایا تو نویں کا روزہ بھی رکھوں گا یعنی یوم عاشورہ کے ساتھ نویں کا روزہ بھی رکھوں گا اس نے اہل کتاب کی مخالفت مقصود تھی اور مسند امام احمد اور بزار میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یوم عاشورہ کا روزہ رکھو اور اس میں یہودی کی مخالفت اس سے پہلے اور اس کے بعد روزہ رکھ کر کرو۔ جیسا کہ سفر السعادة میں مذکور ہے۔

یوم عاشورہ کی فضیلت میں وارد ہوا ہے کہ یوم عاشورہ کا ایک روزہ ایک سال کے روزوں کے برابر ہے۔ ایک روایت میں آیا ہے کہ اس سے ایک سال کے گناہوں کا کفارہ ہو جاتا ہے۔ اور یوم عرفہ کے روزے کے بارے میں دو سال کے برابر واقع ہوا ہے۔ بعض علماء نے اس ضمن میں ایک نکتہ بیان کیا ہے کہ عاشورہ کا روزہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی شریعت سے ہے اور یوم عرفہ کا روزہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت سے ہے۔

براء رضی اللہ عنہ بن معرور کی رحلت

اسی بن اول بصری میں حضرت براء بن معرور رضی اللہ عنہ، نے وفات پائی۔ یہ نقباء انصار میں سے خزرجی اور اسلمی ہیں اور ان پہلے مسلمانوں میں سے ہیں جنہوں نے اپنی قوم کے کہنے پر عقبہ ثانیہ کی رات میں بیعت کی۔ اور یہی وہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے تہائی مال کی وصیت کی۔ اور یہی وہ پہلے شخص ہیں جس نے نقباء میں سب سے پہلے وفات پائی۔ وہ انصار کے سردار اور ان کے بڑے تھے۔ اہل سیر بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے سفر میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے مدینہ منورہ میں رونق افروز ہونے سے ایک ماہ پہلے وفات پائی۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ منورہ میں رونق افروز ہونے کے بعد صحابہ کرام کی جماعت کے ساتھ ان کی قبر کے کنارے نماز پڑھی اور دعا فرمائی کہ: اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لَهُ وَاَرْحَمْهُ وَاَرْضْ عَنْهُ وَقَدْ فَعَلْتَ۔

اسعد بن زرارہ کی وفات

حضرت اسعد بن زرارہ رضی اللہ عنہ کی وفات بھی اسی سال واقع ہوئی ہے یہ بھی نقباء انصار میں سے ہیں اور یہ عقبہ اولیٰ اور عقبہ

اور اس کی طرف آپ تین سال تک نمازیں پڑھتے رہے اور مدینہ منورہ میں رونق افروزی کے سترہ مہینے کے بعد کعبہ کو قبلہ بنایا گیا۔
منقول ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کسی صحابیہ کے یہاں تشریف فرما تھے کہ ظہر کی نماز کا وقت آ گیا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان صحابہ کے ساتھ جو اس وقت موجود تھے نماز شروع فرمادی۔ ایک روایت میں ہے کہ اس جگہ بنی سلمہ کی ایک مسجد بنی ہوئی تھی آپ اس میں نماز پڑھ رہے تھے اور دوسری رکعت کے رکوع میں تھے کہ تحویل قبلہ کی وحی نازل ہوئی آپ اسی وقت کعبہ معظمہ کی جانب پھر گئے اور جو صفیں آپ کے پیچھے تھیں وہ بھی پھر گئیں اور اس طرح نماز کو پورا کیا۔ بعض کتابوں سے معلوم ہوتا ہے کہ تحویل قبلہ کی وحی خارج نماز میں ہوئی تھی ایک قول یہ ہے کہ وہ نماز ظہر تھی جس میں تحویل قبلہ واقع ہوا۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنی مسجد شریف میں صحابہ کرام کے ساتھ نماز پڑھ رہے تھے۔ پہلا قول زیادہ ثابت ہے۔

صحیح بخاری میں یہ مروی ہے کہ سب سے پہلی نماز جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کعبہ کی جانب پڑھی وہ نماز عصر تھی۔ ممکن ہے کہ اس سے مراد یہ ہے کہ وہ مکہ مکرمہ میں نماز کعبہ کی جانب پڑھی ہو وہ نماز عصر تھی۔ جیسا کہ روضۃ الاحباب میں ہے۔

مدینہ منورہ میں جانب غرب میں مسجد فتح آدھے میل کے فاصلہ پر وادی عقیق اور بیر درومہ کے قریب ایک مسجد ہے جسے ”مسجد القبلتین“ کہتے ہیں، اہل سیر بیان کرتے ہیں کہ تحویل قبلہ اسی جگہ واقع ہوا۔ ظاہر ہے کہ وہ گھر اس صحابیہ کا ہوگا جہاں تحویل قبلہ کا حکم نازل ہوا۔ یہ جگہ ایسی ہے کہ بیت المقدس اور کعبہ معظمہ کی سمت ایک دوسرے کے مقابل واقع ہیں چنانچہ اگر بیت المقدس کی جانب رخ کریں تو کعبہ معظمہ کی طرف پشت ہوتی ہے اور اگر کعبہ معظمہ کی جانب رخ کریں تو بیت المقدس کی طرف پشت ہوتی ہے۔ جب تحویل قبلہ کا حکم نازل ہوا تو کچھ یہود و منافقین کے، دل میں شک اور کھوٹ پیدا ہوا۔ اس پر حکم رب نازل ہوا کہ:

لِلّٰهِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ يَهْدِي مَنْ يَّشَاءُ اِلٰى صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ ۝
مشرق و مغرب اللہ ہی کے ہیں وہ جسے چاہتا ہے۔ سیدھی راہ کی ہدایت فرماتا ہے۔

مطلب یہ کہ یہ حکم الہی سے ہے جس طرف چاہے پھیر دے۔ بعض مسلمانوں نے ان لوگوں کے بارے میں (جو تحویل قبلہ سے پہلے ہی اس جہان سے رخصت ہو گئے تھے جیسے براء رضی اللہ عنہ بن معرور اور اسعد بن زرارہ رضی اللہ عنہما وغیرہ دریافت کرنے لگے کہ ان کی نمازوں کا کیا حال ہے کیوں کہ انہوں نے تو بیت المقدس کی جانب نمازیں پڑھی ہیں۔ اس پر حق تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔
مَا كَانَ اللّٰهُ لِيُضِلَّ اِيْمَانَكُمْ۔
نہیں ہے اللہ کہ تمہارے ایمان کو راہِ گمراہی فرمائے۔

اس آئیہ کریمہ میں ایمان سے مراد نماز ہے کیوں کہ نماز ایمان کے اعمال میں اقویٰ و اعظم ہے۔ اور بجائے خود یہ کون سے توقف کی جگہ ہے۔ وہ بھی حکم الہی سے تھا اور یہ بھی حکم الہی سے ہے۔ کسی حکم کا منسوخ ہونا حکم سابق کے بطلان کا موجب نہیں ہے دونوں حکم حق ہیں۔

جب تحویل قبلہ واقع ہوا تو مسجد نبوی شریف کی دوبارہ تعمیر ہوئی اور مسجد قبا شریف کو بدلا گیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم خود بنفس نفیس اور صحابہ کرام پتھر اٹھاتے تھے۔

نکاح فاطمۃ الزہراء

۲ ہجری میں فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا کا نکاح حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کے ساتھ ہوا۔ سیدہ فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا کی ولادت بقول صحیح، اظہار نبوت سے پانچ سال پہلے ہے جس وقت کہ قریش خانہ کعبہ کی دراز آنے کی وجہ سے تعمیر کر رہے تھے۔ اور حضرت

علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے ان کا نکاح ۲ھ کی ماہ رمضان مبارک میں ہوا اور اس کی بناء ماہ ذولحجہ میں ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ ماہ رجب میں نکاح ہوا۔ بعض کہتے ہیں کہ ماہ صفر میں اور بعض کہتے ہیں کہ غزوہ احد کے بعد ہوا جیسا کہ جامع الاصول میں ہے۔ بوقت نکاح سیدہ فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا کی عمر شریف سولہ سال اور بعض کے نزدیک اٹھارہ سال تھی۔ اور حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی عمر مبارک اس وقت اکیس سال پانچ ماہ تھی۔ روایتوں میں آیا ہے کہ سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کیلئے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ، نے پیام دیا تھا اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے علت بیان کرتے ہوئے فرمایا میں ان کے نکاح میں وحی کا انتظار کر رہا ہوں اس کے بعد حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے پیام دیا ان کو بھی اسی طرح جواب مرحمت فرمایا۔ مشکوٰۃ میں مروی ہے کہ جب حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما نے ان کیلئے پیام دیا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وہ خود سال ہیں۔ پھر ام ایمن رضی اللہ عنہا نے حضرت علی کو ترغیب دی۔ روضۃ الاحباب میں کہا گیا ہے کہ صحابہ نے ان سے کہا آپ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اہل اور خواص میں سے ہیں آپ جا کر ان کیلئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو پیام دیں۔ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے فرمایا میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس بارے میں شرم رکھتا ہوں اور فرمایا جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کا پیام رد فرما دیا تو میرا پیام کیوں قبول فرمائینگے صحابہ نے کہا آپ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں بہت زیادہ مقرب اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا کے صاحبزادے اور حضرت ابوطالب کے فرزند ہیں۔ جاؤ اور شرم نہ کرو۔ اس کے بعد حضرت علی مرتضیٰ، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ کو سلام کیا۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سلام کا جواب دیتے ہوئے فرمایا اے ابوطالب کے فرزند کیا بات ہے کیسے ہمارے پاس آنا ہوا۔ عرض کیا میں اس لیے حاضر ہوا ہوں کہ میں فاطمہ رضی اللہ عنہا کا پیام اسنے لیے پیش کروں۔ اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مرحا و المأفرمایا۔ اور اس سے

قَالَ وَهُوَ الَّذِي خَلَقَ مِنَ الْمَاءِ بَشَرًا فَجَعَلَهُ نَسَبًا وَصِهْرًا وَكَانَ رَبُّكَ قَدِيرًا فَأَمْرُ اللَّهِ تَعَالَى
يَجْرِي إِلَى قَضَائِهِ وَقَضَاءٌ يَجْرِي إِلَى قُدْرَتِهِ وَلِكُلِّ قَضَاءٍ قُدْرٌ وَلِكُلِّ أَجَلٍ وَ لِكُلِّ أَجَلٍ
كِتَابٌ يَسْمُوحُ اللَّهُ مَا يَشَاءُ وَيُثَبِّتُ عِنْدَهُ أَمْرَ الْكِتَابِ ثُمَّ إِنَّ اللَّهَ أَمَرَ لِي أَنْ أَدْرَجَ فَاطِمَةَ مِنْ
عَلِيِّ بْنِ أَبِي طَالِبٍ النَّخِ.

جزری نے ”حسن حصین“ میں ابن حبان سے اپنی صحیح میں بیان کیا ہے کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی کا نکاح سیدہ
فاطمہ رضی اللہ عنہا سے کر دیا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنے کا شانہ اقدس میں تشریف لے گئے اور سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا تھوڑا
سا پانی لاؤ پھر سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا نے لکڑی کا پیالہ لیا اور اس میں پانی بھرا۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے پانی لے کر اپنا
لعاب دہن مبارک اس میں ڈالا۔ اور سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا قریب آؤ وہ قریب آئیں تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پانی کو
ان کے سینہ کے درمیان اور سر پر چھڑکا۔ اور فرمایا اے خدا میں ان کو اور ان کی اولاد کو تیری پناہ میں دیتا ہوں شیطان رجیم سے۔ اس کے
بعد فرمایا ”اے فاطمہ رضی اللہ عنہا! میری طرف پشت کرو۔ پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے شانوں کے درمیان پانی کے چھینٹے
دیئے اور فرمایا اے خدا میں ان کو ان کی اولاد کو تیری پناہ میں دیتا ہوں شیطان رجیم سے۔ پھر فرمایا پانی اور لاؤ۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ
فرماتے ہیں کہ میں سمجھ گیا تھا کہ اب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کیا کریں گے۔ تو میں کھڑا ہوا اور پانی بھر کر لایا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس
پانی کو لیا اور اس میں لعاب دہن مبارک ڈالا اور مجھ سے فرمایا میرے سامنے آؤ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے آگے کھڑا ہو گیا۔ حضور صلی
اللہ علیہ وسلم نے پانی کے چھینٹے میرے سر اور میرے چہرے پر دیئے اور فرمایا: اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اُعِیْذُ بِكَ وَذُرِّیَّتَهُ مِنَ الشَّیْطَانِ الرَّجِیْمِ
اے خدا میں ان کو اور ان کی اولاد کو تیری پناہ میں دیتا ہوں شیطان رجیم سے۔ اس کے بعد فرمایا ”بِسْمِ اللّٰهِ وَابْتَوٰی“ کہہ کر اپنی زوجہ
کے پاس جاؤ۔

بعض روایتوں میں آیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم روز نکاح، سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کو بعد نماز عشاء حضرت علی رضی اللہ عنہ
کے گھر لائے۔ پھر پانی کا پیالہ اٹھا کہ اس میں اپنا لعاب دہن شریف ڈال کر معوذتین اور دعا پڑھی اور حضرت علی رضی اللہ عنہ سے فرمایا
کہ اس پانی کو پی جاؤ۔ اس کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے وضو کیا اور سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا اس پانی کو پی جاؤ۔ اس کے بعد
حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر وضو کیا اور فرمایا ”اے خدا دونوں حائیں مجھ سے ہیں اور میں ان کا ہوں۔ اے رب جس طرح تو نے مجھ

سے ناپاکی کو دور کر کے پاک بنایا ہے اسی طرح ان دونوں کو پاک بنا۔“ اس کے بعد دونوں سے فرمایا۔ ”جاؤ اپنی خواب گاہ میں۔ اور
فرمایا ”اے خدا ان کے درمیان محبت والفت شامل فرما اور ان میں اور ان کی اولاد میں برکت دے۔ اور ان سے پریشانی کو دور فرما۔ ان
کے نصیب کو نیک گردان!! ان پر برکت نازل فرما اور ان سے بکثرت پاک اولاد پیدا فرما۔“

خطیب بغدادی نے سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدتنا فاطمہ رضی اللہ
عنہا کا نکاح حضرت علی رضی اللہ عنہ سے کر دیا تو سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا رونے لگیں اس پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے دریافت
فرمایا ”میری نخت جگر کس بات سے تم رونے لگیں۔“ انہوں نے کہا۔ ”یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ نے ایسے شخص کے ساتھ نکاح کر
دیا ہے جس کے پاس نہ مال ہے اور نہ کوئی چیز۔“ اس پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا تم اس سے راضی نہیں کہ حق تعالیٰ نے زمین
سے دو شخصوں کو برگزیدہ فرمایا جن میں سے ایک تمہارا والد ہے اور دوسرا تمہارا شوہر! اور حاکم نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت
کیا ہے کہ فرمایا کیا تم راضی نہیں کہ میں نے اس سے نکاح کیا ہے جو از روئے اسلام سب سے پہلے مسلمانوں میں سے ہے۔ اور علم کے

اعتبار سے ان سب میں دانا ترین ہے۔ تم میری امت کی عورتوں میں سب سے بہترین ہو جس طرح کہ مریم علیہا السلام اپنی قوم میں تھیں۔ طبرانی کی روایت میں ہے کہ فرمایا میں نے اس کے ساتھ تمہارا نکاح کیا ہے جو دنیا میں نیک بخت اور آخرت میں صالحین میں سے ہے۔

مروی ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے دریافت فرمایا کیا تمہارے پاس کچھ ہے۔ ”علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا ایک گھوڑا اور ایک زرہ رکھتا ہوں۔“ فرمایا۔ ”گھوڑا تو تمہارے لیے ضروری ہے لیکن زرہ کو فروخت کر دو اور اس کی قیمت میرے پاس لے آؤ۔“ انہوں نے اسے چار سو اسی درہم میں فروخت کر دیا اور قیمت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لے آئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے لے کر بلال رضی اللہ عنہ کو دیدیا۔ کہ اس سے عطر و خوشبو خرید لائیں۔ اور باقی رقم ام سلمہ رضی اللہ عنہ کو دی کہ اس سے سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کیلئے جہیز کا سامان فراہم کریں اور امور خانہ داری کا ساز و سامان مہیا کریں۔ انہوں نے دو چادریں، دو کتان کی نہالی، چار بالشت کپڑا، دو چاندی کے بازو بند، گدا، تکیہ، ایک پیالہ، ایک چکی، ایک مشکیزہ، اور کچھ مشروبات وغیرہ خریدے اور ان کو ترتیب کے ساتھ رکھ دیا۔

مروی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے امور خانہ داری تو اس طرح مقرر فرمایا کہ گھر کے کام مثلاً روٹی پکانا، جھاڑو دینا، چکی پیسنا وغیرہ سیدتنا فاطمہ الزہراء رضی اللہ عنہا انجام دیں اور باہر کے کام مثلاً اونٹ کو پانی چارہ دینا اور بازار سے سودا وغیرہ خرید کر لانا یہ علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ یا ان کی والدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا بہت اسد کریں۔

مروی ہے کہ سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا خود آگ کے سامنے بیٹھ کر روٹی پکاتیں، گھر میں جھاڑو دیتیں اور چکی پیستیں تھیں جس سے ان کا رنگ مبارک متغیر ہو گیا تھا اور ہاتھوں میں ٹھٹھ پڑ گئے تھے اور ان کے کپڑے گرد آلود ہو گئے تھے۔ ایک مرتبہ کسی خادمہ کی طلب میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہنچیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ”میں تمہیں ایسی چیز بتاتا ہوں جو خادم سے بہتر ہے۔ جب تم سونے کا ارادہ کرو تو ۳۳ بار سبحان اللہ، ۳۳ بار الحمد للہ، ۳۴ بار اللہ اکبر پڑھ لیا کرو۔ حضرت علی مرتضیٰ فرماتے ہیں کہ میں نے صفین کی رات کے سو اکسی بھی اس ورد کو نہ چھوڑا۔

مواہب لدنیہ میں اہل سیر بیان کرتے ہیں کہ علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا پر ولیمہ کیا۔ اس وقت ان کے پاس ولیمہ کیلئے کچھ موجود نہ تھا مگر انہوں نے ولیمہ کیا اور اپنی زرہ کو ایک یہودی کے پاس جو پرگروی رکھا۔ ان کے ولیمہ میں چند صاع جو، کھجوریں اور حبس کا کھانا تھا۔ اسے امام احمد نے روایت کیا ہے۔

زکوٰۃ، روزہ، رمضان، نماز عید فطر اور صدقہ فطر

۲ ہجری کے واقعات میں سے ماہ رمضان کے روزے کی فرضیت اور نماز عید اور صدقہ فطر ہے۔ یہ واقعہ اٹھارہ ماہ گزرنے کے بعد کا ہے۔ جب سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ میں رونق افروز ہوئے۔ صاحب مواہب فرماتے ہیں کہ اس سے پہلے زکوٰۃ کی فرضیت ہو چکی تھی۔ اور زکوٰۃ کی فرضیت بھی اسی سال ہوئی ہے۔ لیکن بعض ہجرت سے پہلے کہتے ہیں۔ انتہی۔

جہاد و قتال کا حکم

۲ ہجری کے واقعات میں سے امر جہاد و قتال کا واقعہ ہونا ہے۔ چنانچہ حق تعالیٰ نے نازل فرمایا:

اِذْ لِلَّذِينَ يَقَاتِلُونَ بِاَنفُسِهِمْ ظُلُمًا وَاِنَّ اللّٰهَ

ان لوگوں کو قتال کی اجازت دی جاتی ہے کیونکہ ان کے ساتھ ظلم کیا

عَلَى نَصْرِهِمْ لَقَدْ يُرْ

گیا ہے اور یقیناً اللہ ان کی مدد کرنے پر یقیناً قادر ہے۔

اس کے سوا اور بھی آیتیں ہیں جن میں جہاد و قتال کا حکم واقع ہوا ہے۔ اس سے پہلے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو قتال سے منع کیا گیا تھا۔ حالانکہ اس سے پہلے صحابہ کرام مجروح و مضروب آتے تھے۔ ان سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا کرتے کہ مجھے قتال کی اجازت نہیں دی گئی ہے۔ یہاں تک کہ جب ہجرت فرمائی تو اس کی اجازت دی گئی۔ اس میں حکمت ہے کہ چوں کہ مکہ مکرمہ میں مشرکین بہت زیادہ تھے اور ان کو غلبہ حاصل تھا مسلمان بہت کم، خال خال اور کمزور تھے اس بنا پر رب العزت کی حکمت کا اقتضاء ہوا کہ قتال کی مشروعیت کو اس وقت تک موخر رکھا جائے جب تک کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ میں رونق افروز نہ ہوں اور صحابہ کی جمعیت قائم نہ ہو چنانچہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ تشریف لے آئے اور صحابہ کی جمعیت ہو گئی تو نصرت سے الہی قائم ہوئی اور ان کیلئے مدینہ منورہ مجاہدوں کی بن گیا اور اعداء دین کے ساتھ جہاد و قتال مستقل طور پر شروع ہو گیا۔

غزوہ اور سریہ کی تعریف

اس میں ارباب سیر کی یہ اصطلاح جاری ہو چکی ہے کہ ہر وہ لشکر جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بنفس نفیس خود موجود ہوں اسے غزوہ اور غزوات کہتے ہیں اور جس لشکر میں خود موجود نہ ہوں بلکہ کوئی فوج روانہ فرمائی ہو اسے بعث اور سریہ کہتے ہیں۔ صاحب مواہب فرماتے ہیں کہ سریہ یعنی رات میں سیر کرنا ہے۔ اور اہل سیر کی اصطلاح میں لشکر کا وہ ٹکڑا جسے دشمن پر تاخت کیلئے بھیجا گیا ہو سریہ کہتے ہیں۔ صاحب مواہب فرماتے ہیں کہ سریہ لشکر کا وہ ٹکڑا ہے جو لشکر سے جدا ہو کر جائے پھر اسی لشکر میں لوٹ کر شامل ہو جائے اور ان کی تعداد سو سے پانچ سو تک ہو۔ اور اگر پانچ سو سے زیادہ ہو تو اسے ”منسہر“ (بروزن منبر) کہتے ہیں اور جو آٹھ سو سے زیادہ ہو اسے ”جیش“ کہتے ہیں اگر چار ہزار سے زیادہ ہو جائے تو ”حفل“ (بتقدیم جیم برحا) اور لشکر عظیم کو ”خمیس“ کہتے ہیں جس میں پانچ لکڑے ہوں، مقدمہ، قلب، میمنہ، میسرہ اور ساقہ، اور کتیبہ اور لشکر وہ ہے جو مجتمع ہو بکھرا ہوا نہ ہو۔

ان غزوات کی تعداد جس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم بنفس نفیس شریک ہو کر تشریف لائے ستائیس ہے۔ جیسا کہ مواہب میں ہے۔ اور صاحب روضۃ الاحباب کے قول کے بموجب اکیس اور ایک اور قول کے بموجب چوبیس بھی منقول ہے۔ اس کی وجہ تطبیق بھی بیان کی گئی ہے اور تعجب ہے کہ وہ قول جو صحیح بخاری میں زید رضی اللہ عنہ بن ارقم سے مروی ہے جو انیس غزوات کا ہے ذکر نہیں کیا گیا ہے۔ نو غزوات ایسے ہیں جن میں قتال واقع ہوا ہے وہ یہ ہیں غزوہ بدر، احد، احزاب، بنو قریظہ، بنو المصطلق، خیبر، فتح مکہ، حنین اور طائف۔

اور سرایا کی تعداد سینتالیس تھی اور بعض چھپن کہتے ہیں۔

صحیح بخاری میں ابن اسحاق سے مروی ہے کہ سب سے پہلا غزوہ جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کہا ”ابواء“ کا تھا اس کے بعد ”بواط“ کا اس کے بعد عثیرہ، اور ”ابواء“ ایک جگہ کا نام ہے جو جحفہ کے قریب ہے ”ابواء“ کی اصل ”ابوا“ تھی جو دبا سے ہے۔ اس کو بدل کر ابواء ٹام پڑ گیا۔ اور ابواء کو وڈان (بشد بدوال) بھی کہتے ہیں بعض کتابوں میں غزوہ وڈان بھی واقع ہوا ہے۔ اور صاحب مواہب فرماتے ہیں کہ ابواء اور وڈان دو قریب قریب جگہوں کے نام ہیں ان کے درمیان تین میل کا فاصلہ ہے اور ”بواط“ جہینہ کے پہاڑوں میں سے ایک پہاڑ کا نام ہے جو منع کے قریب ہے۔ اور عثیرہ، تصغیرہ کے صیغہ پر ہے اور آخر میں ہاء ہے بخاری میں عسیرہ سین سے بھی آیا ہے اور عثیرین سے بھی مروی ہے۔ لیکن غزوہ عسرة (بضم عین و سکون سین) بمعنی دشواری، غزوہ تبوک کا نام ہے جو آخری غزوہ ہے۔ لوگوں نے اس میں بڑی دشواریاں دیکھیں اور بہت تکلیفیں اٹھائیں ان کا تذکرہ آگے آئے گا۔ اب ہم ان تین غزوات کو اسی ترتیب کے ساتھ بیان

کرتے ہیں یہاں تک کہ سریہ جات کو بھی جو درمیان میں واقع ہوئے بیان کرتے جائیں گے۔ اسی ترتیب سے کتابوں میں ان واقعات کا تذکرہ آگے آئے گا۔ اب ہم ان تین غزوات کو اسی ترتیب کے ساتھ بیان کرتے ہیں یہاں تک کہ سریہ جات کو بھی جو درمیان میں واقع ہوئے بیان کرتے جائیں گے۔ اسی ترتیب سے کتابوں میں ان واقعات کا تذکرہ ہے۔

غزوۃ البواء

سب سے پہلا غزوۃ البواء کا ہے۔ روضۃ الاحباب میں ہے کہ یہ غزوہ دوسرے سال کے اول میں یا پہلے سال کے آخر میں واقع ہوا ہے۔ کیوں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ، کو مدینہ منورہ میں خلیفہ بنایا۔ اور خود صحابہ کرام کی جماعت کے ساتھ بنی ضمیرہ کے قافلہ پر جو قریش کا ایک قبیلہ ہے تاخت کرنے کے قصد سے باہر تشریف لائے۔ اور حامل لواء یعنی جھنڈا اٹھانے

بعث حمزہ رضی اللہ عنہ بن عبدالمطلب

انہیں دنوں جبکہ حضرت عبید رضی اللہ عنہ بن الحارث کو بھیجا گیا تھا مدینہ میں خبر پہنچی کہ قریشی تاجروں کی ایک جماعت مکہ مکرمہ لوٹ رہی ہے۔ تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ بن عبدالمطلب کی سرکردگی میں اسی مہاجرین کا رسالہ مرتب فرما کر قافلہ کی سرکوبی کیلئے روانہ فرمایا بعض لوگ کہتے ہیں کہ انصار کے لوگوں سے یہ رسالہ مرتب فرمایا تھا حالانکہ تحقیق یہی ہے کہ انصار کو غزوہ بدر سے پہلے کہیں اور روانہ نہیں کیا گیا تھا۔ ایک سفید علم ان کیلئے تیار کیا اور ابو مرشد غنوی کو اس لشکر کا علمدار بنایا۔ بعض اہل سیر کے قول کی بنا پر لشکر اسلام میں سب سے پہلے جو علم تیار کیا گیا وہ یہی تھا۔ حالانکہ پہلے بیان ہو چکا ہے کہ سب سے پہلا سریہ (لشکر) عبید رضی اللہ عنہ بن الحارث کا تھا۔ اکثر کا مذہب یہی ہے۔ صاحب مواہب ابن اسحق سے نقل کرتے ہیں کہ سب سے پہلا علم جو اسلام میں تیار کیا گیا وہ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کا علم ہے۔ لوگوں میں علم کے بارے میں جو یہ اشتباہ اور اختلاف واقع ہوا اس کی وجہ یہ ہے کہ دونوں لشکروں کی روانگی ساتھ ساتھ اور قریب قریب ہوئی تھی۔ اس بنا پر لوگوں کو شبہ ہو گیا کہ ان میں پہلا کون سا لشکر ہے۔ صاحب مواہب فرماتے ہیں کہ یہ بات مشکل معلوم ہوتی ہے کیوں کہ اہل سیر بیان کرتے ہیں کہ حضرت حمزہ کا لشکر سترہویں مہینہ میں اور حضرت عبید رضی اللہ عنہ کا لشکر اٹھارہویں مہینہ کے شروع میں روانہ ہوا تھا وہ فرماتے ہیں کہ ممکن ہے دونوں لشکروں کیلئے علم ایک ساتھ ہی تیار کیے گئے ہوں۔ پھر ابو عبید رضی اللہ عنہ کے لشکر کو اٹھارہویں مہینہ کے شروع تک کسی سبب سے روک رکھا ہوا اور اداۃ الہی کا یہی اقتضاء ہوا۔ (واللہ اعلم)

پھر حمزہ رضی اللہ عنہ کا لشکر ساحل دریا کے قریب تک گیا وہاں لشکر کفار انہیں مل گیا یہ تقریباً تین سو کفار تھے اور مسلمانوں کی تعداد صرف تیس۔ کفار کے اس لشکر میں ابو جہل بھی تھا۔ جانہین قتال کیلئے تیار ہو گئے تھے۔ مگر محمدی بن عمرو جبہی نے جو فریقین کا حلیف تھا دونوں کو جنگ سے باز رکھا۔ بالآخر ابو جہل لعین اور اس کا قافلہ مکہ مکرمہ چلا گیا اور حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ اپنے ساتھیوں کے ساتھ مدینہ منورہ لوٹ آئے۔

سریہ سعد بن ابی وقاص

اس کے بعد حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کی سرکردگی میں ایک لشکر خرار (فتح خوارائے مشدہ) کی طرف روانہ کیا۔ خرار پتھروں کی ایک وادی کا نام ہے جو جحفہ کے قریب ہے۔ یہ لشکر تیس مہاجرین پر مشتمل تھا۔ اور انیسویں مہینہ کے شروع میں قریش کے ایک اور قافلہ کی سرکوبی کیلئے روانہ کیا تھا۔ اس کیلئے سفید علم تیار کیا گیا۔ حضرت مقداد رضی اللہ عنہ بن الاسود اس کے علمدار تھے۔ جب لشکر اسلام وہاں پہنچا تو ان سے ایک روز پہلے ہی کفار کا قافلہ وہاں سے گزر گیا تھا مسلمانوں کا لشکر مدینہ منورہ لوٹ آیا۔

فائدہ: احادیث میں لواء یعنی علم کا ذکر آیا ہے۔ علم اس جھنڈے کو کہتے ہیں جو جنگوں میں کھڑا کیا جاتا ہے اور اس سے سپہ سالار (صاحب لشکر) کے مقام کا پتہ چلتا ہے۔ بسا اوقات علم کو مقدمۃ الخیش اٹھاتا ہے۔ اہل لغت کی ایک جماعت نے یہ صراحت کی ہے کہ ”لواء“ اور ”رایہ“ ہم معنی ہیں۔ لیکن مسند امام احمد اور ترمذی میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ایک حدیث ان لفظوں سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ”رایہ“ سیاہ تھا اور آپ کا ”لواء“ سفید۔ اور طبرانی کے نزدیک بھی حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ سے ایسا ہی مروی ہے۔ اور ابن عدی کے نزدیک حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے اتنا زیادہ مروی ہے کہ اس میں لکھا ہوا تھا لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ مُحَمَّدٌ رَسُولُ اللَّهِ ظاہر میں یہ روایتیں مختلف اور متغایر ہیں۔ ممکن ہے کہ ان دونوں کے درمیان فرق عرفی ہو۔ ابن اسحق اور ابو الاسود، عروہ سے روایت کرتے ہیں کہ سب سے پہلے جھنڈے کی ایجاد غزوہ خیبر میں ہوئی۔ اس سے پہلے کوئی نہیں جانتا تھا مگر ”لواء“ کو ان سب

باتوں کو صاحب مواہب نے بیان کیا ہے لیکن ان کے درمیان فرق کو نہیں بیان کیا۔ مگر بعض کتابوں سے معلوم ہوتا ہے کہ ”لواء چھوٹے جھنڈے کو اور رانت بڑے جھنڈے کو کہتے ہیں اور قاموس میں ہے کہ: **الْدَوَاءُ بِالْمَدِّ الْعِلْمُ**۔ اور صراح میں ہے کہ لواء چھوٹا جھنڈا ہے رانت کا اس میں ذکر نہیں کیا ہے۔

غزوہ بواط

دوسرے سال کے ربیع الاول کے مہینہ، اور ہجرت کے تیرہویں مہینہ کے شروع میں ”غزوہ بواط“ واقع ہوا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے علم سفید حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں اور مدینہ طیبہ میں حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کو دیا اور بعض کہتے ہیں کہ حضرت سائب رضی اللہ عنہ بن عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ کو دیا اور بعض کہتے ہیں کہ حضرت سائب بن عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ کو خلیفہ مقرر کیا اور دیگر صحابہ کو لیکر قریش کے اس قافلہ کی سرکوبی کیلئے روانہ ہوئے جس میں امیہ بن خلف جی تھا۔ روضۃ الاحباب میں ہے کہ اس کے ساتھ قریش کے سوادمی تھے اور ڈھائی ہزار اونٹ اس کے پاس تھے۔ مگر دشمنان دین سے ڈبھیر نہ ہو سکی اور بواط پہنچ کر واپس تشریف لے آئے۔

غزوہ عثیرہ

اس کے بعد غزوہ عثیرہ واقع ہوا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ سے جمادی الاولیٰ میں اور ایک روایت میں ہے جمادی الاخریٰ میں ہجرت سے سولہویں سال کے شروع میں ڈیڑھ سو صحابہ کے ساتھ ایک اور روایت میں ہے کہ دو سو صحابہ کے ساتھ باہر تشریف لائے اور سفید علم درست کر کے حضرت حمزہ بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ، کے سپرد فرمایا اور ابوسلمہ رضی اللہ عنہ بن عبدالاسد کو مدینہ منورہ کا عامل بنا کر اس قافلہ کی سرکوبی کیلئے روانہ ہوئے جس میں ابوسفیان ایک کثیر جماعت کے ساتھ تجارت کی غرض سے جا رہا تھا اور مقام عثیرہ تک پہنچ چکا تھا۔ چند روز حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس جگہ قیام فرمایا جب متحقق ہو گیا کہ ابوسفیان کا قافلہ پہلے گزر چکا ہے تو بنی مدج، کنانہ کی جماعت سے صلح اور معاہدہ کر کے واپس تشریف لے آئے۔ روضۃ الاحباب میں مذکور ہے کہ صلحنامہ تحریر کر کے مدینہ طیبہ واپسی ہوئی۔

کنیت ابوتراب کی وجہ

روضۃ الاحباب اور مدارج النبوت میں مذکور ہے کہ اسی سفر میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کی کنیت ابوتراب رکھی، اس کا قصہ یہ ہے کہ حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ، فرماتے ہیں کہ میں اور حضرت علی مرتضیٰ غزوہ عثیرہ میں کھجور کے ایک درخت کی جڑ میں سو رہے تھے۔ وہ زمین ریتیلی تھی اور ہم گرد آلود ہو گئے تھے۔ پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے سر ہانے تشریف لائے اور ہمیں جگایا اور علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے فرمایا ”یا ابوتراب“ اس کے بعد فرمایا اے علی رضی اللہ عنہ میں تمہیں اس کی خبر نہ دوں کہ تمام لوگوں میں بد بخت کون ہے؟ ”حضرت علی مرتضیٰ نے عرض کیا ”یا رسول اللہ ضرور خبر دیجئے۔“ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ”تمام لوگوں میں دو شخص سب سے زیادہ بد بخت ہیں ایک وہ جس نے حضرت صالح علیہ السلام کی اونٹنی کی کونچیں کاٹیں۔ اور دوسرا وہ جو تمہارے محاسن (یعنی داڑھی) کو گھگلوں کرے گا اور خون سے رنگے گا۔“ حضور صلی اللہ علیہ وسلم یہ فرماتے جاتے اور اپنے دست مبارک سے ان کے سر اور چہرے سے گرد جھاڑتے جاتے تھے ان دونوں کتابوں میں اسی طرح لکھا ہوا ہے لیکن مشہور قصہ یہ ہے کہ حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کی کنیت ابوتراب ہونے کی وجہ یہ ہے جسے بخاری و مسلم نے حضرت سہل رضی اللہ عنہ بن سعد ساعدی سے نقل کیا ہے کہ حضور صلی

اللہ علیہ وسلم حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے گھر سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کے پاس تشریف لائے اس سے پہلے وہ گھر سے باہر تشریف لے جا کر مسجد میں سو گئے تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم جب سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کے پاس تشریف لائے تو فرمایا کہ تمہارے ابن عم یعنی علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کہاں ہیں؟ اہل عرب کی عادت ہے کہ وہ اسی طرح کہتے ہیں اور شوہر وغیرہ نہیں کہتے۔ سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا ”میرے اور ان کے درمیان کچھ شکر رنجی ہو گئی ہے اور وہ غصہ میں باہر چلے گئے ہیں اور انہوں نے میرے پاس قیلولہ (دوپہر کا آرام) نہیں کیا۔“ اس کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی سے فرمایا کہ دیکھو وہ کہاں ہیں تو وہ شخص آیا اور اس نے بتایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وہ مسجد میں آرام کر رہے ہیں پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں ان کے سر ہانے تشریف لائے اور ان کو پہلو پر سوتے ہوئے ملاحظہ فرمایا ان کے پہلو پر نشانات پڑے ہوئے تھے اور ان کا بدن شریف خاک آلود ہو گیا تھا۔ اس پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ”قم اباتراب“ ابوتراب اٹھو۔ اس روز سے ان کی کنیت ابوتراب ہو گئی۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی رکھی ہوئی یہ کنیت اپنی اصل کنیت ابوالحسن کے مقابلہ میں بہت محبوب اور گرامی تر جانتے تھے۔ ان کے مخالفین و معاندین اس کنیت کو بغرض تفتیش و تحقیق بولتے تھے حالاں کہ اس میں ان کی کمال تعظیم و تکریم ہے (رضی اللہ عنہ)

عنه، خدائے عز و اسمہ کے نام اور اس کی برکت کے ساتھ اپنے ساتھیوں کو لے کر اس جگہ تک جاؤ جس کا نام 'بطن نخلہ' ہے۔ وہاں قیام کرو اور قریش کے قافلہ کی گھات میں بیٹھ جاؤ۔ اور تمہیں لازم ہے کہ کسی کو اپنے ساتھ جبراً نہ لے جانا جو جانا چاہے جائے اور نہ چاہے لوٹ آئے۔"

حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ ۱۰ سالہ کر مضمرہ ۱۰ سالہ آخر ہوا۔ زکوٰۃ فرماوا۔ نہاد کے بھو حصہ بطر، نخلہ کا، جانب روانہ ہو گئے۔ اور حضرت سعد

بیٹھے اور حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ سے اجازت طلب کر کے اونٹ کی تلاش میں چل دیئے اور پیچھے رہ گئے۔ جب حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ بطن نخلہ پہنچے اور اس منزل میں قریشی قافلہ کی گھات میں بیٹھ گئے۔ اچانک قریش کا قافلہ طائف کی جانب سے مویر منقی، خشک چمڑا اور طائف کا دیگر ساز و سامان لیے ہوئے وہاں پہنچا۔ کفار کے اس قافلہ میں عمرو بن الحضر می، حکم بن کیسان، عثمان بن عبداللہ اور اس کا بھائی نوفل بن عبداللہ مخزومی تھا۔ اس دن رجب کی پہلی تاریخ تھی مگر مسلمانوں کو یہ شبہ ہوا کہ یہ جمادی الاخریٰ کی آخری تاریخ ہے۔ انہوں نے جلدی کی کہ مبادا ماہ رجب آجائے اور شہر حرام کی بے حرمتی لازم آئے۔ انہوں نے قافلہ والوں پر حملہ کر دیا اور واقعہ رضی اللہ عنہ بن تیمی نے ایک تیر عمر بن الحضر می کے مارا۔ جس سے وہ ہلاک ہو گیا۔ حکم بن کیسان اور عثمان بن عبداللہ کو قید کر لیا گیا۔ باقی کفار بھاگ کھڑے ہوئے اور اس قافلہ کا کل مال، اور تمام مال، و متاع غنیمت میں، ماتھ آبا۔ اسلام میں، یہ سب سے سہلا مال غنیمت اور عثمان بن عبداللہ اور حکم

بوجھ کر کر رہے ہو وہ ابنِ حضرمی کے قتل اور ابنِ کیسان کی قید سے زیادہ بڑا گناہ ہے۔ لہذا تم ان پر طعن و تشنیع کی زبان کیوں کر دراز کر سکتے ہو۔“ اس کے بعد حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ بن جحش کے دل پر سے غم کا بوجھ اتر گیا۔ اور ان کے ساتھیوں نے خوشی و مسرت کا اظہار کیا۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے موقوف شدہ مال غنیمت کو تقسیم کر کے خمس کو قبول فرمایا۔ ایک روایت میں یہ ہے کہ اس مال غنیمت کو غزوہ بدر کے بعد اس کے اموال غنیمت کے ساتھ تقسیم فرمایا۔

اس کے بعد اہل مکہ نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ان کے قیدیوں کیلئے حکم و عثمان کا فدیہ بھیجا مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ان کو اس وقت تک نہ چھوڑا جائے گا جب تک کہ حضرت سعد بن ابی وقاص اور عقبہ رضی اللہ عنہ بن غزوہ ان سلامتی کے ساتھ مدینہ منورہ نہ آجائیں گے ان کے اونٹ گم ہو گئے تھے اور یہ دونوں ان کی تلاش میں جانے کے بعد اب تک مدینہ طیبہ واپس نہ آئے تھے۔ پھر جب یہ دونوں مدینہ طیبہ آ گئے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ”حکم“ کو اسلام کی دعوت دی اور وہ مسلمان ہو کر نیکو کار بن گئے اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں رہنے لگے یہاں تک کہ انہوں نے ”پیر معونہ“ کے روز شہادت پائی۔ اور عثمان بن عبداللہ مکہ چلا گیا اور حالت کفر میں ہی مرا۔

غزوہ بدر

ہجرت کے دوسرے سال غزوہ بدر کا واقعہ پیش آیا۔ اس غزوہ کو ”غزوہ بدر کبریٰ“ اور ”غزوہ بدر عظمیٰ“ بھی کہتے ہیں۔ بدر ایک بستی کا نام ہے جو بدر بن خالد بن نضر بن کنانہ سے منسوب و مشہور ہے اس نے اس جگہ پڑاؤ کیا تھا۔ یا یہ بستی بدر بن حارث سے منسوب ہے جس نے یہاں کنواں کھودا تھا۔ اور بعض کہتے ہیں کہ وہاں ایک بوڑھا شخص مدقوں سے رہتا تھا جس کا نام بدر تھا۔ اس بناء پر اس بستی کو اسی کے نام سے منسوب کر دیا۔ یا اس کا نام اس بناء پر ہے کہ اس کا دائرہ وسیع تھا اور اس کا پانی اتنا صاف و شفاف تھا کہ اس میں بدر کا مل نظر آتا تھا۔

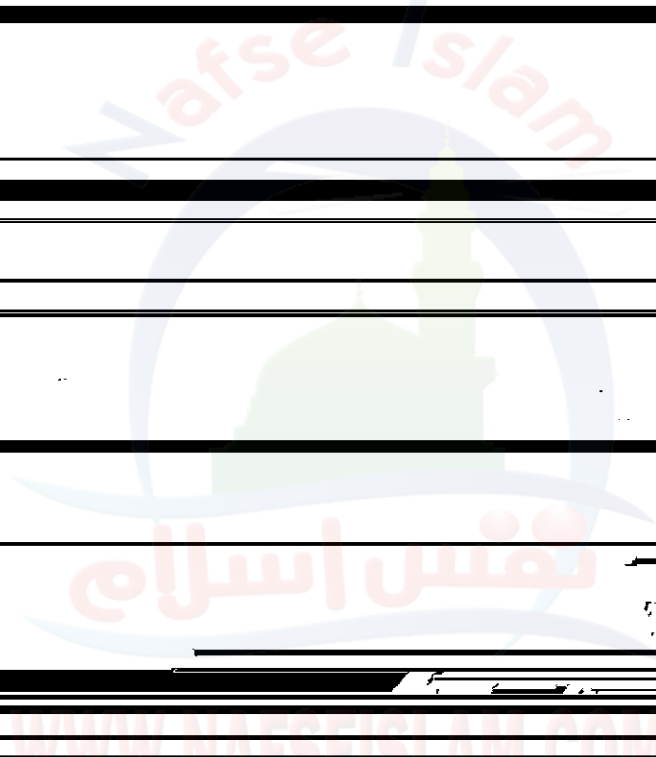
حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام غزوات میں یہ بہت عظیم غزوہ تھا کیوں کہ اس کے ذریعہ دین کی عزت و شوکت روشن ہوئی اور اسلام کا ناموس تاباں ہوا۔ اس دن کو ”یوم الفرقان“ سے تعبیر کیا گیا ہے کیوں کہ اس سے حق و باطل کے درمیان فرق و امتیاز رونما ہوا تھا فرمایا: یوم النقیۃ الجمعان مطلب یہ کہ مسلمان اور کافر اس دن جمع ہوئے اور اس دن حق تعالیٰ نے اسلام اور مسلمانوں کو غالب فرمایا اور کفر کی بنیادوں کو شکست و پامال کر کے ذلیل و خوار بنایا۔ حالانکہ مسلمانوں کی تعداد کم اور دشمنان دین کی تعداد زیادہ تھی اور کفار جنگ کے پورے ساز و سامان سے لیس ہو کر اترتے اور تکبر کرتے آئے تھے۔ مگر حق تعالیٰ نے اپنے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو عزت دی اور اپنے دین کو مضبوط و قوی فرمایا اور اس کے جاہ و جلال کے چہرے کو منور و روشن بنایا۔ اور شیاطین کو ذلیل و خوار کر کے ان کو رو سیاہ کیا۔ اور اپنے مسلمان بندوں پر اس کا احسان ظاہر کرتے ہوئے فرمایا لَقَدْ نَصَرَكُمُ اللَّهُ بِبَدْرٍ وَأَنْتُمْ أَذِلَّةٌ۔ یقیناً اللہ نے بدر میں تمہاری مدد فرمائی درانحالیکہ تم بے سروسامان تے۔ تاکہ جان لیں کہ مدد خدا ہی کی طرف سے ہے۔ نہ کثرت و قلت کی بناء پر و ما النصر الا من عند اللہ العزیز الحکیم کوئی مدد نہیں مگر عزت والے حکمت والے اللہ ہی کی طرف سے ہے۔

اس غزوہ کیلئے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت کے انیسویں مہینہ میں بارہ رمضان مبارک کو روانہ ہوئے تھے۔ بعضوں نے آٹھ رمضان کہا ہے اور قتال سترہ رمضان مبارک روز جمعہ واقع ہوا بعض نے کہا کہ شنبہ تھا آپ نے حضرت ابولبابہ رضی اللہ عنہ انصاری کو مدینہ طیبہ میں خلیفہ بنایا تھا۔ اس غزوہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جماعت انصار بھی تھی۔ اس سے پہلے کسی غزوہ یا کسی سریرہ میں انصار نے شرکت نہ کی تھی۔ کیوں کہ بیعت عقبہ میں ان کے ساتھ یہ عہد و پیمان ہوا تھا کہ وہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت اور

دشمنان دین سے مدافعت اپنے گھروں میں کریں گے۔ چنانچہ انہوں نے واقعی کبھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اس حال میں نہ چھوڑا کہ کوئی آپ کے حال سے تعرض کرتا اس غزوہ میں مسلمانوں کی تعداد تین سو تیرہ تھی جن میں سے ستر مہاجرین اور دو سو چھتیس انصار تھے۔ مگر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہم رکابی میں صرف تین سو پانچ اصحاب تھے۔ اسی مہاجرین اور بقیہ انصار تھے۔ اور بقیہ آٹھ اصحاب وہ تھے کہ کس اعزاز کا وہ سزاوار نہ ہو سکے تھے مگر اموال غنیمت میں سے ان کو بھی حصہ عطا فرمایا گیا تھا اہل بیت ان کو بھی اہل بدر میں شمار کرتے



تیزی کے ساتھ وہاں سے نکل گیا۔ جب وہ حضور اور ان کے صحابہ کے ارادوں سے باخبر ہوا تو اس نے ضمضم بن عمرو غفاری کو مکہ مکرمہ اپنی مدد کیلئے روانہ کیا تاکہ وہ مکہ والوں کو بتائے کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ہم پر تاخت کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں اور جتنی جلد ممکن ہو وہ قافلہ کی مدد کیلئے پہنچیں اور اپنے اموال کی حفاظت کریں۔ ضمضم غفاری بسرعت تمام مکہ مکرمہ پہنچا اور کفار قریش کو حالات سے باخبر کیا۔ جب ابو جہل العین، زبیر بن عوف، کنزہ کا محرم (صلی اللہ علیہ وسلم) اور ان کے اصحاب اس خیال سے مکہ کے متعلق غصہ و خروش ہوئے تو انہوں نے



فاروق رضی اللہ عنہ، نے بھی نفیس ترین باتیں کہیں اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان باتوں پر خوشنودی کا اظہار فرمایا اور انہیں دعائے خیر دی اس کے بعد حضرت سعد رضی اللہ عنہ بن عبادہ نے کھڑے ہو کر عرض کیا ”یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے کام میں غور و فکر فرمائیے ان باتوں کو چھوڑیے، خدا کی قسم! اگر آپ ہمیں ”عدن“ (ایک مقام کا نام ہے) تک لیجا جائیں گے تو ہم انصار میں سے کوئی ایک بھی خلاف ورزی نہیں کرے گا۔“ اس پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کیلئے دعائے خیر فرمائی۔ ان کے بعد حضرت مقداد رضی اللہ عنہ بن عمروؓ کہہ کر اٹھ اٹھا، ”یا رسول اللہ! ہم آج کرا تھے ہو آج صلی اللہ علیہ وسلم حال رہا ہے، ہمیں لڑھا ہے، ہم کچھ بھی اچھا

بات منہ سے نہ نکالیں گے جو بنی اسرائیل نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہی تھی کہ فَاذْهَبْ اَنْتَ وَ رَبُّكَ فَقَاتِلَا اَنْبَا
الخ..... حضور صلی اللہ علیہ وسلم آپ اور آپ کا رب دونوں جا کر لڑیں اور ہم بھی آپ کے ساتھ مل کر لڑنے والوں میں سے ہیں، قسم
ہے اس ذات کی جس نے آپ کو حق کے ساتھ بھیجا ہم آپ کے ساتھ جائیں گے اور جہاں آپ جائیں گے آپ کے ساتھ مل کر مردانہ
واریزیں گے۔ اگرچہ آپ ”برگ غمادک جائیں“ ”برگ غماد“ حبشہ کے شہروں میں سے ایک شہر ہے۔ اس پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے
تقسیم فرمایا اور ان کیلئے دعائے خیر فرمائی۔ اس کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم مجھے مشورہ دو، یہ خطاب انصار کی طرف تھا اور اس
سے مقصود ان سے استئراج و استکشاف حال تھا۔ اس کلام کی شرح میں مفسرین کہتے ہیں کہ چونکہ بیعت عقبہ کے وقت انصار نے کہا تھا کہ
ہم آپ کے اس عہد سے اس وقت تک باہر ہیں جب تک کہ آپ ہمارے گھروں میں رونق افروز نہیں ہوتے اور جب آپ ہمارے
گھروں میں رونق افروز ہو جائیں گے تو یہ ہمارا عہد و پیمان ہے کہ ہم آپ کی دشمنی سے حفاظت اور ان سے مدافعت کریں گے اور آپ
کی ہر اس چیز سے حمایت کریں گے جس چیز سے اپنی جانوں، اپنی اولاد، اور اپنی بیبیوں کی حمایت کرتے ہیں۔“ ان کی اس بات سے یہ
مترشح ہوتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ان کی حمایت اس وقت تک مخصوص ہے جب تک آپ مدینہ میں تشریف فرما ہوں اور
چونکہ مذکورہ حالات میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ میں تشریف فرما نہیں تھے اس لیے انصار کی حمایت شامل حال نہیں رہتی حالانکہ انصار
کی مراد یہ تھی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے تشریف لانے اور ان کے یہاں اقامت فرمانے کے بعد ہمیشہ اور ہر حالت میں آپ کی
خدمت و حمایت میں رہیں گے۔ اس پر حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ، نے عرض کیا۔ ”یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! کیا یہ خطاب
ہماری طرف ہے؟“ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ”ہاں!“ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا۔ ”ایسی کوئی بات نہیں ہے ہم تو آپ
پر ایمان لائے ہیں۔ آپ کی تصدیق کی ہے اور ہم نے ہر اس چیز کی گواہی دی ہے جو آپ خدا کی طرف سے لائے ہیں اور اپنے عہد و
پیمان کے ذریعہ ہم نے آپ کو تصدیق فراہم کی ہے۔ اور آپ کی سمع و طاعت اور فرمانبرداری پر آپ کو اعتماد اور بھروسہ دلایا ہے۔ لہذا
اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! چلیے جہاں آپ کی مرضی ہو، قسم ہے اس ذات کریم کی جس نے آپ کو حق کے ساتھ بھیجا۔ اگر آپ
چلیں اور ہمیں دریا میں ڈال دیں تو ہم دریا میں بھی پھاند جائیں گے۔ اور ہم میں سے ایک شخص بھی آپ سے پیچھے نہ رہے گا۔ ہمیں اپنے
دشمنوں کے ساتھ ہڈ بھینٹ کرنے میں کوئی عذر نہیں ہے۔ ہم دشمن سے ہڈ بھینٹ ہو جانے پر صبر کرنے والوں اور صادقوں میں سے ہیں۔ امید

جانے کے مقامات کی طرف اشارہ فرمایا۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے زمین پر اپنا دست مبارک رکھ کر فرمایا ”یہ فلاں کے مرکز گرنے کی جگہ ہے، یہ فلاں کے مرکز گرنے کی جگہ ہے، یہ فلاں کا مقتل ہے اور یہ فلاں کی جائے کشتن ہے اور ایک ایک مارے جانے والے کا نام اور اس کے مقتل کا نشان بتایا۔ اور ان میں سے کوئی ایک بھی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بتائی ہوئی جگہ کے برخلاف نہ مارا گیا۔

تنبیہ: صاحب مواہب کا کہنا ہے کہ ابن سید الناس سے (جو ”عیون الاثر میں ہے) مروی ہے کہ بطریق مسلم ہم نے اسے بیان کیا ہے کہ یہ قول سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کا ہے۔ حالانکہ یہ سعد رضی اللہ عنہ بن عبادہ سے روایت کردہ ہے۔ لیکن مشہور سعد رضی اللہ عنہ بن معاذ سے ہے۔ ابن اخطی وغیرہ بھی ایسا ہی روایت کرتے ہیں اور حضرت سعد رضی اللہ عنہ بن عبادہ کے بدر میں حاضر ہونے میں اختلاف کیا گیا ہے۔ اور ابن عقبہ نے بدر میں ان کا ذکر نہیں کیا اور نہ ابن اخطی نے ذکر کیا۔ واقدی، مدائنی اور ابن کلبی ان کو بدریوں میں شمار کرتے ہیں، اتنی۔ جب قریش کا لشکر منزل جحفہ میں اترا تو جہم بن الصلت بن مخزوم بن المطلب بن عبد مناف نے خواب میں دیکھا کہ ایک شخص گھوڑے پر سوار آ رہا ہے اس کے ساتھ ایک اونٹ ہے وہ کہہ رہا ہے کہ عقبہ شیبہ، ابوالحکم بن ہشام (ابو جہل لعین) امیہ اور فلاں فلاں مارے گئے ہیں اس کے بعد ایک چھری اس نے اپنے اونٹ کی گردن میں ماری اور لشکر کے خیموں میں سے کوئی ایک بھی ایسا نہ تھا جس میں اس کا خون نہ چکا ہو۔ اور وہ شخص وہاں سے چلا گیا۔“ اس واقعہ کی خبر جب ابو جہل کو ہوئی تو کہنے لگا کہ بنی المطلب میں سے یہ ایک اور نبی پیدا ہوا ہے عنقریب لوگوں کو معلوم ہو جائے گا کہ مقتل کون ہیں۔ جیسا کہ ہم نے جمیعت و طاقت فراہم کی ہے۔“

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ابو جہل سرگروہ ملا عنہ، ہمیشہ ہی انکار و استہزاء میں گرفتار اور بارگاہ نبوت کے ساتھ بیہودہ گوئی میں مشغول رہا ہے۔ جیسا کہ اس ناپاک کی زبان سے نکلا ہے ”کہ عنقریب لوگوں کو معلوم ہو جائے گا کہ مقتل کون ہیں۔“ وہ خود دیکھ لے گا کہ اسے کس نے ہلاک کیا ہے وہ عفراء کے دونوں فرزند معاذ و معوذ ہیں جنہوں نے اسے زخمی کر کے ذلت و خواری کے ساتھ خاک و خون میں لتھیرا اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے آ کر اس شقی کے سینہ پر بیٹھ کر اس کے سر کو اس کے ناپاک جسم سے جدا کیا۔ (نعوذ باللہ من الشقاۃ)

ارباب سیر بیان کرتے ہیں کہ جب ابوسفیان اپنے قافلہ کو خطرے سے نکال لے گیا تو اس نے کسی کو قریش کے پاس بھیجا کہ قافلہ اب خطرے سے نکل آیا ہے لہذا تم لوگ لوٹ آؤ اور محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے درپے نہ ہو۔“ قریش کے عقلاء اور ان کے مدبرین بھی انہیں اس سے منع کرتے اور باز رکھتے تھے۔ عتبہ و شیبہ بھی انہیں مانعین خروج میں سے تھے۔ عداس نصرانی جو عتبہ و شیبہ کے غلام تھے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لا چکے تھے وہ بھی اپنے مالکوں کو یہی رائے دے رہے تھے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں۔ ان کے ساتھ جنگ نہ کرو اور شقاوت و بد بختی میں مبتلا ہونے سے باز آ جاؤ۔ لیکن ابو جہل خون گرفتہ مصر تھا جو اس فتنہ و فساد سے باز نہ آتا تھا وہ کہتا تھا کہ ”ہم حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے جنگ کرنے سے باز نہیں رہیں گے۔ خدا کی قسم! ہم بدر میں پہنچنے سے پہلے واپس لوٹ نہیں سکتے۔ وہاں ہم تین دن ٹھہریں گے۔ اپنے اونٹوں کو ذبح کریں گے، جشن منائیں گے، شراہیں پیئیں گے گانے سنیں گے اور خوب لطف اندوز ہوں گے۔ تاکہ ہماری عظمت و شوکت کا غلغلہ ہر طرف کے قائل عرف میں پھیل جائے۔ اس کے بعد وہ ہم سے ڈرا کریں گے۔“

بدر میں ہر سال قبائل عرب کا ایک میلہ لگتا تھا۔ اس ابو جہل لعین نے جو کچھ اپنی زبان سے کہا وہ گویا اپنی زبان حال سے کہہ رہا تھا کہ ہم بدر میں پہنچے بغیر واپس نہ لوٹیں گے اور وہاں فسق و فجور اور کفر و شرک کے فساد کی گرم بازاری کیلئے جمع ہوں گے اور ذلت کی خاک میں سو کر

ابوسفیان اگرچہ قریش کو بدر جانے سے منع کرتا تھا اور انہیں روکتا تھا لیکن جب قافلہ مکہ میں پہنچ گیا تو فوراً ہی لوٹ پڑا اور یہ بھی لشکر قریش میں شامل ہو گیا۔

اس کے بعد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بدر کی جانب کوچ فرمایا اور بدر کے قریب پہنچ کر نزول فرمایا۔ لشکر قریش نے دوسری جانب پڑاؤ کیا۔ قرآن کریم میں اسے اس طرح ارشاد فرمایا گیا ہے کہ **أَنْتُمْ بِالْعُدْوَةِ الدَّنْيَا وَهُمْ بِالْعُدْوَةِ الْقُصْوَى**۔ عدوہ کے معنی وادی کا کنارہ ہے اور دنیا دنو سے ہے جس کے معنی ہیں مدینہ سے قریب۔ اور قصوہ کے معنی بعید کے ہیں یعنی مدینہ سے دور گویا مسلمانوں نے مدینہ کے قریب وادی کے کنارے نزول کیا اور کفار نے اس سے دور کنار کی طرف جو مکہ کی جانب ہے پڑاؤ کیا۔ جس جانب مسلمان اترے تھے علاقہ ریگستان کا تھا جس میں ان کے ماؤں اور سوار یوں کے سم زانو تک دھستے تھے۔ اور ان پر پیاس کا بھی غلبہ تھا۔ اور جس

جانب کافروں نے پڑاؤ کیا تھا اس جگہ پانی تھا جس کو انہوں نے قبضہ میں کر رکھا تھا۔ انہوں نے متعدد کنویں بھی کھود رکھے تھے۔ بعض مسلمانوں نے جنہی یعنی ناپاکی کی حالت میں صبح کی تھی۔ اس وقت شیطان نے کچھ مسلمانوں کے دلوں میں یہ وسوسہ ڈالا کہ کیا تم یہ خیال کرتے ہو کہ تم حق پر ہو اور تمہارے ساتھ خدا کا نبی ہے اور تم خدا کے محبوب ہو حالانکہ حال یہ ہے کہ مشرکوں نے پانی پر قبضہ کر رکھا ہے اور تم پیاس سے جاں بلب ہو اور اب جنہی و ناپاک بھی ہو گئے ہو اور تمہارے دشمن منتظر ہیں کہ تم تشنگی سے کمزور اور تمہارے قویٰ مضحل ہو جائیں تو وہ جس طرح چاہیں تمہیں نیست و نابود کرنے کا حکم دیں۔ اور اس وسوسہ شیطانی کے دوران حق تبارک و تعالیٰ نے ایسی بارش نازل فرمائی کہ پورے وادی جل تھل ہو گئی۔ سب پانی سے سیراب ہوئے، غسل کیا، وضو کیا، اونٹوں کو پانی پلایا اور مشکیزے بھر کر رکھ لیے اور مسلمانوں کی اقامت گاہ جو ریگزار تھی مضبوط و سخت ہو گئی اور کفار کی زمین میں کیچڑ ہو گئی۔ شیطان کا وسوسہ جاتا رہا اور مسلمانوں کو اطمینان و سکون حاصل ہوا، اللہ تعالیٰ اس کی خبر اس طرح بیان فرماتا ہے کہ

وَنَزَّلْنَا عَلَيْكُمْ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً لِّيُطَهِّرَ كُمْ بِهِ اور اللہ نے آسمان سے پانی اتار دیا کہ اس سے تم پاکی حاصل کرو، اور

وَيَذْهَبَ عَنْكُمُ رَجَزَ الشَّيْطَانِ حق تعالیٰ تمہارے دلوں سے شیطان کا وسوسہ دور فرما دے۔

ارباب سیر بیان کرتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہ کے ساتھ میدان جنگ کو ملاحظہ فرمایا آپ اپنے دست مبارک کو زمین پر رکھ کر مشرکوں کے قتل ہو کر گرنے کے نشانات لگاتے جاتے تھے۔ اور فرماتے جاتے کہ فلاں فلاں اس جگہ قتل ہو کر گرے گا۔ اس طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر ایک کی نشاندہی فرمادی چنانچہ اس جگہ سے ایک بالشت بھی تفاوت و تجاوز نہ ہوا۔

اور صورت ہو تو آپ اپنی سواری پر سوار ہو کر اپنے ان ساتھیوں کے ساتھ جو مدینہ منورہ ہیں مل جائیے گا کیوں کہ وہ آپ کی محبت میں ہم سے کم نہیں ہیں۔“ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سعد رضی اللہ عنہ کو بہت دعائے خیر دی۔ اس کے بعد انہوں نے قریش بنایا آج اس قریش کی جگہ مسجد بنی ہوئی ہے۔ جیسا کہ دیگر مقامات اور آثار شریفہ کے جگہوں میں مسجدیں بنی ہوئی ہیں۔

اس کے بعد لشکر کفار نمودار ہوا۔ حضرت اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب انہیں دیکھا تو بارگاہ الہی میں مناجات کی کہ اے رب قریش کی یہ قوم بڑے تکبر و غرور کے ساتھ آئی ہے یہ چاہتے ہیں کہ تیرے اور تیرے رسول کے ساتھ جنگ کریں۔ اے خدا، میں تیری اس مدد کا منتظر ہوں جس کا تو نے مجھ سے وعدہ فرمایا ہے۔“ اس وقت مسلمانوں کا لشکر بھی میدان میں آ گیا۔ ارباب سیر بیان کرتے ہیں کہ قریش نے ایک لشکر بھیجا تا کہ وہ اندازہ لگائے کہ مسلمانوں کی تعداد کتنی ہے۔ اس لشکر نے مسلمانوں کا چکر لگا کر بتایا کہ مسلمان کم و بیش تین سو ہیں۔ پھر اس نے ادھر ادھر بھی نظر دوڑائی مگر اسے کچھ اور نظر نہ آیا۔ اس نے کہا اے گروہ قریش! میرے اہل و عیال، کہہ دو کھلا سر جو

نے چاہا کہ آخر عمر میں میرا جسم آپ کے جسم مبارک سے مس ہو جائے۔“ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کیلئے دعائے خیر فرمائی۔
اس کے بعد لشکر کفار میں سے عتبہ بن ربیعہ اور ولید بن عتبہ نکل کر باہر آئے اور تینوں نے اپنا مقابل طلب کیا۔ مسلمانوں کے لشکر

رواح کفار نے پوچھا تم کون ہو انہوں نے جواب دیا ہم انصاری ہیں۔ ان کافروں نے کہا تمہارے ساتھ ہمیں کوئی سروکار نہیں ہم اپنے چچاؤں کے بیٹوں کو بلاتے ہیں۔ اور ان میں سے ایک نے آواز دے کر کہا ”اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ہماری قوم میں سے ہمارے ہم کفو کو بھیججو، اس پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عبید رضی اللہ عنہ بن الحارث اور حضرت حمزہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہم سے فرمایا جاؤ ان کے ساتھ مبارزت یعنی مقابلہ کرو۔ پھر یہ تینوں نکلے اور میدان میں آئے اس بار ان کافروں نے کہا ”ہاں تم ہمارے برابر کے ہو۔ پھر حضرت عبید رضی اللہ عنہ جو بہت بوڑھے تھے اور ان کی عمر اسی سال کی تھی عتبہ کے مقابل آئے۔ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ شیبہ کے مقابل ہوئے۔ ایک روایت میں اس کے برعکس آیا ہے اور حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے ولید بن عتبہ سے مقابلہ کیا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ولید کو قتل کر دیا حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ نے اپنے مقابل کو ہلاک کر دیا۔ لیکن حضرت عبید رضی اللہ عنہ اور ان کے مقابل کے درمیان ہتھیار چلے اور ایک ضرب حضرت عبید کے زانو پر پڑی۔ اس کے بعد حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ بھی حضرت عبید رضی اللہ عنہ کی مدد کیلئے ان کے مقابل پہنچ گئے اور قتل کرنے میں حضرت عبید رضی اللہ عنہ کا مدد کیا۔ اور حضرت عبید رضی اللہ

عنه کو اٹھا کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لائے اس حال میں کہ ان کی پنڈلیوں کا مغز بہہ رہا تھا۔ حضرت عبید رضی اللہ عنہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا ”یا رسول اللہ! کیا میں شہید نہیں ہوں؟“ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ”ہاں تم شہید ہو۔“ حضرت عبید رضی اللہ عنہ کا حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ دریافت کرنا اس بنا پر تھا کہ ان کی شہادت میں دیر واقع ہوئی تھی اور میدان جنگ میں فی الفور جان نہ دے سکے تھے۔ اس میں فقہاء کا اختلاف ہے۔ جیسا کہ فقہ کی کتابوں میں مذکور ہے کہ حضرت عبید رضی اللہ عنہ نے بدر سے واپسی کے وقت وادی صفر..... یا وادی روحا میں وفات پائی اور وہ وہیں مدفون ہوئے۔

ان کی کھال سے لٹکا ہوا تھا۔ پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا لعاب دہن مبارک اس پر لگا کر اس کی جگہ چسپاں کر دیا اور وہ ہاتھ ٹھیک ہو گیا اس کے بعد وہ حضرت عثمان ذوالنورین کے زمانہ تک زندہ رہے۔ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کے بھائی معوذ اسی روز بدر کے معرکہ میں شہید ہو گئے۔ علماء فرماتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ابو جہل کے سامان کو معاذ رضی اللہ عنہ کیلئے حکم فرمانا اسی سبب سے تھا کہ سب سے پہلے ابو جہل انہیں کے زخمی کرنے سے گریز کرتا تھا۔ اگرچہ زخمی کرنے میں دونوں شریک تھے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمانا کہ: **كُلُّكُمْ مَعَاذٌ لِّهٖ** تمہارا، زہرا، سے قتل کرنا، تو وہ نہ کر سکا، بخیر کر، نہ کسے فرمایا تھا، اس وحشت سے کہ وہ نہ اس کے

قتل کرنے میں شریک تھے۔ ورنہ قتل شرعی اس کے ساتھ متعلق ہے جسے سامان کا مستحق بنایا گیا۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہما نے ابو جہل کو اس حال میں دیکھا کہ اس میں جان کی کچھ رمض موجود تھی۔ انہوں نے اس کا سر کاٹ لیا جیسا کہ احادیث صحیحہ میں آیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کون ہے جو جا کر ابو جہل کی خبر لائے اس پر حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ گئے اور انہوں نے اسے مقتول پایا جسے عفراء کے دونوں فرزندوں نے قتل کیا تھا۔ پھر حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ ابو جہل کے سینہ پر کینہ پر چڑھ کر بیٹھے اور اس کی ناپاک داڑھی کو پکڑ کر فرمایا ”تو ہی ابو جہل ہے اللہ نے تجھے رسوا کیا اے دشمن خدا!“ ابو جہل نے کہا ”اس سے زیادہ کچھ نہیں کہ ایک شخص کو اس کی قوم نے مار ڈالا کاش کہ مجھے کوئی غیر دہقانی مارتا۔“ دہقان سے اس کی مراد انصاری تھی چونکہ انصار اہل زراعت تھے۔ علماء فرماتے ہیں کہ اگرچہ ابو جہل کو اس امت کا فرعون کہا گیا ہے لیکن حقیقت میں یہ فرعون سے بدتر تھا اس لیے کہ فرعون جب غرق ہوا تو اس نے جان لیا کہ اس نے برا کیا تھا اور اس نے اپنی غلطی کا اعتراف کیا تھا اور دوہائی مانگی تھی لیکن یہ بد بخت آخر دم تک اسی اپنے حال میں رہا۔ اس کے بعد حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے اس بد بخت کا سر کاٹا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لائے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا **اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ اَخْرَاکَ یَا عَدُوَّ اللّٰہِ** اللہ تعالیٰ ہی تمام تعریفوں کا مستحق ہے جس نے تجھے ذلیل و خوار کیا اور

اپنے وعدہ کو آپ کے ساتھ پورا فرمائے گا۔ ایک روایت میں آیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دو رکعت نماز پڑھی اور حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ بھی آپ کی دہنی جانب آپ کے ساتھ نماز و دعا میں شریک تھے۔ اور حق تعالیٰ سے مناجات کر رہے تھے کہ اے رب اپنے کیے ہوئے وعدہ کو پورا فرما۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے مروی ہے کہ میں روز بدر قتال میں مشغول تھا اور میں بار بار حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس عیش میں آتا اور دیکھا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جدے میں ہیں اور یہ دعا مانگ رہے ہیں۔ **يَا حَتَّىٰ يَا قَيُّوْمُ بِرَحْمَتِكَ أَسْتَغِيْثُ**۔ مروی ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ساتھ اپنے عیش میں تھے کہ یکا یک آپ پر غودگی طاری ہو گئی پھر بیدار ہوئے تو متبسم ہو کر فرمایا ”اے ابو بکر رضی اللہ عنہ اب خدا کی مدد آگئی اور جبریل علیہ السلام اپنے گھوڑے کی لگام پکڑے آگئے ہیں اور ان کے سامنے کے دونوں دانتوں پر گرد جمی ہوئی ہے۔ پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم عیش سے باہر تشریف لائے اور لوگوں کو جنگ پر شوق دلایا۔ اور فرمایا جو شخص جس کا فرقتل کرے گا اس کا سامان اسی کیلئے ہے۔ اور جان لو کہ قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے جو حق تعالیٰ کی رضا اور طلب ثواب میں ان کافروں سے جنگ کرے گا پھر وہ خدا کی راہ میں شہید ہو جائے تو اس کیلئے بہشت جاوداں ہے۔“

عمیر بن الحکم رضی اللہ عنہ چند کھجوریں ہاتھ میں لئے کھارہے تھے۔ انہوں نے کہا مجھے خوشی و مزہ ہو کہ میرے اور بہشت میں

کرنے والی چیز صحابہ کرام پر شفقت اور ان کے قلوب کی تقویت تھی۔ اس لیے حضور نے توجہ دعا اور الحاج واہتال میں مبالغہ فرمایا تاکہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم قائم رہیں اور ان کے قلوب ثابت و مستحکم رہیں۔ اس لیے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم خوب جانتے تھے کہ حضور کی دعا و سوال مقبول و مستجاب ہے۔ پھر جب حضرت صدیق رضی اللہ عنہ نے آپ سے وہ بات عرض کی جو بیان ہوئی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم بس کیجئے تو معلوم ہو گیا کہ آپ کی دعا مستجاب ہو گئی اس لیے کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے اپنے دل میں قوت و طمانیت پیدا ہو گئی تھی۔ لہذا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فوراً ہی بعد فرمایا: سَيُهْزَمُ الْجَمْعُ وَيُوَلُّونَ الذُّبُرَ. عنقریب کفار کی جماعت کو ہیزیمت ہوگی اور پشت دے کر بھاگے گی اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس حالت میں مقام خوف میں تھے اور یہ سب سے زیادہ کامل حالت نماز ہے۔ حضور کی دعا سے پہلے ممکن تھا کہ اس دن نصرت الہی واقع نہ ہوتی اس لیے کہ نصرت الہی کا وعدہ اس واقعہ کے ساتھ معین و مخصوص نہ تھا کہ اسی روز اس کی نصرت نازل ہو بلکہ وعدہ الہی مجمل و غیر معین تھا۔ خطابی فرماتے ہیں کہ یہ ہے وہ بات جو بظاہر ہوتی ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمانا کہ ”آج کے بعد تیری عبادت کرنے والے نہ رہیں گے“ یہ اس لیے ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو معلوم تھا کہ آپ خاتم النبیین اور آخری نبی ہیں۔ لہذا اگر آپ کو اور جو آپ کے ساتھ ہیں ان کو اس ہنگام میں وہ ہلاک کر دیں تو کوئی ایک بھی ایسا مبعوث نہ ہوگا جو ایمان و عبادت کی دعوت کرے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا دعا میں خوب کوشش فرمانا اور اس میں مشقت برداشت کرنا اس بنا پر ہے کہ آپ نے مسلمانوں کو دیکھا وہ غمراہ موت (یعنی موت کی گہرائیوں) میں غوطہ زن ہیں اور فرشتے میدان جنگ میں کھڑے ہیں تو حضور نے چاہا کہ خود بھی جہاد میں کوشش کریں۔ کیونکہ جہاد دو قسموں پر ہے ایک جہاد تلوار کے ساتھ اور ایک جہاد دعا کے ساتھ ہے۔ سنت یہ ہے کہ امام لشکر کی پشت پر رہے اور ان کے ہمراہ قتال نہ کرے لہذا سب کوشش اور مشقت میں ہے۔ اس لیے حضور نے نہ چاہا کہ ان دونوں قسموں کے جہاد سے خود راحت میں رہیں (مطلب یہ کہ لشکر اسلام کفار کے ساتھ نبرد آزما ہے اور میدان قتال میں استاد ہیں تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم مقام دعا میں سجدہ ریز ہیں اور رب تعالیٰ سے ان کی نصرت و مدد کی التجائیں کر رہے ہیں۔ امام اور ماموم دونوں جہاد میں اپنی اپنی جگہ مشغول ہیں) ان سب کو صاحب لدنیہ نے نقل کیا ہے۔

اس مقام کے لحاظ و مناسب سے سیدی احمد مرزوق علیہ الرحمۃ جو کہ محققین علماء صوفیاء اور مشاہیر مشائخ عظام میں سے ہیں کا ایک کلام ہے جس کا خلاصہ بیان کیا جاتا ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ مقام ربوبیت کی غایت ادب میں سے ایک بات یہ ہے کہ حق سبحانہ و تعالیٰ اعتماد کرنے اور اس کے وعدہ کو صادق جاننے کے باوجود یہ اعتقاد رکھنا لازمی ہے کہ اس پر کچھ واجب نہیں ہے۔ اس اعتبار سے دو اصل اور دو قاعدے ہیں۔ ان دونوں کے درمیان تعارض کے وقت بطریق ایمان مطابقت کرنا واجب ہے لہذا اگر قبولیت کا وعدہ معین وقت میں نہیں ہے تو کوئی دشواری ہے ہی نہیں۔ اگر بالفرض وقت معین میں بھی وعدہ کیا گیا ہو اور اس کی قبولیت اس وقت میں واقع نہ ہو تب بھی

خوف نہیں ہے اور یہ کہ حق تعالیٰ کی مدد رسولوں کیلئے واجب ہے (کیونکہ وہ بے نیاز ہے اس پر کچھ واجب نہیں ہے) اس بنا پر استثنا کرتے
ہے ﴿وَاللّٰہُ لَذُو الْاَسْیَآءِ اَشَدُّ مَلٰٓئِکَۃً﴾ مگر یہ کہ میرا رب جس قدر چاہے۔ استثنا وسعت علم باری تعالیٰ کی طرف رجوع کرنے اور بندہ



حدیث شریف میں ہے کہ جس وقت دونوں لشکر مل گئے اور ایک دوسرے کے مقابل ہو کر لشکر اسلام اور لشکر کفار گتھم گتھا ہو گئے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مٹھی ریت کی لے کر کفار کے منہ پر پھینکی اور پڑھنا شاہت الوجوہ ان کے چہرہ مسخ ہوں۔ جب وہ ریت ان کے چہروں پر پڑی تو کوئی مشرک ایسا نہ تھا جس کی آنکھوں میں اور ناک کے دونوں سوراخوں میں ان کے ریزے نہ پہنچے ہوں۔ ان کے منہ پھر گئے اور شکست کھا کر بھاگ کھڑے ہوئے۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے ضادید قریش میں سے کسی کو ہلاک کرایا اور کسی کو قید کرایا اور جو اسیر ہوئے وہ بھی ان کے سرداروں اور اشراف میں سے تھے۔

صاحب مواہب لدنیہ فرماتے ہیں کہ حق سبحانہ و تعالیٰ کا یہ ارشاد کہ وَمَا رَمَيْتْ اِذْ رَمَيْتْ وَلَكِنَّ اللَّهَ رَمٰی۔ اے محبوب! آپ نے وہ مشیت خاک نہیں پھینکی جب آپ نے پھینکی بلکہ وہ اللہ نے پھینکی۔ یہ آیت کریمہ روز بدر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مشیت خاک پھینکنے کے ضمن میں نازل ہوئی۔ اگرچہ ایسا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے روز حنین میں کیا تھا جیسا کہ انشاء اللہ آگے آئے گا۔

بلاشبہ ایک گروہ نے اس آیت پر یہ اعتقاد اختیار کیا کہ اس آیت سے مراد بندوں کی جانب سے سلب فعل ہے اور اس کی اسناد زب العزت کی طرف ہے۔ اس آیت سے ”مذہب جبر“ پر دلیل بنا کہ افعال کی نسبت اور قدرت بندوں کی طرف کرنا باطل ہے حالانکہ یہ بات غلط ہے اور اس گروہ نے فہم قرآن میں غلطی کھائی ہے۔ اگر واقعہ ایسا ہی تھا تو اس فعل امی کی تخصیص کی کوئی وجہ نہیں ہے مثلاً مَا صَلَّيْتُ اِذْ صَلَّيْتُ وَلَكِنَّ اللَّهَ صَلَّی (تم نے نماز نہیں پڑھی جب تم نے نماز پڑھی لیکن اللہ نے نماز پڑھی) یا اس طرح کہ وَمَا صُمْتُ اِذَا صُمْتُ وَلَكِنَّ اللَّهَ صَامَ (تم نے روزہ نہیں رکھا جب کہ تم نے روزہ رکھا لیکن اللہ نے روزہ رکھا) اگر اس قاعدہ و اصول کو بندوں کے تمام افعال طاعات اور معاصی میں پھیلا یا جائے تو یقیناً یہ کھلی گمراہی ہوگی اور اگر اس قاعدہ کو رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے افعال کے ساتھ مخصوص گردانا جائے تو بھی غلط ہے بلکہ یہ اس پر مبنی و منج ہوگا کہ معجزہ فعل نبی نہیں ہے بلکہ فعل خدا ہے جسے ان کے ہاتھ سے ظاہر کرایا۔ بخلاف دیگر افعال کے کہ ان کا کسب بندہ کی طرف سے ہے اور ان کی تخلیق خدا کی طرف ہے اور معجزہ میں کسب بھی بندہ کی جانب سے نہیں ہے۔ لہذا اس آیت کے معنی یہ ہیں کہ مَا رَمَيْتْ اِذْ رَمَيْتْ صُوْرَةً وَلَكِنَّ اللَّهَ رَمٰی حَقِیْقَةً۔ نہیں پھینکا تم نے جبکہ ظاہر صورت میں تم نے پھینکا بلکہ حقیقت میں اللہ نے ہی پھینکا۔ یہ بھی مراد نہیں ہے کہ مَا رَمَيْتْ خَلْقًا اِذْ رَمَيْتْ كَسْبًا۔ تم نے پیدا کر کے نہیں پھینکا۔ جب تم نے کسب کر کے پھینکا اس لیے کہ یہ بھی تمام افعال میں جاری ہے۔

بعض یہ کہتے ہیں رمی کی ابتداء تو تمہاری طرف سے ہے لیکن اس کی نہایت یعنی کفار کی آنکھوں پر پہنچانا خدا کی طرف سے ہے۔ اس کی نظیر حق تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ فَلَمْ تَقْتُلُوْهُمْ وَلَكِنَّ اللَّهَ قَتَلَهُمْ تو تم نے انہیں قتل نہیں کیا بلکہ اللہ نے ان کو ہلاک کیا۔

ابن اہلق بیان کرتے ہیں کہ عکاشہ رضی اللہ عنہ..... کی تلوار ٹوٹ گئی۔ پھر وہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک لکڑی ان کے ہاتھ میں دے دی اور فرمایا اس کے ساتھ جنگ کرو۔ وہ چھڑی عکاشہ رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں لہمی اور سخت کروالی لوہے کی سفید تلوار بن گئی اور انہوں نے اس سے ہی قتال کیا۔ یہاں تک کہ مسلمانوں کو فتح ہوئی۔ عکاشہ رضی اللہ عنہ نے اس تلوار کا نام ”عون“ رکھا۔ یہ تلوار برابر حضرت عکاشہ رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں رہی اور جملہ غزوات میں اس سے قتال کرتے رہے یہاں تک کہ جب وہ شہید ہوئے تو یہ تلوار ان کے ہاتھ میں تھی۔

ملائکہ کی آمد اور ان کی نصرت: غزوہ بدر کے اعظم فضائل و خصائل میں سے ملائکہ کا آنا اور مشرکوں کے ساتھ ان کا قتال کرنا ہے۔ صاحب مواہب لدنیہ فرماتے ہیں کہ بعض علماء فرماتے ہیں کہ غزوہ بدر کے سوا کسی غزوہ میں فرشتوں نے قتال نہیں کیا اور دیگر قوتوں میں دشمنوں کے مقابلہ میں محض امداد و اعانت تھی۔ ان کا قتال کرنا اس عظیم الشان غزوہ کے ساتھ مخصوص ہے۔ عماد بن کثیر اپنی تفسیر میں

اس کی تصریح کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ مشہور یہ ہے کہ بجز روز بدر کے فرشتوں نے قتال نہیں کیا۔ اس کے بعد حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں۔ انہوں نے فرمایا فرشتوں نے بجز روز بدر کے کبھی قتال نہیں کیا اور ابن مرزوق فرماتے ہیں کہ یوم بدر کے سوا فرشتوں نے قتال نہیں کیا بلکہ قول مختار کے بموجب فرشتے حاضر ہوتے رہے ہیں۔ اس قول کو بعض علماء میں سے ترجیح دیتے ہوئے نہایت البیان فی تفسیر القرآن میں ارشاد حق تعالیٰ وَیَوْمَ حُحْنِ کی تفسیر میں بیان کرتے ہیں کہ اس میں اختلاف ہے کہ روز حنین فرشتوں نے قتال کیا یا نہیں۔ اس جگہ دو قول ہیں۔ قول جمہور یہی ہے کہ نہیں کیا لیکن اس قول کو مسلم کی اس حدیث سے جسے انہوں نے اپنی صحیح میں حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے رد کرتے ہیں کہ حضرت سعد رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ روز احد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی داہنی اور بائیں جانب دو ایسے شخصوں کو دیکھا جو سفید لباس میں ملبوس تھے اور ان کو نہ اس سے پہلے اور نہ اس کے بعد کبھی دیکھا تھا۔ یعنی جبریل و میکائیل علیہما السلام اور یہ دونوں خوب شدید قتال کرتے تھے۔ امام نووی صحیح مسلم کی شرح میں فرماتے ہیں کہ اس حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اکرام و اعزاز ہے کہ فرشتوں کو آپ کے ہمراہ قتال کرنے کیلئے نازل فرمایا۔ ظاہر یہ ہے کہ قتال ملائکہ یوم بدر کے ساتھ مخصوص نہیں ہے۔ بام نووی فرماتے ہیں کہ یہی حق و صواب ہے اور یہ اس کے خلاف ہے جس نے یہ گمان کیا کہ قتال ملائکہ یوم بدر کے ساتھ مخصوص ہے۔

فرشتوں کے دیکھنے کی تحقیق: نیز اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ فرشتوں کی رویت انبیاء علیہم السلام کے ساتھ مخصوص نہیں ہے بلکہ ان کو صحابہ کرام اولیاء عظام دیکھتے ہیں۔ بندہ مسکین یعنی صاحب مدارج النبوة ثبوتہ اللہ علی طریق الحق والیقین فرماتے ہیں کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا جبریل علیہ السلام کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس انسانی صورت میں بیٹھے دیکھنا ثابت شدہ ہے۔

ان لوگوں کے سامنے آئے تھے یا جنہوں نے قتال کیا تھا۔ وہ ایک ہزار تھے اور ان کے مقاتلہ میں اختلاف ہے۔ جیسا کہ بیضاوی نے کہا ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ ہزار کو تین ہزار کے ساتھ مرادف کیا گیا ہے یعنی ایک ہزار کے بعد تین ہزار فرشتے بھیجے لہذا اکثر قلیل کے مددگار بنے۔ نیز سورۃ آل عمران میں فرمایا گیا ہے۔

بَلَىٰ إِن تَصْبِرُوا وَتَتَّقُوا وَيَأْتُوكُم مِّن فَوْرِهِمْ هَٰذَا
يُمْدِدْكُمْ رَبُّكُم بِخَمْسَةِ آلَافٍ مِّنَ الْمَلَائِكَةِ
مُسَوِّمِينَ ۝

ہاں! اگر تم قائم رہے اور خدا سے ڈرتے رہے تو تمہارے پاس یہ فوراً آئے گی۔ تمہارا رب تمہاری مدد نشان زدہ پانچ ہزار فرشتوں سے کرے گا۔

مؤمن یعنی معلمین میں اس کا مطلب یہ ہے کہ ان کی پیشانیاں اظہار علامت کیلئے تاباں ہوں گی۔ ان کا یہ اظہار اس کی نشانی و علامت ہے کہ پانچ ہزار فرشتے آئے نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ نے اس کا وعدہ فرمایا کہ اگر تم قائم رہے اور تقویٰ اختیار کیا تو وہ آئیں گے اور تمہارے خلاف کفار کو فوراً کچل دیں گے اور تمہاری مدد حق تعالیٰ پانچ ہزار فرشتوں سے فرمائے گا۔

موہب لدنیہ میں ربیع بن انس سے مروی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے پہلے مسلمانوں کی مدد ایک ہزار فرشتوں سے فرمائی اس کے بعد تین ہزار کر دیئے اور اس کے بعد پانچ ہزار کر دیئے۔

ابوقحافہ روایت کرتے ہیں کہ فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے روز بدر پانچ ہزار فرشتوں سے مدد فرمائی۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ حق تعالیٰ کی امداد پانچ ہزار کے ساتھ وقوع میں آئی ہے۔ امیر المؤمنین سیدنا علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ روز بدر ایسی تیز ہوا چلی کہ اس سے پہلے ایسی تیز ہوا کبھی نہ دیکھی تھی اس کے بعد پھر دوبارہ ایسی ہی تیز ہوا چلی۔ پھر تیسری مرتبہ بھی ایسی ہی تیز ہوا چلی اس کے بعد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا پہلی مرتبہ جبریل علیہ السلام ہزار فرشتوں کے ساتھ آئے۔ دوسری مرتبہ میکائیل ہزار فرشتوں کے ساتھ آئے اور تیسری مرتبہ اسرافیل ہزار فرشتوں کے ساتھ آئے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں کہ مجھ سے بنی غفار کے ایک شخص نے بیان کیا کہ میں اور میرے چچا زاد بھائی دونوں آگے نکل کر بدر کی ایک اونچی پہاڑی پر چڑھے۔ ہم اس زمانہ میں مشرکوں کے ساتھ تھے۔ ہم نے اس کا انتظار کیا کہ جو لشکر بھی شکست کھا کر بھاگے ہم انہیں لوٹیں۔ یکا یک ہم نے دیکھا کہ اس پہاڑ پر جس پر ہم تھے ایک ابرہہ کے قریب ہوا جس میں گھوڑوں کے ہنہانے کی آواز تھی۔ اس وقت کسی کہنے والے کو کہتے سنا ”اقدم حیزوم“ حیزوم آگے بڑھ۔ تو میرا چچا زاد بھائی مجھ پر آ پڑا اور اس کے دل کا پردہ پھٹ گیا اور اس نے اسی وقت جان دیدی۔ اس وقت میری یہ حالت تھی کہ میں ہلاکت کے قریب تھا لیکن میں نے ضبط کیا۔ علماء فرماتے ہیں کہ ”حیزوم“ (فتح حاء و سکون یا و زاء مضموم) حضرت جبریل علیہ السلام کے گھوڑے کا نام ہے اور اقدم بروزن انصراور اکرم دونوں باب سے مروی ہے کہ جبریل علیہ السلام پانچ سو فرشتوں کے ساتھ اور میکائیل پانچ سو فرشتوں کے ساتھ انسانی شکل و صورت میں البقی گھوڑوں پر سوار اترے۔ اس وقت ان کے جسموں پر سفید لباس اور ان کے سروں پر سفید عمامے اور روز حنین سبز عمامے تھے جن کے سرے (شملے) وہ اپنے کندھوں کے درمیان چھوڑے ہوئے تھے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ روز بدر فرشتوں کی پیشانیوں پر سفید عمامے اور روز حنین سبز عمامے تھے اور ان کی پیشاں گھوڑوں کے گوشوں میں تھیں۔ (یعنی وہ گھوڑوں پر سوار تھے) بعض روایتوں میں آیا ہے کہ روز بدر فرشتوں کی پیشانیوں پر سیاہ عمامے تھے اور روز حنین سرخ اور روایتوں میں سفید و سرخ اور زرد سب آیا ہے کہ کچھ فرشتے ایسے ہوں گے اور کچھ ویسے۔ فرشتوں کے گھوڑوں کے ہنہانے کی آواز سنی جاتی تھیں مگر گھوڑے نظر نہیں آتے تھے اور جب مسلمان کسی کافر کا بچھا کرتے تو قبل از ان کے کہ کفر سے باز نہ آئے اور کفار نے ان کے سر پر عمامے

فرماتے ہیں کہ روز بدر فرشتوں کی ضرب سر یا بدن کے جوڑوں پر ہی واقع ہوئی یہ حق تعالیٰ کے اس ارشاد کی تفسیر میں ہے کہ فَاصْرِبُوا فَوْقَ الْأَعْنَاقِ وَاصْرِبُوا مِنْهُمْ كُلَّ بَنَانٍ O اسی مفصل تو گردنوں کے اوپر یعنی سر پر ضرب لگاؤ اور ان کے ہر گرہ یعنی جوڑ پر مار لگاؤ۔ تفسیر بیضاوی میں ہے کہ ”فَوْقَ الْأَعْنَاقِ“ یعنی ذبح کرنے کی جگہ اور سروں پر ضرب لگاؤ۔ اور وَاصْرِبُوا مِنْهُمْ كُلَّ بَنَانٍ O ای الاصابیع۔ اور ان کے ہر جوڑ پر مار لگاؤ یعنی انگلیوں کی گرہوں پر کشف میں ہے کہ بنان سے مراد اطراف ہے۔ مطلب یہ کہ ان کے سروں کو کاٹو اور اطراف کو توڑو۔ ارباب سیر بیان کرتے ہیں کہ فرشتوں کے مقتول گردنوں اور جوڑوں میں سیاہی کی نشانی سے پہچانے گئے تھے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ ایک انصاری شخص کسی کافر کے پیچھے جا رہا تھا کہ اچانک اس نے کوڑے کے مارنے کی آواز اور ایک سوار کی آواز سنی جو کہہ رہا تھا اقدم حیزوم تو اس انصاری نے دیکھا کہ اس کے سامنے وہ گرا پڑا ہے اور اس کا منہ پھٹا ہوا ہے اور اس کی گردن ٹوٹی ہوئی ہے۔ اس کے بعد وہ انصاری حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئے اور جو کچھ مشاہدہ کیا تھا عرض کر دیا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم یہ سب مدد آسمان سیوم کی تھی۔

تھا۔ عرض کر دیا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم یہ سب مدد آسمان سیوم کی تھی۔

نفس اسلام

WWW.NAFSEISLAM.COM

کافروں کو ہلا کر دیتے؟ شیخ فرماتے ہیں کہ میں نے جواب میں کہا کہ یہ اس لیے تھا کہ یہ فعل تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اصحاب رضوان اللہ علیہم اجمعین کا ہوا اور ملائکہ ان کی عون و مدد کیلئے ہوں کیونکہ دنیاوی سطح پر کمک کے طور پر لشکر ہی مدد کرتے ہیں۔

بندہ مسکین یعنی صاحب مدارج النبوة ثبوت اللہ علی طریق الحق والیقین ورحمۃ اللہ فرماتے ہیں کہ اس سوال کا بنیادی تعلق عوام سے ہے کہ وہ تدبیرات الہی ترتیب اسباب اور اللہ جل جلالہ و عظم کمالہ کی غیر متناہی حکمتوں کی طرف سے صرف نظر نہ کریں ورنہ وہ اس طرح کیوں نہیں کہتے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو جہاد و قتال کی ضرورت ہی کیا تھی۔ حق تعالیٰ قادر ہے کہ اپنے قہر و جلال سے تمام کافروں کو ہلاک کر دے اور ان کے کفر و ضلال کے نشانوں کو اپنے ہدایت و کمال کے نور سے ناپید کر دے۔ مگر بات یہ ہے کہ مسلمانوں کے ثواب و جزا اور کافروں کے عذاب و عقاب کا مدار اسی پر ہے۔ ان کے سوا وہ چیزیں جو عالم اسباب و اوضاع سے متعلق ہیں۔ وہ ضبط و حضور اور گنتی و شمار کی حدود قدرت سے باہر ہیں اور اللہ ہی علیم و حکیم ہے۔

اسیران و مقتولان بدر کی تعداد: بدر میں مقتولان کفار کی تعداد ستر تھی اور اتنے ہی اسیر ہوئے تھے۔ مسلمانوں میں سے چودہ حضرات نے جام شہادت نوش کیا تھا جن میں چھ مہاجرین میں سے تھے اور آٹھ انصار میں سے تھے چھ قبیلہ خزرج کے اور دو قبیلہ اوس کے (رضی اللہ عنہم) ان اشقیاء قریش کے ستر مقتولوں میں سے چوبیس نعشوں کیلئے آپ نے حکم فرمایا کہ بدر کے کنوؤں میں سے ایک کنویں میں ڈال دیں۔ یہ کنواں ناپاک و خراب تھا اور اس میں لوگ کوڑا کرکٹ اور نجاست ڈال کر تے تھے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت شریفہ تھی کہ جب دشمنوں پر غلبہ اور فتح پاتے تو تین روز اسی میدان میں مقام فرماتے چنانچہ اس جگہ بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تین روز قیام فرمایا۔ تیسرے دن حکم فرمایا کہ آپ کی سواری لائی جائے پھر آپ سوار ہوئے اور صحابہ کی ایک جماعت بھی آپ کے ہمراہ ہو گئی۔ وہ خیال کرتے تھے کہ شاید کسی کام کیلئے تشریف لے جا رہے ہیں یہاں تک کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اس کنویں پر تشریف لائے جس میں کفار کی لاشوں کو ڈالا گیا تھا۔ اس کے بعد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک ایک کا نام لے کر آواز دی اور فرمایا اے فلاں بن فلاں اے فلاں بن فلاں۔ بعض روایتوں میں مزید صراحت ہے کہ فرمایا اے عتبہ بن ربیعہ اے اوشیبہ بن ربیعہ اے ابو جہل بن ہشام مثلاً کیا تمہیں یہ خوش معلوم نہیں ہوتا تھا کہ تم خدا اور اس کے رسول کے فرمانبرداری کرتے اب جبکہ پردہ اٹھ گیا ہے اور خدا کے عذاب کو دیکھ لیا ہے تو تم مسلمان ہونے کی آرزو کرتے ہو۔ یہاں خوش سے مراد وہ خوشی ہے جس میں غم و اندوہ بھی شامل

والے ہیں۔

شیخ ابن الہمام شرح ہدایہ میں فرماتے ہیں کہ اکثر مشائخ اسلاف کا مذہب یہ ہے کہ مردے نہیں سنتے ہیں اور وہ ”کتاب الایمان“ میں تصریح کرتے ہیں کہ ”اگر کسی نے قسم کھائی کہ وہ اس سے کلام نہیں کرے گا پھر اس نے اس کے مرنے کے بعد اس سے کلام کیا تو وہ حادث یعنی قسم توڑنے والا نہ ہوگا۔ اس لیے کہ یہ قسم اسی پر منعقد ہوتی ہے جو فہم کی حیثیت و قابلیت رکھتا ہو اور مردہ ایسا نہیں ہے۔“ یہ حضرات علماء مسلم کی حدیث کا یہ جواب دیتے ہیں کہ مردہ کا لوگوں کی جوتیوں کی آواز سننا اس پر ناطق ہے کہ مردے کو قبر میں رکھنے کے وقت کے ساتھ مخصوص ہے اور یہ منکر کبیر کے سوال کا پیش خیمہ ہے۔ حالانکہ یہ تخصیص ظاہر کے خلاف ہے اور اس پر کوئی دلیل نہیں ہے اور ظاہر حدیث یہ ہے کہ یہ حالت مردے کو قبر میں حاصل ہے اور مردے کو وقت سوال میں زندہ گردانا ہے اور اس سے پہلے مقدمہ سوال کیلئے زندہ کرنا کیا معنی رکھتا ہے؟ اس حدیث مذکور کا جو کہ ان کے مذہب کے خلاف میں نص ہے۔ جواب دیتے ہیں کہ یہ حضور کے ساتھ مخصوص ہے اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ معجزہ ہے۔ جیسا کہ قتادہ سے مروی ہے کہ فرمایا حق تعالیٰ نے ان کو زندہ کیا تاکہ وہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اس بات کو انہیں سنواتے۔ یہ سنوانا زیادتی تو بیخ اور حسرت ندامت کیلئے ہے۔ مخفی نہ رہنا چاہئے کہ اس پر محمول کرنا محض احتمال و تاویل ہے اور اس پر اس وقت تک محمول نہیں کیا جاسکتا جب تک امتناع سماع پر دلیل پوری موجود نہ ہو حالانکہ اللہ رب العزت اس پر قادر ہے اور اس اور اک کیلئے حواس کی حسیات مروی وہی ہے بغیر سبب کے بھی اللہ تعالیٰ خالص طور پر یہ حالت پیدا کر سکتا ہے۔ جیسا کہ کتب مذہب میں مسلمہ قاعدہ ہے اور کبھی اس طرح جواب دیتے ہیں کہ یہ صورت از قسم ضرب الشلل اور کہادت ہے حقیقت نہیں ہے۔ یہ جواب پہلے جواب سے بھی بعید تر اور کمزور تر ہے۔ منکرین کی جماعت کے مضبوط ترین شبہات میں سے یہ ہے کہ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کی تو انہوں نے فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایسا کیوں کر فرما سکتے ہیں حالانکہ حق تعالیٰ فرماتا ہے: **إِنَّكَ لَا تَسْمَعُ الْمَوْتَىٰ وَمَا آتَتْ بِمُسْمِعٍ مَّنْ فِي الْقُبُورِ**۔ یعنی آپ مردوں کو نہیں سناتے اور نہ آپ ان کو سنانے والے ہیں جو

عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی حدیث کی مانند مروی ہے۔ لہذا سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے گویا اپنے انکار سے رجوع کر لیا اس سبب سے جو ان کے نزدیک صحابہ کبار کی روایتوں سے ثابت ہو گیا ہے۔ اس رجوع کی وجہ یہ ہے کہ وہ خود اس قضیہ میں حاضر نہ تھیں۔ شرح مسلم میں بھی اسی کی مانند مذکور ہوا ہے۔ خلاصہ بحث یہ ہے کہ اخبار و آثار سماع موتی اور علم و شعور میں بہت ہیں اور ان کے برخلاف کوئی دلیل قطعی پایہ ثبوت کو شامل نہیں ہے۔ اس مقام میں مفصل بحث و گفتگو مشکوٰۃ کی شرح میں بیان کر دی گئی ہے۔ (واللہ اعلم)

جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ مشرکوں کی لاشوں کو کنویں میں ڈال دیا جائے تو عتبہ بن ربیعہ کو خاک مذلت سے گھسیٹ کر کنویں میں ڈالا جانے لگا۔ اس کے بیٹے حضرت ابو حذیفہ رضی اللہ عنہ نے جب یہ حال دیکھا تو طبعی طور پر انہیں یہ گراں گزرا اور ناپسندیدگی چہرے سے ظاہر ہونے لگی۔ پھر جب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابو حذیفہ رضی اللہ عنہ کے چہرے پر نگاہ ڈالی اور ان کا رنگ متغیر دیکھا اور شکایت و حزن کا اثر چہرے پر نمایاں ملاحظہ کیا تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے اباحذیفہ رضی اللہ عنہ! گویا تمہارے دل میں اپنے باپ کے حال کو دیکھنے سے تغیر واقع ہو گیا ہے؟ انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میرے اسلام میں شک و تردد واقع نہیں ہے لیکن میرا باپ صائب الرائے، حلیم اور اچھے آداب و اخلاق والا تھا میں تنہا رکھتا تھا کہ اس کی یہ خوبیاں اسے اسلام میں لے آئیں گی اور اب میں دیکھتا ہوں کہ وہ اس سعادت سے محروم رہ گیا ہے۔ اس سے مجھے حزن و ملال لاحق ہوا ہے۔ اس پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابو حذیفہ رضی اللہ عنہ کیلئے دعائے خیر فرمائی۔ اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ نیک صفات اور عمدہ آداب و اخلاق اپنی ذات میں حصول ایمان کیلئے برا بیختہ کرنے والے نہیں ہیں۔ ایمان محض ہدایت و فضل و علوائے الہی سے حاصل ہوتا ہے۔

عشق کا ریت کہ موقوف ہدایت باشد

نیز معلوم ہوتا ہے کہ طبعی ناگواری جو اپنے اختیار میں نہیں ہے اس کا اعتبار نہیں جبکہ دل مرکز یقین برقرار و ثابت ہو اور مقام صبر و رضا و تسلیم کا مدار بھی اسی حکم میں ہے۔ اس حدیث پاک کے یہ عمدہ فوائد ہیں۔ تصور کرنا چاہئے کہ صحابہ کرام کا یقین رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حقانیت پر کس قدر تھا کہ اپنے اس باپ کو جو اتنی خوبیوں کا مالک تھا۔ اسے اس حال میں خاک مذلت میں گھسیٹتے ہیں اور کنویں میں ڈال دیتے ہیں۔ ان کی طبیعت میں جو ملال و کراہت نے راہ پائی بھی تو وہ اس پر عتاب کرتے ہیں اور معذرت خواہی کرتے ہیں کیونکہ خالص حق منکشف ہو کر مرتبہ یقین تک پہنچ گیا تھا اور تمام موانع و حجابات مرفوع ہو گئے تھے۔

ارباب سیر بیان کرتے ہیں کہ سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہ کو نصیحت کرتے ہوئے فرمایا کہ میں جانتا ہوں کہ مکہ معظمہ سے بنی ہاشم کی ایک جماعت کو جبر و اکراہ سے لائے ہیں تو جو کوئی تم میں سے کسی بنی ہاشم کو خاص کر حضرت عباس بن عبدالمطلب کو پائے تو لازم ہے کہ اس کو قتل کرنے میں جلدی نہ کرے۔ یہی ابو حذیفہ رضی اللہ عنہ جو عتبہ بن ربیعہ کے بیٹے ہیں انہوں نے کہا ہم اپنے باپوں اور بھائیوں کو قتل کریں اور عباس رضی اللہ عنہ کو چھوڑ دیں۔ خدا کی قسم! اگر میں ان تک پہنچ گیا تو ان پر اپنی تلوار کی ضرب لگا کر ان کا کام تمام کر دوں گا۔ نہ مات جب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو پہنچی تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔ اے ابو حذیفہ سن رہے ہو۔ ابو حذیفہ رضی

اللہ عنہ کیا کہہ رہے ہیں۔ یہ پہلا اتفاق ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو ان کی کنیت سے مخاطب فرمایا۔ اس پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مجھے اجازت دیجئے کہ میں ان کی گردن اڑا دوں کیونکہ یہ منافق ہو گئے ہیں۔ حضرت ابو حذیفہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اس بات کے کہنے کے ساتھ ہی مجھ پر از حد خوف و لرزہ طاری ہوا اور میں اپنے تئیں یہ کہنے لگا کہ اس گناہ کا کفارہ یہی ہو سکتا ہے کہ میں خود کو راہ خدا میں شہید کر دوں چنانچہ وہ روزِ یمامہ میں شہید ہو گئے۔ (رضی اللہ عنہ)

اسیران بدر: وصل: اسیران بدر کی بھی وہی تعداد تھی جو ان کے مقتولوں کی تھی یعنی وہ بھی ستر تھے اور ان میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا حضرت عباس بن عبدالمطلب بھی تھے۔ عقیل بن ابی طالب (حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا کے فرزند) اور نوفل بن الحارث بن عبدالمطلب یہ بھی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا کے فرزند ہیں یہ سب ایمان لے آئے تھے۔ ان ستر قیدیوں میں سے

مروی ہے کہ جب قیدیوں کی گردنوں میں طوق اور ان کے پاؤں میں زنجیریں ڈال کر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور میں لایا گیا تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کا حال عجب رکھا ہے کہ ان کو سلاسل و اغلال یعنی زنجیر و طوق کے ذریعے جنت کی طرف کھینچتا ہے۔ مطلب یہ کہ از خود نہیں چاہتے کہ مسلمان ہوں اور جنت میں داخل ہوں مگر حق تعالیٰ ان کو بزدل و قوت باندھ کر اپنی بارگاہ میں لاتا ہے اور ان کو جنت میں داخل کرتا ہے۔ یہی حکم تمام تکالیف شرعیہ کا ہے کہ حق تعالیٰ بندوں کو مکلف کر کے ان کو ان کا مقید بناتا ہے اور اس طرح اپنی درگاہ میں لاتا ہے اور جنت میں داخل کرتا ہے۔

ارباب سیر بیان کرتے ہیں کہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ پہلے ہی سے اسلام لائے ہوئے تھے لیکن انہوں نے اپنے اسلام کو پوشیدہ رکھا ہوا تھا۔ روز بدر مشرکوں کے ساتھ باہر نکل آئے تھے۔ حدیث شریف میں ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو کوئی عباس کے سامنے آئے اس کو چاہئے کہ انہیں قتل نہ کرے اس لیے کہ وہ جبراً لائے گئے ہیں لیکن جس وقت انہیں مذیہ دینے کیلئے کھڑا کیا گیا اور انہوں نے کہا کہ میں مسلمان ہوں اور مجھے جبراً لایا گیا ہے تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تمہارے اسلام لانے کو حق تعالیٰ جانتا

تمہیں کیسے اسیر کیا وہ تو بہت نحیف اور قلیل الجثہ تھے اگر تم چاہتے تو ان کو اپنی مٹھی میں لے لیتے۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے کہا ٹھیک ہے لیکن وہ میری آنکھوں میں ”خندہ“ کی مانند نمودار ہوئے خندہ مکہ کے پہاڑوں میں ایک پہاڑ کا نام ہے۔ ایک روایت میں آیا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوالیسر سے دریافت کیا کہ تم نے حضرت عباس کو کس طرح اسیر کیا؟ انہوں نے عرض کیا۔ میری مدد اس شخص نے کی جس کو میں نے کبھی نہیں دیکھا۔ وہ بڑی ہیبت و عظمت والا تھا۔ فرمایا وہ عزت والا فرشتہ تھا جس نے تمہاری مدد کی۔

ارباب سیر بیان کرتے ہیں کہ جس وقت مسلمانوں نے اسیران بدر کو باندھ کر قید کر لیا اور رات آئی تو حضرت عباس رضی اللہ عنہ بندش کی وجہ سے کراہنے لگے۔ جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے کراہنے کی آواز سنی تو آپ سو نہ سکے۔ صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ! نیند کیوں نہیں آرہی ہے؟ فرمایا اپنے چچا حضرت عباس کے کراہنے کی وجہ سے! جب انصار نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی رضا حضرت عباس کے بند کو نرم کرنے میں پائی تو انہوں نے ان کے بند ڈھیلے کر دیئے اور حضرت عباس رضی اللہ عنہ سو گئے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کائنات سے؟ میرا عمار، کے کراہنے کا آواز نہیں سنتا؟ صحابہ نے عرض کیا ”یا رسول اللہ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم!

عبدال مطلب اور حضرت مصعب بن عمیرہ رضی اللہ عنہما بھی ہیں۔ جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ فدیہ لینے میں مشغول ہوئے تو جبریل علیہ السلام آئے اور یہ آیت لائے۔

وَمَا كَانَ لِلنَّبِيِّ أَنْ يَكُونَ لَهُ أَسْرَى حَتَّى يُفْحَنَ فِي الْأَرْضِ تُرِيدُونَ عَرَصَ الدُّنْيَا وَاللَّهُ يُرِيدُ الْآخِرَةَ وَاللَّهُ عَزِيزٌ حَكِيمٌ
کسی نبی کو سزاوار نہیں کہ اس کے قیدی ہوں یہاں تک کہ زمین میں ان کا قتل بکثرت ہو جائے۔ اے مسلمانو! تم دنیاوی ساز و سامان چاہتے ہو اللہ آخرت کا ارادہ فرماتا ہے اور اللہ ہی عزت و حکمت والا ہے۔

مطلب یہ ہے کہ کسی نبی کو نہیں چاہئے کہ اس کے قیدی ہوں جب تک کہ کافروں کا قتل بہت زیادہ نہ ہو جائے۔ نبی کو ان کے قتل میں مبالغہ کرنا چاہئے۔ اے مسلمانو! تم چاہتے ہو کہ فدیہ لے کر دنیاوی زندگی کا سامان فراہم کر لو مگر اللہ تعالیٰ آخرت کو اور دین کی سر بلندی کو چاہتا ہے۔ خدا ہی غالب ہے جو اپنے دوستوں کو دشمنوں پر غلبہ دیتا ہے اور وہی حکیم و دانہ ہے کہ ہر حال اور ہر وقت میں جو مناسب و لائق ہے۔ وہی حکم فرماتا ہے کبھی قتل و اشغان کا حکم فرماتا ہے جبکہ کافروں کی شوکت ہو اور کبھی قتل و فدیہ میں اختیار دیتا ہے اور کبھی احسان و فدیہ کے درمیان اختیار دیتا ہے جبکہ مسلمانوں کا غلبہ ہو۔ اس وقت فرمایا ہے۔

فَإِمَّا مَنًّا بَعْدُ وَإِمَّا فِدَاءً
تو بعد میں یا تو ان پر احسان کرو اور یا فدیہ لے لو۔

اس کے بعد حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اہل گاہ میں آئے اور ان کے ساتھ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے

دیدیا گیا تھا اور انہوں نے فدیہ کہ اختیار کر لیا تو اس پر عقاب و عقاب کس بنا پر ہوا یہ تو اختیار دینے کے منافی ہے۔ تو اس کا یہ جواب ہے کہ اختیار دینا برسبیل امتحان تھا جب طرح کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج کو اختیار دیا گیا کہ دنیا یا آخرت کو پسند فرمائیں اور اس میں امتحان یہ تھا کہ آیا وہ اس چیز کو اختیار کرتے ہیں جس میں مرضی حق ہے یا اسے اختیار کرتے ہیں جس میں اپنا ذاتی میلان ہے تو انہوں نے اس چیز کو اختیار کیا جس میں ان کا ذاتی میلان تھا۔ اس پر نہیں عتاب فرمایا گیا اور تو رپشتی اختیار دے بیٹے جانے والی بات کی صحت کو محال جانتے ہیں۔ اس بنا پر کہ یہ اس ارشاد کے مخالف ہے جو بظاہر آیت میں ہے۔ ترمذی بھی اس کی غرابت کا حکم کرتے ہیں۔ طبی کہتے ہیں کہ غرابت کا حکم کرنا موجب طعن نہیں ہے اس لیے کہ ”غریب“ بسا اوقات صحیح بھی ہوتی ہے لیکن میں خدا کی توفیق سے کہتا ہوں کہ ”غریب“ کا مطلب اس جگہ بمعنی شاذ ہے۔ اکثر جہاں ترمذی ایسا حکم کرتے ہیں وہ شاذ کے معنی میں ہوتا ہے۔ اس کی تصریح صاحب جامع الاصول نے کی ہے۔ (واللہ اعلم)

”روضۃ الاحباب“ میں شیخ ابن حجر مکی رحمۃ اللہ کا قول شرح بخاری سے نقل کرتے ہیں کہ ترمذی نسائی ابن حبان اور حاکم نے باسناد صحیح حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا ہے کہ جبریل علیہ السلام نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم آئے اور کہا کہ آپ اپنے صحابہ کو قتل اسیراں اور فدیہ میں اختیار دے دیجئے۔ اس شرط کے ساتھ کہ سال آئندہ ان قیدیوں کے برابر مسلمانوں میں سے شہید کرائیں چنانچہ اصحاب کو اختیار دے دیا گیا اور انہوں نے فدیہ کو اختیار کیا۔ اُنہی

ارباب سیر بیان کرتے ہیں کہ جب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے فدیہ لینے کا مصمم ارادہ کر لیا تو ان قیدیوں میں سے ایک جماعت جو بالکل مفلس تھی اور جن سے کچھ حاصل نہ ہو سکتا تھا انہیں آزاد کر دیا گیا اور ان سے عہد لے لیا گیا کہ آئندہ کبھی مسلمانوں کے خلاف جنگ میں شریک نہ ہوں گے۔ ان میں ایک جماعت ایسی تھی جو کتابت کا ہنر جانتی تھی انہیں اس پر مقرر کیا کہ ان میں سے ہر ایک انصار کے دو بچوں کو لکھنا سکھائے۔ ان سے جو کچھ مال رکھتے تھے ان سے کہا گیا کہ اپنی استطاعت کے مطابق فدیہ میں سونا ادا کریں۔ عاصم بن ثابت کو حکم دیا (یہ عاصم بن ثابت عمر بن خطاب کے دادا تھے) کہ عقبہ بن ابی معیط شقی کو قتل کریں۔ یہ وہ عقبہ ہے جس نے نماز کی حالت میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دوش مبارک پر اونٹ کی اوچھڑی رکھی تھی اور قتل کا ہی مستحق تھا۔

جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اس قضیہ سے آخر رمضان مبارک اور شوال کے پہلے روز فارغ ہو گئے تو حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو فتح کی بشارت کے ساتھ مدینہ منورہ روانہ کر دیا۔ جب وہ چاشت کے وقت مدینہ پہنچے تو لوگ سیدہ رقیہ بنت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دفن سے فارغ ہوئے تھے۔ یہی قول زیادہ صحیح ہے۔ ایک روایت میں آیا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سیدہ رقیہ کے دفن میں موجود تھے بعد کو ان کی قبر پر تشریف فرما رہے اور اشک مبارک بہاتے رہے۔ (واللہ اعلم)

اصحاب بدر کی فضیلت میں احادیث کا بیان

فصل: اصحاب بدر رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی فضیلت میں احادیث بکثرت واقع ہیں ان میں سے چند حدیثیں یہ ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

قَدْ أَطْلَعَ عَلَى أَهْلِ بَدْرٍ فَقَالَ اِعْمَلُوا مَا شِئْتُمْ فَقَدْ عَفَرْتُ لَكُمْ وَفِي رَوَايَةٍ فَقَدْ وَجَّهْتُ لَكُمْ الْجَنَّةَ.

اللہ تعالیٰ اصحاب بدر کو باخبر کرتے ہوئے فرماتا ہے جو چاہو عمل کرو بلاشبہ میں نے تم کو بخش دیا ہے۔ ایک روایت میں ہے کہ میں نے تمہارے لیے جنت واجب کر دی ہے۔

اس باب میں حاطب بن ابی بلتعہ کے خط کا قصہ بھی ہے جو صحیح بخاری میں مذکور ہے۔ نیز مروی ہے کہ حارثہ رضی اللہ عنہ ایک جوان شخص تھا جو روز بدر شہید ہوئے ان کی والدہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئیں اور عرض کرنے لگیں۔ یا رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم! مجھے بتائیے کہ حارثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کہاں ہیں اگر جنت میں ہے تو میں ثواب کی منتظر ہوں اور اگر کسی اور جگہ ہے تو میں اتنا رُؤں..... کہ آپ دیکھیں گے کہ میں کتنا روتی ہوں۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ”کیا تم اس پر روؤ گی اور یہ خیال کرتی ہو کہ وہ ایک جنت میں ہے؟ وہ بہت سی جنتوں میں ہے اور وہ جنت الفردوس میں ہے۔“

یہ حدیثِ صحت پر مشتمل ہے کہ ایک دن حضرت جبریل علیہ السلام آئے اور عرض کیا یا رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم! آپ اپنے صحابہ میں اہل بدر کو کیسا شمار فرماتے ہیں؟ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں تمام مسلمانوں میں ان کو سب سے زیادہ صاحبِ فضیلت شمار کرتا ہوں۔ اس پر جبریل علیہ السلام نے کہا ہم بھی ان فرشتوں کو جو غزوہ بدر میں حاضر ہوئے افضل ملائکہ شمار کرتے ہیں۔

فتح سے واپسی کے بعد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے وادیِ صفراء میں غنیمتوں کو تقسیم فرمایا اور شمشیرِ ذوالفقار جو غزوہ بدر کی غنیمتوں میں سے تھی۔ اپنے لیے خاص فرمائی اس کے بعد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو غزوہ خندق میں عطا فرمادی۔ اس تلوار کو ذوالفقار (مہروں والی) اس بنا پر کہتے ہیں کہ اس کی پشت پر ریڑھ کی ہڈیوں کی مانند مہرے بنے ہوئے تھے۔ اربابِ سیر بان کرتے ہیں کہ جس دن حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم قریش پر غالب ہوئے اسی بدر کے دن فارسیوں پر رومی غالب آئے تھے جو کہ مسلمانوں کی خوشی و مسرت کا موجب بنا۔ جیسا کہ پہلے بیان گزر چکا ہے۔

منقول ہے کہ ابوسفیان الموسیٰ بدر سے لوٹنے کے بعد قریش کو روٹے پیٹے اور اظہار مصیبت کرنے سے روکتا تھا تا کہ ”شامت اعداء کا موجب نہ ہو باوجودیکہ اس کا ایک بیٹا حنظلہ بھی مارا گیا تھا اور ایک بیٹا عمرو نامی قید ہوا تھا۔ اس نے قسم کھائی کہ وہ اس وقت تک بیسیوں کے پاس جانے اور ان سے صحبت کرنے سے مجتنب رہے گا وہ نہ تو سر میں تیل ڈالے گا اور نہ زینت والے کپڑے پہنے گا جب تک کہ محمد (اکرم صلی اللہ علیہ وسلم) اور ان کے صحابہ سے جنگ کر کے انتقام نہ لے لے گا۔“ اس کی بیوی ہندہ نے بھی اپنے باپ عتبہ اور اپنے بیٹے حنظلہ کے مارے جانے پر قسم کھائی تھی روز احد مشرکوں کا سر گرہ اور سردار ابوسفیان الموسیٰ تھا۔

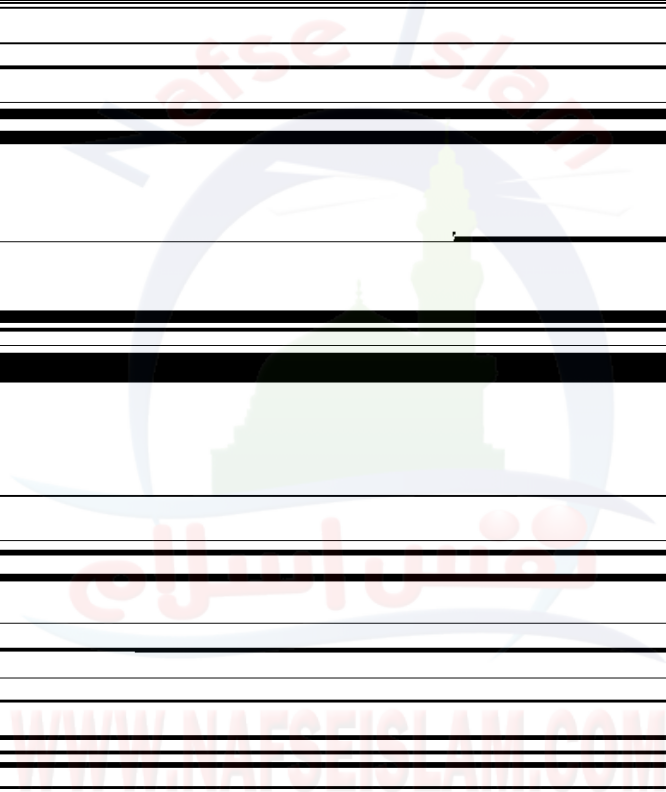
وادی میں مسلمانوں کی فتح و نصرت کی علامت کیلئے سنائی گئی تھی۔ اس جگہ فتح ممبین اور نصرت عظیم واقع ہوئی ہے۔ گزشتہ علماء سے سنا گیا ہے کہ اس جگہ ہوا اس طرح لہراتی ہے کہ اس کی مانند آواز پیدا ہو جاتی ہے۔ (واللہ اعلم)

صاحب مواہب لدنیہ جو کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے عجیب و غریب آثار کے بیان کرنے کے شائق اور متلاشی رہتے ہیں۔ اس بات کو اعتبار و اعتماد کے ساتھ بیان کرتے ہیں۔ وہ فرماتے ہیں کہ اکثر اوقات بہت سے ان حاجیوں سے جو اس جگہ سے گزرتے ہیں سنا کرتا تھا کہ وہ کہتے ہیں وہاں نقارہ جیسی آواز سنائی دیتی ہے۔ مگر میں ان کی اس بات کا انکار کرتا رہتا تھا اور ہمیشہ ان کی بات کی تاویل کر دیتا تھا کہ ممکن ہے وہ جگہ سخت ہو اور چوپایوں کے سموں کی آواز گونجتی ہو۔ اس پر وہ کہتے کہ وہاں کی زمین نرم وریگزار ہے اور وہاں جو اونٹ وغیرہ چلتے ہیں تو وہاں کی سخت زمین میں بھی ان کے پاؤں کی آواز نہیں پیدا ہوتی چہ جائیکہ نرم وریگزار جگہ میں آواز پیدا ہو۔ وہ فرماتے ہیں کہ جب حق تعالیٰ نے مجھ پر احسان فرمایا اور مجھے اس مقام شریف میں پہنچنے کی سعادت نصیب فرمائی تو میں سواری سے اتر کر پیدا چلنے لگا۔ میرے ہاتھ میں کیکر کی لکڑی کی چھڑی تھی۔ فرماتے ہیں کہ میں ان باتوں کو بالکل بھول گیا تھا جو میں لوگوں سے اس جگہ کے بارے میں سنا کرتا تھا۔ میں دوپہر کے وقت جا رہا تھا کہ ایک اونٹ والے نے مجھ سے کہا۔ کیا تم نقارہ کی مانند آواز سنتے ہو؟ جب میں نے وہ آواز سنی تو میں لرز گیا اور میرے رونگٹے کھڑے ہو گئے اور مجھے لوگوں سے سنی ہوئی حکایتیں یاد آ گئیں۔ اس وقت فضائے آسمانی میں ہوا چل رہی تھی میں نے پھر نقارہ کی مانند آواز سنی جس سے میں مدہوش ہو گیا اور مجھ پر ایسی فرحت و ہیبت طاری ہوئی کہ خدا ہی بہتر جانتا ہے کہ میری کیا حالت تھی۔ اس کے بعد مجھے شک گزرا اور میں نے خیال کیا کہ شاید میرے ہاتھ میں جو چھڑی ہے اس سے ہوا لگراتی ہو اور میں ایسی آواز محسوس کرتا ہوں چونکہ اس عظیم الشان نشانی کی جستجو کا حریص و متلاشی تھا لہذا میں نے اپنے ہاتھ سے چھڑی پھینک دی

کوئی شک و شبہ نہ کر سکا کہ یہ آواز نقارہ کی ہے یا کسی اور چیز کی۔ ہم یمن کے نواح سے مکہ کی طرف جا رہے تھے کہ ہم نے مقام بدر میں نزول کیا اور تمام دن بار بار اس آواز کو سنتا رہا۔ مجھے بتلایا گیا ہے کہ یہ آواز ہر ایک نہیں سن سکتا۔ (انہی)

راقم السطور عفا اللہ عنہ یعنی شیخ محقق موفد مدارج النبوة رحمۃ اللہ جب اس مقام شریف میں پہنچ کر اس سے مشرف ہوئے اور بدر

سریہ عمیر بن عدی: دوسرے سال کے واقعات میں سے حضرت عمیر بن عدی بن خرضہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے لشکر کو روانہ کرنا ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمیر کو عصماء بنت مروان یہودیہ زوجہ یزید بن حنظلہ یہودی کے قتل کیلئے بھیجا۔ یہ ملعونہ عورت عصماء بڑی بے حیا اور یہودی عورتوں میں مشہور زبان دراز تھی۔ ہمیشہ اسلام اور اہل اسلام کی برائیاں کرتی اور مذمت کرتی رہتی تھی۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو برابر ایذا پہنچاتی رہتی تھی۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کے بموجب حضرت عمیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ رات کو عصماء کے گھر پہنچے اور اس کے گھر میں داخل ہو گئے۔ اس کا گھر مدینہ سے ماہر تھا۔ اس عورت کے قبر سے بچے تھے جن کو امیراء سے



علیہ وسلم اس جگہ پہنچے تو وہاں کسی کو نہ پایا۔ صحابہ کی ایک ٹولی کو ان کی تلاش میں بھیجا تا کہ حزم و احتیاط کر لی جائے اور خود اپنے صحابہ کے ساتھ بطن وادی میں تشریف لے گئے۔ وہاں بہت سے چرواہے ملے جو اونٹوں کو چرا رہے تھے ان میں ایک غلام تھا جس کا نام ”یسار“ تھا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے پوچھا بنی سلیم اور غطفان کس جگہ ٹھہرے ہوئے ہیں۔ اس نے بتایا کہ پانی کے کنارے اترے ہوئے تھے اب معلوم نہیں کہاں ہیں۔ اس کے بعد فرمایا ان تمام اونٹوں کو مدینہ منورہ کی طرف لے جاؤ۔ ارباب سیر کہتے ہیں کہ وہ پانچ سو اونٹ تھے۔ (واللہ اعلم) صحابہ کی تعداد دو سو تھی۔ تقسیم کے وقت پانچواں حصہ نکالنے کے بعد ایک ایک صحابی کے حصہ میں دو دو اونٹ آئے۔ معارج میں اسے کہ بعضوں نے تعداد زیادہ بتائی ہے۔ اس روایت کے بموجب یا تو صحابہ کی تعداد دو سو سے کم ہوگی یا اونٹوں کی

اور ان کا دل اور ان کی زبان ایک نہیں تھی۔ سب سے پہلے یہودیوں میں سے جس نے عہد کو توڑا اور وہ بنوقیقاع تھے تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے ساتھ نصف شوال میں واقعہ بدر کے ایک ماہ بعد جنگ کی۔

مردی ہے کہ جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم غزوہ بدر سے واپس تشریف لائے تو بنوقیقاع کے یہودیوں نے بغض و حسد اور عناد کا اظہار کیا اور کہنے لگے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے ان لوگوں کے ساتھ جنگ کی ہے جو محاربہ کا علم بخوبی نہ جانتے تھے۔ اگر ہمارے ساتھ جنگ کریں تو معلوم ہو جائے کہ کس طرح ہم ان کے ساتھ جنگ کرتے ہیں۔

ارباب سیر بیان کرتے ہیں کہ ان کا نقص عہد کا سبب یہ ہوا تھا کہ ایک مسلمان عورت بازار میں ایک سار کے آگے بیٹھی تھی کہ ایک یہودی اس عورت کے پیچھے آیا اور اس نے اس کا دامن اٹھا کر اس کی پشت کی جانب سے باندھ دیا۔ مواہب میں اس فعل کو اس زرگر (سار) کی طرف منسوب کیا ہے۔ جب وہ عورت کھڑی ہوئی تو اس کا ستر کھل گیا اس پر لوگ ہنسنے لگے۔ پھر وہ عورت فریاد کرنے لگی ایک مسلمان اس جگہ کھڑا تھا اس نے تلوار کھینچ کر اس یہودی کو یا اس سار کو قتل کر دیا۔ پھر یہود قوم جمع ہوئی اور اس مسلمان کو شہید کر دیا۔ جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اس واقعہ سے باخبر ہوئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے قوم یہود کو بلا کر نصیحت فرمائی کہ اس قسم کی حرکت سے باز آ جاؤ اور اے قوم یہود خدا کے غضب سے ڈرو کہ کہیں تمہیں بھی وہ کچھ نہ پہنچے جو قریش کو پہنچا ہے۔ اس پر وہ تمام یہود حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے رو برو یہودہ گوئی کرنے لگے اور نامعقول باتیں بکنے لگے۔ اس وقت حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جان لیا کہ یہ قوم نقص عہد پر آمادہ ہے۔ اس کے بعد جبریل علیہ السلام آئے اور یہ آیت لائے۔ **وَأَمَّا تَخَأْفَتُ مِنْ قَوْمٍ خِيَانَةً فَأَنْبِذِ إِلَيْهِمْ عَلَى سَوَاءٍ إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ الْفَخَّانِينَ** اے محبوب! اگر آپ اس معاہدہ قوم کے نقص عہد سے ان واضح نشانیوں کے باوجود جو آپ پر روشن ہو چکی ہیں ڈرتے ہیں تو ان کے عہد کو ان کی طرف بر طریق عدل و راستی لوٹا دو۔ جنگ کرنے میں جلدی نہ کرنا تا کہ تمہاری جانب سے خیانت لازم نہ آئے۔ بیشک اللہ خیانت کرنے والوں کو محبوب نہیں رکھتا۔

اس کے بعد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جنگ کی تیاری شروع فرمادی اور حضرت ابولبابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو مدینہ منورہ میں خلیفہ بنایا اور ایک علم سفید حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سپرد فرمایا اور ان کی جانب متوجہ ہو گئے اور پندرہ دن تک ان کا محاصرہ کئے رہے۔ اس کے بعد حق تعالیٰ نے ان کے دلوں میں رعب و ہیبت ڈال دیا اور وہ اپنے محصور ہو جانے سے تنگ آ گئے تو وہ اترے اور اس پر راضی ہو گئے کہ ان کے تمام اموال حضور کے ہوں گے اور ان کی عورتیں اور بچے ان کے رہیں گے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم فرمایا ان کے ہاتھ ان کی پشتوں پر باندھ دیئے جائیں اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے چاہا کہ ان کو قتل کرنے کا حکم فرمائیں۔ عبد اللہ بن ابی بن سلول مشہور منافق نے ان کے گناہوں کے بارے میں درخواست کی کہ ان سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اعراض فرمائیں اور وہ سوال کرنے، گزر گزرنے، بے حیالی اور بے ادبی میں حد سے گزر گیا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کے چھوڑنے پر بہت تنگ کر دیا چنانچہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر اور اس کی قوم پر لعنت بھیج کر ان کے خون سے درگزر فرمایا اور حکم فرمایا کہ وہ جلا وطن ہو جائیں۔ یعنی مدینہ کی آبادی سے نکل جائیں۔ ابن سلول اس میں بھی بہت گزر گزرایا مگر حضور نے قبول نہ فرمایا اور بنوقیقاع کا حضرت عبادہ بن الصامت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ بھی کوئی معاہدہ و حلف تھا وہ بھی بحکم خدا اور رسول ایک ساتھ معاہدہ و حلف سے دستبردار ہو گئے۔ ان کو گھروں سے نکال دیا پھر وہ ”اذرعات“ (بیت حمزہ و سکون ذال و ضم راء) علاقہ شام میں ایک زمین ہے وہاں جا کر شامل ہو گئے۔ کچھ زمانہ کے بعد وہ سب ہلاک ہو گئے اور ان کا مال و اسلحہ مسلمانوں کا مال غنیمت بنا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے لیے

رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو عطا فرمائی۔ ارباب سیر بیان کرتے ہیں کہ ان میں تین سو یہودی زرہ پوش تھے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم فرمایا کہ اس مال میں سے پانچواں حصہ (خمس) جدا کریں۔ روضۃ الاحباب میں ہے کہ ارباب سیر کہتے ہیں کہ یہ پہلا خمس ہے جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے جدا کیا گیا۔

نماز عید قربان اور قربانی: جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم غزوہ بنی قینقاع سے واپس تشریف لائے تو نماز عید قربان ادا فرمائی اور انضیا صحابہ کے ساتھ قربانی کی۔

امیہ بن صلت شاعر کا مرنا: اسی سال امیہ بن الصلت شاعر فوت ہوا ہے۔ یہ زمانہ جاہلیت میں دینی جذبہ رکھتا تھا اور خدا پرستی کا خواہاں تھا۔ اس نے پچھلی کتابیں پڑھی تھیں اور دین نصاریٰ اختیار کر لیا تھا اور بتوں کی پرستش سے اس نے کنارہ کشی کر لی تھی اور وہ نور نبوت کے ظہور کا منتظر تھا۔ اپنی ذات میں خوبیوں و محسوس کر کے اپنی نبوت و رسالت کا خطہ سا گیا۔ جب اس نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کے ظہور کی خبر سنی تو حسد اور سابقہ شقاوت ازلی کی بیماری میں گرفتار ہو کر کفر و انکار کی ضلالت میں پڑ گیا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے شعروں کو سن کر جو علم و حکمت کی باتوں پر مشتمل تھے اس کے بارے میں فرمایا: اَمِنْ شِعْرُهُ وَكَفَرُوا قَلْبُهُ اس کی زبان ایمان لاتی ہے اور اس کا دل کفر کرتا ہے۔ ایک اور روایت میں ہے کہ اَمِنْ شِعْرُهُ وَكَفَرُوا قَلْبُهُ اس کے اشعار سے ایمان چھلکتا ہے اور اس کا دل کفر کرتا ہے۔

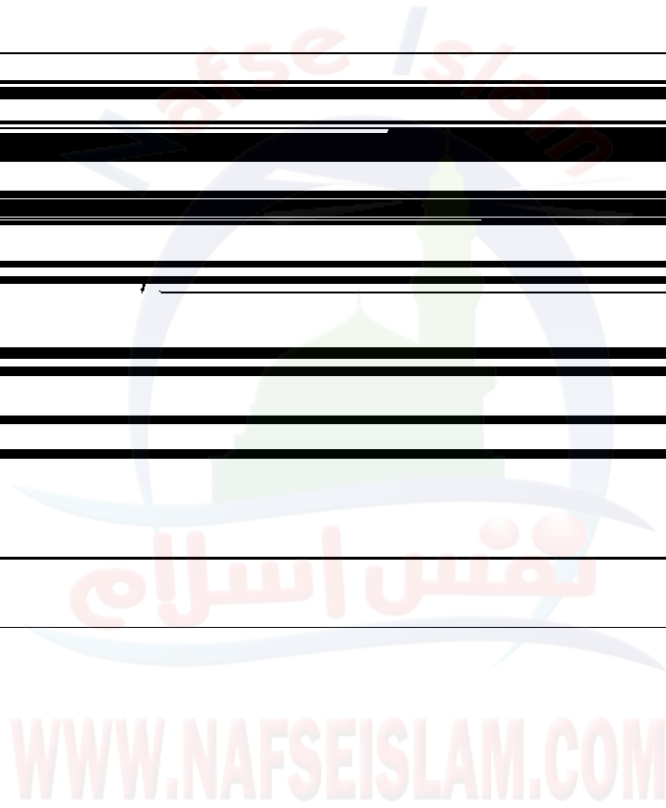
غزوہ سویق: اس کے بعد ماہ ذی الحجہ کی پانچ راتیں گزرنے کے بعد غزوہ سویق واقع ہوا۔ محمد بن اسحق کہتے ہیں کہ ماہ صفر میں یہ غزوہ واقع ہوا۔ اس غزوہ کا سبب یہ تھا کہ ابوسفیان اموی نے غزوہ بدر کی واپسی کے بعد قسم کھا رکھی تھی کہ وہ اس وقت تک عورتوں کو نہ چھوئے گا اور نہ تیل ڈالے گا جب تک کہ اصحاب رسول سے انتقام نہ لے لے۔ چنانچہ ابوسفیان قریش کے دو سو سوار ایک دوسری روایت کے مطابق چالیس سوار لے کر مکہ سے باہر نکلا اور مقام عریض تک آ پہنچا۔ یہ مقام مدینہ منورہ کے ایک گوشہ میں تین میل کی مسافت پر ہے۔ تو یہاں اس نے کھجوروں کا ایک باغ جلا دیا اور ایک انصاری کو شہید کر دیا۔ اس کے بعد ابوسفیان نے یہ گمان کیا کہ اس نے اپنی قسم پوری کر لی ہے اور اصحاب رسول سے انتقام لے لیا ہے۔ وہ مکہ کی طرف لوٹ گیا۔ اس کے چلے جانے کے بعد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم دو سو مہاجر و انصار کی جماعت کے ساتھ باہر تشریف لائے۔ ابوسفیان اور اس کے ساتھ بوجہ کم کرنے کی غرض سے راستہ میں سویق یعنی ستو پھینکتے گئے تھے۔ کیونکہ ان کا اکثر زادراہ یہ سویق ہی تھا۔ مسلمانوں نے اس کو اٹھالیا اسی وجہ سے اس غزوہ کو غزوہ سویق کہتے ہیں اس کے بعد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ واپس تشریف لے آئے۔ اس سفر میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پانچ دن مدینہ طیبہ سے غائب رہے تھے۔ بعض اہل سیر غزوہ سویق کو تیسرے سال میں بیان کرتے ہیں۔

اسی سال ماہ ذی الحجہ میں حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ تعالیٰ عنہ فوت ہوئے اور ماہ شوال میں حضرت عبداللہ ابن زبیر کی ولادت واقع ہوئی۔

ہجرت کے تیسرے سال کے واقعات

ہجرت کے تیسرے سال غزوہ عطفان واقع ہوا۔ اس کو غزوہ بنی امیہ (فتح ہمزہ و میم) اور غزوہ انمار (فتح ہمزہ و سکون نون) بھی کہتے ہیں۔ یہ مقام نجد کے علاقہ میں سے یہ غزوہ بارہ ربیع الاول کو واقع ہوا۔ اس کا سبب یہ تھا کہ خبر لی بنی ثعلبہ اور محارب کے لوگ نجد کے علاقہ میں مقام ذی ام میں جمع ہوئے ہیں تاکہ مدینہ منورہ کے گرد و پیش غارت گری کریں۔ ان کو دشواری (فتح دال و سکون عین) بن

حارث محاربی نے مجتمع کیا ہے۔ خطیب بغدادی نے اس کا نام ”غواث“ (بفتح غین و سکون واو) بیان کیا ہے۔ یہ ایک دلیر اور جنگجو شخص تھا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کو طلب فرمایا اور پھر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم چار سو پچاس سواروں کے ساتھ باہر تشریف لے گئے۔ مدینہ منورہ میں حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو خلیفہ مقرر فرمایا۔ جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اس مقام پر پہنچے



یہ چودہ ربیع الاول کی رات میں واقع ہوا۔ موابب میں اس کا عنوان ”سریہ محمد بن مسلمہ“ رکھا ہے۔ کعب بن اشرف ایک شاعر تھا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں کی ہجو میں مشغول رہتا تھا اور کفار قریش کو جنگ کی ترغیبیں دیتا تھا۔ جب فتح بدر کی خبر اسے پہنچی اور اس نے سنا کہ ضادید قریش مارے گئے ہیں تو بہت ملول ہوا وہ قریش کی مزاج پر سی کیلئے مکہ گیا اور مقتولوں پر نوحہ اور مرثیہ خوانی کی۔ اس ضمن میں قریش کو جنگ پر ابھارا جب اس ملعون کی بری خصلت کی اطلاع حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو ملی تو آپ نے حق تعالیٰ کی جانب میں دعا کی کہ ابن اشرف کے شر سے ہمیں محفوظ رکھ جس طرح کہ تو چاہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ارادہ فرمایا اور اس کے حضور سے اس کے ہلاک و قتل کرنے کا حکم ہوا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو فرمایا کہ کچھ لوگوں کو اس کے قتل کرنے کیلئے بھیجو۔ ایک روایت میں ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کون ہے تم میں سے جو ابن اشرف کے شر سے محفوظ رکھے۔ کیونکہ اس کی عداوت ہم پر خوب ظاہر ہو چکی ہے اور وہ ہماری اور مسلمانوں کی برائیاں کرتا ہے۔ وہ شرکوں کو ابھارتا اور انہیں جنگ پر مجتمع کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے مجھے خبر دی ہے اور حکم فرمایا ہے کہ اسے قتل کر دیا جائے۔ اس کے بعد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس آیت کریمہ کی تلاوت فرمائی۔

أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِينَ أَوْتُوا نَصِيبًا مِنَ الْكِتَابِ يُؤْمِنُونَ
بِالْجِبْتِ وَالطَّاغُوتِ وَيَقُولُونَ لِلَّذِينَ كَفَرُوا هَؤُلَاءِ
أَهْدَىٰ مِنَ الَّذِينَ آمَنُوا سَبِيلًا أُولَٰئِكَ الَّذِينَ لَعَنَهُمُ اللَّهُ
وَمَنْ يَلْعَنِ اللَّهُ فَلَنْ نَجِدَ لَهُ نَصِيرًا ۝

کیا تم نے ان لوگوں کو نہ دیکھا جن کو توریت کا کچھ حصہ ملا وہ نفس
و شیطان کی پیروی کرتے ہیں اور ان لوگوں سے کہتے ہیں
جنہوں نے کفر کیا اور یہ لوگ ایمانداروں سے زیادہ ہدایت
پاۓ ہیں۔ یہی وہ لوگ ہیں جن پر اللہ لعنت بھیجتا ہے اور جس
پر اللہ کی لعنت ہو تو اس کا کوئی بھی مددگار نہیں۔

ایک روایت میں ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے محمد بن مسلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا کہ سعد بن معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اس بارے میں مشورہ کریں۔ چار اور صحابہ نے بھی محمد بن مسلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ اتفاق کیا یعنی ابونا کلمہ رضی اللہ عنہ (جس کا نام ماکان بن سلام تھا اور وہ کعب بن اشرف کے رضاعی بھائی اور زمانہ جاہلیت میں اس کے مشیر تھے) عباد بن بشر حارث بن اوس بن معاذ اور ابوعبسی بن جبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔ یہ سب قبیلہ اوس سے تعلق رکھتے تھے۔ روضۃ الاحباب میں اس قصہ کو تفصیل کے ساتھ ذکر کیا گیا ہے۔ ہم نے بخاری کی حدیث کو ماخذ قرار دے کر اس کا ترجمہ کیا ہے اور اس کی موافقت مع ماہد بن اور کی و زیادتی کو اس ترجمہ کے ساتھ شامل کر دیا ہے۔ امام بخاری نے حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کعب بن اشرف کے بارے میں فرمایا کہ کون ہے جو کعب بن اشرف کو قتل کرنے کیلئے تیار ہے۔ اس لیے کہ وہ خدا اور اس کے رسول کو ایذا میں پہنچاتا ہے۔ اس پر محمد بن مسلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کھڑے ہو کر عرض کیا۔ یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم)! کیا آپ پسند فرماتے ہیں کہ میں اسے ہلاک کروں۔ فرمایا ہاں۔ پھر محمد بن مسلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا ”اگر اس کے قتل میں حیلہ جوئی کی جائے اور اسے فریب دیا جائے اور ایسی باتیں اس سے کی جائیں جو بظاہر شکایت اور نقض عہد بجناب رسالت سے متعلق ہوں تو کیا اس کے کہنے کی اجازت ہے؟ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ”جو چاہو کہو اور اسے جس طرح چاہو قتل کرو۔ اس کے بعد محمد بن مسلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کعب کے پاس گئے اور اس سے کہنے لگے یہ شخص یعنی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہم سے صدقات مانگتا ہے یعنی زکوٰۃ وغیرہ میں اموال طلب کرتے ہیں۔ ہمیں دشواری و مشقت میں ڈال رکھا ہے (یعنی صدقات لینے اور احکام شرعیہ میں عمل کرانے سے) بخاری کی حدیث میں اتنا ہی ہے مگر روضۃ الاحباب میں اس قصہ کو اس سے زیادہ بیان کیا گیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ محمد بن مسلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا۔ ”یہ

شخص یعنی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے لیے سراسر آفت ہیں اور اہل عرب ہم سے جنگ کرنے کے درپے ہو گئے ہیں۔ تجارت و آمد و رفت کی راہ کو مسدود کر رکھا اور ہر وقت ہم سے صدقہ وغیرہ طلب کرتے ہیں حالانکہ ہم اتنا بھی حاصل نہیں کر سکتے جس سے ہم گزر سکیں۔ ہم کو رنج و تعب میں ڈال رکھا ہے۔“ کعب نے کہا ”بخدا ابھی سے تم ان سے ملو ہو گئے ہو۔ مطلب یہ کہ ابھی کیا ہوا ہے اس سے زیادہ ملال اور محنت و مشقت ان سے اٹھاؤ گے۔ محمد بن مسلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا ”اب تو خود ہم اس کی پیروی کرتے ہیں اور ہمیں اس سے زیادہ دیا ہے اور ہم پسند نہیں کرتے کہ فوراً اپنے قول سے پھر جائیں۔ وہ ملعون اس بات سے بہت خوش ہوا۔ وہ بیان کرتے ہیں کہ محمد بن مسلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ باہم مشورہ سے اس کام میں مامور تھے۔ ابونا نکلہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی ان کے ہمراہ تھے۔ انہوں نے کہا ہمیں تم سے ایک ضرورت لاحق ہو گئی ہے کہ تم ہمیں وسق یا دو وسق شک راوی ہے از قسم عظام ہمیں قرض دو۔ وسق (فتح واد و سکون سین) ایک وزن ہے جو ساٹھ صاع کا ہوتا ہے۔ ایک روایت میں وسق کا ذکر نہیں ہے اتنا ہی ذکر ہے کہ ہمیں از قسم طعام قرض چاہئے۔ جیسا کہ روضۃ الاحباب میں بیان کیا گیا ہے۔ کعب نے کہا ”ہم ہاں تمہیں قرض دیں گے اس شرط پر کہ تم کچھ میرے پاس گروی رکھو۔ انہوں نے کہا کیا چیز گروی رکھیں۔ کعب نے کہا اپنی عورتوں کو گروی رکھ دو۔ انہوں نے کہا ہم عورتوں کو کیسے گروی رکھ سکتے ہیں کیونکہ تم بہت خوبصورت اور خوش شکل ہو اور عرب کی عورتیں خوبصورتی اور خوش شکلی پر فریفتہ ہو جاتی ہیں۔ مبادا وہ اس میں گرفتار ہو کر مبتلا ہو جائیں۔“ انہوں نے یہ نہیں کہا کہ تو مبتلا ہو جائے اور ان عورتوں سے بدکاری کرنے لگے۔ بناوٹی ادب و تعظیم کی بنا پر کعب کی طرف بدکاری کی نسبت کرنے سے بچے کہ کہیں وہ ہاتھ سے نہ نکل جائے۔ اس نے کہا اگر عورتوں کو گروی نہیں رکھ سکتے تو اپنے بچوں کو گروی رکھ دو۔ انہوں نے کہا ہم بچوں کو گروی کیسے رکھ سکتے ہیں لوگ ہمیں اس پر گالیاں دیں گے اور عیب لگائیں گے کہ ایک وسق یا دو وسق کھانے کے بدلے بچوں کو گروی رکھ دیا۔ نہ بات ہمارے لیے باعث شرم ہے لیکن ہم اپنے لامہ یعنی ہتھیار کو گروی رکھ سکتے ہیں۔

اتفاق کر کے آئے تھے اور طے پایا تھا کہ جب کعب آئے گا تو میں اس کے سر کے بالوں کو سونگھوں گا اور جب تم دیکھو کہ میں نے بال مضبوطی سے پکڑ لیے ہیں تو تم تلوار سے گردن اڑا دینا۔ کعب چادر سے سر اور جسم کو لپیٹے نیچے آیا۔ اس کے سر سے خوشبو کی لپٹیں آرہی تھیں۔ محمد بن مسلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا ”میں نے آج تک ایسی کوئی خوشبو نہیں دیکھی جیسی خوشبو تم سے آرہی ہو۔ اس نے کہا ”میں نے عرب کی اس عورت سے نکاح کیا ہے جو خوشبو کو بہت پسند کرتی ہے اور ان میں وہ بہت خوبصورت“ محمد بن مسلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا ”کیا تم اجازت دیتے ہو کہ میں تمہارے سر کی خوشبو کو سونگھوں؟“ اس نے کہا ”اجازت ہے“ انہوں نے اس کے بالوں کو پکڑ کے سونگھا اور اپنے ساتھیوں کو بھی سونگھایا۔ پھر چھوڑ دیا۔ دوسری مرتبہ پھر سونگھا اور بالوں کو مضبوطی سے ہاتھ میں لپیٹ لیا اور کہا ”اس دشمن خدا کی گردن اڑا دو“ انہوں نے اس ملعون کو قتل کر کے اس کے ناپاک جسم سے ناپاک سر کو جدا کر دیا اور مدینہ طیبہ کی طرف چل دیے۔ اتفاق سے حارث بن اوس کو ساتھیوں کی تلوار سے زخم لگایا اور کعب کے گھر اور قلعہ والے باہر نکل آئے اور ایک دوسرے پر پل پڑے۔ اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو نہ دیکھ سکے۔ جب یہ صحابہ بقیع میں پہنچے تو بلند آواز سے تکبیر کہی۔ اس وقت حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم قیام لیل میں مشغول تھے۔ جب ان کی تکبیر کی آواز سنی تو جان لیا کہ وہ اس کا کام تمام کر کے آگئے ہیں۔ آپ نے بھی تکبیر بلند فرمائی۔ جب وہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں آئے تو اس دشمن خدا کا پلید سر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے قدموں میں ذلت و حقارت کے ساتھ ڈال دیا۔ یہ پہلا سر ہے جو اسلام میں کاٹا گیا اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے شکر خدا ادا فرمایا۔ لعاب و ذہن شریف حارث بن اوس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اس زخم پر لگایا جو ساتھیوں کی تلوار سے پہنچا تھا اور اس سے خون بہہ رہا تھا۔ وہ زخم اسی وقت ٹھیک ہو گیا۔ الحمد للہ۔

اس جگہ بعض ناقص الفہم کج طبع لوگوں کو خیال ہوتا ہے کہ کعب بن اشرف کے قتل میں یہ حیلہ کرنا اور دعا سے بلا کر مار ڈالنا کیا بارگاہ نبوت کے لائق تھا! وہ اتنی بات نہیں سمجھتے کہ ان کا یہ خیال طبیعت کی کجی اور عدم فہمی پر مبنی ہے۔ اس لیے کہ وہ واجب القتل تھا اور حق تعالیٰ نے اس کے قتل کا حکم فرمایا تھا اس کے ساتھ کسی قسم کا معاہدہ بھی نہ تھا اسے جس طرح بھی ممکن ہوتا بہر طور قتل ہی کیا جاتا اور اگر جنگ میں مارا گیا ہوتا تب بھی تو یہی بات تھی کیونکہ الْحَرْبُ خُذْ عُنْهُ جَنگ ایک داؤ ہے۔ مشرکین کو قتل کرنا اور ان کے شر و فساد کو دور کرنا اصلاح عالم کے قصد اور اہل خیر کی بھلائی کیلئے ہے۔ بعینہ اس کی مثال یہ ہے کہ میوہ دار درختوں کی اصلاح و افزائش کیلئے بے کار اور زائد شاخوں کو درختوں سے چھانٹا جاتا ہے تاکہ درخت کی افزائش ہو اور اگر ان کی یہ اصلاح و چھانٹ نہ ہو تو درخت نہ تو پھل دے اور نہ وہ بڑھے۔ کیا بجائے خود ایمان و تصدیق حق نہیں ہے۔ کیا اس کے حق ہونے میں کوئی شک و شبہ ہے۔

غزوہ نجران: اسی تیسرے سال کے واقعات میں سے غزوہ نجران ہے۔ اس کو غزوہ بنی سلیم بھی کہتے ہیں۔ یہ ”فرع“ کے نواح میں ہے۔ اس کا سبب یہ تھا کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع ملی کہ وہاں بنی سلیم کے لوگ جمع ہو رہے ہیں۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تین سو صحابہ کی جماعت کے ساتھ تشریف لے گئے۔ آپ نے وہاں پہنچ کر دیکھا کہ وہ اپنے کنوؤں تالابوں پر بکھرے ہوئے ہیں۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے وہاں گشت فرمائی لیکن کوئی مقابلہ کیلئے نہ نکلا اس کے بعد آپ نے مراجعت فرمائی۔ اس وقت مدینہ منورہ میں حضرت ابن ام کلثوم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو خلیفہ مقرر کیا تھا۔ یہ سفر دس دن کا تھا۔ جیسا کہ مواہب میں ہے اور یہ غزوہ مواہب میں

انہوں نے وہ راستہ چھوڑ دیا۔ انہوں نے عراق کا راستہ اختیار کر لیا۔ وہ ایک کثیر جماعت کے ساتھ تجارت کیلئے نکلے تھے۔ اس قافلہ میں ابوسفیان بن حرب اور صفوان بن امیہ بھی تھا۔ ان کے ساتھ کثرت سے مال اور چاندی کے برتن تھے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ہجرت کے اٹھائیسویں مہینے ماہ جمادی الآخر کی پہلی تاریخ کو سواروں کے ساتھ روانہ فرمایا۔ وہ اس قافلہ کے سر پر پہنچ گئے، قافلہ کے بڑے بڑے لوگ بھاگ کھڑے ہوئے بقیہ پورے قافلہ کو گرفتار کر کے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں لے آئے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس اس میں سے جدا کر لیا جائے۔ ارباب سیر کہتے ہیں کہ یہ خمس بیس ہزار درہم اور ایک روایت میں پچیس ہزار درہم کا تھا۔ باقی مال غنیمت کو اہل سریہ تقسیم کیا گیا۔ ابن اسحق نے اس قضیہ کو کعب بن اشرف کے قتل کے قضیہ سے پہلے بیان کیا ہے۔

تاجر حجاز ابورافع کا قتل: اسی سال کعب بن اشرف کے قتل کے بعد تاجر حجاز ابورافع کا قتل واقع ہوا۔ اس کا قتل کعب کے قتل سے زیادہ عجیب و غریب ہے۔ صحیح بخاری میں اس باب میں دو حدیثیں ہیں اور ان میں قدرے اختلاف مذکور ہے۔ ہم ان دونوں حدیثوں کو نقل کرتے ہیں۔ روضۃ الاحباب میں ارباب سیر کہتے ہیں کہ ایک قول کے بموجب اس کا قتل چوتھے سال میں ہے۔ ایک قول کے بموجب پانچویں سال میں اور ایک قول سے چھٹے سال میں قوی ترین وہی قول ہے۔ اس واقعہ کا تذکرہ ہم اس جگہ اس طریقہ سے کرتے ہیں جس طرح کعب کے قتل کا قصہ بیان کیا ہے۔ صحیح بخاری میں بھی ایسا ہی مذکور ہے۔ قسطلانی نے شرح میں لکھا ہے کہ یہ واقعہ چھٹے سال کے ماہ رمضان میں واقع ہوا۔ ابورافع کا نام عبداللہ بتاتے ہیں اور بعض سلام (بشید لہام اور تخفیف لام) کہتے ہیں اور یہ ابی الحقیق (بصیغہ تصغیر) کا بیٹا اور کنانہ بن ابی الحقیق کا بھائی تھا۔ جو صفیہ کا شوہر تھا۔ اس کا ذکر غزوہ خیبر میں آئے گا۔ یہ ابورافع، زمین حجاز میں ایک قلعہ کے اندر رہتا تھا۔ وہ بھی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں کو ایذا پہنچانے میں مشغول رہتا تھا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف جنگ میں مشرکوں کی اعانت کرتا تھا۔ اس کا قصہ یہ ہے کہ جب محمد بن مسلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ وغیرہ نے (جو قبیلہ اوس سے تعلق رکھتے تھے) بتوفیق الہی کعب کے قتل کا عظیم الشان کارنامہ انجام دیا۔ قبیلہ خزرج کے لوگوں میں بھی ولولہ پیدا ہوا کہ وہ بھی کعب کی مانند کسی اعداء دین کے قتل کا کام سرانجام دیں۔ باہمی مشورہ کے بعد انہوں نے ابورافع کو منتخب کیا۔ یہ بھی پیغمبر خدا اور مسلمانوں کی ایذا رسانی میں مشغول رہتا تھا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف جنگ میں اپنے مال و منال سے مشرکوں کی مدد کرتا تھا۔ اس عبارت سے پتہ چلتا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ابتداء میں ابورافع کے قتل کا شوق نہیں دلایا تھا بلکہ اہل خزرج نے اس کے قتل کی از خود درخواست کی تھی۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اس کی اجازت مرحمت فرمادی تھی۔ خزرج والوں نے اپنی ایک جماعت اس کام کیلئے مقرر کر دی اور ان پر عبداللہ بن عتیک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو امیر بنایا۔ اجازت کے بعد خیبر کی جانب جہاں ابورافع قلعہ میں رہتا تھا

اٹھا کر دروازہ کو کھول دیا۔ یہ میں نے اس لیے کیا کہ اگر بالفرض قلعہ والوں کو میری خبر ہو جائے اور وہ مجھے جان لیں تو نکل کر بھاگ سکیں۔ اس کے بعد میں نے ابورافع کی جستجو کی۔ دیکھا کہ وہ بالا خانہ میں ہے اور جاگ رہا ہے اور قصہ خواں اسے قصہ سنارہا ہے۔ بخاری کی حدیث میں ہے کہ وہ اسے افسانہ سنارہا تھا۔ جب فارغ ہو گیا تو ابورافع سونے کیلئے چلا گیا۔ ان کے بعد میں نے بالا خانہ کے دروازے کھولے اور اندر چلا گیا اور جس کمرے کو میں کھولتا اسے اندر سے بند کر لیتا تاکہ اگر کسی کو میری آہٹ ہو جائے تو وہ مجھ تک نہ پہنچے۔

غزوہ احد

اسی تیسرے سال ہجرت میں غزوہ احد واقع ہوا جو ماہ شوال کی گیارہ راتیں یا سات راتیں گزرنے کے بعد ہوا۔ بعض لوگ نصف شوال کہتے ہیں اور مالک سے منقول ہے کہ بدر کے ایک سال بعد واقع ہوا اور انہیں سے یہ بھی منقول ہے کہ ہجرت کے اکتیسویں مہینہ کے شروع میں واقع ہوا۔ یہ غزوہ بھی غزوات عظیمہ میں سے ہے۔ غزوات اسلام اور قوت دین میں یہ غزوہ بدر کی مانند ہے۔ جزا اس بات کے کہ بدر میں حسن و جمال اور فضل و کمال تھا اور غزوہ احد میں حق تعالیٰ کی کبریائی اور اس کے جلال کا کرشمہ بھی ہے۔ اس بنا پر اس میں بدر کے قیدیوں کے فدیہ کا بدلہ ہے جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا ہے۔ اس بنا پر بھی کہ بعض اصحاب اس مرکز اسقامت سے جسے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کیلئے متعین فرمایا تھا متزلزل ہوئے اور ثابت قدم نہ رہے اور مال غنیمت اور دنیاوی ساز و سامان کے اکٹھا کرنے کی طرف مائل ہو گئے۔ جیسا کہ آیت کریمہ میں ہے: **مِنْكُمْ مَنْ يُرِيدُ الدُّنْيَا وَمِنْكُمْ مَنْ يُرِيدُ الْآخِرَةَ**۔ کچھ لوگ تم میں سے دنیا کی خواہش رکھتے ہیں اور کچھ آخرت کا ارادہ رکھتے ہیں۔ اس آیت میں اس متزلزل و وحشت کے سوا ان چیزوں کا بھی اشارہ فرمایا گیا جو آئندہ ذکر کی جائے گی۔ معارج میں کہا گیا ہے کہ وحشت میں مبتلا کرنے والا غزوہ احد کا ہے اور آخر میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں کی فتح و نصرت اور عزت و رفعت واقع ہوئی۔ مواہب میں بعض علماء سے منقول ہے وہ فرماتے ہیں کہ جو یہ کہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو شکست و ہزیمت ہوئی۔ اس سے توبہ کرائی جائے اور اگر توبہ نہ کرے تو قتل کر دینا چاہیے۔ اس لیے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم یقین کامل پر گامزن تھے لہذا ہزیمت کی نسبت حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف کرنا یقین کے نف کر سترزم ہے اور یہ موجب کفر ہے۔

احد (بضم ہمزہ حا) مدینہ منورہ کا ایک مشہور پہاڑ ہے اور یہ تو حد سے بنا ہے۔ اس بنا پر کہ یہ دیگر پہاڑوں سے علیحدہ، منفرد اور منقطع ہے۔ یہ پہاڑ کا ایک ٹکڑا ہے یہ مدینہ منورہ کے شمال کی جانب دو میل یا اس سے کچھ زیادہ مسافت پر واقع ہے۔ کوئی پہاڑ اس سے ملا ہی نہیں ہے۔ اس بنا پر اس کا نام احد ہے۔ یہ اہل ایمان و توحید کی نصرت کا مقام ہے۔ اس نکتہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اس نام کا اس پر اطلاق اہل اسلام کی شہرت اور فضیلت دینے سے ہوا ہے۔ لیکن ظاہر یہ ہے کہ اس پر اس نام کا اطلاق وجود اسلام سے پہلے سے ہے۔ احادیث کریمہ میں اس پہاڑ کے بکثرت فضائل وارد ہوئے ہیں اور کتاب ”جذب القلوب الی دیار الحبیب“ میں ان سب کو بیان کر دیا گیا ہے۔ جبل احد شریف کی فضیلت میں یہ حدیث بہت مشہور ہے کہ **أَحَدٌ جَبَلٌ يُحِبُّنَا وَنُحِبُّهُ**۔ احد وہ پہاڑ ہے جو ہم سے محبت رکھتا ہے اور ہم اس سے محبت رکھتے ہیں۔ ایک روایت میں حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ ایک دن حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر مبارک احد پہاڑ پر پڑی تو تکبیر بلند کر کے فرمایا۔ **هَذَا جَبَلٌ يُحِبُّنَا وَنُحِبُّهُ عَلَىٰ بَابِ ابْوَابِ الْجَنَّةِ**۔ یہ وہ پہاڑ ہے جو ہم سے محبت رکھتا ہے اور ہم اس سے محبت کرتے ہیں جو جنت کے دروازوں میں سے ایک دروازہ پر ہے۔ پھر مدینہ منورہ کے جنوب کی جانب ایک پہاڑ ہے جس کا نام ”عمر“ (فتح عین و سکون یاء) ہے۔ اس کی شان میں فرمایا **عَمْرٌ جَبَلٌ يُبْغِضُنَا وَنُبْغِضُهُ عَلَىٰ بَابِ مِّنْ أَبْوَابِ النَّارِ**۔ عمرو پہاڑ ہے جو ہم سے بغض و عداوت رکھتا ہے اور ہم بھی بغض و عداوت اس سے رکھتے ہیں۔ یہ جہنم کے دروازوں میں سے ایک دروازہ ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ بغض و عداوت اور سعادت و شقاوت ہمدات میں بھی پیدا ہے۔

امام نووی رحمۃ اللہ فرماتے ہیں کہ حدیث مذکور میں جانبین سے محبت یعنی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب سے جبل احد کی طرف نسبت اور جبل احد کی جانب سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف نسبت حقیقت پر محمول ہے۔ لہذا جبل احد جنت میں داخل ہوگا جہاں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جلوہ افروز ہوں گے۔ **الْمَرْءُ مَعَ مَنْ أَحَبَّ**۔ ”جو جس کے ساتھ محبت رکھے گا اسی کے ساتھ ہوگا۔“

پہاڑوں میں عشق و محبت کا پیدا فرمانا، جمادات میں وجود تسبیح کے حکم پر ہے۔ کیونکہ حق تعالیٰ نے فرمایا: **وَأَن يَتَسَبَّحَ بِحَمْدِهِ** کائنات کی ہر چیز حق تعالیٰ کی حمد و تسبیح کرتی ہے اور جبکہ پہاڑ اور تمام جمادات حق تعالیٰ کی حمد و تسبیح اور اس کے ذکر کا مکمل ہیں تو اگر اس کے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کرنے کے ساتھ بھی وہ موصوف ہوں تو کیا مشکل ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا اس جلیل المنزلت پہاڑ سے فرمانا کہ **أَسْكُنْ يَا أَحَدُ فَإِنَّمَا عَلَيْكَ نَبِيٌّ أَوْ شَهِيدٌ** اے احد ساکن رہ بلاشبہ تجھ پر نبی یا شہید ہے۔ یہ ارشاد عقل و فہم اور عشق و محبت جو کہ لوازم فہم و عقل کے وجود پر دلیل ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو پتھروں کا سلام کرنا اور آپ کی جدائی میں استن حنائہ کا رونا اس مقصد پر دلائل واضح ہیں۔ محبت وعداوت کو وہاں کے رہنے والوں کی محبت وعداوت سے تاویل کرنا از قسم جہالت و نادانی ہے۔ اسی طرح یہ جو بعض کہتے ہیں کہ یہ ارشاد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اپنے اس مسرت و خوشی کے اظہار کی طرف اشارہ فرمانا ہے جو سفر سے واپسی کے وقت جبل احد کے دیکھنے سے جو اعظم و ارفع آثار و علامات اس شہر مدینہ طیبہ کا حامل ہے۔ مسرت و خوشی حاصل ہوتی ہے اور وہ زبان حال سے شہر مدینہ کے قریب ہونے اور وہاں کے رہنے والوں سے محبت کرنے کی خبر دیتا ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی خبر اور بشارت دی ہے اور یہ کام محبت کرنے والوں کا ہے بغیر اس قید کے کہ علم و عقل اور قیاس کے ساتھ کوئی تنگی و دشواری ہو۔ لیکن تحقیقی بات وہی ہے جو ارباب بصیرت نے فرمائی ہے جس کا اوپر ذکر ہو چکا ہے۔ یہ بحث طویل ہے اب ہم اپنے مقصود کی طرف لوٹتے ہیں جو غزوہ احد سے متعلق ہے۔

جب مشرکین قریش بدر سے بھاگ کر مکہ پہنچے اور ابوسفیان اپنے قافلہ کو مکہ لے آیا اور قافلہ کے مال کو ”دار الندوہ“ میں رکھا خدا دید قریش اور ان کے بیٹے بدر میں مارے گئے تو ابوسفیان نے لوگوں سے کہا کہ اپنے اموال سے ہماری اعانت کرو تا کہ اس سے ایک لشکر کا سامان فراہم کریں اور اپنا کینہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے نکالیں اور ان سے جنگ کر کے اپنا انتقال لیں۔ افسوس تم لوگ کتنے بے عقل ہو، محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے اصحاب سے تو اپنا کینہ نکالنے کی خواہش رکھتے ہو لیکن تم سے خدا جو (شرک و کفر اور ایذا رسانی کا) بدلہ لے گا اس کا علاج تمہارے پاس کیا ہے۔ کیا کرو گے کیوں کہ وہ فرماتا ہے: **إِنَّا مِنَ الْمُجْرِمِينَ مُنتَقِمُونَ**۔ ”ہم مجرموں سے انتقام لینے والے ہیں۔“

ارباب سیر بیان کرتے ہیں کہ تمام مال ایک ہزار اونٹ کے بوجھ کا تھا اور اس المال یعنی اصل قیمت اس کی پچاس ہزار امثال تھی اور اس کا نفع بیس ہزار امثال تھا چنانچہ انہوں نے اس المال تو مالکوں کو لوٹا دیا اور نفع کو لشکر کی تیاری کیلئے روک لیا۔ ان لوگوں کے بارے میں حق تعالیٰ فرماتا ہے:

إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا يَنْفِقُونَ أَموَالَهُمْ لِيَصُدُّوا عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ فَسَيَنْفِقُونَهَا ثُمَّ تَكُونُ عَلَيْهِمْ حَسْرَةً ثُمَّ يُغْلَبُونَ ۝۵

بیشک جنہوں نے کفر کی اپنے اموال کو خدا کی راہ سے روکنے کیلئے خرچ کرتے ہیں تو وہ ان اموال کو خرچ کریں گے۔ اس کے بعد ان پر حسرت ہوگی پھر وہ مغلوب ہوں گے۔

اس کے بعد انہوں نے عرب کے چرب زبانوں کی ایک جماعت کو جن میں عمرو بن العاص بھی تھے قبائل عرب کی طرف بھیجا تا کہ ان کو مدد و اعانت پر آمادہ کریں اور بہت بڑا لشکر جمع کریں اور ان کے ہم خیال ایک دل بن جائیں۔ عورتوں کی ایک ٹولی بھی ان کے ہمراہ بھیج تا کہ وہ بدر کے مقتولوں پر جن کے زخم ابھی تازہ تھے نوحہ کریں اور ایسے گانے گائیں جن سے جوش انتقال پیدا ہو۔ ان میں مسلمانوں کے ساتھ جنگ کرنے کا ولولہ ابھرے اور اس میں وہ مضبوط رہیں۔ اگرچہ ابوسفیان اس میں چنداں راضی نہ تھا لیکن اس کی بیوی ہندہ دختر عتبہ بن ربیعہ عورتوں کے بھیجنے میں مصر رہی۔ جب موجودہ لشکر کی گنتی کی گئی تو یہ تین ہزار نفری پر مشتمل تھا جن میں سات سوزہ پوش تھے اور دوسو گھوڑے، تین ہزار اونٹ اور پندرہ سو عورتوں کے ہودج تھے۔ یہ سب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جنگ کرنے کیلئے نکل پڑے۔

سبحان اللہ کہاں جا رہے ہیں اور کس کام کیلئے جا رہے ہیں۔ کس سے جنگ کا ارادہ کر رہے ہیں۔ (نعوذ باللہ من الغفلة والشقاۃ)
حضرت عباس بن عبدالمطلب نے جو اس وقت مکہ میں تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک خط بھیجا جس میں لشکر کفار کی تعداد اور اس کی پوری کیفیت درج تھی اور قاصد کو حکم دیا کہ وہ تین دن میں یہ خبر پہنچا دے۔

اس کے بعد لشکر کفار مدینہ طیبہ کی طرف چل دیا۔ اس لشکر کی سرداری ابوسفیان کے سپرد کی گئی کیونکہ وہ سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی عداوت اور دشمنی میں بہت سخت تھا۔ جب یہ لشکر کفار ذوالحلیفہ پہنچا جو مدینہ سے پانچ چھ میل کے فاصلہ پر ہے تو اس نے وہاں تین دن قیام کیا۔
حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت خباب رضی اللہ تعالیٰ عنہ بن المذکر کو جو صاحب عزم اور رزم تھے۔ لشکر کفار کی تعداد اور کیفیت معلوم کرنے کیلئے روانہ کیا چنانچہ حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جو کچھ لکھا تھا یہ بھی ویسی ہی خبر لائے۔ اس پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: حَسْبُنَا اللَّهُ وَنِعْمَ الْوَكِيلُ اَللّٰهُمَّ بِكَ اَحْوَلُ وَبِكَ اَصْوَلُ۔ ”ہمیں اللہ ہی کافی ہے اور وہی بہترین وکیل ہے۔ اے خدا تجھ سے ہی میں طاقت مانگتا ہوں اور تجھ ہی سے میں رعب و دبدبہ چاہتا ہوں۔“ اس میں اشارہ ہے کہ اگر کسی کو ایسی خبر ملے جس میں کسی دشمن وغیرہ کی طرف سے خوف و ہراس ہو تو چاہئے کہ وہ بارگاہ الہی کی طرف رجوع کرے۔ اس پر توکل کرے اور اس سے استعانت و استمداد کی کوشش کرے۔

معارج النبوة میں واقعہ دی سے منقول ہے کہ جب یہ مشرکین ”ابواء“ میں پہنچے جہاں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی والدہ ماجدہ کی قبر اطہر ہے تو انہوں نے چاہا کہ حضرت آمنہ کی قبر کو کھود کر ہڈیاں نکال لیں تاکہ اگر بالفرض ہماری عورتیں ان کی قید میں چلی جائیں تو ہم کہیں کہ تمہاری والدہ کی ”عظام رنیم“ یعنی قبر کی ہڈیاں ہمارے قبضہ میں ہیں تو وہ لامحالہ اس کے بدلہ میں ہماری عورتوں کو واپس کر دیں گے۔ اگر عورتیں ان کی قید میں نہ آئیں تو ہم نال کثیر کے بدلہ میں یہ ہڈیاں ان کے حوالہ کر دیں گے۔ جب انہوں نے ابوسفیان سے اس بارے میں مشورہ کیا تو اس نے ان کی رائے کو بودہ اور کم عقل قرار دیا اور کہا کہ بنو بکر اور خزاعہ جو کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے حلیف و دوست ہیں اگر وہ اس بات پر مطلع ہو جائیں گے تو وہ ہمارے مردوں کی تمام قبروں سے ان کی ہڈیاں نکال لیں گے۔

اس کے بعد ابوسفیان وہاں سے لشکر کفار کے ساتھ چل دیا اور احد کے کنارے یطین وادی میں مدینہ طیبہ کے مقابل پڑاؤ ڈال دیا۔ جمعہ کی رات گزار کر ہفتہ کے دن فریقین ایک دوسرے کے مقابل ہو گئے۔ بعض مشاہیر صحابہ نے مثلاً حضرت سعد بن معاذ، سعد بن عبادہ اور سید بن حضیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما اور دلاور ان صحابہ کی جماعت کے ساتھ مسلح ہو کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پاسبانی کیلئے کھڑے ہو گئے اور تمام رات جاگ کر پہرہ دیا۔ بعض اور مسلمانوں نے بھی اس رات مدینہ میں پاسبانی کی۔ ”اس رات حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک خواب دیکھا جب صبح ہوئی تو فرمایا میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ میں گایوں کو ذبح کر رہا ہوں اور میں نے دیکھا کہ میری تلوار میں رخنہ پڑ گیا ہے۔ میں نے دیکھا کہ میں نے اپنے ہاتھوں کو زہرہ میں مضبوطی سے ڈال لیا ہے۔“ مواہب لدنیہ میں خواب کو اسی طرح بیان کیا گیا ہے لیکن روضۃ الاحباب اور معارج النبوة میں اس طرح بیان کیا ہے کہ میں نے ایک زہرہ پہن رکھی ہے اور ذوالفقار میں چند رخنے پڑ گئے ہیں اور گایوں کو مار ڈالا گیا ہے۔ اس کے پیچھے ذبح کیا ہوا دنبہ ہے۔ ”ذوالفقار“ دنبہ بن حجاج سہمی کی تلوار کا نام ہے جو غزوہ بدر کی غنیمت میں حاصل ہوئی تھی اور اسے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دشمنوں کیلئے لے لیا تھا اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس رہتی تھی۔ یہاں تک کہ وہ غزوہ خندق میں آپ نے حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو عطا فرمائی۔ صحیح بخاری میں مطلقاً تلوار بیان کی گئی ہے لیکن قسطلانی نے کہا ہے کہ مراد ذوالفقار ہے۔ نیز صحیح بخاری میں خواب کی تفصیل اس طرح بیان کی گئی ہے کہ میں نے خواب میں دیکھا کہ میں تلوار کو گھما رہا ہوں تو وہ صدر یعنی درمیان سے ٹوٹ گئی۔ اس سے یہ تعبیر نکلی کہ مسلمانوں کو شکست

اور ہزیمت اٹھانی پڑی۔ فرماتے ہیں میں نے اس تلوار کو دو بارہ گھمایا تو وہ پہلے سے بہتر ہو گئی۔ اس کی یہ تعبیر تھی کہ بعد میں مسلمانوں کو فتح و اجتناء سے خود تعالیٰ نے بہرہ ور فرمایا۔ ”اس خبر اور خواب کو روضۃ الاحباب اور معارج النبوة میں بیان نہیں کیا گیا۔“

اب باقی رہی وہ بات جو خواب کی بقیہ تعبیر کے سلسلہ میں بیان ہوئی ہے زرہ محکم سے مدینہ طیبہ اور ذوالفقار کے رخنے سے مراد وہ مصیبت تھی جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو پہنچی چنانچہ آپ کا لب دندان اور رخسار شریف مجروح ہوئے۔ ارباب سیر فرماتے ہیں کہ ذوالفقار کے رخنے سے مراد اہل بیت رسول میں سے کسی شخص کا شہید ہو جانا ہے۔ چنانچہ سید الشہد حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت واقع ہو گئی اور گائیوں سے مراد صحابہ کرام کی شہادت ہوگی جو روزِ احد واقع ہوئی۔

مخفی نہ رہنا چاہئے کہ بقر اسم جنس ہے اور مواہب نے جو یہ کہا ہے کہ بقر سے مراد میرے صحابہ میں سے وہ لوگ مراد ہیں جو شہید ہوئے ہیں۔ بہتر ہے لیکن کبش یعنی دنبہ اس سے لشکر کفار مراد ہے۔ مطلب یہ کہ ان میں کوئی بڑا شخص ہے اور ان بڑوں میں سے ایک نام ”کبش الکلبہ“ بتاتے ہیں جو مارا گیا ہے۔ جیسا کہ روضۃ الاحباب میں ہے اور معارج النبوة میں ہے کہ اس سے دشمنوں کے بڑے لوگ مراد ہیں۔ (کذا قالو)

اس مسکین (یعنی مولف مدارج النبوة) کے ذہن میں ایسا آتا ہے کہ بقر سے عام صحابہ مراد ہوں گے اور کبش (دنبہ) سے خالص صحابی وہ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ ہیں جو حملہ کرنے میں مینڈھ کی مانند تھے (واللہ اعلم)

ارباب سیر بیان کرتے ہیں کہ انصار کے وہ حضرات جو غزوہ بدر میں حاضر نہ ہوئے تھے۔ وہ عدم حاضری پر حسرت و افسوس کا اظہار کرتے رہتے تھے اور خواہش رکھتے تھے کہ کوئی ایسا قضیہ اور معرکہ پیش آئے جس میں اس کوتاہی کی تلافی اور حیرانات کر سکیں۔ جس طرح کہ انہوں نے کعب بن الاشرف کے قتل میں خواہش کی تھی اس جیسی خدمت میں ہمارے ہاتھ سے بھی واقع ہوتا کہ ہم بھی چھپے نہ رہیں۔

مسلمانوں کے درمیان اختلاف رائے واقع ہوا تھا بعض کی رائے یہ تھی کہ مدینہ طیبہ سے باہر نہ نکلنا چاہئے اور عورتوں اور بچوں کو کسی محفوظ جگہ بھیج دینا چاہئے۔ ارباب سیر کہتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی رائے شریف بھی انہیں کے موافق قائم ہوئی تھی اور

میں جنت میں داخل ہوں گا تو درست ہوگا اور اچھا ارادہ کرنا ہی چاہئے۔ یہ حقیقت میں امید کا غلبہ اور وعدہ حق پر وثوق اور اس کی ذات پر حسن ظن ہے۔ انہ لایعجب من رجاء۔ بلاشبہ حق تعالیٰ اسے ناامید نہیں فرمایا جو اس سے امید رکھے۔

غرضیکہ صحابہ کرام نے از حد مبالغہ اور اصرار کیا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم باہر نکل کر جنگ کرنے کی طرف مائل ہو جائیں۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے رضامندی ظاہر فرمادی اگرچہ جبراً تھی۔ (واللہ اعلم)

اس کے بعد رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جمعہ کے خطبہ میں لوگوں کو پسند و نصائح فرمائے اور جدوجہد کی تلقین فرمائی۔ خبر دی کہ اگر تم نے صبر کیا اور ثابت قدمی دکھائی تو تمہاری نصرت ہوگی۔ حکم فرمایا کہ لشکر کو ترتیب میں مشغول ہو جائیں۔ اس پر وہ حضرات جو باہر نکل کر جنگ کرنے کے خواہش مند تھے بہت خوش ہوئے۔ جب آپ نے نماز عصر ادا فرمائی تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم حجرہ شریف میں



پر مثلاً عبداللہ بن عمر بن خطاب، زید بن ثابت، اسامہ بن زید، زید بن ارقم، براعازب، ابوسعید خدری، سمرہ بن جندب اور رافع بن خدیج رضی اللہ تعالیٰ عنہما وغیرہ کو فرمایا کہ یہ سب مدینہ منورہ واپس چلے جائیں۔ یہ کرنے لگے۔ ”یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! رافع تیرا انداز ہے“ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو شامل لشکر رہنے کی اجازت دے دی۔ پھر سمرہ بن جندب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! رافعہ کو تو شمولیت کی اجازت مل گئی حالانکہ میں ان کو کشتی میں پچھاڑ سکتا ہوں۔ فرمایا اچھا تم دونوں کشتی کر کے دکھاؤ۔ جب کشتی ہوئی تو سمرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے رافع کو پچھاڑ لیا اس پر سمرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بھی شمولیت کی اجازت مل گئی۔

جب آفتاب غروب ہو گیا تو بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اذان دی آپ نے نماز باجماعت ادا فرمائی۔ رات اسی منزل میں ہو گئی۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم قبیلہ بنی نجار میں قیام فرماتے۔ آپ نے محمد بن مسلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو پچاس افراہ کے ساتھ لشکر کی پاسبانی کیلئے مقرر فرمایا۔ مشرکین قریب آتے اور دیکھتے کہ لشکر اسلام کیا کرتا ہے۔ لشکر کفار میں بھی عکرمہ بن ابوجہل کو مقرر کیا گیا کہ وہ لشکر کفار کی پاسبانی کریں۔ جب رات کا پچھلا پہر ہوا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم بیدار ہوئے اور راہ بروک طلب فرمایا تاکہ وہ دشمنوں کے سر پر عمدہ راستہ سے لے جائے۔ ابوہشمہ حارثی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس خدمت کو قبول کیا۔ اس کے بعد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم گھوڑے پر سوار ہوئے۔ ابوہشمہ راہر بنے اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو احتیاط کے ساتھ احد تک پہنچا دیا۔ راہ میں ایک منافق کے احاطہ پر سے گزر ہوا جس کا نام مرہ بن قبیلی تھا جو طاہر و باطن میں اندھا تھا۔ اس منافق نے لشکر اسلام پر خاک اچھالنا شروع کر دی۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے کہنے لگا اگر آپ خدا کے رسول ہوتے تو میرے احاطہ میں داخل ہو کر میرے احاطہ کو خراب نہ کرتے۔ سعید بن زید اشہلی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس کے سر پر کمان مار کر اس کا سر توڑ دیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: دَعَا فَنَاءَهُ الْاَعْمٰی اَعْمٰی الْقَلْبِ۔ ”اسے چھوڑ دو یہ اندھا ہے دل کا اندھا۔“

جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم احد میں پہنچے تو نماز صبح کا وقت ہو گیا تھا۔ حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اذان دی اور اقامت کہی۔ صفیں درست کی گئیں اور آپ نے نماز باجماعت ادا فرمائی۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ایک زرہ اپنے جسم مبارک پر پہنے ہوئے تھے اس کے اوپر ایک زرہ زیب تن فرمائی اور خود سر مبارک پر رکھا۔ اس سے معلوم ہوا کہ اسباب کو اختیار کرنا اور اس سے لگاؤ رکھنا تو کل کے منافی نہیں ہے کیونکہ سید التوکلین صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا کر کے بتایا ہے۔ درحقیقت تو کل، تقدیر الہی کے ساتھ اعتماد و بھروسہ رکھنا ہے اور اسباب سے علاقہ رکھنا یہ بھی منجملہ تقدیر اور داخل بندگی ہے۔ یہ کہ آپ تمام لوگوں سے بڑھ کر شجاع تھے اور جو جتنا زیادہ شجاع ہوگا وہ جنگ میں اتنا ہی بے پرواہ نہ ہوگا اور وہ آلات حرب کی سب سے زیادہ نگہداشت کرے گا۔

ارباب سیر بیان کرتے ہیں کہ عبداللہ بن ابی منافقوں کا سرگروہ تھا اپنے غول کے ساتھ جو اندازے میں تین سو تھے۔ اسی منزل سے یا اس سے پہلے لوٹ گیا لیکن تحقیقی بات یہ ہے کہ احد میں پہنچنے سے پہلے وہ سب واپس چلے گئے تھے کیونکہ احد مومنوں اور موحدوں کا مقام ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے کفر و نفاق کی وجہ سے انہیں لوٹا دیا تھا۔

معرکہ اُحد: وصل: جب لشکر اسلام احد میں پہنچا تو جابین نے صفیں باندھیں۔ مسلمانوں نے احد کے نیچے یعنی اس کی جڑ میں صفیں باندھیں اور شور بختوں نے زمین شور میں صفیں باندھیں۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم خود صحابہ کی صفوں کو درست فرما رہے تھے اور اس طرح صفیں باندھیں کہ احد پہاڑ پشت پر اور مدینہ مقابل یعنی سامنے آتا تھا۔ وہاں ایک پہاڑ ہے جسے عنین (بصیغہ تنبیہ اور بلفظ جمع بھی آیا ہے) کہتے ہیں اور یہ دہنی جانب واقع ہے۔ یہ عنین پہاڑ میں ایک شگاف تھا اور یہ خطرناک جگہ تھی۔ خطرہ تھا کہ دشمن پشت پر سے حملہ نہ کر دے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے عبداللہ بن جبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو پچاس تیرا اندازوں کے ساتھ اس شگاف پر متعین

فرمایا کہ وہ اس کی حفاظت کریں اور لشکر کفار مسلمانوں پر پیچھے سے حملہ نہ کرنے پائے۔ اگر وہ گھسنے کی کوشش کرے تو ان پر تیر اندازی کریں اور انہیں یہ تاکید بھی فرمائی کہ کوئی حال بھی ہو تم اپنی جگہ سے نہ ہلنا۔ خواہ مسلمان غالب ہوں یا مغلوب۔ آپ نے تاکید میں مبالغہ کرتے ہوئے فرمایا۔ اگر تم یہ دیکھو کہ ہمیں پرندے اٹھائے لیے جارہے ہیں تب بھی اپنی جگہ سے جنبش نہ کرنا۔ جب تک کہ کسی کو تمہارے بلانے کیلئے نہ بھیجوں۔ اگر تم دیکھو کہ ہم نے لشکر کفار کو شکست دیدی ہے اس وقت بھی تم نہ ہلنا اور اگر وہ ہم سب کو قتل کر دیں تب بھی جنبش نہ کرنا۔

عکاشہ بن محسن اسدی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو مینہ پر اور ابوسلمہ بن عبدالاسد مخزومی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو میسرہ پر اور ابوعبیدہ بن جراح اور سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو مقدمہ یعنی ہراول پر اور مقداد بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ساقہ پر مقرر فرمایا۔ مشرکوں نے بھی اپنی صفوں کو درست کیا۔ خالد بن ولید کو مینہ پر، عکرمہ بن ابی جہل کو میسرہ پر اور ابوسفیان کو قلب میں متعین کیا۔ صفوان بن امیہ کو ایک روایت میں ہے عمرو بن العاص کے پیچھے پہاڑ کے شگاف کے برابر میں مقرر کیا اور عبداللہ بن ربیعہ کو تیر اندازوں پر امیر بنایا اور جھنڈے کو طلحہ بن ابی طلحہ کے سپرد کیا۔ اسی کو کبکبش کتبہ بھی کہتے ہیں۔

ارباب سیر بیان کرتے ہیں کہ جوشمشیر خواجہ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے دست مبارک میں تھی اس پر یہ شعر لکھا ہوا تھا۔

فم الجب عارونہ الاقبال مکہ مة
والماء بالجد لانحه من القدر

بزدلی میں عار ہے دشمن کا سامنا کرنے میں عزت اور آدمی بزدلی کر کے تقدیر سے نجات نہیں پاسکتا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کون ہے جو اس تلوار کو لے کر اس کا حق ادا کرے۔ بہت سے لوگ اسے لئے کھڑے رہے مگر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم

کرتے تھے۔ مسلمان بھی اس جماعت پر تیر پتھر پھینک رہے تھے یہاں تک کہ وہ فاسق اپنے ساتھیوں کے ساتھ بھاگ کھڑا ہوا۔ یہ بد بخت ابو عامر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے نور نبوت کے ظہور سے پہلے آپ کے حالات اور آپ کی بعثت کی خبریں دیا کرتا تھا۔ بعثت کے بعد اس نے انکار کیا اور اپنے قول سے برگشتہ ہو کر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جنگ و جدال کیا۔ اس کا پورا قصہ کتب سابقہ کی خبروں، بشارتوں اور امم ماضیہ کے حالات کے ضمن میں پہلے گزر چکا ہے۔ اس کے بعد طلحہ بن ابی طلحہ جو کفار قریش کا علمدار تھا نکلا اس نے آواز دی اور اپنا مقابل مانگا۔ اس کے مقابلہ کیلئے شیر بیشہ ہجاء ہزیر میدان وفا سیدنا علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ وجہہ میدان میں تشریف لائے۔ مقابلہ کیا اور تلوار اس کے سر پر ماری جو بھیجا چیرتی نکل گئی۔ پھر وہ لوٹ آئے اور اپنی صف میں شامل ہو گئے۔ صحابہ نے کہا آپ نے طلحہ کا کام تمام کیوں نہ کر دیا جواب دیا کہ جب وہ گرا تو اس کی شرم گاہ کھل گئی تھی۔ اس نے مجھے قسم دی کہ میں اسے چھوڑ دوں..... اس حالت میں اس کے دوبارہ درپے آنے میں مجھے حیا آئی اور میں نے یہ جان لیا کہ وہ بہت جلد ہلاک ہو جائے گا۔ بعض روایتوں میں ہے کہ اسے مصعب بن عمیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ہلاک کیا۔ ار باب سیر کہتے ہیں کہ کیش کتبہ جس کی ہلاکت کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے خواب میں دیکھا تھا وہ یہی تھا۔ اس کے بعد مسلمانوں نے مشرکوں پر درپے درپے حملے شروع کر دیئے اور ان کی صفوں کو درہم برہم کر کے رکھ دیا۔ اس کے بعد حضرت حمزہ بن عبدالمطلب میدان میں آئے اور عثمان بن ابی طلحہ کو قتل کیا جو کفار کا جھنڈا اٹھائے ہوئے تھا۔ ایک وار اس کے دونوں شانوں کے درمیان مارا اور ایک شانہ کاٹ ڈالا۔ اس کے پیچھے نمودار ہو گئے پھر وہ لوٹ آئے اور نعرہ لگایا اِنَّا اَبْنُ سَاقِ الْحِجَجِ۔ میں حاجیوں کو پانی پلانے والے کا فرزند ہوں۔ اس سے مراد حضرت عبدالمطلب ہیں کہ حرم کا سقایہ ان کے سپرد تھا۔

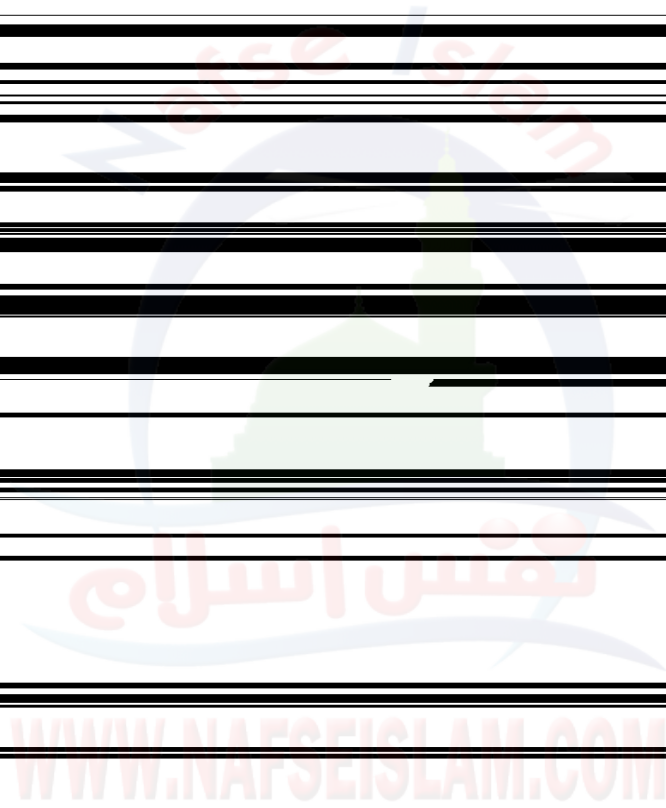
اس کے بعد ابو سعد بن ابی طلحہ نے کافروں کا جھنڈا اٹھایا۔ اسے حضرت سعد ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ہلاک کر دیا۔ ار باب سیر بیان کرتے ہیں کہ کفار کے علم کو یکے بعد دیگرے دس اشخاص نے اٹھایا یہاں تک کہ ایک عورت جس کا نام عمرہ تھا اور وہ علقمہ حارثیہ کی بیٹی تھی۔ عملدار قریش ہوئی۔ وہ سب مارے گئے جس نے بھی اپنے لشکر سے سر نکالا وہ سر کے بل گرا۔ اس کے بعد مسلمان دشمنوں پر ایک دم ٹوٹ پڑے اور ان پر حملہ کر کے مشرکوں کو میدان سے بھگا دیا اور انہیں ہزیمت دیدی۔ وہ مغنیات جو گارہی تھیں بجائے گانے کے رونے پٹنے، چیخنے چلانے اور واویلا کرنے لگیں۔ انہوں نے دفن کو ہاتھوں سے پھینک دیا اور اپنے دامنوں کو اٹھالیا۔ یہاں تک کہ ان کی پنڈلیاں اور ان کے پازیب کھل گئے اور وہ پہاڑ کی طرف بھاگنے لگیں۔

خالد بن ولید (اس وقت تک مسلمان نہ ہوئے تھے اور کفار کے ساتھ تھے) اس نے مشرکوں کی ایک ٹولی کے ساتھ لشکر اسلام کے پیچھے پہاڑ کے شکاف میں داخل ہونے کی کوشش کی تو ان تیر اندازوں نے جن کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے وہاں متعین کیا تھا تیر مار مار کر انہیں دھکیل دیا۔ خالد نے کئی حملے کئے مگر کوئی کارگر نہ ہوا بالآخر وہ لوٹ گیا اور گھات میں لگا رہا۔ بالآخر مسلمان لشکر کفار پر غالب آ گئے اور ان کو ہزیمت کا منہ دیکھنا پڑا۔ اچانک ایک چشمہ زخم بجمال شاہد اقبال پہنچا۔ وہ اس طرح کہ جب تیر اندازوں نے یہ دیکھا کہ لشکر کفار کو ہزیمت کا منہ دیکھنا پڑ گیا ہے اور مسلمان مال غنیمت جمع کرنے میں مشغول ہو گئے ہیں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مقرر کردہ تیر انداز بھی اپنی جگہ سے ہل گئے ہیں تیر انداز دستہ کے امیر نے بھی بے صبری دکھائی۔ ہر چند کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے کلام مبارک میں بار بار مبالغہ کے ساتھ تاکید فرمائی تھی کہ یہاں سے نہ ہلنا اور مرکز کو نہ چھوڑنا لیکن ان میں سے اکثر مال غنیمت کے لوٹنے میں مشغول ہو گئے۔ عبد اللہ بن جبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے چند لوگوں کے ساتھ جو تعداد میں دس تھے ثابت قدمی دکھائی۔ یہ اپنی جگہ سے نہیں ہلے۔ اس وقت خالد بن ولید جو اس سے پہلے کئی مرتبہ اس رخنہ پر حملہ کر چکا تھا اور اس میں داخل ہو کر لشکر اسلام پر حملہ کرنا چاہتا تھا لیکن ہر بار تیر

اندازوں کے مقابلہ اور ان کی کثرت تیر اندازی سے غائب و خاسر ہو کر لوٹ گیا تھا۔ مگر وہ مطلقاً مایوس نہ ہوا تھا اور برابر گھات میں لگا ہوا تھا۔ وہ غفلت کا منتظر تھا کہ کب مسلمانوں کی یہ جماعت اس طرف سے غافل ہو۔ چنانچہ جب یہ لوگ غافل ہو گئے تو وہ عکرمہ بن ابو جہل مشرکوں کی ٹولی کے ساتھ حضرت عبداللہ بن جبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر حملہ آور ہو گیا اور ان کو ان کے چند ساتھیوں کے ساتھ جو گنتی کے چند نظر تھے شہید کر دیا۔ پھر اس نے اس شکاف سے نکل کر مسلمانوں کے عقب پر حملہ کر دیا۔ اس نے مسلمانوں کو تلواروں پر رکھ لیا اور بے دریغ قتل کرنے لگا۔ لشکر اسلام میں اضطراب عظیم اور ہلچل پیدا ہو گئی اور تمام لشکر تتر بتر ہو گیا اور ان کی حالت حد درجہ پر اگندہ ہو گئی۔ مسلمان ایک دوسرے پر پل پڑے اور ان میں پہچاننے کا شعور نہ رہا۔ چنانچہ ارباب سیر بیان کرتے ہیں کہ حضرت اسید بن حضیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو مسلمانوں ہی سے دوزخم پہنچے اور ابو بردہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بھی مسلمانوں ہی سے دوزخم گئے۔ جب یہ معاملہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے پیش ہوا تو فرمایا یہ بھی اللہ کے ہی راستہ میں ہے۔ حضرت یمان، حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے والد مسلمانوں ہی کے ہاتھوں شہید ہوئے۔ اس کے بعد حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا اللہ تعالیٰ تمہیں بخشے اور تم پر رحمت کرے۔ وہ ہمیشہ ہی اپنے قاتلوں کے حق میں دعائے خیر اور استغفار کرتے رہتے تھے۔ جب یہ معاملہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش ہوا تو فرمایا تو حضرت یمان کی دیت ادا کرو۔ حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے والد کی دیت لے کر مسلمانوں پر ہی صدقہ کر دی۔

الغرض اشرار و کفار نے غلبہ پایا اور اختیار بھاگنے لگے اور ایک دم سارا معاملہ الٹ کر رہ گیا۔ کافروں نے میدان جلالت میں قدم رکھا اور اہل اسلام کے قتل میں مشغول ہو گئے۔ یہ بد قسمتی، نافرمانی رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی بدولت انہیں پہنچی جو تیر اندازوں کی جماعت سے صادر ہوئی تھی اور دنیاوی مال و زر کے جمع کی طمع اور میلان نے ان کو اس حال میں پہنچایا جس سے لشکر اسلام کو شکست کا سامنا کرنا پڑا۔ (اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ) تا ہم عنایت الہی ان مسلمانوں سے منقطع نہ ہوئی اور سب کو معاف فرما دیا گیا تاکہ

موقوف ہیں) کے اسرار کے ظہور سے مرتفع ہو گئے۔ یہ حال تھا حضرت خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا اور انہیں کے باپ ولید بن مغیرہ تھے جو کافروں میں بہت سخت اور سب سے زیادہ جھگڑالو تھے جس طرح کہ ابو جہل، عکرمہ کا باپ تھا اور انہیں دونوں نامرادوں سے دو نیک بخت اور سعادت مند فرزند پیدا ہوئے۔ یعنی ولید بن مغیرہ سے حضرت خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور ابو جہل لعین سے حضرت عکرمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سدا ہوئے۔ ان دونوں کے درمیان اسے علاقہ کا اتفاق یہ کہ ان دونوں فرزندوں کو تو اب ہم رضی اللہ تعالیٰ عنہم کہتے ہیں اور ان



کیا حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ روز احد مدینہ چلے آئے تھے۔ فرمایا ہاں! پھر اس نے کہا کہ کیا آپ کو معلوم ہے کہ وہ روز بدر بھی غائب تھے اور موجود نہ تھے۔ فرمایا ہاں! پھر اس نے کہا کیا پتہ ہے کہ بیعت رضوان میں بھی پیچھے رہ گئے تھے اور موجود نہ تھے۔ فرمایا ہاں! اس پر اس مرد نے تکبیر بلند کی۔ اس کے بعد حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا آمین! میں تجھے وہ بات بتاؤں جو تو پوچھنا چاہتا ہے اصل بات یہ ہے کہ روز احد جو حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ مدینہ گئے تھے تو میں گواہی دیتا ہوں کہ حق تعالیٰ نے اس میں انہیں معاف کر دیا ہے اور اس آیت کریمہ کی طرف اشارہ فرمایا جو پہلے گزر چکی ہے۔ اب رہا بدر سے غائب رہنا تو اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ اپنی زوجہ محترمہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی کی علالت کی بنا پر حضور کے ارشاد سے ان کی تیمارداری کیلئے رکے تھے۔ ان سے فرمایا تھا کہ تمہارا ثواب اتنا ہی ہے جتنا بدر میں حاضر رہنے والے شخص کا ہے اور ان کو برابر کا حصہ عنایت فرمایا۔ اب رہا بیعت رضوان سے ان کا غائب ہونا تو اس کی وجہ یہ ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اہل مکہ کی طرف بھیجا تا کہ وہ ان کو بتائیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم عمرہ کرنے تشریف لائے ہیں۔ جنگ کے قصد سے نہیں آئے ہیں۔ اگر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک ان سے زیادہ کوئی اور عزیز ہوتا تو آپ اس کو بھیجتے لیکن حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہی کو بھیجا اور بیعت رضوان کا وقوع حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مکہ مکرمہ روانہ ہو جانے کے بعد ہوا اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے داہنے دست اقدس کو اپنے بائیں دست اقدس پر مار کر فرمایا یہ عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ہاتھ ہے۔ اس کے بعد حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے اس مرد سے فرمایا اس علم کو اپنے حال کے ساتھ شامل کر لے۔ یہ مرد حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ سوء اعتقاد رکھتا تھا لہذا اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس جماعت میں داخل تھے جو شکست کھا گئی تھی لیکن حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا حال مشخص اور مصرح بیان نہیں کیا گیا کہ وہ کس جماعت کے ساتھ تھے۔ اگر اس جماعت میں داخل تھے جو حضور کے ساتھ باقی رہے تھے تو حدیث میں ذکر کیوں نہ کیا گیا۔ (واللہ اعلم)

سید الشہداء حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی شہادت: وصل: اب رہا حضرت حمزہ بن عبدالمطلب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت کا قصہ تو اس کا مجمل بیان یہ ہے کہ جب جنگ کیلئے صف بندی ہو گئی تو سباع بن عبد العزیٰ خزاعی نکلا اور کہا کوئی ہے جو میرے مقابل باہر نکل کے آئے؟ اس پر حضرت حمزہ بن عبدالمطلب رضی اللہ تعالیٰ عنہ میدان میں تشریف لائے اور اس پر حملہ کیا۔ اسے کل (گزشہ دن) کی مانند وہ جہان سے چلا گیا اور نابود ہو گیا۔ وحشی ایک بڑے پتھر کے پیچھے چھپا بیٹھا تھا۔ جب حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس کے قریب پہنچے تو وحشی نے اپنا ”حرہ“ ان پر اس طرح پھینکا کہ اس کا سر دوسری طرف پار ہو گیا اور آپ کی شہادت واقع ہو گئی (حرہ ہخجر نشانہ پر پھینک کر مارنے کو کہتے ہیں) یہ ہے اس واقعہ کی تفصیل۔

بخاری میں جعفر بن عمرو بن امیہ ضمری سے مروی ہے۔ وہ بیان کرتے ہیں کہ ہم عبید اللہ بن عدی بن خیار کے ساتھ ایک سفر میں جا رہے تھے۔ جب ہم حمص میں پہنچے تو عبید اللہ بن عدی سے کہا، کیا وحشی کو دیکھنے کی تمہیں خواہش ہے کہ ہم اس سے دریافت کریں کہ حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو کسے شہید کیا؟ اس نے کہا ہاں! خواہش تو ہے وحشی حمص میں رہتا تھا۔ ہم نے اس کے گھر کا پتہ دریافت کیا

پہاڑ ہے جو احد کے برابر واقع ہے (اس سے مقصود غزوہ احد ہے تو میں بھی لوگوں کے ساتھ جنگ کیلئے نکلا۔ پھر جب صف بندی ہو چکی تو سارے جنگ کیلئے حاضر نکلا اور اس نے نکارا کہ کوئی سے جو میرے مقابل آئے۔ حضرت حمزہ بن عبدالمطلب رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس کے

مقابلہ کیلئے تشریف لائے اور انہوں نے کہا اوسباغ، اوام اثمار مقطعة البطور کے بیٹے، تو خدا اور اس کے رسول کے ساتھ جنگ کرتا ہے۔ اس کے بعد انہوں نے ان پر حملہ کیا اور اسے مار ڈالا اور اسے گزشتہ دن کی مانند کر دیا۔

وحشی بیان کرتا ہے کہ میں ایک بڑے پتھر کی اوٹ میں چھپا بیٹھا تھا۔ جب حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ میرے قریب ہوئے تو میں نے اپنا ”حرہ“ (خنجر) ان پر پھینکا۔ میں نے ناف اور عافہ کے درمیان نشانہ لگایا تھا یہاں تک کہ وہ ان کی رانوں کے درمیان نکل آیا اور یہی ان کا آخری وقت بنا۔ جب لوگ مکہ واپس آئے تو میں بھی ان کے ساتھ لوٹ آیا اور اس وقت تک وہاں ٹھہرا رہا جب تک کہ اسلام مکہ میں پھیلایا۔ اس کے بعد میں طائف کی طرف بھاگ گیا جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ مکرمہ فتح فرمایا اور اہل طائف نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف قاصدوں کو بھیجا تو لوگوں نے مجھ سے کہا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم قاصدوں کو کوئی گزند نہیں پہنچاتے۔ مطلب یہ کہ تو بھی اس جماعت کے ساتھ چلا جا سلامت رہے گا۔ یہاں تک کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور آیا۔ جب مجھ کو رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا تو فرمایا ”کیا تو وحشی ہے؟“ میں نے کہا ”ہاں!“ فرمایا ”کیا تو نے ہی حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو شہید کیا ہے؟“ میں نے عرض کیا ”واقعہ تو یہی ہے جیسا کہ آپ کو پتہ چلا ہے فرمایا“ کیا تجھ سے ممکن ہے اپنے چہرے کو میرے سامنے سے ہٹالے (مطلب یہ کہ تو میرے سامنے ہو کر نہ بیٹھ، اگر پس پشت یا ادھر ادھر بیٹھے تو اچھا ہے) اس کے بعد میں چلا گیا جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس دنیا سے رحلت فرما چکے تو میں نے مسیلمہ کذاب کی طرف یہ خیال کر کے خروج کیا اور باہر آیا کہ شاید میں مسیلمہ کو ہلاک کر سکوں۔ اس طرح حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قتل کے جرم کی مکافات کر سکوں۔ اس کے بعد میں اس کی طرف چلا پھر وہی امر واقع ہوا جو کہ واقع ہو چکا تھا۔ کیا دیکھتا ہوں کہ ایک شخص کھڑا ہوا ہے دیوار کے درمیان گویا وہ ایک اونٹ سفید و سیاہ ہے جس کے بال بکھرے ہوئے ہیں۔ میں نے اپنا حرہ اس کی طرف پھینکا اور اس کے دونوں پستانوں کے درمیان مارا جو اس کے دونوں شانوں کے درمیان سے نکل گیا۔ ایک انصاری شخص نے اس کی طرف جست لگائی اور اس کے سر پر تلوار ماری اس کے بعد لونڈی جو چھت کے اوپر کھڑی تھی چیخ اٹھی کہ ”امیر المؤمنین“ یعنی مسیلمہ کذاب کو ایک سیاہ رو غلام نے مار ڈالا یہ حدیث بخاری کا ترجمہ ہے۔

ایک جماعت ان کے پاس پہنچ گئی اور انہوں نے مخاطب کیا کہ ”اے ابوعمارہ!“ مگر حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کوئی جواب نہ دیا میں نے جان لیا کہ ان کا وقت آخر ہو گیا۔ میں نے ان کے چلے جانے کا انتظار کیا یہاں تک کہ وہ لوگ ان کے پاس سے چلے گئے۔ میں ان کے پاس پہنچا اور اپنے خنجر سے پیٹ کو چیر کر ان کا جگر نکالا اور اسے ہند بنت عتبہ کے پاس لے آیا اور کہا۔ ”یہ ہے تیرے باپ کے قاتل حمزہ کا جگر!“ اس نے مجھ سے لے لیا اور منہ میں چبا کر تھوک دیا۔ (گویا کہ ہند نے وحشی سے کہہ رکھا تھا کہ جب تو حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو شہید کر دے تو ان کا جگر میرے پاس لانا۔ یا پھر یہ سیاہ قاسی القلب از خود اسے اس کے پاس لے گیا تھا) اور ہند نے اپنے کپڑے زور اور تمام سونا چاندی مجھے دے دیئے۔ اور وعدہ کیا کہ جب مکہ پہنچوں گی تو تجھے سرخ سونے کی دس اشرفیاں اور دوں گی۔ ہند نے مجھ سے کہا مجھے وہ جگہ دکھاؤ جہاں ان کی لاش ہے؟ میں اسے وہاں لے گیا۔ اس نے ناک، کان اور ہاتھ پاؤں کاٹ لیے اور اپنے

کیا ہے لیکن امام ذہبی جو اسماء الرجال کے بیان کرنے کے امام ہیں۔ وہ ”میزان الاعتدال“ میں اس کی تصنیف و تکذیب کرتے ہیں۔
(واللہ بندہ مسکین شہید الصدق والیقین یعنی شیخ محقق رحمۃ اللہ فرماتے ہیں کہ بظاہر نَادَ عَلِيًّا مَظْهَرُ الْعَجَائِبِ تَجَدُّهُ عَوْنًا
لَكَ فِي السَّوَابِ۔ کا قصہ اسی معاملہ اور معرکہ سے متعلق ہے جو کہ احد میں واقع ہوا لیکن حدیث کی کتابوں میں اس کا کوئی ذکر نہیں
کیا گیا۔) واللہ اعلم

الغرض حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ نے مقابلہ و محاربہ اور مجاہدہ و شجاعت کا ایسا حق ادا کر دیا کہ اس سے زیادہ قصور نہیں کیا جا
سکتا۔ قیس سے مروی ہے وہ اپنے باپ سعد سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے کہا کہ میں نے حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے
سنا ہے کہ آپ نے فرمایا احد کے دن مجھ پر سولہ تلوار کی واریں پڑیں جن میں سے چار واریں پر تو میں زمین پر آ گیا۔ ہر مرتبہ مجھے ایک مرد
خو برو و خوش باز و اٹھاتا اور وہ مجھے پاؤں پر کھڑا کر دیتا۔ کہتا کافروں پر حملہ کرو کیونکہ تم خدا اور اس کے رسول کی اطاعت میں ہو اور یہ
دونوں تم سے راضی و خوش ہیں۔ جنگ سے فارغ ہونے کے بعد میں نے اس واقعہ کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے بیان کیا۔ حضور اکرم
صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم اسے پہچانتے ہو۔ میں نے عرض کیا نہیں لیکن دجیہ کلبی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شکل سے ملتی جلتی صورت تھی۔
فرمایا اے علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ! اللہ تعالیٰ تمہاری آنکھوں کو خوب روشن کرے وہ جبریل علیہ السلام تھے۔

حضرت طلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شجاعت: حضرت طلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بھی روز احد بڑی دلاوری دکھائی اور یہی
بہادری ان کیلئے داخلہ جنت کا سبب بنی۔ انہوں نے عظیم قتال کیا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا طلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان لوگوں
میں سے ہیں جنہوں نے اپنا حق پورا پورا ادا کیا۔ ارباب سیر بیان کرتے ہیں کہ حضرت طلحہ رضی اللہ تعالیٰ تعالیٰ نے اپنے ہاتھ کو حضور اکرم
صلی اللہ علیہ وسلم کی ڈھال بنا رکھا تھا۔ ابن قتیہ کی تلوار کے واروں کو آپ ہاتھ پر روکتے رہے۔ ان زخموں سے ان کا ہاتھ شل ہو گیا تھا۔
ایک روایت میں ہے کہ طلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے ہاتھ کو تیروں کی ڈھال بنائے رہے۔ جب ایک کافر نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر
تیر پھینکا تو وہ حضرت طلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی چھنگلیا پر لگا اور وہ بے کار ہو گئی۔ حدیث میں ہے کہ روز احد حضرت طلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے
اسی زخم کھائے تھے اس کے باوجود حفاظت کا حق ادا کرتے رہے۔ ایک مرتبہ تلوار کی دو ضربیں ان کے سروں پر پڑیں اور وہ انتہائی الم کی
حالت میں گر کر بہوش ہو گئے تھے۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آ کر ان کے چہرے پر پانی کے چھینٹے دیئے اور ان کو ہوش
میں لائے۔ ہوش میں آتے ہی انہوں نے پوچھا کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا کیا حال ہے؟ فرمایا بخیریت ہیں اور آپ نے ہی مجھے
تمہارے پاس بھیجا ہے۔ تو انہوں نے کہا الحمد للہ۔ اب ہر وہ مصیبت جو اس کے بعد ہو آسان ہے۔ ان کے بقیہ حالات ابن قتیہ ملعون کی
شرارت کے احوال کے ذکر میں آئیں گے۔

اللہ۔۔۔ انصاف۔۔۔ اللہ تعالیٰ اعلم۔۔۔ کا شیعہ اعتقاد۔۔۔ سے ملنا کر رہے ہیں کہ حضرت انس بن نصر رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو انس

چنانچہ ان کا حشر شریف شہیدوں کے درمیان معلوم نہیں ہوتا تھا۔ ان کی بہن نے ان کی انگلی کے ایک تل سے انہیں بچانا (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ کی شجاعت: حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ اللہ کے راستہ میں سب سے پہلے تیر چھوڑنے کی صفت سے موصوف تھے۔ (جیسا کہ پہلے غزوہ میں ذکر ہو چکا ہے) اور روز احد بھی تیر اندازی پر مامور تھے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرماتے ہیں اِذَا مِمَّ سَعْدُ فِدَاكَ اَبِيْ وَ اُمِّيْ۔ اے سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ تیر پھینک تجھ پر میرے ماں باپ فدا۔ مالک بن زبیر ایک کافر تھا اور اس نے بہت سے مسلمانوں کو زخمی کر کے شہید کیا تھا اور بہت سوں کو زخمی کیا تھا۔ حضرت سعد بن ابی وقاص نے اس کی آنکھ پر تیر مارا جو اس کی گدی سے باہر نکل گیا اور وہ جہنم رسید ہوا۔ مسلمانوں نے اس شیطنت سے نجات پائی اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کیلئے دعا خیر کر کے فرمایا اَحْبَابَ اللّٰهِ دَعَوْتُكَ وَ سَدَّ وَرَمِيْلَكَ۔ اللہ تعالیٰ تمہاری دعائیں قبول فرمائے اور تمہارے تیر کا نشانہ درست رکھے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا کی برکت سے حضرت سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایسے مستجاب الدعوات ہوئے کہ لوگ ان کی دعا کے متلاشی رہا کرتے تھے۔ منقول ہے کہ حضرت سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ آخر عمر میں نابینا ہو گئے۔ لوگوں نے ان سے کہا آپ لوگوں کیلئے توشفا کی دعا فرماتے ہیں اپنے لیے کیوں دعا نہیں کرتے تاکہ حق سبحان و تعالیٰ تمہاری بینائی لوٹا دے۔ فرماتے اللہ تعالیٰ کی قضا مجھے بینائی سے زیادہ محبوب ہے۔ حق تعالیٰ جو چاہے کرے اپنے لیے تو اس کا حکم اپنی آنکھ کی بینائی سے زیادہ عزیز ہے۔

حضرت ابو طلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ انصاری کی جانبازی: حضرت ابو طلحہ انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے آگے کھڑے تھے اور خود کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ڈھال بنائے ہوئے تھے۔ وہ فن تیر اندازی میں کامل مہارت رکھتے تھے اور کمان کو بہت سخت کھینچا کرتے تھے۔ اس روز انہوں نے تین کمائیں توڑی تھیں۔ وہ غرہ مار کر تیر کو اپنے ترکش سے نکال کر پھینکتے تھے ان کے پاس پچاس تیر تھے اور ہر تیر پر جب دشمن کی طرف اسے پھینکتے تو نعرہ لگاتے اور کہتے يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ نَفْسِيْ ذُوْنِ نَفْسِكَ جَعَلَنِي اللّٰهُ فِدَاكَ۔ اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! میری جان آپ کی جان سے کم ہے اللہ تعالیٰ مجھے آپ پر قربان کرے اور میری جان و تن آپ پر فدا ہوں۔ جب ان کے تیر ختم ہو گئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم زمین سے چوب اٹھا کر دیتے اور فرماتے اِذَا مِمَّ اَبِيْ طَلْحَةَ اے ابو طلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ! اسے پھینکو۔ چنانچہ جب وہ اسے کمان کے چلہ میں رکھ کر کھینچتے اور دشمن کی جانب پھینکتے تو وہ تیر بن جاتا اور جب کوئی مسلمان شخص حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس سے گزرتا اور اس کے پاس تیر موجود ہوتے تو فرماتے ان تیروں کو ابو طلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کیلئے چھوڑ جاؤ اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اس سے فرماتے لشکر اسلام میں ابو طلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ چالیس مردوں سے بہتر ہے۔

حیرت و تعجب ہے کہ فن تیر اندازی میں ابو طلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اتنی مہارت و بصارت کے باوجود حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ مشہور ہوئے۔ ان کی ذات ضرب المثل بن گئی۔ ظاہر ہے کہ ان کی یہ شہرت اس بنا پر ہے کہ وہ اللہ کی راہ میں تیر چلانے میں اولیت و سابقیت اور اس میں استقامت و ثبات رکھتے تھے۔ (واللہ اعلم)

متعدد صحابہ کی فداکاریاں: روز احد ایک تیر حضرت قتادہ بن النعمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی آنکھ میں لگا اور ان کی آنکھ نکل کر ان کے رخساروں پر آ پڑی۔ پھر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی آنکھ کو اس کے حلقہ میں لوٹا کر فرمایا: اَللّٰهُمَّ كَسْبُهُ جَمًا لَا۔ اے خدا! ان کو حسن و جمال عطا فرما ان کی یہ آنکھ دوسری آنکھ سے زیادہ تیز روشن اور خوبصورت ہو گئی۔

حضرت عبداللہ بن جحش رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تلوار ٹوٹ گئی۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو کھجور کی ٹہنی عنایت فرمائی۔ یہ ٹہنی ان کے ہاتھ میں تلوار بن گئی جس طرح کہ بدر میں حضرت عکاشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو عنایت فرمائی تھی اور انہوں نے ان کا نام عون رکھا

تھا۔ اسی طرح حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنی اس تلوار کا نام عرجون رکھا۔ حضرت عکاشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی وہ تلوار جس کا نام عون تھا۔ امیر معتصم یا اللہ کے ہاتھ دوسو دینار میں فروخت کی گئی۔ (واللہ اعلم)

حضرت حنظلہ غسیل ملائکہ کی شہادت: بارگاہ نبوت کے دلاوروں اور جانبازوں میں سے حضرت حنظلہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی تھے ان کو حنظلہ الغسیل اور غسیل ملائکہ بھی کہا جاتا ہے۔ وہ مدینہ منورہ میں تھے اور احد کی رات ہی ان کی شادی ہوتی تھی۔ رات کو اپنی زوجہ کے ساتھ شب باشی کی تھی۔ صبح کے وقت غسل جنابت کر رہے تھے اور ایک جانب سر کو دھو رہے تھے کہ اچانک سنا کہ صحابہ پر تنگ وقت ہے۔ ایک روایت میں ہے کہ غیب سے ایک آواز سنی **يَا غَسِيْلُ اللّٰهُ اَرْكَبُ** ”اے خدا کے مغسول سوار ہو جاؤ“ انہوں نے اسی حالت جنابت میں بے چین ہو کر اور احقر شریف آ کر داد شجاعت دی اور بہت سے کافروں کو جنم رسید کر کے خود شہید ہو گئے۔ (رضی اللہ تعالیٰ عنہ)

اس کے بعد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ملاحظہ فرمایا کہ فرشتے نہیں غسل دے رہے ہیں۔ آپ نے ان کے اس حال پر تعجب کیا اور فرمایا ان کی زوجہ جس کا نام جلیلہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھا۔ یہ عبداللہ بن ابی کی بہن تھیں ان سے پوچھا اور انہوں نے حقیقت حال واضح کی۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ غسل جنابت کی وجہ سے ہے کیونکہ وہ جہنی تھے۔ بعض ائمہ مثلاً امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ اس حدیث سے یہ استدلال و تمسک کرتے ہیں اور اس کے قائل ہیں کہ جہنی شہید کو غسل دیا جائے۔

جلیلہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا زوجہ حنظلہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ غسیل ملائکہ بیان کرتی ہیں کہ رات میں نے خواب میں دیکھا کہ آسمان میں ایک دریچہ نمودار ہوا اور حضرت حنظلہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ آسمان میں اس دریچہ سے داخل ہو گئے۔ اس کے بعد وہ دریچہ بند ہو گیا اس کی میں نے یہ تعبیر لی کہ حضرت حنظلہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ شہادت پائیں گے۔

ارباب سیر حضرت سہل بن سعد ساعدی سے روایت کرتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ بات سننے کے بعد میں حنظلہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس گیا۔ میں نے دیکھا کہ ان کے سر سے پانی کے قطرے ٹپک رہے ہیں یہ عجیب صورت دیکھ کر میں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا۔

عمر و بن جموح انصاری کا جذبہ شہادت: عمرو بن جموح انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بڑی عجیب و غریب حکایت ہے وہ لنگڑے تھے اور ان کے چار صاحبزادے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں غزوات و جہاد میں حاضری دیتے رہتے تھے۔ جب انہوں نے چاہا کہ غزوہ احد میں اپنی قوم کی موافقت کریں تو لوگوں نے کہا کہ تم لنگڑے شخص ہو۔ **وَلَيْسَ عَلَى الْاَعْرَجِ حَوَجٌ**۔ لنگڑے پر کوئی مواخذہ نہیں ہے۔ تمہارے چار فرزند تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں موجود ہیں۔ انہوں نے کہا ان کی کتنی خوش نصیبی ہے کہ میرے فرزند تو جنت میں چلے جائیں اور میں تمہارے سامنے بیٹھا رہوں۔ ان کی بیوی نے کہا مجھے نظر آتا ہے کہ تم بھاگ کر لوٹ آؤ گے۔ عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ بات سن کر ہتھیار تھامے اور دعا مانگی کہ **اَللّٰهُمَّ لَا تُؤَدِّنِيْ اِلٰى اَهْلِيْ**۔ اے خدا گھر نہ لوٹانا اور باہر نکل گئے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں جا کر اپنی قوم کے منع کرنے کی بابت عرض کیا اور کہا میں تمنا رکھتا ہوں کہ اپنے اس لنگڑے پاؤں سے جنت کے باغوں میں سیر کروں۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: **عَذْرَكَ اللّٰهُ وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكَ**۔ اللہ تعالیٰ نے تمہیں معذور رکھا ہے تم پر مواخذہ نہیں ہے۔ حضرت عمرو رضی اللہ عنہ نے مکررات التجا کی تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اجازت دے دی۔ حضرت ابوطلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو میدان کارزار میں دیکھا کہ وہ خرام میں کرتے اور جنگ کرتے اور کہتے جاتے کہ خدا کی قسم میں جنت کا مشتاق ہوں۔ ان کے چاروں بیٹے بھی میدان جنگ میں اپنے باپ کے عقب میں مصروف قتال تھے یہاں تک کہ وہ سب شہید ہو گئے۔

مروی ہے کہ ہند زوجہ عمرو بن جموح رضی اللہ تعالیٰ عنہا اپنے شوہر عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے بیٹوں اور اپنے بھائی کو جو شہید ہو چکے تھے خود ان کے جسموں کو اٹھا کر اونٹ پر بار کر کے مدینہ میں لانا چاہتی تھی تاکہ انہیں دفن کرے مگرے اونٹ زانو کے بل زمین پر بیٹھ جاتا۔ جب بھی اونٹ کو جھٹک کر اٹھانا چاہتی تو وہ سو جاتا۔ ایک مرتبہ اس نے اٹھا کر اس کا منہ احد کی جانب کر دیا تو وہ چلنے لگا۔ ہند رضی اللہ تعالیٰ عنہا زوجہ عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ ماجرا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں عرض کیا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تیرا یہ اونٹ مامور ہے اور ہند رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے پوچھا عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جاتے وقت کوئی بات تو نہ کہی تھی۔ اس نے کہا ہاں! احد شریف جاتے وقت رو قبیلہ ہو کر یہ دعا مانگی تھی کہ اے خدا! مجھے میرے گھر کی طرف نہ لوٹانا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہی وجہ ہے کہ اونٹ مدینہ کی طرف نہیں جاتا۔

حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت: غزوہ احد کے صعب ترین واقعات میں سے حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت ہے۔ ارباب سیر بیان کرتے ہیں کہ احد میں جب مسلمانوں کو ہزیمت کا سامنا کرنا پڑا تو حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ جن کے ہاتھ میں مہاجرین کا علم تھا۔ ابن قتیہ ملعون ان کی طرف متوجہ ہوا اور اس نے تلوار کے وار سے ان کا داہنا کاٹ ڈالا۔ انہوں نے علم کو بائیں ہاتھ میں لے لیا اور فرمانے لگے وَمَا مُحَمَّدٌ إِلَّا رَسُولٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ۔ اور محمد نہیں ہیں مگر اللہ کے رسول بیشک آپ سے پہلے بہت سے رسول گزرے ہیں تو اس ملعون نے دوسرا وار کر کے بائیں ہاتھ کو بھی کاٹ دیا۔ حضرت مصعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے دوبارہ پھر یہی کلمہ پڑھا اور دونوں بازوؤں سے علم کو پکڑ کر اپنے سینہ سے ملا لیا۔ اس کے بعد اس ملعون نے ایک تیران پر مارا وہ زمین پر آ رہے۔ ارباب سیر کہتے ہیں کہ یہ کلمہ جس کا آئینہ کریمہ کا جز ہے۔ وہ آیت اس وقت تک نازل نہیں ہوئی تھی مگر حق تعالیٰ نے ان کی زبان پر جاری کرادی۔ جب علم زمین پر آ رہا تو حضرت مصعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بھائی ابوالروم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس علم کو اٹھا لیا۔ ایک روایت میں ہے کہ حق تعالیٰ نے حضرت مصعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی صورت میں ایک فرشتہ بھیجا تاکہ وہ مسلمانوں کے علم کو اٹھائے۔ آخر وقت میں جب جنگ سے فارغ ہو گئے تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اے مصعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ آگے آؤ۔ اس فرشتہ نے کہا میں مصعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نہیں ہوں تب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جانا کہ وہ فرشتہ تھا جسے اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کی مدد کیلئے بھیجا۔ اس کے بعد ابوالروم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس علم کو لے لیا اور مدینہ طیبہ تک حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے آگے آگے چلتے رہے۔ (رضی اللہ تعالیٰ عنہ)

حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اجلہ صحابہ اور فضلاء صحابہ میں سے ہیں۔ انہوں نے حبشہ ہجرت کی اور بدر میں حاضر رہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو عقبہ ثانیہ کے بعد مدینہ منورہ روانہ فرمایا۔ ایک روایت میں ہے عقبہ اولیٰ کے بعد انصار کے ساتھ دین و فقہ کی تعلیم و تربیت کیلئے انہیں روانہ فرمایا تھا۔ اور یہ لوگوں میں بہت زیادہ صاحب نعمت اور عیش و کامرانی والے شخص تھے جب

عقبہ بن قابوس رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھے۔ اگرچہ اول امر میں جبکہ مسلمانوں نے اخذ غنیمت میں شغف دکھایا تھا یہ بھی غارت و تاراج میں دست درازی کیلئے نکل آئے تھے لیکن جب خالد بن ولید اور عکرمہ بن ابوجہل ان کے عقب میں داخل ہو گئے۔ تو وہب رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور ان کے بھتیجے حارث رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے برابر کھڑے ہو کر دوشجاعت دی اور ثابت قدم رہے۔ اسی اثناء میں جب کافروں کا ایک غول رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف متوجہ ہوا تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”مَنْ يَهْلِكُ الْفِرْقَةَ“ کون ہے جو اس غول کا مقابلہ کرے اور انہیں دفع کرے اس وقت وہب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا: اَنَا يَا رَسُولَ اللَّهِ میں ہوں یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کے بعد تیر اندازی پر ہاتھ بڑھایا اور ان بتوں کے پجاریوں کو بھگا دیا۔ اس کے بعد دشمنوں کا ایک غول اور نمودار ہوا۔ اس وقت پھر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”مَنْ يَهْلِكُ الْكُتَيْبَةَ“ کون ہے جو ان شیطانوں کو دور کرے“ وہب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے پھر وہی جواب دیا اور ان سب کو یا تلوار کی دھار پر رکھ کر واصل جہنم کیا یا بھگا دیا۔ اس کے بعد پھر ایک ٹولہ نمودار ہوا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مَنْ هَؤُلَاءِ ان کیلئے کون ہے؟ وہب رضی اللہ تعالیٰ عنہ عرض کیا اَنَا يَا رَسُولَ اللَّهِ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قُمْ وَابْشِرْ بِالْجَنَّةِ قائم رہو اور جنت کی بشارت لو۔ حضرت وہب رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس بشارت سے سرفراز ہو کر کفار کی صف میں داخل ہو گئے۔ کافروں نے ان کو گھیر کر شمشیر و سنان سے مجروح کر کے زمین پر گرادیا۔ ان کے بعد ان کے بھتیجے حارث رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بہت سوں کو واصل جہنم کر کے جام شہادت نوش کیا (رضی اللہ تعالیٰ عنہما) حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرمایا کرتے ہیں۔ ایسی موت سے محبت رکھتا ہوں جیسی موت مرنی برادروں نے پائی۔ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے روز احد جیسی دلاوری اور پامردی۔ حضرت وہب بن قاسم غری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی دیکھی ہے کسی معرکہ میں کسی کی نہیں دیکھی۔ کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم زمانہ کریمہ میں نہ آئے، کرشمہ ہو نہ کرے لحد کھڑے ہو کر فرمایا: اِنَّ اللَّهَ عِنْدَكَ فَانَّهُ عِنْدَكَ اِنَّ اللَّهَ تَعَالٰی سے راضی

نفس اسلام

جائز نہیں ہے۔ مغریق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا یہ بات دین یہود میں ہے اور شریعت محمدیہ اس دین کی ناسخ ہے۔ اس کے بعد وہ کھڑا ہوا ہتھیار سنبھالے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر اسلام قبول کیا اور وصیت کی کہ میرے بعد میرا تمام مال حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے غلاموں کیلئے ہے اور باعقاد درست مشرکوں کے ساتھ جنگ میں مصروف ہو گیا۔ بالآخر مقابلہ کرتے ہوئے درجہ شہادت حاصل کی اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی وصیت کے مطابق اس کے مال میں تصرف فرمایا۔ اس کے بارے میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: **مُغْرِبُ خَيْرٌ يَهُودٍ**۔ یہود میں مغریق رضی اللہ تعالیٰ عنہ اچھا شخص تھا۔

مسلمان عورتوں کی خدمت گزاریاں: مردان اصحاب رضی اللہ عنہم کی دلاوری و شجاعت میں سے کچھ حصہ تو بیان ہو گیا مگر کچھ مسلمان عورتیں بھی ایسی ہمراہ تھیں جنہوں نے اس غزوہ میں خدمت گزاری کی اور پانی وغیرہ پہنچایا اور جہاد و قتال کیا۔ جیسے نسیم بنت کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہا جو معرکوں اور محفلوں میں شیر دل بہادر اور شجاع عورت تھیں۔ جنہوں نے اپنے شوہر حضرت زید بن عاصم رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور اپنے دونوں لڑکوں حضرت عمارہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ مل کر کارہائے نمایاں سرانجام دیئے۔ نسیم رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ میں روز احد مشکیزہ اٹھا کر مسلمانوں کو پانی فراہم کرتی تھی۔ جب میں نے دیکھا کہ دشمنان اسلام کی چیرہ مستیاں بڑھ گئی ہیں اور انہوں نے مسلمانوں پر دراز دستی شروع کر دی ہے تو میں پانی دینے سے رک گئی اور کافروں کے ساتھ قتال میں مشغول ہو گئی۔ چنانچہ مجھے تیرہ زخم پہنچان میں سے ایک زخم تو سال بھر تک رستار ہا اور اس کا علاج کیا جاتا رہا۔ لوگوں نے ان سے پوچھا یہ زخم کس نے لگائے تھے؟ انہوں نے کہا ابن قمریہ ملعون نے۔ میں نے بھی اس پر متعدد وار کئے تھے لیکن وہ دوزخ پہنچے ہوئے تھا جس پر میری ضرب کارگر نہ ہوتی تھی جس وقت مجھے زخم پہنچا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے فرزند عمارہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو آواز دی کہ جلدی اپنی ماں کے پاس پہنچو اور ان کے زخموں کی مرہم پٹی کرو۔ نسیم رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ میں اور میرے بچے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے آگے مقابلہ کر رہے تھے اور صحابہ ہزیمت کھا کر آپ کے آگے سے بھاگے جا رہے تھے۔ میرے پاس ڈھال نہ تھی اس وقت حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر مبارک ایک شخص پر پڑی جس کے پاس ڈھال تھی۔ آپ نے فرمایا اے ڈھال والے اپنی ڈھال کسی ایسے شخص کو دیدے جو مشغول قتال ہے تو اس نے اپنی ڈھال ہاتھ سے پھینک دی۔ میں نے اس ڈھال کو اٹھا لیا اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے گرد مشرکوں کے حملوں کو روکتی رہی۔ یہاں تک کہ ایک کافر سوار نے مجھ پر تلوار کا وار کیا لیکن وہ کارگر نہ ہوا۔ میں نے اپنی تلوار کا وار اس کے گھوڑے پر کیا اس کا گھوڑا گر پڑا اور سوار گھوڑے سے جدا ہو گیا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم چشم خود یہ حال ملاحظہ فرما رہے تھے۔ آ۔ نے میرے لڑکے کو آواز دی کہ اے عمارہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ جلدی اپنی ماں کے پاس آ۔ اس کے بعد میں نے

چاہے ان پر عذاب فرمائے۔ کیونکہ یہ ظالم لوگ ہیں اور آپ تو انداز و جہاد کے مامور بندے ہیں۔ یہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی تہذیب نفس اور حسن ادب کا تعلیم فرمانا ہے۔ مباد البشریت کی جانب رجوع فرمائیں اور دائرہ عبودیت سے باہر ہو جائیں۔ اس آیت کریمہ کا نزول اس وقت بھی بتاتے ہیں جبکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم قبائل کفار پر قنوت میں بددعا فرماتے تھے۔

ایک روایت میں ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم خون کو صاف کرتے رہتے تھے اور اتنا موقع نہ آنے دیتے کہ خون کا قطرہ زمین پر ٹپکے۔ کیونکہ آپ نے فرمایا اگر اس خون کا کوئی جزو زمین پر آ رہے تو یقیناً اہل زمین پر آسمان سے ایسا عذاب نازل ہو جس سے وہ سب ہلاک ہو جائیں اور اس کے بعد زمین پر کوئی چیز نہ اُگنے۔ آپ نے دعا مانگی اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِقَوْمِيْ فَاِنَّهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ۔ اے خدا! میری قوم کو معاف فرما دے کیونکہ وہ مجھے جانتی نہیں اور وہ میری حالت کی حقیقت کو پہچانتی نہیں ہیں۔

عتبہ بن ابی وقاص نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب ایسا پتھر پھینکا جس سے آپ کا لب زیریں لہولہاں ہو گیا اور آگے کے

یہ میرا وار ہے کیوں کہ میں ابن قمیہ ہوں۔ سید رسل صلوات اللہ وسلامہ علیہم نے فرمایا: اَقْسَمَ اللّٰهُ وَآذَلَّكَ اللّٰهُ تعالیٰ تجھے ذلیل و خوار کرے۔ ارباب سیر بیان کرتے ہیں کہ اسی سال وہ اپنے ریوڑ کے قریب ایک پہاڑ کی چوٹی پر سو رہا تھا۔ حق تعالیٰ نے اس پر ایک مینڈھا مسلط کیا اور اس نے اپنا سینگ اس کے پیٹ میں مارا جو اس کے حلق سے پار ہو گیا۔ جیسا کہ روضۃ الاحباب میں ہے۔ اس انداز عبارت سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ ابن قمیہ کے ہلاک ہونے کا قصہ روز احد کے قریب زمانہ کا نہیں ہے بلکہ ایک عرصہ کے بعد رونما ہوا۔ مگر معارج النبوة کی عبارت یہ ہے کہ مشرکوں کے مکہ مکرمہ لوٹ آنے کے بعد ایک دن ابن قمیہ ایک پہاڑ کی چوٹی پر سو رہا تھا کہ بفرمان الہی ایک مینڈھا اسی وقت اس ملعون کے قریب آیا (آخر قصہ تک)

اب رہا ابی بن خلف کا قصہ! تو کسی وقت حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے فرمایا تھا کہ تیرا قاتل میں ہوں گا۔ یہ خوف اس کے دل میں یقین کے ساتھ بیٹھ گیا تھا لہذا قریش کے مکہ سے خروج کے وقت احد کی جانب وہ آنا نہ چاہتا تھا کہ کہیں وہ مارا نہ جائے۔ ابوسفیان اسے اصرار کر کے لایا تھا جیسا کہ گزرا۔ اس کا قصہ یوں بیان کرتے ہیں کہ وہ اسیران بدر میں شامل تھا جب اس کا فدیہ قبول کیا گیا تو اس نے مکہ جانے کی اجازت پائی تاکہ وہ فدیہ ادا کرے۔ اس بے حیائے لوٹنے وقت حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے رو برو ویکو اس کی کہ اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) میرا ایک گھوڑا ہے میں اسے خوب دانہ پانی دوں گا تاکہ فربہ ہو جائے پھر اس گھوڑے پر سوار ہو کر آپ سے جنگ کروں گا اور آپ کو (خاک بدین رو) قتل کروں گا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بلکہ اس گھوڑے پر سوار ہونے کی حالت میں ہی میں تجھے قتل کروں گا۔ انشاء اللہ تعالیٰ علماء فرماتے ہیں کہ بدترین خلق اور بد بخت ترین خلاق وہ ہے جسے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم قتل کریں۔

روز احد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ابی بن خلف سے ہشیار رہو کیونکہ یہ ناخلف بے خبری میں پیچھے سے نہ آ جائے۔ اگر تمہیں وہ نظر پڑ جائے تو مجھے بتا دینا۔ اچانک جنگ کے آخر میں وہ اپنے گھوڑے پر سوار نمودار ہوا جب اس کی نظر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر پڑی تو اس نے نالائق کی باتیں کہنی شروع کر دیں۔ اس نے کہا ”اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم! آپ ابی کے ہاتھ سے نہ بچ سکیں گے“ اگر آج آپ میرے ہاتھ سے بچ گئے تو یہ کتنا بے حیا اور بے شرم تھا کہ باوجود اس اعتقاد کے کہ خود حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ سے مارا جائے گا۔ پھر بھی یہ لاف زنی کرتا تھا۔ صحابہ نے عرض کیا ”یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! ہمیں اشارہ فرمائیے ہم اس پر حملہ کریں اور اسے دوزخ میں پہنچائیں۔“ جب وہ ملعون قریب پہنچا۔ حضرت زبیر بن العوام بن الصمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے نیزہ لیا اور ابی کی جانب پھینکا۔ ایک روایت میں ہے کہ اسی کانیزہ اس کے ہاتھ سے لے کر اس پر پھینکا تھا یہ اس شتی کی گردن پر پڑا۔ اسی وقت اس نے اپنے گھوڑے کی لگام پھیری اور اپنی قوم سے مل گیا اور خود کو گھوڑے سے گرا دیا اور گائے بیلوں کی مانند ڈکرانے لگا۔ اس کی قوم نے اس سے کہا ”تیرا زخم تو ایک معمولی سی خراش سے زیادہ نہیں ہے۔ اتنی چیخ و پکار اور واویلا کیوں کرتا ہے۔“ اس نے کہا تمہیں معلوم ہے کہ یہ زخم کس کی مار کا ہے۔ میں واقف ہوں کہ اس زخم سے میری جان نہ بچ سکے گی۔ اگر یہ زخم جو مجھ اکیلے کو لگا ہے تمام جاز والوں کو لگ جائے تو وہ یکبارگی سب کے سب مرجائیں۔ اس لیے کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے مجھے خبر دی ہے کہ تو میرے ہاتھ سے مارا جائے گا۔ کہنے لگا اگر محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) میرے منہ پر کھجور کی گٹھلی بھی مار دیتے تو بھی میں مارا جاتا۔“ وہ یونہی چیختا چلاتا رہا پھر وہ ملعون مشرکوں کے مکہ مکرمہ پہنچنے سے پہلے ”مر الظہر ان“ میں جو مکہ سے ایک منزل پر ہے واصل جہنم ہو گیا۔

مواہب لدنیہ میں واقفی سے منقول ہے کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ ابی بن خلف طعن رافع میں مرا ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ رات کا ایک پہر گزرنے کے بعد میں طعن رافع میں جا رہا تھا۔ اچانک آگ کی ایک لپیٹ نمودار ہوئی۔ میں اس سے ہیبت

کھا گیا۔ اس کے بعد یکا یک اس آگ سے ایک شخص نمودار ہوا جو زنجیروں سے جکڑا ہوا تھا اور پیاس سے چیخا چلاتا تھا اور ایک دوسرے سے کہتا تھا اسے بانیِ ندوہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا قاتل ابی بن خلف ہے۔

عبداللہ بن حمید بھی میدانِ احد میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارادے سے گھوڑا دوڑاتا پھرتا تھا اچانک حضرت ابودجانہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنی تلوار کی ایک ضرب سے اسے زمین پر ڈال دیا۔ عتبہ بن ابی وقاص کی کیفیت معلوم نہیں کی اس کی ہلاکت کس طرح ہوئی۔ عبداللہ بن شہاب کے بارے میں معارج میں مجملہ کچھ ذکر ہے کہ یہ پانچواں بد بخت بھی اسی سال انتہائی ذلت و خواری سے ہلاک ہوا۔

میدان احد کے آخری مناظر: وصل: ارباب سیر بیان کرتے ہیں کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت طلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی مدد سے اس عار سے باہر تشریف لائے تو صحابہ کرام کو معلوم ہوا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم حیات ہیں اس وقت حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارادہ فرمایا کہ احد کی گھاٹی کی طرف اپنے صحابہ کے ساتھ متوجہ ہوں اور پہاڑ کی بلندی یا قلعہ پر تشریف لے جائیں۔ مگر رہنمائے ضعف جو زخموں اور اس بدنی کوفت نے سبب جوذات بابرکات کو عارض ہوئی تھی آسان نہ ہوا۔

ابوسفیان نے چاہا کہ مشرکوں کی جماعت کے ساتھ پہاڑ کے کسی بالائی گوشہ پر چڑھ کر اظہارِ تعلق کرے اور یہ بھی چاہا کہ انہیں گھاتی میں داخل ہونے سے روکے۔ اس وقت حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دستِ اقدس دعا کیلئے اٹھایا اور فرمایا: اَللّٰهُمَّ لَا تَذَرْنَا اَنْ يَّعْلُوْنَا اے رب! ان کو نہ چھوڑ کہ یہ آگے بڑھیں۔ ایک روایت میں ہے کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے صحابہ کی ایک جماعت کے ساتھ مشرکین کی راہ روکی اور ان کے ساتھ جنگ کی اور ان کو وہاں سے دور کیا۔

اس کے بعد وہ نامراد صحنِ معرکہ میں ادھر ادھر کتوں کی مانند دوڑنے لگے۔ سیر و تفریح کرتے، رجز خوانی کرتے، خوشی و شادمانی کا

کی بلندی ہو کہ تیری برکت سے ہماری ظفر و نصرت ہے چونکہ ابوسفیان نے مکہ سے نکلتے وقت کہا۔ اس سے استمداد اور تقاول کیا تھا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم کہو اَللّٰهُ اَعْلٰی وَاَجَلٌ۔ ابوسفیان نے اَلْعُزّٰی لَنَا وَلَا عُزّٰی لَكُمْ (بت عزئی ہمارا ہے تمہارا عزئی نہیں) اَللّٰهُ مَوْلَانَا وَلَا مَوْلٰی لَكُمْ پھر ابوسفیان نے کہا: یَوْمَ یَوْمِ الْبَدْرِ وَالْحَرْبِ یَسْجَلُ۔ آج کادن بدر کے بدلہ کادن ہے اور جنگ ڈول کی مانند ہے۔ مطلب یہ کہ روز احد ہمارا فتح و غلبہ روز بدر کی مانند ہے کہ اس روز فتح و نصرت تمہیں حاصل ہوئی تھی اور جنگ ڈول کی مانند ہے کبھی ایک پانی سے بھری ہوتی ہے کبھی دوسری سے۔

ایک روایت میں ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم کہو قَتَلْنَا فِی الْجَنَّةِ وَقَتَلَاكُمْ فِی النَّارِ۔ ہمارے شہداء جنت میں ہیں اور تمہارے مقتولین جہنم میں۔ اس کے بعد ابوسفیان نے کہا تمہارے مقتولوں کو مشلہ کر دیا گیا ہے مگر میں نے اس کا حکم نہیں دیا تھا اور میں اسے ناپسند بھی نہیں کرتا۔ اس کے بعد اس نے کہا ہماری اور تمہاری ملاقات آئندہ سال بدر میں ہوگی۔ اس کے بعد وہ اپنے گمان میں مظفر و منصور لوٹ گیا مگر درحقیقت منذر و مقہور لوٹا۔

جنگ کے خاتمہ کے بعد کے حالات: وصل: جب مشرکین مکہ لوٹ گئے تو صحابہ کے دلوں میں دغ و غم ہوا کہ مبادا وہ لوٹ کر

مدینہ پر تاخت و تاراج نہ کریں۔ اس بنا پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا وہ دشمنوں کے عقب میں جائیں اور اس خبر کی تحقیق کریں۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان کے تعاقب میں گئے اور یہ خبر لائے کہ مشرکین مکہ کی طرف چلے گئے ہیں۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا آج کے بعد کفار قریش ہم پر بھی کبھی بھی کامیاب نہ ہوں گے اور انشاء اللہ ہمیں مکہ مکرمہ کی فتح نصیب ہوگی۔

مشرکوں کے لئے یہ خبر تو مسلمانوں کے لئے شہدہ کی جتنی و تاثر میں مشغول ہو گئے یہ مودی سے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے

میں راضی ہیں“ اس بشارت کے بعد یہ تہنیت کا مقام ہے نہ کہ تعزیت کا۔ عرض کیا ”یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! پسماندگان کیلئے دعا فرمائے۔“ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اَللّٰهُمَّ اَذْهَبْ حُزْنَ قُلُوْبِهِمْ وَاُجْرَ مُصِیْبَتِهِمْ۔ اے خدا! ان کے دلوں کے غم کو دور فرما اور ان کی مصیبتوں کا اجر دے۔ حکم دیا کہ جو زخمی ہوا اپنے گھر چلا جائے اور اپنا علاج کرے اور ہمارے ساتھ نہ چلے۔ ”بنی الاشہل کے حضرات بہت زیادہ زخمی تھے۔ تقریباً اس کے میں افراد زخمی ہوئے تھے۔ حضرت سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہمرکابی میں آپ کے کا شانہ اقدس تک آئے اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے شانہ اقدس میں پہنچا کر پھر اپنے گھر آئے۔

مردی ہے جب مصیبت زدگان حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے استقبال کیلئے باہر نکلے تھے تو فاطمہ دختر حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم راستہ کے کنارہ کھڑے ہو کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لشکر کو دیکھ رہی تھیں۔ جوق در جوق لوگ آتے تھے حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ان میں اپنے والد حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو تلاش کرتی تھیں مگر لوگوں میں وہ نظر نہ آئے تو حضرت صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے انہوں نے دریافت کیا۔ ”میرے والد کہاں ہیں؟ ان کو میں اس لشکر میں نہیں دیکھ رہی ہوں۔ حضرت صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا دل بھر آیا اور چشم پر نم ہو گئیں۔“ آپ نے فرمایا ابھی رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لاتے ہیں جب سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے تو اپنے والد کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بھی نہ دیکھا۔ سواری کی گام تھام کر عرض کرنے لگیں۔ ”یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میرے والد کہاں ہیں“ فرمایا۔ ”تمہارا والد میں ہوں!“ عرض کیا ”یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! اس کلام مبارک سے خون کی بو آ رہی ہے؟“ ان کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔ صحابہ کے بھی آنسو نکل آئے۔ اس کے بعد فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے عرض کیا ”یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میرے والد کے شہادت کی کیفیت بیان فرمائیے“ فرمایا ”اے بیٹی! اگر اس کی کیفیت بیان کروں تو تمہارا دل قابو میں نہ رہے گا“ اس سے فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا (دختر حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کی چیخ نکل گئی۔

اس مقام پر ایک عجیب حکایت ہے جسے ارباب سیر نقل کرتے ہیں۔ کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ میں تشریف لائے تو اکثر انصار کے گھروں سے عورتوں کے رونے کی آواز سماعت فرمائی۔ مگر حضرت حمزہ کے گھر سے رونے کی آواز نہ سنائی نہ دی۔ فرمایا: لَیْسَ حَمَزَةٌ لَا بَوَّاحٍ لَّہٗ۔ مطلب یہ کہ حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کیلئے کوئی عورت رونے والی نہیں ہے۔ انصار نے جب یہ بات سنی تو انہوں نے اپنی عورتوں سے کہا کہ پہلے حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے گھر جاؤ اور ان کیلئے روؤ۔ اس کے بعد اپنے گھر آ کر اپنے شہیدوں کیلئے روئے انصار کی عورتیں شام اور سونے کے وقت کے درمیان حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے گھر آئیں اور آدھی رات تک ان کیلئے روتی رہیں۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم خواب گاہ میں تشریف لے جا چکے تھے۔ جب بیدار ہوئے تو حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کیلئے روتی رہیں۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم خواب گاہ میں تشریف لے جا چکے تھے۔ جب بیدار ہوئے تو حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے گھر سے عورتوں کے رونے کی آوازیں سماعت فرمائیں۔ دریافت فرمایا ”یہ کیسی آوازیں ہیں؟“ عرض کیا ”یہ آپ کے چچا پر انصار کی عورتوں کے رونے کی آواز ہے“ پھر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا کی اور فرمایا: رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْکُمْ وَعَنْ اَوْلَادِکُمْ وَاَوْلَادِ اَوْلَادِکُمْ۔ اللہ تعالیٰ تم سے اور تمہاری اولاد سے اور تمہاری اولاد کی اولاد سے راضی ہو۔ اتنا تو معارج النبوة میں مذکور ہے اور روضۃ الاحباب میں اتنا زیادہ ہے کہ فرمایا ”میرا مقصد یہ نہ تھا کہ عورتیں آئیں اور حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر روئیں“ اور آپ نے نوحہ کرنے سے منع فرمایا۔ اس مخالفت میں تاکید و مبالغہ فرمایا جس کا ذکر پہلے ہو چکا ہے۔

بندہ مسکین حبیبہ اللہ علی طریق الحق والیقین یعنی شیخ محقق رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمانا کہ لَیْسَ حَمَزَةٌ لَا بَوَّاحٍ لَّہٗ۔ اس سے مقصود افسوس کے علاوہ حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی مصیبت و غربت پر ہمدردی اور غم خواری کرنا تھا۔ کیونکہ وہ نہایت دردناک حالت کے ساتھ شہید کئے گئے تھے اور دوسری غربت یہ تھی کہ کوئی ایسا نہ تھا جو ان کیلئے روئے اور بغیر نوحہ کے

رونا ممنوع بھی نہیں ہے۔ لیکن انصار چونکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خوشنودی کا ہمیشہ خیال رکھتے تھے اس بنا پر انہوں نے اس کا یہ مفہوم لیا حالانکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا مقصد یہ نہ تھا کہ عورتیں آئیں اور روئیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی جب ان کی جانب سے اپنی خوشنودی کی خواہش کو ملاحظہ فرمایا تو ان کیلئے دعا فرمائی۔ یہ بھی ممکن ہے کہ اس رونے نے نوحہ گری کی صورت اختیار کر لی ہو اور اس سے آپ نے منع فرمایا اور اس مخالفت میں مبالغہ و تاکید فرمائی ہو۔ یہ بھی ممکن ہے کہ اس وقت تک نوحہ بھی مباح ہو اور اس کے بعد اس حکم کو منسوخ فرما دیا ہو (واللہ اعلم)

یہ بات پایہ صحت کو پہنچی ہے کہ غزوہٴ احد میں ستر مسلمان شہید ہوئے تھے۔ چار مہاجرین میں سے اور چھیا سٹھ انصار میں سے اور کفار کونسا رکے لشکر میں سے تقریبات میں افراتجہنم رسید ہوئے تھے۔

جب مسلمانوں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ یا رسول اللہ! یہ مصیبت ہمیں کس بنا پر پہنچی تو حق تعالیٰ سے اس

مطلب یہ کہ جب تمہیں وہ مصیبت پہنچی یعنی قتل و جراثحت اور تم میں سے ستر اصحاب روز احد شہید ہوئے تو بلاشبہ تم ان سے دونا روز بدر دشمنوں کو پہنچا چکے ہو کہ ستر کفار بدر میں مارے اور ستر کو قید کیا تھا۔ تو اے محبوب تم فرما دو۔ یہ جو کچھ تمہیں مصیبت پہنچی ہے تو بلاشبہ تمہارے اپنے ہی نفسوں کی طرف سے ہے۔ کہ تم نے مرکز کو چھوڑ کر حکم کی خلاف ورزی کی اور فتح کا وعدہ ثبات اور ہماری مطابقت کے ساتھ مشروط تھا اور تم نے اپنے اختیار سے مدینہ منورہ سے باہر جانے میں جلدی کی اور ہمارے حکم اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اجازت کا انتظار نہ کیا اور اتنی دیر توقف نہ کیا۔ جیسا کہ شروع میں گزر چکا ہے یا اس بنا پر کہ تم روز بدر قیدیوں کے فدیہ لینے کو اختیار کیا تھا اور اس کے عوض یہ وعدہ کیا تھا کہ ان قیدیوں کے برابر یعنی ستر آدمیوں کی شہادت پیش کرو گے۔ اس کے بعد حق تعالیٰ نے مسلمانوں کی دلداری فرمائی اور فرمایا: مَا أَصَابَكُمْ يَوْمَ الْتَقَى الْجَمْعَانِ فَيَا ذِي اللَّهِ دونوں گروہوں کے ملنے کے دن جو تمہیں مصیبت پہنچی اور قتل و ہزیمت کا سامنا کرنا پڑا یہ حق تعالیٰ کی قضا سے تھا اور مومن چونکہ خوب جانتا ہے کہ جو کچھ اسے پہنچتا ہے وہ حق تعالیٰ سبحانہ کی طرف سے قضاء و قدر ہوتا ہے اس سے اس کی تسلی ہو جاتی ہے اور وہ اس مصیبت کو آسان کر دیتا ہے۔ جیسا کہ حدیث میں آیا ہے کہ قضا و قدر پر ایمان یقین رکھنا غم

أَحْيَاءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُونَ فَرِحِينَ بِمَا آتَاهُمُ اللَّهُ مِنْ
اپنے رب کے پاس زندہ ہیں انہیں رزق دیا جاتا ہے اور اللہ تعالیٰ
اپنے فضل سے جو انہیں عطا فرماتا ہے خوش ہیں۔
فَضْلِهِ

ایک روایت میں ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا حق تعالیٰ نے ان پر تجلی فرمائی اور فرمایا۔ اے شہیدو! اور اے میری راہ
میں جان کو قربان کرنے والو! مگو جو چاہو؟ انہوں نے کہا اے ہمارے مولیٰ! اے ہمارے رب! ہم چاہتے ہیں کہ ہماری روحوں کو ہمارے
جسموں میں لوٹا دے اور ہمیں دنیا میں بھیج دے تاکہ ہم وہاں تیری رضا میں دوبارہ شہید ہوں۔ فرمان ہوا ہم جس کو قبض کر لیتے ہیں دوبارہ
دنیا میں نہیں بھیجتے۔ اس جگہ شارحین کلام کرتے ہیں کہ از روئے حیات دنیا دوسری شہادت کے حصول کی غرض سے دوبارہ بھیجا کیا فائدہ
کرتا ہے۔ یہی ثواب جو پہلی مرتبہ کی شہادت سے انہیں حاصل ہوا۔ دوسرا مرتبہ بھی حاصل ہوتا زیادہ کسی چیز کی ہے؟ اس کا جواب یہ ہے
کہ ممکن ہے۔ انہوں نے یہ خیال کیا ہو کہ دوسری مرتبہ کا ثواب اس سے زیادہ ہوگا چونکہ اس کا ارشاد ہے لَنْ شُكْرُكُمْ لَا يَنْدَنُكُمْ۔ اگر تم
نے شکر کیا تو اور زیادہ دوں گا اور ممکن ہے کہ شہادت کی لذت اور اس کی چاشنی کا تصور ہو۔ اگرچہ ظاہر میں الم کی صورت رکھتا ہے مگر اس کا
ثمرہ اور اجر جو حاصل ہوا اسے حاصل کرنے کا دوبارہ شوق و جذبہ پیدا ہوا۔ یہ بھی ممکن ہے کہ ان کے یہ عرض کرنے کا مقصد اس نعمت کی
نفاست اظہار رضا اور جو کچھ جزا میں حاصل ہوا اس پر شکر کرنا ہو۔ مطلب یہ کہ ہم کسی اور چیز کی خواہش نہیں رکھتے اور نہ کسی چیز کی تمنا
ہے۔ ان نعمتوں سے بالاتر اور خوشگوار تر ہم اور کوئی چیز نہیں جانتے اور اگر ہم چاہیں گے تو اسی کو چاہیں گے اور یہ حاصل ہی ہے۔
یہ تو عالم برزخ میں حاصل ہے۔ دیدار الہی کا وعدہ تو آخرت کیلئے ہے ورنہ وہ اسے ہی طلب کرتے کیونکہ دیدار الہی تمام نعمتوں
سے بالاتر ہے۔

ظاہر حدیث و آیت کا مطلب یہ ہے کہ شہداء کی حیات حقیقی جسمانی حیات ہے۔ محض معنوی و روحانی نہیں ہے۔ جیسا کہ بعض علماء
کے کلام سے مستفاد ہوتا ہے۔ باوجود حیات شہداء کے انبیاء علیہم السلام کی حیات ان سے اعلیٰ و اتم اور اکمل ہے اور حیات انبیاء علیہم السلام
کا مسئلہ کتاب ”جذب القلوب الی دیار المحبوب“ میں تفصیل کے ساتھ لکھ دیا گیا ہے اور اس کے تمام پہلوؤں کو بیان کر دیا گیا ہے۔ اگر
خدا نے چاہا تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ذکروفات کے ضمن میں کچھ اس میں سے بھی بیان کر دیا جائے گا۔

تنبیہ: علماء فرماتے ہیں کہ پرندوں کے قالب میں روحوں کو لانا بھی تعلق ارواح کا طریقہ ہے اور چونکہ پرندوں کے ابدان ارواح
انسانی کے تصرف و تدبیر کے قبول کرنے کی صلاحیت نہیں رکھتے۔ لہذا اس سے ان کی تنقیص لازم آتی ہے کیونکہ مرتبہ انسانی سے گھٹا کر
مرتبہ حیوانی میں لانا ایک قسم کی تنقیص ہے تو یہاں یہ صورت نہیں ہے بلکہ اس کی صورت ان جواہرات جیسی ہے جو صندوق و ظرف میں
رکھے جاتے ہیں لیکن اس تقدیر پر یہ اعتراض لاحق ہوتا ہے کہ جنت کی نعمتوں سے ان کا لذت پانا اور وہاں نعمتوں سے لطف اندوز ہونا کیا
ہے؟ یہ بات آلات و حواس کے وجود کو ظاہر کرتی ہے؟ مگر یہ کہ اسے اس طرح بیان کیا جائے کہ یہ جنتی پرندے انسانی ابدان ہیں جن میں
حواس انسانی کو رکھا گیا ہوگا۔ گویا کہ وہ آدمی ہی ہیں مگر صورت پرندوں کی ہے جس طرح کہ دنیا میں انسانوں کی مختلف صورتیں ہوتی
ہیں۔ جنت میں پرندوں کی صورت میں ہوں گے۔ اس سے تنازع یعنی آواگون کا وہم پیدا ہو جاتا ہے کہ روح ایک بدن سے نکل کر
دوسرے بدن میں داخل ہوگئی۔ زیادہ سے زیادہ یہی تو ہے کہ اس بدن کی صورت اس بدن کی صورت سے مختلف و جدا ہے تو اس وہم کا
ازالہ اور دفعیہ یہ ہے کہ تنازع کا بطلان دنیا میں ہے کہ وہ حشر و نشر کو باطل بناتا ہے۔ اس جگہ ایسا نہیں ہے بلکہ یہ بدن برزخ میں ہے جہاں
وہ بطور امانت ہے اور اس کے ساتھ متعلق ہے جسے دور کر دیا جائے گا اور یہ (حشر میں) بدن اصلی میں داخل ہو جائیں گے۔
بعض علماء کہتے ہیں کہ شہداء کی ارواح ان پرندوں کے ساتھ متمثل اور متجسد ہوں گی۔ یہ قول ظاہر حدیث کے منافی و مخالف ہے

کیونکہ فرمان نبوی ہے کہ یَدْخُلُ فِیْ جَوْفِ طُیُوْرٍ پَرندوں کے قالب میں داخل فرمایا۔ البتہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ شاید عالم برزخ میں مرتبہ طور پر رکھا ہو اور بعد از حشر و نشر ابدان اصلی پیدا کر کے مرتبہ انسانی میں پہنچا دیا جائے (واللہ اعلم بحقیقۃ الحال)

مواہب لدنیہ میں ہے جسے حافظ عماد الدین ابن کثیر سے نقل کرتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ ہمیں مسند امام احمد میں ایک حدیث ملی ہے جس میں مسلمانوں کو بشارت دی گئی ہے کہ ان کی روحیں جنت میں رہتی ہیں اور وہاں وہ کھاتی پیتی اور اس کی سرسبزی و شادابی کو دیکھتی رہتی ہے۔ جن چیزوں سے انہیں سرفراز کیا جائے گا اس کا وہ مشاہدہ کرتی ہیں۔ اور یہ حدیث باسناد صحیح عزیز مروی ہے اور ائمہ اربعہ مذاہب میں سے تین امام اور ان کے متبعین اس میں مجتمع ہیں۔ اسے امام احمد شافعی سے وہ امام مالک سے وہ زہری سے وہ عبد الرحمن سے وہ اپنے والد کعب بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے وہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں۔ فرمایا مومن کی روح ایک پرندہ ہے جنت کے درختوں سے (میوے) کھاتی ہے یہاں تک کہ حق تعالیٰ اسے اس کے جسم کی طرف لوٹائے گا جس دن کہ وہ اٹھائے جائیں گے۔ لہذا یہ حدیث دلالت کرتی ہے کہ مومن کی روح بھی پرند کی صورت میں جنت میں ہے اور شہداء کی روحیں طائران بنز کے جوف و حواصل میں رہتی ہے لہذا روح شہداء عامہ مومنین کی ارواح کی نسبت سے راکب کی مانند ہیں۔

حضرت طلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے جب رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم غزوہ احد سے فارغ ہو گئے تو خطبہ ارشاد فرمایا حق تعالیٰ کی حمد و ثناء بیان کرنے کے بعد مسلمانوں کی تعزیت فرمائی ان کو اس اجر و ثواب کی خبر دی جو حق تعالیٰ نے مقرر فرمایا ہے۔ اس کے بعد یہ آیت کریمہ تلاوت فرمائی:

رَجُلًا صَدَقُوا مَا عَاهَدُوا اللّٰهُ عَلَيْهِ فَمِنْهُمْ مَّنْ قَضٰی نَحْبَهُ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَنْتَظِرُ
بہت سے لوگ وہ ہیں جنہوں نے جو اللہ تعالیٰ سے عہد کیا اسے سچ کر دکھایا۔ کچھ تو ان میں سے وہ ہیں جنہوں نے عہد پورا کر لیا اور کچھ وہ بھی جو منتظر ہیں۔

حضرت ابی فرودہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے ایک روز رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم شہداء احد کی زیارت قبور کیلئے تشریف لے گئے۔ فرمایا اے میرے رب تو ہی عبادت کا مستحق ہے بلاشبہ تیرا یہ بندہ اور تیرا رسول گواہ ہے کہ یہ جماعت تیری رضا میں شہید ہوئی ہے۔ اس کے بعد فرمایا جو شخص ان کی زیارت کرتا ہے اور ان کی تحیت و سلام بجالاتا ہے۔ یہ قیامت تک ان کو جواب دیتے رہیں گے۔ مروی ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم شہدائے احد کی زیارت کیلئے تشریف لے جاتے تو فرماتے۔ اَلْسَّلَامُ عَلَیْکُمْ بِمَا صَبَرْتُمْ فِیْغَمَّ عُقْبٰی الدَّارِ۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی اسی راہ پر گامزن رہے اور اسی طرح زیارت و سلام کرتے رہے۔

فاطمہ خراعیہ کہتی ہیں کہ میں ایک روز صحرائے احد سے گزر رہی تھی تو میں نے کہا اَلْسَّلَامُ عَلَیْکَ یَا عَمَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ۔ میں نے سلام کے جواب میں سنا: عَلَیْکَ السَّلَامُ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَکَاتُہُ۔ عطف بن خالد خزومی اپنے ماموں سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے بیان کیا کہ میں شہدائے احد کی زیارت کو گیا میرے ساتھ دو غلام تھے جو میرے گھوڑے کی حفاظت کرتے تھے۔ ان کے سوا کوئی موجود نہ تھا چونکہ میں نے سنا ہوا تھا کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ انہیں سلام کرو کیونکہ یہ زندہ ہیں اور سلام کا جواب دیتے ہیں تو میں نے سلام کیا اور سلام کا جواب سنا۔ انہوں نے فرمایا ”بلاشبہ ہم تمہیں پہنچاتے ہیں۔“ اس پر میں ہیبت سے لرزہ بر اندام ہوا کہ گرجا پھر میں جلدی سے سوار ہو کر روانہ ہو گیا۔ شہدائے احد کی فضیلت میں اخبار و آثار بہت ہیں۔

ارباب سیر بیان کرتے ہیں کہ چھیالیس سال کے بعد (کسی وجہ سے) بعض شہدائے احد کی قبروں کو کھولا گیا۔ وہ ویسی ہی تروتازہ

مثل غنچہ ہائے گل اپنے کفنوں میں تھے۔ تم یہی کہو گے کہ انہیں آج ہی دفن کیا گیا ہے۔ ان میں سے بعضوں کو دیکھا گیا کہ زخموں پر ہاتھ رکھے ہوئے ہیں جب زخموں سے ہاتھ اٹھایا گیا تو زخموں سے تازہ خون بہنے لگا۔ جب ان کے ہاتھوں کو چھوڑا گیا تو وہ زخموں پر یہی واپس پہنچ گئے۔

وہ واقعات جن کی بناء پر ان قبور شریفہ کو کھولا گیا ان میں سے ایک یہ تھا کہ کسی کا قریبی شخص کسی اجنبی کے ساتھ مدفون ہو گیا تھا یا تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی صریح اجازت کے ساتھ یا کسی قرینہ یا قیاس و اجتہاد کے ساتھ وہ انہیں نکال کر علیحدہ دفن کرنا چاہتے تھے۔ بعض قبریں اس سیلاب کی وجہ سے کھل جاتی تھیں جو بعض وادیوں سے اندر ہی اندر پانی رس رس کر آ جاتا ہے مگر یہ قلیل الوقوع تھا۔ ورنہ اکثر قبریں اس بنا پر کھلیں کہ حضرت معاویہ بن ابوسفیان رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنی امارت کے زمانہ میں مشہد کے راستہ سے ایک نہر جاری کرائی تھی اور اکثر قبریں اسی سیل سے مکشوف ہوئیں اور شہداء کو ان کی قبروں سے باہر لایا گیا۔

تاریخ مدینہ میں امام تاج الدین سبکی رحمۃ اللہ علیہ سے شفاء السقام فی زیارہ خیر الانام میں منقول ہے کہ جب امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نہر کھدوا رہے تھے اور وہ نہر ان شہداء کے قریب سے گزری تو ایک کدال حضرت سید الشہد حمزہ بن عبدالمطلب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قدم اقدس پر لگا اور اس سے خون بہنے لگا۔ اس زمانہ میں جبکہ یہ نہر کھودی جا رہی تھی۔ عامل نے مدینہ میں منادی کرائی کہ امیر المؤمنین کی نہر آ رہی ہے جس کسی کی عزیز کی قبر ہو وہ آ کر انہیں نکال کر کسی اور جگہ منتقل کر دے (واللہ اعلم)

ارباب سیر بیان کرتے ہیں کہ جب ابوسفیان اور مشرکین احد کی جنگ سے مکہ واپس ہونے لگے تو وہ اپنی واپسی پر پشیمان تھے وہ کہتے تھے کہ ہم نے زحمت اٹھائی لشکر جمع کیا اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے لشکر میں نہبت عظیم برپا کی۔ ان کے اختیار صاحب کو شہید کیا بنوز کام تمام بھیڑا ہوا تھا کہ لوٹ کر آئے۔ مصلحت سے کہ پھر لوٹ چلیں اور ان کے اصحاب کا مکمل استیصال کر دیں (نعود باللہ) اس کے بعد مکہ

ماثورہ دعاؤں میں اتنا اضافہ مروی ہے۔ نِعْمَ الْمَوْلَى وَنِعْمَ النَّصِيرُ ۝

اسی جگہ یعنی حمراء الاسد میں ابو عزمہ شاعر جو اسیران بدر میں سے تھا اور بغیر فدیہ لیے یہ عہد لے کر چھوڑ دیا گیا تھا کہ آئندہ مسلمانوں کے خلاف کسی جنگ میں شریک نہ ہوگا مگر اس نے بد عہدی کی تھی اور وہ غزوہ احد میں مسلمانوں کے خلاف جنگ میں موجود تھا گرفتار ہوا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے قتل کر دینے کا حکم دیا اور فرمایا: لَا يُلْدَغُ الْمُؤْمِنُ مِنْ حُجْرٍ مَرَّتَيْنِ۔ ”مسلمان ایک سوراخ سے دو مرتبہ نہیں ڈسا جاتا۔“ دوسرا شخص معاویہ بن مغیرہ جو واجب القتل تھا اور مسلمانوں کو ایذا کیں دیتا تھا گرفتار ہوا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دونوں کو قتل کرنے کا حکم فرمایا۔

سریہ رجب: واقعات میں سے ایک واقعہ یہ ہے جو ہجرت کے چھتیسویں مہینہ ماہ صفر میں واقع ہوا۔ وہ سریہ رجب ہے جو ”ہذیل“ کی طرف سے۔۔۔ مقام مکہ اور غسفان کے درمیان، نوارح حجاز میں، سے چونکہ اس قضیہ کا وقوع اس کے قریب ہی ہوا تھا اس لیے اس قضیہ کا یہی

نام رکھ دیا گیا۔ اس قصہ میں عضل اور قارہ کی بات ہے۔ یہ دو گائوں کے نام ہیں۔ دوسرا سریہ بیر معونہ کا ہے جو سال چہارم میں واقع ہوا ہے۔ اس کا ذکر بعد میں آئے گا۔ اس میں رعل اور ذکوان کا ذکر ہے۔ محمد بن اسحق کہتے ہیں کہ سریہ رجب تیسرے میں ہے اور ”بیر معونہ“ چوتھے سال کے شروع میں ہے۔ ان دونوں سریہ کا وقوع ایک دوسرے کے قریب ہے۔ ارباب سیر کہتے ہیں کہ اصحاب رجب اور بیر معونہ کی خبر ایک ہی رات میں آئی اور ترجمہ بخاری کا سیاق بھی یہ وہم پیدا کرتا ہے کہ سریہ رجب و بیر معونہ کا بھیجنا ایک ہی ہے حالانکہ ایسا نہیں ہے اس لیے کہ رجب کی طرف عاصم و حبیب اور ان کے اصحاب کے سریہ کو بھیجا گیا تھا۔ اور یہ عقل (فتح عین و سکون ضاد اور آخر میں لام) اور قارہ (بقاف وراء) کے ساتھ ہے اور بیر معونہ سریہ قرار ہے اور وہ رعل و ذکوان کے ساتھ ہے۔ بخاری نے دونوں کو جمع کر دیا ہے اس بنا پر کہ دونوں ایک دوسرے کے قریب قریب ہیں۔ بخاری کی یہ مراد ہرگز نہیں ہے کہ دونوں ایک ہی قضیہ ہیں۔

اب رہا سریہ رجب کی تفصیل اوہ یہ ہے کہ احد سے واپسی کے بعد سفیان بن خالد ہذیل (بضم ہاو فتح ذال) نخباتی جو اشقیاء ناس میں سے تھا۔ عضل و قارہ کے قبیلہ کے کچھ لوگوں کے ساتھ قریش کی تہنیت کیلئے مکہ پہنچا کیونکہ بظاہر احد میں ان کو ایک قسم کی فتح اور غلبہ نے منہ دکھایا تھا۔ جب وہ مکہ میں آئے تو انہوں نے سنا کہ سلافہ بنت سعد زوجہ طلحہ بن ابی طلحہ نے جو احد میں کافروں کی علمبردار تھی اور اس کا شوہر اور اس کا بیٹا مارا گیا تھا۔ اس نے اعلان کرایا ہے کہ جو کوئی عاصم بن ثابت (جنہوں نے اس کے شوہر اور دونوں بیٹوں کو واصل جہنم کیا تھا) کا سر لائے گا اسے سو منتخب اونٹ دیئے جائیں گے۔ مدارج النبوت کی عبارت سے بھی مستفاد ہوتا ہے اس کی عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ سلافہ کا اعلان خاص طور پر عاصم بن ثابت کے بارے میں تھا۔ روضۃ الاحباب میں ہے کہ اس عورت نے شرط لگائی تھی کہ جو کوئی ان کے بیٹوں کے قاتلوں میں سے کسی ایک کا سر لائے گا اسے بہترین سو اونٹ دیئے جائیں گے۔ اس کے چار بیٹے تھے ان میں سے دو کو تو حضرت عاصم بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جہنم رسید کیا تھا۔ اور ایک کو طلحہ بن عبید اللہ نے اور ایک کو حضرت زبیر بن العوام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے جہنم رسید کیا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس عورت کی شرط خاص طور سے عاصم بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ تھی اور حضرت عاصم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا نام خاص طور پر یوں لیا گیا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے عاصم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو سریہ کے ہمراہ بھیجا تھا۔ بہر تقدیر سفیان بن خالد شقی مذکور کو اس میں یہ لالچ پڑا کہ اگر اس عورت کا مقصود حاصل ہو جائے تو سو اونٹ ہاتھ آجائیں گے۔ اس نے اس کیلئے ایک منصوبہ بنایا اور اس منصوبہ کے تحت اس نے اپنی قوم کے شریر لوگوں میں سے سات کو چننا اور ان کو مدینہ کی طرف روانہ کر دیا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہنچ کر اسلام کا اظہار کریں۔ عرض کریں کہ وہ اپنے صحابہ کی ایک جماعت کو ہمارے ہمراہ بھیجیں تاکہ وہ ہماری قوم کو اسلامی احکام و شرائع سکھائیں۔ ممکن ہے وہ سلافہ کے لڑکوں کے تین قاتلوں میں سے

کسی کو تنہا رہے ہمراہ روانہ کر دیں اس طرح ہمارا مدعا حاصل ہو جائے گا۔ چنانچہ قوم عضل وقارہ کے یہ ساتوں آدمی مدینہ آئے اور کہنے لگے یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! ہم مسلمان ہو گئے ہیں اور ہماری قوم کی ایک جماعت بھی اسلام میں آگئی ہے۔ اپنے صحابہ کی ایک جماعت کو بھیجے تاکہ وہ ہمیں قرآن پڑھائیں اور احکام شریعت سکھائیں۔

صحیح بخاری میں اس قصہ کا ذکر نہیں ہے اور حدیث کو یہیں سے شروع کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سریہ کو بھیجا اور عاصم بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو امیر بنایا۔ پھر یہ سریہ عسفان اور مکہ کے درمیان روانہ ہو گیا۔ (آخر قصہ تک) اور جس طرح کہ کتب سیر میں اس قصہ کو بیان کیا گیا ہے۔ یہی ہے کہ سفیان بن خالد نے اپنی قوم کے سات شخصوں کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس مدینہ منورہ بھیجا اور نفاق سے اسلام ظاہر کیا۔ ایک جماعت کو ساتھ بھیجنے کی درخواست کی۔ پھر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے عاصم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ایک سریہ کے ساتھ بھیج دیا۔ اس طریقہ سے ذکر کیا گیا ہے کہ اس جماعت نے ثابت بن ابی الالفتح (جو عاصم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے والد ہیں) کو امیر بنایا اور عاصم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ساتھ محبت و مودت کا بنیاد رکھا اور صبح و شام عاصم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے خوشامد

عاصم رضی اللہ تعالیٰ عنہ! جلدی نہ کرو اور خود کو ہلاکت میں نہ ڈالو! ہم تمہیں امان اور پناہ دیتے ہیں۔ عاصم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا اے لوگو! میں کسی مشرک کی امان قبول نہیں کرتا اور کسی کافر کے ہاتھ میں ہاتھ نہیں دیتا! ہم نے خدا کے ساتھ عہد کیا ہے اور اسی سے التجا کی ہے کہ میرے کسی عضو کو کوئی کافر نہ چھوے گا۔ میں نے سنا ہے کہ طلحہ کی بیوی سلافہ نے نذر مانی ہے کہ میرے سر کے پیالہ میں شراب پئے۔ اس کے بعد کہا: اے خدا! ہمارے احوال کی خبر ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو پہنچا دے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی دعا قبول فرمائی اور اس کی خبر رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو پہنچائی اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو وہ سب کچھ بتا دیا جو انہیں مصیبت پہنچی تھی۔ انہوں نے دعا مانگ کر تیر اندازی شروع کر دی۔ جب تیر ختم ہو گئے تو نیزے سے مقابلہ شروع کر دیا یہاں تک کہ ان کا نیزہ ٹوٹ گیا۔ اس کے بعد تلوار نکال کر مقابلہ شروع کر دیا اور دعائیں کہا: ”اے خدا! میں نے پہلے دن سے ہی تیرے دین کی حمایت کی ہے تو آخری دن میں میرے جسم کو مشرکوں سے محفوظ رکھ۔“ اس کے بعد کافروں نے تیروں کی بارش شروع کر دی اور عاصم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو شہید کر دیا۔ (رضی اللہ تعالیٰ عنہ)

یہ جو انہوں نے دعا میں کہا تھا کہ ”اے خدا! میں نے پہلے دن سے ہی تیرے دین کی حمایت کی ہے تو آخری دن میں میرے جسم کو مشرکوں سے محفوظ رکھ۔“ اس میں اپنے عمل پر اجرت و مزدوری کی طلب اور اس کا استحقاق نہیں ہے بلکہ مقصود اظہار تمنا و آرزو ہے کیونکہ جب اس نے اپنے فضل سے یہ بات عطا فرمائی ہے تو میں اس کا بھی امیدوار ہوں کہ تو ایسا کرے۔ اس لیے کہ اہل حقیقت کا طریقہ باب قرب میں طلب اجز نہیں ہوتا ہے۔ اس کے ساتھ یہ بھی ہے کہ شریعت کے معاملہ میں وعدہ حق سبحانہ و تعالیٰ کے صدق پر بس نظر ہوتی ہے اور اہل غار کی بات میں آئیہ کریمہ کی دلالت موجود ہے۔ کفر مایا: اِنْ تَنْصُرُوا اللَّهَ يَنْصُرْكُمْ۔ اگر تم نے اللہ کی مدد کی تو وہ تمہاری مدد کرے گا۔ یہ اس پر دلیل و حجت ہے جب ان ارباب شقاوت نے ارادہ کیا کہ حضرت عاصم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سر مبارک کو ان کے تن اقدس سے جدا کر کے سلافہ کے پاس لے جائیں اور شرط کے بموجب سوانٹ حاصل کریں تو حق تعالیٰ نے زبور یعنی بھڑوں کے ایک لشکر کو حضرت عاصم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے تن اقدس کی حفاظت کر لیے بھیجا اور انہوں نے ان کے جسم کو اپنے گھیرے میں لے لیا جو کافر بھی آگے بڑھتا ایک دم ہجوم کر کے اس پر حملہ کرتیں اور اپنے ڈنگ سے اسے کاٹ لیتیں اور اس کو حضرت عاصم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس سے بھگادیتی تھیں۔ یہاں تک کہ کسی کو طاقت نہ ہوئی کہ ان کے قریب آسکتا۔ جب رات ہوئی تو حق تعالیٰ نے پانی کا ایک سیلاب بھیجا جو ان کے جسم شریف کو بہا کر لے گیا اور انہیں دشمنوں سے اوجھل کر دیا۔

مروی ہے کہ جب سفیان بن خالد اور اس کی قوم ملا عنہ سلافہ بنت سعد کے پاس ان اونٹوں کی طلب میں گئی تو سلافہ نے کہا کہ میں نے تو یہ شرط لگائی تھی کہ جو کوئی میرے لڑکوں کے قاتلوں کو مجسم یا ان کا سر لائے گا تو میں اسے سوانٹ دوں گی۔ تم تو کچھ بھی اپنے ساتھ نہ لا سکتے میں اونٹ کس لیے تمہیں دوں چنانچہ یہ وہاں سے خائب و خاسر اور نامراد لوٹے۔ (لَعْنَةُ اللَّهِ عَلَيْهِمْ اجمعین)

اس سرے کے چھ حضرات کفار کے ساتھ مقابلہ کرتے ہوئے شہید ہو گئے۔ خبیث بن عدی، عبد اللہ بن طارق اور زید بن الدغنه رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو یہ مشرک امن کا وعدہ کر کے پہاڑ سے نیچے لے آئے۔ بعد میں ان بد بختوں نے عہد شکنی کی اور ان کے ہاتھوں کو ان کی کمانوں کے چلے سے باندھ دیا۔ عبد اللہ بن طارق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جب ان کی غداری دیکھی تو کسی جیلہ سے اپنے ہاتھوں کو بندش سے کھول لیا اور شمشیر تان کر دشمنوں پر حملہ کر دیا۔ بالآخر کافروں نے سنگ باری کر کے ان کو شہادت کی سعادت سے بہرہ مند کر دیا۔ خبیث اور زید رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو فروخت کرنے کیلئے مکہ لے گئے۔ خبیث رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حارث بن عامر بن نوفل نے خرید لیا تا کہ حارث بن عامر کے بدلے میں کیوں کہ اس کو خبیث رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مارا تھا قتل کرے اور حضرت زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو صفوان بن امیہ نے پچاس اونٹوں میں خرید لیا تا کہ حارث بن عامر کے بدلے میں تمام ہو کیونکہ اس کو خبیث رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مارا تھا ان کو مکہ

معظمہ میں ماہ ذیقعد میں لایا گیا تھا۔ اس کے بعد ان دونوں کو مجبوس کر دیا گیا تاکہ اشہر حرم یعنی حرمت والے مہینے گزر جائیں۔

صحیح بخاری کی حدیث میں ہے کہ خبیث رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو جب وہ مجبوس تھے لوگوں نے انگور کا خوشہ کھاتے دیکھا۔ حالانکہ مکہ مکرمہ میں اس زمانہ میں کسی قسم کا کوئی میوہ بازاروں میں نہ ہوتا تھا اور خوشہ انگور کا رزق دیا جانا حق تعالیٰ کی ہی جانب سے انہیں روزی پہنچانا تھا۔ جب اشہر حرم گزر گئے تو موضع تنعیم میں جوز مین حرم سے خارج ہے اور مکہ سے قریب ترین زمین حل ہے۔ وہاں خبیث رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور زید کو سولی پر چڑھانے کیلئے لائے۔ اس وقت خبیث رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے قریش سے کہا کہ انہیں اتنی مہلت دیدی جائے کہ وہ دو رکعت نماز پڑھ لیں۔ حق تعالیٰ نے ان کے دلوں میں ڈالا کہ وہ ان کی اس خواہش کو مان لیں اور شہیدان حق کے درمیان ان کی یہ سنت یادگار رہے۔ حضرت خبیث رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ اگر یہ بات نہ ہوتی کہ لوگ یہ کہیں کہ وہ موت سے ڈرتا ہے تو میں نماز کو طویل کرتا۔ اس وقت چند اشعار کہے جس کا مفہوم یہ ہے کہ ”میں مرنے سے نہیں ڈرتا جبکہ میں مسلمان ہو کر مر رہا ہوں خواہ میرے جسم کے ایک ایک جوڑ کو جدا کر کے مجھے ہلاک کریں۔ میری یہ ہلاکت ذات حق تعالیٰ کی خوشنودی و رضا میں ہے۔ اگر خدا نے چاہا تو وہ میرے جسم کے ٹکڑوں پر برکتیں نازل فرمائے گا۔“

اس کے بعد ان کافروں پر لعنت بھیجی اور دعا کی کہ ”اے خدا! ان میں سے کسی کو نہ چھوڑ اور ان سب کو جدا جدا کر کے ہلاک فرما اور ان میں سے کسی ایک کو نہ چھوڑ۔“ ارباب سیر کہتے ہیں کہ حق تعالیٰ نے ان کی دعا قبول فرمائی اور اس وقت جتنے موجود تھے ان میں سے اکثر کو تھوڑے ہی زمانہ میں بلاؤں میں مبتلا کر کے ہلاک کر دیا۔ معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ میں اس واقعہ کے وقت موجود تھا۔ میرے باپ نے مجھے ان کی دعا کے خوف اور ڈر سے زمین پر لٹا دیا تاکہ اس کے حق میں یہ بددعا اثر نہ کرے۔ سبحان اللہ کیا جہل و عناد ہے اگر تم حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے غلاموں کی دعا کا ایسا اثر مانتے ہو اس سے ڈرتے ہو اور اس کا اعتبار کرتے ہو تو کیوں سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے نہیں ڈرتے اور ان پر ایمان نہیں لاتے۔ یقیناً یقیناً آپ سے بھی وہ سب ڈرتے ہیں لیکن ان کی شقاوت اور ان کا عناد ان کا پیچھا نہ چھوڑتا تھا کہ وہ ایمان لائیں نعوذ باللہ من ذالک۔ اس کے بعد خبیث رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو سولی پر اس طرح لایا گیا کہ ان کا چہرہ مبارک مدینہ طیبہ کی طرف رہے اور کعبہ سے رخ پھر رہے۔ حضرت خبیث رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا مجھے اس سے کیا نقصان ہے حق تعالیٰ فرماتا ہے: فَاَيَسْمَعُوْا تَوَلُّوْا فَسَمَّ وَجْهَ اللّٰهِ تو تم جدھر رخ کرو گے اسی طرف حق تعالیٰ کا رخ ہے اور خود مدینہ منورہ کعبہ کا اور ان کا حقیقی قبلہ ہے۔ کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وہاں تشریف فرما ہیں۔ پھر کفار نے ان سے کہا دین اسلام سے منحرف ہو جاؤ تو تمہیں نجات دیدیں گے۔ فرمایا قسم ہے رب العزت کی اگر تمام روئے زمین مجھے دیدی تو میں دین حق سے منہ موڑوں گا۔ ایک جان کیا چیز ہے سو جانیں بھی ہوں تو اس پر فدا ہیں۔ کفار کہنے لگے اس وقت تمہاری خواہش تو یہ ہوگی کہ تیری بجائے اس دار پر محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ہوتے (معاذ اللہ) اور تو اپنے گھر میں سلامتی کے ساتھ رہتا۔ خبیث رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا ”خدا کی قسم! میں تو یہ بھی گوارہ نہیں کرتا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے پائے مبارک میں کاٹنا چھپے اور میں گھر میں بیٹھا رہوں۔ غرضیکہ کفار نے ہر قسم کا خوف دلایا۔ سختیاں کیں اور بہودگیاں کیں کہ ان کو دین حق سے منحرف کر دیں مگر وہ منحرف نہ ہوئے یہاں تک کہ ان کو قتل کر دینے ہی کا فیصلہ قرار پایا۔ اس وقت انہوں نے کہا ”اے خدا! میں اس جگہ دشمنوں کے سوا کسی کو نہیں دیکھتا ہوں اور دوستوں میں سے کوئی یہاں نہیں ہے جو میرا پیغام تیرے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچائے۔ اے خدا! تو ہی میرا سلام بارگاہ رسالت میں پہنچا۔“

حضرت زید بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس شریف میں ایک جماعت کے ساتھ موجود تھا کہ یکا یک حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی کی علامت ظاہر ہوئی۔ اس کے بعد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا درجۃ اللہ علیہ اور

فرمایا خیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو قریش نے شہید کر دیا ہے اور یہ جبریل امین ہیں جو ان کا سلام مجھے پہنچا رہے ہیں۔ اس کے بعد مشرکوں نے بدر کے پسماندوں کو بلایا جن کے باپ وغیرہ بدر میں مارے گئے تھے۔ چالیس آدمی برچھیاں تانے آگے آگئے اور حضرت خیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے جسم اقدس میں چھونے لگے۔ وہ ان کی ضرب سے اضطراب میں آتے اور جنبش کرتے یہاں تک کہ وہ ان کا چہرہ کعبہ کی جانب ہو گیا۔ اس وقت انہوں نے کہا حمد ہے اس خدا کی جس نے میرا رخ اس کعبہ کی جانب پھیرا جس سے وہ خود راضی ہے اپنے لیے اپنے نبی کیلئے اور تمام مسلمانوں کیلئے اگرچہ ان کا رخ بہر حال قبلہ حقیقی کی جانب تھا۔ لیکن انہوں نے چاہا کہ حق تعالیٰ اس رخ میں ظاہر و باطن، صورت و معنی اور حقیقت و شریعت کو جمع فرمادے۔ اس کے بعد ان اشقیاء میں سے ایک نے ان کے سینہ بے کینہ پر ایسا نیزہ مارا جو ان کی پشت سے پار ہو گیا۔ اس وقت زبان پر کلمہ توحید جاری ہو گیا اور کلمہ طیبہ پڑھتے ہوئے اس جہان سے دار آخرت میں چلے گئے۔ (رضی اللہ تعالیٰ عنہ وارضاه)

اس کے بعد حضرت زید بن الدہنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو لائے انہوں نے بھی حضرت خیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی پیروی میں دو رکعت نماز پڑھنے کی مہلت لے کر پڑھی۔ کفار نے ان کے ساتھ بھی وہی کچھ بک بک کی جو حضرت خیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کر چکے تھے اور ان کے ساتھ بھی وہی کیا اور اسی طرح جس طرح حضرت خیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو شہید کیا تھا ان کو بھی شہید کیا اور وہ اس عالم سے اس عالم کی طرف گئے (رضی اللہ تعالیٰ عنہ وارضاه) اباب سیر کہتے ہیں کہ ان کو صفوان بن امیہ کے غلام نے جس کا نام نطاس تھا شہید کیا۔ منقول ہے کہ جب حضرت خیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو شہید کر چکے تو ابوسفیان کہنے لگا ہم نے کسی کے اصحاب کو ایسا نہ دیکھا جتنے جانباڑ اور جاں نثار محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے اصحاب ہے جب حضرت خیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو وار پڑا کا ہوا چھوڑ دیا تو ان اشقیاء کی نفیحت و رسوائی اس سعادت مندی کے ساتھ بہ نسبت زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زیادہ سخت و اشد ہو گئی۔ نیز ظاہر ہے کہ حضرت خیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مرتبہ بارگاہ رب العزت میں زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زیادہ غالب و عالی تر تھا۔ اس وجہ سے ان

حانا۔ اتے ہو تو حاوے کفار مکہ لوٹ آئے اور مدونوں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں مدینہ منورہ پہنچے۔ جبریل علیہ السلام اس مجلس



بعد وہ تلوار لے کر قطع منازل کرتے ہوئے بطن عرب پہنچ گئے۔ انہوں نے وہاں ایک شخص کو دیکھا جس میں وہ تمام نشانیاں تھیں جن کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمایا تھا۔ انہوں نے ان نشانیوں سے اسے پہچان لیا اور کہا صدق اللہ ورسولہ۔ یعنی اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے سچ فرمایا۔ جب سفیان کی نظر عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ رڑی تو اس نے کہا یہ مکہ کون ہے۔ حضرت عبداللہ

رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا میں مرد خزاعی ہوں۔ حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے خود کو خزاعی ظاہر کیا تھا ممکن ہے کہ اس میں کوئی مصلحت دیکھی ہو۔ انہوں نے سفیان سے کہا میں نے سنا ہے کہ تو محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے جنگ کرنے کیلئے ایک لشکر فراہم کر رہا ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ تیرے ہم رکاب ہوں اور بہت سی خوشامدائے باتیں کہیں۔ اس کے بعد حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس کے خیمہ میں داخل ہو گئے اور تیغ سے بے دریغ اس کا سراڑا کر مدینہ طیبہ کی راہ لی۔ راہ میں وہ ایک غار میں پہنچ کر چھپ گئے۔ حق جل و علی نے ایک مکاری (عکبوت) کو حکم دیا کہ وہ غار کے دہانے پر جالاتا رہے۔ لوگوں نے ان کی بڑی جستجو کی مگر نہ پاسکے۔ بالآخر حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ غار سے نکلے اور منزل مقصود کی راہ لی۔ رات کو سفر کرتے اور دن کو روپوش رہتے ہوئے مدینہ طیبہ پہنچ گئے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو مسجد شریف میں دیکھا اور اس نامبارک و ناپاک سر کو پائے اقدس کے نیچے ڈال دیا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور تمام صحابہ نے خوشی و مسرت کا اظہار کیا۔ منقول ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عبداللہ بن انیس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ایک عصا عطا فرمایا اور فرمایا کہ اس عصا کے ساتھ جنت میں ٹیک لگانا۔ مقصود جنت میں داخل ہونے اور اس پر یقین کرنے کی بشارت دینا تھا۔ ارباب سیر بیان کرتے ہیں کہ وہ عصائے مبارک ان کے ہاتھ میں ان کی وفات تک رہا۔ وفات کے وقت اپنے گھر والوں کو وصیت کی کہ اس عصائے مبارک کو ان کے کفن میں لپیٹ کر ان کے ساتھ قبر میں رکھ دینا۔ حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اس سفر کی مدت اٹھارہ روز تھی۔

ہجرت کے چوتھے سال کے واقعات

سریہ بیر معونہ: ہجرت کے چوتھے سال کے واقعات میں سے سریہ بیر معونہ کا قصہ ہے جو کہ ماہ صفر میں ہجرت کے چھتیسویں مہینہ کے شروع میں غزوہ احد کے چار ماہ بعد واقع ہوا۔ بیر معونہ کے قصہ کو سریہ المندربن عمرو اور سریہ القرئی بھی کہتے ہیں۔ بیر معونہ بلاد ہذیل کا ایک موضع ہے جو مکہ اور عسفان کے درمیان واقع ہے۔ اس کا قصہ یہ ہے جسے محمد بن اسحق اور دیگر ارباب سیر بیان کرتے ہیں کہ ابو براء عامر بن مالک بن جعفر جو ”ملاعب ملاسنہ“ یعنی ”سنان و بھالے کے ساتھ کھیلنے والا“ کے لقب سے مشہور تھا۔ بظاہر اس کی جنگ سنان کے ساتھ زیادہ تھی اور وہ قبیلہ نجد و بنی عامر میں سے تھا۔ وہ مدینہ منورہ آیا اور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس شریف کے شرف سے مشرف ہوا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے اسلام کی دعوت دی۔ اسلام کا قلاوہ تو اس نے اپنی گردن میں نہ ڈالا لیکن دین محمدی علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کی تعریف کی اور کہا کہ میں جانتا ہوں کہ آپ کا دین مبارک شریف اور آپ کی ملت حنیف ہے۔ میری قوم بہت بڑی ہے اگر آپ اپنے صحابہ کی ایک جماعت میرے ہمراہ قبیلہ نجد و بنی عامر بھیجیں تو ممکن ہے کہ وہ دین متین کو قبول کر لیں۔ گویا کہ اس کا مطلب یہ تھا کہ میں چاہتا ہوں کہ آپ کی دعوت قبول کر لوں اور آپ کے حکم کی اطاعت کروں لیکن قوم کا لحاظ رکھتا ہوں۔ اگر آپ ایسی

جماعت بھیجیں جو انہیں عیسائیوں سے جدا کر دے اور ان کو اسلام کی دعوت دے۔

دیا۔ ان اصحاب فقراء کا کام یہ تھا کہ دن کو یہ ازواج مطہرات کے حجروں میں پانی اور لکڑیاں پہنچاتے تھے۔ ایک روایت میں یہ ہے کہ وہ فروخت کرتے تھے اور ان کی قیمت سے اصحاب صفہ کیلئے طعام خریدتے تھے۔ ایک روایت میں ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کیلئے آب شیریں لایا کرتے تھے اور جب رات آتی تو نماز ذکر اور تلاوت قرآن میں مشغول رہتے تھے۔ ان حضرات کو اقراء صحابہ یعنی صحابہ میں سب سے زیادہ قاری بھی کہتے تھے۔ ان میں زیادہ تر انصاری تھے اور جب رات آتی تو نماز ذکر اور تلاوت قرآن میں مشغول رہتے تھے۔ جتنے ان کے اسماء لکھے گئے ہیں وہ سولہ مرقوم ہیں۔ ہم ان کے ناموں کو جس قدر اس سر یہ کے قصہ میں مذکور ہیں اسی پر اکتفا کرتے ہیں۔

اس سر یہ کا امیر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت منذر بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بنایا اور کچھ خطوط نجد و بنی عامر کے رئیسوں کے نام لکھ کر انہیں دیئے۔

ابو براء عامر بن مالک کا ایک بھتیجا عامر بن طفیل بن مالک تھا جو سرکش دین کا مخالف اور مسلمانوں کا دشمن تھا۔ برخلاف اس کے ابو براء عامر میں تہد و عناد اور مسلمانوں سے دشمنی اور عداوت نہ تھی۔ جب یہ مسلمانوں کی جماعت پر معونہ پر اتاری اور اونٹوں کو عمرو بن امیہ ضمری اور حارث بن صمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے سپرد کیا تو ان کے ساتھیوں میں سے تھے تاکہ وہ انہیں چراگاہ میں چرا لیں۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا مکتوب گرامی ایک اور ساتھی کو دیا کہ جس کا نام حرام بن ملحان رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھا۔ یہ حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی چھو بھی ام سلیم رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے بھائی تھے۔ بخاری کے لفظ سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ بنی عامر کی جانب ”مبعوث“ تھے لیکن اباب سیر حضرت منذر بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو امیر قوم بتاتے ہیں۔ ممکن ہے کہ ان کی اصطلاح میں مبعوث امیر سے زیادہ عام ہو بہر تقدیر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا مکتوب گرامی حرام بن ملحان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو دیا گیا کہ وہ عامر بن طفیل کے پاس لے جائے۔ حرام رضی اللہ تعالیٰ عنہ دو آدمیوں کے ساتھ روانہ ہوئے۔ جب ان کی قوم کے قریب پہنچے تو ان دونوں آدمیوں سے کہا یہیں ٹھہرو میں جاتا ہوں اگر مجھے امن دیدی تو میں تو میں تمہیں بلا لوں گا۔ اگر انہوں نے مجھے قتل کر دیا تو تم اپنے ساتھیوں سے جائے مل جانا۔ اس کے بعد حرام رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان کے پاس پہنچے اور کہا مجھے امان دو تاکہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مکتوب گرامی پہنچاؤں۔ جس دوران وہ گفتگو میں مشغول تھے عامر بن طفیل نے کسی کو اشارہ کیا وہ شخص عقب میں آیا اور حرام رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر ایسا نیزہ مارا کہ وہ پار ہو کر دوسری طرف نکل گیا۔ اس کے بعد حرام رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے خون کو مندا اور سر سے صاف کیا اور کہا: اَللّٰهُ اَكْبَرُ فُزْتُ بِرَبِّ اَلْكَعْبَةِ۔ مطلب یہ کہ میں نے مقصود پالیا کیونکہ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کی بجا آوری ہے اور حصول درجہ شہادت ہے۔ اس کے بعد عامر بن طفیل نے بنی عامر سے مدد مانگی کہ اصحاب رسول سے جنگ کیلئے اٹھ کھڑے ہوں۔ بنی عامر کو چونکہ معلوم تھا کہ یہ مسلمان ابو براء کی اپنی امان میں ہیں اور عامر بن طفیل مقصد پورا نہ کر سکتا تھا۔ انہوں نے کہا ہم ابو براء کے امان کے عہد کو توڑنا قبول نہیں کر سکتے۔ اس کے بعد تمام بنی عامر نے مسلمانوں کے ساتھ جنگ کرنے سے انکار کر دیا۔ پھر عامر بن الطفیل نے دیگر قبائل، سلیم، عصبہ، رعل اور ذکوان کے پاس آدمی بھیجے ان سے امداد و نصرت چاہی اور ایک کثیر جماعت فراہم کر کے بیر معونہ کی طرف روانہ ہو گیا اور اس لشکر انبوه کے ساتھ مسلمانوں کو گھیرے میں لے لیا۔ جب مسلمانوں نے خود کو گرداب بلا میں گھرا ہوا دیکھا تو بارگاہ الہی میں مناجات کرنے لگے اور کہنے لگے ہم کسی کو نہیں دیکھتے کہ ہمارا سلام تیرے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور لے جائے تو ہی ہمارا سلام حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں پہنچا۔ اس پر جبریل علیہ السلام آئے اور ان دردمندوں کا سلام حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں پہنچایا۔ ایک روایت میں ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان شہیدوں کی خبر صحابہ کرام کو پہنچائی اور فرمایا تمہارے ساتھی مصیبت میں مبتلا ہو گئے ہیں اور حق تعالیٰ سے مناجات کر رہے ہیں کہ ہمارے حال کی خبر ہمارے ساتھیوں کو پہنچا۔ ہم تیری رضا چاہتے ہیں جس میں تو راضی ہے

ہم بھی راضی ہیں۔ ایک روایت میں ہے کہ ان کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی۔ **بَلِّغُوا عَنَّا قَوْلَنَا إِنَّا قَدْ لَغِيبْنَا رَتَبًا فَرَضَىٰ عَنَّا وَارْضَاسًا**۔ یعنی ہماری طرف سے ہماری قوم کو خبر پہنچادو۔ کہ ہمارے رب نے ہم سے ملاقات کی تو وہ ہم سے راضی ہو گیا اور اس نے ہمیں راضی کیا۔ یہ آیت قرآن میں کچھ عرصہ تک پڑھی گئی اس کے بعد منسوخ التلاوہ ہو گئی۔ غرضیکہ مسلمانوں نے بڑی جو اندری اور ثبات قدمی سے مقابلہ کیا یہاں تک کہ سب کے سب اصحاب شہید ہو گئے۔ بجز منذر رضی اللہ عنہ بن عمرو کے۔ ان سے انہوں نے کہا اگر تم چاہو تو تمہیں امان دیدیں انہوں نے ان کی امان قبول نہ کی اور مقابلہ کیا یہاں تک کہ وہ بھی شہید ہو گئے۔ اور عمرو رضی اللہ عنہ بن عمیر ضمیری اور حارث رضی اللہ عنہ بن صمد جو کہ اونٹوں کو چرانے چراگاہ لے گئے تھے جب واپس آئے اور چاہا کہ لشکر گاہ میں پہنچیں تو انہوں نے پرندوں کو لشکر کے گرد منڈلاتے دیکھا۔ ایک غبار چاروں طرف پھیلا ہوا تھا۔ کافروں کا لشکر سوار ہو کر بلندی پر جا رہا تھا اور یہ بھی دیکھا کہ ان کے تمام اصحاب شہید ہو چکے ہیں تو انہوں نے ایک دوسرے سے مشورہ کیا کہ کیا کرنا چاہئے۔ عمرو رضی اللہ عنہ نے کہا مناسب یہ ہے کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور جائیں اور آپ کو سارا حال سنائیں۔ حارث رضی اللہ عنہ نے اس رائے کو منظور نہیں کیا اور کہا شہادت حاصل کرنے کا موقع ہے اسے غنیمت جاننا چاہئے۔ اس کے بعد وہ کفار کی طرف چل دیئے اور ان سے مقابلہ شروع کر دیا۔ ان میں سے دو کافروں کو جہنم رسید کیا بالآخر دونوں گرفتار ہو گئے۔ حارث رضی اللہ عنہ نے باوجود یہ کہ ان کے سر سے خون بہہ رہا تھا پھر جنگ شروع کر دی اور دو اور کافروں کو جہنم رسید کیا۔ اس کے بعد وہ خود شہید ہو گئے۔ عامر بن الطفیل نے عمرو رضی اللہ عنہ کو شہید نہیں کیا۔ ان کا سر منڈا کر انہیں آزاد کر دیا کیونکہ اس کی ماں کو آزاد کرنے کیلئے ایک بندہ درکار تھا۔ عمرو رضی اللہ عنہ کو چھوڑ دیا کہ وہ زندہ رہے اور اجازت دیدی کہ مدینہ منورہ چلا جائے۔ عامر بن الطفیل نے کہا کیا تم اپنے تمام ساتھیوں کو پہچانتے ہو انہوں نے فرمایا ہاں میں سب کو جانتا ہوں۔ پھر وہ اٹھا اور شہیدوں کے درمیان آیا اور ایک ایک کا نام و نسب پوچھا۔ انہوں نے سب بتایا دیا پھر کہا کیا کوئی تمہارے ساتھیوں میں سے ہے جس کو تم یہاں نہیں دیکھتے ہو؟ انہوں نے فرمایا ہاں، عامر رضی اللہ عنہ بن فہیر، حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے آزاد کردہ غلام ہمارے ساتھ تھے مگر ان میں موجود نہیں ہے۔ عامر بن الطفیل نے پوچھا وہ کیسے آدمی تھے؟ فرمایا ہم میں فاضل ترین اور سب سے پہلے اسلام لانے والوں میں سے تھے۔ اس پر عامر نے کہا جب انہیں شہید کیا گیا تو میں نے دیکھا کہ ان کو آسمان کی طرف اٹھا کر لے جایا جا رہا ہے۔

یہ حضرت عامر رضی اللہ عنہ بن فہیرہ ابتداء میں سید عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے والدہ کے بھائی کے غلام تھے جو ان کی خدمت کرتے تھے۔ وہ اس سے پہلے اسلام لے آئے تھے جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دار ارقم میں قیام فرمایا تھا۔ اس عامر بن الطفیل نجدی ملعون شقی پر تعجب ہے کہ باوجود اس کے کہ اس نے اس جماعت مقدسہ کی کرامتیں اور برکتیں دیکھیں مگر ان کے قتل پر شرمندہ نہ ہوا اور ایمان نہیں لایا۔ کسی شخص کیلئے اس سے زیادہ کیا شقاوت و عناد ہوگا۔

نبی کلاب کا ایک اور شخص جسے جبار بن سلمیٰ کہتے ہیں ان کافروں کے درمیان تھا اس سے منقول ہے کہ اس نے بیان کیا جب میں نے حضرت عامر رضی اللہ عنہ بن فہیرہ کے نیزہ مارا تو وہ دوسری طرف پار ہو گیا۔ میں نے سنا کہ انہوں نے کہا ”فُزْتُ وَاللّٰہِ“ خدا کی قسم! میں مقصود کو پہنچ گیا۔ میں نے دیکھا کہ اسے آسمان پر لے جایا جا رہا ہے۔ میں نے اپنے دل میں بہت غور کیا کہ ”فُزْتُ وَاللّٰہِ“ کا کیا مطلب تھا۔ صحابہ بن سفیان کلابی کے پاس گیا اس سے میں نے اس بارے میں دریافت کیا۔ اس نے کہا ان کا مقصود یہ تھا ”فُزْتُ وَاللّٰہِ بِالْحَنَّةِ“ میں خدا کی قسم جنت میں پہنچنے میں کامیاب ہو گیا۔ پھر میں نے کہا مجھے دعوت اسلام دیجئے۔ اس کے بعد میں مسلمان ہو گیا۔ میں نے ان کا جو حال دیکھا تھا وہ میرے اسلام لانے کا موجب بنا۔ سبحان اللہ! سعادت مندوں کا یہی حال ہے کہ اس حال کو

مشاہدہ کرنے اور اس کلام کو سننے سے ہی نور اسلام دل میں چمک اٹھا۔

إِنَّمَا تُنذِرُ مَنِ اتَّبَعَ الذِّكْرَ وَخَشِيَ الرَّحْمَنَ الْغَيْبِ
جوز کر کی پیروی کرتے اور بے دیکھے رحمن سے ڈرتے ہیں انہیں کو
آپ کو ڈرانا موثر ہے تو انہیں مغفرت اور اجر کریم کی بشارت دیجئے۔
فَبَشِّرْهُ بِمَغْفِرَةٍ وَأَجْرٍ كَرِيمٍ O

منقول ہے کہ شحاک بن سفیان نے ایک خط رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو لکھا جس میں جبار رضی اللہ عنہ بن سلمیٰ کے اسلام لانے
اور ان کا حضرت عامر بن فہیرہ کو آسمان پر لے جاتے دیکھنے کا حال تحریر کیا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بلاشبہ فرشتوں نے ان
کو جسم کو فہرہ کا اور ۱۰۰ کا رو، ۷۰ کا علم علیہ، ۱۰۰ لے گئے۔ صحیح بخاری، میر، سے کہ عامر بن سلمیٰ اللہ العزیز نے حضرت عامر رضی اللہ

آسمان میں رکھا گیا۔ قسطائی کہتے ہیں کہ واقدی روایت کرتے ہیں کہ ان کو زمین نے چھپا لیا پھر مشرکوں نے ان کو دیکھا۔ ارباب سیر بیان
کرتے ہیں کہ اس کے بعد ابو براء اپنے بھتیجے کی غداری سے جو اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کی تھی بہت غمگین و افسردہ ہوا اور
فہرہ کے جسم کو فہرہ کا رو، ۷۰ کا علم علیہ، ۱۰۰ لے گئے۔ صحیح بخاری، میر، سے کہ عامر بن سلمیٰ اللہ العزیز نے حضرت عامر رضی اللہ

میں جس کا ارباب سیر بیان کرتے ہیں بنی نضیر (فتح نون و کسر ضاد) یہودی قبیلوں میں سب سے بڑا قبیلہ تھا۔ اس قضیہ کا وجوع چوتھے سال میں پیر معونہ کے بعد ہوا۔ جیسا کہ اسے ابن اسحاق نے بیان کیا ہے۔ سہیلی کہتے ہیں کہ غزوہ بنی نضیر غزوہ بدر کے چھ مہینہ بعد اور غزوہ احد سے پہلے ہوا تھا اور بخاری بھی غزوہ بنی نضیر کو غزوہ بدر کے آخری ابواب میں کعب بن الاشرف اور ابو رافع تاجر حجاز کے قتل کے ذکر اور غزوہ احد کے بیان سے پہلے لائے ہیں مگر ابن اسحاق کا قول زیادہ صحیح ہے۔

در۔ رسالہ اکرم علیہ السلام۔ کفار کے ساتھ یہودیوں کا ہستی میں، ہنخ تو یہودیوں نے کہا اے ابوالقاسم! کچھ در تشریف

نے ابوسفیان کے ساتھ حلف کیا یعنی ان کے حلیف بن گئے۔ اس کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت محمد رضی اللہ عنہ بن مسلمہ کو بنی نصیر کے پاس بھیجا کہ تم سب میرے شہروں سے نکل جاؤ اس لیے کہ تم نے غدار کی ہے۔ تمہیں دس دن کی مہلت ہے جو کوئی دس دن کے بعد یہاں پایا جائے گا اس کی گردن اڑادی جائے گی۔ اس پر یہودیوں نے جلاوطنی کی تیاری شروع کر دی۔ صحرا سے اپنے اونٹوں کو لائے اور کچھ کرائے پر لے گئے تاکہ یہاں سے چلے جائیں۔ ایک ایک عبد اللہ بن سلول منافق، جو رئیس المنافقین تھا اس نے بنی نصیر کے پاس کسی کو بھیجا اور کہلوا یا کہ تم اپنے وطنوں سے نہ نکلو۔ اپنے قلعوں میں ٹھہرے رہو اور بے فکر و بے غم بیٹھے رہو۔ میں دو ہزار آزمودہ کار جنگی جوانوں کے ساتھ تمہارا پشت پناہ ہوں اور بنی قریظہ اپنے حلیفوں کے ساتھ جو کہ بنی غطفان ہیں تمہارے معاون و مددگار ہوں گے۔ یہ منافق نادان بمقتضائے نفاق انتہائی عداوت و حماقت پر اتر آیا اور اس نے اپنی حماقت سے ایسی عداوت کا اظہار کیا۔ حالانکہ وہ اتنا نہ سمجھا کہ قریش کس قدر بہادر و شجاع ہیں۔ وہ بے بس ہو کے رہ گئے۔ ان کے قلعوں کی کیا حقیقت ہے بہر حال یہود بے بہبود اس احمق منافق کی بات سے مغرور و مسرور ہو گئے اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں قاصد بھیج دیا کہ ہم از خود اپنے گھروں سے نہ نکلیں گے جو آپ چاہیں کریں۔ جب یہ بات حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سمع مبارک میں پہنچی تو بآواز بلند تکبیر کہی اور صحابہ نے بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی موافقت میں تکبیر بلند کی اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد سے غزوہ کی تیاری میں مشغول ہو گئے۔ اس کے بعد مدینہ منورہ میں حضرت ابن رضی اللہ عنہ ام کلثوم کو خلیفہ مقرر فرمایا۔ علم تیار کر کے حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے سپرد فرمایا اور مدینہ منورہ سے باہر تشریف لے آئے۔ آپ نے عصر کی نماز بنی نصیر کی بستی کے میدان میں ادا فرمائی۔ ان کی بستی مدینہ منورہ سے قریب ہے جب یہود نے لشکر اسلام دیکھا تو قلعوں کے دروازے بند کر کے سنگ باری اور تیر اندازی شروع کر دی۔ عشاء کے وقت تک یوں ہی جنگ ہوتی رہی۔ جب مسلمانوں نے نماز عشاء ادا کر لی تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم چند اصحاب کے ساتھ قیام گاہ مبارک میں تشریف لے آئے اور تمام صحابہ کو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ یا حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی سرداری میں دیدیا۔ دونوں روایتوں میں اختلاف ہے کہ صبح تک یہودیوں کا محاصرہ کئے رہے۔

ارباب سیر بیان کرتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا خیمہ مبارک بنی حطمہ کے میدان میں نصب کیا گیا تھا۔ یہودیوں کے تیر اندازوں میں ایک شخص ”غرورا“ نامی تیر انداز تھا اس نے ایسا تیر پھینکا جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے خیمہ اقدس میں جا گرا۔ خیمہ کو وہاں سے لیجا کر دوسری جگہ نصب کیا۔ امیر المومنین سیدنا علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ اس کی گھات میں رہے۔ اچانک دیکھا کہ وہ چند آدمیوں کے ساتھ برہنہ شمشیر لیے باہر آیا۔ حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے اس پر حملہ کیا اور اس بد بخت کے سر کو اس کے ناپاک جسم سے جدا کر کے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لے آئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سہیل رضی اللہ عنہ اور ابودجانہ رضی اللہ عنہ کو ساتھ کیا کہ بقیہ ساتھیوں کو بھی قتل کریں۔ وہ سب کے سر کاٹ کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لے آئے۔ پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پندرہ دن تک یہودیوں کا محاصرہ جاری رکھا۔ ابی ابن سلول منافق اور دیگر قبائل بنی نصیر کی کوئی مدد نہ کر سکے۔ اس کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوبلوہ رضی اللہ عنہ مازنی اور عبد اللہ رضی اللہ عنہ بن سلام کو حکم فرمایا کہ یہودیوں کی کھجوروں کے درخت کاٹ ڈالے جائیں۔ ایک روایت میں ہے کہ جلاد دیئے جائیں اور اس پر ابوبلوہ مازنی تو ان کو کاٹتے تھے جنہیں ”عجوة“ کہا جاتا ہے اور کہتے ان کا کاٹنا یہودیوں پر نہایت شاق اور گراں ہے۔ ”عجوة“ کھجوروں میں سب سے بہتر قسم کی کھجور ہے اور حضرت عبد اللہ رضی اللہ عنہ بن سلام کتر قسم کی کھجوروں کے درخت کو کاٹتے تھے۔ وہ فرماتے مجھے معلوم ہے کہ عنقریب یہودیوں کے تمام املاک مسلمانوں کے تصرف میں آنے والے ہیں لہذا ان میں جو بہتر قسم ہے وہ مسلمانوں کیلئے رہنے دیتا ہوں۔

روضۃ الاحباب میں اس طرح منقول ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہودیوں کے تمام درختوں کو کاٹنے کا حکم فرمایا بجز اس قسم کے درخت کے جن کو ”عجوة“ کہتے ہیں۔ صحابہ ان درختوں کے کاٹنے میں مشغول ہو گئے۔ یہ روایت پہلی روایت کے منافی و مخالف ہے کیونکہ اس روایت میں بظاہر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم مطلق کاٹنے یا جلانے کیلئے ہے۔ دوسری روایت میں یہ حکم ہے مگر یہ صورت ممکن ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے وہ حکم دیا ہو اس کے بعد دوسری مرتبہ یہ حکم دیا ہو۔

ارباب سیر بیان کرتے ہیں کہ بنی نضیر نے مسلمانوں سے کہا تم مسلمان ہو تمہیں حلال نہیں ہے کہ نخلستان کو کاٹو۔ کیونکہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم فساد سے منع فرماتے ہیں لہذا نخلستان کو کاٹنے کا کیسے حکم دے سکتے ہیں۔ اس پر مسلمانوں میں اختلاف رائے پیدا ہو گیا۔ بعض نے کہا ہم تو کانٹیں گے اور بعض نے کہا ہم نہیں کانٹیں گے۔ اس پر حکم ہوا کہ یہودیوں کے تمام آثار و نشانات کو ناپید کر دو۔

”نَعُوذُ بِاللّٰهِ مِنْ غَضَبِ اللّٰهِ وَرَسُولِهِ“ حق تبارک و تعالیٰ کی جناب سے حکم آیا

مَا قَطَعْتُمْ مِنْ لِّينَةٍ اَوْ تَرَكْتُمْوهَا قَائِمَةً عَلَىٰ اُصُولِهَا اور جو لہنت سے کاٹتے ہو اور چھوڑتے ہو تم ان کو کہ وہ جڑوں پر قائم رہیں تو یہ اللہ کے حکم سے ہے تاکہ فاسقوں کو سوا کرے۔

صاحب مواہب سہیلی سے نقل کرتے ہیں کہ بعض مسلمانوں کے دل میں نخلستان کے کاٹنے اور اس کے حکم فرمانے میں شک و شبہ کی قسم سے کوئی دغدغہ لاحق ہوا۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آئیہ کریمہ نازل فرمائی۔ وہ فرماتے ہیں کہ لینہ ایک قسم کی کھجور ہے جو عجوة اور برنی کے سوا ہے۔ لہذا آیت میں اس کا بیان ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام کھجوروں کو نہیں ختم کر دیا مگر صرف انہیں کھجوروں کو جو ان کی غذا تھی اور ان کی غذا عجوة اور برنی تھی۔ اسی بنا پر اللہ تعالیٰ نے ”مَا قَطَعْتُمْ مِنْ لِّينَةٍ“ فرمایا اور ”مَنْ نَخْلَسْتَهُ“ نہ فرمایا جو عموم پر دلالت کرتا ہے جو ایسے درخت کاٹنے کی کراہت پر تنبیہ ہے جس سے سرے سے درخت ہی ختم ہو جائے۔ اس کے برعکس ایسے درختوں کے کاٹنے کا حکم ہے جس سے دشمن غذا پاتے ہیں۔ صاحب کشف نے تفسیر کی ہے کہ درختوں کو پست کر دو۔ بیضاوی نے بھی تفسیر میں اسی کی پیروی کی ہے اور کہا ہے کہ آیت میں دلیل ہے کہ کافروں کے گھروں اور بستیوں کو ویران کرنا اور ان کے درختوں کو کاٹنا ان پر شدت تغلیظ کی غرض سے جائز ہے۔ صراح میں ہے کہ ”لینہ“ کھجور کی ایک قسم ہے قاموس میں ہے لینہ لون سے ہے جو کھجور کے آگے کارنگ ہے۔ بخاری و مسلم میں بروایت سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بنی نضیر کے کھجور کے درختوں کو جلوایا۔ حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ نے اس قصہ کے بارے میں فرمایا۔

وَهَانَ عَلَى سَرَاةٍ بَنِي لُؤَيٍّ حَرِيقٌ بِالْبُؤَيْرَةِ مُسْتَطِيرٌ

بوریہ بصیغہ تصغیر اس جگہ کا نام ہے جہاں بنی نضیر کا نخلستان تھا طاہر ہے کہ کاٹنا اور جلانا دونوں واقع ہوا ہوگا۔

القصہ حق تعالیٰ نے بنی نضیر کے دل میں ایک خوف ہیبت اور رعب طاری کر دیا۔ انہوں نے کسی کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ عالی میں بھیجا کہ آپ ہمیں چھوڑ دیں تاکہ ہم آپ کے شہروں سے نکل جائیں اور راہ مسافرت اختیار کریں۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا آج تمہاری التجانا قابل پذیرائی ہے (ہم نے تمہیں پہلے ہی دس دن کی مہلت دیدی تھی اس مہلت سے فائدہ اٹھا سکتے تھے) اب یہی صورت ہے کہ تم تمام اسلحہ سے دست کش ہو کر صرف اتنا مال و اسباب جتنا جلدی و تیزی میں سوار یوں پر لا دسکو لے جا سکتے ہو۔ اس پر وہ راضی ہو گئے۔ آئیہ کریمہ میں ہے ”هُوَ الَّذِي أَخْرَجَ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ مِنْ دِيَارِهِمْ وَقَدْ فُتِي قُلُوبُهُمُ الرَّعْبَ فَأَعْتَبُوا يَا أُولِي الْأَبْصَارِ“ (تا قول سبحانہ و تعالیٰ)

اس یاد کو تازہ رکھتی ہے چنانچہ چھ سوانٹ بار کر کے کچھ شام کی طرف چلے گئے اور کچھ خیبر کی جانب اور کچھ کسی اور طرف جلوایا

ہو گئے۔ وہ انی ضلالت اور شر و فساد کی بناء پر سرگرداں ہوئے اور دنی اشاعت ان کے شر و فساد سے پاک و صاف ہوئی۔ اور مضمون

کریمہ اِنَّ الْمَدِيْنَةَ تَنْفِي كَمَا يَنْفِي الْكَبِيْرُ خَبَتْ الْحَدِيْدُ۔ بلاشبہ مدینہ خباثت کو صاف کرتا ہے جس طرح بھٹی لوہے کے میل کو صاف کرتی ہے۔ وجود میں آیا۔

ارباب سیر بیان کرتے ہیں کہ یہ ذلیل و خوار یہود نکلے وقت خود کو بناتے سنوارتے دف بجاتے گاتے ہوئے مدینہ سے نکلے اور غراء و جہاد کا مشرعیّت کا مقصد ہی اہل کفار و عناد کے شر و فساد سے دینی آماجگاہ کو پاک و صاف بنانا ہے۔ اس کی مثال ایسی ہے کہ درختوں سے ان ناکارہ و خراب شاخوں کو چھاننا جائے جو پھل آنے میں رکاوٹ پیدا کریں۔ اگر کوئی کہے کہ اگر یہی وجہ ہے تو ان کو قتل کرنا چاہئے تاکہ شرک کے آثار میں فساد کا مادہ ختم ہو اور جلاوطن کرنے میں تو ان کے خبث کا وجود باقی رہتا ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ چونکہ ان سے غدار اور بد عہدی واقع ہوئی تھی اس کی سزا میں ان کو جلا وطنی کا حکم دیا گیا تھا، جو لوگ جنگ و قتال پر آمادہ ہوئے اور اس کیلئے وہ استادہ ہو گئے وہ قتل کر دیئے گئے۔ باقی کو جلاوطن فرما دیا اور بغیر قتال کے قتال کا حکم نہ فرمایا۔ چونکہ یہ سب حکم الہی سے ہے اس لیے اس میں گفتگو کا دامن تنگ ہے اور اتنا بھی جو کچھ کہا گیا ہے وہ مشرکوں اور مفسدوں کے قتل میں نکتہ و حکمت کے طور سے بیان ہوا ہے ورنہ اصل بنیاد حکم الہی ہے۔ خواہ وہ قتل میں ہو یا جلا وطنی میں۔ باقی اموال و جہات، ضیاع و عقائد اور منقولات و محصولات فی کے حکم میں داخل ہیں اور فی کفار کا وہ مال ہوتا ہے جو بغیر جنگ کے ہاتھ آ جائے اور انتصار و غنیمت وہ مال ہے جو جنگ و قتال کے ذریعہ ہاتھ آئے۔ یہ اصطلاح ارباب سیر کے درمیان خاص ہے بسا اوقات ایک کو دوسرے کے معنی میں بھی استعمال کر لیتے ہیں۔ فی کا تمام مال خاص حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ملکیت ہوتا ہے اور خمس و قسمت کی اس میں گنجائش نہیں ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسے اموال، فُذک وغیرہ کو اپنے اور اپنے اہل و عیال و متعلقین اور مسلمانوں کی ضرورتوں پر خرچ فرمایا۔ آپ اس کام کیلئے مہیا اور فراہم کرتے تھے۔ ارباب سیر بیان کرتے ہیں کہ بنی نصیر کا اسلحہ پچاس زرہ، پچاس خود، تین سو چالیس تلواریں تھیں۔ ان میں سے جس چیز کو جس کیلئے چاہتے عطا فرماتے تھے۔ منقول ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ منورہ ہجرت کر کے تشریف آوری کے وقت مہاجرین کو انصار کے گھروں میں اقامت و رہائش کرا کے ان میں باہمی سلسلہ اخوت قائم فرمایا تھا۔ انصار مہاجرین کی ہر اعتبار سے خبر گیری رکھتے تھے حتیٰ کہ اپنے مالوں میں باغوں میں اور تمام چیزوں میں ان کو شریک بناتے تھے بلکہ اگر انصار میں کسی کی کئی پیپیاں تھیں تو ان میں سے کچھ کو اپنے سے جدا کر کے اپنی رفیق کی زوجہ بنا دیتا تھا۔ جب بنی نصیر کے املاک پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے قبضہ تصرف پایا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے انصار کی تعریف و مدح فرما کر دعائے خیر فرمائی۔ انہوں نے جو مہاجرین کے ساتھ احسان و امداد اور اعانت کا طریقہ برتا تھا اس پر ان کی شکرگزاری فرمائی۔ اس کے بعد فرمایا ”اے گروہ انصار! اگر تم چاہو تو بنی نصیر کے اُن املاک کو جسے حق تعالیٰ نے مجھے عنایت فرمایا ہے تم پر تقسیم فرما دوں۔ مہاجرین بدستور تمہارے گھروں میں مقیم رہیں اور اگر تم چاہو تو انہیں مہاجرین میں تقسیم کر دوں۔ ان کو تمہارے گھروں سے نکال کر علیحدہ بسا دوں تاکہ یہ خود اپنے معاش پر متکفل ہوں اور تم سے مشتکی ہو جائیں۔ اس پر حضرت سعد رضی اللہ عنہ بن معاذ اور سعد بن عبادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے جو کہ انصار کے رئیس و اکابر میں سے تھے عرض کرنے لگے یا رسول اللہ! ہماری خواہش یہ ہے کہ ان اموال کو فقراء مہاجرین پر تقسیم فرمائے کیونکہ وہ حضرات دین کی خاطر اس کی محبت میں خانما بر باد ہو کر اور اپنا مال و اسباب لٹا کر اپنے عزیز و اقارب، قبیلوں سے بچھڑ کر مفلسی و غربت کی زندگی گزار رہے ہیں اور ان مہاجرین کو بدستور سابق ہمارے گھروں میں ہی متمکن و مستقر رہنے دیجئے۔ کیونکہ ہمارے گھروں میں خیر و جمعیت اور روشنی انہیں کے وجود کی برکت سے ہے۔ جب ان دونوں بختوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ عرض کیا تو باقی انصار نے بھی انہیں کا اتباع اختیار کیا۔ خواجہ کائنات علیہ الصلوٰۃ و التسلیمات ان باتوں سے بہت خوش اور محفوظ ہوئے اور

ان کو دعائے خیر میں مشمول و مخصوص فرما کے فرمایا: اَللّٰهُمَّ اَرْحِمِ الْاَنْصَارَ وَ اَبْنَاءَ الْاَنْصَارِ وَ اَبْنَاءَ اَبْنَاءِ الْاَنْصَارِ . (اے خدا انصار پر اور ان کی اولاد پر اور ان کی اولاد کی اولاد پر رحمت نازل فرما) اس کے بعد بنی نضیر کے املاک کو مہاجرین پر تقسیم فرمادیا۔ بعض اکابر مہاجرین کو اراضی عنایت فرمائی اور بعض تہید ست و ضرورت مند انصار کو کچھ سامان عطا فرمایا اور اسلحہ میں سے شمشیر ابن ابی الحقیق کو جو نہایت عمدہ نفیس تھی۔ حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کو مرحمت فرمائی (صلی اللہ علیہ وسلم علی آلہ واصحابہ اجمعین)

حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ سبط رسول کی وفات: اسی سال حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ فرزند حضرت عثمان بن عفانؓ نو اسہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات واقع ہوئی۔ ارباب سیر کہتے ہیں کہ ایک مرغ نے ان کی چشم مبارک میں چونچ ماری تھی جس سے وہ بیمار ہو گئے اور اسی بیماری میں دنیا سے رخصت ہو گئے۔

اسی سال حضرت زینب بنت خزیمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی جو امہات المؤمنین اور ازواج مطہرات میں تھیں وفات واقع ہوئی۔ اس سال حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدہ ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے نکاح فرمایا اور اسی سال ان کے پہلے شوہر ابوسلمہ رضی اللہ عنہ بن عبدالاسد مخزومی نے وفات پائی۔ اسی سال فاطمہ بنت اسد بن ہاشم بن عبد مناف والدہ امیر المؤمنین سیدنا علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے وفات پائی۔ مروی ہے کہ جب فاطمہ رضی اللہ عنہا بنت اسد کی وفات کا وقت قریب آیا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب وہ گزر جائیں تو مجھے اطلاع دینا۔ چنانچہ آپ نے فرمایا ان کیلئے بقیع میں قبر کھودی جائے اور لحد بنائی جائے۔ جب قبر کھد کر تیار ہو گئی تو سرور انبیاء صلی اللہ علیہ وسلم قبر میں داخل ہوئے لحد میں لیٹے اور کچھ قرآن پڑھا ان کی قبر کے پاس نو اور ایک روایت میں ہے ستر تکبیروں کے ساتھ نماز پڑھی اور ان کے مناقب میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کوئی شخص ضحطہ قبر یعنی قبر کی تختی سے محفوظ نہیں ہے بجز فاطمہ رضی اللہ عنہ بنت اسد کے صحابہ نے عرض کیا ”اور قاسم بھی نہیں؟“ یعنی آپ کے وہ فرزند جن کا نام قاسم رضی اللہ عنہ تھا اور وہ صغریٰ میں ہی اس عالم سے تشریف لے گئے تھے۔ فرمایا ”ابراہیم رضی اللہ عنہ بھی نہیں!“ مطلب یہ کہ تم قاسم کے بارے میں کیا پوچھتے ہو ان سے چھوٹے فرزند ابراہیم بھی اس سے محفوظ نہیں ہیں۔

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ روایت فرماتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے صحابہ کی ایک جماعت میں تشریف فرما تھے کہ ایک شخص نے خبر دی کہ ام جعفر رضی اللہ عنہ علی رضی اللہ عنہ و عقیل رضی اللہ عنہ فوت ہو گئیں فرمایا اٹھو! ہم اپنی ماں کے پاس جاتے ہیں۔ پھر حضور اٹھے اور صحابہ بھی اٹھے اور نہایت خضوع و خشوع کے ساتھ جیسا کہ صحابہ کی شان تھی کہ كَانَ عَلٰی رُءُوسِهِمُ الطُّيْرُ۔ گویا کہ ان کے سروں پر پرندے بیٹھے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ہمراہی میں چل دیئے۔ جب فاطمہ بنت اسد رضی اللہ عنہ کے گھر کے دروازے پر پہنچے تو اپنے بدن مبارک سے قمیض اتاری اور ان کو دے کر فرمایا۔ غسل کے بعد اس سے ان کا کفن بنانا۔ جب ان کا جنازہ تیار ہو کر باہر آیا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جنازہ کا پایہ اپنے مبارک کندھوں پر رکھا اور تمام راستوں میں کبھی آگے سے اور کبھی پیچھے سے کا نہ ہادیے رہے۔ جب ان کی قبر میں پہنچے تو لحد میں داخل ہو کر لیٹے۔ اس کے بعد آپ باہر تشریف لے آئے اور فرمایا: بِسْمِ اللّٰهِ وَعَلٰی اِسْمِ اللّٰهِ۔ کہہ کر انہیں لحد میں اتارا۔ صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم نے فاطمہ رضی اللہ عنہ بنت اسد کے بارے میں دو چیزیں آپ سے ایسی دیکھی ہیں جو کسی کے بارے میں ہم نے نہیں دیکھیں۔ ایک تو یہ کہ آپ نے اپنی قمیض مبارک اتار کر اس سے ان کا کفن بنایا دوسرے یہ کہ آپ نے ان کی لحد میں اتر کر کچھ دیر آرام فرمایا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قمیض مبارک پہنانے کا مطلب یہ تھا کہ ان کو دوزخ کی آگ نہ چھوئے اور لحد میں لیٹنے کا مقصد یہ تھا کہ حق سبحانہ و تعالیٰ ان کی قبر میں وسعت دے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت میں ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ابوطالب..... کے بعد ان کے سوا کوئی

نہ تھا جس نے میرے ساتھ نیکو کاری کی ہو۔ میں نے ان کو اپنی قمیض مبارک پہنائی تاکہ بخشی حلد انہیں حاصل ہو اور ان کی قبر میں میں لینا تاکہ وہ قبر کی مصیبتوں سے نجات پائیں۔

حضرت انس ابن مالک رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ جب فاطمہ رضی اللہ عنہ بنت اسد فوت ہوئیں تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ان کے پاس تشریف لے گئے اور ان کے سر ہانے بیٹھ کر فرمایا۔ ”اے میری ماں! میری والدہ کے بعد ان کی بہت تعریف فرمائی اور اپنی قمیض کا انہیں کفن دیا۔ اس کے بعد حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ بن زید اور حضرت ابوالیوب رضی اللہ عنہ انصاری اور حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ ان کیلئے قبر کھودو اور لحد کو اپنے دست مبارک سے بنایا۔ اپنے دست مبارک سے اس کی مٹی نکالی لحد کی فراغت کے بعد اس میں داخل ہوئے اور فرمایا: اَللّٰهُ الَّذِیْ یُحْیِیْ وَیُمِیْتُ وَهُوَ حَیٌّ لَا یَمُوتُ اِغْفِرْ لَامِیْ فَاِطْمَءِ بِنِتِ اَسَدٍ وَوَسَّعْ عَلَیْہِ مَذْخَلَهَا یَحَقِّ نَبِیْکَ وَالْاَنْبِیَاءُ قَلِیْلِیْ فَاِنَّکَ اَرْحَمُ الرَّاحِمِیْنَ۔ اور چار تکبیریں پڑھ کر لحد میں اتارا۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہ اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ آپ کے ساتھ تھے۔

حضرت عمر بن عبدالعزیز سے منقول ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کسی کی قبر میں داخل نہ ہوئے مگر پانچ شخصوں کے۔ تین

نفس اسلام

WWW.NAFSEISLAM.COM

عنها کا لڑکا تھا جس نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی آغوش تربیت میں پرورش پائی تھی۔ اس کی قبر میں داخل ہوئے اور تیسرے عبداللہ رضی اللہ عنہ مرنے جنہیں ذوالنجدین کہتے ہیں۔ چوتھے ام رضی اللہ عنہ سومان جو سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی والدہ تھیں اور پانچویں فاطمہ رضی اللہ عنہ بنت اسد کی قبر میں۔

اسی سال چوتھی شعبان کو رحمانہ الرسول نور دیدہ بتول امام شہید سعید ابوعبداللہ حسین رضی اللہ عنہ پیدا ہوئے۔ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہ حضرت امام حسن مجتبیٰ رضی اللہ عنہ کی پیدائش کے پچاس دن بعد حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کے نخل امید سے بارور ہوئی تھیں اور

رجم: اسی سال ایک مرد نے یہودی عورت کے ساتھ زنا کیا اس پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی شریعت کے حکم کے مطابق دونوں کو رجم کرنے یعنی سنگسار کرنے کا حکم فرمایا۔ ظاہر ہے کہ یہ دونوں ذمی تھے۔ انہوں نے کہا کہ ہم اپنے دین پر عمل کریں گے اور توریت میں زنا کا حکم یہ ہے کہ زانی اور زانیہ کا لاکر کے دونوں کو اونٹ پر بٹھا کر شہر میں پھرایا جائے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم جھوٹ بکتے ہو زانی اور زانیہ کا حکم توریت میں بھی رجم ہی ہے اور قرآن و توریت اس حکم میں موافق ہیں۔ عبد اللہ بن سلام رضی اللہ عنہ جو کہ احبار یہود میں سے تھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری کے ابتدائے زمانہ میں ہی اسلام لے آئے تھے۔ انہوں نے بھی ان کو جھٹلایا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا توریت لے کے آؤ۔ چنانچہ وہ توریت کو لا کر پڑھنے لگے۔ یہودی جب رجم کی آیت پر پہنچے تو ہاتھ رکھ کر رجم کی آیت کو چھپالیا حضرت ابن سلام نے اسے پڑھا اور وہ زانی سنگسار کئے گئے۔

اسی سال حضور نے حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کو حکم فرمایا کہ وہ توریت کے سواد خط کو سیکھیں مبادا کہ یہودی اپنے رسائل و کتب میں تغیر و تبدل اور تحریف و تبدل عمل میں لائیں۔ چنانچہ انہوں نے پندرہ دن میں سیکھ لیا۔ جیسا کہ روضۃ الاحباب میں ہے۔ گویا کہ حضرت زید رضی اللہ عنہ کو توریت سیکھنے کا حکم فرمایا اسی قصہ رجم کے بنا پر واقع ہوا تھا لیکن ایک اور حدیث میں یہ آیا ہے کہ حضور صلی اللہ

علیہ وسلم نے زید بن ثابت رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ یہود ہمیں خطوط لکھ کر بھیجتے ہیں اور ہم بھی ان کو مراسلے لکھتے ہیں۔ انہیں فرامین بھیجتے ہیں ان کو حکم دیتے ہیں کہ خط لکھیں اور ان کے خط پڑھیں مگر ہم ان کی دیانت پر اعتماد نہیں رکھتے اور ان سے مطمئن نہیں ہیں کہ کیا سیکھیں اور کیا پڑھیں۔ اس لیے تم ان کے سواد خط کو سیکھ لو تاکہ ہم ان کے مکر و فریب سے محفوظ رہیں۔ پھر حضرت زید رضی اللہ عنہ نے ان کی خط و کتابت کو پندرہ دن میں سیکھ لیا۔

چوری پر ہاتھ کاٹنا: اسی سال طعمہ بن ابیرق کے چوری کرنے کا واقعہ ہے جو کہ قبیلہ بنی ظفر سے تھا اور اس نے حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ بن نعمان انصاری کے گھر سے جو ان کا ہمسایہ تھا ایک زرہ چرائی تھی۔ آٹا چمڑے کی تھیلی میں ڈال کر لے جانے لگا تھا مگر آٹا سوراخوں سے گرنے لگا اس سے وہ ڈرا کہ اس سے حال ظاہر ہو جائے گا اور اس نشان سے اس کا پیہ چل جائے گا۔ پھر اس نے زید ابن سمین یہودی کے گھر میں اسے پھینک دیا۔ ایک روایت میں ہے کہ اس کے سپرد کر دیا۔ دوسرے دن ابن سمین یہودی کے گھر کا سراغ ملا اور زرہ اور آٹے کے چمڑے کی تھیلی اس کے یہاں سے برآمد ہو گئی۔ اس سے مواخذہ اور پوچھ گچھ کرنے لگے۔ زید نے کہا یہ کام طعمہ کا ہے وہی اسے میرے گھر لا کر ڈال گیا ہے یا یہ کہا کہ میرے پاس بطور امانت رکھ گیا ہے۔ یہودی کی ایک جماعت اس پر گواہی دینے لگی۔ اس کے بعد قتادہ رضی اللہ عنہ اور زید دونوں طعمہ کے پاس آئے اور کہنے لگے کیا یہ کام تیرا ہے؟ اس نے انکار کیا باوجودیکہ اس کی قوم اس سے واقف تھی کہ زمانہ جاہلیت میں اس کی عادت تھی۔ اسے پکڑ کر جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ عدالت میں لائے تو لوگوں نے کہا طعمہ اس خیانت سے بری ہے اور یہ گناہ یہودی نے کیا ہے۔ وہ خیال کرتے تھے کہ چونکہ طعمہ مسلمان ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس کی حمایت کریں گے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے قصد فرمایا کہ اس یہودی کو سزا دی جائے فوراً آیت نازل ہوئی۔

إِنَّا أَنْزَلْنَا إِلَيْكَ الْكِتَابَ لِيَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ بِمَا أَرَاكَ
اللَّهُ وَلَا تَكُنْ لِلْخَائِنِينَ خَصِيمًا
جو اللہ آپ کو دکھائے فیصلہ فرمائیں اور خائنوں کے دشمن نہ ہو۔

اس کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ابن سمین سے دست کشی اختیار فرمائی اور طعمہ کا ہاتھ کاٹنے کا حکم فرمایا۔ اس پر طعمہ بھاگ گیا اور مکہ چلا گیا۔ وہاں بھی اس نے چوری کی جب لوگ اس سے باخبر ہوئے تو انہوں نے اسے قتل کر دیا۔ ایک روایت میں آیا ہے کہ اس نے ایک دیوار میں نقب لگائی دیوار اس پر گر پڑی اور وہ مر گیا۔ صاحب کشاف نے کہا کہ وہ مرتد ہو گیا اور اپنی جان چوری میں برباد کی۔

ایک روایت میں ہے کہ وہ وہاں سے بھاگا اور ایک کشتی میں سوار ہو گیا۔ کشتی میں بھی اس نے تھیلی چرائی اور اسے لوگوں نے دریا میں ڈال دیا۔ اس سے معلوم ہوا کہ چوری ایسی بد عادت ہے کہ وہ جدا نہیں ہوتی اور جان و سر اس کام میں چلا جاتا ہے۔ اگر گناہ اور بد عادتوں کا یہی حال ہوتا ہے۔

شراب کی حرمت: بقول مشہور اسی سال میں ایک قول سے چھٹے سال میں اور ایک قول سے آٹھویں سال میں۔ بعض اس قول کو ترجیح دیتے ہیں شراب کی حرمت واقع ہوئی۔ مفسرین کہتے ہیں کہ حرمت شراب کے بارے میں سب سے پہلی آیت یہ نازل ہوئی: وَمِنْ ثَمَرَاتِ النَّخِيلِ وَالْأَعْنَابِ تَتَّخِذُونَ مِنْهُ سَكَرًا وَرِزْقًا حَسَنًا۔ کھجور و انار کے کچھ پھلوں میں سے تم اس سے نشہ بناتے ہو اور عمدہ رزق۔ یہ آیت اباحت میں عام تھی کیونکہ لوگ اس کو کھانے پینے میں عام طور پر استعمال کرتے تھے لیکن بعض وہ صحابہ کرام جو کمال عقل اور وفور رائے سے آراستہ تھے اس مفاسد کی بنا پر جو اس کے پینے سے مرتب ہوتا ہے اس سے اجتناب کرتے تھے جیسے ابو بکر صدیق اور حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ تعالیٰ عنہما کہ انہوں نے زمانہ جاہلیت اور زمانہ اسلام میں کبھی اس کا ارتکاب نہ کیا۔ اس کے بعد یہ آیت نازل ہوئی۔

سَسْئَلُهُ نَارَكَ عَنِ الْخَمْرِ وَالْمَسْرِ فَأُفْهِمَاهُ كَذِبًا

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَالْأَنْصَابُ
وَالْأَزْلَامُ رَجُسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّيْطَانِ فَاجْتَنِبُوهُ لَعَلَّكُمْ
تُفْلِحُونَ ۝ إِنَّمَا يُرِيدُ الشَّيْطَانُ أَنْ يُوقَعَ بَيْنَكُمْ
وَالْبَغْضَاءَ فِي الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ وَيَصُدَّكُمْ عَنْ ذِكْرِ
اللَّهِ وَعَنِ الصَّلَاةِ فَهَلْ أَنْتُمْ مُنْتَهُونَ ۝

اے ایمان والو! بلاشبہ شراب، جو، پانسہ پھیلنا اور تیر سے فال لینا سب ناپاک شیطانی عمل ہے۔ تو اس سے بچو تا کہ تم فلاح پاؤ۔ بلاشبہ شیطان تو یہ چاہتا ہی ہے کہ تم میں دشمنی اور بغض شراب پینے اور جوئے سے پڑے اور وہ تم کو اللہ کے ذکر اور نماز سے روکتا ہے تو کیا تم باز آؤ گے۔

اس آیت میں حرمت شراب میں بہت زیادہ مبالغہ و تاکید ہے اور یہ ان دس دلیلوں پر مشتمل ہے۔ جن کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمایا۔ یہاں تک کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ مدینہ طیبہ کے بازاروں میں اعلان کر دو تا کہ لوگ جان لیں اور باخبر ہو جائیں کہ بلاشبہ شراب حرام کر دی گئی ہے۔ اس کے بعد تمام مسلمان اس سے باز آ گئے اور جن گھروں میں شراب کے مٹکے تھے انہوں نے ان کو بہا دیا۔ چنانچہ شراب مدینہ کی گلی کو چوں میں بہ رہی تھی حرمت شراب اور اس کے پینے والے کی وعید و سزا میں بکثرت

۱۔ ۲۔ ۳۔ ۴۔ ۵۔ ۶۔ ۷۔ ۸۔ ۹۔ ۱۰۔ ۱۱۔ ۱۲۔ ۱۳۔ ۱۴۔ ۱۵۔ ۱۶۔ ۱۷۔ ۱۸۔ ۱۹۔ ۲۰۔ ۲۱۔ ۲۲۔ ۲۳۔ ۲۴۔ ۲۵۔ ۲۶۔ ۲۷۔ ۲۸۔ ۲۹۔ ۳۰۔ ۳۱۔ ۳۲۔ ۳۳۔ ۳۴۔ ۳۵۔ ۳۶۔ ۳۷۔ ۳۸۔ ۳۹۔ ۴۰۔ ۴۱۔ ۴۲۔ ۴۳۔ ۴۴۔ ۴۵۔ ۴۶۔ ۴۷۔ ۴۸۔ ۴۹۔ ۵۰۔ ۵۱۔ ۵۲۔ ۵۳۔ ۵۴۔ ۵۵۔ ۵۶۔ ۵۷۔ ۵۸۔ ۵۹۔ ۶۰۔ ۶۱۔ ۶۲۔ ۶۳۔ ۶۴۔ ۶۵۔ ۶۶۔ ۶۷۔ ۶۸۔ ۶۹۔ ۷۰۔ ۷۱۔ ۷۲۔ ۷۳۔ ۷۴۔ ۷۵۔ ۷۶۔ ۷۷۔ ۷۸۔ ۷۹۔ ۸۰۔ ۸۱۔ ۸۲۔ ۸۳۔ ۸۴۔ ۸۵۔ ۸۶۔ ۸۷۔ ۸۸۔ ۸۹۔ ۹۰۔ ۹۱۔ ۹۲۔ ۹۳۔ ۹۴۔ ۹۵۔ ۹۶۔ ۹۷۔ ۹۸۔ ۹۹۔ ۱۰۰۔ ۱۰۱۔ ۱۰۲۔ ۱۰۳۔ ۱۰۴۔ ۱۰۵۔ ۱۰۶۔ ۱۰۷۔ ۱۰۸۔ ۱۰۹۔ ۱۱۰۔ ۱۱۱۔ ۱۱۲۔ ۱۱۳۔ ۱۱۴۔ ۱۱۵۔ ۱۱۶۔ ۱۱۷۔ ۱۱۸۔ ۱۱۹۔ ۱۲۰۔ ۱۲۱۔ ۱۲۲۔ ۱۲۳۔ ۱۲۴۔ ۱۲۵۔ ۱۲۶۔ ۱۲۷۔ ۱۲۸۔ ۱۲۹۔ ۱۳۰۔ ۱۳۱۔ ۱۳۲۔ ۱۳۳۔ ۱۳۴۔ ۱۳۵۔ ۱۳۶۔ ۱۳۷۔ ۱۳۸۔ ۱۳۹۔ ۱۴۰۔ ۱۴۱۔ ۱۴۲۔ ۱۴۳۔ ۱۴۴۔ ۱۴۵۔ ۱۴۶۔ ۱۴۷۔ ۱۴۸۔ ۱۴۹۔ ۱۵۰۔ ۱۵۱۔ ۱۵۲۔ ۱۵۳۔ ۱۵۴۔ ۱۵۵۔ ۱۵۶۔ ۱۵۷۔ ۱۵۸۔ ۱۵۹۔ ۱۶۰۔ ۱۶۱۔ ۱۶۲۔ ۱۶۳۔ ۱۶۴۔ ۱۶۵۔ ۱۶۶۔ ۱۶۷۔ ۱۶۸۔ ۱۶۹۔ ۱۷۰۔ ۱۷۱۔ ۱۷۲۔ ۱۷۳۔ ۱۷۴۔ ۱۷۵۔ ۱۷۶۔ ۱۷۷۔ ۱۷۸۔ ۱۷۹۔ ۱۸۰۔ ۱۸۱۔ ۱۸۲۔ ۱۸۳۔ ۱۸۴۔ ۱۸۵۔ ۱۸۶۔ ۱۸۷۔ ۱۸۸۔ ۱۸۹۔ ۱۹۰۔ ۱۹۱۔ ۱۹۲۔ ۱۹۳۔ ۱۹۴۔ ۱۹۵۔ ۱۹۶۔ ۱۹۷۔ ۱۹۸۔ ۱۹۹۔ ۲۰۰۔ ۲۰۱۔ ۲۰۲۔ ۲۰۳۔ ۲۰۴۔ ۲۰۵۔ ۲۰۶۔ ۲۰۷۔ ۲۰۸۔ ۲۰۹۔ ۲۱۰۔ ۲۱۱۔ ۲۱۲۔ ۲۱۳۔ ۲۱۴۔ ۲۱۵۔ ۲۱۶۔ ۲۱۷۔ ۲۱۸۔ ۲۱۹۔ ۲۲۰۔ ۲۲۱۔ ۲۲۲۔ ۲۲۳۔ ۲۲۴۔ ۲۲۵۔ ۲۲۶۔ ۲۲۷۔ ۲۲۸۔ ۲۲۹۔ ۲۳۰۔ ۲۳۱۔ ۲۳۲۔ ۲۳۳۔ ۲۳۴۔ ۲۳۵۔ ۲۳۶۔ ۲۳۷۔ ۲۳۸۔ ۲۳۹۔ ۲۴۰۔ ۲۴۱۔ ۲۴۲۔ ۲۴۳۔ ۲۴۴۔ ۲۴۵۔ ۲۴۶۔ ۲۴۷۔ ۲۴۸۔ ۲۴۹۔ ۲۵۰۔ ۲۵۱۔ ۲۵۲۔ ۲۵۳۔ ۲۵۴۔ ۲۵۵۔ ۲۵۶۔ ۲۵۷۔ ۲۵۸۔ ۲۵۹۔ ۲۶۰۔ ۲۶۱۔ ۲۶۲۔ ۲۶۳۔ ۲۶۴۔ ۲۶۵۔ ۲۶۶۔ ۲۶۷۔ ۲۶۸۔ ۲۶۹۔ ۲۷۰۔ ۲۷۱۔ ۲۷۲۔ ۲۷۳۔ ۲۷۴۔ ۲۷۵۔ ۲۷۶۔ ۲۷۷۔ ۲۷۸۔ ۲۷۹۔ ۲۸۰۔ ۲۸۱۔ ۲۸۲۔ ۲۸۳۔ ۲۸۴۔ ۲۸۵۔ ۲۸۶۔ ۲۸۷۔ ۲۸۸۔ ۲۸۹۔ ۲۹۰۔ ۲۹۱۔ ۲۹۲۔ ۲۹۳۔ ۲۹۴۔ ۲۹۵۔ ۲۹۶۔ ۲۹۷۔ ۲۹۸۔ ۲۹۹۔ ۳۰۰۔ ۳۰۱۔ ۳۰۲۔ ۳۰۳۔ ۳۰۴۔ ۳۰۵۔ ۳۰۶۔ ۳۰۷۔ ۳۰۸۔ ۳۰۹۔ ۳۱۰۔ ۳۱۱۔ ۳۱۲۔ ۳۱۳۔ ۳۱۴۔ ۳۱۵۔ ۳۱۶۔ ۳۱۷۔ ۳۱۸۔ ۳۱۹۔ ۳۲۰۔ ۳۲۱۔ ۳۲۲۔ ۳۲۳۔ ۳۲۴۔ ۳۲۵۔ ۳۲۶۔ ۳۲۷۔ ۳۲۸۔ ۳۲۹۔ ۳۳۰۔ ۳۳۱۔ ۳۳۲۔ ۳۳۳۔ ۳۳۴۔ ۳۳۵۔ ۳۳۶۔ ۳۳۷۔ ۳۳۸۔ ۳۳۹۔ ۳۴۰۔ ۳۴۱۔ ۳۴۲۔ ۳۴۳۔ ۳۴۴۔ ۳۴۵۔ ۳۴۶۔ ۳۴۷۔ ۳۴۸۔ ۳۴۹۔ ۳۵۰۔ ۳۵۱۔ ۳۵۲۔ ۳۵۳۔ ۳۵۴۔ ۳۵۵۔ ۳۵۶۔ ۳۵۷۔ ۳۵۸۔ ۳۵۹۔ ۳۶۰۔ ۳۶۱۔ ۳۶۲۔ ۳۶۳۔ ۳۶۴۔ ۳۶۵۔ ۳۶۶۔ ۳۶۷۔ ۳۶۸۔ ۳۶۹۔ ۳۷۰۔ ۳۷۱۔ ۳۷۲۔ ۳۷۳۔ ۳۷۴۔ ۳۷۵۔ ۳۷۶۔ ۳۷۷۔ ۳۷۸۔ ۳۷۹۔ ۳۸۰۔ ۳۸۱۔ ۳۸۲۔ ۳۸۳۔ ۳۸۴۔ ۳۸۵۔ ۳۸۶۔ ۳۸۷۔ ۳۸۸۔ ۳۸۹۔ ۳۹۰۔ ۳۹۱۔ ۳۹۲۔ ۳۹۳۔ ۳۹۴۔ ۳۹۵۔ ۳۹۶۔ ۳۹۷۔ ۳۹۸۔ ۳۹۹۔ ۴۰۰۔ ۴۰۱۔ ۴۰۲۔ ۴۰۳۔ ۴۰۴۔ ۴۰۵۔ ۴۰۶۔ ۴۰۷۔ ۴۰۸۔ ۴۰۹۔ ۴۱۰۔ ۴۱۱۔ ۴۱۲۔ ۴۱۳۔ ۴۱۴۔ ۴۱۵۔ ۴۱۶۔ ۴۱۷۔ ۴۱۸۔ ۴۱۹۔ ۴۲۰۔ ۴۲۱۔ ۴۲۲۔ ۴۲۳۔ ۴۲۴۔ ۴۲۵۔ ۴۲۶۔ ۴۲۷۔ ۴۲۸۔ ۴۲۹۔ ۴۳۰۔ ۴۳۱۔ ۴۳۲۔ ۴۳۳۔ ۴۳۴۔ ۴۳۵۔ ۴۳۶۔ ۴۳۷۔ ۴۳۸۔ ۴۳۹۔ ۴۴۰۔ ۴۴۱۔ ۴۴۲۔ ۴۴۳۔ ۴۴۴۔ ۴۴۵۔ ۴۴۶۔ ۴۴۷۔ ۴۴۸۔ ۴۴۹۔ ۴۵۰۔ ۴۵۱۔ ۴۵۲۔ ۴۵۳۔ ۴۵۴۔ ۴۵۵۔ ۴۵۶۔ ۴۵۷۔ ۴۵۸۔ ۴۵۹۔ ۴۶۰۔ ۴۶۱۔ ۴۶۲۔ ۴۶۳۔ ۴۶۴۔ ۴۶۵۔ ۴۶۶۔ ۴۶۷۔ ۴۶۸۔ ۴۶۹۔ ۴۷۰۔ ۴۷۱۔ ۴۷۲۔ ۴۷۳۔ ۴۷۴۔ ۴۷۵۔ ۴۷۶۔ ۴۷۷۔ ۴۷۸۔ ۴۷۹۔ ۴۸۰۔ ۴۸۱۔ ۴۸۲۔ ۴۸۳۔ ۴۸۴۔ ۴۸۵۔ ۴۸۶۔ ۴۸۷۔ ۴۸۸۔ ۴۸۹۔ ۴۹۰۔ ۴۹۱۔ ۴۹۲۔ ۴۹۳۔ ۴۹۴۔ ۴۹۵۔ ۴۹۶۔ ۴۹۷۔ ۴۹۸۔ ۴۹۹۔ ۵۰۰۔ ۵۰۱۔ ۵۰۲۔ ۵۰۳۔ ۵۰۴۔ ۵۰۵۔ ۵۰۶۔ ۵۰۷۔ ۵۰۸۔ ۵۰۹۔ ۵۱۰۔ ۵۱۱۔ ۵۱۲۔ ۵۱۳۔ ۵۱۴۔ ۵۱۵۔ ۵۱۶۔ ۵۱۷۔ ۵۱۸۔ ۵۱۹۔ ۵۲۰۔ ۵۲۱۔ ۵۲۲۔ ۵۲۳۔ ۵۲۴۔ ۵۲۵۔ ۵۲۶۔ ۵۲۷۔ ۵۲۸۔ ۵۲۹۔ ۵۳۰۔ ۵۳۱۔ ۵۳۲۔ ۵۳۳۔ ۵۳۴۔ ۵۳۵۔ ۵۳۶۔ ۵۳۷۔ ۵۳۸۔ ۵۳۹۔ ۵۴۰۔ ۵۴۱۔ ۵۴۲۔ ۵۴۳۔ ۵۴۴۔ ۵۴۵۔ ۵۴۶۔ ۵۴۷۔ ۵۴۸۔ ۵۴۹۔ ۵۵۰۔ ۵۵۱۔ ۵۵۲۔ ۵۵۳۔ ۵۵۴۔ ۵۵۵۔ ۵۵۶۔ ۵۵۷۔ ۵۵۸۔ ۵۵۹۔ ۵۶۰۔ ۵۶۱۔ ۵۶۲۔ ۵۶۳۔ ۵۶۴۔ ۵۶۵۔ ۵۶۶۔ ۵۶۷۔ ۵۶۸۔ ۵۶۹۔ ۵۷۰۔ ۵۷۱۔ ۵۷۲۔ ۵۷۳۔ ۵۷۴۔ ۵۷۵۔ ۵۷۶۔ ۵۷۷۔ ۵۷۸۔ ۵۷۹۔ ۵۸۰۔ ۵۸۱۔ ۵۸۲۔ ۵۸۳۔ ۵۸۴۔ ۵۸۵۔ ۵۸۶۔ ۵۸۷۔ ۵۸۸۔ ۵۸۹۔ ۵۹۰۔ ۵۹۱۔ ۵۹۲۔ ۵۹۳۔ ۵۹۴۔ ۵۹۵۔ ۵۹۶۔ ۵۹۷۔ ۵۹۸۔ ۵۹۹۔ ۶۰۰۔ ۶۰۱۔ ۶۰۲۔ ۶۰۳۔ ۶۰۴۔ ۶۰۵۔ ۶۰۶۔ ۶۰۷۔ ۶۰۸۔ ۶۰۹۔ ۶۱۰۔ ۶۱۱۔ ۶۱۲۔ ۶۱۳۔ ۶۱۴۔ ۶۱۵۔ ۶۱۶۔ ۶۱۷۔ ۶۱۸۔ ۶۱۹۔ ۶۲۰۔ ۶۲۱۔ ۶۲۲۔ ۶۲۳۔ ۶۲۴۔ ۶۲۵۔ ۶۲۶۔ ۶۲۷۔ ۶۲۸۔ ۶۲۹۔ ۶۳۰۔ ۶۳۱۔ ۶۳۲۔ ۶۳۳۔ ۶۳۴۔ ۶۳۵۔ ۶۳۶۔ ۶۳۷۔ ۶۳۸۔ ۶۳۹۔ ۶۴۰۔ ۶۴۱۔ ۶۴۲۔ ۶۴۳۔ ۶۴۴۔ ۶۴۵۔ ۶۴۶۔ ۶۴۷۔ ۶۴۸۔ ۶۴۹۔ ۶۵۰۔ ۶۵۱۔ ۶۵۲۔ ۶۵۳۔ ۶۵۴۔ ۶۵۵۔ ۶۵۶۔ ۶۵۷۔ ۶۵۸۔ ۶۵۹۔ ۶۶۰۔ ۶۶۱۔ ۶۶۲۔ ۶۶۳۔ ۶۶۴۔ ۶۶۵۔ ۶۶۶۔ ۶۶۷۔ ۶۶۸۔ ۶۶۹۔ ۶۷۰۔ ۶۷۱۔ ۶۷۲۔ ۶۷۳۔ ۶۷۴۔ ۶۷۵۔ ۶۷۶۔ ۶۷۷۔ ۶۷۸۔ ۶۷۹۔ ۶۸۰۔ ۶۸۱۔ ۶۸۲۔ ۶۸۳۔ ۶۸۴۔ ۶۸۵۔ ۶۸۶۔ ۶۸۷۔ ۶۸۸۔ ۶۸۹۔ ۶۹۰۔ ۶۹۱۔ ۶۹۲۔ ۶۹۳۔ ۶۹۴۔ ۶۹۵۔ ۶۹۶۔ ۶۹۷۔ ۶۹۸۔ ۶۹۹۔ ۷۰۰۔ ۷۰۱۔ ۷۰۲۔ ۷۰۳۔ ۷۰۴۔ ۷۰۵۔ ۷۰۶۔ ۷۰۷۔ ۷۰۸۔ ۷۰۹۔ ۷۱۰۔ ۷۱۱۔ ۷۱۲۔ ۷۱۳۔ ۷۱۴۔ ۷۱۵۔ ۷۱۶۔ ۷۱۷۔ ۷۱۸۔ ۷۱۹۔ ۷۲۰۔ ۷۲۱۔ ۷۲۲۔ ۷۲۳۔ ۷۲۴۔ ۷۲۵۔ ۷۲۶۔ ۷۲۷۔ ۷۲۸۔ ۷۲۹۔ ۷۳۰۔ ۷۳۱۔ ۷۳۲۔ ۷۳۳۔ ۷۳۴۔ ۷۳۵۔ ۷۳۶۔ ۷۳۷۔ ۷۳۸۔ ۷۳۹۔ ۷۴۰۔ ۷۴۱۔ ۷۴۲۔ ۷۴۳۔ ۷۴۴۔ ۷۴۵۔ ۷۴۶۔ ۷۴۷۔ ۷۴۸۔ ۷۴۹۔ ۷۵۰۔ ۷۵۱۔ ۷۵۲۔ ۷۵۳۔ ۷۵۴۔ ۷۵۵۔ ۷۵۶۔ ۷۵۷۔ ۷۵۸۔ ۷۵۹۔ ۷۶۰۔ ۷۶۱۔ ۷۶۲۔ ۷۶۳۔ ۷۶۴۔ ۷۶۵۔ ۷۶۶۔ ۷۶۷۔ ۷۶۸۔ ۷۶۹۔ ۷۷۰۔ ۷۷۱۔ ۷۷۲۔ ۷۷۳۔ ۷۷۴۔ ۷۷۵۔ ۷۷۶۔ ۷۷۷۔ ۷۷۸۔ ۷۷۹۔ ۷۸۰۔ ۷۸۱۔ ۷۸۲۔ ۷۸۳۔ ۷۸۴۔ ۷۸۵۔ ۷۸۶۔ ۷۸۷۔ ۷۸۸۔ ۷۸۹۔ ۷۹۰۔ ۷۹۱۔ ۷۹۲۔ ۷۹۳۔ ۷۹۴۔ ۷۹۵۔ ۷۹۶۔ ۷۹۷۔ ۷۹۸۔ ۷۹۹۔ ۸۰۰۔ ۸۰۱۔ ۸۰۲۔ ۸۰۳۔ ۸۰۴۔ ۸۰۵۔ ۸۰۶۔ ۸۰۷۔ ۸۰۸۔ ۸۰۹۔ ۸۱۰۔ ۸۱۱۔ ۸۱۲۔ ۸۱۳۔ ۸۱۴۔ ۸۱۵۔ ۸۱۶۔ ۸۱۷۔ ۸۱۸۔ ۸۱۹۔ ۸۲۰۔ ۸۲۱۔ ۸۲۲۔ ۸۲۳۔ ۸۲۴۔ ۸۲۵۔ ۸۲۶۔ ۸۲۷۔ ۸۲۸۔ ۸۲۹۔ ۸۳۰۔ ۸۳۱۔ ۸۳۲۔ ۸۳۳۔ ۸۳۴۔ ۸۳۵۔ ۸۳۶۔ ۸۳۷۔ ۸۳۸۔ ۸۳۹۔ ۸۴۰۔ ۸۴۱۔ ۸۴۲۔ ۸۴۳۔ ۸۴۴۔ ۸۴۵۔ ۸۴۶۔ ۸۴۷۔ ۸۴۸۔ ۸۴۹۔ ۸۵۰۔ ۸۵۱۔ ۸۵۲۔ ۸۵۳۔ ۸۵۴۔ ۸۵۵۔ ۸۵۶۔ ۸۵۷۔ ۸۵۸۔ ۸۵۹۔ ۸۶۰۔ ۸۶۱۔ ۸۶۲۔ ۸۶۳۔ ۸۶۴۔ ۸۶۵۔ ۸۶۶۔ ۸۶۷۔ ۸۶۸۔ ۸۶۹۔ ۸۷۰۔ ۸۷۱۔ ۸۷۲۔ ۸۷۳۔ ۸۷۴۔ ۸۷۵۔ ۸۷۶۔ ۸۷۷۔ ۸۷۸۔ ۸۷۹۔ ۸۸۰۔ ۸۸۱۔ ۸۸۲۔ ۸۸۳۔ ۸۸۴۔ ۸۸۵۔ ۸۸۶۔ ۸۸۷۔ ۸۸۸۔ ۸۸۹۔ ۸۹۰۔ ۸۹۱۔ ۸۹۲۔ ۸۹۳۔ ۸۹۴۔ ۸۹۵۔ ۸۹۶۔ ۸۹۷۔ ۸۹۸۔ ۸۹۹۔ ۹۰۰۔ ۹۰۱۔ ۹۰۲۔ ۹۰۳۔ ۹۰۴۔ ۹۰۵۔ ۹۰۶۔ ۹۰۷۔ ۹۰۸۔ ۹۰۹۔ ۹۱۰۔ ۹۱۱۔ ۹۱۲۔ ۹۱۳۔ ۹۱۴۔ ۹۱۵۔ ۹۱۶۔ ۹۱۷۔ ۹۱۸۔ ۹۱۹۔ ۹۲۰۔ ۹۲۱۔ ۹۲۲۔ ۹۲۳۔ ۹۲۴۔ ۹۲۵۔ ۹۲۶۔ ۹۲۷۔ ۹۲۸۔ ۹۲۹۔ ۹۳۰۔ ۹۳۱۔ ۹۳۲۔ ۹۳۳۔ ۹۳۴۔ ۹۳۵۔ ۹۳۶۔ ۹۳۷۔ ۹۳۸۔ ۹۳۹۔ ۹۴۰۔ ۹۴۱۔ ۹۴۲۔ ۹۴۳۔ ۹۴۴۔ ۹۴۵۔ ۹۴۶۔ ۹۴۷۔ ۹۴۸۔ ۹۴۹۔ ۹۵۰۔ ۹۵۱۔ ۹۵۲۔ ۹۵۳۔ ۹۵۴۔ ۹۵۵۔ ۹۵۶۔ ۹۵۷۔ ۹۵۸۔ ۹۵۹۔ ۹۶۰۔ ۹۶۱۔ ۹۶۲۔ ۹۶۳۔ ۹۶۴۔ ۹۶۵۔ ۹۶۶۔ ۹۶۷۔ ۹۶۸۔ ۹۶۹۔ ۹۷۰۔ ۹۷۱۔ ۹۷۲۔ ۹۷۳۔ ۹۷۴۔ ۹۷۵۔ ۹۷۶۔ ۹۷۷۔ ۹۷۸۔ ۹۷۹۔ ۹۸۰۔ ۹۸۱۔ ۹۸۲۔ ۹۸۳۔ ۹۸۴۔ ۹۸۵۔ ۹۸۶۔ ۹۸۷۔ ۹۸۸۔ ۹۸۹۔ ۹۹۰۔ ۹۹۱۔ ۹۹۲۔ ۹۹۳۔ ۹۹۴۔ ۹۹۵۔ ۹۹۶۔ ۹۹۷۔ ۹۹۸۔ ۹۹۹۔ ۱۰۰۰۔ ۱۰۰۱۔ ۱۰۰۲۔ ۱۰۰۳۔ ۱۰۰۴۔ ۱۰۰۵۔ ۱۰۰۶۔ ۱۰۰۷۔ ۱۰۰۸۔ ۱۰۰۹۔ ۱۰۱۰۔ ۱۰۱۱۔ ۱۰۱۲۔ ۱۰۱۳۔ ۱۰۱۴۔ ۱۰۱۵۔ ۱۰۱۶۔ ۱۰۱۷۔ ۱۰۱۸۔ ۱۰۱۹۔ ۱۰۲۰۔ ۱۰۲۱۔ ۱۰۲۲۔ ۱۰۲۳۔ ۱۰۲۴۔ ۱۰۲۵۔ ۱۰۲۶۔ ۱۰۲۷۔ ۱۰۲۸۔ ۱۰۲۹۔ ۱۰۳۰۔ ۱۰۳۱۔ ۱۰۳۲۔ ۱۰۳۳۔ ۱۰۳۴۔ ۱۰۳۵۔ ۱۰۳۶۔ ۱۰۳۷۔ ۱۰۳۸۔ ۱۰۳۹۔ ۱۰۴۰۔ ۱۰۴۱۔ ۱۰۴۲۔ ۱۰۴۳۔ ۱۰۴۴۔ ۱۰۴۵۔ ۱۰۴۶۔ ۱۰۴۷۔ ۱۰۴۸۔ ۱۰۴۹۔ ۱۰۵۰۔ ۱۰۵۱۔ ۱۰۵۲۔ ۱۰۵۳۔ ۱۰۵۴۔ ۱۰۵۵۔ ۱۰۵۶۔ ۱۰۵۷۔ ۱۰۵۸۔ ۱۰۵۹۔ ۱۰۶۰۔ ۱۰۶۱۔ ۱۰۶۲۔ ۱۰۶۳۔ ۱۰۶۴۔ ۱۰۶۵۔ ۱۰۶۶۔ ۱۰۶۷۔ ۱۰۶۸۔ ۱۰۶۹۔ ۱۰۷۰۔ ۱۰۷۱۔ ۱۰۷۲۔ ۱۰۷۳۔ ۱۰۷۴۔ ۱۰۷۵۔ ۱۰۷۶۔ ۱۰۷۷۔ ۱۰۷۸۔ ۱۰۷۹۔ ۱۰۸۰۔ ۱۰۸۱۔ ۱۰۸۲۔ ۱۰۸۳۔ ۱۰۸۴۔ ۱۰۸۵۔ ۱۰۸۶۔ ۱۰۸۷۔ ۱۰۸۸۔ ۱۰۸۹۔ ۱۰۹۰۔ ۱۰۹۱۔ ۱۰۹۲۔ ۱۰۹۳۔ ۱۰۹۴۔ ۱۰۹۵۔ ۱۰۹۶۔ ۱۰۹۷۔ ۱۰۹۸۔ ۱۰۹۹۔ ۱۱۰۰۔ ۱۱۰۱۔ ۱۱۰۲۔ ۱۱۰۳۔ ۱۱۰۴۔ ۱۱۰۵۔ ۱۱۰۶۔ ۱۱۰۷۔ ۱۱۰۸۔ ۱۱۰۹۔ ۱۱۱۰۔ ۱۱۱۱۔ ۱۱۱۲۔ ۱۱۱۳۔ ۱۱۱۴۔ ۱۱۱۵۔ ۱۱۱۶۔ ۱۱۱۷۔ ۱۱۱۸۔ ۱۱۱۹۔ ۱۱۲۰۔ ۱۱۲۱۔ ۱۱۲۲۔ ۱۱۲۳۔ ۱۱۲۴۔ ۱۱۲۵۔ ۱۱۲۶۔ ۱۱۲۷۔ ۱۱۲۸۔ ۱۱۲۹۔ ۱۱۳۰۔ ۱۱۳۱۔ ۱۱۳۲۔ ۱۱۳۳۔ ۱۱۳۴۔ ۱۱۳۵۔ ۱۱۳۶۔ ۱۱۳۷۔ ۱۱۳۸۔ ۱۱۳۹۔ ۱۱۴۰۔ ۱۱۴۱۔ ۱۱۴۲۔ ۱۱۴۳۔ ۱۱۴۴۔ ۱۱۴۵۔ ۱۱۴۶۔ ۱۱۴۷۔ ۱۱۴۸۔ ۱۱۴۹۔ ۱۱۵۰۔ ۱۱۵۱۔ ۱۱۵۲۔ ۱۱۵۳۔ ۱۱۵۴۔ ۱۱۵۵۔ ۱۱۵۶۔ ۱۱۵۷۔ ۱۱۵۸۔ ۱۱۵۹۔ ۱۱۶۰۔ ۱۱۶۱۔ ۱۱۶۲۔ ۱۱۶۳۔ ۱۱۶۴۔ ۱۱۶۵۔ ۱۱۶۶۔ ۱۱۶۷۔ ۱۱۶۸۔ ۱۱۶۹۔ ۱۱۷۰۔ ۱۱۷۱۔ ۱۱۷۲۔ ۱۱۷۳۔ ۱۱۷۴۔ ۱۱۷۵۔ ۱۱۷۶۔ ۱۱۷۷۔ ۱۱۷۸۔ ۱۱۷۹۔ ۱۱۸۰۔ ۱۱۸۱۔ ۱۱۸۲۔ ۱۱۸۳۔ ۱۱۸۴۔ ۱۱۸۵۔ ۱۱۸۶۔ ۱۱۸۷۔ ۱۱۸۸۔ ۱۱۸۹۔ ۱۱۹۰۔ ۱۱۹۱۔ ۱۱۹۲۔ ۱۱۹۳۔ ۱۱۹۴۔ ۱۱۹۵۔ ۱۱۹۶۔ ۱۱۹۷۔ ۱۱۹۸۔ ۱۱۹۹۔ ۱۲۰۰۔ ۱۲۰۱۔ ۱۲۰۲۔ ۱۲۰۳۔ ۱۲۰۴۔ ۱۲۰۵۔ ۱۲۰۶۔ ۱۲۰۷۔ ۱۲۰۸۔ ۱۲۰۹۔ ۱۲۱۰۔ ۱۲۱۱۔ ۱۲۱۲۔ ۱۲۱۳۔ ۱۲۱۴۔ ۱۲۱۵۔ ۱۲۱۶۔ ۱۲۱۷۔ ۱۲۱۸۔ ۱۲۱۹۔ ۱۲۲۰۔ ۱۲۲۱۔ ۱۲۲۲۔ ۱۲۲۳۔ ۱۲۲۴۔ ۱۲۲۵۔ ۱۲۲۶۔ ۱۲۲۷۔ ۱۲۲۸۔ ۱۲۲۹۔ ۱۲۳۰۔ ۱۲۳۱۔ ۱۲۳۲۔ ۱۲۳۳۔ ۱۲۳۴۔ ۱۲۳۵۔ ۱۲۳۶۔ ۱۲۳۷۔ ۱۲۳۸۔ ۱۲۳۹۔ ۱۲۴۰۔ ۱۲۴۱۔ ۱۲۴۲۔ ۱۲۴۳۔ ۱۲۴۴۔ ۱۲۴۵۔ ۱۲۴۶۔ ۱۲۴۷۔ ۱۲۴۸۔ ۱۲۴۹۔ ۱۲۵۰۔ ۱۲۵۱۔ ۱۲۵۲۔ ۱۲۵۳۔ ۱۲۵۴۔ ۱۲۵۵۔ ۱۲۵۶۔ ۱۲۵۷۔ ۱۲۵۸۔ ۱۲۵۹۔ ۱۲۶۰۔ ۱۲۶۱۔ ۱۲۶۲۔ ۱۲۶۳۔ ۱۲۶۴۔ ۱۲۶۵۔ ۱۲۶۶۔ ۱۲۶۷۔ ۱۲۶۸۔ ۱۲۶۹۔ ۱۲۷۰۔ ۱۲۷۱۔ ۱۲۷۲۔ ۱۲۷۳۔ ۱۲۷۴۔ ۱۲۷۵۔ ۱۲۷۶۔ ۱۲۷۷۔ ۱۲۷۸۔ ۱۲۷۹۔ ۱۲۸۰۔ ۱۲۸۱۔ ۱۲۸۲۔ ۱۲۸۳۔ ۱۲۸۴۔ ۱۲۸۵۔ ۱۲۸۶۔ ۱۲۸۷۔ ۱۲۸۸۔ ۱۲۸۹۔ ۱۲۹۰۔ ۱۲۹۱۔ ۱۲۹۲۔ ۱۲۹۳۔ ۱۲۹۴۔ ۱۲۹۵۔ ۱۲۹۶۔ ۱۲۹۷۔ ۱۲۹۸۔ ۱۲۹۹۔ ۱۳۰۰۔ ۱۳۰۱۔ ۱۳۰۲۔ ۱۳۰۳۔ ۱۳۰۴۔ ۱۳۰۵۔ ۱۳۰۶۔ ۱۳۰۷۔ ۱۳۰۸۔ ۱۳۰۹۔ ۱۳۱۰۔ ۱۳۱۱۔ ۱۳۱۲۔ ۱۳۱۳۔ ۱۳۱۴۔ ۱۳۱۵۔ ۱۳۱۶۔ ۱۳۱۷۔ ۱۳۱۸۔ ۱۳۱۹۔ ۱۳۲۰۔ ۱۳۲۱۔ ۱۳۲۲۔ ۱۳۲۳۔ ۱۳۲۴۔ ۱۳۲۵۔ ۱۳۲۶۔ ۱۳۲۷۔ ۱۳۲۸۔ ۱۳۲۹۔ ۱۳۳۰۔ ۱۳۳۱۔ ۱۳۳۲۔ ۱۳۳۳۔ ۱۳۳۴۔ ۱۳۳۵۔ ۱۳۳۶۔ ۱۳۳۷۔ ۱۳۳۸۔ ۱۳۳۹۔ ۱۳۴۰۔ ۱۳۴۱۔ ۱۳۴۲۔ ۱۳۴۳۔ ۱۳۴۴۔ ۱۳۴۵۔ ۱۳۴۶۔ ۱۳۴۷۔ ۱۳۴۸۔ ۱۳۴۹۔ ۱۳۵۰۔ ۱۳۵۱۔ ۱۳۵۲۔ ۱۳۵۳۔ ۱۳۵۴۔ ۱۳۵۵۔ ۱۳۵۶۔ ۱۳۵۷۔ ۱۳۵۸۔ ۱۳۵۹۔ ۱۳۶۰۔ ۱۳۶۱۔ ۱۳۶۲۔ ۱۳۶۳۔ ۱۳۶۴۔ ۱۳۶۵۔ ۱۳۶۶۔ ۱۳۶۷۔ ۱۳۶۸۔ ۱۳۶۹۔ ۱۳۷۰۔ ۱۳۷۱۔ ۱۳۷۲۔ ۱۳۷۳۔ ۱۳۷۴۔ ۱۳۷۵۔ ۱۳۷۶۔ ۱۳۷۷۔ ۱۳۷۸۔ ۱۳۷۹۔ ۱۳۸۰۔ ۱۳۸۱۔ ۱۳۸۲۔ ۱۳۸۳۔ ۱۳۸۴۔ ۱۳۸۵۔ ۱۳۸۶۔ ۱۳۸۷۔ ۱۳۸۸۔ ۱۳۸۹۔ ۱۳۹۰۔ ۱۳۹۱۔ ۱۳۹۲۔ ۱۳۹۳۔ ۱۳۹۴۔ ۱۳۹

دیا اور ایک روایت میں ہے کہ حضرت صدیق رضی اللہ عنہ اکر کو دیا اور انصار کا کا علم حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو دیا۔ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کو مقدمہ لشکر پر متعین فرمایا۔ اس لشکر میں تیس گھوڑے مہاجرین کے تھے اور بیس گھوڑے انصار کے۔ بہت سے منافقوں نے بھی غنیمت اور دنیاوی سامان کے لالچ میں لشکر اسلام کے ساتھ موافقت کی اور راہ میں کافروں کے جاسوسوں کو پکڑا اور ان کے لشکر کے ان رزمندگان کے ساتھ کہ تھے ان کے ساتھ حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کا بیٹا بھی تھا۔

۱۰۴: ۲ ا ک حفصہ صلی اللہ علیہ وسلم کہو نہیں قتل اگر خبیث ہے حفصہ ا ک حفصہ صلی اللہ علیہ وسلم کہ لکھا کہ رت

اس کی طرف بڑھے چلے آ رہے ہیں تو بنی مصطلق کے دلوں میں اس سے رعب و خوف پڑ گیا اور بہت سے وہ لوگ جو اطراف و اکناف سے حارث بن ضرار کی جماعت میں جمع ہوئے تھے جدا ہونے لگے۔ ہر ایک نے اپنی اپنی منزل کی راہ لی۔ حارث کے پاس بجز بنی مصطلق کے کوئی نہ رہا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے وہاں پہنچ کر چشمہ مرسیع پر قیام فرمایا۔ اس سفر میں امہات المؤمنین میں سے سیدہ عائشہ صدیقہ اور سیدہ اسمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ہمراہ تھیں۔ کفار نے اپنے لشکر کو مرتب کر کے میدان جنگ میں مقابلہ کیلئے پاؤں رکھا۔ جب دونوں طرف سے صفیں درست ہو گئیں تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو حکم ہوا کہ وہ کفار کو خبردار کریں کہ اگر وہ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کہہ دیں تو ان کا خون اور تمام مال و اسباب محفوظ رہیں گے۔ انہوں نے اس کا انکار کیا۔ لشکر اسلام نے یکبارگی ان پر حملہ کر دیا، پہلے ہی حملہ میں مشرکوں کے علمبردار کو قتل کر دیا اور انہیں شکست ہو گئی۔ ان کے دس آدمی مارے گئے، باقی تمام مردوں اور عورتوں کو اسیر بنالیا اور بہت سامان غنیمت از قلم جو مائے انعام اور سہا تہ آما۔ مسلمانوں میں سے صرف ایک شخص شہید ہوا۔ صحیح بخاری میں حضرت ابن عمر رضی اللہ

ز اجماع اہل السنۃ والجماعہ کہ امام ہمیں ... نہ نہیں ... تاکہ سنہ کا شمار صلوات اللہ علیہ وسلم کے حرم ماک کے عزیزوں اور رشتہ داروں کی

نوے سے زیادہ تھی۔ سید عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نہیں جانتی کہ کوئی عورت اپنی خیر و برکت میں سیدہ جویریہ رضی اللہ عنہ سے زیادہ بزرگ ہو۔

ارباب سیر سیدہ جویریہ رضی اللہ عنہ سے نقل کرتے ہیں انہوں نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تشریف لانے سے پہلے اپنے قبیلہ میں ایک خواب دیکھا کہ گویا ”ایک ماہتاب عالم تاب یثرب سے طلوع ہو کر اتر رہا ہے یہاں تک کہ وہ ماہتاب میری آغوش میں آ گیا۔ میں نے اپنے اس خواب کو کسی سے نہ کہا یہاں تک کہ اس کی تعبیر سامنے آ گئی۔ سیدہ جویریہ رضی اللہ عنہ کا نام اسیری سے پہلے ”برہ“ بمعنی نیکو کا تھا سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا نام ”جویریہ“ رکھا۔ نام کی یہ تبدیلی اپنی عادت شریف کی بنا پر تھی کہ آپ

حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ کو مراد لیا ہو۔ جیسا کہ حق سبحانہ و تعالیٰ اس کے رد میں فرماتا ہے وَلِلّٰهِ الْعِزَّةُ وَلِرَسُولِهِ
لَا لِمَنْ دُونَهُ اور اللہ ہی کی عزت ہے۔ اور اس کی عزت صرف اللہ ہی کے لئے ہے۔ اور اس کی عزت صرف اللہ ہی کے لئے ہے۔ اور اس کی عزت صرف اللہ ہی کے لئے ہے۔

جس مجلس میں اس ملعون نے یہ بات منہ سے نکالی تھی۔ حضرت زید رضی اللہ عنہ بن ارقم انصاری اس میں تشریف فرما تھے انہوں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر جو کچھ سنا تھا نقل کر دیا۔ اکابر صحابہ مثلاً حضرت ابو بکر صدیق اور حضرت عمر فاروق وغیرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس مبارک میں حاضر تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے زید رضی اللہ عنہ کو قسم کھا کر اپنی بات کی سچائی کا یقین دلایا۔ اس کے بعد اس منافق ملعون کی یہ بات پورے لشکر اسلام میں پھیل گئی اور انصار کی ایک جماعت نے حضرت زید رضی اللہ عنہ بن ارقم کی سرزنش کرتے ہوئے کہا کہ ”تم نے ایک قوم کے سردار پر جھوٹ باندھا ہے“ زید رضی اللہ عنہ نے کہا۔ خدا کی قسم میں نے یہ بات اس سے خود سنی ہے اور مجھے امید ہے کہ حق سبحانہ و تعالیٰ اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس سلسلہ میں ضرور رومی بھیجے گا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا ”یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اجازت دیجئے کہ میں اس منافق ملعون کی گردن اڑا دوں۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ”اگر میں نے اس کے قتل کا حکم دیا تو لوگ کہیں گے کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اپنے ساتھیوں کو قتل کراتے تھے۔“ اس کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سب کو کوچ کرنے کا حکم فرمایا۔ باوجودیکہ دھوپ اور ہوا بہت گرم و شدید تھی مگر مقصود یہ تھا کہ صحابہ کرام منافقین کے بارے میں سوچ و بچار نہ کر سکیں اور اس گفتگو میں نہ پڑیں۔ اس پر حضرت اسید رضی اللہ عنہ بن خضیر نے عرض کیا۔ ”یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیا بات ہوئی جو آپ نے اتنی شدت و تمازت میں کوچ کا حکم فرمادیا۔“ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ”کیا تمہیں معلوم نہیں کہ تمہارے ساتھی یعنی عبداللہ بن ابی نے کیا کہا ہے؟ حضرت اسید رضی اللہ عنہ نے عرض کیا۔ ”یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! اگر آپ چاہیں تو ہم اسے مدینہ سے نکال دیں کیونکہ اعز آپ ہیں اور اذل وہ ملعون ہے اور عزت اللہ کیلئے ہے اور اس کے رسول کیلئے اور مسلمانوں کیلئے ہے۔“ اس کے بعد انہوں نے عرض کیا۔ ”یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! اس کے ساتھ نرمی اور مدارات

ہو کہ وہ حاضر ہونے سے کتراتے ہیں یہ لوگ متکبر و گردن کش ہیں۔

مردی ہے کہ ابن ابی ملعون کا ایک لڑکا تھا جو مسلمان موحد، مخلص اور محبت بارگاہ نبوت تھا۔ لوٹتے وقت جب مسلمان وادی حقیق پر پہنچے تو وہ لڑکا سر راہ کھڑا ہو گیا یہاں تک کہ جب اس کا باپ پہنچا اور اس نے شہر میں داخل ہونا چاہا تو وہ اس کے گھوڑے کی لگام پکڑ کر اسے روک کر کہنے لگا کہ ”کہو بنی آدم میں سب سے زیادہ عزت والے حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اور سارے عالم میں سب سے زیادہ ذلیل و خوار تو ہے۔“ جو بھی اس کیفیت کو دیکھتا تعجب کرتا۔ جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پہنچے اور یہ ملاحظہ فرمایا کہ ابن ابی کا بیٹا اسے مدینہ منورہ میں داخل ہونے سے تلواریں کھینچ کر روک رہا ہے اور اس کا باپ کہہ رہا ہے کہ اَنَا اَذَلُّ مِنَ الصَّبِيَّانِ وَاَنَا اَذَلُّ مِنَ النِّسَاءِ میں بچوں سے زیادہ ذلیل ہوں اور میں عورتوں سے زیادہ خوار ہوں۔“ مگر وہ بیٹا بدستور داخل ہونے میں مانع ہے۔ اس پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ چھوڑ دو کہ وہ داخل ہو جائے پھر اس نے باپ کا راستہ چھوڑ دیا۔

ارباب سیر بیان کرتے ہیں کہ غزوہ بنی المصطلق سے واپسی کے وقت مدینہ منورہ کے قریب اتنی شدید اور تیز آندھی چلی کہ لوگوں نے گمان کیا شاید دشمنوں نے مدینہ طیبہ پر حملہ کر دیا ہے اور وہ لوٹ مار کر رہے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا خوف نہ کرو مدینہ طیبہ ہر آفت و خوف سے محفوظ ہے اور اس کا کوئی گوشہ اور کوئی گھاٹی ایسی خالی نہیں ہے جہاں کوئی فرشتہ پاسبانی و محافظت میں مقرر نہ ہو لیکن آج کوئی عظیم اتفاق منافق مر گیا ہے۔ وہ زید بن رفاعہ تھا جو ابن ابی کا دوست تھا اور اس منافق کے مرنے سے ابن ابی کو بزرخ و ملال ہوا تھا۔ کیونکہ یہ دونوں منافقین آپس میں بڑی محبت رکھتے تھے۔ حدیث میں اسی طرح ہے لیکن یہ معلوم نہ ہو سکا کہ تیز آندھی چلنے سے مدینہ کے لوٹ مار ہونے کا خدشہ کہاں سے پیدا ہوا۔ تیز آندھی کے چلنے سے اس منافق کے مرنے کا کیا تعلق ہے؟ اللہ ہی بہتر جانتا ہے اس غزوے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اٹھائیس دن صرف ہوئے۔

آسیہ تیمم: اسی سال تیمم کی آسیہ کریمہ نازل ہوئی۔ بخاری و مسلم میں سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے۔ وہ فرماتی ہیں کہ ہم رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک سفر میں تھے اس کے بعد تیمم کی حدیث بیان کی۔ صاحب مواہب فرماتے ہیں کہ فتح الباری میں ابن عبد البر کا قول ہے کہ جو تمہید سے منقول ہے کہ آیت تیمم کا نزول غزوہ بنی المصطلق میں ہوا تھا جو غزوہ مریسہ ہے اور استد کار میں اسی پر جزم کیا ہے اور ابن سعد اور ابن حبان نے اسی کی طرف سبقت کی ہے۔

ہار کی گمشدگی: روضۃ الاحباب میں ارباب سیر کی نقل کرتے ہیں کہ اسی سفر میں یا کسی اور سفر میں سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا ہار مدینہ طیبہ کے قریبی منزل میں گم ہو گیا تھا۔ اس منزل کا نام صلصل بروزن بلبل ہے۔ یہ منزل مدینہ کے قریب ہی واقع ہے۔ اس ہار کے گم ہو جانے کے سبب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس منزل میں توقف فرمایا تا کہ گمشدہ ہار مل جائے۔ اس منزل میں پانی نہ تھا، لوگوں کے پاس بھی پانی موجود نہ تھا اور نماز کا وقت فوت ہونے کے قریب پہنچ گیا۔ اس وقت لوگ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے پاس گئے اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی شکایت کرنے لگے کہ ان کی وجہ سے لوگ اس بلا میں مبتلا ہوئے ہیں۔ اس پر حضرت ابو بکر صدیق

اے اولاد ابو بکر! یہ تمہاری پہلی برکت نہیں ہے۔

مَا هِيَ بِأَوَّلِ بَرَكَتِكُمْ يَا أَلَّ أَبْنَى بَنِي

مطلب یہ کہ مسلمانوں کو تمہاری بہت سی برکتیں پہنچی ہیں۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ اس کے بعد جب اونٹ کو اٹھایا گیا تو ہمارے اونٹ کے نیچے سے برآمد ہو گیا۔ گویا کہ اس میں یہی حکمت الہی تھی کہ شریعت کے احکام میں مسلمانوں کیلئے آسانی اور سہولت مہیا کی جائے۔

عزل کا مسئلہ: اسی غزوہ بنی المصطلق میں جب مسلمانوں کو باندیاں ملیں اور خواہش نے ان پر غلبہ کی اور مسافرت نے طول کھینچا تو بطریق ملک یمن باندیوں کے ساتھ ہم بستی کرتے تھے۔ عزل مادہ تولید و عورت کی شرمگاہ سے باہر نکالنے کو کہتے ہیں تاکہ وہ حاملہ نہ ہو جائیں اور صحابہ باہم کہا کرتے کہ ہم عزل کیا کرتے تھے۔ درآنحالیکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم میں تشریف فرما تھے اور ہم نے آپ سے مسئلہ دریافت نہ کیا تھا۔ اس کے بعد انہوں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ عزل جائز ہے یا نہیں؟ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ”تم عزل کرو یا نہ کرو جسے پیدا ہونا ہے پیدا ہو کے رہیگا۔“ اس سے اباحت کے معنی بھی نکلتے ہیں اور حرمت کے بھی۔ فقہ میں مذہب یہ قرار پایا ہے کہ باندی میں تو عزل جائز ہے مگر حرہ یعنی آزاد عورت (بیوی) میں اس کی اجازت کے بغیر جائز نہیں ہے اور منکوحہ باندی کے بارے میں مروی ہے کہ مولیٰ کی اجازت کے بغیر جائز نہیں ہے۔

قضیہ افک: اسی سال اور اسی غزوہ بنی المصطلق میں ام المومنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے ”افک“ کا قضیہ پیش آیا۔ افک (بکسر و فتح الف) کذب کے معنی میں ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ افک دروغ بالغ کامل کو کہتے ہیں اور بعض کہتے ہیں افک بہتان ہے اور پھیرنے اور لوٹانے کے معنی میں بھی آتا ہے اور کذب میں بھی اپنی جگہ سے پھیرنا پایا جاتا ہے۔ سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے افک کا قصہ عجیب و غریب قصوں میں سے ہے اور غصہ سے خون جگر ٹپکتا ہے۔ صحیح بخاری میں اس قصہ کو متعدد جگہوں میں بیان کیا ہے۔ ایک کتاب غزوات میں ہے جس کا ترجمہ کیا جائے گا جو کی بیشی نظر میں آئے گی۔ اسے کسی دوسرے باب میں درج کیا جائے گا۔ (والعون من اللہ تعالیٰ)

زہری غزوہ سے اور دوسری جماعت سے سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کسی سفر کا ارادہ فرماتے تو اپنی ازواج کے درمیان قرعہ اندازی فرماتے۔ قرعہ میں ان میں سے جس کا نام نکل آتا آپ اسے اپنے سفر میں ہمراہ لے جاتے۔ سیدہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمارے درمیان اس غزوہ میں بھی قرعہ اندازی فرمائی جس میں آپ نے غزوہ فرمایا۔ حدیث بخاری میں ایسا ہی مبہم واقعہ ہوا ہے مگر شارحین نے بیان کیا ہے کہ مراد غزوہ مرسیع ہے جسے غزوہ بنی المصطلق بھی کہتے ہیں۔ تو قرعہ میرے نام کا نکل آیا۔ میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ سفر میں گئی۔ چونکہ یہ واقعہ بعد نزول آیت جواب تھا اس لیے میرے لیے ہودج بنایا گیا۔ میں ہودج میں اٹھائی جاتی اور اس میں اتاری جاتی تھی۔ پھر ہم نے سفر کی مسافت طے کی یہاں تک کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس غزوہ سے فارغ ہو کر واپس ہوئے اور ہم مدینہ کے قریب آئے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے رات کے وقت ہی کوچ کا اعلان فرمادیا۔ پھر میں اعلان کے وقت کھڑی ہوئی اور ہودج سے نکل کر قضائے حاجت کیلئے تنہا چل دی یہاں تک کہ میں لشکر سے باہر نکل گئی۔ جب قضائے حاجت سے فارغ ہو کر اپنی جائے قیام پر واپس آئی اور اپنے سینہ پر ہاتھ پھیرا تو میں نے دیکھا کہ میرا گردن بند یعنی ہار جو مہربانے ظفار سے بنا ہوا تھا ٹوٹ گیا ہے۔ پھر میں دوبارہ وہاں پہنچی جہاں میں نے قضائے حاجت کی تھی وہاں ہار کو تلاش کرنے لگی اور مجھے اس کی تلاش میں دیر ہو گئی۔ سیدہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ اس کے بعد وہ لوگ آئے جو میرے ہودج کو اٹھا کر اونٹ پر رکھتے تھے اور مجھے اٹھاتے تھے۔ انہوں نے میرے ہودج کو اٹھا کر میرے اونٹ پر کس دیا اور وہ اس گمان میں رہے کہ میں ہودج میں ہوں۔ اس زمانہ میں عورتیں سبک اور ہلکی ہوتی تھیں۔ ان لوگوں کو ہودج کے خالی ہونے کا پتہ نہ چلا ویسے بھی میں اس زمانہ میں کم عمر اور ہلکی پھلکی تھی۔ انہوں نے ہودج کے ہلکے پن کو محسوس نہ کیا اور اونٹ

کو اٹھا کر روانہ ہو گئے۔ میں وہیں تھی جہاں میرا ہارم ہوا تھا۔ میں اسے تلاش کر رہی تھی اور سارا لشکر نکل گیا۔ جب میں واپس آئی تو میں نے وہاں کسی کو نہ پایا نہ کسی بلانے والے کو اور نہ کسی جواب دینے والے کو۔ اس کے بعد میں اسی منزل میں جس میں تھی ٹھہر گئی۔ میں نے خیال کیا کہ جب وہ مجھے نہ دیکھیں گے تو تلاش کریں گے اور میری جستجو میں واپس آئیں گے۔ پھر اسی دوران جب کہ میں اپنی منزل میں بیٹھی ہوئی تھی مجھ پر نیند کا غلبہ ہوا اور میں سو گئی۔ صفوان رضی اللہ عنہ بن المعطل سلمیٰ ذکوان لشکر کے پیچھے رہتے تھے اور ان کو اس پر مقرر کیا تھا کہ کسی کی گری پڑی اور بھولی ہوئی چیز اٹھا کر اس کے مالک کو پہنچائیں۔ مثلاً پیالہ، کپڑا وغیرہ۔ سیدہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ جب صبح ہوئی تو صفوان رضی اللہ عنہ نے منزل میں مجھے دیکھا اور سمجھا کہ کوئی لشکر سیٹھا رہا ہے۔ پھر انہوں نے مجھے پہچانا چونکہ انہوں نے مجھے حجاب سے پہلے دیکھا ہوا تھا۔ انہوں نے پہچانتے ہی کہا انا اللہ وانا الیہ راجعون۔ ان کا یہ کہنا یا تو اس بنا پر تھا کہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کا صحرا میں تنہا رہنا ایک مصیبت اور عظیم واقعہ ہے کہ ان کو چھوڑ دیا۔ یا یہ مسلمانوں کیلئے ان کی وجہ سے مصیبت ہے۔ یا یہ استرجاع کرنا اس خیال سے ہے کہ کسی آفت و ہلاکت میں مبتلا ہو جانے کا خطرہ ہے یا اس قوت کی بنا پر جو بعد میں رونما ہوا۔ بعض کہتے ہیں کہ صفوان رضی اللہ عنہ نے یہ خیال کیا کہ عائشہ رضی اللہ عنہا مر چکی ہیں اس بنا پر استرجاع کیا۔ فرماتی ہیں ان کے استرجاع پڑھنے پر میں بیدار ہوئی اور میں نے اپنا چہرہ ڈھانپ لیا۔ خدا کی قسم! انہوں نے مجھے ایک بات تک نہ کہی اور نہ اس سے زیادہ کچھ اور ان سے میں نے سنا جو انہوں نے کلمہ استرجاع ادا کیا تھا۔ اس کے صفوان رضی اللہ عنہ اونٹ کو لائے اور اپنے اونٹ کو زمین پر بٹھایا اور اونٹ پر پاؤں رکھا تاکہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کیلئے سوار ہونا آسان ہو جائے اور سہارا دینے کی احتیاج نہ رہے۔ میں کھڑی ہوئی اور اونٹ کی طرف چل دی اور اس پر سوار ہو گئی۔ اس کے بعد وہ اونٹ کی ٹکیل پکڑ کر روانہ ہو گئے یہاں تک کہ ہم آئے اور لشکر میں پہنچے اس حالت میں کہ لوگ اترے ہوئے تھے۔ اس کے بعد اس طرح بیان کرتے ہیں کہ اس وقت اچانک منزل گاہ میں ان منافقین کی طرف گزر رہا تھا جہاں ابن ابی اور اس کے موافق و پیروکار اترے ہوئے تھے۔ پھر ان اہل الکاف یعنی کذابوں نے زبان درازی کی اور ہلاک ہوئے جن کو ہلاک ہونا تھا۔ اس الکاف میں سب سے زیادہ گواہ اور درپے ہوئیوا اللہ بن ابی بن سلول تھا۔ وہ ہر جگہ اس کا چرچا کرتا اور پھیلاتا پھرتا تھا اور طرح طرح کی باتیں اپنی طرف سے ملا کر لوگوں میں شک و تردید پیدا کرتا تھا۔ سب سے عجیب و غریب بات یہ کہ چند مسلمان بھی اس الکاف میں ان منافقوں کے ہم نوا بن گئے۔ حضرت حسان بن رضی اللہ عنہ ثابت، مسطح رضی اللہ عنہ (بکسر میم و سکون سین و فتح طاء) بن اثاثہ جو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خالہ کی بیٹی کا بیٹا تھا اور حمزہ رضی اللہ عنہ بنت جحش، جو سیدہ زینب رضی اللہ عنہا بنت جحش ام المومنین کی بہن تھیں اور کچھ اور لوگ بھی جن کے نام مذکور نہیں ہیں۔ اس بھنور میں پھنس گئے اور حضرت عروہ جو اس حدیث کے راوی ہیں فرماتے ہیں۔ مجھے ان ناموں کا علم نہیں ہے۔ بجز اس کے کہ وہ ”عصبہ“ تھے جیسا کہ قرآن کریم میں فرمان باری ہے کہ اِنَّ الَّذِیْنَ جَاءُوا بِالْاِفْکِ عُصْبَةٌ مِّنْکُمْ۔ بیشک وہ لوگ جنہوں نے الکاف کیا وہ تم میں سے عصبہ تھے اور عصبہ دس سے چالیس تک کے گروہ کو کہتے ہیں۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ جب میں مدینہ منورہ پہنچی تو میں بیمار ہو گئی اور میری بیماری نے ایک ماہ تک طول کھینچا حالانکہ لوگ اہل الکاف کے قول میں مبتلا ہو گئے تھے اور یہ بات لوگوں میں خوب پھیل گئی تھی۔ مجھے اس کا بالکل پتہ تک نہ ہوا لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا مزاج مبارک اس دوران بہ نسبت اپنی بیماری کے بدلا ہوا پاتی تھی اور میں حیران تھی اس کی کیا وجہ ہے؟ اس بیماری میں رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے وہ لطف و عنایت نہ پاتی تھی جو اپنی دوسری بیماریوں میں دیکھتی تھی۔

صرف اتنا ہی عمل مبارک تھا کہ گھر میں تشریف لاتے اور گھر والوں کو سلام کرتے جیسا کہ سنت مستمرہ شریفہ تھی اور دریافت کرتے کہ اس عورت کا کیا حال ہے۔ ایک روایت میں ہے کہ تمہارے بیمار کا کیا حال ہے۔ صرف اتنا ہی دریافت کرتے اس کے بعد لوث

جاتے اور میرے پاس نہ آتے اور نہ تشریف رکھتے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اس بے التفاتی سے میرا دل ٹوٹ جاتا حالانکہ حقیقت حال کا مجھے پتہ تک نہ تھا۔ یہاں تک کہ بیماری نے مجھے بہت کمزور کر دیا۔ اس کے بعد ایک رات میں مسطح رضی اللہ عنہ کی والدہ کے ساتھ ”مناصح“ یعنی اس جگہ کی طرف گئی جہاں لوگ قضاے حاجت کیلئے جاتے تھے چونکہ اہل عرب کی عادت تھی کہ قضاے حاجت کیلئے صحرا میں جاتے تھے اور اس زمانہ میں ”بیت الخلاء“ نہ ہوتا تھا۔ میں رات ہی کو قضاے حاجت کیلئے باہر نکلا کرتی تھی۔ اس کے بعد قضاے حاجت سے فارغ ہو کر مسطح رضی اللہ عنہ کی والدہ کے ساتھ لوٹ رہی تھی تو ام مسطح رضی اللہ عنہ کا پاؤں اپنی چادر میں الجھ گیا اس وقت کہا ہلاک ہو اور منہ کے بل مسطح رضی اللہ عنہ گرے“ اس پر میں نے کہا تم ایسی بات کہتی اور اس شخص کو گالی دیتی ہو جو بدر میں حاضر رہا ہے۔ ایک روایت میں ہے وہ شخص جو اہل مہاجرین میں سے ہے پھر ام مسطح رضی اللہ عنہ نے کہا ”اے عائشہ رضی اللہ عنہا! اے بے سمجھ کیا تم نے نہ سنا کہ مسطح رضی اللہ عنہ نے کیا کہا ہے اور کیا کہتا پھر رہا ہے۔“ اس پر انہوں نے اہل انک کی باتیں بیان کیں۔ سیدہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ اس کے بعد میری بیماری اور بڑھ گئی۔ ایک روایت میں ہے کہ ایک دھواں سا میرے سر میں چڑھا اور میں بے ہوش ہو کر گر پڑی۔ جب میں گھر آئی تو رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم اندر تشریف لائے اور فرمایا تمہارے اس بیمار کا کیا حال ہے؟ اس پر میں نے عرض کیا۔ ”کیا آپ اجازت دیتے ہیں کہ میں اپنے ماں باپ کے گھر چلی جاؤں۔“ میرا مقصد اس سے یہ تھا کہ میں اس حکایت اور اس خبر کے بارے میں دریافت کروں۔ پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے اجازت مرحمت فرمادی اور میں نے اپنی والدہ سے کہا ”اے اماں کیسی باتیں میں سن رہی ہوں جو لوگ کہتے پھر رہے ہیں؟“ میری والدہ نے کہا بیٹی! حوصلہ رکھو! تمہارا معاملہ ٹھیک ہو جائے گا، غم نہ کرو۔ خدا کی قسم! کسی مرد کے پاس ایسی عورت کم ہوگی جو خوبڑ نیک خصلت اور بزرگ و ذی مرتبت ہو اور وہ اس سے محبت رکھتا ہو اور وہ عورت اس سے محبت رکھتی ہے اور اس پر جان چھڑکتی ہو۔ مگر یہ کہ لوگ اس پر طرح طرح کی باتیں بنائیں اور اشرار ان پر غالب آئیں۔“ اس پر میں نے کہا ”کیا واقعہ لوگوں نے ایسا کہا ہے اور لوگوں میں اس کا چرچا ہوا ہے اور ایسی افواہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سمع مبارک تک پہنچی ہیں اور انہیں میرے باپ نے بھی سنا ہے؟ اس کے بعد مجھ پر رونا غالب آیا اور میں تمام رات روتی رہی یہاں تک کہ صبح ہو گئی اور میری آنکھوں سے آنسو جاری تھے۔ نہ میں نے سرمہ لگایا اور نہ میں رات کو سو سکی۔ دن بھی یوں ہی روتے گزر گیا مگر آنسو نہ رو کے اور نہ نیند آئی۔ میرے والد ماجد دوسرے کمرے میں قرآن کریم کی تلاوت کر رہے تھے۔ انہوں نے جو میرے رونے کی آواز سنی تو وہ بھی روتے ہوئے نکل آئے اور مجھے تسلی و تشفی دی اور فرمایا: اے عائشہ رضی اللہ عنہا! صبر کرو و رُو و نہیں اور دلفگار نہ ہو۔ انتظار کرو کہ حق تعالیٰ کیا حکم فرماتا ہے۔ سیدہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو میرے بارے میں پریشانی ہوئی اور میری خستہ حالت کو ملاحظہ فرمایا تو اکثر ان اوقات میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم غمزدہ بیٹھے رہا کرتے تھے۔ اس باب میں نزول وحی نے بھی طول کھینچا تو حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ اور حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ کو بلایا تا کہ ان سے مشورہ فرمائیں! استفسار کریں اور میرے حال کے بارے میں ان سے حقیقت واضح کرائیں۔ حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اہل کی پاکی کے بارے میں جو وہ خیال رکھتے تھے اور جو محبت و عنایت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دل اقدس میں ان کی طرف سے تھی جانتے تھے۔ عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! ہم آپ کے اہل میں بجز خیر و خوبی کے کچھ نہیں جانتے لیکن حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے کہا ”یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! حق تعالیٰ نے آپ کیلئے عورتوں کی تنگی نہیں فرمائی ہے۔ عائشہ رضی اللہ عنہا کے سوا بہت سی عورتیں ہیں اس باندی سے دریافت کیجئے؟ مطلب یہ کہ اس بریرہ رضی اللہ عنہ باندی سے پوچھئے جو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں رہتی ہے وہ صحیح صحیح حالات بیان کر دے گی۔ اس کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بریرہ رضی اللہ عنہ کو طلب فرمایا اور فرمایا اے بریرہ رضی اللہ عنہ!

کیا تم نے کوئی چیز عائشہ رضی اللہ عنہا کے بارے میں دیکھی ہے جس سے تمہیں کچھ شک و شبہ ہوا ہو؟ بریرہ رضی اللہ عنہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا قسم ہے اس ذات کی جس نے آپ کو حق کے ساتھ بھیجا میں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا میں اس سے زیادہ کوئی بات نہ دیکھی کہ وہ ایک خرد سال بے سمجھ لڑکی ہے جو سوتی رہتی ہے بکری آتی ہے اور آٹا کھا کر چلی جاتی ہے اسے کوئی خبر نہیں ہوتی۔ مطلب کہ میں نے اس میں اس قسم کا کوئی اعمدہ نہ دیکھا تھا۔ اضافی غم بھنے کا غفلت و غور ۱۹۱۱ء سے صحیح بخاری میں اتنا ۱۹۱۱ء ہے کہ

جنگ واقع ہو جائے اور قدیمی عصبیت کی رگ بھڑک اٹھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سب کو باز رکھا اور خاموش کر دیا۔ سیدہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں اپنے والد کے گھر میں تھی وہیں یہ باتیں مجھ تک پہنچ رہی تھیں میں گریہ وزاری کرنے لگی میں اتنی بے طاقت ہو گئی کہ میں نے یہ خیال کیا کہ یہ رونا میرے جگر کو پھاڑ دے گا۔ یہاں تک کہ دودن اور دو راتیں اسی طرح گزر گئیں۔ میرے لیے بجز جاگنے اور رونے کے کوئی کام نہ تھا۔ میرے والد اور والدہ دونوں میرے پاس ہوتے میں بھی روتی تھی اور میرے ساتھ وہ بھی روتے رہتے تھے۔ ایک انصاری عورت تھی جو مجھ سے محبت رکھتی تھی وہ میرے پاس آئی۔ وہ بھی رونے لگی ہم اسی حال میں بیٹھے ہوئے تھے کہ اچانک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم داخل ہوئے ہمیں سلام کیا اور میرے پاس آ کر بیٹھ گئے۔ جب سے یہ قضیہ درپیش آیا تھا جسے ایک ماہ گزر گیا تھا وہ میرے پاس نہ بیٹھے تھے اور نہ اس سے پہلے کوئی وحی رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر میرے بارے میں آئی تھی۔ اس کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا ”کیا حال ہے؟“ میری والدہ نے کہا ”تپ و لرزہ ہے“ اس وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی نشست کی حالت میں کلمہ شہادت پڑھ کر فرمایا کہ ”اے عائشہ رضی اللہ عنہا! میرے حضور تمہارے بارے میں ایسی ایسی باتیں پہنچی ہیں لہذا اگر تم بری و پاک ہو تو عنقریب اللہ تعالیٰ تمہاری پاکی بیان فرمائے گا اور تمہاری برات کی خبر نازل فرمائے گا۔ اگر تم کسی گناہ میں اتر چکی ہو اور کوئی چیز تم سے صادر ہو گئی ہے تو خدا سے استغفار کرو اور اس سے توبہ و رجوع کرو۔ بلاشبہ جب بندہ گناہ کا اعتراف کرتا ہے اور اس سے توبہ کرتا ہے تو وہ یقیناً اسے بخش دیتا ہے۔“ اس کے بعد جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی گفتگو ختم فرمائی تو میرے آنسو تھم گئے یہاں تک کہ میری آنکھوں میں ایک قطرہ تک نظر نہ آتا تھا۔ یہ اس خوشی کی بنا پر تھا جو میں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے کلام مبارک سے بشارت پائی تھی۔

میں نے اپنے والد سے کہا کہ میری طرف سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو جواب دیجئے۔ والد محترم نے فرمایا میں ہمت نہیں پاتا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا عرض کروں۔ اس کے بعد میں نے اپنی والدہ سے کہا جو کچھ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے آپ جواب دیجئے۔ انہوں نے کہا کہ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کس طرح عرض کروں۔ اس کے بعد میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا کہ میں خوردسال لڑکی ہوں میں نے قرآن کریم زیادہ نہیں پڑھا ہے بلاشبہ خدا کی قسم! اس سلسلہ میں جتنا کچھ آپ نے سنا ہے اور جتنا کچھ آپ کے دل میں جاگزیں ہوا ہے اور آپ نے اس کی تصدیق فرمائی ہے اب اگر میں آپ سے عرض

میرے حسن و جمال اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں میری قدر و منزلت میں مشابہ بنا دیتی تھیں۔ مگر حق تعالیٰ نے ان کے اپنے ورع و تقویٰ کی بنا پر ان کو محفوظ رکھا کہ وہ رشک و حسد کریں اور بری بات منہ سے نکالیں۔ سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ”لیکن ان کی بہن حمہ رضی اللہ عنہ بنت جحش ان سے لڑتی تھی کہ وہ اس بارے میں کیوں کچھ نہیں کہتیں۔ تو وہ ہلاکت میں پڑی اور ان لوگوں میں شامل ہو گئیں جو ہلاکت میں پڑے۔ راوی حدیث عروہ بیان کرتے ہیں کہ سیدہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا ”لیکن وہ شخص جس کے

ہے۔“ حضرت حسان رضی اللہ عنہ اس قضیہ کے بعد نابینا ہو گئے۔ یہ بدلہ ہے اس کا کہ انہوں نے حق کو نہ دیکھا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا ”وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے منافقت اور مہاجات کرتے تھے۔“ اے عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا آپ کی کیا شان حق شناسی اور حسن خلق ہے۔

اب رہے مسطح رضی اللہ عنہ بن اثاثہ تو وہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خالہ کی بیٹی کے بیٹے تھے۔ اور ان کی صغر سنی میں ہی ان کے والد وفات پا گئے اور حضرت صدیق رضی اللہ عنہ نے ان کو محتاجی اور قربت داری کی وجہ سے پال رکھا تھا۔ وہ ان کی غمخواری کرتے اور کھانے پہننے کی دیکھ بھال رکھتے تھے۔ جب انہوں نے افک کے قضیہ میں ابن ابی منافق کی موافقت کی تو حضرت صدیق رضی اللہ عنہ نے بحکم بشریت قسم کھائی کہ آئندہ کبھی مسطح رضی اللہ عنہ پر خرچ نہیں کروں گا۔ اس وقت یہ آیت کریمہ نازل ہوئی: وَلَا يَسْتَلِ أُولَٰئِكَ الْفَضْلَ مِنْكُمْ وَالسَّعَةَ. یعنی دین میں صاحبان فضیلت اور مال کی فراخی میں صاحبان وسعت قسم نہ کھائیں کہ اَنْ يُّؤْتُوا أُولَٰئِكَ الْقُرْبَىٰ. اپنے خویشوں کو نفقہ نہ دیں گے۔

مطلب یہ کہ اس بات پر قسم نہ کھائیں کہ اپنے اقارب، مسکینوں، مفلسوں محتاجوں اور خدا کی راہ میں ہجرت کرنے والوں کو نفقہ نہیں دیں گے۔ مسطح رضی اللہ عنہ بھی خویش، مسکین اور مہاجر ہے۔ ول يعفوا و الیصفحوا. چاہئے کہ درگزر اور غفو سے کام لیں اور جو جرم ان سے صادر ہوا اس سے روگردانی کر کے چشم پوشی سے کام لیں۔ اَلَا تَعْلَمُونَ اَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ لَكُمْ. کیا تم اسے پسند نہیں کرتے کہ اللہ تمہیں بخشے لہذا تم بھی دوسروں کی خطاؤں سے درگزر کرو۔ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ اور اللہ باوجود انتقام پر کمال قدرت کے مجرموں کو بخشنے والا اور ان پر مہربانی فرمانے والا ہے۔ لہذا تم بھی اخلاق الہی سے اپنے آپ کو متصف بناؤ کیونکہ اسی میں ایمان کا کمال ہے۔ اس پر حضرت صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا ”یہ حق ہے ہم اسی کو پسند کرتے ہیں جس کو ہمارا رب پسند کرتا ہے۔“ اس کے بعد مسطح رضی اللہ عنہ کا جو روزیہ مقرر تھا اسے جاری فرمادیا۔ اور فرمایا ”اسے اس سے کبھی نہ روکوں گا۔“

مشائخ عظام فرماتے ہیں کہ لوگ دنیا و آخرت کی محبت میں چار قسم کے ہیں۔ ایک وہ ہیں جو شروع سے ہی ایذا دیتے ہیں بغیر اس کے کہ انہیں کوئی ایذا پہنچائے یہ قسم ان سب سے میں ذلیل تر اور ادنیٰ ترین ہے اور دائرہ اعتبار سے خارج ہے۔ دوسری قسم وہ ہے جو بدلے میں ایذا و آزار پہنچاتے ہیں اور شریعت کے فرمان کے مطابق اس کی سزا دیتے ہیں یہ عوام مسلمان ہیں۔ تیسری قسم وہ ہے جو غفو و درگزر سے کام لیتے ہیں اور انتقام سے کام نہیں لیتے یہ خواص مسلمان ہیں۔ چوتھی قسم میں وہ ہیں جو برائی کے بدلے میں نیکی اور ظلم و جفا کے بدلے میں ایثار و وفا سے کام لیتے ہیں۔ یہ اخص خواص اور صدیقیوں کا مقام ہے۔ اس آئیہ کریمہ میں حضرت صدیق رضی اللہ عنہ اکبر کو تنبیہ و تربیت فرمانا مقصود ہے کہ وہ مقام صدیقیت میں قائم رہیں اور دائرہ کمال سے باہر نہ نکلیں۔ اس تنبیہ کے باوجود یہ بات بھی ہے کہ صاحب صفات حمیدہ اگر چہ ذامیم اور شائع میں گرفتار ہو گیا ہے وہ پھر بھی رحم و شفقت کے لائق ہے گویا مسطح رضی اللہ عنہ کی ان کی بد ریت نے شفاعت کی اور حق تعالیٰ ان کا حامی ہوا کیوں کہ اِنَّ اللّٰهَ اَطْلَعَ عَلَىٰ اَهْلِ بَدْرٍ فَقَالَ اِعْمَلُوا مَا شِئْتُمْ فَقَدْ غَفَرْتُ لَكُمْ. بیشک اللہ بدر والوں کو آگاہ فرماتا ہے اور ارشاد فرماتا ہے کہ جو چاہو عمل کرو۔ بے شک میں نے تم کو بخش دیا ہے اسی واسطے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے بھی ام مسطح رضی اللہ عنہ کو اس وقت منع کیا تھا جب انہوں نے مسطح رضی اللہ عنہ کو برا کہا تھا کہ تم اسے برا کہہ رہی ہو جو بدر میں حاضر ہوا اور اولین مہاجرین میں سے ہے لہذا انہیں ان مفہومات کلیہ کے ضمن میں داخل کر کے ان پر رحم و شفقت کرتے ہیں اور اہل سنت و جماعت اس آیت سے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ صدیق کی فضیلت پر استدلال کرتے ہیں جیسا کہ حکیم ثنائی نے کہا ہے۔

بود چنداں کرامت و فضلش کہ اولوا الفضل خواند ذوالفضلش

اور اگر فضل کو مال و منال کی زیادتی پر محمول کریں جیسا کہ فرمان باری تعالیٰ میں ہے کہ يَصْطَرِبُونَ فِي الْأَرْضِ يَنْتَعُونَ مِنْ فَضْلِ اللَّهِ. وہ زمین میں پھرتے ہیں اور اللہ کے فضل کو تلاش کرتے ہیں۔ اور فضل اس معنی میں قرآن کریم میں بکثرت آیا ہے۔ اس کا قول ”وَالْبَسْعَةُ“ مستدرک قرار پائے گا۔ کمالاً بخفی۔

رفع شبہات: (تنبیہ) لوگوں کے ذہنوں میں ایسا بیٹھا ہوا ہے کہ علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ نے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے قضیہ افک میں پہل انگاری سے کام لیا (واللہ اعلم) لیکن بعض کتب سیر میں جس طرح حضرت عمر بن الخطاب اور حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے سایہ کی حالت سے سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی تسلی و تسکین مذکور ہے اس طرح علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے نعلین شریفین کا قصہ بھی مذکور ہے۔ البتہ ابتدائے قصہ میں جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے اور حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ بن زید سے پوچھا تو کہا اللہ تعالیٰ نے آپ پر کام تنگ نہیں فرمایا ہے اور ان کے سوا بہت سی عورتیں ہیں۔ جب انہوں نے دیکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تنگی حرج حیرت پریشانی اور تنگدلی لاحق ہے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے اس غم و اندوہ کو رفع کرنے کیلئے بعد کو وہ راہ اختیار فرمائی۔ ان کا یہ طریقہ اخوت محبت اور خیر خواہی میں ہوگا۔ ظاہر ہے کہ جو محبت و خیر خواہی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے تھی وہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے نہ ہوگی۔ اس بنا پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی رعایت سے ایسی بات کہی لیکن تعجب ہے جو علاقہ محبت حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے تھا۔ حضرت امیر نے اس کا لحاظ و پاس نہ فرمایا اور اس طرف توجہ نہ کی۔ ”لا واللہ“ فرمایا جیسا کہ عرب کی بول چال ہے اور کہا کہ بریرہ رضی اللہ عنہ سے دریافت کیجئے وہ دن رات ان کی خدمت میں رہتی ہے وہ ان کے احوال کی خبر رکھتی ہوں گی۔ جس وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مشورہ کا ارادہ فرمایا تو تمام صحابی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی خیر و خوبی میں متفق ہو گئے۔ اس جگہ اخبار و احادیث بھی بکثرت موجود ہیں مگر کتب صحاح میں جو کچھ مذکور ہے۔ میں نے اسے نقل کیا ہے اور ہم پر بجز نقل کے کچھ لازم نہیں ہے۔ ”والعبدۃ علی الراوی“ ساری ذمہ داری روایت کرنے والوں پر ہے۔ ہم بصفائے مودت و خلوص محبت باعتبار نسبت بہر دو جانب موصوف ہیں (واللہ الحمد) صحیح بخاری زہری سے روایت کرتے ہیں اور اس بات میں اصل زہری کی حدیث ہے۔ ”کتاب صغیر“ کا اتباع کرنے والے ہیں اور وہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے اکابر تابعین میں سے ہیں۔ تمام حدیثوں کو روایت کر کے اور ان سب کو جمع کر کے ایک طویل حدیث روایت کی ہے جو مذکور ہوئی۔ ایک اور بھی ہے جو زہری سے روایت کی گئی ہے۔ زہری کہتے ہیں کہ مجھ سے ولید بن عوف المالکی رحمہ اللہ نے روایت کیا کہ انہوں نے اسے روایت کیا۔

تائید ہے یا بعض ان روایتوں سے احتراز ہے جس میں میاء ”بجائے مسلما“ کے مروی ہے اور علماء فرماتے ہیں بخاری کے پرانے اور قدیمی نسخے میں لفظ مسباغ پایا گیا ہے۔

”مسبیا“ پایا گیا ہے۔ (واللہ اعلم بحقیقۃ الحال)

اس جگہ ایک اور حدیث ہے اور وہ بھی بخاری میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے۔ وہ فرماتی ہیں کہ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا بدن شریف بھاری ہوا اور دو تکلیف نے شدت اختیار کی تو آپ نے اپنی ازواج مطہرات سے باریاں موقوف کرنے کی اجازت چاہی تاکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم میرے گھر میں تیمارداری کرا سکیں۔ اس پر تمام ازواج مطہرات نے آپ کو اجازت دیدی۔ پھر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم روزانہ اپنے شانہ اقدس سے مسجد شریف کی جانب اس طرح تشریف لے جاتے کہ آپ دو شخصوں کے درمیان سہارا لیے ہوئے ہوتے اور آپ دونوں پر اپنا بوجھ دیئے ہوئے ہوتے اور آپ کے دونوں پائے اقدس زمین میں لے کر کھینچتے جاتے۔ یہ انتہائی ضعف و نقاہت کی وجہ سے تھا۔ ان دو شخصوں میں سے ایک حضرت عباس رضی اللہ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا ہوتے اور دوسرے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اہل بیت میں سے۔ اس حدیث کے راوی عبید اللہ بن عبد اللہ کہتے ہیں کہ میں نے جو کچھ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے سنا۔ میں نے جب حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے بیان کیا تو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے مجھ سے فرمایا تم جانتے ہو کہ وہ دوسرا شخص کون ہے؟ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے ان کا نام لیا نہیں۔ عبید اللہ کہتے ہیں میں نے کہا میں نہیں پہچانتا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ ابن ابی طالب ہیں۔ اب شرح حدیث سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کا حضرت علی رضی اللہ عنہ کا نام نہ لینے میں اختلاف رکھتے ہیں۔ بعض کا یہ وہم ہے کہ یہ اس نزاع کی وجہ سے ہے جو ان کے مابین تھے۔ اس وجہ سے ان کا نام نہ لیا حالانکہ حق و صواب یہ ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا حضرت علی رضی اللہ عنہ کا نام نہ لینے کی وجہ یہ تھی کہ ایک جانب تو متعین تھا کہ وہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ تھے اور دوسری جانب متعین نہ تھا کبھی کوئی ہوتا اور کبھی کوئی۔ کبھی حضرت علی رضی اللہ عنہ ہوتے، کبھی حضرت فضل رضی اللہ عنہ بن عباس ہوتے، کبھی اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ ہوتے اور یہ سب اہل بیت نبوت میں سے ہیں اس بنا پر سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کا نام متعین و مشخص کر کے نہ لیا۔ (واللہ اعلم)

غزوہ خندق

ہجرت کے اسی پانچویں سال کے واقعات میں سے غزوہ خندق کا واقعہ ہے۔ اس کو غزوہ احزاب بھی کہتے ہیں۔ غزوہ خندق اس بنا پر کہا جاتا ہے کہ اس غزوہ میں مدینہ طیبہ کے گرد خندقیں کھودی گئی تھیں۔ جیسا کہ آگے آ رہا ہے قاموس میں ہے کہ خندق، کندہ کا معرب ہے۔

چنانچہ موسیٰ بن عقبہ نے کہا کہ اس کا وقوع سال چہارم کے ماہ شوال میں ہوا۔ ابن اسحاق نے کہا ہے کہ سال پنجم میں ہوا۔ دیگر اہل مغازی نے بھی اسی پر جزم کیا اور بخاری نے موسیٰ بن عقبہ کے قول کی جانب میلان کیا ہے۔ انہوں نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی اس حدیث سے استدلال کیا جو انہوں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے روز احد عرض کیا تھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم احد میں غزوہ کی شرکت کی اجازت دیجئے اس وقت ان کی عمر چودہ برس کی تھی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو جہاد کی اجازت نہ دی۔

اور روز خندق ان کو جہاد کی اجازت دے دی کہ وہ پندرہ سال کے ہو گئے تھے۔ لہذا معلوم ہوا کہ غزوہ احد اور خندق کے درمیان ایک سال سے زیادہ کا زمانہ نہ تھا۔ اور احد تیسرے سال میں واقع ہوا تھا۔ اس لئے خندق چوتھے سال میں ہوگا۔ ان کی یہ حجت مکمل نہیں ہے ویسے یہ ثابت شدہ ہے کہ غزوہ خندق سال پنجم میں ہوا، ممکن ہے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے غزوہ احد کے وقت چودھویں سال میں قدم رکھا ہو اور احزاب میں پندرہ سال مکمل کر چکے ہوں۔ بیہقی نے یہی جواب دیا ہے اور شیخ ولی الدین عراقی کہتے ہیں کہ مشہور یہ ہے کہ یہ غزوہ چوتھے سال میں ہوا۔ ہم نے چونکہ روضۃ الاحباب کی روش پر سنوات کو قائم رکھا ہے اور انہوں نے پانچواں سال لکھا ہے۔ چنانچہ ہم نے بھی یہی لکھا ہے۔

اس غزوہ کا واقعہ یہ ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بنی نضیر کے یہود لوہ کی جماعت کو حلاوط، کرما تھا اور وہ مختلف شہروں

غزوہ احزاب کہتے ہیں۔ جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ عالی جاہ میں یہ خبر پہنچی تو مہاجرین و انصار کو طلب فرمایا اور احزاب کے بارے میں مشورہ کیا۔ پھر حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کے مشورہ پر خندق کھودنے پر اتفاق ہوا۔ اس کے بعد آپ ان مقامات پر پہنچے جہاں خندقیں کھودنے کی ضرورت تھی چونکہ مدینہ منورہ کے بعض گوشے عمارتوں اور بازاروں سے مسدود و محفوظ تھے لہذا ان مقامات کو جو کوہ سلع کی طرف جانب شرق کھلا میدان تھا خندقیں کھودنے کیلئے اختیار کیا گیا اور لشکر کوہ سلع کے دامن میں ٹھہر گیا اور سرخ چڑے کا خیمہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کیلئے نصب کیا گیا۔ سب سے پہلے خندقوں کیلئے نشانات لگائے گئے اور ہر دس آدمیوں کیلئے چالیس گز تقسیم فرمائے گئے۔ ایک روایت میں ہے کہ ہر دس آدمیوں کیلئے دس گز حصہ میں آئی۔ حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ دس آدمیوں کے برابر کام کرتے تھے۔ ارباب سیر بیان کرتے ہیں کہ روزانہ پانچ گز کھودتے تھے اور اس کی گہرائی بھی پانچ گز ہوتی تھی۔ مہاجرین و انصار

کریں اس پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: سَلَمَانٌ مِنَّا أَهْلَ النَّبِیِّتِ۔ سلمان رضی اللہ عنہ ہمارے اہل بیت میں سے ہیں۔

ارباب سیر بیان کرتے ہیں کہ قیس بن صعصعہ ایک شخص تھا جو بد نظری میں مشہور تھا اور اس کی بد نظری لوگوں کو لگتی تھی۔ حضرت سلمان رضی اللہ عنہ کو اس نے نظر لگائی تو حضرت سلمان بحکم ”العین حق“ بد نظری حق ہے بیہوش ہو کر زمین پر گر پڑے۔ یہ خبر جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو پہنچی تو فرمایا کہ قیس بن صعصعہ کو وضو کرانا چاہئے اور وضو کے پانی کو ایک برتن میں جمع کر کے اس آب وضو کو حضرت سلمان رضی اللہ عنہ پر بہائیں اور برتن کو ان کی پشت کی طرف سے ٹیڑھا کریں۔ چنانچہ ایسا ہی کیا گیا اور وہ اسی وقت ٹھیک ہو گئے۔ ایسا ہی واقعہ ایک اور موقع پر کسی دوسری جگہ بھی واقع ہوا ہے کہ عامر رضی اللہ عنہ بن ربیعہ نے سہل رضی اللہ عنہ بن حنیف کو غسل کرتے دیکھا تو عامر کی نظر سہل رضی اللہ عنہ کو لگ گئی۔ انہوں نے کہا میں نے ایسا نرم نازک و حسین و جمیل جسم والا شخص نہیں دیکھا۔ اگرچہ وہ پردہ نشین عورت ہی ہو۔ عامر رضی اللہ عنہ کا اتنی بات کہنا تھا کہ سہل رضی اللہ عنہ زمین پر گر پڑے لوگوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر دیتے ہوئے کہا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! سہل رضی اللہ عنہ بن حنیف زمین پر گر پڑے ہیں اور وہ سر نہیں اٹھا سکتے۔ فرمایا کسی نے ان کے بارے میں کچھ کہا ہے جس کے لئے اللہ نے ان کو ایسا بنا دیا۔

رہیں گے۔ بعض روایتوں میں آخر میں اتنا زیادہ مروی ہے کہ:

وَالْعَنَ عَصْلًا وَأَنْصَارَهُ
هُمْ كَلَفُونَا نَقْلَ الْحِجَارَةِ

اے خدا عصل وقارہ اور اس کے مددگاروں پر لعنت کر کہ انہوں نے ہمیں پتھروں کے بوجھ کی تکلیف دی ہے۔

صحیح بخاری میں براء بن عاذب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جب روز احزاب ہوا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خندق کو کھودا تو لوگوں نے دیکھا کہ خندق کی مٹی کو اٹھاتے تھے یہاں تک کہ آپ کے لطن اقدس کی تابانی کو مٹی نے ڈھانپ لیا تھا اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کثیر الشعر تھے اس وقت آپ کے یہ اشعار لوگوں نے سنے جو ابن رواحہ کے کلمات ہیں۔ آپ فرماتے تھے:

اللَّهُمَّ لَوْلَا أَنْتَ مَا اهْتَدَيْنَا
وَلَا تَصَدَّقْنَا وَلَا صَلَّيْنَا
فَأَنْزَلْنَا سَكِينَةً عَلَيْنَا
وَكَبَّتِ الْأَقْدَامُ أَنْ لَا قَيْنَا
إِنْ أَرَادُوا فِتْنَةً أَيْبُنَا
أَنَّ الْأُولَى بَغَوْا عَلَيْنَا

اور ”اینا اینا“ کے کلمہ کو بلند آواز سے فرماتے۔ مطلب یہ کہ ”اے خدا! اگر تو نہ ہوتا تو ہم ہدایت نہ پاتے۔ نہ ہم تصدیق لاتے اور نہ نماز پڑھتے۔ تو ہم پر سکیں نہ نازل فرما اور دشمنوں سے جنگ کرتے وقت قوموں کو برقرار رکھ۔ بے شک پہلے گروہ نے ہم پر چڑھائی کی۔ اگر وہ فتنہ کار ارادہ رکھتے ہیں تو ہم انکار کرتے ہیں۔“

یہ جو حدیث میں مروی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کثیر الشعر تھے قسطلانی کہتے ہیں یہ سینہ مبارک کے موئے شریف تھے۔ کہا کہ یہ اس کے معارض ہے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حلیہ شریف میں بیان کیا گیا ہے کہ تَمَّانٌ ذَقِيقُ الْمَشْرِبَةِ یعنی سینہ اطہر میں مجتمع بالوں کی ایک لکیر تھی تو ان کا دقیق ہونا کثرت کے منافی نہیں ہے مطلب یہ کہ منتشر نہ تھے بلکہ مستطیل تھے۔

روز خندق حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کی بیشمار نشانیاں اور علامتیں ظاہر ہوئیں چنانچہ ان میں سے ایک وہ ہے جسے صحیح بخاری میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ ہم خندق کھودنے میں مصروف تھے کہ اچانک ایک بڑا پتھر بہت سخت نکل آیا جس پر چھینی اور ہتھوڑا کچھ اثر نہ کرتا تھا۔ پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس صحابہ پہنچے اور عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک پتھر کی چٹان نکل آئی ہے جو خندق کی کھدائی میں رکاوٹ ڈال رہی ہے۔ اس پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہو گئے حالانکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے کسٹم اطہر پر بھوک کی وجہ سے پتھر بندھا ہوا تھا۔ اور ہم نے بھی کافی وقفہ سے کوئی چیز چکھی تک نہ تھی حضور نے ہتھوڑا لے کر اس چٹان پر مارا تو وہ ریت کی مانند ریزہ ریزہ ہو گیا۔ یہ روایت بخاری کی ہے۔ مسند احمد نسائی میں باسناد حسن براء رضی اللہ عنہ سے اس سے زیادہ روایت کی گئی ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں خندق کھودنے کا حکم فرمایا تو ہمارے سامنے پتھر کی ایک چٹان ایسی برآمد ہوئی جس پر ہتھوڑا چھینی کچھ اثر نہ کرتے تھے۔ اس کیلئے ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا آپ تشریف لائے اور ہتھوڑا لے کر بسم اللہ کہہ کے اس پر ایک ضرب لگائی تو وہ ایک تہائی ریزہ ریزہ ہو کے بکھر گیا۔ اور فرمایا: اللہ اکبر مجھے شام کی کنجیاں عطا فرمائی گئیں۔ خدا کی قسم! بلاشبہ میں نے شام کے سرخ محلات کو اس ضرب سے دیکھا لیا ہے۔ اس کے بعد دوسری ضرب لگائی اور دوسری تہائی کو توڑ دیا اور فرمایا ”اللہ اکبر مجھے فارس کی کنجیاں عطا فرمائی گئیں خدا کی قسم! میں نے مدائن کے سفید کنگرے اس گھڑی دیکھے ہیں۔ اس کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مدائن کے کنگروں کی نشانیاں بیان فرمائیں۔ اس پر حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ نے عرض کیا ”قسم ہے اس خدا کی جس نے آپ کو حق کے ساتھ بھیجا بلاشبہ وہ کنگرے ایسے ہی ہیں جیسے آپ نے بیان فرمائے ہیں۔ مدائن فارس کا ایک شہر ہے جسے نو شیرواں نے آباد کیا ہے اس کے بعد تیسری ضرب لگائی تو بقیہ پتھر بھی ریزہ ریزہ ہو گیا۔ فرمایا ”اللہ

اکبر! مجھے یمن کی کنجیاں مرحمت فرمائی گئیں خدا کی قسم میں صنعا کے دروازوں کو یہاں سے جہاں اس وقت کھڑا ہوں دیکھ رہا ہوں،“ ان معجزات میں سے جو ان دنوں رونما ہوئے وہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کے گھر کھانے میں زیادتی فرمانا ہے جس کا ذکر باب معجزات میں گزر چکا ہے۔

ایک معجزہ یہ ہے کہ ایک لڑکی ہاتھ میں کچھ کھجوریں لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے سے گزری۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا کیا ہے؟ اس نے کہا تھوڑی سی کھجوریں ہیں جسے میری ماں نے میرے باپ کے ناشتہ کیلئے بھیجا ہے۔ فرمایا ان کھجوروں کو سامنے لاؤ۔ اس نے انہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دست مبارک میں رکھ دیا۔ اس کے بعد آپ نے ایک کپڑا منگایا اور یہ کھجوریں اس میں ڈال دیں۔ پھر ایک شخص کو حکم دیا کہ تمام اہل خندق کو آواز دو۔ اس کے بعد تمام اہل خندق حاضر ہوئے اور ان سب نے خوب دل بھر کے کھایا۔

ارباب سیر کہتے ہیں کہ خندق کا کام میں روز تک جاری رہا۔ واقدی کہتے ہیں کہ چوبیس روز تک رہا۔ امام نووی نے روضہ میں پندرہ دن فرمائے ہیں۔ بعض روایتوں کے مطابق کامل ایک مہینہ تک کھدائی ہوتی رہی ہے۔ روضۃ الاحباب میں ہے کہ چھ دن میں کام مکمل ہو گیا تھا۔

خندق کی کھدائی سے فارغ ہو چکے تب لشکر کفار نمودار ہوا، وہ قبائل جو ان کی حمایت اور موافقت میں تھے وہاں آن اترے۔ یہ دس ہزار تھے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کوہ سلع کے دامن میں تین ہزار صحابہ کی جماعت کے ساتھ قیام فرمایا۔ لشکر اسلام اور لشکر کفار کے درمیان خندق حائل تھی اس کے بعد دشمن خدا، حی بن اخطب، ابوسفیان کے کہنے سے اور اپنی اس ذاتی عداوت سے جو اسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے تھی اور اس عداوت سے جو بنی نضیر کی جلا وطنی سے اسے حاصل ہوئی تھی۔ کعب کے پاس آیا جو بنو قریظہ کی طرف سے صاحب عہد و پیمان تھا۔ اسے قریش کی طرف بلایا چونکہ بنی قریظہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ عہد کے پابند تھے۔ انہوں نے اس سے انکار کر دیا اور اس پر دروازہ بند کر دیا۔ کعب نے جی کو گالی دے کر کہا اوبد بخت ہم نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے عہد کر رکھا ہے ہم اس عہد کو توڑ نہیں سکتے۔ اس نے پھر دروازہ کھولنے پر اصرار کیا اور حیلہ بہانے بنائے۔ کعب پر طعنہ زنی کرتے ہوئے کہا ”شاید تو اس ڈر سے دروازہ نہیں کھولتا کہ کہیں میری ضیافت نہ کرنی پڑے۔“ چونکہ عرب کے درمیان، بخل و خست سے زیادہ شہنشاہی کوئی اور خصلت نہ تھی۔ کعب پر یہ بات بہت دشوار و گراں گزری۔ اس نے دروازہ کھول دیا اور اس کے ساتھ بیٹھ گیا۔ ہر چند حی اس کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت اور عہد شکنی پر ابھارتا مگر وہ نہ مانا اور انکار کر دیا لیکن حی بھی حیلہ گری میں آدھا شیطان تھا مکر و فریب میں چھانسن کر اپنا دغا عاں کیا۔ اس کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کو بھیجا کہ وہ بنی قریظہ کی خبر لائیں۔ دوسری روایت میں ہے کہ حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ اور حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ اور دیگر صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی جماعت کو ان کے ساتھ بھیجا تاکہ بنو قریظہ کو چند

بِاللّٰهِ الظُّنُونَا ۝ هٰذَا لَكَ اِبْتِلٰى الْمُؤْمِنُوْنَ وَزُلْزِلُوْا
زُلْزَالًا شَدِيْدًا ۝

منافقین اور ضعیف الایمان لوگ کہنے لگے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں وعدہ دیتے تھے کہ قیصر و کسریٰ کے خزانے ہمارے ہاتھوں میں ہوں گے۔ ہمارا حال یہ ہے کہ ہم لاچار و مجبور ہو کے رہ گئے ہیں۔ اس وقت یہ آئیہ کریمہ نازل ہوئی۔

وَ اِذْ يَقُوْلُ الْمُنٰفِقُوْنَ وَالَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ مَا
وَعَدَنَا اللّٰهُ وَرَسُوْلُهُ اِلَّا غُرُوْرًا

ان میں سے کچھ لوگوں نے اجازت چاہی اور بہانے تراشے کہ ہمارے گھر خالی ہیں اور کوئی ان کی محافظت کرنے والا نہیں ہے۔ جیسا کہ حق تعالیٰ فرماتا ہے۔

مَا اَعَاٰكُمْ مَّا اَعَدَّكُمْ ۚ وَاَنذَرَكُمْ اَنۡ تَكُوْنُوْا مِّنَ الْغٰلِبِيْنَ

رضی اللہ عنہا نے کہا اے میرے بیٹے! جلدی جاؤ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور پہنچو۔ میں نے کہا اے ام سعد رضی اللہ عنہا! اگر وہ اس سے بڑی زرہ پہنتے تو بہتر ہوتا۔ مجھے خوف ہے کہ ان کے ہاتھوں میں کوئی تیر نہ لگ جائے۔ ام سعد رضی اللہ عنہا نے کہا خدا وہی حکم کرنے والا ہے جس نے ان کو پیدا کیا۔

کفار قبیلوں میں تفرقہ و اختلاف برپا ہوا اس اختلاف و تفرقہ کا سبب یہ تھا کہ نعیم رضی اللہ عنہ بن مسعود اشجعی غطفانی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہو کر مسلمان ہو گیا۔ اس نے کہا ”یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میں مومن و مسلمان ہو کر حاضر ہوا ہوں اور کوئی ایک شخص بھی میرے اسلام کی خبر نہیں رکھتا۔ میری خواہش ہے کہ حق خدمت و اعانت آپ کے صحابہ اور غلاموں کی نسبت کے ساتھ بجا آئے۔“

فرمایا کہو فَاِنَّ الْحَوْبَ خُذْعَةً کیوں کہ جنگ ایک داؤ ہے۔ اس کے بعد نعیم رضی اللہ عنہ بن مسعود قریش اور قبائل کے پاس گئے اور ہر ایک سے ایسی باتیں کہیں جن سے ان میں پھوٹ پڑ گئی۔ وہ ایک دوسرے سے متنفر اور بیزار ہو گئے ان میں باہمی اختلاف پیدا ہو گیا اور سب کے سب مرکز اتفاق و استقامت سے متزلزل ہو گئے۔ نعیم سب سے پہلے بنی قریظہ کے پاس پہنچے اور کہا ”تم جانتے ہو کہ تمہارے ساتھ میری دوستی اور محبت کتنی ہے۔ ذرا غور کرو کہ قریش اور غطفان محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف لڑنے نکلے ہیں اور تم اس میں ان کی مدد کر رہے ہو اور تم نہیں جانتے کہ یہ کچھ نہ کر سکیں گے لاچار ہو کر اور غم اٹھا کر اپنے گھروں کو لوٹ جائیں گے۔ تم کو محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے صحابہ کے حوالے کر جائیں گے تم ان کے ساتھ مقابلہ کی قوت نہیں رکھتے وہ تم سب کو پکچل دیں گے۔ اس کے بعد وہ قریش اور غطفان کے پاس گئے اور ان سے بھی اس قسم کی باتیں کہیں اور ان کے اتفاق و اتحاد کو پارہ پارہ کر دیا۔ یہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا کا اثر ہے جو لشکر احزاب پر آپ نے فرمائی تھی۔ آپ نے فرمایا: اَللّٰهُمَّ مِّنْزِلِ الْكِتٰبِ وَسَوِّعِ الْحِسَابِ اِهْزِمِ الْاَحْزَابَ اللّٰهُمَّ اِهْزِمْهُمْ وَزَلْزِلْهُمْ وَانْصُرْنَا عَلَيْهِمْ۔ اے خدا! تو قرآن کا نازل فرمانے والا ہے اور جلد حساب کرنے والا ہے۔ ان قبیلوں کو شکست دے۔ اے خدا! ان کو شکست دے اور ان کو لڑکھڑا دے اور ان پر ہماری مدد فرما۔ حضرت جابر بن عبد اللہ انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خندق کی جنگ کے آخری تین دنوں میں ظہر و عصر کے درمیان مسجد فتح میں مسلسل دعا مانگی یعنی روز و شب سب شنبہ اور چہار شنبہ۔ چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا مستجاب ہوئی۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ مجھے کوئی واقعہ پیش نہ آیا مگر یہ کہ اس گھڑی میں نے دعا کی اور وہ مقبول ہوئی۔ بعض مشائخ فرماتے ہیں کہ چہار شنبہ کے دن ظہر و عصر کے مابین دعا مانگنا وقت قبولیت دعا ہے اور اس وقت میں دعا مانگنی چاہئے۔ گویا کہ انہوں نے اس وقت کو اس جگہ سے اخذ کیا ہے۔ سیدنا امام احمد حضرت

اس کے بعد بادصبا نے میٹوں کو اکھاڑ دیا اور ان کو گرا دیا، دیکھیں زمین پر الٹ گئیں، کفار کے چہرے خاک آلود ہو گئے اور سنگریزوں نے ان پر مار لگائی اور انہوں نے اپنے لشکر کے ہر گوشہ سے تکبیروں کی آوازیں سنیں۔ پھر وہ راتوں رات بھاگ کھڑے ہوئے اور وزنی و بوجھل سامان پھینکتے چلے گئے۔

شیخ عماد الدین ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ اپنی تفسیر میں بیان کرتے ہیں کہ اگر یہ بات نہ ہوتی کہ حق تعالیٰ اپنے حبیب کو رحمۃ اللعلمین نہ بناتا تو وہ آندھی ان کے اوپر اس باد عقیم سے زیادہ سخت ہوتی جو قوم عاد پر بھیجی گئی تھی اور ابن مردویہ اپنی تفسیر میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ایک عجیب نکتہ بیان کرتے ہیں۔ وہ فرماتے ہیں کہ احزاب والی رات میں بادصبا نے بادشمال سے کہا آؤ ہم دونوں رسول صلی اللہ علیہ وسلم خدا کی مدد کریں۔ بادشمال نے جواب میں بادصبا سے کہا اِنَّ الْمَحْصَرَّةَ لَا تَسِيرُ بِاللَّيْلِ۔ حرہ یعنی اسیل و آزاد عورت رات کو نہیں چلا کرتی۔ بادصبا نے کہا حق تعالیٰ تجھ پر غضب فرمائے اور اسے عقیم یعنی بانجھ بنا دیا۔ تو جس ہوانے اس رات رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی مدد کی وہ بادصبا تھی۔ اسی لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: نَصَرْتُ بِالصَّبَا وَاهْلِكْتُ عَادًا بِالذَّبُورِ۔ میری مدد بادصبا سے کی گئی اور قوم عاد و بور یعنی بادشمال سے ہلاک ہو گئی۔ صبا وہ ہوا ہے جو مطلع ثریا سے اٹھتی اور بنات النعش تک چلتی ہے اور اس کے مقابل دبور اور بادشمالی ہے۔ یہ وہ ہوا ہے جب تم قبلہ رو کھڑے ہو تو تمہارے سامنے آئی ہے اور تمہارے داہنے ہاتھ ہوتی ہے۔ صحیح یہ ہے کہ یہ ہوا وہ ہے جو مطلع شمس اور بنات النعش کے درمیان یا مطلع شمس سے سر طائر کے مسقط تک چلتی ہے اور قریب یہ ہے کہ وہ رات میں چلتی ہے اسے قاموس میں ذکر کیا گیا ہے۔

ارباب سیر بیان کرتے ہیں کہ جب حضرت حذیفہ بن لیمان رضی اللہ عنہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے اس رات جس رات وہ بھاگے ہیں کافروں کے لشکر میں گئے تو دیکھا کہ ایک ہوا کا طوفان ان میں ظاہر ہوا جس سے دیگوں کے سر پوش اڑ گئے اور وہ اندھے گر پڑے ان کے خیے اکھڑ گئے اور آگ بگولے انہیں ہٹکا کر لیے جا رہے تھے۔ ان کے گھوڑے لشکر کے درمیان دوڑنے کودنے اور پھرنے لگے۔ سنگریزوں کی آوازیں آنے لگیں جو ان پر پڑ رہے تھے۔ ابوسفیان کو دیکھا کہ وہ اپنے خیمہ سے باہر آیا وہ آگ سے تاپ رہا تھا۔ حذیفہ رضی اللہ عنہ نے تیر کمان میں رکھا اور چاہا کہ اس پر پھینکیں لیکن چونکہ انہیں حکم رسول تھا کہ کسی پر دست درازی نہ کرنا چنانچہ انہوں نے تیر کو کمان کے چلے سے نکال لیا۔ کاش کہ وہ مار دیتے اور لوگوں کو اس کے شر سے نجات دیتے۔ مگر اس نے آپ ہی چھٹکارا حاصل کیا کیونکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کفار اب دوبارہ ہم پر حملہ کرنے نہیں آئیں گے اب ہم ہی ان پر حملہ کریں گے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ اس غزوہ کے بعد انہیں اتنی فرصت اور طاقت ہی نہ ہوئی کہ وہ مسلمانوں پر حملہ کرنے آتے۔ ان کے مقابل لشکر کو لاتے۔ سال آئندہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم عمرہ کے ارادہ سے حدیبیہ تشریف لے گئے جو فتح مکہ کا پیش خیمہ اور ابتداء تھی۔ تمام فتوحات کا دروازہ تھا کیونکہ اِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِينًا (یشک ہم نے تمہیں واضح فتح دی) کا اسی طرف اشارہ ہے۔

حذیفہ رضی اللہ عنہ فاتحہ مکہ کے بعد لشکر کفار سے واپس آیا تو راستہ میں ابن مسعودؓ فرمایا کہ دیکھ احبہم علی م

استحصال کر دے۔ وہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا کس طرح استحصال کر سکتا تھا کیونکہ حق تعالیٰ تو آپ کو اور آپ کے اقبال کو بڑھانا چاہتا ہے۔

ارباب سیر کہتے ہیں کہ ابوسفیان غزوہ خندق سے لوٹنے کے بعد اپنی قوم میں بیٹھا ہوا تھا کہنے لگا تم میں کوئی ایسا شخص ہے جو مدینہ

طیبہ جائے اور گھات میں لگا رہے تاکہ وہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے ہمارا انتقام لے۔ کیونکہ وہ بازاروں میں آتے جاتے اور تبلیغ رسالت

دوست و دشمن سے بے خوف ہو کر کرتے رہتے ہیں۔ اس پر ایک بدوی کھڑا ہوا اس نے کہا اگر ”تو میری تقویت کرے تو میں اس کام کو

انجام دوں گا۔ چنانچہ میں ایک تیز و براں خنجر رکھتا ہوں ایک لفظ میں ان کا کام تمام کر دوں گا۔ پھر ابوسفیان نے اس کی سواری کیلئے ایک

وانٹ دیا اور زراہ بھی سپرد کیا اور اسے اس راز کو چھپانے کی نصیحت کی۔ وہ مدینہ کی جانب چل دیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کسی قبیلہ کی

مسجد میں تشریف فرما نصیحت میں مشغول تھے۔ وہ بددوی وہاں پہنچ گیا۔ اس نے کہا ”یہ ابن عبدالمطلب ہیں؟“ حضور نے فرمایا ”ہاں میں

ابن عبدالمطلب ہوں!“ وہ بدوی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف بڑھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ”یہ وہ شخص ہے جو میری ہلاکت کا

[illegible]

تھے جن کے چہرے پر اور ان کے سامنے کے دانتوں پر غبار جما ہوا تھا اور سفید اونٹ پر سوار تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی چادر مبارک سے ان کے سر پہ گرد کو جھاڑا انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کچھ باتیں کیں۔ جب گھر میں تشریف لائے تو فرمایا یہ جبریل علیہ السلام تھے اور انہوں نے مجھے حکم رب پہنچایا ہے کہ میں فوراً بنو قریظہ کی جانب سے متوجہ ہو جاؤں۔ ایک روایت میں آیا ہے کہ وہ سر پر استبرق کا عمامہ باندھے نچر پر سوار جس پر قتیفہ دیا کی چادر تھی سوار ہو کر آئے تھے۔ بخاری کی حدیث میں ہے کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم واپس تشریف لائے اور ہتھیار اتار کر غسل فرمایا تو جبریل علیہ السلام آئے اور کہا آپ نے تو ہتھیار اتار دیئے۔ مگر ہم نے ابھی تک نہیں۔ رَحَلَهُ اللّٰهُ تَعَالٰی اَنْ يَّكُوْهُمُ فَاَتَاَتْهُمُ بَنُو قُرَيْظَةَ كَاَصْفٍ جَلِيْلٍ اَخْدَاكَ اَتَمَّ مِثْلٍ حَاكِرًا اَلَا اَنْتُمْ اَمِيْرُ تِهْلَكُوْا اَلَا تَهْلِكُوْنَ اَلَا تَهْلِكُوْنَ

کو پامال کرتا ہوں اور ان میں زلزلہ ڈالتا ہوں جس طرح کہ مرغی کے انڈے کو پتھر پر مارتے ہیں۔ جبریل علیہ السلام فرشتوں کے ساتھ واپس چلے گئے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ گویا میں نے کوچہ بنی غنم میں جبریل علیہ السلام کی سواری سے گردوغبار کو اڑاتا ہوا دیکھا۔ اس کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ وہ مدینہ میں اعلان کر دیں اور کہہ دیں کہ اے خدا کے شہسوار و سوار ہو جاؤ اور ان کو بتادو کہ جو خدا کے حکم کا فرمانبردار اور ماننے والا ہے اسے چاہیے کہ نماز عصر بنو قریظہ میں پہنچنے سے پہلے نہ پڑے۔ حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو مقدمہ کجیٹش پر مقرر فرمایا اور ان کے ہاتھ میں علم دیا۔ حضرت ابن رضی اللہ عنہ ام کلثوم کو مدینہ میں خلیف بنایا۔ وہ اپنے گھوڑے پر جس کا نام لحیف تھا سوار ہوئے دو گھوڑے کو تل کے ساتھ تھے۔ آپ مسلمانوں کو تیار کر کے تشریف لے چلے۔ آپ کے دانے ہاتھ پر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ بائیں ہاتھ پر حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ اور آگے آگے مہاجرین و انصار کے اکابر حضرات تھے۔ یہ سب تین ہزار کا لشکر تھا۔ ان میں چھتیس گھوڑے تھے۔ راہ میں بنی نجار کو ملاحظہ فرمایا کہ سوار ہو کر انتظار میں کھڑے ہیں۔ دریافت فرمایا تم سے یہ کس نے کہا کہ ہتھیار پہن کر انتظار میں کھڑے رہنا۔ انہوں نے کہا وجیہ کلبی نے کہا تھا فرمایا ”وہ جبریل علیہ السلام تھے جو پہلے روانہ ہوئے ہیں۔“ جب عصر کی نماز کا وقت ہو گیا تو بعض صحابہ نے راستہ ہی میں نماز پڑھ لی اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر محمول کیا۔ بعض صحابہ نے نماز عصر نہ پڑھی مگر جب بنو قریظہ پہنچ گئے انہوں نے عشاء کے وقت بعد نماز عشاء ادا کی اور ان کا یہ عمل حکم ظاہر پر عمل کرنے میں تھا۔ کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ارشاد میں نماز عصر نہ پڑھنے کا حکم دیا تھا کہ بنو قریظہ میں پہنچ کر پڑھیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دونوں جماعتوں کے عمل کو مسلم و برقرار رکھا اور کسی ایک کو زبردستی نہ فرمائی۔ یہ قضیہ ان مجتہدین کرام کیلئے بھی حجت بنتا ہے جو اپنی رائے اور اپنے اجتہاد پر عمل کرتے ہیں اور اہل ظواہر محدثین کی جماعت کیلئے بھی حجت بنتا ہے۔ جو ظاہر حدیث پر عمل کرتے ہیں اور رائے اور اجتہاد کو داخل نہیں کرتے۔

نماز عصر کا ذکر بخاری کی روایت میں ہے مسلم کی روایت میں نماز ظہر آیا ہے۔ بخاری و مسلم دونوں ایک شیخ اور ایک سند کے ساتھ متفقہ ہوئے ہیں۔ مسلم کا موافقہ ابویعلیٰ، ابو یوسف، احمد اور ابن حبان نے کیا ہے۔ ان دونوں روایتوں کی جمع و تطبیق میں بہت سے احتمال ہیں۔

کہ ان ایام محاصرہ میں کھانا، کھجوروں کا تھا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ”یہ کتنا اچھا کھانا ہے“ جب محاصرہ نے طول کھینچا تو حق تعالیٰ نے ان کے دلوں میں رعب و خوف ڈالا۔ وہ کہنے لگے ہم بنی نصیر کی مانند جلا وطنی اختیار کرتے ہیں اور ہمیں چھوڑ دیجئے تاکہ ہم اپنے بال بچوں کے ساتھ نکل جائیں اور جتنا کچھ ہمارے اونٹ سامان اور ہتھیار اٹھا سکیں لے جائیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے قبول نہ فرمایا۔ پھر وہ کہنے لگے ہم مال و اسباب اور ہتھیاروں سے بھی شکش ہوتے ہیں، ہمیں اجازت دیجئے کہ اپنے بیوی بچوں کا ہاتھ پکڑ کر کسی دوسری جگہ چلے جائیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اَلَا اَنْ تَنْزِلُوْا عَلٰی۔ مگر یہ کہ تم سب میرے حضور حاضر ہو۔ اس پر وہ سب حیران ہو کے رہ گئے۔ اس کے بعد کعب بن اسد جو یہودیوں کا سردار تھا اور جی بن اخطب ملعون جو کعب کی امان میں اس سے عہد باندھ کر اس کے قلعہ میں گھس آیا تھا اور وہ بھی اس مجلس میں موجود تھا۔ دونوں نے اپنی قوم سے کہا ”اے گروہ یہود! محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لے آؤ کیونکہ یہ وہی خدا کے رسول ہیں جن کے اوصاف توریت میں بتائے گئے ہیں اور تم بھی جانتے ہو کہ یہ وہی نبی آخر الزمان ہیں۔ ہم نے ان کی تکذیب اور ان کا انکار حسد اور عناد کی بنا پر کیا ہے۔ اگر تم ایمان لے آئے تو تمہارے مال تمہاری جانیں سب سلامت رہیں گی۔“ یہودیوں نے اس سے انکار کیا اور کہنے لگے ہم اپنے دین کو نہیں چھوڑ سکتے۔ توریت پر کسی اور کتاب کو فوقیت نہیں دے سکتے۔ سبحان اللہ کتنی جہالت، عناد اور ہے کہ باوجود علم و معرفت کے اور یہ جانتے ہوئے کہ دنیا و آخرت کی سلامتی اسی میں ہے قبول نہیں کر سکتے۔

يَعْرِفُوْنَهُ كَمَا يَعْرِفُوْنَ اَبْنَاءَهُمْ وَجَعَلُوْا بَيْنَهُمْ
وَاَسْتَفْتَتْهَا اَنْفُسُهُمْ

وہ آپ کو خوب جانتے ہیں جس طرح اپنے بیٹوں کو جانتے ہیں۔
انہوں نے آپ کا انکار کیا اور ان کے نفسوں نے ان کو درغلا یا۔

توریت بھی ان کو یہی حکم دیتی ہے مگر اس کے باوجود ان کا سردار کعب بھی ایمان نہ لایا۔ انقیاد و اطاعت نہ کی اور ان کی پیروی میں جنہم رسید ہو گیا محض اس خوف سے کہ لوگ کہیں گے کہ جان کے ڈر سے ایمان لے آیا۔ اس کی قوم اسے برا کہے گی۔ اس کے بعد کعب نے اپنی قوم سے کہا میں تم کو تین باتوں کا اختیار دیتا ہوں ایک یہ کہ تم ایمان لے آؤ جیسا کہ میں نے کہا دوسرے اگر تم اس سے انکاری ہو تو آؤ ہم اپنے بچوں اور عورتوں کو اپنے ہاتھ سے قتل کر کے باہر نکلیں۔ محمد و اصحاب محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے جنگ کریں اور پھر دیکھیں خدا کیا کرتا ہے۔ اگر مارے جائیں اور ہلاک ہو جائیں تو کسی کو اپنے پیچھے نہ چھوڑیں گے جو ذلیل و رسوا ہوں۔ اگر ہم کامیابی پا گئے تو عورتیں اور بچے پھر پیدا ہو جائیں گے۔ یہود کہنے لگے ”یہ کیسے گوارہ کریں کہ بے گناہوں کو مار ڈالیں اور وہ زندگانی بھی کوئی زندگانی ہے جو بیوی بچوں اور عزیزوں کے بغیر گزاری جائے۔“ پھر اس نے کہا ”اگر تم یہ بھی نہیں کر سکتے تو آؤ آج رات ہفتہ کی رات ہے محمد اور اصحاب محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے بے خوف ہوں گے۔ اچانک رات میں ان پر حملہ کریں اور شب خون ماریں گے اور دیکھیں کہ کیا ہوتا ہے۔“ یہود نے کہا اس رات کی تعظیم ہمارے دین میں ہے کس طرح ہم پچھلوں کی مانند اس کی بے حرمتی کریں اور اس سزا کے مستوجب بنیں جو مسخ و حذف وغیرہ کی ہے۔

اس غزوہ کے عجیب و غریب واقعات میں سے ابولبابہ رفاعہ بن عبدالمذہب راوی رضی اللہ عنہ کا واقعہ ہے کیونکہ وہ ان کے دوست اور حلیف تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو بلایا تاکہ ان کے پاس جائیں اور وہ اپنے کام میں ان کے ساتھ مشورہ کریں۔ چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ابولبابہ رضی اللہ عنہ کو ان کے پاس بھیجا۔ جب قلعہ میں ابولبابہ رضی اللہ عنہ داخل ہوئے تو یہود ان کے استقبال کیلئے آئے اور یہود کی عورتیں و بچے ان کے آگے رونے پٹینے لگیں۔ محاصرہ کی شدت اور اپنے حال کی پریشانی کی شکایت کرنے لگے اس طرح پر کہ ابولبابہ رضی اللہ عنہ کو جرم آ گیا۔ یہود ان سے پوچھنے لگے کہ تمہاری کیا رائے ہے کیا ہم اتر جائیں۔ انہوں نے کہا ہاں اتر جاؤ اور ساتھ

ہی ابولبابہ رضی اللہ عنہ نے اپنے حلق پر ہاتھ رکھ کر اشارہ کیا مطلب یہ کہ اگر تم اترو گے تو تم ذبح کر دیئے جاؤ گے۔ معاً اس بات کے کہتے ہی ابولبابہ رضی اللہ عنہ پشیمان ہوئے اور استرجاع پڑھنے لگے اور کہنے لگے میں نے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں خیانت کی ہے۔ اس کے بعد ابولبابہ رضی اللہ عنہ قلعہ سے شرمندہ اور گریہ کنناں نکلے بغیر اس کے کہ وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوں اور اپنے ساتھیوں سے ملیں۔ مسجد نبوی شریف میں پہنچ کر مسجد کے ستون کے ساتھ خود کو باندھ دیا (آج بھی وہ ستون مسجد نبوی شریف میں "ستون ابولبابہ رضی اللہ عنہ" کے نام سے موسوم اور متعین ہے۔ اس پر لکھا ہوا ہے کہ "اسطوانہ ابولبابہ رضی اللہ عنہ") اور کہنے لگے میں یہاں سے اس وقت تک نہ جاؤں گا جب تک کہ حق تعالیٰ میرے اس گناہ کو بخش دے۔ لازم ہے کہ کوئی شخص مجھے اس ستون سے نماز کے سوا غیر وقت نماز میں نہ کھولے اس وقت تک جب تک کہ میری توبہ قبول نہ ہو۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی خبر ملی تو فرمایا میں کیا کر سکتا ہوں اگر میرے پاس آتے تو میں استغفار کرتا چونکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ وَلَوْ أَنَّهُمْ إِذْ ظَلَمُوا أَنْفُسَهُمْ جَاءُوكَ وَاسْتَغْفَرُوا اللَّهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُولُ لَوَجَدُوا اللَّهَ تَوَّابًا رَحِيمًا۔ اور اگر وہ لوگ جنہوں نے اپنی جانوں پر ظلم کیا آپ کے پاس آئیں اور اللہ سے استغفار کریں اور اے حبیب! تم بھی ان کیلئے استغفار کرو تو یقیناً وہ اللہ کو بہت توبہ کا قبول کرنے والا اور رحم کرنے والا پائیں گے۔ اب جبکہ انہوں نے خود درگاہ حق میں حاضر ہو کر خود کو باندھ لیا ہے تو میں اس وقت تک انہیں نہیں کھول سکتا جب تک کہ حق تعالیٰ ان کے گناہ کو بخشے اور اللہ کا توبہ قبول فرمائے۔ اللہ کا بہت بڑا اور کھجور کا دانہ کے منہ میں آتا اور حند گھونٹ پانی ملا جاتا تھا۔ نماز کے

وقت ان کو کھولا جاتا تا کہ نماز پڑھیں یا قضائے حاجت کر لیں۔ ارباب سیر بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے خود کو بڑی بھاری زنجیر سے باندھا تھا یہاں تک کہ پندرہ دن اسی طرح گزر گئے۔ حتیٰ کہ ان کی سماعت جاتی رہی اور وہ نہ سن سکتے تھے۔ قریب تھا کہ ان کی بینائی بھی جاتی رہے اسی طرح پندرہ دن گزرے اور ان کی توبہ کی قبولیت کی وحی آئی۔ یہ اس طرح کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہ کے گھر رونق افروز تھے۔ سحری کا وقت تھا کہ سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے سنا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم تبسم فرما رہے ہیں۔ میں نے عرض کیا "یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! کس بات پہ آپ کو ہنسی آئی۔ اللہ تعالیٰ آپ کو ہمیشہ شاد و خندان رکھے۔" حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "ابولبابہ رضی اللہ عنہ کی توبہ قبول کی گئی اور ان کے گناہ کو بخش دیا گیا۔" ام سلمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں میں نے عرض کیا "یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! اگر آپ اجازت مرحمت فرمائیں تو میں جا کر انہیں بشارت دیدوں" فرمایا "اگر تمہاری خواہش ہے تو جا کر بشارت دیدو۔" اس کے بعد سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا اپنے حجرہ کے دروازہ پر کھڑی ہوئیں۔ یہ واقعہ آیت حجاب کے نازل ہونے سے پہلے کا ہے۔ پھر سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے کہا "اے ابولبابہ رضی اللہ عنہ! تمہیں بشارت ہو تمہاری توبہ قبول ہو گئی۔" اس کے بعد مسجد میں موجود حضرات دوڑے تاکہ انہیں کھولیں۔ انہوں نے کہا "اس وقت تک نہ کھولو جب تک حضور صلی اللہ علیہ وسلم خود تشریف لا کر اپنے دست مبارک سے نہ کھولیں۔" جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نماز صبح کیلئے مسجد میں تشریف لائے تو ان کی بندشوں کو کھولا۔ صاحب مواہب لدنیہ کہتے ہیں بیہقی نے دلائل النبوة میں مجاہد کی سند سے روایت کیا ہے کہ حق تعالیٰ کا ارشاد: فَاسْتَغْفِرُوا بِذُنُوبِهِمْ (تو انہوں نے اپنے گناہ کا اعتراف کیا) حضرت ابولبابہ رضی اللہ عنہ کی شان میں ہے جس وقت کہ انہوں نے یہود کے کہنے پر اپنے حلق کی طرف اشارہ کر کے کہا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم تم کو ذبح کر دیں گے۔ اگر تم میرے حکم سے نیچے اترو گے۔ بیہقی نے کہا اور محمد ابن اسحق نے بھی یہی گمان کیا کہ ان کا باندھنا اسی دوران

و موقوف ہے جس کو قرآن نے بیان کیا ہے کہ وَعَلَى الثَّلَاثَةِ الَّذِينَ خَلَفُوا مَكْرُوهُ حَضْرَاتِ جَوْتَخْلَفِ کو تین شخصوں پر منحصر نہیں کہتے اور کچھ ان کے ماسوا بھی بتاتے ہیں۔ جن میں ابولبابہ رضی اللہ عنہ بھی ہیں تو ان میں سے توبہ کی مقبولیت ان تین شخصوں کے ساتھ ہے (واللہ اعلم)

حضرت ابولبابہ رضی اللہ عنہ کا خود کو باندھنا سرمستی اور مدہوشی کے سبب تھا۔ جیسا کہ ارباب حال کو ہوتا ہے ورنہ توبہ تو ندامت اور پشیمانی ہی کا نام ہے۔ یہ جان کو گھلانا اور نفس کو عذاب دینا توبہ کی شکل نہیں ہے۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ صحابہ پر بھی اپنے احوال میں مستی اور مدہوشی طاری ہو جایا کرتی تھی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ان کو برقرار رکھنا ثابت و صحیح ہے۔ مشائخ صوفیہ کیلئے اس میں حجت و دلیل ہے اور ان کے منکرین پر رد و ابطال ہے۔ حضرت بلال رضی اللہ عنہ کا اس آئیہ کریمہ کے نزول کے وقت جھومنا اور وجد کرنا کہ اِنَّكَ لَا تَهْدِي مَنْ اَحْبَبْتَ۔ (بیشک تم اس کو جس کو تم چاہتے ہو ہدایت نہیں دے سکتے ہو) اور معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کا دعا کے ذکر کے وقت یہ کہنا کہ لَا تَحْزَنُوا مُعَاذًا وَاَهْلَهُ هَلُنَا۔ (معاذ رضی اللہ عنہ کو اور اس کے گھر والوں کو اس سے محروم نہ رکھنا) حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا برات اور پاکیزگی کے نزول کے وقت جب حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ان سے کہا: يَا عَائِشَةُ اشْكُرِي رَسُولَ اللَّهِ۔ (اے عائشہ رضی اللہ عنہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا شکر بجالاؤ) اور اس کے جواب میں انہوں نے کہا: لَا اشْكُرُ اِلَّا رَبِّي۔ (میں شکر نہیں بجالاتی بجز اپنے رب کے) اس قسم کی اور بھی باتیں دیگر اصحاب کی ملتی ہیں۔ یہ سب اسی سرمستی اور مدہوشی کے زمرہ میں ہیں۔

القصة! جب بنو قریظہ محاصرہ سے تنگ آ گئے تو وہ مطیع ہو کر قلعہ سے اتر کر باہر آنے پر راضی ہو گئے اور وہ بارگاہ نبوت کے حکم پر عاجز۔ محمد بن گزطی ۱۱۱۱ حصہ ۲۔ سورہ رضی اللہ عنہ۔ یہ معاذ جو فضلہ کرتا گئے تسلیم ہے۔ پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے محمد رضی اللہ عنہ بن

فرش بچھایا گیا۔ بعض لوگ اس سے قیام کے ثبوت پر استدلال کرتے ہیں کہ مجلس میں داخل ہونے والے کیلئے کھڑا ہوا جائے۔ جیسا کہ آج بھی متعارف ہے مگر ان کا استدلال نامکمل ہے اس لیے کہ یہ قیام حضرت سعد رضی اللہ عنہ کو دراز گوش سے اتارنے کیلئے تھا کیونکہ وہ زخمی تھے اور وہ جسیم اور عظیم الجثہ شخص تھے۔ تعظیم و تکریم غرض نہ تھی۔ اس لیے فرمایا: قُومُوا إِلَيَّ سَبِيلَكُمْ۔ جیسا کہ بخاری کی حدیث میں مروی ہے اور سید کم نہ فرمایا۔ تعجب ہے کہ روضۃ الاحباب میں سید کم نقل کیا ہے اور اس نکتہ کا انہوں نے لحاظ نہ رکھا۔ اس حدیث کے شارحین فرماتے ہیں کہ اگر بقصد تعظیم و تکریم بھی ہو تو اس دن اس میں مصلحت تھی کیونکہ ان کو فیصلہ اور حکم دینے کیلئے بلایا گیا تھا۔ ان کیلئے اتنا اہتمام کرنا کہ فرش بچھایا گیا اور ان کی اتنی تعظیم و توقیر کی گئی۔ یہ سب ان کے حکم کو ماننے اور ان کے آگے سرطاعت جھکا دینے کیلئے تھا۔ اب رہا مسجد کا مطلب جو بخاری کی روایت میں آیا ہے تو یہ وہ جگہ ہے جہاں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بنی قریظہ کے علاقہ میں نماز کیلئے ایک جگہ خط کھینچ دیا تھا اور اقامت کے دوران اس میں نمازیں پڑھتے تھے۔ اس سے مسجد نبوی شریف مراد نہیں ہے۔

حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس مبارک میں بیٹھ گئے تو ان کے زخم سے خون رک گیا۔ قبیلہ اوس کے لوگوں نے پھر وہی نرمی و شفقت کرنے کی بات حضرت سعد رضی اللہ عنہ سے سنی، قریظہ کے یہود کیلئے شروع کر دی۔ حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ”اللہ تعالیٰ کا عہد و میثاق تم سے ہے کہ جو کچھ میں حکم کروں گا تم سب راضی ہو گے۔“ سب نے جواب دیا ”ہم راضی ہوں گے۔“ ارباب سیر کہتے ہیں کہ حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم و توقیر اور آپ کے ادب و احترام کو ملحوظ رکھ کر آپ کو خاص طور پر خطاب کرنے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف رخ کو متوجہ کرنے سے اجتناب کیا اور کہا کہ ”جو کوئی بھی یہاں موجود ہے میرے حکم پر راضی ہے؟“ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ”حکم وہی ہے جو تم حکم کرو گے۔“ حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے حکم دیا کہ ”بنی قریظہ کے مردوں کو قتل کیا جائے ان کی عورتیں اور بچے غلام و باندی بنائے جائیں۔ ان کے ساز و سامان اور اموال کو مسلمانوں میں تقسیم کیا جائے۔“

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ”اے سعد رضی اللہ عنہ! ان کے بارے میں تم نے وہ حکم دیا ہے جو حق تعالیٰ نے ساتوں آسمانوں کے اوپر سے حکم کیا تھا۔“ ایک روایت میں ہے کہ فرمایا تم نے حکم خدا کے ساتھ حکم دیا ہے۔ ایک روایت میں ہے کہ حکم ملک یعنی تم نے ملک کے حکم سے حکم دیا ہے۔ ملک بکسر لام بمعنی حق تعالیٰ اور بفتح لام بمعنی جبریل علیہ السلام، حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ”اے سعد رضی اللہ عنہ! ان کے بارے میں حکم دو۔“ اس پر حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے کہا ”خدا اور اس کا رسول ہی حکم دینے کا سزاوار ہے۔“ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بلاشبہ تمہیں حق تعالیٰ نے حکم دیا ہے کہ ”ان کے بارے میں تم حکم کرو۔“

اس کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم فرمایا ”بنی قریظہ کے ہاتھوں کو گردن میں بندھے ہوئے مدینہ طیبہ لے جاؤ اور قید کر دو۔“ ارباب سیر کہتے ہیں کہ قید کی حالت میں ان کے آگے کھجوریں ڈال دی جائیں چونکہ ان کے ہاتھ بندھے ہوتے تھے وہ انہیں دانتوں سے اٹھا کر کھاتے تھے۔ جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ تشریف لائے تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ زمین میں خوب گہرا گڑھا کھودا جائے، خندق کی مانند اس کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے تلواریں کھینچ کر ان کی گردنیں اڑائیں اور خون کو خندق میں بہا دیا۔ جب جی بن اخطب کو ہاتھ باندھے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے لایا گیا تو فرمایا ”اودشمن خدا بالآخر حق تعالیٰ نے تجھے میرے ہاتھ میں قید کر دیا“ تجھ پر ذلت و خواری مسلط کر دی اور مجھ کو تجھ پر غالب کر کے حاکم بنایا۔“ اب بھی وہ شقی، شوخی اور بے ادبی سے باز نہ آیا۔ کہنے لگا ”میں اپنے آپ کو آپ کی دشمنی و عداوت میں ملامت

شماره: ... صفحه: ... از ...

علیہ وسلم ان کو آزاد کر کے اپنے نکاح میں لائے۔ جیسا کہ آگے آئے گا۔

ارباب سیر بیان کرتے ہیں کہ جب حیدر کرار نے جی بن اخطب کیلئے ذوالفقار کھینچی تو جی نے گردن سامنے کر دی یہاں تک کہ امیر المومنین نے تیغ مار کر اسفل العافلین پہنچا دیا اس کے بعد کعب بن اسد بستہ لائے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ”اے کعب! ایمان لے آ تو تو خوب جانتا ہے کہ میں رسول برحق ہوں“ کعب نے کہا ”میں آپ کی تصدیق تو کرتا اور آپ کی اطاعت کرتا لیکن اس شرم سے کہ لوگ کہیں گے کہ عاجز ہو کر جان کے خوف سے ایمان لے آیا“ میں دین یہود پر مرتا ہوں۔“ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ”اے بھی اس کے ساتھیوں سے ملاؤ“ اس دن رات تک حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہ بنی قریظہ کے قتل میں مشغول رہے جب رات ہو گئی تو ان کے بقیہ کو شعل کی روشنی میں جہنم رسید کیا گیا۔

ارباب سیر کہتے ہیں ان کی مجموعی تعداد چار سو تھی۔ ایک فرقہ نے چھ سو کہا ہے اور ایک جماعت نے سات سو کہا ہے۔ ایک گروہ نے نو سو کہا ہے۔ مگر پہلی روایت زیادہ صحیح ہے۔ بر طریق جمع علماء نے کہا ہے کہ چار سو اصل ہوں اور باقی ان کے متبوع یعنی ان کے خدام و موالی وغیرہ ہوں۔ ان کے اموال کو مسلمانوں پر تقسیم فرمایا اور بعض قیدیوں کو آزاد کر دیا اور بعض کو بہ فرمایا اور ریحانہ بنت عمرو کو خاص اپنے لیے اختیار فرمایا اور ملک یمن کے طور پر ان میں تصرف فرمایا۔ آپ نے چاہا کہ انہیں آزاد کر کے زوجہ بنالیں مگر انہوں نے اسی کو پسند رکھا اور عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! مجھے اور آپ کو اسی میں زیادہ آسانی ہے۔ (واللہ اعلم)

اس مقام میں دو عجیب و غریب حکایتیں بہان کی گئی ہیں۔ ایک یہ کہ بنی قریظہ کے یہودیوں میں ایک بوڑھا تھا جس کا نام زبیر بن

دی وہ ہنسی خوشی اس کے پاس گئی اس نے کہا کیا مجھے قتل کرنے کیلئے بلایا ہے؟ اس سے کہا گیا کہ اسلام میں قاعدہ نہیں ہے کہ عورتوں کو مارا جائے۔ اس نے کہا بانی قریظہ کی ہی شادی شدہ عورت ہوں میں اور میرا شوہر دونوں ایک دوسرے سے محبت کرتے تھے۔ جب محاصرہ نے شدت اختیار کی تو میرے شوہر نے مجھ سے کہا ”اگر محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم پر قابو پالیا تو مردوں کو تو وہ قتل کر دیں گے اور عورتوں کو قیدی بنا کر باندی بنالیں گے۔ میں نے اپنے شوہر سے کہا افسوس وصال کے دن ختم ہو رہے ہیں اور میں تیرے بغیر خوش نہیں رہ سکتی۔ شوہر نے کہا اگر تو بچ بھتی ہے اور تیرا بچہ ہی حال ہے تو تیرے مارے جانے کی ایک تدبیر اور حیلہ یہ ہے کہ وہ لوگ جو بیر بن باطاء کے قلعہ کے سایہ میں بیٹھے ہیں چکی کا پاٹ اٹھا کر ان کے سروں پر لڑھکا دے۔ ممکن ہے کہ کوئی مارا جائے اور تجھے اس کے قصاص میں قتل کر دیں۔ اس نے اس پتھر کو لڑھکا دیا اور وہ خلا رضی اللہ عنہ بن سوید کے لگا اور اس سے وہ مارا گیا۔ اس بنا پر اسے قصاص میں طلب کیا۔ سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں مدت گزر گئی مگر میں قصاص میں مارے جانے پر اس کے ہنسنے اور خوش ہونے کو بھول نہ سکی چہ خوب۔ باطل عشق و محبت کی فریب کاریاں اس حد کو پہنچتی ہیں کہ اپنی جان کو قربان کرتے وقت اس پر مسرت و خوشی کا اظہار کرتی ہیں۔ جس طرح کہ وہ یہودی بوڑھا زبیر بن باطاء نامی تھا اور یہ ناپاک و نافر جام عورت تھی۔ ان بد بختوں کو ایمان لانا اور اسلام میں داخل ہونا ان کے نزدیک اس سے بہت دشوار اور مشکل تھا۔ (نعود باللہ من الجہل والغویۃ)

جب مسلمان بنو قریظہ کے یہود کے قتل سے فارغ ہو گئے تو حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کے زخم کھل گئے اور خون بہنے لگا یہاں تک کہ وہ جاں بحق تسلیم ہو گئے (رضی اللہ عنہ) حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ان کے سر ہانے تشریف فرما تھے اور ان کے سر کو اپنے زانوئے مبارک پر رکھے ہوئے تھے۔ فرمایا ”اے خدا سعد رضی اللہ عنہ کو تو اپنی رحمتوں میں ڈھانپ لے انہوں نے تیرے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی تصدیق کی اسلام کے جو حقوق ان پر عائد تھے ادا کئے اور ان کی روح کو بہترین طریقہ سے جس طرح تو اپنے محبوبوں کی روحوں کو قبض فرماتا ہے قبض کر۔“ جب حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی آواز سنی تو آنکھیں کھولیں اور کہا ”اَلْسَلَامُ عَلَیْكَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ اللہ کے رسول ہیں۔ جیسا کہ چاہئے آپ نے تبلیغ رسالت ادا فرمائی۔“ پھر اپنے سر کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زانوئے مبارک سے اٹھا لیا اور عذر خواہی کرتے ہوئے رخصت کی اجازت مانگی۔ چند لمحہ بعد حضرت سعد رضی اللہ عنہ رحمت الہی سے واصل ہو گئے (رضی اللہ عنہ) استبرق کا عمامہ باندھے جبریل علیہ السلام آئے اور کہا ”اے حضور صلی اللہ علیہ وسلم! آپ کے اصحاب میں سے کسی نے وفات پائی ہے جس کی روح کے استقبال کیلئے آسمانوں کے دروازے کھلے ہیں۔“ پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان کے مکان میں تشریف لے گئے اور ان کی تجہیز و تکفین فرمائی۔ فرمایا ستر ہزار فرشتے ان کے جنازہ میں موجود ہیں۔ حضرت سعد رضی اللہ عنہ طویل القامت اور بڑے تنومند تھے لیکن ان کا جنازہ بہت ہی ملکا تھا۔ لوگ اس پر بہت حیران ہو رہے تھے حضور صلی اللہ علیہ وسلم

نے فرمایا ”ان کے جنازہ کو فرشتے اٹھائے ہوئے ہیں اس بنا پر یہ ہلکا ہے۔“

نیز حدیث میں آیا ہے کہ اگر کوئی قبر کے دباؤ سے محفوظ رہتا تو وہ حضرت سعد رضی اللہ عنہ بن معاذ ہوتے لیکن قبر نے اس بندہ صالح پر تنگی کی اس کے بعد حق تعالیٰ نے ان پر کشادگی اور فراخی فرمائی اور فرمایا ان کی موت کی وجہ سے عرش الہی جنبش میں آیا۔ اس حدیث کو بخاری و مسلم نے روایت کیا ہے۔ علماء اس کی تاویل میں مختلف الرائے ہیں ایک گروہ کہتا ہے کہ یہ حدیث ظاہر پر محمول ہے اور اتہزاز عرش یعنی اس کا حرکت کرنا۔۔۔۔۔۔ یا تو حضرت سعد رضی اللہ عنہ کی روح آنے کی خوشی میں یا ان کے مرنے کے حزن و ملال میں اور حق تعالیٰ نے عرش میں تمیز و ادراک کو پیدا فرمایا جس کی بنا پر اسے فرج و خوشی اور غم و اندوہ حاصل ہوا۔ جیسا کہ پتھروں کے بارے میں فرمایا: وَإِنْ فِیْہَا لَمَّا یَهْبِطُ مِنْ خَشِیَةِ اللّٰہِ۔ بے شک کچھ پتھرا ایسے ہیں جب وہ اللہ کے خوف سے نیچے اترتے ہیں اور یہی ظاہر حدیث ہے۔ یہی

مذہب مختار مارزمی کا ہے۔ انہوں نے کہا کہ ظاہر عرش کی حرکت میں ہے اور عقل کے اعتبار سے بھی یہ بعید نہیں ہے کہ عرش ایک جسم ہے اور اجسام حرکت و سکون کو قبول کرتے ہیں۔ بعض علماء اہتزاز سے بشارت اور سرور کا حاصل کرنا مراد لیتے ہیں نہ کہ حرکت و جنبش۔ عرب کا محاورہ ہے کہ فلاں شخص مکارم سے اہتزاز کرتا ہے اس سے ان کی یہ مراد نہیں ہوتی کہ فلاں جسم حرکت و اضطراب میں آ گیا بلکہ اس سے خوشی و سرور مراد لیتے ہیں۔ بعض کہتے ہیں کہ یہ ان کی وفات کی تعظیم سے کنایہ ہے اور عرب کسی عظیم شئی کو عظیم اشیاء سے منسوب کرتے ہیں مثلاً وہ کہتے ہیں کہ جہان تاریک ہو گیا اور اس کے مرنے سے قیامت قائم ہو گئی۔ ایک گروہ یہ کہتا ہے کہ اہتزاز سے مراد جنازہ اور نعش

کے مقاتلہ و مقابلہ پر کمر بستہ ہو کر کھڑے ہوئے۔ جی بن اخطب جو اعدائے دین میں اشد تھا کے ساتھ رشتہ محبت باندھا اس بنا پر مستحق قتل اور زیادہ عذاب کے مستوجب بنے ہوں۔ یہ تو جیہہ اس کی خاطر سے جو عقل و طبیعت میں گرفتار ہے ہم نے بیان کی ہے ورنہ حکمت کے جاننے کی بھی کیا حاجت ہے۔ حکمت کو بھی حکیم مطلق پر چھوڑنا چاہئے اور ایمان رکھے کہ اس میں جو بھی حکمت ہے اس حکمت پر تمہارا باخبر ہونا شرط ایمان نہیں ہے۔ حالانکہ اہل حق کا مذہب یہ ہے کہ حق تعالیٰ پر حکمت کی رعایت واجب نہیں ہے کیونکہ وہ مختار مطلق ہے۔ اگرچہ ہر فعل میں بیشمار حکمتیں پنہاں ہیں لیکن اگر حکمت کی رعایت نہ فرمائے تو اس پر کچھ واجب نہیں ہے اور کسی کو حق نہیں ہے کہ وہ کہے کہ ایسا کیوں نہیں کیا۔ عقل کا دست تعرض اس کے عز و جلال کے دامن سے کوتاہ ہے۔ یَفْعَلُ اللّٰهُ مَا يَشَاءُ وَيَحْكُمُ مَا يُرِيدُ۔ کا مطلب یہی ہے اور یہی اعتقاد رکھنا ہر مسلمان کیلئے ضروری ہے۔

ظاہر ہے کہ حضرت سعد رضی اللہ عنہ بن معاذ کے حکم دینے سے پہلے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو معلوم تھا کہ حکم الہی اس قضیہ میں یہی ہے۔ انہوں نے خود ہی حضرت سعد رضی اللہ عنہ کے حکم میں رضا مندی ظاہر کی تھی۔ حضرت سعد رضی اللہ عنہ کے دل میں الہام ہو گیا تھا کہ اس قضیہ میں خدا کا حکم یہی ہے اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی اسی میں رضا ہے اسی لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ”تم نے وہی حکم دیا ہے جو ساتویں آسمان سے حق تعالیٰ کا ہے“ اس مقام میں اوس کے لوگوں کی نظر ظاہر میں قاصر تھی کیونکہ انہوں نے ان کیلئے منت و سماجت کی تھی اور انہوں نے سابقہ عہدوں اور اس کے حقوق کو ملحوظ رکھا تھا۔ وہ حق کو کیسے دیکھتے کہ یہی حق ہے۔ ظاہر کو دیکھتے ہوئے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ظاہری کرم اور آپ کی چشم پوشی پر اعتماد کرتے ہوئے عرض کیا اسی بنا پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی ان کو جواب نہیں دیا اور خاموشی و تغافل کو اختیار فرمایا۔ عفا اللہ عنہم ان کے سوا اور کسی صحابی نے اس باب میں دم نہ مارا ایمان کامل اور اسلام صادق یہی ہے جو حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی نے کیا کہ تمام دن رات کے کچھ حصہ تک قتل کرنے اور خون بہانے میں مشغول رہے۔ بعض طبیعتیں ناقص اور میڑھی ہوں گی اگرچہ ان میں کفر کی کوئی رگ نہ

مزنہ کے چار سو افراد کے ساتھ بارگاہ رسالت میں حاضر ہو کر دولت اسلام سے شرف ہوئے۔ اس کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو ان کی بستی کی طرف لوٹا دیا اور فرمایا تم جہاں بھی رہو گے مہاجرین میں داخل ہو گے۔ وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کے بموجب اپنے شہروں کی طرف لوٹ گئے۔ یہ بلال رضی اللہ عنہ بن حارث فرغ کے نواح میں عامل تھے جو کہ مدینہ طیبہ سے پانچ دن کی مسافت پر واقع ہے اور یہ فتح مکہ کے دن مزنہ کی طرف سے حامل لواء تھے۔ انہیں سے ان کے بیٹے حارث اور علقمہ بن وقاص نے روایت کیا ہے اور انہیں سے بخاری و مسلم کے سوا چار راویوں کے واسطے سے حدیث روایت کی گئی ہے اور ان کا ایک فرزند جن کا نام حسان تھا وہ بصرہ کے محدث گزرے ہیں جو ایک سو ساٹھ ہجری میں تھے اور ان کی عمر اسی سال تھی۔

چاند گرہن: اسی سال چاند گرہن واقع ہوا۔ روضۃ الاحباب میں چاند گرہن کو اسی سال میں بیان کیا گیا ہے۔ کہا گیا ہے کہ مدینہ طیبہ کے یہودیوں نے طشت بجائے وہ کہتے تھے کہ ہم پر جادو کیا گیا ہے اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز خسوف پڑھی جب تک کہ چاند روشن نہ ہو گیا۔

سورج گرہن: ہجرت کے دسویں سال میں حضرت ابراہیم فرزند جلیل حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے دن سورج گرہن ہوا۔ جیسا کہ اپنی جگہ ذکر آئے گا لوگوں نے گمان کیا کہ حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ کی وفات کی بنا پر سورج گرہن میں آیا۔ یہ گمان اس اعتقاد کی بنا پر تھا جو ان میں مشہور تھا کہ چاند گرہن یا سورج گرہن یا تو کسی عظیم موت پر واقع ہوتا ہے یا کسی عظیم حادثہ پر۔ اس پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ چاند سورج خدا کی نشانیوں میں سے ہیں کسی کی موت پر یہ گہنائے تو نہیں ہیں۔ تم نماز پڑھو صدقہ دو اور استغفار کرو ان کی نمازوں کی کیفیت بیان کی جا چکی ہے۔

غزوہ دومتہ الجندل: اسی سال غزوہ دومتہ الجندل (بضم دال یا فتح وال) واقع ہوا۔ یہ اس پہاڑ کا نام ہے جو وہاں سے کوفہ تک دس منزل پر ہے اور دمشق تک بھی دس منزل ہیں۔ (مکذ قبل)

ارباب سیر کہتے ہیں کہ دومتہ الجندل ایک قلعہ کا نام ہے اس کی بنیاد پتھر پر رکھی گئی ہے۔ یہاں کی پیداوار کھجوریں اور جو ہیں۔ مواہب میں کہا گیا ہے یہ ایک شہر ہے اس کے اور دمشق کے درمیان پانچ رات کی مسافت ہے اور مدینہ منورہ سے پندرہ سولہ راتوں کی مسافت ہے۔ یہ نام دومی بن اسماعیل کے نام پر ہے جس نے وہاں قیام کیا تھا۔ قاموس میں کہا گیا کہ اسے دو ماجندال بھی کہتے ہیں۔

اس غزوہ کا سبب یہ تھا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ قدس میں خبر پہنچی کہ اس سرزمین میں بہت بڑی جمعیت اکٹھی ہوئی ہے جو مسافروں کو بہت تنگ کرتی ہے اور ظلم و تعدی کے ساتھ پیش آتی ہے۔ اکیدر جو اس جگہ کا حاکم ہے نصرانی ہے وہ بہت بڑا لشکر جمع کر کے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مقابلہ و مقاتلہ کیلئے کھڑا ہو گیا ہے اس کے بعد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ایک ہزار صحابہ کرام کے ساتھ تشریف لے چلے۔ سباع رضی اللہ عنہ بن عطفہ کو مدینہ میں خلیفہ بنایا اور راہ بتانے کیلئے ”راہبر“ کا تعین فرمایا اور سرکشوں کے قلع قمع فرمانے کیلئے روانہ ہو گئے۔ رات کو قطع مسافت فرماتے دن کو قیام فرماتے اور راستہ چھوڑ کر نزول فرماتے تھے۔ جب ان شہروں کے نواح میں پہنچے تو ”راہبر“ نے عرض کیا کہ دشمنوں کے جانور اور مویشی قریب ہیں۔ وہ ان سب کو گھیر کے لے آئے ان کے چرواہے بھاگ کھڑے ہوئے اور جدھر نہ اٹھا منتشر ہو گئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے میدان میں اقامت فرمائی اور وہاں کوئی باقی نہ رہا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے وہاں کئی دن توقف فرمایا اور ہر طرف لشکر کے چھوٹے چھوٹے رسالے (سرایا) بھیجے۔ وہ ہر طرف پھیل گئے مگر کسی کو نہ پایا البتہ محمد رضی اللہ عنہ بن مسلمہ نے ایک شخص کو پکڑا اور اسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں لے آئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے اس قوم کی خبر پوچھی اس نے کہا جب لشکر اسلام کے آنے کی خبر یہاں کے رہنے والوں کو پہنچی تو وہ تیزی کے ساتھ بھاگ کھڑے

ہوئے اور یہ شخص ایمان لے آیا۔ اس کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم صحیح وسلم الطہینان و سکون کے ساتھ غنیمت لے کر واپس آئے۔ اس سفر کی مدت ایک ماہ سے زیادہ تھی۔

روضۃ الاحباب میں ارباب سیر بیان کرتے ہیں کہ اس سفر کے دوران حضرت سعد رضی اللہ عنہ بن عبادہ کی والدہ نے وفات پائی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی قبر پر نماز پڑھی تھی۔ حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! ماہِ ذی الحجۃ میں حج کرنا چاہتا ہوں، اگر وہ مہلت مانتا تو کچھ مال صدقہ کرتا۔ اگر میں، ملا صدقہ

کروں تو کیا اس کا ثواب ان کو پہنچے گا یا نہیں؟ فرمایا یقیناً پہنچے گا اس کے بعد حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے پوچھا کہ کون سا صدقہ افضل ہے؟ فرمایا پانی۔ اس پر حضرت سعد بن عبادہ نے ایک کنواں کھودا اور اس کو والدہ کے نام پر وقف کر دیا اور کہا: ہٰذِیہ لَآمِ سَعْدِی۔ یہ کنواں ام سعد رضی اللہ عنہ کیلئے ہے۔

میت کو صدقہ کا ثواب پہنچانا: علماء کا عبادت بدنی کا ثواب میت کو پہنچنے میں اختلاف ہے اور عبادت مالی میں نہیں ہے۔ یہ باتفاق جائز ہے۔ علماء بیان کرتے ہیں کہ شیخ عزالدین بن عبد السلام کے اس جہان سے رخصت ہونے کے بعد لوگوں نے خواب میں دیکھا اس باب میں ان سے پوچھا کہ ہم مردوں کو ثواب پہنچانے کی نیت سے قرآن پڑھتے ہیں کیا حال ہے کیا تمہیں پہنچتا ہے؟ فرمایا ہم دنیا میں اس کے خلاف فتویٰ دیتے تھے اب معلوم ہوا کہ پہنچتا ہے۔ (واللہ اعلم)

سریہ ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ بن الجراح: بجانب سیف البحر۔ اسی سال ماہ ذی الحجہ میں حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ بن الجراح کا سریہ تھا۔ معارج النبوة میں منقول ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابو عبیدہ بن الجراح رضی اللہ عنہ کو ایک جماعت کے ساتھ سیف البحر کی جانب بھیجا۔ اس سفر میں زاد راہ کھجوریں تھیں۔ ایک روایت میں ہے کہ ہر شخص روزانہ ایک کھجور پر گزر کر رکھتا تھا اور آخر میں یہ حال ہوا کہ آدھی کھجور پر قناعت کرنی پڑی۔ ایک عرصہ اسی حالت میں گزرا۔ جب اس پر انہیں بہت دشواری لاحق ہوئی تو حق تعالیٰ نے ایک بڑی مچھلی دریا سے ساحل پر پھینک دی تین سو آدمیوں نے ایک ماہ تک اس کا گوشت کھایا۔ اور کتاب مستقصی میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے وہ فرماتے ہیں کہ میں اپنے اونٹ کے ساتھ اس مچھلی کی ایک پٹلی کے نیچے سے گزر جاتا تھا۔ (انتہی)

مشکوٰۃ شریف میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے اس طرح مروی ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ ہم حبش الخیط پر جہاد کر رہے تھے اور ہم پر حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ کو امیر بنایا گیا تھا۔ پھر ہمیں سخت بھوک سے دوچار ہونا پڑا تو حق تعالیٰ نے دریا سے ایسی مچھلی عطا فرمائی کہ ہم نے اس جیسی مچھلی کبھی نہ دیکھی تھی۔ بعض روایتوں میں ہے کہ ہم نے دریا کے کنارے ایک آبی جانور پایا بغیر اس کے کہ ہم اسے مچھلی کہیں کچھ اور کہہ سکتے ہیں۔ ایک روایت میں ”وابتہ العنبر“ آیا ہے یعنی وہ آبی جانور جس کو عنبر کہتے ہیں۔ وہ ایک بڑی مچھلی ہوتی ہے جس کے پوست سے ڈھال بناتے ہیں اور اس ڈھال کو بھی عنبر کہتے ہیں۔ ممکن ہے کہ ”وابتہ العنبر“ اس بنا پر اس کا نام ہو کہ عنبر جو ایک پاکیزہ مشہور خوشبو کا نام ہے اس سے نکلتی ہو۔ قاموس میں ہے کہ عنبر ایک بحری جانور کا فضلہ ہے یا کسی ایسے چشمہ سے ہے جو بحر میں ہے اور نام مسمکہ بحریہ ہے۔ اس کے پوست سے ڈھال بناتے ہیں تو ہم نے اس سے نصف ماہ تک گوشت کھایا۔ اس کے بعد حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ نے اس کی ایک ہڈی لی۔ طبیبی نے کہا کہ اس ہڈی سے مراد پٹلی ہے پھر ایک سوار اس ہڈی کے نیچے سے گزر گیا۔ سنن میں مروی ہے کہ

رضی اللہ عنہ نے عرض کیا میرے والد غزوہ احد میں شہید ہو گئے اور ۹ بیٹیاں یا سات بیٹیاں چھوڑی ہیں۔ اس لیے میں نے ذن ثیبہ کی ہے تاکہ ان کی خدمت و تربیت کر سکے۔ اس وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے اونٹ کو اس شرط پر خرید لیا کہ مدینہ تک اس پر سوار ہو کر جائیں اور شہر مدینہ میں سپرد کر کے اس کی قیمت وصول کر لیں۔ جب مدینہ منورہ پہنچ گئے تو اونٹ کی قیمت ان کو دیدی اور اونٹ کو بھی انہیں ہی عطا فرما دیا۔ اس حدیث سے رخصت بیع مشروط معلوم ہوتی ہے اور فقہاء اس سے منع کرتے ہیں۔ مگر یہ کہ کسی دوسری حدیث سے ہو۔ بعض کہتے ہیں اس حدیث میں اضطراب ہے اور اس میں طویل بحث ہے جو اپنی جگہ مذکور ہے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اس غزوہ میں ایک درخت کے سایہ میں مخو خواب تھے ایک اعرابی آیا اور اپنی تلوار کھینچ کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سر ہانے کھڑا ہو گیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم بیدار ہو گئے اعرابی نے کہا کون ہے جو آپ کو مجھ سے بچائے۔ فرمایا اللہ! اس کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم اٹھے اور اس کے ہاتھ سے تلوار چھوٹ پڑی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ہاتھ میں تلوار لے کر فرمایا کون ہے جو تجھے مجھ سے روکے گا؟ اعرابی نے کہا مجھے بخش دیجئے۔ فرمایا کیا تو گواہی دیتا ہے کہ میں خدا کا رسول ہوں۔ اعرابی نے کہا میں عہد کرتا ہوں کہ آپ سے کبھی جنگ نہ کروں گا اور نہ اس جماعت میں شریک ہوگا جو آپ سے لڑے۔ اس کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا سرا سے بخش دیا اور وہ اعرابی لوٹ کر اپنی قوم میں گیا اور کہا میں تمہارے پاس سب سے بہتر شخص کے پاس سے آیا ہوں۔ واقدی نے اس کا ارادہ ۱۰۱۱ھ میں نقل کیا ہے۔

بلاشبہ اس کی مانند ایک اور قصہ غزوہ غطفالی میں گزر چکا ہے۔

غزوہ بنو لحيان: اسی سال غزوہ بنو لحيان ماہ ربیع الاول میں واقع ہوا اور ابن الحنفی کے نزدیک جمادی الاولیٰ میں بنو قریظہ کے چھ ماہ بعد واقع ہوا تھا۔ ابن حزم کہتے ہیں کہ صحیح یہ ہے کہ یہ پانچویں سال میں واقع ہوا۔

اس کا سبب یہ تھا کہ جب حضرت عاصم رضی اللہ عنہ بن ثابت اور حضرت خبیب رضی اللہ عنہ بن عدی اور ان کے دیگر ساتھیوں کا واقعہ پیش آیا جس کا ذکر تیسرے سال میں گزر چکا ہے تو اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم برابر رنج و غم کا اظہار فرماتے رہے۔ مگر پیہم

الاول میں بنی کلاب کی سرکوبی کیلئے بمقام ضریہ انضم ضاد و تشدید یا روانہ فرمایا جو کہ مدینہ طیبہ سے چوبیس میل کے فاصلہ پر واقع ہے اور فرمایا کہ اچانک ان کے سروں پر پہنچو۔ حضرت محمد رضی اللہ عنہ بن مسلمہ دن کو پوشیدہ رہتے اور رات کو قطع مسافت کرتے تھے۔ وہ رات کو اچانک ان پر جا پہنچے اور ان پر شب خون مارا۔ چند کافروں کو قتل کیا تھا کہ باقی بھاگ کھڑے ہوئے۔ حضرت محمد رضی اللہ عنہ بن مسلمہ ان لوگوں کی اونٹ بکریاں مدینہ منورہ لے آئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پانچواں حصہ نکال کر تقسیم فرمادیا۔ ایک سو پچاس اونٹ اور تین ہزار بکریاں تھیں۔ اس سفر کی مدت پندرہ روز تھی ایک روایت میں ہے کہ انیس روز تھی۔

واضح رہنا چاہئے کہ سریہ محمد رضی اللہ عنہ بن مسلمہ دو ہیں۔ اس کو روضۃ الاحباب میں حاشیہ پر سریہ محمد رضی اللہ عنہ بن مسلمہ بقرطہ (بضم قاف و فتح راوطاء) لکھا ہے۔ اس میں اتنا ہی لکھا ہے جتنا بیان کیا گیا۔

سریہ محمد رضی اللہ عنہ بن مسلمہ برسر بنی ثعلبہ: نیز دوسرا سریہ تھی حضرت محمد رضی اللہ عنہ بن مسلمہ کی طرف منسوب کر کے ذی القصد (بضم قاف و فتح صاد مشدودہ) بھیجا گیا۔ منقول ہے کہ حضرت محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ کو دس شخصوں کے ساتھ بنی ثعلبہ کے بستیوں میں وضع کیا گیا تھا کہ وہاں سے کھانا لے کر حضرت محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ ان کو جانچنے قریب سو آدمی تھے۔ سب جمع

روایت میں ہے سات سو صحابہ کے ساتھ سوار ہوئے اور مدینہ طیبہ میں حضرت ابن رضی اللہ عنہ ام کلثوم کو خلیفہ مقرر فرمایا۔ حضرت مقداد رضی اللہ عنہ کے نیزے پر علم لہرایا اور فرمایا آگے بڑھو۔ تمہارے ساتھی بھی تم سے مل جائیں گے۔ مطلب یہ کہ لشکری بھی تمہارے پیچھے آرہے ہیں۔ حضرت سلمہ رضی اللہ عنہ بن الاکوع تو پہلے ہی ان کے تعاقب میں جا چکے تھے۔ یہ سلمہ رضی اللہ عنہ بڑے بہادر اور شجاع شخص تھے جنگوں میں پیدل رہ کر سواروں پر حملے کرتے تھے اور سواروں کو نیچے گرا لیا کرتے تھے۔ اور تیر اندازی میں تو یگانہ روزگار تھے اور درخت کے نیچے (بیعت رضوان) انہوں نے تین مرتبہ بیعت کی۔ ابتداء میں درمیان میں اور آخر موت میں وہ بیان کرتے ہیں کہ رباح رضی اللہ عنہ کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں اطلاع دینے کیلئے بھیجنے کے بعد میں ایک ٹیلہ پر کھڑا ہوا اور تین مرتبہ با وار بلند کہا ”واصباحا“ یہ کلمہ غارت گری کی خبر دینے کیلئے ہے۔ اس کے بعد میں کفار کے تعاقب میں روانہ ہو گیا۔ شمشیر و کمان میرے پاس تھی تیردوں کو ان کی جانب پھینکتا اور ہر تیر سے کوئی نہ کوئی زخمی گرتا رہا۔ اس جنگل میں درخت بہت تھے جب کوئی سوار مجھ پر تیر چلاتا تو میں کسی درخت کی اوٹ میں ہو جاتا اور تیر کے زخم سے محفوظ رہتا۔ کبھی کسی اونچی چوٹی پر چلا جاتا اور وہاں سے ان پر پتھر برساتا۔ یہاں تک کہ وہ مجھ سے تنگ آ گئے اور مجھ سے اپنی جان بچانے کیلئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اونٹوں کو چھوڑ کر میرے آگے سے بھاگ گئے۔ پھر میں اونٹوں کو مدینہ طیبہ کی جانب ہنکا کر دوبارہ ان کافروں کے تعاقب میں روانہ ہو گیا۔ میں نے تیروں کے زخموں سے سب کو عاجز و سراسیمہ کر دیا۔ چنانچہ وہ اپنے نیزوں اور کپڑوں کو پھینکنے لگے تاکہ میں ان کے جمع کرنے میں مشغول ہو جاؤں اور جنگ سے ہاتھ کھینچ لوں۔ جو بھی ان میں سے پھینکتا میں ایک پتھر اس کے اوپر رکھ کر ان کے تعاقب میں بڑھتا رہتا۔ یہاں تک کہ میں نیزے اور تیس چادریں اس طرح ان سے لیتا رہا جب دو پہر کا وقت ہو گیا تو فرازہ کے کفار کی ایک جماعت اپنی قوم کی مدد کو پہنچ گئی اور ان سب نے میری طرف رخ کر لیا۔ اچانک میں نے دیکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وہ سوار جن کو مقدمہ پر متعین فرمایا تھا۔ درختوں کے درمیان سے نمودار ہو گئے سب سے آگے اخرم اسدی (نجاب) جو بہت بہادر جوانمرد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سعادت مندوں میں سے تھے اور ان کے پیچھے حضرت ابوقحافہ رضی اللہ عنہ جن کو ”فارس رسول اللہ“ بھی کہتے ہیں۔ یہ اسی قصہ کے آخر میں آئے گا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وَخَيْرُ فُرْسَانِهَا الْيَوْمَ أَبُو قَحْفَاةٍ (گھوڑ سواروں میں آج سب سے بہتر ابوقحافہ ہیں) وَخَيْرُ رَحَالِنَا سَلَمَةُ (اور پیدلوں میں سب سے بہتر سلمہ ہیں) ان کے پیچھے حضرت مقداد رضی اللہ عنہ بن اسود کندی تھے۔ اس کے بعد جب مشرکوں کی نظر مسلمانوں پر پڑی تو بھاگنے کا رخ اختیار کیا۔ اخرم رضی اللہ عنہ ان کے پیچھے روانہ ہوئے۔ میں نے پہاڑ سے اتر کر ان کے گھوڑے کی لگام پکڑی اور کہا صبر کرو کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے باقی صحابہ بھی پہنچ جائیں۔ اخرم رضی اللہ عنہ نے کہا اے سلمہ رضی اللہ عنہ! اگر تم خدا اور روز جزا پر ایمان رکھتے ہو اور یقین رکھتے ہو کہ جنت و دوزخ برحق ہے تو میرے اور شہادت کے درمیان حائل نہ ہو۔ اس پر میں نے ان کے گھوڑے کی لگام چھوڑ دی اور اخرم رضی اللہ عنہ نے خود کو عبدالرحمن پسر عتبہ بن حصین کے قریب پہنچایا اور اس پر نیزے کا وار کیا لیکن کارگر نہ پڑا۔ اس کے بعد عبدالرحمن پسر عتبہ نے نیزہ اخرم پر مارا اور ان کو شہید کر دیا۔ ان کے گھوڑے پر وہ سوار ہو گیا۔ پھر حضرت ابوقحافہ رضی اللہ عنہ عبدالرحمن کے قریب پہنچے اور اسی نیزے سے جس سے حضرت اخرم رضی اللہ عنہ کو شہید کیا تھا اس پر ضرب لگائی اور یہی ضرب کارگر ثابت ہوئی اور انہوں نے اسے دوزخ پہنچا دیا۔ وہ اس کے گھوڑے پر سوار ہو گئے اور كَمَا تَدِينُ تَدَانِ (جیسا کرو گے ویسا بدلہ پاؤ گے) کا قضیہ درست ہوا۔ سلمہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب عبدالرحمن مارا گیا تو ہم کفار کے تعاقب میں روانہ ہوئے وہ سب اس گھاٹی میں داخل ہوئے جہاں پانی کا چشمہ تھا جس کو ذی قرد کہتے ہیں اور یہ غزوہ اسی کی طرف منسوب ہے۔ کفار نے چاہا کہ اس چشمہ سے پانی پیئیں چونکہ ہم ان کے قریب پہنچے تھے اس لیے وہ خوف سے پانی نہ پی سکے۔ وہ کنارہ سے ہی تیزی کے ساتھ بھاگے اور راہ فرار اختیار کرنے لگے۔ میں نے

تہا اس پوری جماعت کا غروف آفتاب تک تعاقب جاری رکھا اور میں ان کے دو گھوڑے لے کر واپس لوٹا۔

سبحان اللہ و ماشاء اللہ حضرت سلمہ رضی اللہ عنہ کی کیا مردانگی اور کیسی جوانمردی ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کیا ایمان و محبت ہے۔ یہ شجاعت نہ اونٹوں کی پچھ سے اور نہ ان کے گم ہونے کی بنا پر ہے بلکہ تمام مال و متاع کی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر مبارک میں کیا قدر و قیمت ہے کہ اس کی خاطر لشکر کشی فرمائیں اور خود بنفس نفیس تشریف لے جائیں۔ مقصود تو دفع فساد دین اسلام کی شوکت کا اظہار اور کفار کو گونسا کرنا ہے۔

القصہ حضرت سلمہ فرماتے ہیں کہ جب میں لوٹ کر ذی قرد میں آیا تو میں نے دیکھا کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم لشکر کے ساتھ اس جگہ قیام پذیر ہیں اور حضرت بلال رضی اللہ عنہ اس اونٹ کو جو دشمنوں کے اونٹوں میں سے مسلمانوں کے مال غنیمت میں پہنچا ہے ذبح کر کے اس کا جگر اور اونٹ کا کوبان حضور صلی اللہ علیہ وسلم کیلئے بھون رہے ہیں۔ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! کفار کی قوم بیاسی بیتاب اور سر اسیمہ بھاگی جا رہی ہے۔ مجھے اجازت دیجئے کہ میں آپ کے صحابہ میں سے سوا دمیوں کا انتخاب کر کے ان کا تعاقب کروں اور کسی کو زینت حیتون حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا تم ایسا کروں گے میں نے عرض کیا قسم ہے اس خدا کی جس نے آپ کو معزز و مکرم بنایا میں ایسا کروں گا۔ اس پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا تبسم فرمایا کہ آپ کے دندا نہائے مبارک کی تابانی نظر آنے لگی۔ اس کے بعد آپ نے فرمایا 'اے اکوع کے بیٹے! اِذَا مَلَكَتِ فَلَسْجَحْ۔ جب تم قابو پا لو تو رفیق و زمی بر تو، مطلب یہ کہ شدت سختی نہ بر تو۔ مقصود تو اعدائے دین کی ذلت و خواری ہے۔ بحمد اللہ وہ حاصل ہو گئی ہے اور فرمایا ان لوگوں کی غطفان میں مہمانی ہو رہی ہے۔ اس کے بعد ایک شخص غطفان سے آیا اور وہ خبر لایا کہ انہوں نے ایک اونٹ ذبح کر لیا تھا اور اس کی کھال اتار رہے تھے کہ ایک جانب سے گردوغبار نمودار ہوئی انہوں نے تصور کیا کہ یہ گرد لشکر اسلام کی ہے۔ وہ بھاگ کھڑے ہوئے۔

اس کے بعد مدینہ منورہ سے بنی عمرو اور بنی عوف کے لوگوں کی کمک آئی جن پر سوار پیادہ سب تھے۔ مگر یہاں تو کام تمام ہو گیا تھا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہمارے سواروں میں آج بہترین شخص ابوقحادہ رضی اللہ عنہ ہیں اور پیادوں میں بہترین شخص سلمہ رضی اللہ عنہ ہیں اور پیادہ اور سوار کا حصہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے عطا فرمایا۔ اور مجھے اپنا رولیف بنایا یعنی اپنی سواری پر اپنے پس پشت مبارک بٹھایا۔ رہے قسمت و ذہب نصیب اس جگہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دن ایک رات قیام فرمایا اس کے بعد مدینہ منورہ واپس ہوئے۔ اس غزوہ کی مدت سفر پانچ راتیں تھیں۔ ارباب سیر بیان کرتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سفر میں بھی نماز خوف گزاری وہ کہتے ہیں کہ اس غزوہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم گھوڑے سے زمین پر آ رہے۔ جس کی وجہ سے آپ کی پنڈلی یا ران زخمی ہو گئی۔ اور جب مدینہ پہنچے تو اس بناء پر نماز بیٹھ کر پڑھی۔ اور صحابہ کو بھی حکم فرمایا کہ امام کی متابعت کی خاطر نماز بیٹھ کر پڑھیں۔ لیکن بہت سے علماء کے نزدیک یہ حدیث منسوخ ہے۔ اس لیے کہ یہ پایہ صحت کو پہنچا ہوا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مرض الموت میں نماز بیٹھ کر پڑھی اور صحابہ نے کھڑے ہو کر اقتدار میں پڑھی اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے برقرار رکھا۔

سریہ عکاشہ بن محسن اسدی برسر بنی اسد: اسی سال عکاشہ بن محسن اسدی کو چالیس مردوں کے ساتھ بنی اسد کی قوم کی جانب اس مقام کی طرف جس کو موضع غمر (بنعین) کہتے ہیں بھیجا۔ جب یہ اسی بستی کے نواح میں پہنچے اور وہاں کے لوگوں کو عکاشہ (بنضم)

سریہ زید رضی اللہ عنہ بن حارثہ بر موضع جموم: اسی سال حضرت زید رضی اللہ عنہ بن حارثہ کو جمعیت کے ساتھ بنی سلیم میں موضع جموم کی طرف جوطن نخلہ کے قریب ہے بھیجا۔ وہاں پہنچ کر ان کے مویشیوں پر قبضہ کیا اور کچھ لوگوں کو اسیر کر کے مدینہ منورہ لوٹ آئے۔ روضۃ الاحباب میں اتنا ہی لکھا ہوا تھا۔ مواہب لدنیہ میں اس طرح ہے کہ زید رضی اللہ عنہ بن حارثہ کے سریہ کو بنی سلیم کی طرف جو موضع جموم میں تھا اور اسے جموح بھی بولتے ہیں مدینہ طیبہ کے چار کوس کے فاصلہ پر جوطن نخلہ کے گوشہ میں ہے چھٹے سال کے ماہ ربیع الاول میں بھیجا۔ انہوں نے وہاں مدینہ کی ایک عورت کو پایا جس کا نام حلیمہ تھا۔ اس عورت نے بنی سلیم کے محلوں میں سے ایک محلہ کی رہنمائی کی۔ وہاں انہوں نے اونٹوں، بکریوں اور قیدیوں کو پایا۔ ان قیدیوں میں اس عورت کا شوہر بھی تھا ان سب کو لے کر حضرت زید رضی اللہ عنہ لوٹ پڑے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں پہنچے۔ پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس عورت اور اس کے شوہر کی جاں بخشی فرمائی۔

سریہ دیگر زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ بر موضع عحیص: اسی سال دوسری مرتبہ حضرت زید رضی اللہ عنہ بن حارثہ کو موضع عحیص (میکسر عین و سکون یا) کی طرف جو مدینہ طیبہ سے چار میل کے فاصلہ پر ہے۔ ماہ جمادی الاولیٰ میں ستر سواروں کے ساتھ قریش کے کاروان کی طلب میں شام سے آ رہا تھا بھیجا۔ انہوں نے کاروان کو جا پکڑا اور جو کچھ ان کے پاس تھا لے لیا۔ بہت سی چاندی جو صفوان بن امیہ کے پاس تھی قبضہ میں کر لی اور ان سب کو قید کر لیا۔ ان اسیروں میں ابوالعاص بن الربیع شوہر سیدہ زینب بنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم بھی تھے۔ اس کے بعد ان کی زوجہ سیدہ زینب رضی اللہ عنہا نے ان کو امان دے کر اپنی پناہ میں لے لیا۔ پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی امان کو جائز رکھا۔ اس کے بعد وہ مکہ چلے گئے اور ایمان لا کر مدینہ لوٹ آئے۔ حضرت ابوالعاص کا مکمل قصہ یہ ہے کہ پہلے وہ بدر کے قیدیوں میں سے تھے۔ مکہ والوں نے جب اپنے قیدیوں کے فدیے بھیجے تو سیدہ زینب رضی اللہ عنہا بنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے جو کہ اس وقت انہیں کے پاس تھیں اور اس زمانہ میں مومنہ عورت کا نکاح مشرک کے ساتھ درست تھا۔ انہوں نے ابوالعاص کے فدیہ میں وہ ہار بھیجا جو سیدہ خدیجہ الکبریٰ رضی اللہ عنہ کے گلوئے مبارک میں بندھتا تھا اور سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کے جبین میں دیا گیا تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جب اس ہار کو دیکھا تو سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہ کی یاد آئی اور آپ پر رقت طاری ہو گئی۔ صحابہ سے فرمایا اگر تم ابوالعاص سے فدیہ نہ لو اور ان پر احساس کرو اور چھوڑ دو تو بہتر ہوگا۔ پھر سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کو لانے کیلئے لوگوں کو بھیجا۔ سیدہ زینب رضی اللہ عنہا مدینہ منورہ آ گئیں۔ ہنوز ابوالعاص مشرف بہ اسلام نہ ہوئے تھے یہاں تک کہ ہجرت کے چھٹے سال بغرض تجارت شام گئے اور قریش کے کاروان کے ساتھ واپس آ رہے تھے کہ مسلمانوں نے کاروان کو جا پکڑا اور تمام قافلہ والوں کو قید کر لیا۔ ان میں ابوالعاص بھی قید ہو گئے۔ انہوں نے کسی کو سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کے پاس بھیجا کہ وہ اپنی امان اور پناہ میں لیں۔ پھر سیدہ زینب رضی اللہ عنہا نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کی عرض کو قبول فرمایا اور انہیں رہائی مل گئی۔ اس پر لوگوں نے ابوالعاص سے کہا مسلمان ہو جاؤ تا کہ جو تمہارے ہمراہ مال ہے وہ تمہارا ہو جائے۔ انہوں نے کہا حاشا پناہ بخدا میں اپنے اسلام کو اس مال سے آلود کروں۔ اس کے بعد ابوالعاص مکہ چلے گئے اور لوگوں کو مال سپرد کر کے کہا اے مکہ والو اپنا پورا مال سنبھال لو۔ کہا: أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَأَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا رَسُولُ اللَّهِ. اسد الغابہ کی عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ مسلمانوں کا ان کو گھیرنا اور سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کی امان میں آنا۔ شام کے سفر میں جانے کا وقت ہے لیکن صبح بھی ہے کہ شام کی تجارت سے واپسی کے وقت یہ واقعہ ہوا۔ جیسا کہ اہل سیر نے بیان کیا ہے اور شیخ نے بھی اصحابہ میں یہی تحقیق کی ہے۔

سریہ زید رضی اللہ عنہ بن حارثہ بوادی القری: اسی سال زید رضی اللہ عنہ بن حارثہ کو رمضان المبارک میں ”وادی القری“ کی طرف روانہ فرمایا۔ اس واقعہ کا سبب یہ تھا کہ حضرت زید رضی اللہ عنہ بغرض تجارت شام کی جانب جا رہے تھے ان کے ساتھیوں نے

بہت سا مال انہیں سپرد کر رکھا تھا۔ جب وہ وادی القریٰ کے قریب پہنچے تو قبیلہ فہرہ کی شاخ بنی بدر نے ان کی راہ روکی اور ایک دوسرے کے درمیان خوب جنگ و قتال ہوا۔ وہ لوگ بہت تھے اور مسلمان کم۔ کفار غالب آئے مسلمانوں کو بہت زد و کوب کیا اور ان کا مال لوٹ لیا۔ یہ سب لڑائی ۱۰؎ اور ۱۱؎ ہجری کے واقعہ کا ساری کیفیت بارگاہ رسالت میں پیش کی۔ سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم

اموال کے ساتھ چھوڑ دو۔ انہوں نے انہیں ان کے مال واپس کر دیئے۔

سریہ زید رضی اللہ عنہ بن حارثہ بسوئے وادی القرئی: ایک اور سریہ زید رضی اللہ عنہ بن حارثہ کا وادی القرئی کی جانب ماہ رجب میں بھیجا گیا۔ اس میں بہت سے مسلمان شہید ہوئے اور حضرت زید رضی اللہ عنہ کو معرکہ کارزار سے زخمی اٹھا کر لایا گیا۔ کیونکہ ان میں زندگی کی کچھ رمت باقی تھی۔

اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت زید رضی اللہ عنہ کی لشکر کشیاں بہت ہیں۔ بعض میں وہ غالب رہے اور بعض میں مغلوب۔ روضۃ الاحباب میں ان سرایا کے ذکر نہ ہونے کی وجہ معلوم نہیں اور معارج النبوة میں بھی ذکر نہیں کیا گیا ہے۔ (واللہ اعلم)

سریہ عبدالرحمن رضی اللہ عنہ بن عوف بسوئے بنی کعب: اسی سال حضرت عبدالرحمن رضی اللہ عنہ بن عوف کو قبیلہ بنی کعب کی جانب اس مقام میں جسے دومۃ الجندل کہتے ہیں بھیجا گیا۔ ارباب سیر بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ کو بلایا اور اپنے سامنے بٹھایا اپنے دست مبارک سے ان کے سر پر عمامہ باندھا۔ ایک اور روایت میں غزوہ کا ذکر بھی آیا ہے اور فرمایا اغزی بسم اللہ و فی سبیل اللہ۔ خدا کے نام سے راہ خدا میں جہاد کرو جہاد کرو ہر اس سے جو کافر ہے۔ نام خدا کے ساتھ، غنیمت میں خیانت نہ کرنا، فریب نہ کرنا اور بچوں کو قتل نہ کرنا۔ ایک روایت میں آیا ہے کہ عورتوں کو قتل نہ کرنا۔ فرمایا اگر وہ دعوت اسلام قبول کر لیں تو ان کے سردار کی لڑکی کو طلب کرنا۔ اس کے بعد وہ روانہ ہوئے اور دومۃ الجندل پہنچے وہاں تین روز توقف کیا اور ان کو دعوت اسلام دیتے رہے۔ پھر اصغ بن عمرو بن کلبی جو ان کا سردار تھا اسلام لے آیا اور بہت سے لوگ اس کے ساتھ اسلام لائے۔ جن کو اللہ کی توفیق نہ ہوئی انہوں نے جزیہ دینا قبول کیا۔

ظاہر ہے کہ تمام غزوات اور لشکر کشیوں میں یہی طریقہ رہا ہوگا اگرچہ سب جگہ اس کی تصریح مذکور نہیں ہے اس لیے کہ حکم شریعت یہی ہے۔ حضرت عبدالرحمن نے اصغ کی لڑکی سے جس کا نام تماضر تھا نکاح کیا اور مدینہ منورہ واپس آ گئے۔ ان سے ابوسلمہ رضی اللہ عنہ بن سلمہ بن عبدالرحمن پیدا ہوئے۔ جو امام دین اکابر تابعین اور مدینہ کے فقہائے سید میں سے تھے۔

سریہ علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ بسوئے فدک: اسی سال حضرت علی رضی اللہ عنہ مرتضیٰ کو سو افراد کے ساتھ قبیلہ بنی سعد بن بکر کی جانب موضع فدک بھیجا گیا۔ اس کا سبب یہ تھا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر پہنچی کہ بنی سعد بن بکر کے لوگ ایک لشکر جمع کر رہے ہیں تاکہ خیبر کے یہودیوں کو کمک پہنچائیں اور وہ سب مل کر مدینہ طیبہ پر حملہ کریں۔ اس بنا پر ان کو بھیجا گیا۔ رات قطع مسافت کرتے اور دن کو پوشیدہ رہتے یہاں تک کہ فدک اور خیبر کے درمیان ان پر اچانک حملہ کر دیا۔ بنو سعد نے شکست کھائی۔ پانچ سواوٹ اور ایک ہزار بکریاں قرضہ میں آئیں۔ اس کے بعد علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ اپنے ساتھیوں کے ساتھ بغیر اس کے کہ ان کو انقضائے عہد سے طلب کیا جائے۔

آگئے۔

قضیہ عکل: اسی سال عکل (بضم عین) اور عینہ (بضم عین) کا قضیہ واقع ہوا۔ اس کو سریہ کرز (بضم کاف) بن جابر فہری بھی کہتے ہیں۔ ابن اسحاق نے کہا کہ یہ بعد غزوہ ذی قرد ماہ جمادی الاخریٰ میں واقع ہوا تھا۔ بخاری نے اس کا ذکر حدیبیہ کے ماہ ذیقعدہ میں کیا ہے اور واقدی نے ماہ شوال میں ذکر کیا ہے۔ ابن سعد و ابن حبان نے انہیں کا اتباع کیا ہے۔

صحیح بخاری میں کتاب المغازی میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ عکل اور عینہ کے لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئے اور زبان سے اسلام کا اظہار و اقرار کیا۔ پھر وہ کہنے لگے یا نبی اللہ ہم اونٹ، بکریوں والے ہیں اور ہم اہل زراعت

ناگوار اور گراں جانا۔ یہ ان کے مزاج کے موافق نہ آئی اور وہ بیمار ہو گئے۔ ان کے پیٹوں پر ورم آ گیا اور ان کا رنگ دروپ پیلا پڑ گیا۔ اس پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم فرمایا کہ ان کو اونٹ دید و دو یا تین یا دس تک حکم فرمایا۔ فرمایا ان کا دودھ اور ان کا پیشاب پیو۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اونٹ مسجد قبا کے نواح میں جبل ”عمر“ کے قریب تھے۔ انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کے بموجب اونٹوں کا دودھ اور پیشاب پیا۔ وہ صحت مند اور تندرست ہو گئے۔ اس مسئلہ میں علماء کے کئی قول ہیں۔ ایک یہ کہ جن جانوروں کا گوشت کھایا جاتا ہے ان کا پیشاب پاک ہے اگر وہ پاک نہ ہوتا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم پینے کا حکم نہ دیتے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ پینا علاج کی غرض سے تھا۔ تیسرا قول یہ ہے کہ نجس و حرام تو ہے لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمانا وحی کے ذریعہ اس قوم کیلئے مخصوص تھا تو جس سے وہ تندرست ہو کر اپنے حال پر آ گئے لیکن پھر وہ اظہار اسلام کے بعد کافر ہو گئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے چرواہے کو شہید کر کے اونٹ لے گئے۔ جب یہ خبر بارگاہ رسالت میں پہنچی تو ان کے تعاقب و تلاش میں بھیجا اور حکم دیا ان کی آنکھوں میں سلاخ پھیر کے دھوپ میں ڈال دیں تاکہ مر جائیں۔ ایک روایت میں ہے کہ مقطوع الاعضاء کو داغ نہ جائے۔ جیسا کہ عام عادت ہے وسعت بریدہ کو داغ دیتے ہیں تاکہ خون بند ہو جائے اور ہلاکت کی طرف نہ لے جائے۔ بخلاف ان لوگوں کے کہ انہیں داغ نہ دیں تاکہ خون جاری رہے اور وہ ہلاک ہو جائیں۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے ان میں سے ایک کو دیکھا ہے جو دانتوں سے زمین کو کاٹتا تھا یہاں تک کہ وہ مر گیا۔ مروی ہے کہ وہ یانی مانگتے تھے مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تمہارے لئے جہنم کی آگ ہے۔ آنکھوں میں سارخ پھیرنا، کھڑا ہونا،

گی۔ اور فتح الباری میں ہے کہ ابن التین نے گمان کیا ہے کہ عربیہ اور عکل ایک ہی قبیلہ کے نام ہیں حالانکہ ان کا یہ گمان غلط ہے بلکہ یہ دو جداگانہ قبیلے ہیں۔ عکل عدنان سے ہیں اور عربیہ قحطان سے۔

سریہ عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ: اس سال کے واقعات میں سے سر پہ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ بسوائے اسیر بن رزم یہودی خیبر کی جانب ہے اس کا سبب یہ تھا کہ جب ابورافع بن ابی العقیق مارا گیا تو یہود نے اسیر کو امیر بنایا۔ اس نے غطفان وغیرہ قبائل میں گشت کی تاکہ ان کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف جنگ کرنے کیلئے جمع کرے جب یہ خبر بارگاہ رسالت میں پہنچی تو حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ بن رواحہ کو تین شخصوں کے ساتھ حقیقت حال معلوم کرنے کیلئے بھیجا گیا۔ وہ خبر لائے پھر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کو انہی حضرات کے ساتھ بھیجا۔ یہ اسیر کے پاس پہنچے اور کہنے لگے کہ ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تیری طرف بھیجا ہے تاکہ تو بارگاہ رسالت میں پہنچے اور تجھے خیبر پر عامل بنائیں اور تجھ پر احسان فرمائیں۔ وہ ان کی اس طمع میں آ گیا اور اپنے ساتھ تین یہودیوں کو لیا تاکہ ایک مسلمان کے ساتھ ایک یہودی ہو اور چلے گیا۔ جب موضع قرقرہ میں پہنچے تو لشکر اسلام میں سے عبداللہ رضی اللہ عنہ بن انیس نے تلوار سے اسے قتل کر دیا۔ اور اپنے اونٹ سے کود پڑے۔ اس کے بعد تمام مسلمانوں نے اس کے ساتھیوں کو مار ڈالا بجز ایک شخص کے مسلمانوں میں سے کوئی بھی شہید نہ ہوا۔ پھر یہ لوگ بارگاہ رسالت میں حاضر ہو گئے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے تم کو عالم قوم سے نجات دی۔

عمر و بن امیر رضی اللہ عنہ کا مکہ بھیجنا: اسی سال کے واقعات میں سے عمرو بن امیہ ضمیری کا ابوسفیان بن حرب کی طرف مکہ بھیجنا ہے۔ اس کا سبب یہ تھا کہ ابوسفیان نے ایک شخص کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر دست درازی کیلئے مدینہ بھیجا تاکہ دھوکہ سے اپنے خنجر کے ساتھ دست درازی کرے۔ پھر وہ مدینہ آیا اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھتے ہی مسلمان ہو گیا جس کا ذکر آخر خزروہ خندق میں گزر چکا ہے۔ اس پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے عمرو بن امیہ ضمیری کو بھیجا اور سلمہ بن اسلم کو ان کے ہمراہ کیا۔ ایک روایت میں ہے جبار رضی اللہ عنہ بن صخر کو ابوسفیان کی طرف بھیجا کہ اگر ہاتھ لگے تو اس کو قتل کر دیں۔ چنانچہ حضرت عمرو بن امیہ رضی اللہ عنہ مکہ مکرمہ پہنچ گئے۔ وہ ایک رات طواف کر رہے تھے کہ اچانک معاویہ بن ابوسفیان بن حرب کی نظر ان پر پڑ گئی۔ معاویہ نے قریش کو ان کے وجود گرامی کی خبر کر دی۔ قریش نے ان کے بارے میں پوچھ گچھ کی اور تلاش کیا اور کہنے لگے مکہ والو عمرو رضی اللہ عنہ بن امیہ آ گیا ہے اس سے غافل نہ رہنا۔ چونکہ زمانہ جاہلیت میں عمرو بن امیہ اچانک قتل کر دینے میں مشہور تھے۔ مکہ والوں نے ان کی جستجو اور قتل کرنے میں اجتماع کیا۔ جب مکہ والے عمرو رضی اللہ عنہ اور سلمہ رضی اللہ عنہا کے حال سے باخبر ہو گئے تو یہ دونوں ایک دوسرے سے جدا ہو گئے۔ اور سلمہ بن ابی اسلم مدینہ لوٹ گئے اور عمرو رضی اللہ عنہ بن امیہ پہاڑوں اور مکہ کی گھاٹیوں میں چھپ گئے۔ عمرو رضی اللہ عنہ بن امیہ بیان کرتے ہیں کہ اس دوران مجھے عثمان بن مالک ملا۔ میں نے خنجر اس کے سینہ میں گھونپ دیا۔ وہ اتنی زور سے چیخا کہ بہت سے لوگوں نے اس کی آواز سنی اور اس طرف متوجہ ہو گئے۔ اور میرے پکڑنے کے درپے ہو گئے۔ میں ایک غار میں گھس گیا اور پھر اس غار سے دوے غار میں چلا گیا۔ اس غار میں میں نے ایک کانے شخص کو دیکھا جو اپنی بکریوں کو دھوپ سے سایہ میں لے آیا تھا۔ اس نے

ٹیک لگاتے ہوئے یہ شعر پڑھا۔

فَلَكُنْتُ بِمُسْلِمٍ مَا دُمْتُ حَيًّا وَلَكُنْتُ آدِينُ دِينِ الْمُسْلِمِينَ

میں جب تک زندہ ہوں مسلمان نہ ہوں گا اور میں مسلمانوں کے دین کو اختیار نہ کروں گا۔ پھر وہ شان رسالت میں بکواس کرنے لگا۔ میں نے اتنی دیر صبر کیا کہ وہ ملعون سو جائے۔ پھر میں نے گمان کی نوک کو اس کی صفحہ آنکھ پہ رکھ کر اتنی زور سے دبایا کہ اس کے دماغ تک گھس

گئی۔ اور اپنی جان داروغہ دوزخ کو دیدی (لعنۃ اللہ علیہ)۔ پھر جب میں غار سے باہر نکلا تو قریش کے دو جاسوس میرے پاس آ گئے۔ ایک کو تو میں نے تیر مارا اور دوسرا بھاگ کھڑا ہوا۔ اس کے بعد میں صحیح و سلامت حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی قدمبوسی سے مشرف ہو گیا۔ میرا وہ ساتھی بھی عافیت کے ساتھ مدینہ منورہ پہنچ گیا تھا۔ جب ابوسفیان نے حقیقت حال سے باخبری پائی تو اپنی حفاظت میں کوشش کرنے لگا اور اس میں مبالغہ سے کام لینے لگا۔ حضرت عمرو رضی اللہ عنہ بن اُمیہ ضمیری فرماتے تھے افسوس کہ ابوسفیان کی موت نہ آئی تھی اور وہ میرے ہاتھ سے بچ گیا۔

دعائے استسقاء: اسی سال حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دعائے طلب باران فرمائی ارباب سیر بیان کرتے ہیں کہ ہجرت کے چھٹے سال رمضان مبارک میں مدینہ منورہ میں قحط پڑا۔ لوگوں نے بارگاہ رسالت میں استسقاء اور استغاثہ کیلئے عرض کیا۔ پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا فرمائی اور حق تعالیٰ نے بارش فرمائی۔

صاحب سفر السعادت فرماتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے دعائے استسقاء چھ صورتوں میں واقع ہوئی ہے اول وجہ یہ کہ جمعہ کے دن خطبہ کے دوران بارش کی دعا مانگی اور فرمایا **اللَّهُمَّ اسْقِنَا، اللَّهُمَّ اسْقِنَا، اللَّهُمَّ اسْقِنَا، اللَّهُمَّ اسْقِنَا**۔ جیسا کہ بخاری و مسلم موطاء و ابوداؤد و اور نسائی میں بروایات متنوعہ سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ اقدس میں قحط پڑا تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جمعہ کے دن خطبہ دے رہے تھے اچانک ایک عربی نے کھڑے ہو کر عرض کیا یا رسول اللہ **هَلْكَ الْمَالُ وَجَاعَ الْعِيَالُ فَادْعُ لَنَا**۔ مال ہلاک ہو گئے بچے بھوکے مر گئے ہمارے لیے دعا فرمائیے ایک روایت میں ہے **فَقَطَّ الْمَطَرُ، أَحْمَدُ أَشْحَا، هَلَكَتْ أَلْفَانُ، اِرْشُ، زُفْتُمَا، مَا بَارَكَا، سَمَكَا، كَرَا، جَانَا، تَامَا، كَرَا، كَرَا، كَرَا**۔

ہے۔ **هَلَكْتُ الْمَوَاشِي وَاهْلَكْتُ الْعِيَالُ وَهَلَكَ النَّاسُ**۔ مویشی تباہ ہو گئے گھر والے ہلاک ہو گئے اور لوگ ہلاک ہو گئے۔ اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دونوں دست مبارک اٹھائے اور فرمایا۔ **اللَّهُمَّ اسْقِنَا، اللَّهُمَّ اسْقِنَا، اللَّهُمَّ اسْقِنَا** چار مرتبہ کہا۔ ایک روایت میں ہے تین مرتبہ کہا اور ایک روایت میں ہے کہ **اللَّهُمَّ اسْقِنَا** دو مرتبہ یا تین مرتبہ کہا حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ خدا کی قسم اس وقت آسمان میں ہم بادل کا ٹکڑا تک نہ دیکھ رہے تھے لیکن ابھی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے دست مبارک نیچے بھی نہ لائے تھے کہ بادل پہاڑوں کی مانند امنڈ کر آ گئے اور برسنے لگے۔ اس دن بھی دوسرے دن بھی اور تیسرے دن بھی حتیٰ کہ دوسرا جمعہ آ گیا اور بارش برابر ہوتی رہی۔ دوسروں جمعہ پھر وہی اعرابی آیا اور اس نے کہا 'یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! **هَدَمَ الْبَنَاءُ وَغَرِقَ الْمَالُ** مکانات گر گئے اور مال غرق ہو گئے' ایک روایت میں ہے **هَلَكَتِ الْأَمْوَالُ وَانْقَطَعَتِ السُّبُلُ** مال تباہ ہو گئے راستے بند ہو گئے دعا فرمائیے تاکہ اللہ تعالیٰ بادل کھول دے۔ اس پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دونوں دست مبارک اٹھائے ایک روایت میں ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بنی آدم کی زرد رنجی پر تبسم فرمایا اور دعا کی **اللَّهُمَّ حَوَالَيْنَا وَلَا عَلَيْنَا** اے خدا ہمارے گرد بارش فرما ہم پر نہیں" ایک روایت میں اتنا زیادہ ہی **اللَّهُمَّ عَلَى الْأَكَامِ وَالضَّرَابِ وَبُطُونِ الْأَوْدِيَةِ وَمَنَابِتِ الشَّجَرِ**۔ اے خدا کھیتوں پر باغوں پر چشموں پر اور درختوں کی جڑوں پر بارش فرما اور جس طرف حضور صلی اللہ علیہ وسلم انگشت مبارک سے اشارہ فرماتے جاتے اس طرف سے بادل چھٹتا جاتا رہتا رہتا کہ آسمان سے ادا ہوتا ہے۔

وسم سے قحط اور خشک سالی کی شکایت کی اس پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ عید گاہ کے میدان میں منبر رکھا جائے اور صحابہ کو ایک خاص دن معین کر کے بتایا کہ وہاں پہنچ جائیں۔ چنانچہ معینہ دن میں صحابہ وہاں پہنچ گئے اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم طلوع آفتاب کے بعد نہایت تواضع و خشوع اور انکساری کے ساتھ باہر تشریف لائے جب عید گاہ پہنچے تو منبر پر کھڑے ہو کر خطبہ دیا۔ اس خطبہ کا انا حصہ محفوظ ہے فرمایا:

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ. الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ
الْعَالَمِينَ. الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ. مَلِكِ يَوْمِ الدِّينِ. لَا إِلَهَ
إِلَّا اللَّهُ يَفْعَلُ مَا يُرِيدُ اللَّهُمَّ أَنْتَ لَا إِلَهَ إِلَّا أَنْتَ

اللہ کے نام سے شروع جو رحمن و رحیم ہے۔ تمام تعریفیں اللہ کیلئے ہیں جو جہانوں کا رب ہے۔ رحمت والا مہربان مالک قیامت کے دن کا۔ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں وہ جو چاہتا ہے کرتا ہے۔ اے خدا

اس تیسری صورت میں نماز استقاء اور خطبہ محفوظ نہیں ہے بلکہ محض دعا فرماتا ہے۔
چوتھی صورت یہ ہے کہ مدینہ طیبہ کی مسجد نبوی شریف میں دعا فرمائی اور بیٹھ کر استقاء کی۔ منبر پر بھی نہ جڑھے۔ اگر روز کا ادعا ہے

کے بارے میں جتنی حدیثیں مروی ہیں وہ اضطراب سے خالی نہیں ہیں۔ بہت سی وہ حدیث جو ان خصوصیات اور کیفیات پر مشتمل ہیں ان کی سندیں ضعف کے بغیر نہیں ہیں۔ لہذا امام اعظم رحمۃ اللہ نے اس کے خلاصہ و مقصود کو اخذ فرمایا اور وہ دعا استغفار ہے اور نماز کو بھی جائز رکھا اور جماعت و خطبہ وغیرہ کا بھی اثبات فرمایا جبکہ ان کا ماخذ یقینی اور حتمی ہو۔ صاحبین اور تینوں ائمہ کے نزدیک استسقاء میں جماعت اور ابی حنیفہ رحمہم اللہ کے ساتھ ہیں مگر اب مذہب حنفیہ میں صاحبین کے قول پر فتویٰ ہے۔ علماء فرماتے ہیں کہ استسقاء میں مقصود اصلی اتباع سنت، اقامت مراسم عبودیت چاہے بارش ہونا اور دعا کا مقبول ہونا اس کے فضل پر موقوف ہے۔

عمرہ حدیبیہ کے واقعات

ہجرت کے چھٹے سال ماہ ذی قعدہ کی چاند کوہ و شنبہ کے دن آپ کا عمرہ کے قصد سے حدیبیہ جانا ہوا۔

حدیبیہ ایک مقام کا نام ہے جو مکہ مکرمہ سے نو میل کے فاصلہ پر واقع ہے۔ یہ مقام حل و حرم کا جامع ہے۔ علماء فرماتے ہیں کہ زیادہ تر علاقہ حرم ہے۔ اصل میں حدیبیہ ایک کنویں کا نام ہے یا کسی درخت کا جو اس مقام میں ہے۔ اب یہ اس مقام کا نام ہی ہو گیا ہے۔ وہ خا ص جگہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ اقدس میں متعین و معلوم تھی اور صحابہ رضی اللہ عنہم کے زمانہ میں وہ جگہ مبہم و مجہول ہو گئی۔ لوگ اس کے پانے اور زیارت کرنے سے محروم ہو گئے۔ آپ کے سفر کی سمت تو معلوم ہے لیکن مخصوص جگہ غیر یقینی ہو گئی ہے۔ صحیح بخاری میں سعید بن المسیب جو اکابر تابعین سے ہیں۔ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ وہ ان حضرات میں سے تھے جنہوں نے درخت کے نیچے بیعت کی تھی۔ وہ فرماتے ہیں کہ جب دوسرے سال گئے تو ہم نے بتایا لیکن اس جگہ کو پہچان نہ سکے۔ طارق بن عبد الرحمن بیان کرتے ہیں کہ میں حج کیلئے گیا تو میں نے ایک جماعت کو پایا جو حدیبیہ میں نماز پڑھ رہی تھی۔ اس زمانہ میں مکہ مکرمہ آنے کا راستہ یہی حدیبیہ تھا اب حدیبیہ داہنے ہاتھ پر رہ جاتا ہے۔ فرماتے ہیں کہ میں نے ایک جماعت دیکھی جو اس مقام کی مسجد میں نماز پڑھ رہی تھی۔ میں نے پوچھا ”یہ مسجد کیسی ہے اور کیوں اس جگہ بنائی گئی ہے“۔ لوگوں نے بتایا کہ یہ جگہ اس درخت کی ہے جہاں صحابہ کرام نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس درخت کے نیچے بیعت کی تھی جسے بیعت رضوان کہتے ہیں۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

لَقَدْ رَضِيَ اللَّهُ عَنِ الْمُؤْمِنِينَ إِذْ يُبَايِعُونَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ
بے شک اللہ ان مسلمانوں سے راضی ہو گیا جو آپ کے دست اقدس پر درخت کے نیچے بیعت کر رہے تھے۔

مطلب یہ کہ حدیبیہ میں وہ جگہ جس درخت کے نیچے بیعت واقع ہوئی یہ ہے۔ لوگوں نے اس جگہ مسجد بنالی ہے جس طرح مدینہ منورہ میں تمام آثار مصطفویہ میں اور آپ کے راستوں میں مسجدیں بنی ہوئی ہیں۔ لوگ اس جگہ کو متبرک جان کر حصول برکت کرتے ہیں اور نماز پڑھتے ہیں۔ حضرت طارق فرماتے ہیں کہ اس کے بعد میں مدینہ منورہ میں حضرت سعید بن المسیب کے پاس آیا اور ان سے یہ حال بیان کیا تو آپ نے فرمایا کہ میرے والد نے مجھ سے تعین کیا ہے کہ ہم سے اس جگہ کو جہاں درخت واقع تھا بھلا دیا گیا ہے۔ لہذا ہم اس جگہ کو پانے کی قدرت نہیں رکھتے وہ جگہ ہم پر مبہم ہو گئی ہے۔ حضرت سعید بن المسیب نے فرمایا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرام تو اس جگہ کو پانہ سکے پھر تم نے کیسے جان لیا اور پالیا؟ گویا تم ان سے زیادہ جاننے والے ہو حالانکہ ان کا علم و معرفت بقرائن امارات کہ وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت میں تھے تم سے بیشتر اور زیادہ تر تھا۔ البتہ لوگوں نے اپنے قیاس و گمان سے اس جگہ کے قریب مسجد بنالی

اسے مان لیا جائے۔ باب آداب و تواضع و انکسار میں یہ عظیم اصول اور قاعدہ ہے اسے یاد رکھنا اور ملحوظ رکھنا چاہیے۔ لشکر اسلام کی تعداد میں مختلف روایتیں مروی ہیں۔ ایک روایت میں چودہ سو ہے۔ ایک روایت میں پندرہ سو ایک روایت میں تیرہ سو ہے۔ ان روایتوں کی جمع و توفیق میں کہتے ہیں کہ واقعہ چودہ سو سے زیادہ تھے لیکن جنہوں نے پندرہ سو کہا انہوں نے کسر کو بڑھا دیا ہوگا۔ جنہوں نے چودہ سو کہا انہوں نے کسر کو حذف کر دیا۔ حساب میں یہ عرب کی عادت اور سہل انگاری ہے۔ وہ کسر کا لحاظ پاس نہیں کرتے ہیں۔ جیسا کہ صاحب مواہب نے بیان کیا۔ ایک روایت میں پندرہ سو ہیں واقع ہے۔ ان تمام روایتوں کو اس طرح جمع کرنا چاہیے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم حدیبیہ کے سال کچھ اوپر چودہ سو صحابہ کے ساتھ مدینہ طیبہ سے چلے۔ اسی جمع پر امام نووی نے اپنی کتاب میں اعتماد کیا ہے۔ اب رہی تیرہ سو کی روایت۔ ممکن ہے کہ راوی اتنی ہی تعداد سے باخبر ہوا ہو اور زیادہ کی اسے خبر نہ ہوئی ہو لیکن جس نے ان سب کو دیکھا اس نے مجموعہ کو نقل کر دیا اور اصول حدیث میں مقرر و مبین ہو گیا ہے کہ ثقہ راوی کی زیادتی قابل تسلیم ہے۔ مخفی نہ رہنا چاہیے کہ اسی توجہ و تاویل کو سولہ سو اور سترہ کی روایت میں جیسا کہ بعض روایتوں میں آیا ہے ان پر اطلاق کر سکتے ہیں۔ (واللہ اعلم) لیکن اس میں ایک بات یہ ہے کہ جو کچھ کہا گیا ہے اس کی ظاہر عبادت اسی طرح متعارف ہے کہ ہزار اور چار سو تھے یا ہزار اور پانچ سو تھے۔ یا ہزار اور تین سو تھے۔ اس طرح نہیں ہے کہ چودہ سو پندرہ سو اور تیرہ سو تھے۔ اس کی تاویل اس طرح کی گئی ہے کہ سو سو کی جماعتیں جدا جدا بنی ہوئی تھیں۔ ان پر تیرہ سو یا چودہ سو یا پندرہ سو کا اطلاق نہیں ہوتا۔ اس بنا پر یہ نکتہ ظاہر کرتے ہیں کہ کذا قبل یہ غزوہ حدیبیہ ان فتوحات اور فیوضات عظیمہ کا مبداء و سرچشمہ واقع ہوا ہے جو اس کے بعد حاصل ہوئیں۔ حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ تم فتح کو فتح شمار کرتے ہو یعنی وہ فتح جو اِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتَحًا مُبِينًا میں واقع ہوا ہے۔ اسے فتح مکہ پر محمول کرتے ہو بلاشبہ فتح مکہ بقید فتح ہے ہم تو بیعت رضوان کو فتح شمار کرتے ہیں۔ مطلب یہ کہ فتح مکہ تو فتح ہے ہی لیکن بیعت رضوان فتح عظیم ہے۔ مفسرین کا آیت کریمہ ”اِنَّا فَتَحْنَا“ میں فتح کی مراد میں اختلاف ہے۔ آیا یہ فتح مکہ ہے یا فتح حدیبیہ یا وہ دیگر فتوحات جو بعد از حدیبیہ واقع ہوئیں۔ بیضاوی فرماتے ہیں کہ اس آیت میں فتح مکہ کا وعدہ کیا گیا ہے اور اسے بصیغہ ماضی تعبیر فرمانا تحقق وقوع کی بنا پر ہے۔ یا اس فتح کے ساتھ ہے جو باتفاق حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اس سال میں حاصل ہوئی جیسے فتح خیبر اور فک یا صلح حدیبیہ کی خبر دینا ہے اور اس کو فتح سے تعبیر و تمیہ فرمایا ہے۔ اس بنا پر کہ اس کے وقوع سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو مشرکوں پر غلبہ و فتح مندی حاصل ہوئی ہے کہ مشرکین صلح کے متلاشی ہو گئے۔ (ان میں جارحانہ حملوں کی اب سکت نہیں رہی ہے۔ اسلام کی قوت و طاقت کا احساس ہو گیا ہے اور اپنے عجز کا اعتراف کر لیا ہے۔ اب سلامتی صلح میں ہی ہے فافہم) اور یہ صلح فتح مکہ کا سبب اور زینہ ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اس کے بعد تمام عرب کے لئے فارغ ہو گئے ہیں چنانچہ اس کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوات فرمائے اور بہت سے مقامات کو فتح کیا اور بہت بڑی خلقت اسلام میں داخل ہو گئی۔ حدیبیہ میں بڑی بڑی نشانیاں ظاہر ہوئیں۔ روم کی فتح اور اس کا فارس پر غلبہ اسی سال ہوا۔ سورہ روم میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی فتح ہونے کو پہنچوایا گیا ہے۔

علامہ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ فتح کی تعبیر میں یہ اختلاف پرانا ہے۔ تحقیق یہ ہے کہ آیتوں میں اس کی مراد مختلف ہے۔ چنانچہ آیت کریمہ اِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتَحًا مُبِينًا میں مراد حدیبیہ ہے اس لیے کہ وہ فتح کا مبداء و سرچشمہ ہے۔ اس پر ایسی صلح مرتب ہوئی جس میں امن اور رفع جنگ واقع ہے۔ حضرت حق سبحانہ کے قول وَاَنَّا بِهِمْ فَتَحًا قَرِيبًا سے فتح خیبر مراد ہے اور اس ارشاد باری سے کہ فَجَعَلْ مِنْ دُونِ ذَلِكَ فَتَحًا قَرِيبًا اس سے بھی فتح حدیبیہ مراد ہے۔ اس فرمان سے کہ اِذَا جَاءَ نَصْرُ اللَّهِ وَالْفَتْحُ اس سے فتح مکہ

ہی مراد ہے۔

ارباب سیر بیان کرتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک خواب دیکھا کہ ”اپنے صحابہ کے ساتھ مکہ معظمہ کی زیارت اور عمرہ کرنے گئے ہیں اور خانہ کعبہ کی کنجی آپ کے دست مبارک میں ہے۔ کچھ صحابہ نے سر منڈائے ہیں اور کچھ صحابہ نے بال ترشوائے ہیں۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب صحابہ کو اپنا یہ خواب سنایا تو وہ بہت خوش ہوئے اور خیال کیا کہ اس خواب کی تعبیر اسی سال ظہور پر ہوگی۔ جب حدیبیہ کا واقعہ ایک اور نہج پر قرار پایا تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں نے یہ کب فرمایا تھا کہ اسی سال واقع ہوگا۔ (یہ تو تمہاری اپنی تعبیر اور اپنا خیال تھا) اب میں حدیبیہ کے پورے قصہ کو بیان کرتا ہوں۔

واقعہ غزوہ حدیبیہ: واضح رہنا چاہیے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اس خواب کے دیکھنے کے بعد اسباب سفر کی فراہمی میں مشغول ہو گئے۔ صحابہ سے ارشاد فرمایا کہ میں عمرہ کیلئے جاؤں گا تم بھی مستعد و تیار ہو جاؤ۔ اس کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ طیبہ سے باہر تشریف لائے اور حضرت عبداللہ ابن ام مکتوم کو مدینہ طیبہ میں خلیفہ مقرر فرما کر چھوڑ دیا۔ اکثر صحابہ نے بجز تلوار کے اور کوئی ہتھیار نہ لیا۔ کیونکہ وہ تلوار کو مسافروں کا ہتھیار کہتے ہیں۔ کچھ صحابہ نے (مثلاً حضرت عمر بن الخطاب، حضرت سعد بن عبادہ وغیرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما) نیز جسمدار اور ہتھیاردار کر لیا۔ زکات امیر کا لیکچر، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے جائز قرار دیا اور مدینہ کے اہل مذاہب کو

معلوم کرنے کیلئے یہ ارشاد فرمایا۔ مسند امام احمد کی حدیث میں اتنا زیادہ ہے کہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ اپنے صحابہ سے مشورہ کرنے والا اور کسی کو کبھی نہیں دیکھا۔ پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مقام غمیم میں خالد بن ولید قریش کے لشکر کا ہر اول دستہ لیے بیٹھا ہے تم داہنے راستہ سے چلو تا کہ صبح کو چانک ان پر پہنچیں۔

ارباب سیر کہتے ہیں کہ مسلمانوں نے جو راستہ اختیار کیا وہ نہایت دشوار اور سخت ترین تھا۔ وہاں سے گزرنا انتہائی دشوار اور مشکل تھا۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ریگزار کی صعوبتیں ملاحظہ فرمائیں تو آپ نے صحابہ کے زخموں پر مرہم رکھتے ہوئے فرمایا یہ جنت کے دروازوں میں سے ایک دروازہ ہے۔ یہ عبارت معارج النبوة کی ہے اور حقیقت میں بحکم حُفَّتِ الْجَنَّةُ بِالْمَكَارِهِ۔ ہے فرمایا راہ خدا میں جس قدر صعوبتیں برداشت کی جائیں اور خود جنت و دوزخ کی بار بار حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مثالیں دیا کرتے تھے۔ جیسا کہ فرمایا: رَأَيْتَ لَجْنَةً فِي عَرْضِ هَذَا الْحَانِطِ. میں نے جنت کو اس دیوار میں دیکھا ہے۔ کچھ ایسا ہی معاملہ اس جگہ بھی درپیش ہوا ہوگا۔

جب پہاڑیوں سے گزرے اور ہموار زمین پر پہنچے تو فرمایا: نَسْتَعْفِزُ بِاللَّهِ وَنَتَوَكَّلُ عَلَيْهِ. گویا اس راہ کی دشواریوں کے سلسلہ میں کسی دل میں کوئی خیال گزرنا ہوگا۔ اس پر آپ نے استغفار کر کے تنبیہ فرمائی۔ راوی بیان کرتا ہے کہ خدا کی قسم ان مجاہدین کے وجود گرامی کا خالد کو اس وقت تک پتہ نہ چلا جب تک کہ لشکر اسلام کا گرد و غبار اس کی آنکھوں میں نہ گھس گیا۔ اسی وقت بھاگ کر قریش سے مل گیا اور ان کو حقیقت حال سے باخبر کیا۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم مقام ثبیہ میں پہنچے جو حدیبیہ کے قریب ہے (اسے ثبیہ المرار بضم میم یا بکسر میم کہتے ہیں) تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اونٹنی قصواء زانو کے بل بیٹھ گئی۔ ہر چند اسے جھڑکا گیا اور لوگوں نے حل حل کی آوازیں بلند کیں (یہ آواز اونٹ کو اٹھانے کیلئے نکالی جاتی ہے۔ اسی طرح نخ نخ اونٹ کو بٹھانے کیلئے بولتے ہیں) مگر وہ اونٹنی نہ اٹھی۔ لوگوں نے کہا ”خلات القصوى“ اونٹنی تھک گئی ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مَا خَلَّاتِ الْقُصُوى وَمَا ذَاكَ لَهَا يَخْلُقُ. یعنی قصوی چلنے سے تھکی نہیں ہے اور نہ اس کی یہ عادت ہے۔ لَكِنْ حَبَسَهَا حَابِسُ الْفِيلِ. لیکن اسے ہاتھی کے روکنے والے نے روک دیا ہے یعنی حق تعالیٰ نے ان ہاتھیوں کو جو خانہ کعبہ کو منہدم کرنے کیلئے لائے گئے تھے جس طرح روک دیا تھا اور اسے بٹھا دیا تھا۔ اس حکم ربی کا یہاں بھی احتمال ہے چونکہ صحابہ مکہ میں داخل ہونا چاہتے تھے اور قریش داخل ہونے میں مانع اور حارج تھے۔ لامحالہ ان میں قتال واقع ہونا جو حرمت حرم کے منافی تھا۔ اگرچہ ان کا ارادہ نہ تھا مگر حق تعالیٰ نے ان کو اس سے باز رکھا۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر یہ حالت متکشف ہوئی اور آپ کے فہم عالی میں یہ نکتہ آیا۔ فرمایا: قسم ہے اس ذات کی جس کے دست قدرت میں میری جان ہے۔ ہر وہ بات جو قریش حرمت و تعظیم کعبہ کے سلسلہ میں کہیں گے میں اسے قبول کر لوں گا۔ اس کے بعد اونٹنی کو اشارہ فرمایا وہ کھڑی ہو گئی اور چلنے لگی۔ پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے راہ کو چھوڑ کر حدیبیہ کے میدان میں کنوئیں کے کنارے نزول فرمایا۔ اس کنوئیں میں بہت کم پانی تھا لوگوں نے اس سے تھوڑا تھوڑا پانی کھینچا۔ بالآخر تھوڑی دیر میں پانی ختم ہو گیا اور کنواں خشک ہو گیا۔ صحابہ نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں تشنگی کی شکایت کی۔ اس پر آپ نے ایک تیر کو کمان کے چلہ میں رکھ کر کھینچا اور کنوئیں میں چھوڑا۔ جب وہ تیر کنوئیں میں پہنچا تو پانی جوش مارنے لگا اور تمام لشکر سیراب ہوتا رہا۔ چونکہ اس منزل میں پانی کی کمی تھی اس لیے یہاں کئی معجزے ظہور میں آئے ان میں سے ایک تو یہ کہ ایک اور مرتبہ مانی کی کمی کی شکایت کی گئی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کنوئیں کے کنارے وضو فرمایا اور وضو کلی کے پانی کو

کنوئیں میں ڈال دیا۔ کنوئیں میں پانی جوش مارنے لگا۔ تمام لوگوں اور جانوروں نے خوب سیر ہو کے پیا۔ ایک اور مرتبہ لوگ آئے اور عرض کرنے لگے۔ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! اس منزل میں بالکل پانی نہیں ہے۔ بجز آپ کے پیالہ کے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے وضو کیا پھر دست مبارک کو پانی کے پیالے میں رکھ دیا۔ اس کے بعد آپ کے انگشتبائے مبارک سے چشمہ کی مانند پانی جوش مارنے لگا۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے جو اس حدیث کے راوی ہیں لوگوں نے دریافت کیا۔ تم کتنے لوگ تھے۔ فرمایا: پندرہ سو تھے۔ اگر ایک لاکھ بھی ہوتے تو وہ پانی ہم سب کو کافی ہوتا اور کم نہ ہوتا۔ اسی دوران لوگوں نے بے آبی کی شکایت کی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا فرمائی جس سے بارش ہوئی اور سب جل تھل ہو گئے۔ یہ بات صحت کو پہنچی ہے کہ جب رات کو بارش ہوئی اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم صبح کی نماز سے فارغ ہوئے تو صحابہ سے فرمایا ”تم جانتے ہو کہ تمہارا رب کیا فرماتا ہے؟“ صحابہ نے عرض کیا ”خدا اور اس کا رسول ہی دانا تر ہیں۔“ فرمایا ”حق تعالیٰ فرماتا ہے میں نے بارش بھیجی تو میرے بندوں نے اس حال میں صبح کی کہ بعض کافر ہیں اور بعض مومن۔ مطلب یہ کہ اگر وہ یہ کہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے بارش بھیجی ہے تو وہ میرے مومن بندے ہیں اور جو یہ کہیں کہ ستاروں کی وجہ سے بارش ہوئی ہے تو وہ میرے کافر بندے ہیں۔ جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ چاند کا فلاں منزل میں آنا بارش کا سبب ہوتا ہے اور وہ یہ اعتقاد رکھتے ہیں کہ جب چاند فلاں منزل میں آ جاتا ہے تو یقیناً بارش ہوتی ہے اور ناممکن ہے کہ بارش نہ ہو۔ لیکن اس کے برخلاف اگر یہ فلاں منزل میں نہ آئے تو ہرگز بارش نہ ہوگی۔ یہ اعتقاد اور یہ لفظ کفر ہیں لیکن اگر یہ اعتقاد رکھتے ہیں اور کہتے ہیں کہ جب چاند اس منزل میں آ جاتا ہے تو تقدیر الہی اور حق تعالیٰ کی تخلیق سے بارش ہوتی ہے۔ اگر حق تعالیٰ نہ چاہے تو نہیں ہوتی اور اگر چاند اس منزل میں نہ آئے اور حق تعالیٰ چاہے کہ بارش ہو تو ہو جاتی ہے۔ جس طرح کہ اسباب علوی و سماوی فراہم ہونے پر ہوتی ہے تو یہ کفر نہ ہوگا اور زبان سے نہ کہیں تو ایمان و توحید سے اور زادہ قریب و مناسب ہوگا۔ بعض روایات میں ”وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِصَحَّتِهَا“ ایک مرتبہ امیر المومنین رضی اللہ عنہ کے زمانہ

اور اگر نہ کریں گے تو صلح کی معینہ مدت تک جنگ وجدال اور حرب و قتال سے دور بیٹھے رہیں۔ اگر قریش میری ان باتوں سے جو میں نے کہی ہیں انکار اور روگردانی کریں تو قسم ہے اس خدائے پاک کی جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے میں اس وقت تک ان سے جنگ کرتا رہوں گا جب تک کہ مجھ سے میری گردن جدا نہ ہو جائے۔ بلاشبہ رب العزت اپنا حکم نافذ فرمائے گا اور اپنے دین کی مدد فرمائے گا۔ بدیل نے کہا کہ میں بہت جلد آپ کی ان باتوں کو قریش تک پہنچاتا ہوں۔ اس کے بعد وہ مجلس شریف سے اٹھا اور مشرکین کے لشکر کی جانب چلا گیا اور ان سے کہا۔ میں نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی باتیں سنی ہیں۔ اگر تم اجازت دو تو میں تمہیں سناؤں ان کے بیوقوف لوگ جیسے عکرمہ بن ابی جہل اور حکم بن العاص وغیرہ کہنے لگے ہیں۔ ہمیں ان کی باتیں سننے کی ضرورت نہیں ہے لیکن مشرکوں کے عقلمند اور صائب الرائے لوگوں نے کہا کہ جو کچھ تم نے ان سے سنا ہے۔ پھر بدیل نے جو کچھ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا تھا بیان کر دیا اور کہا اے گروہ قریش! تم محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جنگ و قتال میں جلد بازی نہ کرو۔ وہ خانہ کعبہ کی زیارت کیلئے آئے ہیں۔ ان کا تمہارے ساتھ جنگ کا ارادہ نہیں ہے۔ تمہیں یہی زیب دیتا ہے کہ تم جدال و قتال سے ہاتھ اٹھا لو۔ قریش نے بدیل کی باتوں کا یقین نہ کیا اور گمان کیا کہ بدیل نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ سازش کر لی ہے اس لیے کہ قبیلہ خزاعہ کے لوگ ہمیشہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مخلصوں میں سے رہے ہیں۔ اس اثناء میں عروہ بن مسعود ثقفی کھڑا ہوا اور کہنے لگا اے گروہ قریش! میں تمہارے بیٹوں کے مانند ہوں اور تم سب بمنزلہ باپ کے ہو۔ انہوں نے کہا ٹھیک ہے ایسا ہی ہے۔ پھر کہا۔ ”کیا میرے ساتھ تم خیانت وعداوت کے اتہام کا شبر رکھتے ہو۔ انہوں نے کہا نہیں۔ اس وقت عروہ نے اپنے سابقہ حقوق جو ان کے ساتھ پہلے سے موجود تھے۔ بیان کیے یہ عروہ وہ شخص تھا جو لوگوں کے ساتھ پہلے ہی بہت سے حقوق اور معاہدے رکھتا تھا۔ جیسا کہ اثنائے بیان میں ظاہر ہوگا۔ یہ خیال نہ کرنا کہ یہ عروہ ابن مسعود حضرت عبداللہ ابن مسعود کے بھائی ہوں گے بلکہ یہ عروہ ابن مسعود ثقفی ہے اور حضرت عبداللہ بن مسعود ہذلی ہیں۔ عروہ بن مسعود ثقفی اس وقت تک مسلمان نہ ہوا تھا آخر میں مسلمان ہو کر حاضر ہوا اور اس کے نکاح میں چار سے زیادہ عورتیں تھیں۔ اس پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے حکم دیا کہ اگر تم نے اس سے کوئی حق خواہ کچھ نہ کہو۔ اس کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا بیان ہوا کہ میں نے اس سے کوئی حق نہ لیا۔

ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ جو اس مجلس میں موجود تھے عروہ کی بات پر غیظ و غضب میں آ گئے اور اس کے بتوں کی اہانت کے درپے ہو گئے۔ انہوں نے اسے عام عرب کے عرف کے مطابق گالی دی اور فرمایا اُمُصَصُ بَطْرُ اللَّاتِ (لات کی شرمگاہ کو چاٹ) اُمُصَصُ کے معنی ہیں چاٹنا اور بَطْرُ اس گوشت کے لوتھڑے کو کہتے ہیں جو عورتوں کے ختنہ کرنے کے بعد اس کی شرمگاہ میں لٹکی رہ جاتی ہے اور ”لات“ قریش وثقیف کے مشہور بت کا نام ہے جس کو وہ پوجتے تھے۔ اہل عرب کی عادت تھی کہ جب کسی کو غلیظ گالی دینی ہوتی تو اُمُصَصُ بَطْرُ اُمُصَصُ (اپنی ماں کی شرمگاہ چاٹ) کہتے تھے اسی بنا پر حضرت صدیق رضی اللہ عنہ نے عروہ کو گالی دینے میں مبالغہ کیا اور ماں کی جگہ لات کا نام استعمال کیا۔ حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کو ایسی غلیظ گالی دینے کی ضرورت نہ پیش آتی آپ کو غصہ اس بات پر آیا کہ وہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور میں غرور و تکبر سے کام لے رہا تھا۔ آپ کے صحابہ کو بے وفا اور بھاگنے والا قرار دے رہا تھا۔ لہذا حضرت صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا اَنَسَحْنُ نَفَرًا مِنْهُ وَنَدَعُهُ کیا ہم بھاگ جائیں گے اور آپ کو تنہا چھوڑ دیں گے۔ عروہ نے حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کی بات پر سر اٹھایا اور کہنے لگا ”یہ کون ہیں جو ایسی بات کہتے ہیں؟“ صحابہ نے بتایا کہ ”یہ ابوبکر صدیق ہیں (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) عروہ کہنے لگا ”اے ابوبکر رضی اللہ عنہ آگاہ ہوں قسم ہے خدا کی تمہارا ایک حق مجھ پر ثابت ہے اور میں اسے اتار نہ سکا ہوں۔ اگر یہ بات نہ ہوتی تو میں تمہیں جواب دیتا اور تمہیں سزا دیتا۔“ عروہ پر حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کا حق یہ تھا کہ زمانہ جاہلیت میں عروہ پر دیت لازم ہو گئی تھی۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور عقبہ کے بھائیوں نے اس کی مدد کی تھی۔ ایک روایت میں ہے کہ حضرت صدیق رضی اللہ عنہ نے اسے دس جوان اونٹ دیئے تھے۔ ایک روایت میں ہے کہ اس موقع پر عروہ نے اپنے تمام ساتھیوں اور دوستوں سے مدد مانگی تھی لیکن کسی نے ایک گائے یا دو گائے سے زیادہ نہ دیا تھا مگر حضرت صدیق نے دس گائے عنایت فرمائی تھیں۔ ارباب سیر بیان کرتے ہیں کہ عروہ نے بات کرنے کے دوران بار بار حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے محاسن مبارک یعنی داڑھی شریف تک ہاتھ پہنچاتا تھا۔ جیسا کہ کمینہ خصلت عربوں کی عادت تھی۔ حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ نے اپنی تلوار کے کندے کو اس کے ہاتھ پر مار کر فرمایا ”او بے ادب! اپنے ہاتھ کو بچا کے رکھ حد ادب سے تجاوز نہ کر“ عروہ نے پوچھا ”یہ کون ہے جو مجھے ایذا پہنچاتا ہے میں نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ میں اس سے زیادہ گستاخ نہیں دیکھا (معاذ اللہ) لوگوں نے بتایا ”یہ حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ ہیں“ عروہ نے کہا ”اے غدار! میں نے نفاذ حکم اور

بہانوں سے معاملہ رفع دفع کر دیا۔ عروہ کا اپنی گفتگو میں اس واقعہ کی طرف اشارہ تھا۔

ارباب سیر بیان کرتے ہیں کہ عروہ بن مسعود گوشہ چشم سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں صحابہ کرام کو دیکھ رہا تھا اور ان کے آداب و تعظیم اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے احترام و عظمت کا مشاہدہ کر رہا تھا۔ حیران تھا جب مشرکوں میں واپس گیا تو عروہ نے کہا ”اے گروہ قریش! میں بڑے بڑے متکبر و مغرور سلاطین و بادشاہوں کی مجلسوں میں رہا ہوں اور ان کی صحبتیں اٹھائی ہیں۔ قیصر و کسریٰ اور نجاشی کے دربار میں پہنچا ہوں اور ان کے درباروں میں رہا ہوں لیکن ان میں سے کسی بادشاہ کے کسی خدمتگار کو ایسا ادب و احترام کرتے نہیں دیکھا۔ جیسا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا کرتے ہیں۔ جب وہ اپنے دہن مبارک سے لعاب شریف نکالتے ہیں تو صحابہ اسے اپنے ہاتھوں میں لے کر اپنے رخساروں پر ملتے ہیں۔ جب کسی ادنیٰ اور معمولی کام کی تعمیل کا حکم دیتے ہیں تو اس کی تعمیل کیلئے وہ بزرگ ترین صحابہ سبقت کرتے ہیں جب ان کے حضور کوئی بات کرتا ہے وہ آواز کو دبا کے بات کرتے ہیں۔ جب وہ گفتگو فرماتے ہیں تو انتہائی ادب و احترام کے ساتھ سنتے ہیں اور نگاہ ملا کر بات نہیں کرتے۔ ان کے روئے مبارک پر کوئی نگاہ نہیں جما سکتا جب وضو کرتے ہیں تو وضو کا پانی لینے میں جھگڑتے ہیں۔ چنانچہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس پر خونریزی شروع ہو جائے گی۔ جب داڑھی شریف اور سر میں کنگھی کر کے آراستہ فرماتے ہیں اور کوئی موئے مبارک ہوتا ہے تو عزت و احترام کے ساتھ تبرک جان کر لے لیتے ہیں اور اس تبرک کی حفاظت کرتے ہیں۔ یہ وہ حالات ہیں جن کا میں نے مشاہدہ کیا ہے۔ پھر صحابہ کرام کی شجاعت مردانگی، یکجہتی اور ایک دوسرے سے محبت و ایثار بیان کرتے ہوئے کہا اس سے زیادہ خیال میں بھی نہیں آ سکتا۔ خدا کی قسم میں نے ایسا لشکر دیکھا ہے جو تم سے کبھی بھی منہ نہ موڑے گا جب تک کہ تم سب کو مار نہ ڈالے یا تم پر غالب نہ آ جائے۔ عروہ چونکہ آخر کار ایمان لانے والا اور مرد پختہ کار اور قد رشاس تھا اور جتنا تعصب دیگر مشرکوں میں تھا اس میں نہ تھا۔ اس لیے اس نے جو کچھ دیکھا تھا بے کم و کاست بیان کر دیا لیکن یہ اشتیاق پھر بھی انکار پر قائم رہے اور کہنے لگے یہ نصیحت کی باتیں ہمارے کانوں کو اچھی نہیں لگتیں۔ ہم اسی ارادہ پر قائم اور مستحکم ہیں کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے صحابہ کو مکہ میں داخل نہ ہونے دیں گے اور خانہ کعبہ کی زیارت نہ کرنے دیں گے۔ اس وقت تو لوٹ جائیں اور سال آئندہ آئیں۔ جب عروہ کی کوشش اور اس کے آنے جانے سے صلح کی بنیاد رکھی گئی تو قبیلہ احابش کا ایک آدمی جس کا نام حلیس تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات کرنے کی غرض سے کھڑا ہوا اور قریش سے اجازت لے کر لشکر اسلام کے نزدیک پہنچا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ شخص اس قوم سے تعلق رکھتا ہے جو ”بدنہ“ یعنی قربانی کے جانوروں کی بہت تعظیم کرتے ہیں۔ قربانی کے اونٹوں کو اپنی جگہ کھڑا کر کے اس کے آگے سے گزرو۔ اس کے بعد آپ لبیک کہتے ہوئے صحابہ کے ساتھ حلیس کے استقبال کو آئے جب اس نے اس حالت کا مشاہدہ کیا کہ یہ حضرات زیارت کرنے والے ہیں جنگ و قتال کا ارادہ نہیں ہے تو اس کی آنکھوں میں پانی بھرا آیا اور کہنے لگا ”سبحان اللہ! اس قوم کو سزاوار نہیں ہے کہ ان کو خانہ کعبہ کی زیارت و طواف سے روکیں۔ یہ حضرات تو عمرہ ہی کیلئے آئے ہیں اور کہنے لگا هَلْ كُنْتُ قُرَيْشٌ وَرَبِّ الْكُفَّةِ۔ کعبہ کے رب کی قسم! قریش ہلاک ہوں گے۔ وہ اسی وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات کیے بغیر لوٹ گیا اور قریش کے پاس آ کر کہنے لگا میں نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے صحابہ کو دیکھا ہے وہ اونٹوں کا اشعار اور تقلید کر کے خانہ کعبہ بیت اللہ کی زیارت کیلئے آئے ہیں۔ میں اچھا نہیں جانتا کہ ان کو اس سے روکا جائے۔ قریش نے حلیس کو اس قضیہ میں ناقابل اعتبار جان کر اس کے مشورے کو نادانی اور سادہ لوحی پر محمول کیا اور انتہائی شقاوت و قسارت سے کہنے لگے۔ ”اے حلیس! تو مرد اعرابی یعنی دیہاتی ہے تو امور ملکی نہیں جانتا“ حلیس ان کی اس بات سے غضبناک ہو گیا اور کہنے لگا۔ ”اے قریش! ہم تم سے اس معاملہ میں موافقت نہیں کرتے۔ قسم ہے اس خدا کی حلیس کی جان جس کے قبضہ میں ہے اگر تم محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو خانہ کعبہ کے طواف سے روکو گے تو میں تمام احابش

کے لوگوں کے ساتھ تم سے جدا ہو کر چلا جاؤں گا۔ قریش نے عذرخواہی اور اس کی دلجوئی اور تسکین دہی کرتے ہوئے کہا ”اے حلیس! ان باتوں کو چھوڑو ہم اپنی مرضی کے موافق محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ صلح کر رہے ہیں۔“

ارباب سیر بیان کرتے ہیں۔ کہ جب قریش کی جانب سے لوگ آرہے تھے اور قریش کی قساوت دور کرنے کی کوشش کر رہے تھے اور ان اشتیاق کی شدت میں بھی کمی نہ ہوتی تھی تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی چاہا کہ کسی کو بھیج کر اس معاملہ میں سعی فرمائیں۔ آپ نے پہلے بنی خزاعہ کے ایک شخص کو بھیجا جس کا نام حراش بن امیہ کعھی تھا۔ اسے ایک اونٹ دیا تاکہ وہ ان کے دلنشین کرائے کے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا تشریف لانا زیارت کعبہ اور عمرہ ادا کرنے کے لیے ہے جنگ و قتال نہیں ہے جب وہ قریش کے پاس پہنچے تو وہ ان کے اونٹ کے درپے ہو کر حراش بن امیہ رضی اللہ عنہ کے قتل کرنے پر اتر آئے۔ ان کی قوم نے جو مکہ میں تھی ان کی حمایت کر کے چھڑایا اور انہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف واپس بھیج دیا۔ اس کے بعد سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو مخاطب کر کے فرمایا۔ ”تمہیں مکہ جانا چاہیے تاکہ انہیں سمجھاؤ کہ ہم جنگ کے ارادے سے نہیں بلکہ عمرہ کرنے آئے ہیں۔“ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا ”یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! آپ پر روشن ہے کہ قریش کی عداوت میرے ساتھ کس قدر ہے اور ان کی شدت و غلظت کس حد تک ہے۔ اگر وہ مجھ پر قابو پالیں تو یقیناً زندہ نہ چھوڑیں اور بنی عدی میں سے مکہ میں کوئی نہیں ہے جو ان کی شرارتوں پر میری حمایت کر سکے اور میری حفاظت کر سکے۔ اگر حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کو بھیجیں تو بہت مناسب ہوگا کیونکہ وہ قریش کے نزدیک زیادہ عزیز ہیں اور مکہ میں ان کے عزیز و اقارب بہت ہیں۔“ پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عثمان کو بلایا اور مکہ مکرمہ کی جانب بھیجا۔ تاکہ ابوسفیان اور صنادید قریش کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا مافی الضمیر سمجھائیں۔ اس کے بعد حضرت عثمان رضی اللہ عنہ حضور کے ارشاد کے بموجب مکہ کی طرف چلے۔ مقام ملاح میں مشرکوں سے ملے اور ان کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا پیغام پہنچا دیا۔ مگر کفار اپنی اسی جہالت و تعصب پر اڑے رہے کہ اس کا کوئی امکان نہیں ہے کہ ہم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو گزرنے دیں۔ اور بیت اللہ کی زیارت کرنے دیں۔ سبحان اللہ! یہ کتنے جاہل لوگ ہیں کہ اپنی شدت و جہالت پر اڑے ہوئے ہیں۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نرمی فرماتے ہیں اور ان کو سمجھاتے ہیں کہ جنگ کا ارادہ نہیں ہے۔ اگر آپ شدت و محاربا اختیار فرماتے تو اسی وقت ان کی جانیں منہ کو آ جاتیں۔ جیسا کہ آ خر قصہ میں ظاہر ہوگا۔

اس کے بعد ابان بن سعید بن العاص نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے ساتھ تعظیم و تکریم کا اظہار کیا انہیں اپنی سواری پر بٹھا کر خود ان کے پیچھے بیٹھ کر ردیف بن گیا اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو مکہ مکرمہ لے گیا۔ حضرت ذوالنورین رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا پیغام ابوسفیان اور دیگر صنادید قریش کو پہنچا دیا۔ یہ لوگ اپنی قوم کے ساتھ یہاں پر نہیں آئے تھے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے ان سب کو بھی اس بات میں قوم کا ہم خیال پایا۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے بھی ارادہ فرمایا کہ لوٹ چلیں۔ اس وقت انہوں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی خاطر داری کو ملحوظ رکھتے ہوئے کہا۔ ”اگر تم چاہو تو اٹھو اور طواف کرلو۔“ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا ”میں اس وقت تک طواف نہیں کر سکتا جب تک کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم طواف نہ کر لیں۔“ مشرکین نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی بات سے برہم ہو کر اور غصہ میں آ کر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو رخصت کی اجازت نہ دی۔

ارباب سیر بیان کرتے ہیں کہ جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ مکہ مکرمہ روانہ ہو گئے تو صحابہ عرض کرنے لگے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کتنے خوش نصیب ہیں کہ وہ مکہ مکرمہ پہنچ کر خانہ کعبہ کی زیارت کریں گے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ”عثمان رضی اللہ عنہ کیلئے میرا یہ خیال ہے کہ وہ ہمارے بغیر زیارت نہ کریں گے۔“ بعض روایتوں میں آیا ہے کہ دس اور مہاجرین بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اجازت سے مکہ مکرمہ گئے۔ جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی مدت اقامت مکہ مکرمہ میں دراز ہوئی اور لشکر اسلام میں یہ خبر پھیلی کہ حضرت

عثمان رضی اللہ عنہ کو دیگر ان دس مہاجرین کے ساتھ جو مکہ گئے تھے مکہ والوں نے شہید کر دیا ہے۔ اس خبر سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بہت ملال ہوا۔ ایک درخت سے پشت مبارک لگا کر صحابہ کرام سے ثابت قدم رہنے پر بیعت لی کہ اگر جنگ واقع ہوئی تو منہ نہ پھیریں گے۔ قرآن کریم میں اس بیعت کی خبر اس آیت میں دی جاتی ہے کہ:

لَقَدْ رَضِيَ اللَّهُ عَنِ الْمُؤْمِنِينَ إِذْ يُبَايِعُونَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ
بلاشبہ اللہ تعالیٰ مسلمانوں سے راضی ہو گیا جب وہ درخت کے نیچے
آپ سے بیعت کرتے تھے۔

اسی بنا پر اس بیعت کو ”بیعت رضوان“ کہتے ہیں۔ حدیث شریف میں ہے کہ جو کوئی بیعت رضوان میں حاضر ہوا اسے آگ نہ پہنچے گی۔ ایک روایت میں ہے جو کوئی حدیبیہ میں موجود تھا اسی طرح اہل بدر واحد کے بارے میں مروی ہے۔ اس بیعت میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے بائیں ہاتھ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا یہ عثمان رضی اللہ عنہ کا ہاتھ ہے اس کے بعد آپ نے دائیں ہاتھ کو اپنے بائیں ہاتھ پر رکھ کر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی جانب سے آپ نے خود بیعت فرمائی۔ ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ جل شانہ کی حکمت حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کی خبر پھیلانے سے بیعت لینا مقصود ہو اور اس کی وجہ یہ ہے کہ جب قریش نے اس بیعت کی خبر سنی تو ان میں ایک خوف اور ان کے دلوں میں ہراس پیدا ہوا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ان کے ساتھ جنگ کرنے پر آمادہ ہو گئے۔ اس پر وہ پریشان ہو گئے، صلح اختیار کی اور اپنے خطیب سہیل بن عمرو کو اس مہم کیلئے بھیجا۔ ایک روایت میں آیا ہے کہ سہیل بن عمرو کے آنے سے پہلے حلیس کے واپس جانے کے بعد کرز بن حفص قریش کی اجازت سے لشکر اسلام میں داخل ہوا تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے دور سے دیکھ کر فرمایا اے کرز بن حفص! جو آرماء سے مدد جا رہے۔ ایک روایت میں ہے کہ وہ مرد غادر ہے یعنی مکار و فریبی شخص ہے اس

ساتھ بھیجا تھا گرفتار کر لیا اور ان کو بارگاہ نبوت میں لے آئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو قید کرنے کا حکم فرمایا تھا۔ جب سہیل نے ان کی بازیابی کا مطالبہ کیا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم میرے صحابہ کو یعنی حضرت عثمانؓ ان کے ساتھ دس مہاجرین کو جو مکہ گئے تھے اور رات سے گھیر رکھا ہے بھیج دو تا کہ میں بھی تمہارے قیدیوں کو چھوڑ دوں۔ اس پر خویش طب بن عبد العزیٰ اور کرز بن حفص نے سہیل کے اتفاق سے کسی کو مکہ بھیجا تا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ان صحابہ کو جنہیں مکہ مکرمہ میں روک رکھا ہے بھیج دیں۔ اس کے بعد ان قیدیوں کی بھی رہائی ہو جائے گی۔ چنانچہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ بن عفان اپنے دس ساتھیوں کے ساتھ لوٹ آئے۔ معارج النبوة میں اسی طرح لکھا ہے لیکن روضۃ الاحباب میں اس طرح ہے کہ کفار قریش کے ان پچاس آدمیوں کو جن کو محمد رضی اللہ عنہ بن مسلمہ لائے تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی وقت ان کے ساتھ مہربانی فرمائی اور سب کو مکہ مکرمہ بھیج دیا۔ اس روایت میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا آنا اس وقت مذکور ہے جب وقوع صلح اور صلح نامہ کی کتاب سے فراغت کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سہیل بن عمرو کو اپنے پاس روک لیا اور فرمایا کہ جب تک حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نہ آجائیں ہم تمہیں نہیں چھوڑیں گے۔ اس کے بعد اس نے قریش کو لکھا کہ عثمان رضی اللہ عنہ کو بھیج دو تا کہ میں خلاصی پاؤں۔ جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ آ گئے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سہیل کو رخصت کر دیا۔ اسی طرح مواہب میں بھی مرقوم ہے۔ (واللہ اعلم)

صلح نامہ حدیبیہ: اس کے بعد خویش طب بن عبد العزیٰ اور کرز بن حفص اور سہیل بن عمرو نے صلح کے سلسلہ میں گفتگو کی۔ سب سے پہلی شرط جو سہیل نے رکھی یہ تھی کہ اس سال تو یہاں سے آپ لوٹ جائیں اور آئندہ سال عمرہ کیلئے تشریف لائیں۔ دس سال تک ہمارے اور آپ کے درمیان صلح رہے گی، جنگ و مقابلہ اور جدال مرفوع رہے گا۔ ایک دوسرے کے شہری امن و سلامتی سے رہیں گے اور ایک دوسرے کے ساتھ تعرض نہ کریں گے۔ حلیف اور ہم عہد ایک دوسرے کو نقصان نہ پہنچائیں گے۔ مشہور یہ ہے کہ مدت مصالحت دس سال تھی۔ جیسا کہ سیر کی کتابوں میں مذکور ہے لیکن ابوداؤد میں بروایت حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما اور ابو نعیم مسند میں حضرت عبد اللہ ابن دینار رضی اللہ عنہ سے نقل کرتے ہیں کہ مدت مصالحت چار سال تھی۔ اسی طرح حاکم نے مستدرک میں روایت کیا جیسا کہ مواہب لدنیہ میں منقول ہے۔

دوسری شرط یہ تھی کہ سال آئندہ جب آئیں تو تین دن سے زیادہ قیام نہ کریں گے اور یہ کہ تلواریں نیام میں رہیں گی۔ تیسری شرط عجم شیعہ تھے، وہ یہ کہ جو کوئی ہماری جانب سے بغیر اجازت کے از خود تم میں جلا جائے اسے ہماری طرف لوٹا دس گے اگرچہ مسلمان ہو کر

ہی پہنچے اور جو کوئی آپ کی طرف سے آجائے گا اسے ہم نہ لوٹائیں گے۔ مسلمانوں نے اس شرط پر تعجب کیا اور کہنے لگے ہم کس طرح اسے لوٹائیں گے جو مسلمان ہو چکا ہو۔ ایک روایت میں آیا ہے کہ جب سہیل نے اس شرط کا ذکر کیا تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ایسا ہی ہوگا۔ سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! آپ اس شرط پر راضی ہوتے ہیں؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تبسم فرمایا اور فرمایا "اے عمر رضی اللہ عنہ! جو کوئی ان کے پاس سے ہمارے پاس مسلمان ہو کر آئے گا اور ہم اسے لوٹائیں گے تو حق تعالیٰ اس کیلئے کشادگی اور آزادی کی راہ پیدا فرما دے گا۔ جو کوئی ہم میں سے انحراف کر کے مشرکوں کی طرف جائے گا ہمارا اس سے کیا سروکار ہے وہ کفار کی صحبت کے ہی لائق ہے اس آخری شق کا وقوع بہت کم ہوگا اور یہ کمتر واقع ہوگا۔ لیکن شق اول وقوع پذیر ہوگا لیکن بالآخر عاقبت بخیر اور معاملہ احسن وجود میں آئے گا۔ جیسا کہ ابوبصیر رضی اللہ عنہ کا قصہ آخر قضیہ میں مذکور ہوگا اور خوب واضح ہو جائے گا۔ اسی گفتگو کے دوران ابوجندل رضی اللہ عنہ جو سہیل بن عمرو کے لڑکے تھے اور وہ پہلے سے مسلمان تھے۔ ان کو ان کے باپ نے قید خانہ میں بیڑیاں پہنا کر محبوس کر رکھا تھا۔ وہ کلمہ شہادت پڑھتے ہوئے خود کو مسلمانوں کے درمیان ڈال دیا۔ سہیل نے کہا "اے محمد صلی

اللہ علیہ وسلم! یہ پہلا امر ہے جس پر صلح قرار پائی ہے ان کو میرے سپرد فرمائیے اور ہماری طرف لوٹائیے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ”صلح نامہ کی کتابت سے ابھی ہم فارغ نہیں ہوئے ہیں۔ یہ شرط صلح کے تمام ہونے کے بعد سے نافذ ہوگی مگر اس نے مکار برہ و مجادلہ ضد و ہٹ دھرمی دکھائی اور کہنے لگا۔ ”اگر آپ ایسا نہیں کرتے تو ہم صلح نہیں کرتے اور کسی بات میں بھی ہمارے اور تمہارے درمیان صلح نہیں ہے۔“ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر فرمایا ”اس ایک معاملہ کو میری خاطر سے مستثنیٰ رکھو اور نرمی و آسانی پیدا کرو۔“ اس نے کہا ”میں نہیں کرتا۔“ پھر فرمایا ”مان لے“ اس نے کہا ”میں نہیں مانتا۔“ ہر چند حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اصرار فرمایا اور منوانے میں مبالغہ کیا مگر سہیل نے قسادت و عداوت کی بنا پر جو بیٹے کے مسلمان ہو جانے سے پیدا ہوئی تھی قبول نہ کیا۔ کرزا بن حفص باوجود یکہ وہ فاجر و غادر تھا اس نے کہا ہم ماننے لیتے ہیں مگر سہیل نے قبول نہ کیا۔ آخر کار حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ابو جندل رضی اللہ عنہ کو اس کے سپرد کر دیا اور فرمایا ”اب ان پر عذاب و ایذا نہ کرنا۔“ کرزا اس کا ضامن ہو گیا۔ ابو جندل رضی اللہ عنہ نے کہا ”اے مسلمانو! مجھے مشرکوں کے سپرد نہ کرو میں مومن و مسلمان ہو کر تمہاری پناہ میں آیا ہوں، تمہیں معلوم نہیں ان کافروں نے مجھ پر کس کس طرح کے عذاب پہنچائے ہیں۔“ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ”اے ابو جندل رضی اللہ عنہ! صبر کرو اور دل کو خوش رکھو۔ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم پر اعتماد رکھو یقیناً وہ تمہارے لیے کشادگی اور آزادی کی راہ پیدا فرمائے گا۔ اب ان لوگوں کے ساتھ شرط واقع ہو چکی ہے اور عہد باندھا جا چکا ہے۔ غدرو بیوفائی ہمارا کام نہیں ہے۔ صبر کرو۔ فَإِنَّ الصَّبْرَ مِفْتَاحُ الْفَوْزِ بلاشبہ صبر کشادگی کی کنجی ہے۔

اس مقام میں علماء و دو جہیں بیان کرتے ہیں ایک یہ کہ ایسی حالت میں جیسی ان کی ہے اجر و ثواب نقد ہے اور اس کا حصول عزیمت ہے۔ باقی اگر رخصت پر عمل کرنے ظاہر کو باطن کے موافق نہ بنائے اور اپنے اسلام کو کافروں پر ظاہر نہ کرے تو بھی جائز ہے۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ باپ کتنی ہی دشمنی اور بے مہربانی کرے۔ نسبت پداری کا علاقہ نہیں ٹوٹتا جب تک کہ وہ مرنے جائے۔ اسی بنا پر حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے ابو جندل رضی اللہ عنہ کو ابھارا کہ وہ باپ کو قتل کر دے اور خوب ظاہر و وضاحت کے ساتھ اسے سمجھایا کہ یہ مشرکین نجس ہیں ان کا خون کتوں کے خون کی مانند ہیں تم اپنے باپ کو قتل کر دو۔ مگر ابو جندل رضی اللہ عنہ باپ کو قتل نہ کر سکے اور اپنے باپ کو مارنے، اس کے ہلاک کرنے میں بخلی دکھائی اور باپ سے بھی اس کا وجود سرزد نہ ہو سکا اور وہ بھی اپنے بیٹے کو ہلاک و قتل کرنے کی ہمت نہ کر سکا۔

غرض کہ گفت و شنید سے جب صلح کی شرائط طے پا گئیں تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے قلم دوات اور کاغذ حضرت اوس رضی اللہ عنہ بن خوی انصاری کو دیا تاکہ وہ صلح نامہ لکھیں۔ یہ خط و کتابت میں مہارت رکھتے تھے۔ سہیل نے کہا ”اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم! صلح نامہ آپ کے چچا کے فرزند علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو لکھنا چاہیے۔ ظاہر ہے کہ یہ بات اس بنا پر ہوگی کہ مصالحت، معاہدہ اور اس کے نقص کے معاملہ میں حق و ادلی شخص عصبات اور اس کے گھر والے ہی ہوتے ہیں۔ اسی بنا پر سورہ توبہ کے پڑھنے کیلئے جس میں نقض عہد اور منافقین کی توبہ تھی۔ حج کیلئے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو امیر الحاج کر کے بھیجنے کے بعد حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو بھیجا تھا۔ جیسا کہ گزر چکا ہے۔ ایک روایت میں ہے کہ یا حضرت عثمان لکھیں چونکہ عثمان رضی اللہ عنہ بھی عصبات میں سے تھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے داماد تھے۔ اس پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو بلا کر فرمایا لکھو۔ بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ سہیل نے کہا ہم ”رحمن“ کو نہیں پہچانتے۔ اور ایک روایت میں ہے کہ اس نے کہا ”الرحمن الرحیم“ کیا ہے؟ ہم اسے نہیں جانتے۔ لکھو ”بسمک“ جیسا کہ عام طور پر لکھا جاتا ہے اور جاہلیت میں متعارف و معبود تھا کہ خط کے عنوان پر ”بسمک“ لکھتے تھے۔ بسم اللہ الرحمن الرحیم“ کا کلمہ نہ تھا اسے تو دین اسلام نے وضع کیا ہے۔ اس پر مسلمانوں نے کہا واللہ ہم نہیں لکھیں گے۔ مگر ”بسم اللہ الرحمن الرحیم“ پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ”اے علی! لکھو بِسْمِکَ اللّٰہُ“ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا میں نے ایسا ہی لکھا ہے یعنی بِسْمِکَ اللّٰہُ

حالانکہ یہ سہیل کا جھگڑا پن ہے اس لیے کہ دونوں کلاموں کا مضمون ایک ہی ہے اور جو کچھ کافروں نے چاہا اس میں کوئی خرابی بھی نہیں ہے۔ خرابی تو اس صورت میں تھی اگر وہ اپنے شیطانوں اور بتوں کے نام کا مطالبہ کرتے۔

اس کے بعد فرمایا لکھو ہَذَا مَا قَاضَى بِهِ مُحَمَّدٌ رَسُوْلُ اللّٰهِ (اللہ کے رسول محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے جو فیصلہ فرمایا ہے یہ وہ ہے۔) حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے اسے لکھ لیا۔ سہیل نے کہا ”ہم آپ کی رسالت کا اقرار نہیں کرتے۔ خدا کی قسم! اگر ہم جانتے کہ آپ خدا کے رسول ہیں تو اس کے گھر کی زیارت سے ہم آپ کو نہ روکتے۔ اس میں لکھئے ”محمد بن عبد اللہ“ سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں محمد رسول اللہ بھی ہوں اور محمد بن عبد اللہ بھی ہوں۔ لکھو محمد بن عبد اللہ اور لفظ رسول اللہ کو جو کر کے اس کی جگہ ابن عبد اللہ لکھ دو۔ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے کہا میں ایسا ہرگز نہیں کر سکتا کہ میں وصف رسالت کو جو کر دوں۔ روایت میں ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کاغذ کو ہاتھ سے رکھ دیا اور ہاتھ تلوار پر لے گئے۔ حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کا لفظ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جو کر کے سے انکار کرنا از باب ترک امثال نہیں ہے جو مستلزم ترک ادب ہے بلکہ عین امثال وادب ہے جو انتہائی عشق و محبت پر دلالت کرتا ہے۔

اس کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے ہاتھ سے تحریر لے کر لفظ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جو کر کے اس کی جگہ ابن عبد اللہ لکھ دیا۔ واضح رہنا چاہیے کہ اس حدیث کی ظاہر عبارت ایسی ہے جس سے پتہ چلتا ہے کہ اس لفظ کو حضور صلی

ایک روایت میں ہے کہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے فرمایا ”اے عمر رضی اللہ عنہ جاؤ“ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی رکاب سعادت ہاتھ میں لڑکسی قسم کا اعتراض نہ کرو۔ وہ خدا کے بھیجے ہوئے ہیں جو کچھ کرتے ہیں وحی سے کرتے ہیں۔ اس میں مصلحت ہوگی اور خدا ان کا ناصر و مددگار ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا یہ قول دریافت کرنے اور معلوم کرنے کیلئے تھا نہ کہ برسبیل شک و انکار حاشا وہ اس سے پاک ہیں۔“ اس کے باوجود حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ عمر گزر گئی۔ اس دن جو سو سہ شیطانیں اور نفس کا دھوکہ میرے دل میں لاحق ہوا تھا اس پر میں برابر استغفار میں مشغول ہوں، اعمال صالحہ مثلاً روزہ، نوافل، غلاموں کو آزاد کرنا اور صدقہ و خیرات کے ذریعہ تو سہل کرتا ہوں تاکہ اس کا کفارہ ہو اور میں بری ہو جاؤں۔“

صاحب مواہب فرماتے ہیں کہ اس صلح پر جو مصالح مترتب ہوئے اور روشن و واضح ثرات و فوائد ظاہر ہوئے۔ ان میں سے ایک یہ ہے کہ اس کے نتیجہ میں مکہ فتح ہوا۔ مکہ والے اسلام میں داخل ہوئے اور عام لوگ خدا کے دین میں داخل ہوئے۔ اس لیے کہ صلح سے پہلے کفار مسلمانوں کے ساتھ فحظ اور ملے جلے نہ تھے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اوضاع و اطوار اور آپ کے حالات ان پر ظاہر نہ تھے۔ جیسا کہ چاہیے اور صحبت و غلوت کسی کے ساتھ نہ رکھتے تھے۔ جو وہ جانتے اور علم حاصل کرتے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے احوال و صفات کی خبر ہوتی اور ان پر حقیقت واضح و روشن ہوتی۔ جب صلح حدیبیہ واقع ہوئی تو کفار مسلمانوں کے ساتھ ملے جلے اور مدینہ طیبہ آئے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ کرام اور ان کے اقارب و ہمتار

بے خوف مباحثہ و مناظرہ کرتے اور مسلمان بے تھجک مکہ مکرمہ جاتے اور اپنے اہل و عیال کے ساتھ تہائیوں میں بیٹھتے۔ اپنے یاروں و دوستوں میں بیٹھتے، ان کو نصیحتیں کرتے۔ جب اہل مکہ نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے احوال شریفہ، معجزات طاہرہ، آثارہ بینہ کو سنا اور آپ کی نبوت کی نشانیوں، آپ کے حسن سیرت اور جمال طریقت سے وہ ناخبر ہوئے تو ان کے دلوں میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت پیدا ہوئی۔ ان کے باطن، ایمان و احکام کی طرف مائل ہوئے حالانکہ یہ وہی لوگ تھے جو اس سے پہلے اہل کفر و طغیان کی باتوں اور نفس و شیطان کی فریب کاریوں کے سوا کچھ نہ سنتے تھے۔ پھر صلح حدیبیہ اور فتح مکہ کے درمیان بہت بڑی جماعت اسلام لے آئی۔ اور اسلام اور

إِذَا جَاءَ نَصْرُ اللَّهِ وَالْفَتْحُ ۖ وَرَأَيْتَ النَّاسَ يَدْخُلُونَ فِي دِينِ اللَّهِ أَفْوَاجًا ۝
جب اللہ کی مدد اور فتح آئی اور تم نے دیکھا کہ لوگ خدا کے دین میں فوج در فوج داخل ہوتے ہیں۔

ان تمام امور و فتوح کا مبداء و سرچشمہ یہی صلح حدیبیہ تھی۔ مفسرین کی بیشتر جماعت حق سبحانہ کے قول: "إِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُبِينًا" میں فتح سے یہی صلح حدیبیہ کا قصہ مراد لیتی ہے۔ اس کے ساتھ وہ اقوال بھی ہیں جو پہلے ذکر کیے گئے۔

علماء کا اس میں اختلاف ہے کہ کیا مشرکوں کے ساتھ ایسی صلح (کسی مسلمان کیلئے نبی کے سوا) جائز ہے کہ جو کوئی مسلمان ان کی طرف آئے اس کو انہیں لوٹا دیں گے۔ علماء کی ایک جماعت کہتی ہے کہ جائز ہے بر بنائے قصہ ابو جندل رضی اللہ عنہ ابو بصیر رضی اللہ عنہ اور ایک جماعت علماء کی یہ کہتی ہے یہ جو کچھ واقع ہوا منسوخ ہے۔ اس کی تائید یہ حدیث ہے کہ فرمایا اَنَا بَرِيءٌ مِنْ مُشْرِكِيكُمْ بِعَيْنِي یعنی میں اس مسلمان سے بری ہوں جو مشرکوں کے درمیان ہے۔ امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ کا قول یہی ہے۔ امام شافعی کے نزدیک عاقل و مجنون اور بچوں کے درمیان حکم میں فرق ہے۔ مطلب یہ کہ مجنون اور بچے تو لوٹائے نہ جائیں گے اور عاقل کو لوٹایا جائے گا۔

دست اقدس سے کتابت فرمانے کی بحث: تنبیہ: پہلے اشارہ کیا جا چکا ہے کہ علماء سیر اور توارخ کے درمیان اختلاف ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اسم شریف کی خود کتابت فرمائی۔ جیسا کہ قریش نے چاہا یا حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو حکم فرمایا کہ لکھو۔ پہلے قول کے قائلین ظاہر حدیث سے استدلال و تمسک کرتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے فرمایا مجھے وہ جگہ بتاؤ جہاں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تحریر سے۔ تو حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے وہ جگہ بتائی۔ پھر آپ نے "رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وسلم" کو محو فرما کے محمد بن عبد اللہ کو اس کی جگہ لکھا۔ اسی طرف ابو الولید باجی جو علماء مغرب کے اعظم میں سے ہیں گئے ہیں۔ انہوں نے دعویٰ کیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دست مبارک سے باوجود اس کے کہ آپ لکھنا نہیں جانتے تھے۔ اسے تحریر فرمایا ان کے زمانہ کے اندلس کے علماء نے ان کو برا کہا اور ان کی طرف کفر و زندقہ کی نسبت کی۔ بایں سبب کہ ان کا قول نص قرآنی کے مخالف ہے۔ اسی معنی میں ان علماء میں سے ایک نے یہ شعر کہا۔ شعر:

بَرَاءْتُ مِمَّنْ شَرَىٰ دُنْيَا بِأَخْرَجَتْهُ
وَقَالَ إِنَّ رَسُولَ اللَّهِ قَدْ كَتَبَهُ

مطلب یہ کہ میں اس شخص سے بیزار ہوں جس نے دنیا کے بدلے اپنی آخرت بیچی اور کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بلاشبہ خود لکھا۔ علماء اندلس نے فرمایا کہ حق تعالیٰ نے اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کو تحریر و کتابت اور دیکھ کے پڑھنے سے مبرا و منزه بتایا۔ آپ کو نبی امی پیدا فرمایا اور اسے آپ کی نبوت کا برہان قرار دیا۔ فرمایا: وَمَا كُنْتُ تَسْلُوًا مِنْ قَبْلِهِ مِنْ كِتَابٍ وَلَا تَخْطُهُ بِمِصْرِكَ إِذَا لَارْتَابَ الْمُضْطَلُونُ۔ اور آپ نے اس سے پہلے کوئی کتاب نہ پڑھی تھی اور نہ اپنے دست مبارک سے اسے آپ نے لکھا۔ اس وقت یقیناً باطل لوگ شک میں پڑے لہذا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کیلئے کتابت ثابت کرنا اس برہان کے ابطال کا موجب ہوگا اور موجب کفر ہوگا۔ جب علماء کے درمیان یہ مناظرہ اور محاذلہ برپا ہوا تو امیر وقت نے ان سب کو جمع کیا۔ ان علماء پر امیر وقت نے اپنے علم و معرفت کا اظہار باجی کی حمایت میں کیا اور کہا کہ یہ قرآن کے منافی نہیں ہے بلکہ مفہوم قرآن سے ماخوذ ہے۔ اس لیے کہ نفی کو نزول قرآن سے ماقبل کے ساتھ مقید کیا گیا ہے۔ جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی امتیث و تحقق و ثابت ہوگئی اور اس کا ظہور آپ کے معجزہ کے طور پر ہوا تو شک و ارتیاب سے محفوظ حاصل ہوگئی۔ اس میں کوئی مانع اور حارج نہیں ہے کہ بغیر سیکھے تحقیق امتیث کے بعد کتابت سے واقف ہو جائیں۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ایک اور معجزہ ہے۔ ابن دجیہ نے بیان کیا ہے کہ افریقہ کے علماء کی جماعت نے اس معنی میں باجی

علماء عصر سب موافقت کرتے ہیں۔ بعض علماء تو ابن ابی شیبہ کی اس روایت سے جو بطریق مجاہد از عون بن عبداللہ مروی ہے۔ استدلال کرتے ہیں کہ اَمَّا اَبُو اَدَسٍ، ثُمَّ اُفٍّ اَللّٰهُ صَلَّ اللّٰهُ عَلَیْہِ وَسَلَّمٌ حَتّٰی کَتَبَ یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رحلت نہ ہوئی یہاں



ایسا ہوتا تو شبہ لوٹ سکتا ہے اور معاند کہہ سکتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم خط و کتابت کو جانتے تھے مگر چھپائے ہوئے تھے۔ قرآن کریم میں جو فرمان باری ہے کہ وَمَا كُنْتُمْ تَلُوْنَ مِنْ قَبْلِهِ مِنْ كِتَابٍ وَلَا تَخُطُّهُ بِيَمِينِكَ. معاند کو کیا فائدہ دیتا۔ شیخ ابن حجر فرماتے ہیں کہ حق و صواب یہی ہے کہ ”کتب“ کے معنی لکھنے کا حکم فرمانا ہے۔ (واللہ اعلم)

بعد صلح حدیبیہ قربانی کرنا: جب صلح نامہ کی کتابت مکمل ہو گئی تمام اکابر صحابہ کرام اور بعض مشرکین نے بھی اپنی گواہیاں لکھ دیں تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ سے فرمایا کہ اب اٹھو اور اپنے ہدی کے اونٹوں کو ذبح کر دو۔ اپنے سر کے بال ترشالو اور احرام

سر مبارک کے بالوں کو کھجور کے درخت پر جو کہ قریب تھا رکھا اور صحابہ کرام ان مویہائے مبارک کے حصول کیلئے ایک دوسرے پر اثر و ہام کر کے آئے۔ ام عمارہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ میں بڑی سعی و کوشش سے ان میں سے چند مویہائے مبارک کی حصول یابی میں کامیاب ہوئی۔

عہد کا ایسا فرما دیا۔ اب مجھے حق تعالیٰ نے ان سے آزادی بخشی اور ان کے شر سے محفوظ رکھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: وَلَوْلَا بَنِي بَصِيرٍ مُّسْعِرُ حَرْبٍ لَّوْكَانَ لَهُ أَحَدٌ“ یعنی یہ ابوبصیر جنگ کی آگ کو بھڑکانے والا اور تیز کرنے والا ہے اور کوئی جو اس کی امداد و اعانت کرے؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ کلام اس طرف اشارہ کر رہا ہے کہ ابوبصیر رضی اللہ عنہ کو چاہیے کہ بھاگ جائے اور جو مسلمان مکہ مکرمہ میں مجبوس و ممنوع ہیں ان کے ساتھ مل جائے۔ شارحین کے نزدیک اس کا یہی مطالبہ ہے۔ اس عبارت کا مطلب ابوبصیر رضی اللہ عنہ کے عمل کی مذمت و برائی کرنا نہیں ہے بلکہ مراد تعجب ہے کہ یہ شخص عجیب مرد فرزند اور بہادر ہے۔ اگر کوئی اس کی نصرت و اعانت کرے تو یہ بڑے بڑے کام کر سکتا ہے اگرچہ سیاق کلام اور اقتضائے مقام سرزنش اور شکایت کے غماز ہیں۔ کہ یہ شخص جنگ اور فتنہ کی آگ کو بھڑکائے گا اور کوئی ہے جو اسے سمجھائے کہ یہ ہمارے پاس نہ آئے اور یہاں سے چلا جائے۔ کیونکہ اس کی ہمارے پاس موجودگی فتنہ اور جنگ کا باعث بن سکتی ہے اور یہ کہ کوئی ہے جو انہیں پکڑ کر دوبارہ قریش کے سپرد کر دے۔ اس میں فرار کی طرف بھی تلقین و تعلیم ہے۔ (نافہم)

ابوبصیر رضی اللہ عنہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے جب یہ بات سنی تو فوراً واپس ہوئے اور مسجد سے نکل کر بھاگ کھڑے ہوئے یہاں تک کہ ساحل دریا پر پہنچ کر ”منزل عیص“ میں ٹھہر گئے۔ یہ منزل قریش کے شام کی طرف تجارت کی غرض سے جانے والے قافلوں کی گزر گاہ تھی۔ پھر تو رفتہ رفتہ ایسا ہوا کہ جو کوئی اہل مکہ میں سے مسلمان ہوتا وہ ان کے پاس آ جاتا اور یہ لوگ اسی طرح مجتمع ہوتے جاتے۔ اہل سیر کہتے ہیں کہ امیر المومنین سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے ابوجندل رضی اللہ عنہ کو جو سہیل بن عمرو کا بیٹا تھا جو حدیبیہ میں مسلمان ہو کر آیا تھا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو اس کے باپ کے سپرد کر دیا تھا۔ پیغام پہنچایا اور ابوبصیر رضی اللہ عنہ کے قصہ کی خبر پہنچائی۔ تو وہ بھی باپ کے پاس سے بھاگ کر ابوبصیر رضی اللہ عنہ کے پاس آ گئے یہاں تک کہ ایسے لوگوں سے ایک بہت بڑی جماعت بن گئی اور یہ قریب تین سو کے ہو گئے۔ قریش کا جو قافلہ بھی شام کی طرف جاتا یہ حضرات اس قافلہ کو سہراہ پکڑ لیتے۔ قافلہ کے لوگوں کو قتل کر دیتے اور ان کے اموال پر قبضہ کر لیتے تھے۔ چنانچہ قریش اس صورت حال سے تنگ آ گئے اور اپنے کیے پر پشیمان ہونے لگے۔ ابوسفیان بن حرب کو قریش نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بھیجا اور خدا کی قسم دی کہ اس جماعت کو اپنے پاس بلا لیں۔ ہم اس شرط کو اٹھاتے ہیں ہم میں سے جو کوئی آپ کے پاس آئے گا امان میں رہے گا، ہمیں اس سے کوئی سروکار نہیں۔ اس کے بعد خواجہ کائنات علیہ افضل الصلوٰات واکمل التسلیمات نے کسی کو ان کی طرف بھیج کر انہیں اپنے ظل عافیت میں بلا لیا۔ ایک روایت میں ہے کہ ایک خط ابوبصیر رضی اللہ عنہ کے نام لکھا کہ تم اپنے تمام ساتھیوں کے ساتھ ہمارے حضور آ جاؤ۔ جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا مکتوب گرامی ابوبصیر رضی اللہ عنہ کو پہنچا تو وہ نزع کے عالم میں تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا نام گرامی ہاتھ میں لیا سر آنکھوں پر رکھا اور جاں بحق تسلیم ہو گئے۔ اس کے بعد ابوجندل رضی اللہ عنہ نے ان کو غسل دے کر تجہیز و تکفین کر کے دفن کیا، ان کی قبر کے پاس ایک مسجد بنائی اور اپنے ساتھیوں کے ساتھ مدینہ منورہ آ گئے۔

بادشاہوں کی طرف وفود و فرامین کی ترسیل

اسی سال حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اطراف و اکناف کے سلاطین اور بادشاہوں کی طرف وفود و فرامین ارسال فرمائے۔ بعض اہل سیر کا خیال ہے کہ ترسیل فرامین کا عمل ہجرت کے ساتویں سال ماہ محرم سے تعلق رکھتا ہے۔ ظاہر ہے کہ چونکہ یہ چھٹے سال کے آخر اور ساتویں سال کے شروع میں تھا یا یہ کہ چھٹے سال میں ارادہ فرمایا۔ ساتویں سال اس پر عمل ہوا یا یہ کہ کچھ کو چھٹے سال میں بھیجا اور کچھ کو ساتویں سال میں۔ اس بنا پر ان کو اشتباہ لاحق ہو گیا۔ (واللہ اعلم)

انگشتری مبارک: حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب ارادہ فرمایا کہ ان بادشاہوں کو فرمان ارسال فرمائیں تو صحابہ نے عرض کیا۔ بادشاہ لوگ جس خط پر مہر نہ ہو اسے درخور اعتناء نہیں گردانتے اور نہ اسے پڑھتے ہیں۔ اس پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے سونے کی انگشتری بنوائی اور صحابہ میں سے جن کو قدرت تھی انہوں نے بھی اپنے لیے سونے کی انگشتری بنوائی۔ پھر حضرت جبریل علیہ السلام آئے اور کہا کہ مردوں کو (دنیا میں) سونا پہننا حرام ہے۔ اس پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دست مبارک سے انگشتری نکال دی۔ صحابہ نے بھی نکال دی اور فرمایا چاندی کی انگشتری بناؤ جس کا حلقہ اور نگینہ بھی چاندی کا ہو اور نگینہ پر ”محمد رسول اللہ“ نقش ہو۔ اس طرح کہ اللہ ایک سطر میں ”رسول“ دوسری سطر میں اور محمد تیسری سطر میں۔“

ایسی مہر کے ساتھ جن بادشاہوں کے نام فرامین نبوی بھیجے گئے ان میں سے ایک نجاشی شاہ حبشہ دوسرا ہرقل شاہ روم تیسرا اکسری شاہ فارس مدائن کے نام چوتھا مقوقس حاکم اسکندریہ پانچواں حارث بن ابی شمر غسانی حاکم شام کے نام چھٹا ہودہ بن علی خفی والی یمامہ کا تھا۔ یہ چھ اشخاص ہیں جن کی طرف حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خطوط ارسال فرمائے۔ بعض اہل سیر ساتویں شخص کا نام بھی بتاتے ہیں وہ منذر بن سادی حاکم بحرین ہے۔

ارباب سیر بیان کرتے ہیں کہ ہر ایک قاصد جس بادشاہ کی طرف بھیجا گیا حق تعالیٰ نے اسے اس بادشاہ کی زبان الہام فرمادی۔ یہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات میں سے ایک معجزہ تھا۔

مکتوب گرامی بجانب نجاشی شاہ حبشہ: نجاشی (بفتح نون یا بکسر نون وجیم مخففہ) کا نام اصمہ بن الحر ہے اور ان کی طرف عمرو بن امیہ ضمری کو قاصد بنا کر بھیجا گیا تھا۔ یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سعادت مندوں میں سے تھے۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا مکتوب گرامی انہیں پہنچا تو انہوں نے اس کا احترام کیا اور تخت سے اتر کر زمین پر آئے ادب و تعظیم کے ساتھ مکتوب گرامی کو لے کر بوسہ دیا اور آنکھوں سے لگا لیا۔ حکم دیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے گرامی نامہ کو پڑھیں۔ اس کا مضمون اس مفہوم کا تھا۔ ”بسم اللہ الرحمن الرحیم“ محمد رسول اللہ کی جانب سے نجاشی شاہ حبشہ کی طرف میں تمہاری طرف اس خدا کی حمد و ثنا بھیجتا ہوں جو بادشاہ برحق اور مالک مطلق ہے۔ اور وہ ہر عیب و نقص سے پاک و منزہ ہے۔ وہ ہر آفات و عیوب سے محفوظ آیات و معجزات کے ذریعہ اپنے نبیوں کا مصدق اور اپنے بندوں کو قیامت کی ہولناکیوں سے محفوظ رکھنے والا ہے۔ وہی ان کو درجات رفیعہ پر فائز کرنے والا ہے۔ وہ ہر شے پر غالب اور جبار متکبر اور علیم ہے۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ عیسیٰ روح اللہ اور اس کے کلمہ ہیں۔ اور اس کلمہ کو مریم بتول طیبہ اور حصینہ کی طرف القا فرمایا۔ اور وہ عیسیٰ سے وابستہ ہوئیں پھر اللہ تعالیٰ نے عیسیٰ کو اپنی روح سے پیدا فرمایا اور اس روح کو ان میں پھونکا جس طرح کہ آدم علیہ السلام کو دست قدرت سے پیدا کیا تھا اور ان میں اپنی روح پھونکی تھی۔ اما بعد بلاشبہ میں تمہیں دین اسلام کی طرف بلاتا ہوں اور اس سے پہلے تمہاری طرف اپنے چچا کے فرزند حضرت جعفر رضی اللہ عنہ بن ابی طالب کو اور ان مسلمانوں کو جو ان کے ساتھ تھے بھیجا ہے۔ تمہیں سزاوار ہے کہ تجمبر و تکبر کو اختیار نہ کرنا، سب قبول سے میری نصیحت سننا اور افتاد و اطاعت کے زمرے میں داخل ہونا۔ وَالسَّلَامُ عَلَیْ مَنْ اتَّبَعَ الْهُدٰی نجاشی نے کلمہ طیبہ اور کلمہ شہادت زبان پر جاری کیا۔ کہا کہ اگر مجھ میں طاقت ہوتی تو خود چل کر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہوتا اور شرف حضوری کی سعادت سے بہر مند ہوتا۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے گرامی نامہ کا جواب اس مضمون کا لکھا ”بسم اللہ الرحمن الرحیم“ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب نجاشی شاہ حبشہ کی طرف سے اے خدا کے نبی تم پر سلام و رحمت اور اس خدا کی برکتیں ہوں جس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں۔ وہی مجھے اسلام کی راہ دکھانے والا ہے۔ اما بعد بلاشبہ آپ کا گرامی نامہ مجھے ملا۔ جو کچھ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا تعلق آسمان و زمین کے رب

کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اس سے زیادہ کچھ نہیں ہیں۔ ایک روایت میں ہے کہ کھجور کی گٹھلی پر جو چھلکا ہوتا ہے اتنا بھی (اس سے زیادہ) نہیں ہے۔ یقیناً میں نے آپ کی لائی ہوئی شریعت کی حقیقت کو جاننا اور آپ کے چچا کے صاحبزادے اور آپ کے صحابہ کا اعزاز و احترام کیا۔ اور میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ خدا کے راست گورسول ہیں، گزشتہ نبیوں نے اور چھپلی کتابوں نے آپ کی تصدیق کی ہے۔ میں آپ کے چچا کے صاحبزادے کے واسطے سے آپ کی بیعت کرتا ہوں اور آپ کے دست اقدس پر اسلام قبول کرتا ہوں۔ وَالْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ اور میں آپ کی خدمت اقدس میں اپنے بیٹے ارجی بن اصفحہ کو حاضر کرتا ہوں۔ اے خدا کے رسول! اگر آپ حکم فرمائیں تو میں بھی آپ کی خدمت مبارک میں حاضر ہو جاؤں اور میں گواہی دیتا ہوں کہ جو کچھ آپ نے فرمایا حق و صدق ہے۔ والسلام علیک یا رسول اللہ۔

دوسرا مکتوب گرامی بنام نجاشی: منقول ہے کہ سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک اور مکتوب نجاشی کو لکھا تھا جس کا مضمون یہ تھا کہ ام حبیبہ بنت ابوسفیان کو جو کہ حبشہ کے مہاجرین میں سے ہیں ہمارا پیغام نکاح دے کر مدینہ منورہ روانہ کر دو۔ جس قدر مہاجرین حبشہ میں ہیں ان سب کو بھیج دو۔ ”چنانچہ نجاشی نے ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا خطبہ دیا اور حضرت خالد رضی اللہ عنہ بن سعید بن العاص کو کیل بنایا تاکہ وہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجیت میں انہیں دیدیں اور چار سو مثقال سونا مقرر کیا۔ تمام مہاجرین کو ساز و سامان مہیا کر کے دو کشتی میں بٹھا کر عمرو رضی اللہ عنہ بن امیہ ضمری کے ساتھ مدینہ منورہ روانہ کر دیا۔

ارباب سیر بیان کرتے ہیں کہ نجاشی نے ہاتھی دانت کی ایک صندوقی طلب کی اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دونوں خطوط مبارک کو اس صندوقی میں رکھ کر محفوظ کر کے کہا کہ جب تک یہ دونوں گرامی نامے اہل حبشہ میں رہیں گے ان میں خیر و برکت رہے گی۔ اہل سیر کہتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے گرامی نامے حبشہ کے بادشاہوں کے ہاتھوں میں اب تک باقی ہیں اور وہ ان کی تعظیم و تکریم بجا لاتے ہیں۔ مواہب لدنیہ میں ہے کہ یہ نجاشی اصفحہ تھا جس کی طرف مسلمان ہجرت کر کے نبوت کے پانچویں سال گئے تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو ہجرت کے چھٹے سال فرمان عالی و قار لکھا تھا۔ اصفحہ نجاشی ہجرت کے نویں سال رحلت کر گئے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ منورہ میں ان کی نماز جنازہ پڑھی۔ لیکن ان کے بعد نجاشی والی حبشہ ہوا آپ نے اس کی طرف بھی مکتوب شریف بھیجا تھا اور دعوت اسلام دی تھی لیکن معلوم نہ ہوا کہ وہ اسلام لایا یا نہیں۔ مؤرخین نے ان دونوں نجاشیوں کے درمیان خلط ملط کیا ہے اور فرق ملحوظ نہیں رکھا ہے۔ صحیح میں جو یہ منقول ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے نجاشی کو خط لکھا تو یہ وہ نجاشی نہیں ہے جس کی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز جنازہ پڑھی ہے۔ انتہی (واللہ اعلم)

مکتوب گرامی بنام ہرقل شاہ روم: لیکن ہرقل مشہور بکسر بارو فتح راوسکون قاف ہے اور بسکون راوسر قاف بھی کہتے ہیں۔ یہ قیصر روم کا نام ہے۔ قاموس میں ہے کہ یہ پہلا بادشاہ ہے جس نے سکہ اور اشرفیاں بنائیں اور دیناروں پر ٹھپہ لگایا۔ یہ پہلا شخص ہے جس نے احداث بیعت کیا۔ اس کی طرف مشہور صحابی و حضرت دحیہ رضی اللہ عنہ کلبی (بفتح دال) کو قاصد بنا کر بھیجا گیا تھا۔ یہ حضرت دحیہ رضی اللہ عنہ کلبی وہی ہیں جن کی شکل و صورت اختیار کر کے جبریل علیہ السلام بارگاہ نبوت میں اکثر حاضر ہوتے رہے۔ یہ بڑے حسین و جمیل اور خوبصورت تھے۔ حضرت دحیہ رضی اللہ عنہ کو یہ حکم عالی از بارگاہ رسالت پہنچا کہ مکتوب گرامی کو حاکم بصری کے پاس لے کر جاؤ۔ وہ کسی کو تمہارے ساتھ بھیجے گا تاکہ وہ تمہیں ہرقل کے پاس لے جائے۔ اس پر حضرت دحیہ رضی اللہ عنہ بموجب حکم عالی و قار جب

کے ساتھ مدینہ منورہ پہنچے۔ ان کے ساتھ ایک شخص تھا، اللہ عز و جل کا حکم تھا کہ وہ حاضر طاعت لکھا صحت میں

تھا۔ چونکہ اس نے نذر مانی تھی کہ جب خسرو پرویز کے قبضہ سے روم کے بعض وہ علاقے جو رومیوں کے ہاتھ سے نکل کر فارسیوں کے قبضے میں چلے گئے تھے جب دوبارہ واپس مل جائیں گے تو وہ قسطنطنیہ سے برہنہ یا بیت المقدس حاضری دے گا، مسجد اقصیٰ میں نماز پڑھے گا اور عبادت کرے گا۔ چنانچہ جب رومی فارسیوں پر غالب آ گئے تو اس نے حکم دیا کہ راستہ میں فرش بچھایا جائے اور اس پر گل وریا



ترہوں کیونکہ وہ میرے چچا کے فرزند جلیل ہیں۔“ ابوسفیان کی یہ بات بظاہر درست تھی۔ اس کا اس رشتہ سے یہ مقصد تھا کہ اس کے اور حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے آباء و اجداد کے درمیان اس کی نسبت ثابت تھی کیونکہ ابوسفیان کا جد امیہ بن عبدالمطلب بن عبد مناف اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے جد عبدالمطلب بن ہاشم بن عبد مناف کے بیٹے تھے۔ اس نسبت سے کئی پشتوں کے بعد دونوں کا خاندان ایک ہو جاتا تھا۔ ابوسفیان نے مزید بیان کیا کہ اس کے بعد ہر قتل نے مجھے اپنے سامنے بلایا اور میرے ساتھیوں کو میرے پیچھے کھڑا کر دیا۔ ترجمان سے کہا ”اس کے ساتھیوں سے کہہ دو کہ میں ابوسفیان سے اس ہستی مقدس کے حالات میں سے کچھ چیزیں دریافت کروں گا۔ اگر یہ خلاف واقعہ جواب دے تو تم اس کی تکذیب کر دینا۔“ ابوسفیان نے کہا ”خدا کی قسم! اگر میں اس بات کی شرم و حیا نہ رکھتا کہ مجھ سے جھوٹ نقل ہو تو میں بہت سی باتیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر جھوٹ اور بہتان کی باندھتا۔“ ابوسفیان نے سچ کہا وہ عداوت اور اختلاف جو اسے بارگاہ نبوت سے تھا اس کا تقاضا یہی تھا کہ وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر جھوٹ باندھتا۔ یہ جو اس نے تکلفاً کہا کہ حیا و شرم مانع آئی تھی غلط ہے کیونکہ حیا تو ایمان کا شعبہ ہے اور ایمان ہی اس میں نہ تھا۔ ہاں لوگوں کے سامنے ذلت و رسوائی کا البتہ خوف تھا اور یہ کہ ہر قتل نے اس پر اس کے ساتھی مقرر کر رکھے تھے کہ اگر یہ جھوٹ بولے تو مجھے بتانا تاکہ میں اسے سزا دوں۔ اس کو انہی کا ڈر تھا ورنہ کوئی اور امر مانع نہ تھا۔

ابوسفیان نے بیان کیا کہ اس کے بعد ہرقل نے مجھ سے پوچھا کہ ”اس ہستی مقدس کا اصل و نسب تمہارے درمیان کیا ہے؟“ میں نے کہا ”وہ ہمارے درمیان صاحب نسب، شریف عظیم ہیں اس لیے کہ بنی ہاشم، عبد مناف میں عظمت و شرافت والے گزرے ہیں۔“ یہ حدیث شریف میں بھی آیا ہے کہ حق تعالیٰ نے اولاد ابراہیم رضی اللہ عنہ میں سے اسماعیل رضی اللہ عنہ کو برگزیدہ فرمایا اور اولاد اسماعیل رضی اللہ عنہ میں سے قریش کو، قریش میں سے ہاشم کو اور اولاد ہاشم میں سے عبدالمطلب کو برگزیدہ فرمایا۔ چنانچہ میں ان تمام برگزیدگان میں

سب سے برتر برگزیدہ ہوں، ہر قل نے کہا ”انبیاء مرسلین علیہم السلام اسی طرح شریف النسب ہوتے ہیں تاکہ ان کے پیروکاروں کو ان کی پیروی و اتباع میں کسی قسم کی جھجک اور شرم و عار لاحق نہ ہو۔“ پھر ہر قل نے پوچھا ”کیا کسی نے ان سے پہلے بھی قریش کی قوم اور عرب میں سے نبوت کا دعویٰ کیا ہے؟“ میں نے کہا ”نہیں“ اس نے کہا ”اگر کسی نے نبوت کا دعویٰ کیا ہوتا تو اس کا وہم لاحق ہو سکتا تھا اور میں کہتا کہ اس نے اپنے پیشرو کی بات کی تقلید کی ہے۔“ بیان کرتے ہیں کہ ہر قل نے پوچھا۔ ”ان کے آباء میں سے کسی نے بادشاہی کی ہے؟“ میں نے کہا ”نہیں“ اس نے کہا ”اگر ایسا ہوتا تو میں کہتا کہ یہ وہ شخص ہے جو اپنے باپ کی بادشاہت چاہتا ہے اور نبوت کو اس کا ذریعہ بنا کر اپنے باپ کی مملکت حاصل کرنا چاہتا ہے“ ہر قل نے پوچھا ”قوی اور بڑے لوگ اس کی پیروی کر۔ تے ہیں یا کمزور محتاج لوگ؟“ میں نے کہا ”محتاج لوگ“ اس نے کہا ”انبیاء علیہم السلام کی زیادہ تر ضعیف و محتاج لوگ ہی پیروی کرتے ہیں۔“ ہر قل نے پوچھا ”ان کے

پیر و کار روز بروز بڑھتے جاتے ہیں یا کم ہوتے جاتے ہیں؟“ میں نے کہا ”زیادہ ہوتے جاتے ہیں۔“ اس نے کہا ”اسی طرح ایمان کا

کہتے ہیں کہ میں نے اتنا اور زیادہ کہہ دیا کہ ”ان دنوں ہمارے اور ان کے درمیان ایک قسم کی صلح واقع ہو چکی ہے اور عہد و پیمان قائم ہو چکا ہے۔ ابوسفیان کہتے ہیں کہ میں نے یہ گمان کیا تھا کہ ان باتوں نے درمیان میری اس بات سے شاید ایک قسم کی منقصت لازم آئے گی اور اس میں تنقیص کا پہلو نکل آئے گا مگر یہ بات بطریق امکان و احتمال تھی۔ خدا کی قسم! ہر قل نے اس بات کی طرف التفات ہی نہ کیا اور اس نے جان لیا کہ یہ ایسا احتمال ہے جو اپنی طرف سے اٹھایا گیا ہے۔ اس کے بعد ہر قل نے پوچھا ”تمہارے اور ان کے درمیان جنگ واقع ہوئی ہے یا نہیں؟“ میں نے کہا ”ہاں“ اس نے کہا ”جنگ کی کیفیت اور اس کی حالت بیان کرو؟“ میں نے کہا ”کبھی وہ ہم پر غالب ہوئے ہیں جیسے بدر میں اور کبھی ہم ان پر غالب ہوئے ہیں یعنی احد میں“ اس نے کہا ”انبیاء کا حال ایسا ہی تھا کبھی دشمن کے غلبہ سے مغلوب ہو جاتے لیکن بالآخر اور انجام کار غلبہ و نصرت انہیں کا ہوتا“ ہر قل نے پوچھا ”وہ تمہیں کس چیز کا حکم دیتے ہیں؟“ میں نے کہا ”وہ حکم فرماتے ہیں کہ خدائے وحدہ لا شریک کی عبادت کرو کسی چیز کو اس کے ساتھ شریک نہ کرو اور جو کچھ تمہارے آباؤ اجداد کہتے اور کرتے ہیں اسے چھوڑ دو۔ وہ ہمیں نماز، روزہ، صدقہ، راست گوئی، یارسائی اور صلہ رحمی کا حکم دیتے ہیں۔“ اس نے کہا ”جو کچھ تم نے بیان کیا یہی

اس کا دار السلطنت تھا اور روم کے بڑے بڑے لوگوں کو اپنے دربار میں بلایا اور ان کو سکریہ میں ٹھہرایا۔ سکریہ ایسے محل کو کہتے ہیں جس کے گردا گرد دیہات کی مانند چھوٹے چھوٹے گھر ہوں۔ اس نے حکم دیا کہ ان کے دروازے بند کر دیئے جائیں۔ اس کے بعد اس محل کے ایک در پیچے سے نمودار ہوا اور کہنے لگا۔ ”اے روم کے لوگو! اگر تم اپنی بھلائی، اپنی نجات اور راہ راست کی خواہش رکھتے ہو۔ چاہتے ہو کہ تمہارا ملک برقرار رہے تو اس نبی کی متابعت اور پیروی اختیار کرو جو مبعوث ہوا ہے۔“ رومیوں نے جب اس سے یہ بات سنی تو الگ الگ ہو کر بھاگنے اور لاتیں مارنے لگے جس طرح گدھا دولتیاں مارتا ہے۔ انہوں نے اپنے منہ دروازے کی طرف پھیر لیے لیکن ان دروازوں کو بند پایا۔ ہر قل نے جب ان کی اس نفرت کو دیکھا تو وہ ان کے ایمان سے مایوس ہو گیا۔ حکم دیا کہ ”وہ سب لوٹ آئیں“ جب وہ لوٹ آئے تو اس نے ان کو تسلی دی اور کہنے لگا ”میں نے یہ بات تمہاری آزمائش اور دین میں تمہاری سختی و صلابت کے امتحان کیلئے کہی تھی۔ میں نے یہ جان لیا کہ تم ثابت قدم ہو۔“ اس پر سب راضی ہو گئے اور سجدہ کر کے واپس چلے گئے۔

امام بخاری اپنی صحیح میں کہتے ہیں کہ ہر قل آخر کار یہ تھا۔ علماء کا اس میں اختلاف ہے کہ آیا ہر قل دنیا سے مسلمان گیا ہے یا نہیں۔ بعض علماء کا خیال ہے کہ ہر قل نے دنیا کو عقبیٰ پر ترجیح دی اور شرف اسلام سے مشرف نہ ہوا۔ جیسا کہ صحیح بخاری کی حدیث سے ظاہر ہوا کیونکہ اس کے دو سال بعد غزوہ موتہ میں مسلمانوں کے ساتھ اس نے جنگ کی۔ اس جنگ میں کثرت سے مسلمان شہید ہوئے۔ جیسا کہ انشاء اللہ آگے آئے گا۔ نیز مروی ہے کہ لشکر کو لیس کر کے تبوک کی جانب جنگ کیلئے آیا۔ علماء کی دوسری جماعت کا یہ خیال ہے کہ ممکن ہے کہ پوشیدہ طور پر ایمان لے آیا ہو اور اپنی ہلاکت، اپنی بادشاہت زائل ہونے کے خوف سے یہ معاصی ظہور پذیر ہوئے ہوں۔ لیکن مسند امام احمد بن حنبل میں مروی ہے کہ اس نے تبوک سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک خط لکھا کہ ”میں مسلمان ہوں۔“ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ”جھوٹ کہتا ہے بلکہ وہ اپنی نصرانیت پر ہے۔“ (واللہ اعلم)

مورخین کا اس میں بھی اختلاف ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ یا حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں خود اسے یا اس کے بیٹے کو مسلمان پکڑ لائے۔ ظاہر یہی ہے کہ اسی کو یعنی ہر قل ہی کو لائے تھے۔ کذا فی فتح الباری (واللہ اعلم)

احوال کسریٰ شاہ فارس

رہا کسریٰ شاہ مدائن (فارس) کا حال! تو کسریٰ، بکسر کاف اور بفتح کاف و سکون سین، بصیغہ مکمل، مصغر، خسرو کا معرب ہے اور یہ شاہ فارس کا لقب ہے۔ اس زمانہ میں کسریٰ یعنی شاہ فارس پرویز بن هرمز بن نوشیروان تھا۔ مورخین کہتے ہیں کہ نوشیروان بادشاہ تھا حالانکہ یہ غلط ہے اس لیے کہ نوشیروان حضور اکرم سید البشر صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ ولادت کے وقت تھا۔ جیسا کہ زبانوں پر مشہور ہے کہ وَلَدْتُ فِيَّ زَمَنَ الْمَلِكِ الْعَادِلِ۔ میں بادشاہ انصاف پسند کے زمانہ میں پیدا ہوا۔ مگر محدثین کے نزدیک یہ صحیح نہیں ہے۔ یہ کیسے درست ہو سکتا ہے کہ شرک کی صفت کے ساتھ عدل کی صفت کی جائے حالانکہ شرک بذات خود ظلم عظیم ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: إِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيمٌ۔ بیشک شرک بہت بڑا ظلم ہے۔ مورخین کہتے ہیں کہ عدل سے مراد رعایا کی دیکھ بھال، فریادری اور دادری ہے جسے محاورہ میں عدل کہتے ہیں۔ لیکن اسم عادل کی ادائیگی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان سے ہو بہت بعید ہے۔

شاہ فارس کے پاس مکتوب گرامی لے جانے والے قاصد حضرت عبداللہ بن حذافہ سہمی رضی اللہ عنہ تھے جو قدیم الاسلام صحابی اور سائین اولین مہاجرین میں سے ہیں۔ سہم بن عمرو بطی کی طرف منسوب ہیں جو قریش کی شاخ ہے۔ انہیں حکم فرمایا کہ بحرین کے حاکم کے پاس لے جاؤ وہ کسریٰ تک پہنچا دے گا مکتوب گرامی کا مضمون یہ تھا۔

مکتوب گرامی بنام کسریٰ پرویز: بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ محمد رسول اللہ کی جانب سے بنام کسریٰ شاہ فارس سلام ہو اس پر جو راہ راست کی پیروی کرے اور خدا پر ایمان رکھے۔ گواہی دے کہ خدا ایک، محمد اس کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔ میں تم کو اسلام کی دعوت دیتا ہوں بلاشبہ میں خدا کا رسول ہوں۔ تمام لوگوں کی طرف تاکہ میں خوف دلاؤں، ڈراؤں اور کافروں پر جنت قائم کر دی۔ مسلمان ہو جاؤ گے تو سلامت رہو گے اور اگر انکار و سرکشی کرو گے تو مجوسیوں کا وبال تم پر ہوگا۔

اہل سیر بیان کرتے ہیں کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا مکتوب گرامی پہنچا تو اس نے کہا محمد صلی اللہ علیہ وسلم مجھ کو ایسا خط لکھتے ہیں۔ حالانکہ وہ میرے بندے اور رعایا ہیں۔ (نعوذ باللہ) کیا پرویز اتنا بھی نہ جانتا تھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم خدا کے بندہ خاص ہیں جنہیں حق تعالیٰ نے اپنے تمام بندوں پر سردار اور حاکم بنایا ہے۔ مؤرخین کہتے ہیں کہ اس نے گستاخانہ یہ بھی کہا کہ ”محمد نے اپنے نام کو میرے نام کے اوپر لکھا ہے۔“ حالانکہ وہ جاہل کیا اتنا بھی نہ جانتا تھا کہ خط کا انداز تحریر یہی ایسا ہے کہ میں فلاں بن فلاں ہوں اور پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا اسم گرامی تو بالائے عرش لکھا ہوا ہے تو کیا ہے اور تیرا نام کیا ہے۔ اس پر وہ کافر غصہ میں آ گیا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مکتوب گرامی کو پارہ پارہ کر دیا اور پاگل پنپنے کی باتیں کرنے لگا۔ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ بن حذافہ کی طرف اس نے التفات تک نہ کیا اور مکتوب گرامی کا جواب تک نہ لکھا۔ جب یہ خبر سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے دربار میں پہنچی تو فرمایا: مَرْقُ كِسَابِي مَرْقُ اللّٰهِ مُلْكُهُ اس بد بخت نے میرے خط کو کیا پارہ پارہ کیا ہے۔ حق تعالیٰ اس کے ملک کو ٹکڑے ٹکڑے کر دے گا۔“ اس کے بعد خسرو نے باذان اپنے یمن کے حاکم کو لکھا کہ ”ایسا سا گیا ہے کہ ایک شخص ملک عرب حجاز میں نبوت کا دعویٰ کرتا ہے۔ لازم ہے کہ دو معتمد علیہ شخصوں کو اپنی طرف سے بھیج دو کہ انہیں باندھ کر میرے سامنے لے آئیں۔“ باذان نے اس کے حکم سے اپنے خزانچی کو جس کا نام باتیہ تھا فارس کے عقلمندوں اور بہادروں میں سے تھا۔ ایک اور فارسی شخص کے ساتھ جس کا نام خرخرہ تھا اور وہ بھی فارسیوں میں امتیازی شان رکھتا تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات کی تفتیش و تحقیق کیلئے بھیجا۔ ایک خط لکھا کہ ان دو شخصوں کے ساتھ کسریٰ کے پاس پہنچو کیونکہ اس نے تم کو بلایا ہے۔ یہ دونوں طائف پہنچے اور وہاں کے صنادید قریش سے مثلاً ابوسفیان اور صفوان بن امیہ وغیرہ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے احوال شریف کے بارے میں پوچھا۔ انہوں نے بتایا کہ وہ یثرب میں رہتے ہیں اور یہ صنادید قریش اپنے دل میں بہت خوش ہوئے کہ فارس جیسے بادشاہ کے ساتھ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا لگاڑ ہو گیا ہے۔ امید ہے کہ اب ہماری خواہشات کے مطابق کام ہو جائے گا۔“

صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لیکن میرے رب نے مجھے حکم دیا ہے کہ داڑھی لمبی کروں اور موچھوں کو پست کروں۔ اس کے بعد فرمایا بیٹھ جاؤ۔ اس پر وہ دونوں دوزانو ہو کے بیٹھ گئے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو دعوت اسلام دی اور ثواب و عتاب کی ترغیب و ترہیت فرمائی۔ وہ کہنے لگے۔ ”اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم! اٹھو راہ سفر اختیار کرو تا کہ آپ کو شہنشاہ کے سامنے لے جائیں اور اگر تخلف کرو گے تو شہنشاہ عجم ایک ضرب سے آپ کو اپنے حال پر لے آئے گا۔ سب کو قتل کر دے گا یا جلاوطن کر دے گا۔“ مروی ہے کہ یہ دونوں ناپاک کافر باوجودیکہ نازیبا رویہ اختیار کیا تھا اور بے ادبی سے بات کرتے تھے لیکن ان پر عظمت نشان نبوت اور مجلس اقدس کی ہیبت اتنی طاری تھی کہ ان کا جوڑ جوڑ لرز رہا تھا۔ قریب تھا کہ خوف و دہشت سے پگھل جائیں اور ان کا جوڑ جوڑ کھل جائے کیونکہ وہ بارگاہ نبوت میں بے ادبی سے پیش آ رہے تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو معاف رکھتے ہوئے ارادہ فرمایا کہ باذان کے خط کا جواب لکھا جائے۔ آپ نے فرمایا ”آج تو تم دونوں اپنی قیام گاہ میں جا کر ٹھہر وکل آنا پھر دیکھیں گے کہ کیا ہوتا ہے۔ جب یہ دونوں قاصد مجلس شریف سے باہر آئے تو ایک نے دوسرے سے کہا ”اگر اس مجلس مبارک میں ہم کچھ دیر اور ٹھہرتے تو اندیشہ تھا کہ ہیبت سے ہلاک ہو جاتے۔“ دوسرے نے کہا ساری عمر میں مجھ پر اس قسم کی ہیبت کبھی بھی غالب نہ ہوئی تھی جتنی آج اس شخص کی مجلس میں غالب ہوئی تھی۔ معلوم ہوتا ہے کہ تائیدات الہیہ سے تائید یافتہ ہے اور اس کا کام خدا کا کام ہے۔ جب یہ دونوں قاصد دوسرے دن حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں آئے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ”اپنے صاحب یعنی باذان کو خبر دو کہ میرے رب نے تیرے شہنشاہ کا بوجھ اتار دیا ہے یعنی خسرو قتل کر دیا گیا ہے۔ سات گھنٹہ پہلے رات کا وقت تھا کہ اس کے بیٹے ”شیرویہ“ کو اس پر مسلط کیا گیا یہاں تک کہ اس نے اس کا پیٹ چاک کر دیا۔ یہ منگل کی رات تھی اور جمادی الاخریٰ کی دس تاریخ ۶ ہجری تھا۔ اسی طرح باذان کے قاصدوں سے فرمایا ”اپنے صاحب سے کہہ دو کہ بہت جلد میرا دین کسریٰ کی مملکت پر غالب آئے گا۔ اگر تو مسلمان ہو جائے تو جتنا علاقہ تیرے قبضہ تصرف میں ہے تجھے ہی دے دیا جائے گا اور تجھے فارسیوں پر حاکم مقرر کر دوں گا۔ اس کے بعد یہ دونوں رخصت پائے لوٹے اور مدینہ طیبہ سے باہر آئے۔ جب یمن پہنچے تو جو کچھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا تھا باذان کو پہنچا دیا اور جو کچھ مجلس اقدس میں مشاہدہ کیا تھا وہ سب باذان سے کہہ دیا۔ اس نے پوچھا کہ کیا ان کے پہریدار اور محافظ ہیں؟ انہوں نے کہا ”نہیں“ وہ تو بازاروں اور کوچوں میں بے تردد چلتے پھرتے ہیں۔“ باذان نے کہا ”خدا کی قسم! جو کچھ تم نے نقل کیا ہے وہ بات بادشاہوں کے کلام میں نہیں ہوتی۔ میرا خیال یہ ہے کہ وہ نبی و رسول ہیں اور ان کی نبوت میں کوئی شک و شبہ نہیں ہے۔ کوئی بادشاہ ان پر ایمان لانے میں مجھ پر سبقت اور پہل نہ کرے گا۔“ اسی دوران شیرویہ پسر پرویز کا خط باذان کو پہنچا جس کا مضمون یہ تھا کہ ”کسریٰ فارس کے بڑے بڑے لوگوں اور اعیان سلطنت کو بغیر جرم و خیانت کے مار ڈالتا تھا اور مملکت کی جماعت عظیمہ کے درمیان تفرقہ اندازی کرتا رہتا تھا۔ اس بنا پر میں نے اسے قتل کر دیا ہے اور لوگوں کو اس کے شر سے محفوظ کر لیا ہے۔ لازم ہے کہ تم میری اطاعت کرو اور لوگوں کو میری اطاعت و فرمانبرداری کی دعوت دو۔ خبردار! اس صاحب دولت سے جنہوں نے زمین عرب و عجم میں دعویٰ نبوت فرمایا ہے قطعاً تعرض نہ کرنا۔ اس وقت تک جب تک کہ میرا فرمان ان کی شان میں تمہیں نہ ملے۔ باذان جب اس تمام قصہ سے باخبر ہوا تو بلا توقف و تاخیر صدق و اخلاص کے ساتھ کلمہ شہادت زبان پر لایا اور تمام فارسی لوگوں نے جو اس مملکت میں رہتے تھے اس کے ساتھ موافقت کی اور دولت ایمان سے مشرف ہو گئے۔ فارسیوں کے باقی حالات جو شیرویہ کی حکومت کے بعد رونما ہوئے اور اس کا جیسا معاملہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہوا تاریخ کی کتابوں میں دیکھنا چاہیے۔

مقوقس شاہ مصر و اسکندریہ کا حال

اب رہا مقوقس کا حال! (مقوقس بضم میم و فتح قاف اول و سکون واو و کسر قاف ثانی و سین مہملہ) یہ حاکم مصر و اسکندریہ تھا اس کی طرف حضرت حاطب رضی اللہ عنہ بن ابی بلتعہ قاصد تھے جو مشہور صحابی ہیں۔ اس کے نام مکتوب گرامی کا مضمون ہر قل کے نام مکتوب گرامی کے مطابق ہے۔ جب حضرت حاطب رضی اللہ عنہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا گرامی نامہ اسے پہنچایا تو اس نے اس مکتوب مقدس کا ادب و احترام کیا۔ اس کے حق میں اچھی باتیں کہیں اور حضرت حاطب رضی اللہ عنہ کو خلوت میں بلایا۔ اس نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی صفات و نعوت کو حضرت حاطب رضی اللہ عنہ سے سنا وہ سب ان صفات کے مطابق تھیں جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے نبی آخر الزمان صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں بیان فرمائی تھیں۔ وہ کہنے لگا یہ وہی رسول ہیں جن کی تشریف آوری کی بشارت حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے دی ہے بلاشبہ وہ غالب ہوں گے اور ان ممالک میں ان کے صحابہ کا قبضہ ہوگا لیکن وہ ایمان نہیں لایا اور انقیاد و اطاعت قبول نہ کی۔

مواہب لدنیہ میں ہے کہ جب حضرت حاطب رضی اللہ عنہ مقوقس کے پاس پہنچے تو فرمایا ”اے مقوقس! تجھ سے پہلے اس ملک میں ایک شخص گزرا ہے جو گمان کرتا اور دعویٰ کرتا تھا کہ ”اَنَا رَبُّكُمْ الْاَعْلٰی“ میں تمہارا سب سے بڑا رب ہوں۔ فَاسَّخَذَهُ اللّٰهُ نِکَالَ الْاُخِرَةِ وَالْاُولٰی۔ تو اللہ تعالیٰ نے اس سے انتقام لیا تو تو اپنے غیر سے عبرت لے تا کہ تجھ سے کوئی دوسرا عبرت نہ لے“ مقوقس نے کہا ”ہمارا ایک دین ہے، ہم اسے نہیں چھوڑ سکتے بجز اس صورت میں کہ کوئی اور دین اس سے بہتر ہو“۔ حضرت حاطب رضی اللہ عنہ نے فرمایا ”میں تجھے خدا کے دین کی طرف بلاتا ہوں جو دین اسلام ہے۔ اللہ اس دین کے ذریعہ دوسرے دینوں سے بے نیاز کر دے گا بلاشبہ اس نبی مکرم نے لوگوں کو دعوت اسلام دی۔ مگر قریش سخت ترین لوگ تھے دشمن ترین لوگ یہود اور ان سے قریب ترین لوگ نصاریٰ ہیں۔ قسم ہے مجھے اپنی زندگی کی! حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بشارت حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے لیے ایسی نہیں ہے جیسی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی بشارت نبی آخر الزمان محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کیلئے ہے اور ہمارا تمہیں قرآن کی طرف بلانا ایسا ہی ہے جیسے تم لوگ اہل توریت کو انجیل کی طرف بلاتے ہو۔ ہر نبی نے جس قوم کو پایا تو وہ قوم ان کی امت بن گئی لہذا اس قوم پر حق ثابت ہے کہ وہ قوم اس نبی کی اطاعت کرے اور تو نے اس نبی کو پایا ہے لہذا ایمان لا کر ان کی امت میں داخل ہو جا۔ ہم تجھے دین مسیح سے منع نہیں کرتے بلکہ دین مسیح کا حکم تجھے بتاتے ہیں (۱۲۱، ۱۲۲، ۱۲۳، ۱۲۴، ۱۲۵، ۱۲۶، ۱۲۷، ۱۲۸، ۱۲۹، ۱۳۰، ۱۳۱، ۱۳۲، ۱۳۳، ۱۳۴، ۱۳۵، ۱۳۶، ۱۳۷، ۱۳۸، ۱۳۹، ۱۴۰، ۱۴۱، ۱۴۲، ۱۴۳، ۱۴۴، ۱۴۵، ۱۴۶، ۱۴۷، ۱۴۸، ۱۴۹، ۱۵۰، ۱۵۱، ۱۵۲، ۱۵۳، ۱۵۴، ۱۵۵، ۱۵۶، ۱۵۷، ۱۵۸، ۱۵۹، ۱۶۰، ۱۶۱، ۱۶۲، ۱۶۳، ۱۶۴، ۱۶۵، ۱۶۶، ۱۶۷، ۱۶۸، ۱۶۹، ۱۷۰، ۱۷۱، ۱۷۲، ۱۷۳، ۱۷۴، ۱۷۵، ۱۷۶، ۱۷۷، ۱۷۸، ۱۷۹، ۱۸۰، ۱۸۱، ۱۸۲، ۱۸۳، ۱۸۴، ۱۸۵، ۱۸۶، ۱۸۷، ۱۸۸، ۱۸۹، ۱۹۰، ۱۹۱، ۱۹۲، ۱۹۳، ۱۹۴، ۱۹۵، ۱۹۶، ۱۹۷، ۱۹۸، ۱۹۹، ۲۰۰، ۲۰۱، ۲۰۲، ۲۰۳، ۲۰۴، ۲۰۵، ۲۰۶، ۲۰۷، ۲۰۸، ۲۰۹، ۲۱۰، ۲۱۱، ۲۱۲، ۲۱۳، ۲۱۴، ۲۱۵، ۲۱۶، ۲۱۷، ۲۱۸، ۲۱۹، ۲۲۰، ۲۲۱، ۲۲۲، ۲۲۳، ۲۲۴، ۲۲۵، ۲۲۶، ۲۲۷، ۲۲۸، ۲۲۹، ۲۳۰، ۲۳۱، ۲۳۲، ۲۳۳، ۲۳۴، ۲۳۵، ۲۳۶، ۲۳۷، ۲۳۸، ۲۳۹، ۲۴۰، ۲۴۱، ۲۴۲، ۲۴۳، ۲۴۴، ۲۴۵، ۲۴۶، ۲۴۷، ۲۴۸، ۲۴۹، ۲۵۰، ۲۵۱، ۲۵۲، ۲۵۳، ۲۵۴، ۲۵۵، ۲۵۶، ۲۵۷، ۲۵۸، ۲۵۹، ۲۶۰، ۲۶۱، ۲۶۲، ۲۶۳، ۲۶۴، ۲۶۵، ۲۶۶، ۲۶۷، ۲۶۸، ۲۶۹، ۲۷۰، ۲۷۱، ۲۷۲، ۲۷۳، ۲۷۴، ۲۷۵، ۲۷۶، ۲۷۷، ۲۷۸، ۲۷۹، ۲۸۰، ۲۸۱، ۲۸۲، ۲۸۳، ۲۸۴، ۲۸۵، ۲۸۶، ۲۸۷، ۲۸۸، ۲۸۹، ۲۹۰، ۲۹۱، ۲۹۲، ۲۹۳، ۲۹۴، ۲۹۵، ۲۹۶، ۲۹۷، ۲۹۸، ۲۹۹، ۳۰۰، ۳۰۱، ۳۰۲، ۳۰۳، ۳۰۴، ۳۰۵، ۳۰۶، ۳۰۷، ۳۰۸، ۳۰۹، ۳۱۰، ۳۱۱، ۳۱۲، ۳۱۳، ۳۱۴، ۳۱۵، ۳۱۶، ۳۱۷، ۳۱۸، ۳۱۹، ۳۲۰، ۳۲۱، ۳۲۲، ۳۲۳، ۳۲۴، ۳۲۵، ۳۲۶، ۳۲۷، ۳۲۸، ۳۲۹، ۳۳۰، ۳۳۱، ۳۳۲، ۳۳۳، ۳۳۴، ۳۳۵، ۳۳۶، ۳۳۷، ۳۳۸، ۳۳۹، ۳۴۰، ۳۴۱، ۳۴۲، ۳۴۳، ۳۴۴، ۳۴۵، ۳۴۶، ۳۴۷، ۳۴۸، ۳۴۹، ۳۵۰، ۳۵۱، ۳۵۲، ۳۵۳، ۳۵۴، ۳۵۵، ۳۵۶، ۳۵۷، ۳۵۸، ۳۵۹، ۳۶۰، ۳۶۱، ۳۶۲، ۳۶۳، ۳۶۴، ۳۶۵، ۳۶۶، ۳۶۷، ۳۶۸، ۳۶۹، ۳۷۰، ۳۷۱، ۳۷۲، ۳۷۳، ۳۷۴، ۳۷۵، ۳۷۶، ۳۷۷، ۳۷۸، ۳۷۹، ۳۸۰، ۳۸۱، ۳۸۲، ۳۸۳، ۳۸۴، ۳۸۵، ۳۸۶، ۳۸۷، ۳۸۸، ۳۸۹، ۳۹۰، ۳۹۱، ۳۹۲، ۳۹۳، ۳۹۴، ۳۹۵، ۳۹۶، ۳۹۷، ۳۹۸، ۳۹۹، ۴۰۰، ۴۰۱، ۴۰۲، ۴۰۳، ۴۰۴، ۴۰۵، ۴۰۶، ۴۰۷، ۴۰۸، ۴۰۹، ۴۱۰، ۴۱۱، ۴۱۲، ۴۱۳، ۴۱۴، ۴۱۵، ۴۱۶، ۴۱۷، ۴۱۸، ۴۱۹، ۴۲۰، ۴۲۱، ۴۲۲، ۴۲۳، ۴۲۴، ۴۲۵، ۴۲۶، ۴۲۷، ۴۲۸، ۴۲۹، ۴۳۰، ۴۳۱، ۴۳۲، ۴۳۳، ۴۳۴، ۴۳۵، ۴۳۶، ۴۳۷، ۴۳۸، ۴۳۹، ۴۴۰، ۴۴۱، ۴۴۲، ۴۴۳، ۴۴۴، ۴۴۵، ۴۴۶، ۴۴۷، ۴۴۸، ۴۴۹، ۴۵۰، ۴۵۱، ۴۵۲، ۴۵۳، ۴۵۴، ۴۵۵، ۴۵۶، ۴۵۷، ۴۵۸، ۴۵۹، ۴۶۰، ۴۶۱، ۴۶۲، ۴۶۳، ۴۶۴، ۴۶۵، ۴۶۶، ۴۶۷، ۴۶۸، ۴۶۹، ۴۷۰، ۴۷۱، ۴۷۲، ۴۷۳، ۴۷۴، ۴۷۵، ۴۷۶، ۴۷۷، ۴۷۸، ۴۷۹، ۴۸۰، ۴۸۱، ۴۸۲، ۴۸۳، ۴۸۴، ۴۸۵، ۴۸۶، ۴۸۷، ۴۸۸، ۴۸۹، ۴۹۰، ۴۹۱، ۴۹۲، ۴۹۳، ۴۹۴، ۴۹۵، ۴۹۶، ۴۹۷، ۴۹۸، ۴۹۹، ۵۰۰، ۵۰۱، ۵۰۲، ۵۰۳، ۵۰۴، ۵۰۵، ۵۰۶، ۵۰۷، ۵۰۸، ۵۰۹، ۵۱۰، ۵۱۱، ۵۱۲، ۵۱۳، ۵۱۴، ۵۱۵، ۵۱۶، ۵۱۷، ۵۱۸، ۵۱۹، ۵۲۰، ۵۲۱، ۵۲۲، ۵۲۳، ۵۲۴، ۵۲۵، ۵۲۶، ۵۲۷، ۵۲۸، ۵۲۹، ۵۳۰، ۵۳۱، ۵۳۲، ۵۳۳، ۵۳۴، ۵۳۵، ۵۳۶، ۵۳۷، ۵۳۸، ۵۳۹، ۵۴۰، ۵۴۱، ۵۴۲، ۵۴۳، ۵۴۴، ۵۴۵، ۵۴۶، ۵۴۷، ۵۴۸، ۵۴۹، ۵۵۰، ۵۵۱، ۵۵۲، ۵۵۳، ۵۵۴، ۵۵۵، ۵۵۶، ۵۵۷، ۵۵۸، ۵۵۹، ۵۶۰، ۵۶۱، ۵۶۲، ۵۶۳، ۵۶۴، ۵۶۵، ۵۶۶، ۵۶۷، ۵۶۸، ۵۶۹، ۵۷۰، ۵۷۱، ۵۷۲، ۵۷۳، ۵۷۴، ۵۷۵، ۵۷۶، ۵۷۷، ۵۷۸، ۵۷۹، ۵۸۰، ۵۸۱، ۵۸۲، ۵۸۳، ۵۸۴، ۵۸۵، ۵۸۶، ۵۸۷، ۵۸۸، ۵۸۹، ۵۹۰، ۵۹۱، ۵۹۲، ۵۹۳، ۵۹۴، ۵۹۵، ۵۹۶، ۵۹۷، ۵۹۸، ۵۹۹، ۶۰۰، ۶۰۱، ۶۰۲، ۶۰۳، ۶۰۴، ۶۰۵، ۶۰۶، ۶۰۷، ۶۰۸، ۶۰۹، ۶۱۰، ۶۱۱، ۶۱۲، ۶۱۳، ۶۱۴، ۶۱۵، ۶۱۶، ۶۱۷، ۶۱۸، ۶۱۹، ۶۲۰، ۶۲۱، ۶۲۲، ۶۲۳، ۶۲۴، ۶۲۵، ۶۲۶، ۶۲۷، ۶۲۸، ۶۲۹، ۶۳۰، ۶۳۱، ۶۳۲، ۶۳۳، ۶۳۴، ۶۳۵، ۶۳۶، ۶۳۷، ۶۳۸، ۶۳۹، ۶۴۰، ۶۴۱، ۶۴۲، ۶۴۳، ۶۴۴، ۶۴۵، ۶۴۶، ۶۴۷، ۶۴۸، ۶۴۹، ۶۵۰، ۶۵۱، ۶۵۲، ۶۵۳، ۶۵۴، ۶۵۵، ۶۵۶، ۶۵۷، ۶۵۸، ۶۵۹، ۶۶۰، ۶۶۱، ۶۶۲، ۶۶۳، ۶۶۴، ۶۶۵، ۶۶۶، ۶۶۷، ۶۶۸، ۶۶۹، ۶۷۰، ۶۷۱، ۶۷۲، ۶۷۳، ۶۷۴، ۶۷۵، ۶۷۶، ۶۷۷، ۶۷۸، ۶۷۹، ۶۸۰، ۶۸۱، ۶۸۲، ۶۸۳، ۶۸۴، ۶۸۵، ۶۸۶، ۶۸۷، ۶۸۸، ۶۸۹، ۶۹۰، ۶۹۱، ۶۹۲، ۶۹۳، ۶۹۴، ۶۹۵، ۶۹۶، ۶۹۷، ۶۹۸، ۶۹۹، ۷۰۰، ۷۰۱، ۷۰۲، ۷۰۳، ۷۰۴، ۷۰۵، ۷۰۶، ۷۰۷، ۷۰۸، ۷۰۹، ۷۱۰، ۷۱۱، ۷۱۲، ۷۱۳، ۷۱۴، ۷۱۵، ۷۱۶، ۷۱۷، ۷۱۸، ۷۱۹، ۷۲۰، ۷۲۱، ۷۲۲، ۷۲۳، ۷۲۴، ۷۲۵، ۷۲۶، ۷۲۷، ۷۲۸، ۷۲۹، ۷۳۰، ۷۳۱، ۷۳۲، ۷۳۳، ۷۳۴، ۷۳۵، ۷۳۶، ۷۳۷، ۷۳۸، ۷۳۹، ۷۴۰، ۷۴۱، ۷۴۲، ۷۴۳، ۷۴۴، ۷۴۵، ۷۴۶، ۷۴۷، ۷۴۸، ۷۴۹، ۷۵۰، ۷۵۱، ۷۵۲، ۷۵۳، ۷۵۴، ۷۵۵، ۷۵۶، ۷۵۷، ۷۵۸، ۷۵۹، ۷۶۰، ۷۶۱، ۷۶۲، ۷۶۳، ۷۶۴، ۷۶۵، ۷۶۶، ۷۶۷، ۷۶۸، ۷۶۹، ۷۷۰، ۷۷۱، ۷۷۲، ۷۷۳، ۷۷۴، ۷۷۵، ۷۷۶، ۷۷۷، ۷۷۸، ۷۷۹، ۷۸۰، ۷۸۱، ۷۸۲، ۷۸۳، ۷۸۴، ۷۸۵، ۷۸۶، ۷۸۷، ۷۸۸، ۷۸۹، ۷۹۰، ۷۹۱، ۷۹۲، ۷۹۳، ۷۹۴، ۷۹۵، ۷۹۶، ۷۹۷، ۷۹۸، ۷۹۹، ۸۰۰، ۸۰۱، ۸۰۲، ۸۰۳، ۸۰۴، ۸۰۵، ۸۰۶، ۸۰۷، ۸۰۸، ۸۰۹، ۸۱۰، ۸۱۱، ۸۱۲، ۸۱۳، ۸۱۴، ۸۱۵، ۸۱۶، ۸۱۷، ۸۱۸، ۸۱۹، ۸۲۰، ۸۲۱، ۸۲۲، ۸۲۳، ۸۲۴، ۸۲۵، ۸۲۶، ۸۲۷، ۸۲۸، ۸۲۹، ۸۳۰، ۸۳۱، ۸۳۲، ۸۳۳، ۸۳۴، ۸۳۵، ۸۳۶، ۸۳۷، ۸۳۸، ۸۳۹، ۸۴۰، ۸۴۱، ۸۴۲، ۸۴۳، ۸۴۴، ۸۴۵، ۸۴۶، ۸۴۷، ۸۴۸، ۸۴۹، ۸۵۰، ۸۵۱، ۸۵۲، ۸۵۳، ۸۵۴، ۸۵۵، ۸۵۶، ۸۵۷، ۸۵۸، ۸۵۹، ۸۶۰، ۸۶۱، ۸۶۲، ۸۶۳، ۸۶۴، ۸۶۵، ۸۶۶، ۸۶۷، ۸۶۸، ۸۶۹، ۸۷۰، ۸۷۱، ۸۷۲، ۸۷۳، ۸۷۴، ۸۷۵، ۸۷۶، ۸۷۷، ۸۷۸، ۸۷۹، ۸۸۰، ۸۸۱، ۸۸۲، ۸۸۳، ۸۸۴، ۸۸۵، ۸۸۶، ۸۸۷، ۸۸۸، ۸۸۹، ۸۹۰، ۸۹۱، ۸۹۲، ۸۹۳، ۸۹۴، ۸۹۵، ۸۹۶، ۸۹۷، ۸۹۸، ۸۹۹، ۹۰۰، ۹۰۱، ۹۰۲، ۹۰۳، ۹۰۴، ۹۰۵، ۹۰۶، ۹۰۷، ۹۰۸، ۹۰۹، ۹۱۰، ۹۱۱، ۹۱۲، ۹۱۳، ۹۱۴، ۹۱۵، ۹۱۶، ۹۱۷، ۹۱۸، ۹۱۹، ۹۲۰، ۹۲۱، ۹۲۲، ۹۲۳، ۹۲۴، ۹۲۵، ۹۲۶، ۹۲۷، ۹۲۸، ۹۲۹، ۹۳۰، ۹۳۱، ۹۳۲، ۹۳۳، ۹۳۴، ۹۳۵، ۹۳۶، ۹۳۷، ۹۳۸، ۹۳۹، ۹۴۰، ۹۴۱، ۹۴۲، ۹۴۳، ۹۴۴، ۹۴۵، ۹۴۶، ۹۴۷، ۹۴۸، ۹۴۹، ۹۵۰، ۹۵۱، ۹۵۲، ۹۵۳، ۹۵۴، ۹۵۵، ۹۵۶، ۹۵۷، ۹۵۸، ۹۵۹، ۹۶۰، ۹۶۱، ۹۶۲، ۹۶۳، ۹۶۴، ۹۶۵، ۹۶۶، ۹۶۷، ۹۶۸، ۹۶۹، ۹۷۰، ۹۷۱، ۹۷۲، ۹۷۳، ۹۷۴، ۹۷۵، ۹۷۶، ۹۷۷، ۹۷۸، ۹۷۹، ۹۸۰، ۹۸۱، ۹۸۲، ۹۸۳، ۹۸۴، ۹۸۵، ۹۸۶، ۹۸۷، ۹۸۸، ۹۸۹، ۹۹۰، ۹۹۱، ۹۹۲، ۹۹۳، ۹۹۴، ۹۹۵، ۹۹۶، ۹۹۷، ۹۹۸، ۹۹۹، ۱۰۰۰، ۱۰۰۱، ۱۰۰۲، ۱۰۰۳، ۱۰۰۴، ۱۰۰۵، ۱۰۰۶، ۱۰۰۷، ۱۰۰۸، ۱۰۰۹، ۱۰۱۰، ۱۰۱۱، ۱۰۱۲، ۱۰۱۳، ۱۰۱۴، ۱۰۱۵، ۱۰۱۶، ۱۰۱۷، ۱۰۱۸، ۱۰۱۹، ۱۰۲۰، ۱۰۲۱، ۱۰۲۲، ۱۰۲۳، ۱۰۲۴، ۱۰۲۵، ۱۰۲۶، ۱۰۲۷، ۱۰۲۸، ۱۰۲۹، ۱۰۳۰، ۱۰۳۱، ۱۰۳۲، ۱۰۳۳، ۱۰۳۴، ۱۰۳۵، ۱۰۳۶، ۱۰۳۷، ۱۰۳۸، ۱۰۳۹، ۱۰۴۰، ۱۰۴۱، ۱۰۴۲، ۱۰۴۳، ۱۰۴۴، ۱۰۴۵، ۱۰۴۶، ۱۰۴۷، ۱۰۴۸، ۱۰۴۹، ۱۰۵۰، ۱۰۵۱، ۱۰۵۲، ۱۰۵۳، ۱۰۵۴، ۱۰۵۵، ۱۰۵۶، ۱۰۵۷، ۱۰۵۸، ۱۰۵۹، ۱۰۶۰، ۱۰۶۱، ۱۰۶۲، ۱۰۶۳، ۱۰۶۴، ۱۰۶۵، ۱۰۶۶، ۱۰۶۷، ۱۰۶۸، ۱۰۶۹، ۱۰۷۰، ۱۰۷۱، ۱۰۷۲، ۱۰۷۳، ۱۰۷۴، ۱۰۷۵، ۱۰۷۶، ۱۰۷۷، ۱۰۷۸، ۱۰۷۹، ۱۰۸۰، ۱۰۸۱، ۱۰۸۲، ۱۰۸۳، ۱۰۸۴، ۱۰۸۵، ۱۰۸۶، ۱۰۸۷، ۱۰۸۸، ۱۰۸۹، ۱۰۹۰، ۱۰۹۱، ۱۰۹۲، ۱۰۹۳، ۱۰۹۴، ۱۰۹۵، ۱۰۹۶، ۱۰۹۷، ۱۰۹۸، ۱۰۹۹، ۱۱۰۰، ۱۱۰۱، ۱۱۰۲، ۱۱۰۳، ۱۱۰۴، ۱۱۰۵، ۱۱۰۶، ۱۱۰۷، ۱۱۰۸، ۱۱۰۹، ۱۱۱۰، ۱۱۱۱، ۱۱۱۲، ۱۱۱۳، ۱۱۱۴، ۱۱۱۵، ۱۱۱۶، ۱۱۱۷، ۱۱۱۸، ۱۱۱۹، ۱۱۲۰، ۱۱۲۱، ۱۱۲۲، ۱۱۲۳، ۱۱۲۴، ۱۱۲۵، ۱۱۲۶، ۱۱۲۷، ۱۱۲۸، ۱۱۲۹، ۱۱۳۰، ۱۱۳۱، ۱۱۳۲، ۱۱۳۳، ۱۱۳۴، ۱۱۳۵، ۱۱۳۶، ۱۱۳۷، ۱۱۳۸، ۱۱۳۹، ۱۱۴۰، ۱۱۴۱، ۱۱۴۲، ۱۱۴۳، ۱۱۴۴، ۱۱۴۵، ۱۱۴۶، ۱۱۴۷، ۱۱۴۸، ۱۱۴۹، ۱۱۵۰، ۱۱۵۱، ۱۱۵۲، ۱۱۵۳، ۱۱۵۴، ۱۱۵۵، ۱۱۵۶، ۱۱۵۷، ۱۱۵۸، ۱۱۵۹، ۱۱۶۰، ۱۱۶۱، ۱۱۶۲، ۱۱۶۳، ۱۱۶۴، ۱۱۶۵، ۱۱۶۶، ۱۱۶۷، ۱۱۶۸، ۱۱۶۹، ۱۱۷۰، ۱۱۷۱، ۱۱۷۲، ۱۱۷۳، ۱۱۷۴، ۱۱۷۵، ۱۱۷۶، ۱۱۷۷، ۱۱۷۸، ۱۱۷۹، ۱۱۸۰، ۱۱۸۱، ۱۱۸۲، ۱۱۸۳، ۱۱۸۴، ۱۱۸۵، ۱۱۸۶، ۱۱۸۷، ۱۱۸۸، ۱۱۸۹، ۱۱۹۰، ۱۱۹۱، ۱۱۹۲، ۱۱۹۳، ۱۱۹۴، ۱۱۹۵، ۱۱۹۶، ۱۱۹۷، ۱۱۹۸، ۱۱۹۹، ۱۲۰۰، ۱۲۰۱، ۱۲۰۲، ۱۲۰۳، ۱۲۰۴، ۱۲۰۵، ۱۲۰۶، ۱۲۰۷، ۱۲۰۸، ۱۲۰۹، ۱۲۱۰، ۱۲۱۱، ۱۲۱۲، ۱۲۱۳، ۱۲۱۴، ۱۲۱۵، ۱۲۱۶، ۱۲۱۷، ۱۲۱۸، ۱۲۱۹، ۱۲۲۰، ۱۲۲۱، ۱۲۲۲، ۱۲۲۳، ۱۲۲۴، ۱۲۲۵، ۱۲۲۶، ۱۲۲۷، ۱۲۲۸، ۱۲۲۹، ۱۲۳۰، ۱۲۳۱، ۱۲۳۲، ۱۲۳۳، ۱۲۳۴، ۱۲۳۵، ۱۲۳۶، ۱۲۳۷، ۱۲۳۸، ۱۲۳۹، ۱۲۴۰، ۱۲۴۱، ۱۲۴۲، ۱۲۴۳، ۱۲۴۴، ۱۲۴۵، ۱۲۴۶، ۱۲۴۷، ۱۲۴۸، ۱۲۴۹، ۱۲۵۰، ۱۲۵۱، ۱۲۵۲، ۱۲۵۳، ۱۲۵۴، ۱۲۵۵، ۱۲۵۶، ۱۲۵۷، ۱۲۵۸، ۱۲۵۹، ۱۲۶۰، ۱۲۶۱، ۱۲۶۲، ۱۲۶۳، ۱۲۶۴، ۱۲۶۵، ۱۲۶۶، ۱۲۶۷، ۱۲۶۸، ۱۲۶۹، ۱۲۷۰، ۱۲۷۱، ۱۲۷۲، ۱۲۷۳، ۱۲۷۴، ۱۲۷۵، ۱۲۷۶، ۱۲۷۷، ۱۲۷۸، ۱۲۷۹، ۱۲۸۰، ۱۲۸۱، ۱۲۸۲، ۱۲۸۳، ۱۲۸۴، ۱۲۸۵، ۱۲۸۶، ۱۲۸۷، ۱۲۸۸، ۱۲۸۹، ۱۲۹۰، ۱۲۹۱، ۱۲۹۲، ۱۲۹۳، ۱۲۹۴، ۱۲۹۵، ۱۲۹۶، ۱۲۹۷، ۱۲۹۸، ۱۲۹۹، ۱۳۰۰، ۱۳۰۱، ۱۳۰۲، ۱۳۰۳، ۱۳۰۴، ۱۳۰۵، ۱۳۰۶، ۱۳۰۷، ۱۳۰۸، ۱۳۰۹، ۱۳۱۰، ۱۳۱۱، ۱۳۱۲، ۱۳۱۳، ۱۳۱۴، ۱۳۱۵، ۱۳۱۶، ۱۳۱۷، ۱۳۱۸، ۱۳۱۹، ۱۳۲۰، ۱۳۲۱، ۱۳۲۲، ۱۳۲۳، ۱۳۲۴، ۱۳۲۵، ۱۳۲۶، ۱۳۲۷، ۱۳۲۸، ۱۳۲۹، ۱۳۳۰، ۱۳۳۱، ۱۳۳۲، ۱۳۳۳، ۱۳۳۴، ۱۳۳۵، ۱۳۳۶، ۱۳۳۷، ۱۳۳۸، ۱۳۳۹، ۱۳۴۰، ۱۳۴۱، ۱۳۴۲، ۱۳۴۳، ۱۳۴۴، ۱۳۴۵، ۱۳۴۶، ۱۳۴۷، ۱۳۴۸، ۱۳۴۹، ۱۳۵۰، ۱۳۵۱، ۱۳۵۲، ۱۳۵۳، ۱۳۵۴، ۱۳۵۵، ۱۳۵۶، ۱۳۵۷، ۱۳۵۸، ۱۳۵۹، ۱۳۶۰، ۱۳۶۱، ۱۳۶۲، ۱۳۶۳، ۱۳۶۴، ۱۳۶۵، ۱۳۶۶، ۱۳۶۷، ۱۳۶۸، ۱۳۶۹، ۱۳۷۰، ۱۳۷۱، ۱۳۷۲، ۱۳۷۳، ۱۳۷۴، ۱۳۷۵، ۱۳۷۶، ۱۳۷۷، ۱۳۷۸، ۱۳۷۹، ۱۳۸۰، ۱۳۸۱، ۱۳۸۲، ۱۳۸۳، ۱۳۸۴، ۱۳۸۵، ۱۳۸۶، ۱۳۸۷، ۱۳۸۸، ۱۳۸۹، ۱۳۹۰، ۱۳۹۱، ۱۳۹۲، ۱۳۹۳، ۱۳۹۴، ۱۳۹۵، ۱۳۹۶، ۱۳۹۷، ۱۳۹۸، ۱۳۹۹، ۱۴۰۰، ۱۴۰۱، ۱۴۰۲، ۱۴۰۳، ۱۴۰۴، ۱۴۰۵، ۱۴۰۶، ۱۴۰۷، ۱۴۰۸، ۱۴۰۹، ۱۴۱۰، ۱۴۱۱، ۱۴۱۲، ۱۴۱۳، ۱۴۱۴، ۱۴۱۵، ۱۴۱۶، ۱۴۱۷، ۱۴۱۸، ۱۴۱۹، ۱۴۲۰، ۱۴۲۱، ۱۴۲۲، ۱۴۲۳، ۱۴۲۴، ۱۴۲۵، ۱۴۲۶، ۱۴۲۷، ۱۴۲۸، ۱۴۲۹، ۱۴۳۰، ۱۴۳۱،

مقوقس شاہ اسکندریہ کی طرف بھیجا۔ میں نے اسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا گرامی نامہ دیا تو اس نے مجھے اپنے محل میں اتارا اور میں نے کئی راتیں اس کے پاس گزاریں۔ پھر اپنے بطارقہ کو جمع کر کے کہا ”مجھے اپنے آقا کے بارے میں بتاؤ کہ کیا وہ خدا کے رسول ہیں؟“ میں نے کہا ”ہاں وہ خدا کے رسول ہیں۔“ اس نے کہا ”کیا بات ہے کہ انہوں نے اپنی اس قوم پر بددعائے کی جنہوں نے ان کو اپنے شہر سے نکالا؟“ میں نے کہا وہ کیا بات ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو ان کی قوم نے پکڑا بقول نصاریٰ سولی پر چڑھایا اور بددعائے کی کہ حق تعالیٰ ان کو ہلاک کر دیتا۔“ مقوقس نے کہا: تم ٹھیک کہتے ہو حق تعالیٰ کی طرف سے ایسا ہی حکم آیا تھا۔ جب حضرت حاطب رضی اللہ عنہ مقوقس کے پاس سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور آئے تو فرمایا ”خبیث نے اپنی بادشاہت کی وجہ سے بخلی کی حالانکہ اس کی بادشاہت باقی نہ رہے گی۔“ مقوقس نے حضرت فاروق عظیم رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں وفات پائی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے تحفوں کو قبول فرمایا۔ ان میں سے سیدہ ماریہ قبطیہ رضی اللہ عنہا کو ایمان لانے کے بعد اپنے لیے خاص فرمایا اور ملک یمن کے طور پر ان سے تصرف فرمایا۔ ان سے حضرت ابراہیم بن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پیدا ہوئے اور سیرین کو حضرت حسان رضی اللہ عنہ بن ثابت کو مرحمت فرمادیا۔ ان سے عبدالرحمن بن حسان پیدا ہوئے۔

تنبیہ: روضۃ الاحباب سے معلوم ہوتا ہے کہ مقوقس نے چارتر کی باندیاں تحفے میں بھیجی تھیں۔ ایک ماریہ دوسری ان کی بہن سیرین ایک خواجہ سرا ایک سفید اشتر جسے دلدل کہتے ہیں اور ایک دراز گوش جسے عفیر یا عفور کہتے ہیں۔ ایک نیزہ، بیس قد کا لباس اور

... ..

کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ماریہ رضی اللہ عنہ کو بطور ملک یمن اپنے تصرف میں رکھا اور ان سے حضرت ابراہیم بن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پیدا ہوئے۔ سیرین رضی اللہ عنہ کو حسان رضی اللہ عنہ بن ثابت کو دیا بقیہ دو کنیزوں کا نام اور ان کا حال معلوم نہیں۔ دراز گوش پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کبھی کبھی سواری فرماتے تھے یہاں تک کہ حجۃ الوداع میں وہ مر گیا۔ روضۃ الاحباب میں اسی طرح ہے۔ ایک اور روایت میں آیا ہے کہ اس دراز گوش نے اپنی جان حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی رحلت کے غم و فراق میں ایک کنویں میں ڈوب کر دے دی اور اس کنویں میں اس کی قبر بنی۔ دلدل کو اپنی سواری کیلئے خاص فرمایا۔ بعد ازاں حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ اس پر سواری کرتے تھے۔ چنانچہ شیخ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ مصرع:

رہے لیکن حارث سے ملاقات نہ ہو سکی۔ حارث کا ایک پہریدار تھا جس کے دل میں اسلام کی محبت جاگزیں ہو گئی تھی۔ شجاع رضی اللہ عنہ نے اس کا ذریعہ حاصل کرنا چاہا تا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا مکتوب گرامی حارث کو پہنچائیں۔ کئی دن گزر گئے مگر وہ نظر نہ آیا۔ اتفاق سے



ملح پھر لیر پھر رطب اس کے بعد تمر کہتے ہیں۔ روضۃ الاحباب میں ہے کہ فن سیر کے بعد بعض اکابر نے سبابہ کو انگشت سبابہ لکھا ہے اور ترجمہ کیا گیا ہے کہ اگر زمین سے ایک انگلی کی برابر بھی مانگے تو میں نہ دوں۔ (واللہ اعلم)

ارباب سیر بیان کرتے ہیں کہ جب مکہ مکرمہ فتح ہوا تو جبریل علیہ السلام ہودہ کے مرنے کی خبر لائے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس کے بعد یمامہ میں ایک کذاب پیدا ہوگا جو نبوت کا دعویٰ کرے گا اس کے بعد وہ قتل ہوگا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے مسیلہ کذاب لعنۃ اللہ علیہ کے قصہ کی طرف اشارہ فرمایا جو حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے زمانہ خلافت میں مارا گیا۔ چنانچہ اس کا قصہ تفصیل کے ساتھ انشاء اللہ اپنے محل میں مذکور ہوگا۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے چھ مکتوبات گرامی ہیں جو اس وقت کے بادشاہوں کے نام لکھے گئے تھے۔

ساتواں مکتوب گرامی بحرین کی جانب: بعض ارباب سیر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک اور مکتوب بھی بیان کرتے ہیں جو منذر رضی اللہ عنہ بن سادی والی بحرین کی جانب بھیجا گیا تھا۔ یہ علاء رضی اللہ عنہ بن الحضری کے ہاتھ بھیجا گیا تھا۔ مواہب لدنیہ میں ہے جسے واقدی اپنی سند کے ساتھ عکرمہ سے نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے کہا میں نے اس مکتوب گرامی کو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی کتاب میں ان کی وفات کے بعد پایا اور میں نے وہاں سے اس کے مضمون کو نقل کیا۔ وہ یہ کہ ”رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے علاء رضی اللہ عنہ بن حضری کو منذر رضی اللہ عنہ بن سادی کی طرف ایک مکتوب گرامی کے ساتھ لکھا جس میں اسے اسلام کی دعوت دی گئی تھی۔ منذر رضی اللہ عنہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اس مضمون کا جواب دیا تھا کہ ”یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میں نے آپ کے اس گرامی نامہ کو پڑھا جو بحرین والوں کیلئے لکھا گیا ہے تو ان میں سے کچھ لوگ ایسے ہیں جنہوں نے اسلام سے محبت کا اظہار کیا اور خوش ہو کر اسلام میں داخل ہو گئے۔ اور کچھ لوگوں نے ناپسند کیا اور اسلام میں داخل ہونے سے راضی نہ ہوئے۔ جیسے یہود و مجوسی۔ لہذا اب آپ جو حکم فرمائیں گے میں اس پر عمل کروں گا۔“ اس کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دوبارہ انہیں لکھا کہ بسم اللہ الرحمن الرحیم محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب سے منذر کے نام۔ سلام ہو تم پر میں تمہاری طرف سے اس خدا کی حمد بجالاتا ہوں جس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ خدا ایک ہے اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس کے رسول ہیں۔ اما بعد میں تمہیں اللہ عزوجل کی یاد دلاتا ہوں۔ جو شخص کسی کو نصیحت کرتا ہے اور کسی کے ساتھ خیر خواہی کرتا ہے وہ کسی کی خیر خواہی نہیں کرتا۔ مگر اپنے لیے اور جو کوئی میرے قاصدوں کی اطاعت کرتا ہے۔ اور ان کا اتباع کرتا ہے بلاشبہ وہ میرا ہی اتباع و اطاعت کرتا ہے۔ جو میرے قاصدوں کی خیر خواہی کرتا ہے وہ میری ہی خیر خواہی کرتا ہے۔ میرے قاصدوں نے تمہاری خیر خواہی کی تعریف کی ہے۔ میں تم سے تمہاری قوم کے بارے میں شفاعت و سفارش کرتا ہوں لہذا مسلمانوں کو تعلیم دین احکام

ذکر مقصود ہے جو آفاق کے بادشاہوں کے نام چھٹے سال میں لکھے گئے تھے۔

مکتوب گرامی بجانب ملک عمان: مواہب لدنیہ میں اس جگہ ایک مکتوب گرامی مذکور ہے جسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ملک عمان کے نام حضرت عمرو بن العاص کے ہاتھ سے بھجوایا۔ کوئی پتہ نہیں چلتا کہ یہ اس سال میں بھیجا گیا تھا چونکہ اس مقام کے مناسب تھا اس لیے لکھ دیا ہوگا۔ اس مکتوب گرامی کا مضمون یہ ہے۔ ”بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ محمد بن عبد اللہ ورسولہ کی جانب سے جعفر اور عبد جلد کے فرزندوں کے نام۔ سلام اس پر جو راہ راست کی پیروی کرے۔ اما بعد میں تجھے دعوت اسلام دیتا ہوں۔ اسلام لے آ۔ تاکہ سلامتی میں رہے بلاشبہ میں تمام لوگوں کی طرف خدا کا رسول ہوں یہاں تک کہ جب تک کوئی زندہ ہے میں ڈراتا ہوں یعنی جب تک وہ حیات قلبی کے ساتھ زندہ ہے۔ ہم نے کافروں پر حجت قائم کر دی ہے تو اگر اسلام لے آئے تو میں تجھے ہی حاکم مقرر کرتا ہوں اور تیرے ملک پر تجھے ہی برقرار رکھتا ہوں۔ اگر تو انکار کرتا ہے اور اسلام سے راہ فرار اختیار کرتا ہے تو تیرے ملک کو چھین لیا جائے گا اور میرے گھوڑے تیرے میدانوں میں گشت کر رہے ہوں گے۔ میری نبوت تیرے ملک پر غالب ہوگی۔ اس مکتوب گرامی کو ابی رضی اللہ عنہ ابن کعب نے لکھا اور خط پر مہر لگائی۔ اور عمرو رضی اللہ عنہ بن العاص بیان کرتے ہیں کہ اس کے بعد میں چل دیا اور عمان پہنچا۔ جب میں وہاں پہنچا تو میں نے ارادہ کیا کہ عبد سے ملوں۔ کیونکہ وہ جلد کے دونوں بیٹوں عبد و جعفر سے اخلاق میں اچھا اور نرم تر ہیں۔ میں نے اس سے کہا۔ میں خدا کے رسول کا قصد ہوں اور تمہاری طرف بھیجا گیا ہوں۔ اور تیرا بھائی بن و سال اور ملک کے اعتبار سے تجھ پر مقدم ہے اور میں تجھ کو اس کی طرف لے چلتا ہوں تاکہ وہ خط پڑھ کر تجھے بھی سنا دے۔ اس پر اس نے کہا ”تم کیسی دعوت دیتے ہو؟“ میں نے کہا ”میں خدائے وحدہ لا شریک لا کی طرف بلاتا ہوں کہ اس پر ایمان لاؤ اور اس کے سوا جس کی پیروی اور عبادت کرتے ہو اسے چھوڑ دو۔ گواہی دو کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم خدا کے بندے اور اس کے رسول ہیں“ عبد نے کہا ”اے عمرو رضی اللہ عنہ! تم اپنی قوم کے سردار کے بیٹے ہو بتاؤ تو کہ تمہارے باپ نے کیا کیا تاکہ اس میں ہم ان کا اتباع و اقتداء کریں؟“ میں نے کہا ”میرا باپ مر گیا ہے اور وہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان نہیں لایا۔ میں چاہتا تھا کہ کاش وہ مسلمان ہو جاتا اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی تصدیق کرتا۔ اس وقت تک میں بھی باپ کی مانند محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان نہیں لایا تھا یہاں تک کہ حق تعالیٰ نے میری ہدایت فرمائی اور میں مسلمان ہو گیا۔“ اس نے کہا ”تم کب

مسلمان ہوئے“ میں نے کہا ”ابھی قریب ہی کے زمانہ میں“ اس نے پوچھا ”ایمان لانے کے بعد کہاں رہے؟“ میں نے کہا ”نجاشی شاہ حبشہ کے پاس۔“ اور میں نے اس کو خبر دی کہ نجاشی بھی اسلام لے آیا ہے۔“ اس نے پوچھا ”پھر اس کی قوم اور اس کے ملک کی رعایا نے کیا کیا؟“ میں نے کہا ”وہ برقرار رہے اور اس نے اس کی پیروی کی۔“ اس نے پوچھا ”نصارائی کے دانش مندوں اور ان کے راہبوں نے کیا کیا۔ کیا وہ اس کے تابع رہے اور اس کی پیروی کی؟“ میں نے کہا ”ہاں“ اس نے کہا ”اے عمرو رضی اللہ عنہ! سوچ کے بولو کیا کہہ رہے ہو؟ کسی شخص کو جھوٹ بولنے سے بڑھ کر کوئی خصلت ذلیل و رسوا کرنے والی نہیں ہے؟“ میں نے کہا ”میں جھوٹ نہیں بول رہا اور جھوٹ تو ہمارے دین میں حلال بھی نہیں ہے“ اس کے بعد اس نے کہا ”مجھے بتاؤ کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کس چیز کا حکم دیتے ہیں اور کس چیز سے منع کرتے ہیں؟“ میں نے کہا ”حضور صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور اس کی عبادت کرنے کا حکم دیتے ہیں اور اس کی معصیت و نافرمانی سے منع کرتے ہیں۔ وہ صلہ رحمی کا حکم دیتے ہیں اور ظلم و شر سے منع کرتے ہیں۔ وہ زنا، شراب خوری، بتوں کی پرستش اور صلیب کے ماننے سے منع کرتے ہیں۔ عبد نے کہا ”کتنی اچھی تعلیم ہے اور کیسی عمدہ ان کی دعوت ہے۔ اگر میرا بھائی میری مانے اور میری موافقت کرے تو ہم دونوں سوار ہو کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہوں اور آپ پر ایمان لائیں اور آپ کی تصدیق کریں۔ لیکن میرا بھائی اپنے ملک اور اس کی بادشاہت کا حریص ہے وہ کب اسے چھوڑے گا۔“ میں نے کہا ”اگر وہ اسلام لے آئے تو

کر لیا اور وہ دونوں بھائی مسلمان ہو گئے۔ انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تصدیق کی اور آپ پر ایمان لے آئے۔ (والحمد للہ)

کہ ہم بستر، کسلۃ اللیلۃ، توجہ نہ دیں۔ غصہ میں آگیا۔ ا۔ نکلا: اَنْتَ عَلَمٌ كَظِيمٌ اُمّ۔ تو مجھ سر میری ماں کی کمر کی

مانند ہے۔ یہ کہہ کر گھر سے نکل آیا۔ جب غصہ کی آگ ٹھنڈی ہوئی تو پشیمان ہوا اور چاہا کہ صلح ہو جائے۔ خولہ رضی اللہ عنہ نے کہا صلح کی کوئی صورت ممکن نہیں جب تک کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے حقیقت حال بیان نہ کر دی جائے۔ پھر وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں آئے اور سارا حال حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ”ظہار زمانہ جاہلیت میں طلاق کا حکم رکھتا تھا مگر ابھی تک مجھ پر اس بارے میں کوئی وحی نہیں آئی ہے۔ خولہ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا ”یا رسول اللہ! میرا معاملہ نہایت دھڑوا رہا ہے اگر میں اس کے بچوں کو چھوڑتی ہوں تو ضائع ہو جائیں گے اور اگر اپنے پاس رکھتی ہوں تو بھوکے رہیں گے۔ اس مشکل کو حق تعالیٰ ہی آسان فرمائے گا۔“ منقول ہے کہ جب خولہ رضی اللہ عنہ نے اپنا حال عرض کر دیا تو اس کے بعد وہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے حجرے کے ایک گوشہ میں جا کر سر کو سجدے میں رکھ کر رونے لگی اور قاضی الحاجات سے اپنی حاجت عرض کرنے لگیں۔ کہا کہ اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُکَ وَخَدَّتِیْ وَوَحْشَتِیْ وَفِرَاقِ زَوْجِیْ وَوَجَدِیْ۔ اے خدا میں تجھ سے اپنی بے کسی بیچارگی، اپنے شوہر کی جدائی اور اپنی بے چینی کی شکایت کرتی ہوں۔ ابھی خولہ نے سر کو اٹھایا نہ تھا کہ جبریل امین آئے اور سورہ مجادلہ کی ابتدائی آیتیں جن میں ظہار کا حکم اور اس کے کفارہ کا بیان ہے لائے۔ ارشاد باری ہوا اَفْذَسَمِعَ اللّٰهُ قَوْلَ الْاِنْسِیْ نُبَاجِدِ لَکَ فِیْ زَوْجِہَا وَتَشْتَکِیْ اِلَی اللّٰهِ وَاللّٰهُ یَسْمَعُ تَحَاوِرْکُمْ۔ بے شک اللہ نے اس کی بات سنی جو تم سے اپنے شوہر کے بارے میں جھگڑتی ہے اور اللہ سے شکایت کرتی ہے اور اللہ تم دونوں کے سوال و جواب کو سنتا ہے۔

کرے۔ اکثر ائمہ کا مذہب ظاہر حدیث پر نظر کرتے ہوئے اسی پر ہے کہ جائز ہے لیکن ہمارے نزدیک جائز نہیں ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا مقصود یہ تھا کہ اب تو تم اسے کھالو آئندہ کفارہ دیدینا۔

اونٹ اور گھوڑوں کی دوڑ: ہجرت کے چھٹے سال کے واقعات میں اونٹوں اور گھوڑوں کے درمیان مسابقت یعنی دوڑ کا واقعہ پیش آیا۔ اس کی صورت یہ تھی کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مسلمانوں کو چاہیے کہ اپنے اونٹوں اور گھوڑوں کو دوڑائیں۔ ایک دوسرے کے ساتھ مقابلہ کریں تاکہ دیکھا جائے کہ کون سا اونٹ اور گھوڑا تیز چلتا ہے اور کون سا آگے بڑھتا ہے۔ یہ بھی جہاد کے آلات و اسباب میں سے ہے اور اسی باب میں اس حدیث کو بیان کیا گیا ہے اور اس دوڑانے میں شرط بھی جائز ہے جو ایک دوسرے کے ساتھ کریں کہ جو آگے بڑھ جائے گا اسے اتنا مال انعام میں ملے گا۔ یہ شرط اگر ایک طرف سے ہو تو جائز ہے اور اگر دونوں طرف سے ہو تو قمار یعنی جوابہ اور یہ حرام ہوگا۔

ارباب سیر بیان کرتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک اونٹ تھی جس کا نام ”قصوا“ تھا کوئی اونٹ اس پر سبقت نہیں لے جاسکتا تھا۔ ایک اعرابی آیا جس کے پاس اونٹ بہت کمزور تھا اس نے قصوا سے دوڑانے میں بڑھادیا۔ یہ واقعہ مسلمانوں پر بہت گراں گزرا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی تسلی کیلئے فرمایا ”حق تعالیٰ کی شان برحق ہے۔ دنیاوی چیزوں سے جو بلند و اونچی ہوتی ہے حق تعالیٰ اسے پست و نیچا کر دیتا ہے۔ اسی ارشاد کے موافق لوگوں کا یہ مقولہ ہے کہ ”ہر کمالے راز وال“ دہر شر فی راو بال“ کعبہ معظمہ اپنی اس تمام عظمت و کرامت کے باوجود جو اسے حاصل اور عالم کی بقا اس کے وجود پر قائم ہے۔ جب قیامت کا زمانہ قریب آئے گا تو حق تعالیٰ ایک حبشی کو مقرر کرے گا یہاں تک کہ وہ اس کا ایک ایک پتھر اکھاڑ ڈالے گا۔ اس کے بعد قیامت قائم ہو جائے گی۔ جیسا کہ حدیث میں آیا ہے اور کُلُّ شَيْءٍ هَالِكٌ إِلَّا وَجْهَهُ (ہر شے کو فنا ہونا ہے۔ جزا ذات باری تعالیٰ کے) کی سطوت ظہور پذیر ہوگی۔

ایسی دوڑ میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ایک مسافت معین فرماتے کہ یہاں سے وہاں تک دوڑیں اور مضمر و غیر مضمر گھوڑوں کے درمیان فرق رکھتے۔ مضمر یعنی سبک و تیز رفتار گھوڑوں کیلئے حصاء سے ثنیۃ الوداع تک مقرر فرماتے۔ یہ دونوں مدینہ منورہ کے قریب کے مقامات کے درمیان ایک میل کا فاصلہ ہے۔

مضمر ان گھوڑوں کو کہا جاتا ہے جن کو علف یعنی دانہ چارہ دیتے ہیں تاکہ فریہ اور قوی ہو جائیں۔ پھر اس علف کو کم کرتے ہیں یہاں تک کہ قوت یعنی بھوک تک رہ جائے اور اسے گھر میں محفوظ رکھتے ہیں اسے جہول اوڑھائے رکھتے ہیں تاکہ گرم ہو کر پسینہ آئے۔ جب

والدہ سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی وفات کا واقعہ پیش آیا ہے۔ ام رومان رضی اللہ عنہا کا نام نہ نب بنت عامر ہے۔ ان کی نسبت میں بہت زیادہ اختلاف ہے لیکن اس پر اتفاق ہے کہ وہ بنی غنم بن مالک بن کنانہ میں سے تھیں۔ حضرت عبدالرحمن بن ابی بکر اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا دونوں ایک والدہ سے ہیں۔ محمد بن ابی بکر رضی اللہ عنہ کی والدہ اسماء بنت عمیس شعمیہ ہیں۔ حضرت عبداللہ بن ابی بکر رضی اللہ عنہ جو حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے بڑے فرزند ہیں ان کی والدہ قتیلہ ہیں۔ بعض قتلہ بغیر تصغیر کے بتاتے ہیں۔ اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہا کی والدہ شقیقہ ہیں۔ ام رومان رضی اللہ عنہا کی وفات حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طاہرہ طیبہ کے زمانہ میں تھی اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان کے دفن کے وقت موجود تھے۔ ایک روایت میں ہے کہ آپ ان کی قبر میں داخل ہوئے تھے۔ فرمایا: جو چاہتا ہے کہ حورالعین کو دیکھے تو اسے چاہیے کہ ام رومان رضی اللہ عنہا کو دیکھے۔ (رضی اللہ عنہا)

اسی سال کے آخر میں اور ایک قول کے بموجب ساتویں سال کے شروع میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ اسلام لائے۔ ان کے اسلام لانے کی تفصیل اور ان کے تمام حالات کے بیان میں بڑی لمبی تفصیل ہے۔

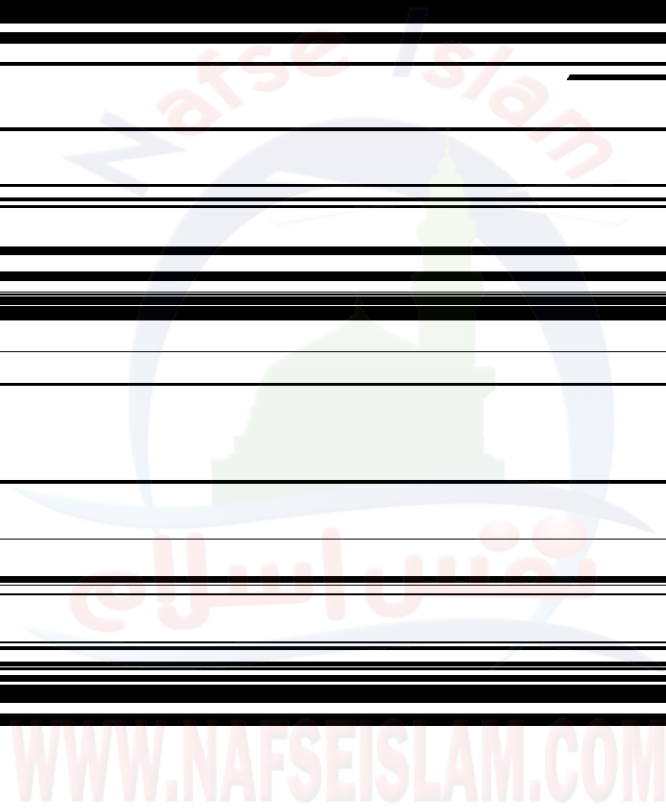
ہجرت کے ساتویں سال کے واقعات اور غزوہ خیبر کا ذکر

خیبر ایک بڑے شہر کا نام ہے جس میں متعدد قلعے اور بکثرت کھیتیاں ہیں۔ یہ مدینہ منورہ سے آٹھ برید کے فاصلہ پر شام کی جانب ہے۔ (کذافی المواب) قاموس میں ہے کہ خیبر مشہور قلعہ کا نام ہے۔ اہل سیر نے کہا ہے کہ مدینہ یعنی شہر بہت سے گھروں کے مجموعہ کو کہتے ہیں۔

سے بالاتر مصر ہے۔ مدینہ دونوں کے درمیانی حیثیت کا نام ہے۔ بعض حضرات مدینہ کو مصر و بلد سے بالاتر کہتے ہیں اور مصر کے ہم مرتبہ قرار دیتے ہیں۔ خیبر قلعوں کے مجموعہ کو کہتے ہیں۔ اس بنا پر ہر ایک قلعہ گاؤں کے مرتبہ میں ہوگا اور مدینہ ان کے مجموعہ کا نام ہے۔ یہ سب قلعے آٹھ ہیں۔ (۱) کیسہ، (۲) ناعم، (۳) صعب، (۴) شق، (۵) غموص، (۶) بطاۃ، (۷) سلح، (۸) سالم۔

اس غزوہ کا وقوع ہجرت کے ساتویں سال میں ہے۔ ابن اسحق کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ۷ ہجری کے ماہ محرم کے آخری دنوں میں تشریف لے گئے اور دس یا بارہ روز تک ان کا محاصرہ فرمایا۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فتح کرا دیا۔ بعض نے کہا ہے کہ یہ

کر دیا۔ تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس وعدہ غنائم کو فتح خیبر پر محمول فرمایا۔ اگرچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت شریفہ توریہ کی تھی اور اشارہ میں بات فرمایا کرتے تھے لیکن اس جگہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کو صاف صاف بتا دیا۔ فرمایا: ”الشکر کی تیاری کرو“۔



واضح رہنا چاہیے کہ روضۃ الاحباب اور معارج النبوة میں اس حدیث میں ایک ہی شعر لکھا ہے اور اس کے بعد کے اشعار کو چھوڑ دیا ہے لیکن مواہب میں ان تمام اشعار کو بیان کر کے ان کی شرح بھی کی گئی ہے۔ اس مقام کا اقتضایہ ہے کہ ہم ان سب کو یہاں نقل کر دیں کیونکہ اس میں کچھ نکات ہیں۔ اگرچہ وہ موجب تطویل ہوں گے۔

اَللّٰهُمَّ لَوْلَا اَنْتَ مَا اهْتَدَيْنَا۔ اے خدا اگر تو نہ ہوتا یعنی اگر تیری رحمت نہ ہوتی تو ہم راہ راست نہ پاتے۔ وَلَا تَصَلِّ قَنَا وَلَا صَلِّیْنَا۔ نہ ہم صدقہ دیتے اور نہ ہم نماز پڑھتے۔ فضل و کرم یہ ہے کہ ہمیں راہ راست دکھائی اور نماز و زکوٰۃ کی توفیق دی۔ فَاَغْفِرْ لِهَذَا لَكَ مَا اتَّفَقْنَا۔ تو تو ہمیں بخش دے ہم تجھ پر فدا ہوں تاکہ ہم میں تقویٰ پیدا ہو۔ وَكَبَّثَ اَقْدَامَنَا اِنْ لَا قِنَا۔ اور ہمارے قدموں کو اپنی جگہ قائم رکھ اگر ہمارے مقابلہ میں تیرے دین کے دشمن آئیں فَانْزِلْ سَكِیْنَةً عَلَیْنَا اور ہم پرسکون قرار اور آسانی کو نازل فرما۔ اِنَّا اِذَا اَصْبَحْنَا اَتَيْنَا۔ جب ہم صبح کریں اور ہم پر قتال واقع ہو اور شداوند و شواریاں آئیں تو ہم اس سے گریز نہ کریں۔ وَبِالصَّبَاحِ عود علینا۔ اور چیخ و پکار اور خوف و دہشت سے ہم متزلزل نہ ہوں۔ ”بعض روایتوں میں یہ شعر زیادہ آتا ہے۔ اِنَّ الَّذِیْنَ قَدْ بَعَوْا عَلَیْنَا۔ جن لوگوں نے ظلم کیا اور ہم پر بغاوت کی۔ اِذَا اَرَادَ وَفْسَةٌ اَیُّنَا۔ جب وہ آزمائش و امتحان اور فتنہ میں ڈالنے کا ارادہ کرتے ہیں تو ہم انکار کرتے اور فتنہ میں نہ پڑتے۔ مروی ہے کہ لفظ ”اَیُّنَا“ بلند آواز سے پڑھتے اور بار بار کہتے ایٹنا ایٹنا۔ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ بن رواحہ نے اس رجز کو کسی غزوہ میں کہا تھا اور عامر بن الاکوع نے اس مقام میں پڑھا اور صحابہ کو وجد میں لے آئے۔

ان شعروں میں ہَذَا لَكَ کے قول میں علماء اعتراض کرتے ہیں کہ ہَذَا کا اطلاق حق تعالیٰ کی طرف نسبت کر کے درست نہیں ہے اور یہ کہنا جائز نہیں ہے کہ ”اے خدا ہم تجھ پر فدا ہوں“۔ اس لیے کہ فدا ہونا ایسے موقع پر بولا جاتا ہے کہ جب کسی شخص پر آفت یا تکلیف آنے والی ہو اور دوسرا کوئی شخص اس آفت اور تکلیف کو اپنی جان یا نفس پر لے کر اسے رہا کرنا چاہے اور اپنے آپ کو اس پر فدا کر دے۔ فدیہ بھی اسی معنی کے اعتبار سے ہے اور حق سبحانہ و تعالیٰ اس سے پاک و مبرا ہے۔ علماء اس کا جواب یہ دیتے ہیں کہ یہ لفظ اسی طرح واقع ہوا ہے بغیر اس بات کے کہ..... اس کے حقیقی معنی مراد ہیں جس طرح کہ یہ بولتے ہیں کہ قاتلہ اللہ یعنی اللہ سے اس نے جنگ کی۔ دعا میں حقیقۃً قتل و ہلاکت مراد نہیں ہے یا جیسے کہتے ہیں تَبَّتْ یَمِیْنُکَ یَا تَبَّتْ یَدَاہُ وَغَیْرَہُ اس قسم کے الفاظ اور مقولے عرف و عادات اور محاورہ میں عام طور سے بولے جاتے ہیں۔ مگر ان سے حقیقی معانی مراد نہیں ہوتے۔ یہ ایک قسم کا مجاز و استعارہ ہے اس لیے کہ فدا ہونے والا جس پر فدا ہو رہا ہے اس کی رضا و خوشنودی کے حصول میں مبالغہ کرتا ہے اور اپنی جان کے عوض کسی خوف و ناگواری کے پہنچنے کے سبب اس سے بدلہ کرتا ہے۔ گویا شاعر کا مطلب یہ ہے کہ میں اپنی جان کو تیری رضا میں خرچ کرتا ہوں۔ اگرچہ جہت صحیح کی طرف سے معنی کا پھیرنا بھی ممکن ہے لیکن لفظ استعارہ و تجویز کا اس میں اطلاق و رد و شرح اور اس کی اجازت پر منحصر و موقوف ہے۔ بعض علماء کہتے ہیں کہ اس کلام میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے خطاب ہے۔ مراد یہ ہے کہ ہماری ان کوتاہیوں پر جو آپ کے حق میں اور آپ کی نصرت میں ہیں ہمیں نہ پکڑیے۔ اس معنی میں لفظ اَللّٰهُمَّ سے مراد عانی نہیں ہے بلکہ تحسن و برکت کیلئے اس سے کلام شروع کیا گیا ہے اور ”لَوْلَا اَنْتَ“۔

آپ کے ہاتھ میں ہے۔ اگرچہ فاعل حقیقی اللہ تعالیٰ ہی ہے۔ درحقیقت یہ معنی دوسرے احتمال و تاویل کی بنا پر راجع ہے لیکن کلام میں کسی تقدیر کی ضرورت نہیں ہے۔

روضۃ الاحباب میں کسی سیر کی کتاب سے منقول ہے کہ جب عامر رضی اللہ عنہ حدی پڑھنے سے خاموش ہوئے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے عبد اللہ رضی اللہ عنہ بن رواحہ سے فرمایا ”کیا تم ہمارے لیے حدی نہیں کہو گے اور انہوں کی رفتار میں تیزی نہیں لاؤ گے؟“ اس پر انہوں نے بھی حدی پڑھی اور وہی اشعار پڑھے جو عامر رضی اللہ عنہ نے پڑھے اور اخیر کا ایک شعر اس میں زیادہ کیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ”رحمہ اللہ“ چنانچہ غزوہ موتہ میں انہوں نے بھی شہادت پائی۔ سبحان اللہ۔ عجب دربار گہر بار ہے کہ اس دربار کی خدمت کا اجر و ثواب ایسی رحمت کا حصول ہے کہ جان دیں اور شہید ہو جائیں۔ درحقیقت لطف و رحمت یہی ہے کہ اس جہان کی تنگ دامانی سے چھٹکارا پائے۔

اتفاقاً بر کوئے کسی افتادہ است کہ در آں کوئے چومن کشتہ بے افتادہ است
اس مقام میں بجز جان قربان کرنے کے کوئی چارہ نہیں ہے۔

جاننا چاہیے کہ غنا کے اقسام میں سے ایک حدی ہے جس کا سننا با اتفاق مباح ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے سنا ہے اور پسند فرمایا ہے۔ جیسا کہ معلوم ہوا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک حدی کہنے والا تھا جس کا نام انجھ تھا۔ یہ بہت خوش آواز تھے اور حسن صوت رکھتے تھے۔ حدی کے معنی تحسین رجز، مباح بصوت نرم و شیریں اور گداز کے ہیں۔ یہ سفر کی کوفت کو کم کرنے اور نفس کے سرور و جذب کو بڑھانے کیلئے ہے۔ اس سے اونٹ تیز رفتاری کے ساتھ راہ قطع کرتا اور بھاری بو جھوں کو اٹھا لیتا ہے۔ ایک قسم اور ہے جسے ”رکیانی“ کہتے ہیں جسے سفر کی کلفت کم کرنے کے لیے سوار یوں میں گاتے ہیں۔ یہ بھی مباح ہے۔ امیر المومنین سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ سفروں میں بہت سنا کرتے تھے۔ غنا کی ایک قسم اور ہے جسے نشید کہتے ہیں۔ وہ اشعار و قصائد اور غزل کو صحت حسن کے ساتھ خلاف محل، اونچی آواز سے خاص اتار چڑھاؤ کے ساتھ قواعد موسیقی کی رعایت کر کے اور خوب بنا سنوار کے گاتے ہیں۔ اس میں کلام طویل ہے۔ آخر باب عبادات میں اس میں سے کچھ گزر چکا ہے۔

خیبر کے واقعات: وصل: خیبر والوں کو جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی عزیمت کی اطلاع ملی تو انہوں نے کنانہ بن ابی الحقیق کو اپنے حلیف و ہم سوگند غطفانیوں کے پاس بھیجا اور ان سے مدد مانگی۔ ایک قول یہ ہے کہ انہوں نے خیبر والوں کی بات کو درخور اعتناء نہ جانا۔ ایک روایت میں ہے کہ ان میں سے چار ہزار جنگی مرد نکلے پہلی منزل میں آسمان سے ایک آواز سنی کہ جن کو تم اپنے گھروں پر چھوڑ کے آتے ہو ان پر تباہی آگئی۔ اس پر وہ اپنے گھروں کی طرف لوٹ گئے۔ نیز مروی ہے کہ غطفانیوں نے اپنے عقب سے حسن و حرکت کی آواز سنی اور انہوں نے گمان کیا کہ مسلمان تاخت و تاراج اور تباہ کرنے کیلئے آگئے ہیں۔ اس پر وہ واپس چلے گئے۔ یہ بھی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات میں سے تھا۔ اس کے باوجود رباب سیر بیان کرتے ہیں کہ دس ہزار سوار خیبر یوں کے لشکر میں تھے۔ وہ تمام ذلیل و خوار ہوئے۔

اہل سیر بیان کرتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب قلعہ خیبر کے درمیان تشریف لائے اور چشم مبارک ان بستیوں پر ڈالی تو دعا پڑھی۔

اَللّٰهُمَّ رَبَّ السَّمٰوٰتِ السَّبْعِ وَمَا اَظْلَلْنَ وَرَبَّ اَلْاَرْضَيْنِ السَّبْعِ وَمَا اَقْلَلْنَ وَرَبَّ الشَّيْطٰنِ وَمَا اَضَلَّنْ
وَرَبَّ الرِّیَاحِ وَمَا وَرَيْنَ اَسْأَلُكَ خَيْرَ هَذِهِ الْقَرْیَةِ وَخَيْرَ مَا فِیْهَا وَاَعُوْذُ بِكَ مِنْ شَرِّهَا شَرِّ مَا فِیْهَا۔

ص ۱ کہ امراضہ اللہ علیہم اجمعین۔۔۔ نے بھی یہ دعا پڑھی۔ اس دعا کا ترجمہ تھا جس وقت کہ کسی شیر یا گاؤں کو دیکھے ماں میں داخل ہو تو

سلام بن مشکم باوجودیکہ وہ بہت سخت بیمار تھا اسی قلعہ میں آ گیا اور جہنم رسید ہوا۔

اس کے بعد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کو جنگ کا شوق دلایا۔ اور اجزا آخرت رفع درجات اور بے حد غایت ثواب پانے کا مژدہ سنایا۔ فرمایا: ظفر و نصرت تمہاری ہے اگر تم ثابت قدم رہے۔ اس کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے صلاح و مشورہ فرمایا اور حباب رضی اللہ عنہ المذ رکی عرض پر جو کہ رزم و حرب کے آزمودہ کار تھے موضع رجیع میں جو لشکر کیلئے بہترین اور عمدہ جگہ تھی لشکر کو ٹھہرایا۔ قلعہ بطاق سے یہود نا بہود نے جنگ شروع کی اور قلعہ کے اوپر سے تیر برساتے تھے۔ جب رات ہو گئی تو رجیع کے قیام گاہ میں واپس تشریف لے آئے۔ دوسرے دن حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کو منزل کی خلافت سپرد کر کے اور لشکر کے امور کی انجام دہی تفویض فرما کے قلعہ کے نیچے جنگ گاہ میں تشریف لے آئے۔ اسی طرح ہر روز ہوتا رہا یہاں تک کہ قلعہ نطاۃ فتح ہوا۔ ان دنوں میں پچاس مسلمان زخمی ہوئے۔ اس غزوے میں جو واقعات رونما ہوئے ان میں سے ایک واقعہ یہ تھا کہ ان دنوں میں ہوا بہت گرم تھی۔ محمود بن مسلمہ رضی اللہ عنہ جو محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ کے بھائی تھے ہوا کی گرمی کی شدت اور ہتھیاروں کے بوجھ کی بنا پر قلعہ ناعم کے سایہ میں اس خیال سے لیٹ گئے کہ اس جگہ جنگ کرنے والوں میں سے کوئی نہیں ہے اور وہ سو گئے۔ یہاں تک کہ ان کے نامردوں میں سے ایک نے جس کا نام کنانہ بن ابی الحقیق ہے یا مرحب یہودی۔ ”عَلَىٰ اخْتِلَافِ الْقَوْلَيْنِ وَالصَّحِيحُ الْأَوَّلُ“ اس نے قلعہ کے اوپر سے ایک پتھر محمود رضی اللہ عنہ کے سر پر پھینکا جس سے ان کا سر پاش پاش ہو گیا اور انہیں دنوں میں اس زخم کی شدت میں شہادت پائی اور فردوس میں جا کر آرام پذیر ہوئے۔

دوسرا واقعہ یہ ہے کہ خباب المذ رک رضی اللہ عنہ نے سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا یہود کو کھجوروں کے درخت اپنی اولاد سے زیادہ پیارے ہیں۔ حکم ہو تو ان درختوں کو کاٹ ڈالا جائے تاکہ ان کی حسرت اور زیادہ ہو۔ اس کے بعد کچھ صحابہ اس کام میں مصروف ہو گئے چونکہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کا قلب شریف محل رفق اور آنکھ مقام رقت رکھتی تھی۔ جب انہوں نے یہ دیکھا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے آ کر عرض کیا ”یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! حق تعالیٰ نے آپ سے وعدہ فرمایا ہے کہ خیبر فتح ہوگا اور یہ وعدہ ضرور پورا ہونا ہے تو درختوں کے کاٹنے سے کیا فائدہ ہوگا۔ اگر حکم فرمائیں تو قطع نخلات سے ہاتھوں کو روک دیا جائے اور یہ اچھا ہوگا“۔ فرمایا ”روک دو“۔ ارباب سیر بیان کرتے ہیں کہ تقریباً چار سو درخت کاٹ ڈالے گئے تھے۔ قلعہ نطاۃ کے سوا کس جگہ درختوں کی کٹائی واقع نہیں ہوئی تھی۔ یہ سب یعنی قطع اور منع قطع دونوں صحابہ کی رائے اور اجتہاد سے تھا اگرچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی رائے بھی ان کے ساتھ موافق ہو گئی تھی تاہم خدا کی جانب سے کوئی مخالفت اور عتاب واقع نہ ہوا جس طرح کہ بدر کے قیدیوں کے فدیہ کے سلسلہ میں ہوا تھا۔ (واللہ اعلم)

تیسرا واقعہ یہ ہے کہ ایک رات حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ لشکر اسلام کے پہرہ پر مقرر تھے چونکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہر رات کسی ایک صحابی کو لشکر اسلام کی حفاظت و پہرے پر مقرر فرمایا کرتے تھے۔ مسلمان ایک یہودی کو پکڑ کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس لے گئے۔ انہوں نے کہا کہ تمہارا یہودی کون ہے؟ انہوں نے کہا کہ اس نے علم الہدایہ سے کوئی بات کہی ہے۔

گا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا انشاء اللہ تعالیٰ۔ یہودی نے کہا ”میرے اہل و عیال اس قلعہ میں ہیں ان کو بھی میرے ساتھ بخش دیا جائے۔“ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں نے بخش دیا۔ دوسرے دن نطاۃ فتح ہو گیا، اس کا قلعہ بھی مفتوح ہو گیا اور یہودی اپنے اہل و عیال کے ساتھ ایمان لے آیا۔

چوتھا واقعہ یہ ہے کہ ایک حبشی غلام تھا جو ایک یہودی کی بکریوں کی رات میں نگہبانی کرتا تھا۔ اس سے پہلے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم قلعہ کے دروازہ پر آئیں۔ دیکھا کہ مسلح ہو کر جنگ پر تیار کھڑے ہیں۔ اس نے یہودیوں سے پوچھا تمہارا یہ کیا حال ہے؟ یہودیوں نے کہا ”ہم چاہتے ہیں کہ اس شخص سے جس نے نبوت کا دعویٰ کیا ہے جنگ کریں۔ اس بات کو سن کر اس میں ہوشیاری پیدا ہوئی اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا رخ مت ملاحظہ ہو کر کہنے لگا۔ اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم آپ کس چیز کی دعوت دیتے ہیں؟ فرمایا ”اسلام کی اور تم

نَفَتْهُ اللَّهُ عَنْهُ۔ ”کل میرا اس شخص کو علم دواگا“، مار فرما، ”کل وہ شخص جھنڈا لے گا جس کو اللہ اور اس کا رسول اللہ فرماتا ہے اور اللہ اس

پر فتح فرمائے گا“۔ ایک روایت میں آیا ہے کہ رَجُلٌ كَبِيرٌ وَغَيْرُ قَرَارٍ یعنی وہ مرد بار بار پلٹ پلٹ کر دشمن پر حملہ کرے گا اور پیچھے نہ رہے گا۔ روضۃ الاحباب میں اس کی تفسیر یہ کی گئی ہے کہ وہ شخص بڑھ بڑھ کر حملہ کرنے والا ہے پیچھے ہٹنے والا نہیں ہے۔ جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ خبر بشارت اثر اور یہ مژدہ سعادت شمر دیا تو تمام صحابہ راہ میں دیدہ امید اور چشم انتظار لیے قبول درگاہ پر بیٹھ گئے۔ تاکہ یہ دولت نصیب میں آئے اور اس فضیلت کے ساتھ مخصوص ہوں۔ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی چشم حق کے سامنے گیا اور سلام عرض کر کے دوزانو ہو کے بیٹھ گیا پھر اس امید کے ساتھ اٹھا کہ میں اس فضیلت کا مستحق ہوں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”مَنْ كَانَ فِي هَذِهِ السَّاعَةِ كَمَا كُنْتُ الْيَوْمَ كُنْتُ الْيَوْمَ“

روایت میں ہے کہ قریش کی جماعت ایک دوسرے سے کہتی تھی یہ تو طے سمجھو کہ علی رضی اللہ عنہ ابن ابی طالب تو اس مراد سے فائز نہ ہوں گے کیونکہ ان کی آنکھ اس شدت سے درد کرتی ہے کہ وہ اپنے پاؤں تک نہیں دیکھ سکتے۔“

منقول ہے کہ جب امیر المومنین علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ایسی بشارت کو فرماتے سنا تو ان کی خواہش میں لگن پیدا ہوئی اور دل چشم توکل میں اور امید بر فضل خدا رکھ کر دعا مانگی۔ اَللّٰهُمَّ لَا مَانِعَ لِمَا اَعْطَيْتَ وَلَا مُعْطٰی لِمَا مَنَعْتَ۔ ”اے خدا! جب تو دینا چاہے تو کوئی روکنے والا نہیں اور جب تو باز رکھے تو کوئی دینے والا نہیں۔“ حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ در چشم کی بنا پر خیبر کے سفر سے تحلف کر کے مدینہ طیبہ میں ہی رہ گئے تھے۔ انہیں سخت ترین آشوب چشم تھا اور وہ اپنے سے کہا کرتے میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جدا ہو کر مشغلہ جہاد سے دور رہ کر اچھا نہیں کیا ہے۔ سفر کی تیاری کر کے مدینہ طیبہ سے چل دیئے۔ اثناء راہ میں یا خیبر پہنچنے کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کی آمد کی اطلاع ملی۔ جب دن ہوا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”علی رضی اللہ عنہ ابن ابی طالب کہاں ہیں؟ لوگوں نے ہر طرف سے عرض کیا وہ یہیں ہیں لیکن ان کی آنکھ اتنی درد کرتی ہے کہ وہ اپنے پاؤں تک کو نہیں دیکھ سکتے۔“ فرمایا: ان کو میرے پاس لاؤ۔ مسلمہ رضی اللہ عنہا بن الاکوع گئے اور ان کو ہاتھ سے پکڑ کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے لائے۔

”عجلت نہ کرو اور جاؤ جب میدان کارزار میں پہنچو تو پہلے ان کو دعوت اسلام پیش کرو اور حق تعالیٰ کے وہ حقوق جو اس نے اپنے بندوں پر واجب کیے ہیں یاد دلاؤ۔“ خدا کی قسم! اگر تمہارے سب سے حق تعالیٰ ایک شخص کو بھی ہدایت دیدے تو یہ تمہارے لیے اس سے بہتر ہے کہ تم ہزار سرخ اونٹ خدا کی راہ میں صدقہ کرو۔ مطلب یہ ہے کہ ہدایت کرنا موجب ثواب آخرت ہے اور اس دنیاوی متاع سے افضل و بہتر ہے جو راہ خدا میں خرچ کیا جائے۔ راہ حق بتانا افضل ترین اعمال ہے اور صدقہ کرنا ایسی عبادت ہے جو اس کی مانند مقدس یعنی فدیہ و کفارہ ہے۔ جیسا کہ حدیث میں واقع ہوا ہے کہ ذکر کرنا سونے چاندی کو راہ خدا میں خرچ کرنے سے افضل ہے۔

اس کے بعد حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ علم لے کر روانہ ہوئے اور قلعہ غموص کے نیچے آ گئے۔ انہوں نے علم کو سنگریزوں کے ایک ٹیلے پر جو قریب تھا نصب کیا۔ احبار یہود میں سے ایک نے جو قلعہ کے اوپر کھڑا تھا پوچھا کہ ”اے صاحب علم تم کون ہو؟ اور تمہارا نام کیا ہے؟“ فرمایا ”میں علی رضی اللہ عنہ ابن ابی طالب ہوں۔“ اس کے بعد اس یہودی نے اپنی قوم سے کہا ”قسم ہے تو ریت کی! تم اس شخص سے مغلوب ہو گئے۔ یہ فتح کیے بغیر نہ لوئے گا۔“ ظاہر مفہوم یہ ہے کہ وہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی صفات اور ان کی شجاعت کو جانتا تھا۔ کیونکہ توریت میں اس نے آپ کا وصف پڑھا تھا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرام کے اوصاف سابقہ کتابوں میں لکھے ہوئے تھے۔ چنانچہ سب سے پہلے جو قلعہ سے باہر نکلا وہ حارث یہودی تھا جو مرحب کا بھائی تھا۔ اس کا نیزہ تین من کا تھا۔ اس نے نکتے ہی جنگ شروع کر دی اور اس نے کئی مسلمانوں کو شہید کر دیا۔ اس کے بعد علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ اس کے سر پر پہنچ گئے اور ایک ہی وار سے اسے دوزخ میں پہنچا دیا۔ مرحب کو جب اپنے بھائی کے مارے جانے کی خبر ملی تو وہ خیبر کے بہادروں کی جماعت کے ساتھ اسلحہ سے لیس ہو کر انتقام لینے کیلئے باہر نکلا۔ کہتے ہیں کہ مرحب خیبر والوں میں بڑا بہادر بلند قد و قامت والا بڑا جنگجو شخص تھا۔ خیبر کے بہادروں اور شجاعوں میں اس کی برابری کا کوئی دوسرا شخص نہ تھا۔ اس روز وہ دوزخ پہن کر دوتلواریں حمال کر کے دو عمامے باندھ کر اور اس کے اوپر خود رکھ کر یہ رجز کہتا ہوا معرکہ کارزار میں آیا۔

شَاكِي السَّلَاحِ بَطْلٌ مُحَرَّبٌ

قَدْ عَلِمْتُ خَيْرُ إِنِّي مُرَحَّبٌ

کسی مسلمان کو ہمت نہ ہوئی کہ اس کے مقابل آتا اور میدان قتال میں اترتا۔ چنانچہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ بھی یہ رجز پڑھتے ہوئے آئے۔

ضُرْغَامُ أَجَامٌ وَلَيْثٌ قَسُورَةٌ

أَنَا الَّذِي سَمَّيْنِي أُمِّي حَيْدَرًا

”میں وہ ہوں کہ میری ماں نے میرا نام حیدر رکھا۔ ضرغام ہوں اجام ہوں اور حملہ آور لیت ہوں۔“ ضرغام اجام اور لیت تینوں شیر کے مترادف المعنی الفاظ ہیں۔ معرکہ کارزار میں رجز پڑھنا عرب کے شجاعوں، بہادروں کی عادت ہے۔ اس مقام میں اپنی تعریف کرنا جائز ہے تاکہ مخالف کے دل میں رعب و ہیبت بیٹھے اور شوکت و دبدبہ ظاہر ہو۔ مرحب نے پیش دستی کر کے چاہا کہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے سر پر تیغ کا وار کرے۔ مگر حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے سبقت کر کے اچھل کر ضرب ذوالفقار اس ملعون غدار کے سر پر ایسی رسید کی کہ خود کو کائناتی زنجیروں کو چاٹتی حلق تک آ گئی۔ ایک روایت میں ہے اس کی رانوں تک پہنچی۔ اور ایک روایت میں ہے کہ اس کے زین کے قابوس تک پہنچی۔ اس کے دو ٹکڑے ہو گئے۔ اس کے بعد اہل اسلام بامداد حضرت امیر میدان میں اتر آئے اور یہودیوں کو قتل کرنا شروع کر دیا۔ یہود کے شجاعوں میں سے سات کو جہنم رسید کر دیا۔ ان کے باقی ساتھی ہزیمت اٹھا کر قلعہ میں داخل ہونے لگے۔ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ بھی ان کے تعاقب میں بڑھتے گئے۔ اسی حالت میں ایک یہودی نے آپ کے دست اقدس پر ایک وار کیا اور آپ کی ڈھال زمین پر گر پڑی۔ دوسرا یہودی اس ڈھال کو اٹھا کر بھاگ کھڑا ہوا۔ حضرت امیر کو جوش آیا اس حالت میں قوت ربانی

کاٹ : السلامہ المارقہ۔ اور وہاں آئے۔ خنہ کہ بھانڈ کر قلعہ کے دروازہ پہنچ گئے اور قلعہ کے آہنہ اوروازہ کا ایک سٹ اکھاڑ

ڈالا۔ اس کی ڈھال بنا کر جنگ میں مشغول ہو گئے۔

سیدنا امام باقر سلام اللہ علیہ وعلی آباء العظام واولادہ الکرام سے منقول ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ جب علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کرم اللہ وجہہ نے درخیر کو اکھاڑنے کے لیے جھجھوڑا تو سارا قلعہ کانپنے لگا۔ چنانچہ صفیہ رضی اللہ عنہا بنت حمی بن اخطب تخت سے گر پڑی اور اس کا چہرہ زخمی ہو گیا۔ غالباً خصوصیت کے ساتھ صفیہ رضی اللہ عنہا میں یہ جنبش سرایت کرنے میں حکمت و علامت اور خاص مناسبت ہو جس کی بنا پر وہ اسیر ہوئیں۔ آخر میں سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے حوالہ عقد میں آئیں تاکہ وہ متنبہ ہو جائیں اور باطنی علاقہ جنبش میں آ کر اس دولت و سعادت کے قبول کرنے کی صلاحیت و استعداد ان میں پیدا ہو جائے۔ جیسا کہ آئے گا۔

ارباب سیر بیان کرتے ہیں کہ جنگ سے فارغ ہونے کے بعد دو دو جب کے فاصلہ پر آپ نے اس دروازہ کو پس پشت دور پھینکا۔ کہتے ہیں کہ بعد میں سات قوی و تو مند آدمیوں نے مل کر اس در کو ایک پہلو سے دوسرے پہلو پر پلٹنے کی کوشش کی لیکن ناکام رہے اور چالیس آدمیوں نے مل کر چاہا کہ اسے اٹھالیں مگر عاجز رہ گئے۔ روضۃ الاحباب، معارج النبوة اور سیر کی دیگر کتابوں میں ایسا ہی منقول ہے۔ معارج النبوة میں منقول ہے کہ اس در کا وزن آٹھ سو من تھا۔

مواہب لدنیہ میں مروی ہے کہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے جس باب خیر کو اکھاڑا تھا اسے ستر آدمی انتہائی مشقت اور کوشش کے باوجود ہلا تک نہ سکے۔ ابن اسحق کی روایت میں سات آدمی مذکور ہیں اور حاکم، بیہقی نے۔ لیث بن ابی سلیم سے وہ ابو جعفر محمد بن علی بن حسین رضی اللہ عنہ سے وہ جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے جس در خیر کو اکھاڑا تھا اٹھایا تھا اس کے بعد جب اس پر تجربہ کیا گیا تو اسے چالیس آدمی بھی نہ اٹھا سکے۔ کہا کہ لیث روایت میں ضعیف ہے۔ بیہقی کی ایک روایت میں ہے کہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ جب قلعہ پر پہنچے تو آپ نے ایک دروازہ اکھاڑ کر زمین پر پھینک دیا۔ اس کے بعد جب ہم میں سے لوگوں نے چاہا کہ اسے اٹھا کر اپنی جگہ نصب کر دیں تو اسے چالیس آدمی بھی نہ اٹھا سکے اور کہا کہ ہمارے شیخ نے فرمایا کہ یہ تمام روایتیں واپسی اور لغو ہیں۔ بعض علما نے ان روایتوں کو منکر قرار دیا ہے۔ (آپنی کلام المواہب)

صحیح بخاری میں فتح امیر المومنین کی حدیث مذکور ہے۔ اس میں باب خیر اکھاڑنے کا ذکر نہیں ہے لیکن مشہور ہے اور کتب احادیث میں مذکور و مسطور ہے۔

معارج النبوة میں ایک عالم سے ایک غریب حکایت منقول ہے کہ جب چالیس آدمی اس کے اٹھانے سے عاجز رہ گئے تو حضرت امیر کے دل میں ایک شکستگی پیدا ہوئی اور اپنی اس قوت و شوکت پر ناز فرمایا۔ اسی وقت جبریل علیہ السلام آئے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم

چھپا کر نہ رکھیں اور اگر کوئی ایسا مال برآمد ہو جسے بتایا نہیں گیا ہے تو امان بھی ان کے عہد و پیمان کی مانند منسلوب و ختم ہو جائے گی۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور میں جب فتح کی خبر پہنچی تو اس نعمت کا شکر ادا فرمایا کیونکہ یہ سب ظہورِ عبرت اسلام تھا۔ جب حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کفار کی مہم کو طے کرنے کے بعد بارگاہِ رسالت میں آنے لگے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم انور حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے استقبال و استہذار کے لیے خیمہ مبارک سے باہر تشریف لائے۔ ان کو آغوش میں لے لیا اور دونوں آنکھوں کے درمیان بوسہ دیا۔ فرمایا: بَلَّغْنِي ثَنَاءَكَ الْمَشْكُورُ وَصَنِيعَكَ الْمَذْكُورُ قَدْ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ وَرَضِيتُ أَنَا عَنْكَ۔ ”مجھے تمہاری مشکورانہ تعریفیں پہنچیں اور تمہاری بہادریاں بیان ہوں۔ بے شک اللہ ان سے راضی ہوا اور میں تم سے راضی ہوا۔“ اس کے بعد حضرت امیر رضی اللہ عنہ رونے لگے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”یہ رونا خوشی کا ہے یا غم کا؟“ علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: ”نہیں یہ گریہ خوشی کا ہے۔ میں کیوں نہ اس پر خوش ہوں کہ آپ مجھ سے راضی ہیں۔“ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”میں ہی تمہا تم سے راضی نہیں بلکہ خدا، جبریل، میکائیل اور تمام فرشتے تم سے راضی ہیں۔“ ارباب سیر بیان کرتے ہیں کہ قلعہ قموص سے جس کا حاکم کنانہ بن ابی الحقیق تھا سوزر ہیں چار سوتلواریں ہزار نیزے اور پانچ سو کمائیں حاصل ہوئیں۔ بے شمار ساز و سامان بکثرت ہاتھ آیا اور سب کو جمع کیا گیا۔

اہل سیر کہتے ہیں کہ کنانہ بن ابی الحقیق کو جو خیبر کے رئیسوں میں سے تھا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے لائے۔ اس نے پہلے تو بکری کے بچے کی کھال میں سونا، زیور، موتیوں کے ہار اور جواہرات بھرا۔ جب اس کی ثروت زیادہ ہو گئی تو گوسفند کی کھال میں بھر لیا۔ پھر جب اور زیادہ ہوئی تو اس کو گائے کی کھال میں بھرا۔ پھر جب اس میں بھی نہ ساسکا تو اونٹ کی کھال میں بھر لیا۔ جب مکہ والوں کو شادی وغیرہ میں پریشانی اور ضرورت ہوتی تو گروی رکھ کر اس سے زیور و جواہرات جس قدر ضرورت ہوتی عاریتہ لے لیتے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کنانہ سے دریافت کیا: ”ابی الحقیق کا خزانہ کہاں ہے؟“ اس نے کہا: ”اے ابوالقاسم! اس کو تو، جنگی سامان کی فراہمی اور دیگر ضرورتوں میں ہم خرچ کر چکے اب اس میں سے کچھ باقی نہیں ہے اور تم کھائی۔“ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تہدید فرمائی۔ اگر اس کے بعد اس کے خلاف ظاہر ہوا تو تمہارا خون مباح ہوگا اور امان سے نکل جاؤ گے؟ حضرت ابوبکر، حضرت عمر فاروق، حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہم کو اور یہود کی ایک جماعت کو اس پر گواہ بنالیا۔ حالانکہ جس زمانہ میں قلعہ نطاۃ فتح ہوا تھا۔ اس مال کو اس نے ایک ویرانہ میں مدفون کر دیا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو اس کی خبر دیدی۔ پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کنانہ کو طلب فرمایا اور فرمایا آسانی خبر کے حکم سے تو جھوٹا نکل آیا ہے۔ اس کے بعد سیدِ رسل صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زبیر رضی اللہ عنہ ابن عوام کو مسلمانوں کی جماعت کے ساتھ اس ویرانہ میں بھیجا۔ یہاں تک کہ کھود کر اس مال کو وہاں سے نکال لائے۔ جب یہودیوں کی غداری ظاہر ہو گئی تو اس شرط و عہد کے رو سے جو انہوں نے کیا تھا ان سے امان اٹھ گئی۔ اس کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کنانہ کو محمد رضی اللہ عنہ بن مسلمہ کے سپرد کر دیا تاکہ وہ اسے اپنے بھائی محمود رضی اللہ عنہ بن مسلمہ کے عوض قتل کر دیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے امیر المومنین علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو جنگ قموص کی جانب بھیجتے وقت محمد بن مسلمہ سے فرمایا تھا کہ تمہیں بشارت ہو کہ کل تم اپنے بھائی کے قاتل کو قتل کرو گے بالآخر خیبر کے یہودیوں پر افسان کیا اور ان کے خون سے درگزر فرمایا۔ ان کی عورتوں کو قید کیا اور ان کے اموال کو غنیمت بنایا۔ حکم دیا کہ تمام غنیمتوں کو ساز و سامان، کھانے وغیرہ کی اشیاء، اسلحہ اور تمام مویشیوں کو قلعہ نطاۃ میں جمع کریں۔ اور منادی کرائی کہ اگر ایک رسی یا سوئی بھی چھپاؤ گے تو غنیمت میں خیانت متصور ہوگی جو موجب عار و عیب اور آتش و وزخ ہے۔ اہل سیر کہتے ہیں کہ ایک حبشی غلام تھا جس کے سپرد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا سفری ساز و سامان تھا اور ”کرکرہ“ اس کا نام تھا۔ انہیں دنوں وہ مر گیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وہ جہنم میں ہے۔ صحابہ نے

جبتو کی تو اس کے سامان میں سے ایک ریشمی چادر ملی جسے اس نے تقسیم غنیمت سے پہلے قبضہ میں لے لیا تھا۔ نیز مروی ہے کہ خیبر کے دن ایک شخص مر گیا۔ صحابہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کی نماز جنازہ پڑھنے کیلئے عرض کیا۔ فرمایا: اپنے ساتھی کی نماز تم پڑھ لو میں نہیں پڑھوں گا۔ اس پر لوگوں کے چہرے فق ہو گئے۔ فرمایا: ”تمہارے اس ساتھی نے غنیمت میں خیانت کی ہے“۔ اس کے بعد اس کے سامان کی تلاشی لی گئی تو یہود کے مہروں میں سے چند مہرے نکلے جن کی قیمت دو درہم سے زیادہ نہ تھی۔ نیز بخاری و مسلم کی حدیث میں مروی ہے کہ ایک شخص نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک غلام کو بھیجا جس کا نام مدعم تھا۔ اس اثناء میں کہ وہ اپنا بوجھ اتار رہا تھا ایک تیرا سے آکر لگا جس کا پھینکنے والا معلوم نہ ہوا۔ پھر وہ اسی زخم سے مر گیا۔ لوگوں نے کہا یہ مستحق جنت ہو گیا کیونکہ اس نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت گزاری میں شہادت پائی ہے۔ اس پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ”ہرگز نہیں“، قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے اس نے روز خیبر تقسیم غنیمت سے پہلے ایک چادر لے لی ہے۔ اب اس پر آتش دوزخ لپٹ مار رہی ہے“۔ جب لوگوں نے یہ بات سنی تو ایک شخص ڈول کی ایک رسی..... اور دوسرا شخص ڈول کی دو رسیاں لایا۔ اس پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ ایک رسی یا دو رسی آگ کی ہے۔ اس باب میں وعیدیں بہت کثرت سے ہیں لیکن فقہ کی کتابوں میں مذکور ہے کہ کھانے پینے اور بھل کی قسم میں سے اگر کھالے تو جائز ہے۔ اگر گائے یا اونٹ ذبح کر کے کھالے تب بھی جائز ہے۔

جب تمام مال غنیمت جمع ہو گیا تو پانچواں حصہ نکال کر پیادہ کو ایک حصہ اور گھوڑے کو دو حصہ کے اعتبار سے تقسیم فرمایا۔ گویا ہر وہ شخص جو گھوڑا رکھتا تھا اسے تین حصے ملے۔ اسی طرح نافع نے اس حدیث کی تفسیر کی ہے۔ امام قسطلانی فرماتے ہیں کہ امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ گھوڑے سوار کے دو حصے ہیں۔ ایک اس کا اپنا اور دوسرا ان کے گھوڑے کا۔ لیکن وہ عورتیں جو لشکر اسلام کی خدمت ان کے مریضوں اور مجروحوں کی تیمارداری کیلئے ہمراہ لائے تھے ان کے لیے سہم یعنی حصہ نہ تھا بلکہ انہیں مال غنیمت میں سے کچھ عطا فرما دیا۔ پھر حکم فرمایا کہ خیبر کے غنائم کو فروخت کرو اور ان کے رواج و برکت کیلئے دعا فرمائی۔ چنانچہ تاجر لوگ ہر طرف سے آئے اور انہوں نے خوب ذوق و شوق کے ساتھ خریدا۔ دو دن میں وہ تمام مال فروخت ہو گیا حالانکہ گمان یہ تھا کہ عرصہ تک اس کی فروختگی سے فارغ نہ ہوں گے کیونکہ وہ مال ہی اس کثرت سے تھا۔

منقول ہے کہ جب یہود کی غداري ظاہر ہو گئی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے باوجود ان کے قتل نہ کرنے سے ان پر احسان رکھا اور حکم فرمایا کہ خیبر کی زمین سے باہر نکل جاؤ۔ اس کے بعد خیبر والوں نے تصرع و زاری شروع کر دی اور کہنے لگے کہ اہل اسلام مطمئن رہیں کہ ہم ان کھیتوں اور باغوں کی خدمت بجالائیں گے۔ ان کی حفاظت کا فرض ادا کریں گے، ہمیں اجرت پر رکھ لیا جائے۔ ہم ان کی خدمت کریں گے اور مسلمان اس معاملہ میں تردد سے فارغ رہیں گے۔ مسلمانوں کو اطمینان رکھنا چاہیے کہ ہمیں اصل ملکیت میں کوئی دخل نہ ہوگا۔ اس پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان پر رحم فرمایا اور ان کو ان پر مقرر فرما کے متعین کر دیا کہ آدھی پیداوار بیت المال میں پہنچائیں اور آدھی پیداوار اپنے عمل کی اجرت میں اٹھالیں۔ اس معاملہ کو بخبرہ کہتے ہیں کیونکہ یہ خیبر والوں کے ساتھ واقع ہوا تھا۔ اور شمس یعنی پانچویں حصہ میں سے بنی ہاشم اور بنی المطلب کو کچھ حصہ مرحمت فرمایا۔ اور یہ جو حدیث میں آیا ہے کہ حضرت عثمان بن عفان اور حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہما نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آکر عرض کیا کہ ہم بنی ہاشم کی فضیلت کا انکار نہیں کرتے ہیں اس لیے کہ آپ کا وجود گرامی انہیں میں سے ہے لیکن ہماری قربت اور بنی المطلب کی آپ سے نسبت ایک مرتبہ میں ہے تو یہ کیسے ہوا کہ ان کو تو بنی المطلب کے سہم سے دیا اور ہم کو محروم چھوڑ دیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب میں فرمایا کہ بنی ہاشم اور بنی المطلب اس طرح ہیں اور اپنی انکشت ہائے مبارک کی تشبیک فرمائی یعنی ایک کو دوسرے میں ملایا۔ فرمایا: ہم اور بنی المطلب آپس میں کبھی جدا نہیں ہوئے



WWW.NAASEEISLAM.COM

تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اس لیے تھے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم تمہارے بھوکوں کو کھانا کھلاتے تھے اور تمہارے جاہلوں کو نصیحت فرماتے تھے۔ مطلب یہ کہ تم امن و امان اور دنیاوی و دینی ناز و نعمت میں تھے۔ اور ہم دور دراز علاقہ میں دشمنوں کی سرزمین حبشہ

بھی تھیں تو وہ دجیہ بکلی کے حصہ میں آئیں۔ لوگوں نے کہا کہ وہ حسینہ و جلیلہ قبیلہ کی سردار یہود کے بادشاہوں میں سے ایک بادشاہ کی بیٹی اور حضرت ہارون نبی علیہ السلام کی اولاد میں سے ہیں۔ مناسب ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مخصوص ہو۔ صحابہ میں دجیہ رضی اللہ عنہ کی مانند بہت ہیں اور غنیمت میں صفیہ رضی اللہ عنہا کی مانند کم اور اسے دجیہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ مخصوص کرنا بہت سے صحابہ کی دل آزادی کا موجب ہوگا۔ اس میں عام مصلحت یہی ہے کہ ان کو دجیہ رضی اللہ عنہ سے واپس لے کر اپنے لیے مخصوص کر لیا جائے۔ ایک روایت میں آیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت دجیہ بکلی رضی اللہ عنہ سے فرمایا ان قیدی باندیوں میں سے کوئی اور لے لو۔ بعض روایتوں میں آیا ہے کہ حضرت دجیہ رضی اللہ عنہ کو سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا کے چچا کی لڑکی ان کے بدلے میں مرحمت فرمائی۔ ایک روایت میں ہے کہ حضرت دجیہ رضی اللہ عنہ سے سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا کو سات باندیوں کے بدلے خرید اور لفظ قیدی کا اطلاق برسمیل مجاز ہے۔ مراد ان کے ہاتھ سے لینا ہے اور سات باندیوں کو انہیں دینے میں منافات نہیں ہے۔ دوسری روایت میں جو یہ ہے کہ ان کے بدلے ان قیدیوں میں سے کسی اور کو لے لو اس کی زیادتی کی نفی پر دلالت نہیں ہے۔ ممکن ہے کہ پہلے ایک فرمایا ہو اور بعد میں سات کا اضافہ کر دیا ہو۔ بہر تقدیر اس میں بہ سے واپسی نہیں ہے۔ مسلمانوں میں اختلاف ہوا کہ سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا ازواج مطہرات امہات المؤمنین میں سے ایک ہوں گی یا ملک یمن میں رہیں گی اور کہا کہ اگر حجاب نہ کینا تو ملک یمن میں سے ہیں۔ پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو آزاد فرمایا اور نکاح کیا اور ان کی آزادی کو ان کا مہر بنایا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم منزل صہبا میں پہنچے تو بعد از طہارت حیض ان سے زفاف فرمایا۔ حلیم کو ان کا ولیمہ کیا اور حضرت انس سے فرمایا کہ جو بھی حضرات ملیں صفیہ رضی اللہ عنہا کے ولیمہ پر بلا لو۔

ارباب سیر بیان کرتے ہیں کہ جب آپ نے مدینہ طیبہ کی جانب مراجعت فرمائی تو سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا کو ردیف بنایا اور ان پر اس عبا شریف کا پردہ ڈال گیا۔ جو اپنے اونٹ پر بچھایا کرتے تھے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنے زانو کو ان کیلئے رکھتے۔ سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا آپ کے زانوئے مبارک پر پاؤں رکھ کر سوار ہوتی تھیں۔ سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا کے فضائل اور دیگر حالات ازواج مطہرات کے ضمن میں انشاء اللہ آئیں گے۔

منقول ہے کہ سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا نے فتح خیبر سے پہلے خواب میں دیکھا تھا کہ چودہویں رات کا چاندان کے آغوش میں آ گیا ہے۔ پھر اس خواب کو اپنے پہلے شوہر کنانہ سے بیان کیا۔ اس نے کہا شاید تو یہ خواہش رکھتی ہے کہ اس بادشاہ کی بیوی بنے جو ہمارے اس میدان میں فروکش ہے اور ایک طمانچہ اس زور سے صفیہ رضی اللہ عنہا کے رخسار پر مارا کہ ان کی آنکھ نیلی ہو گئی۔ شب زفاف میں بھی کنانہ کے طمانچہ کا اثر صفیہ رضی اللہ عنہا کے رخسار مصطفیٰ پر ظاہر تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا سبب دریافت فرمایا تو ساری حقیقت حال بیان کر دی۔

ام حبیبہ رضی اللہ عنہا بنت ابوسفیان سے زفاف: دوسرا واقعہ ام المؤمنین سیدہ ام حبیبہ رضی اللہ عنہا بنت ابوسفیان بن حرب بن امیہ سے زفاف فرمانا ہے۔ ان کی والدہ صفیہ بنت ابی العاص بن امیہ جو حضرت عثمان بن عفان کی چچی تھیں۔ سیدہ ام حبیبہ رضی اللہ عنہا پہلے عبید اللہ بن جحش جو سیدہ زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا کے بھائی تھے کی زوجیت میں تھیں اور ان کے ساتھ حبشہ کی طرف ہجرت کی تھی۔ دوسری ہجرت مدینہ طیبہ کی طرف ہے۔ ان سے حبیبہ رضی اللہ عنہا لڑکی پیدا ہوئی اس سے ان کی کنیت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا مقرر ہوئی۔ اصل نام رملہ تھا۔ بعض کہتے ہیں کہ ہند ہے مگر اول زیادہ صحیح ہے۔ اس کے بعد ان کا شوہر عبید اللہ مرتد ہو گیا اور اس نے دین نصاریٰ اختیار کر لیا۔ وہ حبشہ میں مر گیا۔ سیدہ ام حبیبہ رضی اللہ عنہا اسلام پر ثابت قدم رہیں۔ جس زمانہ میں حضرت عمرو بن امیہ ضمیری رضی اللہ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قاصد بن کر حبشہ پہنچے اور وہ ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کے پاس گئے تو ام حبیبہ رضی اللہ عنہا نے خواب میں

دیکھا کہ کوئی شخص ان کو "اے ام حبیبہ رضی اللہ عنہا" کہہ کر مخاطب کر رہا ہے۔ جب وہ بیدار ہوئیں تو اپنے خواب کی خود ہی تعبیر لی کہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے شرف فراش سے مشرف ہوں گی۔ پھر جب وہ نجاشی کے پاس پہنچے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مکتوبات گرامی پہنچائے تو ایک اور مکتوب گرامی نجاشی کو لکھا تھا جس کا مضمون یہ تھا کہ ام حبیبہ رضی اللہ عنہا دختر ابوسفیان کو جو کہ حبشہ کے مہاجرین میں ہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے پیغام دیں اور مدینہ طیبہ روانہ کر دیں۔ دیگر مہاجرین حبشہ کو بھی بھیج دیں۔ اس کے بعد نجاشی نے ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا خطبہ دیا۔ انہوں نے اسے قبول کیا اور تمام مہاجرین کو تیار کر کے دو کشتیوں میں عمرو بن امیہ ضمیری رضی اللہ عنہ کے ساتھ مدینہ منورہ روانہ کر دیا۔ ان حالات کا تذکرہ ۶ھ کے واقعات میں گزر چکا ہے۔

مروی ہے کہ نجاشی نے اپنی باندی کو جس کا نام ابرہہ تھا ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کے پاس بھیجا تا کہ وہ وکیل کا تعین کریں اور عقد نکاح انجام پائے۔ ام حبیبہ رضی اللہ عنہا نے از حد خوشی کا اظہار کیا ہاتھ پاؤں کی انگلیوں میں جتنا زور تھا اتار کر اس باندی کو دے دیا۔ حضرت خالد رضی اللہ عنہ بن سعید بن عاص کو اپنا وکیل بنایا اور نجاشی نے ایک محفل مرتب کی۔ حضرت جعفر رضی اللہ عنہ بن ابی طالب اور وہ تمام مسلمان جو حبشہ میں تھے جمع کیا اور خوب کھانا تیار کیا۔ چار سو مثقال سونا یا چار ہزار درہم کا مہر مقرر کیا اور ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کے پاس بھیجا تا کہ اپنی تیاری اور ضروریات پر صرف فرمائیں۔ سیدہ ام حبیبہ رضی اللہ عنہا نے پچاس مثقال سونا اس ابرہہ باندی کو بھیجا اور عذر خواہی کی کہ اس روز جبکہ تم خوشخبری لائی تھیں۔ واقعہ کے مطابق انعام نہ دے سکتی تھی۔ اس پر نجاشی نے ان زیوروں کو جو اس نے پہلے ابرہہ کو عنایت فرمائے تھے اور اس پچاس مثقال سونے کو اٹھا کر دوبارہ سیدہ ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں بھیجا۔ کہلویا کہ آپ ان چیزوں کی مستحق و سزاوار ہیں کیونکہ اپنے شوہر کے پاس جا رہی ہیں اور آپ سے ایک چیز کی درخواست کرتا ہوں وہ یہ کہ بارگاہ رسالت میں میرا سلام عرض کرنا اور عرض کرنا کہ میں آپ کے صحابہ کے دین پر ہوں۔ اور ہمیشہ درود و سلام بھیجتا رہتا ہوں۔ نجاشی کی عورتوں نے ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کیلئے عطر و خوشبویات بھیجیں۔ صحیح حدیث میں ہے کہ جب اس عقد کے استحکام کے سلسلہ کی خبر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو پہنچی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت شرجیل رضی اللہ عنہ بن حسنہ کو بھیجا کہ سیدہ ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کو مدینہ منورہ لائیں۔ مدینہ طیبہ پہنچنے کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے زفاف فرمایا اور جب انہوں نے نجاشی کا سلام پیش کیا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا رحمۃ اللہ و برکاتہ۔ سیدہ ام حبیبہ رضی اللہ عنہا اس وقت کچھ اوپر تیس سال کی تھیں اور ان کا وصال ہجرت کے چوالیس سال میں ہوا۔ باقی حالات از واج مطہرات کے ضمن میں آئیں گی۔ (انشاء اللہ)

اہل سیر بیان کرتے ہیں کہ صلح حدیبیہ کے دوران ایک مرتبہ ابوسفیان مدینہ منورہ آیا۔ ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کو دیکھا تو ارادہ کیا کہ بستر پر بیٹھے۔ ام حبیبہ رضی اللہ عنہا نے اس بستر پر بیٹھنے کی مہلت نہ دی اور فرمانے لگیں یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا طاہر و مطہر بستر ہے اور تم ابھی کفر و شرک کی نجاست سے آلودہ ہو۔

حضرت جعفر رضی اللہ عنہ بن ابی طالب اور اشعری جماعت کا آنا بھی اسی مجلس میں ہے۔ مروی ہے کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کو دیکھا تو فرمایا میں نہیں جانتا کہ ان دونوں خوشیوں میں سے یعنی فتح خیبر اور حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کے آنے سے کس سے خوش ہوں۔ مطلب یہ کہ دونوں خوشیاں برابر کی ہیں اور ان سب کو غنائم میں سے حصہ دیا اگرچہ یہ معرکہ جنگ میں موجود نہ تھے۔

یہود کا زہر دینا: غزوہ خیبر کے واقعات میں سے ایک واقعہ اہل خیبر کا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو زہر دینا ہے اور یہ زہر دینے والی زہن بنت حارث یہودیہ بھی جو مرحب کی بیٹی تھی اور سلام بن مشکم کی بیوی تھی۔ اس نے پہلے لوگوں سے پوچھا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم بکری کا

کون سا حصہ پسند کرتے ہیں۔ لوگوں نے بتایا ران اور شانے کے گوشت کو پسند کرتے ہیں تو اس نے ایک بکری کے بچہ کو لیا اور زہر آلود کیا۔ اس میں ایسا زہر ملایا جو فوری اثر کرنے والا اور اسی گھڑی ہلاک کرنے والا تھا۔ اس نے اس بارے میں یہودیوں سے پوچھا تھا تو انہوں نے ایسے زہر کی رہنمائی کی تھی۔ پھر اس نے اس زہر کو ران اور شانے میں زیادہ کیا۔ اس کے بعد اس نے اس کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے لا کر رکھ دیا۔ صحابہ کی ایک جماعت بھی اس مجلس مبارک میں موجود تھی اور ان میں بشر رضی اللہ عنہ بن براء بھی تھے۔ پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس میں سے کچھ حصہ لے کر سامنے کے دانتوں سے کاٹا اور بشر بن براء نے دوسرا حصہ لے لیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ”اسے تھوک دو۔ یہ ران کہتی ہے کہ اس میں زہر ملایا گیا ہے۔“ بشر بن براء رضی اللہ عنہ نے بھی عرض کیا ”یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میں جس وقت لقمہ کو چبا رہا تھا تو ایک کراہت و نفرت خود میں پارہا تھا اور میں منہ سے اسے نکال کر پھینکا نہ چاہتا تھا کہ مبادا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو کھانے میں بے رغبتی ہو۔ اس کے بعد بشر رضی اللہ عنہ اپنی جگہ سے اٹھے بھی نہ تھے کہ ان کا رنگ سبز و سیاہ ہو گیا اور اسی وقت انتقال کر گئے۔ ایک روایت میں آیا ہے کہ ایک سال تک بیمار رہے اس کے بعد وفات پائی۔ اس پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ یہود کے تمام سردار جو یہاں موجود ہیں حاضر ہوں اور زینب بنت حارث یہودیہ بھی حاضر ہو۔ جب وہ سب حاضر ہو گئے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ”میں تم سے ایک بات معلوم کرنا چاہتا ہوں کیا سچ بولو گے“ انہوں نے کہا ”ہاں! اے ابوالقاسم“ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا ”تمہارا باپ کون ہے؟“ مراد یہ کہ تمہارے قبیلہ کا جدِ اعلیٰ کون ہے اور کس کی اولاد سے ہو۔ انہوں نے کہا ”فلاں ہمارا باپ ہے“ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ”تم جھوٹ کہتے ہو تمہارا باپ فلاں ہے۔“ انہوں نے کہا ”آپ سچ فرماتے ہیں اور ٹھیک کہتے ہیں۔“ غالباً حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ دریافت فرمانا راست گوئی پر تنبیہ کرنا اور ان کی حالت کا امتحان لینا ہوگا۔ زہر خورانی کے واقعہ کے سلسلہ میں ان سے سچ بولنے پر اقرار کرنا اور مجبور کرنا ہوگا۔ سوال کے جواب میں ان کا جھوٹ بولنا یا تو قصداً ہوگا جیسا کہ جھوٹ بولنے کی اور افتراء کرنے کی ان کی عادت مستمرہ تھی یا جہل و نسیان کی بنا پر ہوگا۔ اگر قصداً جھوٹ بولا تو ظاہر ہے کہ یہ بات حقیقت حال پر مطلع ہونے کے بارے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا امتحان لینا مقصود ہوگا۔ اگر آپ سچے نبی ہیں تو ہمارا جھوٹ آپ پر کھل جائے گا اور آپ کو خدا کی طرف سے غیبی اطلاع مل جائے گی۔ جب آپ پر ظاہر ہو گیا اور ان کی حالت آپ پر منکشف ہو گئی تو انہوں نے اقبال کر لیا۔ اس قضیہ کے بعد زہر کے بارے میں پوچھا۔ صحیح بخاری میں ایک اور سوال بھی بیان کیا ہے وہ یہ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا ”کیا تم سچ بولو گے اگر تم سے کچھ پوچھا جائے۔“ انہوں نے کہا ”ہاں ابوالقاسم“ اگر ہم نے جھوٹ بولا تو آپ پر ہمارا جھوٹ کھل جائے گا جس طرح کہ آپ پر ہمارے جدِ اعلیٰ کے بارے میں ہمارا جھوٹ کھل گیا۔ اس کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے پوچھا ”جہنمی کون لوگ ہیں؟“ مطلب یہ کہ دوزخ میں ہمیشہ کون لوگ رہیں گے۔ یہود نے جواب دیا ہم لوگ دوزخ میں چند روز رہیں گے۔ لَنْ تَمَسَّنَا النَّارُ اِلَّا اَيَّامًا مَّعْدُودَةً ہمیں ہرگز آگ گنتی کے چند روز کے سوانہ چھوئے گی۔ اس کے بعد ہمارے خلیفہ آگ میں تم لوگ رہو گے اور ہمیشہ رہو گے۔ اس میں انہوں نے مسلمانوں سے خطاب کیا۔ اس پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہودیوں سے فرمایا: اٰخَسُوْا فِيْهَا۔ دور ہو اور جہنم میں جاؤ۔ لَا تَخْلُقُكُمْ فِيْهَا اَبَدًا۔ ہم تمہارے کبھی بھی آگ میں خلیفہ نہ بنیں گے۔ لفظ ”خسسا“ کتے کو دھڑکارنے کو کہتے ہیں۔ یہ مصدر لازم و متعدی دونوں میں مستعمل ہے۔ اس کے بعد فرمایا اگر میں تم سے کچھ سوال کروں تو تم کیا راست گوئی سے کام لو گے۔ انہوں نے کہا ”ہاں“ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ”کیا تم اس بکری میں زہر ملا کر لائے تھے“ انہوں نے کہا ”ہاں! آپ کو کیسے یہ راز معلوم ہو گیا؟“ فرمایا ”مجھے اس ران نے بتایا جو کہ آپ کے دست مبارک میں تھی۔“ فرمایا زہر خورانی پر تمہیں کس بات نے برا بیٹھنے کیا۔ بعض روایتوں میں آیا ہے کہ اس عورت سے پوچھا۔ ”اس سے تو کیا

اہمیت تھی، تاہم مقصد کے اعتبار سے ۱۹۲۱ء کے رجسٹر کے حصہ ۳، ۴، ۵، ۶، ۷، ۸، ۹، ۱۰، ۱۱، ۱۲، ۱۳، ۱۴، ۱۵، ۱۶، ۱۷، ۱۸، ۱۹، ۲۰، ۲۱، ۲۲، ۲۳، ۲۴، ۲۵، ۲۶، ۲۷، ۲۸، ۲۹، ۳۰، ۳۱، ۳۲، ۳۳، ۳۴، ۳۵، ۳۶، ۳۷، ۳۸، ۳۹، ۴۰، ۴۱، ۴۲، ۴۳، ۴۴، ۴۵، ۴۶، ۴۷، ۴۸، ۴۹، ۵۰، ۵۱، ۵۲، ۵۳، ۵۴، ۵۵، ۵۶، ۵۷، ۵۸، ۵۹، ۶۰، ۶۱، ۶۲، ۶۳، ۶۴، ۶۵، ۶۶، ۶۷، ۶۸، ۶۹، ۷۰، ۷۱، ۷۲، ۷۳، ۷۴، ۷۵، ۷۶، ۷۷، ۷۸، ۷۹، ۸۰، ۸۱، ۸۲، ۸۳، ۸۴، ۸۵، ۸۶، ۸۷، ۸۸، ۸۹، ۹۰، ۹۱، ۹۲، ۹۳، ۹۴، ۹۵، ۹۶، ۹۷، ۹۸، ۹۹، ۱۰۰، ۱۰۱، ۱۰۲، ۱۰۳، ۱۰۴، ۱۰۵، ۱۰۶، ۱۰۷، ۱۰۸، ۱۰۹، ۱۱۰، ۱۱۱، ۱۱۲، ۱۱۳، ۱۱۴، ۱۱۵، ۱۱۶، ۱۱۷، ۱۱۸، ۱۱۹، ۱۲۰، ۱۲۱، ۱۲۲، ۱۲۳، ۱۲۴، ۱۲۵، ۱۲۶، ۱۲۷، ۱۲۸، ۱۲۹، ۱۳۰، ۱۳۱، ۱۳۲، ۱۳۳، ۱۳۴، ۱۳۵، ۱۳۶، ۱۳۷، ۱۳۸، ۱۳۹، ۱۴۰، ۱۴۱، ۱۴۲، ۱۴۳، ۱۴۴، ۱۴۵، ۱۴۶، ۱۴۷، ۱۴۸، ۱۴۹، ۱۵۰، ۱۵۱، ۱۵۲، ۱۵۳، ۱۵۴، ۱۵۵، ۱۵۶، ۱۵۷، ۱۵۸، ۱۵۹، ۱۶۰، ۱۶۱، ۱۶۲، ۱۶۳، ۱۶۴، ۱۶۵، ۱۶۶، ۱۶۷، ۱۶۸، ۱۶۹، ۱۷۰، ۱۷۱، ۱۷۲، ۱۷۳، ۱۷۴، ۱۷۵، ۱۷۶، ۱۷۷، ۱۷۸، ۱۷۹، ۱۸۰، ۱۸۱، ۱۸۲، ۱۸۳، ۱۸۴، ۱۸۵، ۱۸۶، ۱۸۷، ۱۸۸، ۱۸۹، ۱۹۰، ۱۹۱، ۱۹۲، ۱۹۳، ۱۹۴، ۱۹۵، ۱۹۶، ۱۹۷، ۱۹۸، ۱۹۹، ۲۰۰، ۲۰۱، ۲۰۲، ۲۰۳، ۲۰۴، ۲۰۵، ۲۰۶، ۲۰۷، ۲۰۸، ۲۰۹، ۲۱۰، ۲۱۱، ۲۱۲، ۲۱۳، ۲۱۴، ۲۱۵، ۲۱۶، ۲۱۷، ۲۱۸، ۲۱۹، ۲۲۰، ۲۲۱، ۲۲۲، ۲۲۳، ۲۲۴، ۲۲۵، ۲۲۶، ۲۲۷، ۲۲۸، ۲۲۹، ۲۳۰، ۲۳۱، ۲۳۲، ۲۳۳، ۲۳۴، ۲۳۵، ۲۳۶، ۲۳۷، ۲۳۸، ۲۳۹، ۲۴۰، ۲۴۱، ۲۴۲، ۲۴۳، ۲۴۴، ۲۴۵، ۲۴۶، ۲۴۷، ۲۴۸، ۲۴۹، ۲۵۰، ۲۵۱، ۲۵۲، ۲۵۳، ۲۵۴، ۲۵۵، ۲۵۶، ۲۵۷، ۲۵۸، ۲۵۹، ۲۶۰، ۲۶۱، ۲۶۲، ۲۶۳، ۲۶۴، ۲۶۵، ۲۶۶، ۲۶۷، ۲۶۸، ۲۶۹، ۲۷۰، ۲۷۱، ۲۷۲، ۲۷۳، ۲۷۴، ۲۷۵، ۲۷۶، ۲۷۷، ۲۷۸، ۲۷۹، ۲۸۰، ۲۸۱، ۲۸۲، ۲۸۳، ۲۸۴، ۲۸۵، ۲۸۶، ۲۸۷، ۲۸۸، ۲۸۹، ۲۹۰، ۲۹۱، ۲۹۲، ۲۹۳، ۲۹۴، ۲۹۵، ۲۹۶، ۲۹۷، ۲۹۸، ۲۹۹، ۳۰۰، ۳۰۱، ۳۰۲، ۳۰۳، ۳۰۴، ۳۰۵، ۳۰۶، ۳۰۷، ۳۰۸، ۳۰۹، ۳۱۰، ۳۱۱، ۳۱۲، ۳۱۳، ۳۱۴، ۳۱۵، ۳۱۶، ۳۱۷، ۳۱۸، ۳۱۹، ۳۲۰، ۳۲۱، ۳۲۲، ۳۲۳، ۳۲۴، ۳۲۵، ۳۲۶، ۳۲۷، ۳۲۸، ۳۲۹، ۳۳۰، ۳۳۱، ۳۳۲، ۳۳۳، ۳۳۴، ۳۳۵، ۳۳۶، ۳۳۷، ۳۳۸، ۳۳۹، ۳۴۰، ۳۴۱، ۳۴۲، ۳۴۳، ۳۴۴، ۳۴۵، ۳۴۶، ۳۴۷، ۳۴۸، ۳۴۹، ۳۵۰، ۳۵۱، ۳۵۲، ۳۵۳، ۳۵۴، ۳۵۵، ۳۵۶، ۳۵۷، ۳۵۸، ۳۵۹، ۳۶۰، ۳۶۱، ۳۶۲، ۳۶۳، ۳۶۴، ۳۶۵، ۳۶۶، ۳۶۷، ۳۶۸، ۳۶۹، ۳۷۰، ۳۷۱، ۳۷۲، ۳۷۳، ۳۷۴، ۳۷۵، ۳۷۶، ۳۷۷، ۳۷۸، ۳۷۹، ۳۸۰، ۳۸۱، ۳۸۲، ۳۸۳، ۳۸۴، ۳۸۵، ۳۸۶، ۳۸۷، ۳۸۸، ۳۸۹، ۳۹۰، ۳۹۱، ۳۹۲، ۳۹۳، ۳۹۴، ۳۹۵، ۳۹۶، ۳۹۷، ۳۹۸، ۳۹۹، ۴۰۰، ۴۰۱، ۴۰۲، ۴۰۳، ۴۰۴، ۴۰۵، ۴۰۶، ۴۰۷، ۴۰۸، ۴۰۹، ۴۱۰، ۴۱۱، ۴۱۲، ۴۱۳، ۴۱۴، ۴۱۵، ۴۱۶، ۴۱۷، ۴۱۸، ۴۱۹، ۴۲۰، ۴۲۱، ۴۲۲، ۴۲۳، ۴۲۴، ۴۲۵، ۴۲۶، ۴۲۷، ۴۲۸، ۴۲۹، ۴۳۰، ۴۳۱، ۴۳۲، ۴۳۳، ۴۳۴، ۴۳۵، ۴۳۶، ۴۳۷، ۴۳۸، ۴۳۹، ۴۴۰، ۴۴۱، ۴۴۲، ۴۴۳، ۴۴۴، ۴۴۵، ۴۴۶، ۴۴۷، ۴۴۸، ۴۴۹، ۴۵۰، ۴۵۱، ۴۵۲، ۴۵۳، ۴۵۴، ۴۵۵، ۴۵۶، ۴۵۷، ۴۵۸، ۴۵۹، ۴۶۰، ۴۶۱، ۴۶۲، ۴۶۳، ۴۶۴، ۴۶۵، ۴۶۶، ۴۶۷، ۴۶۸، ۴۶۹، ۴۷۰، ۴۷۱، ۴۷۲، ۴۷۳، ۴۷۴، ۴۷۵، ۴۷۶، ۴۷۷، ۴۷۸، ۴۷۹، ۴۸۰، ۴۸۱، ۴۸۲، ۴۸۳، ۴۸۴، ۴۸۵، ۴۸۶، ۴۸۷، ۴۸۸، ۴۸۹، ۴۹۰، ۴۹۱، ۴۹۲، ۴۹۳، ۴۹۴، ۴۹۵، ۴۹۶، ۴۹۷، ۴۹۸، ۴۹۹، ۵۰۰، ۵۰۱، ۵۰۲، ۵۰۳، ۵۰۴، ۵۰۵، ۵۰۶، ۵۰۷، ۵۰۸، ۵۰۹، ۵۱۰، ۵۱۱، ۵۱۲، ۵۱۳، ۵۱۴، ۵۱۵، ۵۱۶، ۵۱۷، ۵۱۸، ۵۱۹، ۵۲۰، ۵۲۱، ۵۲۲، ۵۲۳، ۵۲۴، ۵۲۵، ۵۲۶، ۵۲۷، ۵۲۸، ۵۲۹، ۵۳۰، ۵۳۱، ۵۳۲، ۵۳۳، ۵۳۴، ۵۳۵، ۵۳۶

اللہ) جھوٹے نبی ہیں تو ہم آپ سے نجات پا جائیں گے اور ہمیں چین نصیب ہو جائے گا۔ اگر نبی برحق ہیں تو آپ کو کوئی نقصان نہ پہنچے گا۔“ علماء کا اس میں اختلاف ہے کہ اس عورت کو آپ نے سزا دی یا رہا کر دیا اور کچھ نہ فرمایا۔ چنانچہ بیہقی کے نزدیک حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ، سر مہ ۹۱، مکر حمضہ، ص ۱۱۱، علیہ السلام نے اس عورت سے کچھ نہ فرمایا۔ رواست الوضوۃ حضرت حارر رضی اللہ عنہ سے بھی اسکا

کی مانند مروی ہے لیکن دوسری روایتوں میں آیا ہے کہ اسے قتل کرادیا۔ بیہقی نے فرمایا ممکن ہے کہ ابتداء میں چھوڑ دیا ہو اور نہ چاہا ہو کہ اپنے آپ کے بدلے میں اسے قتل کریں۔ لیکن جب حضرت بشر رضی اللہ عنہ کی اس سے وفات ہوئی تو بطریق قصاص یا بطریق سیاست و سزا اسے قتل کرادیا۔ روضۃ الاحباب میں ہے کہ بعض ائمہ شوافع کا مذہب یہ ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ اگر کوئی کھانے میں زہر ملا کر کسی کو دیدے یہاں تک کہ وہ مر جائے تو قصاص واجب ہو جاتا ہے لیکن ائمہ احناف اور جمہور ائمہ شوافع رحمہم اللہ کے نزدیک ایسی حالت میں قصاص جائز نہیں ہے۔ لہذا ان کے مذہب کی بنا پر اگر قتل کی روایت صحیح ہو تو قصاص واجب ہو جاتا ہے اور صولی کا قصہ جو قتل کی روایت میں واقع ہے اس کی تائید و توجیہ ظاہر کرتی ہے۔ (واللہ اعلم)

زہری سے مروی ہے کہ وہ عورت اسلام لے آئی۔ اس بنا پر اس کو چھوڑ دیا۔ مواہب لدنیہ میں ہے کہ ”مغازی سلیمان“ میں اس

طرح مروی ہے کہ زینب بنت حارث یہودیہ نے کہا اگر آپ (معاذ اللہ) جھوٹے نبی ہیں تو میں لوگوں کو آپ سے نجات دیدوں۔ مگر بلاشبہ مجھ پر ظاہر و روشن ہو گیا کہ آپ نبی برحق ہیں۔ میں آپ کو اور تمام حاضرین کو گواہ بناتی ہوں کہ میں آپ کا دین اختیار کرتی ہوں اور پڑھتی ہوں اَشْهَدُ اَنْ لَا اِلَهَ اِلَّا اللهُ وَاَنَّ مُحَمَّدًا رَسُوْلُ اللهِ۔ اس روایت میں اس کے اسلام لانے میں زہری کی موافقت ہے اور جب حضرت بشر کا انتقال ہو گیا تو اسے قتل کر دیا۔ اس لیے کہ اب قصاص واجب ہو گیا تھا۔ (انتہی)

لیکن اس جگہ ایک شبہ وارد ہوتا ہے وہ یہ کہ چونکہ اسلام ماقبل کے گناہوں کو ناپید کر دیتا ہے خواہ حق اللہ ہو یا حق الناس تو اسلام لانے کے بعد اس سے قصاص کیوں لیا گیا۔

ارباب سیر بیان کرتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جتنا کچھ اس زہر آلود بکری سے چکھا اس کے ضرر کو دفع کرنے کیلئے اپنے دونوں شانوں کے درمیان سے خون نکلوادیا اور اپنے ان صحابہ سے بھی جنہوں نے اس کے لقمہ کو چبایا یا حلق سے اتارا تھا ان سب کو حکم دیا کہ اس کے پیچھے لگے اسے۔

عرض کیا ”نہیں یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میں نے نہیں پڑھی۔“ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مناجات کی اور کہا ”اے رب اگر علی رضی اللہ عنہ تیری اور تیرے رسول کی اطاعت میں تھے تو آفتاب کو حکم دے کہ لوٹ آئے تاکہ وہ نماز عصر ادا کر لیں۔ حق تبارک و تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا کو قبول فرمایا باوجودیکہ آفتاب غروب ہو چکا تھا دوبارہ طلوع ہوا یہاں تک کہ اس کی شعاعیں پہاڑوں اور ٹیلوں پر پڑنے لگیں اور مخلوق خدا نے آنکھوں سے دیکھا۔ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے وضو کیا اور نماز پڑھی۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کیلئے جس شمس کے واقعات

سورج کو روکنا اور اسے لوٹانا تین مقامات میں وارد ہوا ہے۔ ایک شب معراج کے بعد جبکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خبر دی کہ اس

شب معراج کے بعد جبکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خبر دی کہ اس

تلاش میں سرگرداں تھے۔ اس پر قریش کے لوگوں نے پوچھا ”بتائیے وہ قافلہ کب تک یہاں پہنچے گا۔“ فرمایا ”بدھ کے دن“ جب بدھ کا

یہ ہو کہ انبیاء سابقین علیہم السلام میں حضرت یوشع رضی اللہ عنہ کے سوا کسی کے لیے جس شخص نہیں کیا گیا یا یہ مراد ہو کہ میرے سوا کسی نبی کیلئے جس شخص نہیں کیا گیا مگر یوشع علیہ السلام کیلئے۔ دونوں احتمالات کا نتیجہ اور معنی ایک ہی ہیں۔ یا یہ بات ہو کہ یہ حدیث حضور صلی اللہ علیہ وسلم کیلئے جس شخص یا ردّ شمس کے وقوع سے پہلے صادر ہوئی ہو۔ واللہ اعلم لہذا معلوم ہوا کہ ردّ شمس یا جس شمس کے بارے میں محدثین کا کلام حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی حدیث کے بارے میں خاص نہیں ہے بلکہ ان تینوں مواقع میں جو مذکور ہوئیں ان میں کلام ہے۔

اب رہا حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کیلئے ردّ شمس کی حدیث میں کلام! تو جو کچھ علماء نے بیان کیا ہے ہم بغیر تصحف و تعف کے انہیں نقل کرتے ہیں۔ وَمَا عَلَيْنَا إِلَّا الْبَلَاغُ۔ چنانچہ مواہب لدنیہ میں ہے کہ اس حدیث کو امام طحاوی (فائق علی البخاری) جو کہ اکابر علماء ائمہ میں سے ہیں وہ اصل میں شافعی المذہب تھے۔ اس سے انہوں نے مذہب حنفی کی طرف رجوع فرمایا۔ انہوں نے شرح مشکوٰۃ الآثار میں نقل کیا ہے جسے قاضی عیاض مالکی نے نقل کیا ہے۔ امام طحاوی فرماتے ہیں کہ احمد بن صالح، محدثین میں بڑے ثقہ بزرگ و عالم ہیں وہ امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کی شان میں فرماتے ہیں کہ کسی ایسے شخص کو جسے علم میں دسترس ہو لائق نہیں ہے کہ وہ سیدہ اسماء رضی اللہ عنہا بنت عمیس کی حدیث کے حفظ میں تخلف و تغافل کرے اور اس لیے کہ ان کی حدیث نبوت کی علامتوں اور نشانیوں میں سے ہے۔ بعض علماء کہتے ہیں کہ یہ حدیث صحیح نہیں ہے اور ابن جوزی نے تو اسے موضوعات میں شمار کیا ہے۔ بلاشبہ اس حدیث کی سند میں احمد بن داؤد ہے اور یہ شخص متروک الحدیث اور کذاب ہے۔ جیسا کہ دارقطنی نے کہا ہے۔ ابن حبان بھی یہی کہتے ہیں کہ وہ حدیثیں گھڑا کرتا تھا۔ نیز ابن جوزی نے کہا ہے کہ اس حدیث کو ابن شاہین نے نقل کر کے کہا کہ یہ حدیث باطل ہے اور اس کے وضع کرنے والے کی غفلت ظاہر ہے کہ اس نے فضیلت کی ظاہری صورت تو دیکھ لی۔ اس کے عدم فائدہ پر غور نہ کیا، یہ نہ جانا کہ نماز عصر غروب آفتاب سے قضا ہو جاتی ہے اور رجوع شمس سے یہ ادا نہیں ہو سکتی۔

ابن تیمیہ نے روافض کے رد میں ایک مستقل کتاب لکھی ہے۔ اس کتاب میں اس حدیث کو نقل کر کے اس کی سند اور اس کے راویوں کے بارے میں کہا ہے کہ یہ وضعی ہے۔ کہا کہ تعجب ہے کہ قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ باوجود اپنی اتنی جلالت قدر اور علوم مرتبت کے جو انہیں علوم حدیث میں حاصل ہے کس طرح اس میں خاموش رہے اس کی صحت کو مبہم رکھا اور اس کا ثبوت نقل نہیں کیا۔ کاتب حروف عفا اللہ عنہ (یعنی شیخ محقق رحمۃ اللہ علیہ) کہتا ہے کہ اس قائل کا یہ کہنا کہ غروب آفتاب سے نماز عصر قضا ہو جاتی ہے اور رجوع شمس سے ادا نہیں ہو سکتی محل نظر ہے۔ اس لیے کہ قضا اس صورت میں ہوتی ہے جبکہ آفتاب عیبو بیت میں قائم و باقی رہے اور وقت فوت ہو جائے۔ لیکن اگر وقت بھی لوٹ آئے تو کیوں ادا نہیں ہو سکتی کیونکہ ادا کے معنی یہی ہیں کہ اس کے وقت میں نماز ادا کی جائے۔ اگرچہ یہ اعادہ وقت سے ہو۔ نیز حضرت قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ کی جلالت قدر اور علوم مرتبت کے اعتراف کے بعد تردد و توقف مناسب ہے؟ (مطلب یہ کہ جب ان کے مرتبہ و کمال اور مقام کا اعتراف ہے تو اب اس میں تردد و توقف کیوں کرتے ہو۔ اس میں غور و فکر کرنا چاہیے) نہ کہ اس کے بطلان و انکار پر یقین کرنا چاہیے۔ اس کے باوجود کہ امام طحاوی اور احمد بن صالح جیسے اکابر سے اس کی صحت ظاہر ہو چکی ہو۔ بات یہ ہے کہ ابن جوزی وضع کا حکم کرنے اور اس کا ادا کرنے میں بڑا جلد باز ہے۔

اس بات میں اس کا قول موثق اور لائق اعتنا نہیں ہے جس طرح کہ شیخ ابن حجر عسقلانی نے اس حدیث میں دعویٰ کیا ہے کہ سَدُّوا مَحَلَّ بَابٍ إِلَّا بِبَابِ عَلِيٍّ (مسجد نبوی کی طرف تمام دروازوں کو بند کر دو۔ مگر علی رضی اللہ عنہ کے دروازے کے) ابن جوزی نے اس کو وضعی قرار دینے میں مستعد ہو کر اس طرح صحت حدیث بیان کی ہے کہ فرمایا: سَدُّوا كُلَّ خَوْخَةٍ إِلَّا خَوْخَةَ أَبِي بَكْرٍ (ہر دروازہ کو بند کر دو۔ مگر ابو بکر کے دروازے کے) تاریخ مدینہ منورہ میں ہم نے اسے بیان کیا ہے۔ شیخ محمد سخاوی مقاصد حسنہ میں فرماتے ہیں کہ امام

احمد نے کہا ”لا اصل له“ یعنی اس کی کوئی اصلیت نہیں اور ابن جوزی نے ان کی پیروی کرتے ہوئے اسے موضوعات میں نقل کر دیا ہے حالانکہ امام طحاوی اور قاضی عیاض رحمہما اللہ نے اسے صحیح قرار دیا اور ابن مندہ اور ابن شاہین سے اسماء رضی اللہ عنہا بنت عمیس کی حدیث کو اور ابن مردویہ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے حدیث نقل کی ہے۔ (انتہی)

نیز مواہب میں منقول ہے کہ اس حدیث کو طبرانی نے معجم کبیر میں باسناد حسن روایت کیا ہے جس طرح کہ شیخ الاسلام بن عراقی نے شرح تقریب میں اسماء رضی اللہ عنہا بنت عمیس سے نقل کیا ہے اور حافظ ابن کثیر نے فرمایا کہ یوشع کی حدیث سے معلوم نہ ہوا کہ رد شمس حضرت یوشع رضی اللہ عنہ کے خصائص میں سے ہے۔ لہذا وہ حدیث جو حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے لیے رد شمس میں روایت کی گئی ہے ضعف پر دلالت کرتی ہے اور اس حدیث کی صحت احمد بن صالح مصری نے بیان کی ہے لیکن کتب صحاح و حسان میں نقل نہیں کیا گیا۔ باوجود تجسس و تلاش کے حسن و منفرد ہی یہ حدیث منقول ہے کیونکہ اہل بیت میں سے ایک مجہول و غیر معروف عورت نے نقل کیا جس کا حال کسی کو معلوم نہیں ہوا۔ (انتہی)

مخفی نہ رہنا چاہیے کہ ان کا یہ کہنا کہ ”کتب صحاح میں ذکر نہیں کیا گیا اور حسن و منفرد ہے“ یہ قابل غور و فکر ہے کیونکہ جب امام طحاوی احمد بن ابی صالح طبرانی قاضی عیاض رحمہم اللہ اس کی صحت اس کے حسن ہونے کے قائل ہیں اور انہوں نے اپنی کتابوں میں نقل کیا ہے۔ تو اب ان کا یہ کہنا کہ کتب صحاح و حسان میں ذکر نہیں کیا درست نہ ہوگا۔ لازم نہیں ہے کہ تمام ہی کتب صحاح و حسان میں مذکور ہوں نیز ان کا یہ کہنا ”اہل بیت میں سے ایک مجہول و غیر معروف عورت نے نقل کیا ہے جس کا حال کسی کو معلوم نہیں“۔ یہ بات سیدہ اسماء رضی اللہ عنہا بنت عمیس کے حال کے بارے میں کہنا ممنوع ہے اس لیے کہ وہ جلیلہ و جلیلہ عاقلہ و دانا عورت ہیں اور ان کے احوال معلوم و معروف ہیں۔ وہ حضرت جعفر رضی اللہ عنہ بن ابی طالب کی زوجیت میں تھیں اور ان سے عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہ تولد ہوئے تھے۔ اس کے بعد وہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی زوجیت میں آئیں۔ ان سے محمد بن ابی بکر پیدا ہوئے ان کے بعد وہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی زوجیت میں آئیں اور ان سے یحییٰ بن علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ پیدا ہوئے۔

بعض لوگ کہتے ہیں کہ علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز پڑھنے سے رہ جانا اور اس میں تاخیر کرنا بعید ہے حالانکہ اس میں کوئی بعد نہیں ہے اور ایسے حوادث و حوائج بہت ہیں جن کی بنا پر ایسے امور رونما ہو سکتے ہیں۔ مروی ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو (ظہر) کی نماز کے بعد کسی کام سے بھیجا تھا۔ غزوہ خیبر کے کام بہت زیادہ تھے۔ ان کے جانے کے بعد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز عصر ادا کی ہوگی اور اس میں علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ شریک نہ ہوئے تھے۔ اس بنا پر یہ واقعہ رونما ہوا ہوگا۔ (واللہ اعلم بحقیقۃ الحال)

قصہ لیلۃ التعلیس: اسی غزوے کے واقعات میں سے لیلۃ التعلیس کا قصہ ہے۔ تعلیس آخر شب میں سونے کیلئے مسافر کے اترنے اور ٹھہرنے کو کہتے ہیں۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر غزوہ خیبر کی لیلۃ التعلیس میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز عصر ادا کی ہوگی اور اس میں علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ شریک نہ ہوئے تھے۔ اس بنا پر یہ واقعہ رونما ہوا ہوگا۔ (واللہ اعلم بحقیقۃ الحال)

کیلئے آمادہ و تیار ہوئے اور نماز میں مشغول ہو گئے۔ اتنی نمازیں پڑھیں جتنی خدا نے ان کو توفیق دی اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ جن میں حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ بھی تھے سو گئے۔ روایت میں یہ بھی آیا ہے کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے بھی حضرت بلال رضی اللہ عنہ سے تاکید فرمایا تھا کہ ”اے بلال رضی اللہ عنہ اپنی آنکھوں کو نیند سے خبردار رکھنا۔ یہ بارگراں حضرت بلال رضی اللہ عنہ کی گردن پہ پڑا۔ جب صبح کا وقت قریب ہوا تو حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے اپنے کجاوے سے ٹیک لگالی اور طلوع فجر کی طرف متوجہ ہوئے اور غور سے آسمان کی طرف دیکھنے لگے۔ اچانک حضرت بلال رضی اللہ عنہ کی آنکھیں بوجھل ہونے لگیں اور بے اختیار نیند آ گئی۔ حالانکہ اپنے اونٹ سے تکیہ لگائے ہوئے تھے۔ ایک روایت میں ہے کہ اپنی دستار کو کھول کر اس سے ”احتباء“ کیا چنانچہ نہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہی بیدار ہوئے اور نہ کوئی اور صحابی یہاں تک کہ سورج طلوع کر آیا۔ اس کے بعد سب سے پہلے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بیدار ہوئے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم سوئے نماز کے فوت ہو جانے سے حق تعالیٰ کے قہر و جلال اور اس کی تجلی سے ڈرے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد اور حضرات بھی بیدار ہو گئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بلال رضی اللہ عنہ کو آواز دی اور فرمایا ”اے بلال رضی اللہ عنہ! یہ کیا ہوا تم کیوں سو گئے تھے اور اس پر حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے عرض کیا ”میں کیا عرض کروں مجھے بھی اسی نے آگھیرا تھا جس نے آپ کو گھیرا تھا“ اس قوت بیداری کے باوجود جو آپ کو حاصل ہے۔“ دوسری حدیث میں آیا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے فرمایا ”بلال رضی اللہ عنہ کے پاس شیطان آیا حالانکہ وہ نماز میں کھڑے تھے“۔ شیطان نے بلال رضی اللہ عنہ کے سینہ پر ہاتھ مارا اور انہیں اس طرح تھپک تھپک کر سلا دیا جس طرح بچے کو تھپک تھپک کر سلاتے ہیں اور بلال رضی اللہ عنہ سو گئے۔“ اس کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو بلایا اور ان سے ان کے سو جانے کی کیفیت دریافت فرمائی تو انہوں نے دیا ہی عرض کیا جیسا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت صدیق رضی اللہ عنہ سے فرمایا تھا۔ حضرت صدیق رضی اللہ عنہ نے کہا ”اِنَّهُذَ اَنْتَكَ رَسُوْلُ اللّٰهِ وَالْحَقُّ“ یہ مقام تجدید ایمان اور تصدیق و شہادت رسالت کا ہے تاکہ کسی قسم کا وسوسہ شیطانی دخل انداز نہ ہو۔ اس کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ سے فرمایا اپنے اونٹوں کو یہاں سے اٹھا کر لے چلو۔ صحابہ نے اپنے اونٹوں کو اٹھایا اور وہاں سے چل دیئے۔ اس وادی سے چلے جانے کا سبب بیان کرنے میں علماء کا اختلاف ہے۔ کسی نے کہا کہ چونکہ اوقات ممنوعہ مکروہہ میں قضا نماز جائز نہ تھی۔ جیسا کہ مذہب حنفیہ ہے۔ فرماتے ہیں کہ وہاں سے کوچ کرنا اس لیے تھا کہ آفتاب بلند ہو جائے اور کچھ علماء اوقات مکروہہ میں نماز کی ممانعت کو نوافل کے ساتھ مخصوص قرار دیتے ہیں۔ چنانچہ شوافع کہتے ہیں کہ اس وادی سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے کوچ فرمانے کا سبب یہ تھا کہ وہ شیطان کی جگہ تھی۔ جیسا کہ روایت میں صراحت بھی مذکور ہے یہاں تک کہ وضو کرنے، اذان دینے، اقامت کہنے میں آفتاب بلند ہو جاتا اور نماز ممنوعہ مکروہہ وقت میں واقع نہ ہوتی اور وہاں سے کوچ کرنے کی حاجت نہ رہتی۔

دوسری جگہ پہنچنے کے بعد پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے وضو فرمایا، بلال رضی اللہ عنہ کو اذان دینے کا حکم فرمایا اور اقامت کے ساتھ انہیں صحابہ کے ساتھ فجر کی نماز پڑھی۔ ایک حدیث سے ظاہر ہوتا ہے کہ قضا نماز کیلئے اذان نہیں ہے اور مذہب شوافع کا ایک قول بھی یہی ہے۔ اور ان کا دوسرا قول یہ ہے کہ نہ اذان ہے نہ اقامت۔ ہدایہ میں کہا گیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے لیلۃ التعلیس کی صبح میں نماز فجر کی قضا اذان و اقامت کے ساتھ پڑھی۔ شیخ ابن الہمام اس باب میں احادیث صحیحہ لائے ہیں۔ وہ فرماتے ہیں کہ اذان تہاد دخول وقت کی خبر دینے اور مسلمانوں کے بلانے کیلئے مشروع ہے۔ اس جگہ تو وہ سب موجود ہی تھی؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ اذان صرف خبر دینے کیلئے ہی نہیں ہے بلکہ کلمات اذان کے ذکر کے ذریعہ ثواب حاصل کرنا بھی ہے اور تکمیل نماز بھی اسی سے مشروع ہے۔ اسی بنا پر افضل یہ ہے کہ ایک فرد بھی اذان و اقامت کہے جس طرح کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک بکری چرانے والے چرواہے کو دیکھا کہ وہ اذان دیتا ہے اور نماز

دریافت سے کلام کرنا حسن ادب کے دائرے سے باہر ہے اور اس کا حکم تشابہات میں حکم کرنے کی مانند ہے۔

لحم خمر کی حرمت: اس غزوہ خیبر کے واقعات میں سے گھریلو گدھوں کے گوشت کا حرام قرار دینا بھی ہے۔ چنانچہ حدیث مبارک میں مروی ہے کہ جس دن خیبر فتح ہوا اور شام کا وقت آیا تو مسلمانوں نے خوب آگ جلائی۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا یہ آگ کیسی ہے؟ اور کیا چیز پکا رہے ہو؟ لوگوں نے عرض کیا آگ پر گوشت پکا رہے ہیں۔ فرمایا: ”کس کا گوشت؟“ عرض کیا ”پالتو گدھوں کا گوشت“۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ”زمین پر الٹ دو اور ہانڈیوں کو توڑ دو“۔ اس پر کسی نے عرض کیا ”توڑ دیں یا ان کو دھو ڈالیں“۔ فرمایا ”دھو ڈالو“ بعض علماء کہتے ہیں کہ حمار انسی یا حمار ابلی یعنی پالتو گدھا فرمانا۔ حمار وحشی یعنی جنگلی گدھے سے احتراز کیلئے ہے کیونکہ حمار وحشی حلال ہے اور پالتو گدھا بھی حلال تھا مگر اب حرام کر دیا گیا۔ (کذا فی المواہب)

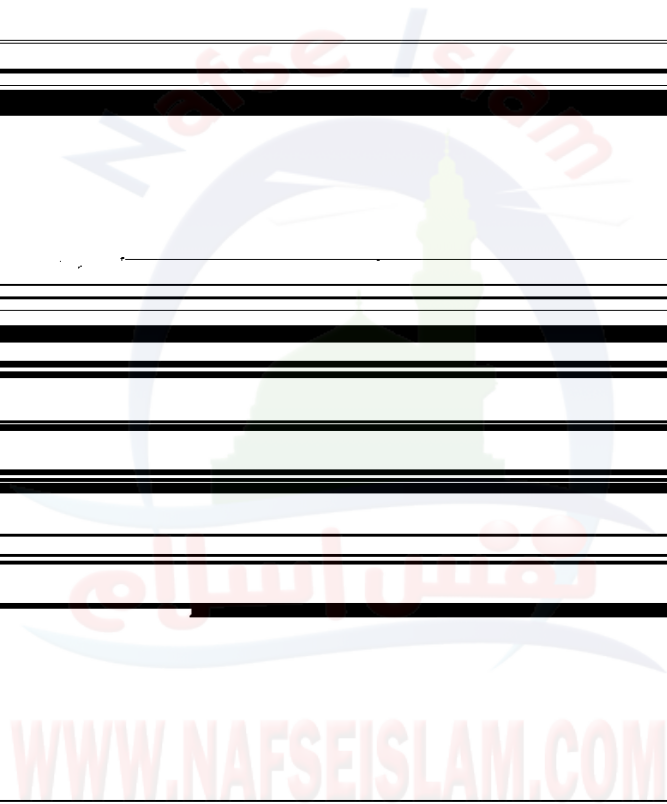
ایک روایت میں آیا ہے کہ عبد اللہ بن ابی اوفی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ روز خیبر ہمیں بھوک لگی تو ہم نے گدھے کا گوشت پکانے کیلئے ہانڈیاں آگ پر رکھیں۔ کچھ ہانڈیاں پک گئی تھیں اور کچھ ابھی کچی تھیں۔ اس کے بعد اعلان ہوا کہ انہیں پھینک دو اور ہانڈیوں کو توڑ

سبب پر دلالت کرتی ہے جو انہیں درپیش تھا۔ اس لیے یہ مطلقاً علت پر دلالت نہیں کرتی۔ اس کا جواب اس طرح دیا گیا ہے کہ اکثر روایتوں میں لفظ اذن بمعنی اجازت آیا ہے۔ جیسا کہ مسلم میں ہے اور اسی میں ایک روایت یہ ہے کہ ہم خیر کے زمانہ میں لحم فرس اور لحم حمر وحشی کھاتے تھے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حمار اہلی سے منع فرمایا۔ دارقطنی کے نزدیک حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث میں آیا ہے کہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے حمار اہلی سے منع فرمایا اور لحم خیل کا حکم فرمایا۔ لہذا حدیث دلالت کرتی ہے کہ ”رخص“ بمعنی ”اذن“ ہے اور اگر رخصت، منحصر کے بنا پر ہوتی ہے تو اس کیلئے پالتو گدھے زیادہ مناسب ہوتے کیونکہ وہ ہوتے بھی کثرت سے ہیں اور گھوڑوں کی اس وقت بڑی قدر و قیمت اور عزت تھی۔ اس بنا پر یہ حدیث اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ لحم فرس کے کھانے کی اجازت اباحت عامہ کی بنا پر تھی نہ کہ کسی خاص ضرورت کی بنا پر۔ یہ سب باتیں مواہب لدنیہ میں مذکور ہیں اور فتاویٰ سراجیہ میں مذکور ہے کہ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک لحم فرس مکروہ ہے۔ اس میں صاحبین اور امام شافعی رحمہم اللہ کا اختلاف ہے ان کے نزدیک مکروہ نہیں ہے اور قاضی امام صدر الاسلام نے فرمایا کہ کراہت سے مراد تحریم ہے اور ان کے بھائی فخر الاسلام شیخ امام علی بزدری نے فرمایا کہ کراہت سے مراد تنزیہ ہے۔ شیخ الاسلام امام سرخسی نے فرمایا کہ امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ نے جو کچھ فرمایا وہ احوط ہے اور صاحبین نے جو فرمایا وہ لوگوں کیلئے وسع ہے۔ کتاب ”خلاصہ“ میں کہا گیا ہے کہ لحم فرس مکروہ ہے اور اصح یہ ہے کہ کراہت تحریمی ہے اور کافی میں کہا گیا ہے کہ مکروہ کبراہت تنزیہی ہے اور یہی صحیح ہے۔ اسی کی طرف فخر الاسلام اور ابو نعیم اپنی اپنی ”جامع“ میں گئے ہیں اور امام اسحاق نے اسی کو اختیار کیا ہے۔ امام سرخسی نے فرمایا یہ لوگوں کیلئے طرف ظاہر کی بنا پر ارفق زیادہ نرمی ہے کہ وہ بلا تکلیف لحم فرس پیچیں۔ ”کفایۃ المستفتی“ میں کہا گیا ہے کہ امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے لحم فرس کی حرمت سے اپنی رحلت سے تین دن پہلے رجوع فرمایا تھا اسی پر فتویٰ ہے اور اس کی اباحت پر ماوراء النہر کے علماء کا اتفاق خفیوں کیلئے اس کے کھانے اور اس کی جرأت پر کافی ہے اور احناف کے بعض اقتیاء سے ایسا سنا گیا ہے کہ وہ خود تو نہیں کھاتے تھے لیکن اس سے مہمانوں کی ضیافت کرتے تھے (واللہ اعلم)

لہسن و پیاز کا حکم: اسی غزوہ کے واقعات میں سے لہسن کے کھانے کی حرمت ہے۔ صحیح یہ ہے کہ لہسن و پیاز کا کھانا حرام نہیں ہے لیکن اس کے کھانے کے بعد مساجد اور مجالس خیر میں جانا مکروہ ہے۔ کیونکہ اس کی بو سے لوگوں کو ایذا ہوتی ہے اور ہر ذی ناب درندوں کی حرمت واقع ہوئی۔ تقسیم سے پہلے غنائم کے فروخت کی حرمت واقع ہوئی اور وطنی پیش از استبراء یعنی حاملہ باندیوں سے بچہ پیدا ہونے سے پہلے جماع کرنے اور عورتوں سے متعہ کرنے کی ممانعت واقع ہوئی، متعہ وقت معین تک نکاح کرنے کو کہتے ہیں۔

حرمت متعہ: اسی غزوہ خبیر کے واقعات میں سے حرمت متعہ ہے۔ ابتدائے اسلام سے غزوہ خبیر تک متعہ مباح تھا اس کے بعد غزوے میں اسے حرام قرار دے دیا گیا۔ پھر اس غزوے کے بعد فتح مکہ تک یعنی یوم اوطاس تک مباح کر دیا گیا۔ یوں اوطاس فتح مکہ کے بعد ہے اسے فتح مکہ کے ساتھ اس لیے موسوم کیا جاتا ہے کہ یہ فتح مکہ کے بالکل متصل ہی واقع ہوا۔ اس کے تین دن کے بعد اسے ہمیشہ کیلئے حرام قرار دے دیا گیا۔ اس کی حرمت اہل یودا کی ہے اس میں بجز روافض کے کسی کا اختلاف نہیں ہے۔

رہے۔ مدد سے۔ جگہ۔ مشک۔ کہ۔ ترجمہ کر۔ اقبال۔ حضرت صلوات اللہ علیہ وسلم اور ان کے پیروں، ان کے اہل خانہ اور حقیقت حال



اسی طرح اہل خیبر کو خیبر سے نکالا۔ یہود نے کہا اے عمر رضی اللہ عنہ! کیا وجہ ہے جس چیز کو ابوالقاسم (صلی اللہ علیہ وسلم) نے مقرر فرمایا تم اس کے خلاف کرتے ہو۔ فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔ جان لو میں اس دن موجود نہ تھا اور نہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے تم سے فرمایا جب تک ہماری مرضی رہی تم اس پر قائم رہے۔ اب ہم نہیں چاہتے ہماری مرضی نہیں ہے۔ بخاری کی حدیث میں ہے جو ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کھڑے ہو گئے اور اپنا مصمم اور پختہ ارادہ فرمایا کہ ان یہودیوں کو نکال کے رہیں گے۔ پھر بنی الحقیق کے ایک شخص نے آ کر کہا۔ اے امیر المؤمنین ہمیں نکالتے ہو حالانکہ ابوالقاسم (صلی اللہ علیہ وسلم) نے ہمیں مقرر فرمایا۔ اس پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کیا تیرا گمان ہے کہ میں رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے قول کو بھلا دوں گا جو تجھ سے کہا کہ اس وقت تیرا کیا حال ہوگا۔ جبکہ تو نکالا جائے گا اور راتوں رات اونٹ دوڑیں گے۔ مطلب یہ کہ تم لوگ کئی راتوں میں یہاں سے نکلو گے۔ اس یہودی نے کہا یہ بات تو ابوالقاسم (صلی اللہ علیہ وسلم) نے بطریق ہزل و مزاح فرمائی تھی۔ نہ کہ برسبیل جدوجہز۔ اس پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا ”اوہ دشمن خدا! تو جھوٹ بکتا ہے“ اس کے بعد ان کو جلا وطن کر دیا اور ان کے اموال کی قیمت دیدی جو بھی کچھ ان کا ساز و سامان اونٹ وغیرہ تھے حتیٰ کہ رسیوں اور پالان وغیرہ کی بھی قیمت دیدی۔

جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم خیبر سے واپس ہوئے تو وادی القریٰ کی جانب توجہ فرمائی۔ منزل صہبا میں قیام فرمایا اور وہیں سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا سے زفاف ہوا اور اسی منزل میں حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کیلئے روشنس واقع ہوا۔ (جیسا کہ گزر چکا ہے)

غزوہ وادی القریٰ: حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب وادی القریٰ میں نزول فرمایا تو ان لوگوں کا چار دن تک محاصرہ فرمایا وہ بھی جنگ کیلئے آمادہ ہو گئے اور قتال کیلئے نکل آئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی قتال کیلئے صف بندی فرمائی اور کسی صحابی کو علم مرحمت فرمایا۔ (ارباب سیر کا علمبردار کے نام میں اختلاف ہے) اور ان کو اسلام کی دعوت دی اور فرمایا کہ اگر تم مسلمان ہو جاؤ تو تمہارے جان و مال محفوظ و مصنون رہیں گے اور تمہارا حساب حق تعالیٰ پر ہوگا۔ انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ نصیحت قبول نہ کی اور جنگ پر ہی مصرر رہے۔ اس دن شام تک جنگ جاری رہی۔ یہودیوں کے دس آدمی جہنم رسید ہوئے۔ دوسرے دن صبح کے وقت فتح واقع ہوئی اور بکثرت اناشہ اور بے شمار مال و متاع مسلمانوں کے ہاتھ آیا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے وادی القریٰ کے یہودیوں پر احسان فرمایا ان کی اراضی اور ان کے باغات کو انہیں کے قبضہ میں رہنے دیا تاکہ وہ مزدوری پر کام کریں۔ وادی القریٰ کے یہودیوں کو خبر ”یتما“ کے یہودیوں کو پہنچی تو وہ ڈر گئے اور صلح کر کے جزیہ دینا قبول کر لیا۔ اس طرح بہت سے سرایا (چھوٹے چھوٹے لشکر) روانہ فرمائے۔ سریہ

دیئے جاؤ تو ہدی میں سے جو میسر ہو) امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ کی دلیل یہ ہے کہ شروع کرنے سے عمرہ لازم ہو گیا پھر جب اسے روک دیا گیا تو ادا نہیں ہوا مانع اور رکاوٹ ختم ہو جانے کے بعد قضا لازم ہے۔ شافع کہتے ہیں کہ حدیبیہ کا عمرہ فاسد نہ ہوا تھا بلکہ پورا ہو گیا تھا۔ اسی بنا پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے عمرے کی تعداد چار شمار کرتے ہیں لہذا معلوم ہوتا ہے کہ حدیبیہ کا عمرہ بھی گنا گیا اور اس کا اعتبار کیا گیا ہے۔ یہ بات اس میں داخل ہے کہ اس سے مراد یہ ہے کہ اس کا اجر حصول کی بنا پر ثابت ہے۔ ظاہر ہے کہ عمرہ وجود میں نہیں آیا اور طواف وسعی واقع نہیں ہوئی۔ خلاصہ یہ کہ غزوہ خیبر سے واپسی اور اس مہم کو مکمل فرمانے کے بعد اور مدینہ طیبہ کے اطراف و اکناف میں سرایا بھیجنے کے بعد ہجرت کے ساتویں سال ابتدائے ماہ ذیقعدہ میں ”عمرۃ القضاء کی تیاری میں مشغول ہوئے اور حکم فرمایا کہ جو صحابہ حدیبیہ میں

جو حضرات بقید حیات تھے تیاری شروع کر دی اور بارگاہ رسالت میں حاضر ہو گئے کچھ اور حضرات بھی جو بیعتہ رضوان میں حاضر نہ تھے وہ بھی ہمراہ ہو گئے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی رکاب سعادت میں چل دیئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوہم غفاری کو مدینہ میں خلیفہ بنایا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم دو ہزار صحابہ اور سو گھوڑے اسیل اور ساٹھ ہدی (ایک روایت میں ہے اسی اونٹ اور جنگی اسلحہ یعنی خود زریں نیزے وغیرہ) ساتھ لے کر باہر نکلے۔ جب ذوالحلیفہ میں پہنچے تو گھوڑوں کو محمد رضی اللہ عنہ بن مسلمہ کے سپرد فرمایا اور اسلحہ بشر بن سعد کو دیا۔ احرام باندھا تبلیہ کہا۔ مسلمانوں نے بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ احرام باندھے اور تبلیہ کہی۔ گھوڑوں اور اسلحہ کو آگے بھیج دیا۔ جب مر الظهر ان پہنچے جو مکہ سے ایک منزل کے فاصلہ پر ہے وہاں قریش کی جماعت ملی۔ محمد رضی اللہ عنہ بن مسلمہ سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں انہوں نے پوچھا: ”کہ کہاں ہیں؟“ فرمایا کل تک تشریف لے آئیں گے اور اسی منزل میں قیام فرمائیں گے۔ انشاء اللہ تعالیٰ اس کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم بھی تشریف لے آئے اور بنو ماجج کے قریب نزول فرمایا۔ پھر جب قریش نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری کو سنا۔ اسلحہ اور گھوڑوں کو دیکھا تو پوچھنے لگے یہ کیا ہے؟ کیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم جنگ کے ارادے سے آئے ہیں اور صلح کو توڑتے ہیں؟ فرمایا صلح اپنی جگہ قائم ہے۔ یہ بطور احتیاط ساتھ لیا ہے اس سے کفار کو اطمینان ہو گیا۔ پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس مقام میں اوس رضی اللہ عنہ بن خولی انصاری کو دو سو صحابہ کے ساتھ چھوڑا اور مکہ مکرمہ کے ارادے سے تشریف لے چلے اور اپنی سواری قصواء پر سوار ہوئے۔ مسلمانوں نے اپنی شمشیریں نیام میں کر کے حائل کیں۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم اور تمام مسلمان تبلیہ پڑھتے ہوئے چل دیئے۔ قریش ان خبروں کو سننے کے لیے پہاڑوں پر اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے گرد پیش چل رہے تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم مع ”ہدایا“ کے ذی طویٰ میں داخل ہوئے۔ اور کوکبہ رسالت نے شنبہ سے تھون پر طلوع فرمایا اور حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ بن رواحہ جو مخلصین صحابہ اور شعراء اسلام میں سے تھے۔ اونٹ کی مہارت تھا وہ ہوئے آگے آگے چل رہے تھے اور یہ

اور کفار کے دلوں میں تیروں کی مانند چبھتے ہیں۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تبلیہ پڑھتے ہوئے کعبہ معظمہ تک تشریف لائے یہاں تک کہ حجر اسود کا ستیلام فرمایا اور آپ کا ستیلام فرمانا اس عصائے مبارک سے تھا۔ جو سرکج کی لکڑی کا آپ کے دست مبارک میں اکثر رہا کرتا تھا جو چوگان کی مانند تھا جسے بچن کہتے ہیں اور اپنی سواری پر سوار طواف فرمایا اور آپ اصطباغ کیے ہوئے تھے۔ اصطباغ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنی چادر شریف کے کپڑے کو داہنے بغل شریف کے نیچے اور بائیں شانہ پر ڈالے ہوئے تھے۔ صحابہ نے بھی ایسا ہی کر رکھا تھا اور جب مشرکوں نے طعنہ مارا کہ یثرب کے بخار اور وہاں کی متعفن ہوائے صحابہ کو سست و کمزور بنا دیا ہے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کو فرمایا کہ قوت و شوکت کا مظاہرہ کر کے مشرکوں کو دکھائیں اور پہلے تین پھیروں میں رمل کریں یعنی اکثر کر تیز قدم رکھیں۔ آخر

کے چار پھیرے اپنے حال پر کریں رمل اس طرح دوڑ کر اور اکثر کر چلنے کو کہتے ہیں۔ جیسے پہلوان چلتے ہیں اور تمام پھیروں میں رمل کا حکم نہ فرمایا اور یہ صحابہ پر شفقت و مہربانی فرمانے کی بنا پر ہے۔ فرمایا پہلے تین پھیروں میں بھی رکن یمانی اور حجر اسود کے درمیان آہستہ آہستہ چلیں اس لیے کہ مشرکین تم کو نہ دیکھ سکیں گے کیونکہ مشرکین قعیقان کے پہاڑ پر تھے جو رکن شامی اور رکن عراقی کے مقابل تھا۔ ایک روایت میں آیا ہے کہ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ بن رواحہ اس رجز کے اشعار حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے طواف کے وقت پڑھتے جاتے تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا کہ اس ذکر کو بھی پڑھو لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَحْدَهُ نَصَرَ عَبْدَهُ وَأَعَزَّ جُنْدَهُ وَهَزَمَ الْأَحْزَابَ وَاللَّهُ سَواكُومُ مَعْبُودِينَ جس نے اپنے بندے سے نصرت کا وعدہ فرمایا اور ان کے لشکر کو عزت دی۔ ایک ایک ہو کر احزاب یعنی قبائل بھاگے۔ حضرت ابن رواحہ رضی اللہ عنہ نے یہ ذکر شروع فرمایا تو تمام صحابہ بھی ان کے ساتھ ہم آواز ہو کر پڑھنے لگے۔ طواف کے بعد مسجد سے باہر تشریف لائے اور اسی سواری پر صفا و مروہ کے درمیان سعی فرمائی۔ حکم فرمایا کہ ہدی کو مروہ کے قریب لایا جائے۔ یہ منحر ہے اور مکہ مکرمہ کے تمام کوچے منحر یعنی قربان گاہ ہیں اور ان میں نحر قربان جائز ہے۔ پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مروہ کے پاس قربانی دی اور حلق فرمایا یعنی سر مبارک کے بال منڈوائے اور صحابہ نے بھی ایسا ہی کیا۔ صحابہ کی ایک جماعت کو طعن ماجج بھیجا کہ وہ ان کے ہتھیاروں کی محافظت کریں اور ان کے پاس رہیں اور جو صحابہ وہاں ہیں آ کر اپنے نسک ادا کر لیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا خانہ کعبہ کے اندر داخل ہونے کے بارے میں ایک روایت یہ ہے کہ ظہر کی نماز آپ نے وہاں پڑی۔ ایک روایت میں ہے کہ ”عمرۃ القضاء“ میں حضور خانہ کعبہ میں داخل نہ ہوئے اور قریش نے اندر داخلہ سے باز رکھا کیوں کہ صلح میں اس کا ذکر نہ تھا۔ واقدی نے اس روایت کو ترجیح دی ہے اس کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم فرمایا کہ خانہ کعبہ کے اوپر کھڑے ہو کر اذان دیں اور یہ بھی ایک ہی مرتبہ حکم تھا۔ اس کے بعد حضرت جعفر بن ابی طالب سے فرمایا کہ میمونہ بنت حارث رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا پیام عقد پہنچائیں۔ میمونہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے اپنا معاملہ حضرت عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ کو سونپ دیا۔ کیونکہ ان کی بہن ام الفضل رضی اللہ تعالیٰ عنہا حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے گھر تھیں۔ اس کے بعد حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے ان کا عقد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کر دیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم احرام میں تھے۔ بعض کہتے ہیں کہ احرام سے باہر آ گئے تھے اس میں اختلاف ہے۔ یہ بحث اصول فقہ میں مقرر و مذکور ہو چکا ہے۔ اگر اذواج مطہرات کے ذکر میں اس قصہ کے ذکر کا موقع آیا تو انشاء اللہ تعالیٰ بیان کر دیا جائے گا۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تہنئۃً منہم میں سرحدہ تھا روز ہاتھ قریش کے اکھڑے علی رضی اللہ عنہ المصلی

”ہمیں تمہارے کھانے کی ضرورت نہیں ہے ہماری زمین سے باہر چلے جاؤ“ چہ خوب از میں خدا کی ہے۔ اگر ہے تو اس کے نائب و خلیفہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہے کل کو پیہ چل جائے گا کہ یہ زمین ان کی کیسے ہے اور کس کے قبضہ میں آئی ہے۔ حضرت سعد رضی اللہ عنہ بن عبادہ مجلس شریف میں حاضر تھے۔ جب مبالغہ اور درشت خوئی ان بد بختوں کی حد سے بڑھی تو برداشت نہ کر سکے اور فرمانے لگے، ہم اس وقت تک یہاں سے نہیں جائیں گے جب تک کہ ہماری مرضی نہ ہو۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تبسم فرمایا اور حضرت سعد رضی اللہ عنہ کی تسلی و تسکین فرمائی اور حکم دیا کہ اعلان کردو کہ صحابہ میں سے کوئی شخص رات مکہ میں نہ گزارے اور اپنے غلام ابورافع رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ سیدہ میمونہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو ہمارے بعد لے آنا اور خود مکہ مکرمہ سے باہر تشریف لے آئے۔ جو عہد و پیمان فرمایا اس پر صبر و تحمل سے کام لیا اور ذرہ بھر خلاف ورزی نہیں فرمائی۔

ارباب سیر بیان کرتے ہیں کہ جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مکہ مکرمہ سے تشریف لے جا رہے تھے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا حضرت حمزہ بن عبدالمطلب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی صاحبزادی عمارہ رضی اللہ عنہ (انہیں کی نسبت سے حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی کنیت ابوعمارہ تھی) وہ اپنی والدہ سلمیٰ بنت عمیس رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے ساتھ مکہ میں رہتی تھیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے پیچھے یا عم یا عم کہتی ہوئی آئیں۔ انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو عم یعنی چچا اس بنا پر پکارا کہ یہ عرب کی عادت ہے۔ یا اس بنا پر کہ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے رضاعی بھائی بھی تھے۔ تو حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے ان کو جالیا اور عرض کیا۔ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! اپنے چچا کی بیٹی کو شکروں کے درمیان کیوں بے باپ (یتیم) چھوڑتے ہیں۔ میں ان کو اپنے ساتھ لے چلوں گا۔ اس کے بعد علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے سیدہ فاطمہ الزہراء رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے کہا کہ ”اپنے چچا کی بیٹی سے کہو کہ وہ ہودج میں آ جائے“ جب مدینہ منورہ پہنچے تو ان تینوں کے درمیان جھگڑا ہوا۔ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے فرمایا ”میں لایا ہوں میرے چچا کی بیٹی ہے اور حضرت جعفر رضی اللہ عنہ بن ابی طالب نے فرمایا میرے چچا کی بیٹی ہے اور ان کی خالہ اسماء بنت عمیس رضی اللہ تعالیٰ عنہا میری زوجیت میں ہیں۔ حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا ”میرے بھائی کی بیٹی ہے ان کے اور حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کے درمیان مواخاۃ تھی اور یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مہاجرین و انصار کے درمیان نسبت مواخات قائم فرمائی تھی“۔ بعض رضاعی اخوت بھی بتاتے ہیں۔ اس پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کے حق میں فیصلہ فرمایا اور فرمایا۔ ”الْخَالَةُ بِمَنْزِلَةِ الْأُمِّ“ خالہ ماں کے قائم مقام ہے۔ ظاہر حدیث سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ جھگڑا مکہ مکرمہ میں واقع ہوا ہوگا۔ (واللہ اعلم) اس روایت میں یہ بھی آیا ہے کہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے فرمایا میں انہیں لایا ہوں اور مکہ مکرمہ سے لانے کا سبب میں بنا ہوں۔ حضرت فاطمہ بنت رسول رضی اللہ تعالیٰ عنہا میرے گھر میں ہیں۔ وہ ان کی پرورش کی زیادہ حقدار ہیں۔ اس پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خالہ کے لیے حکم فرمایا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم فرمانے کے بعد ان کی مجموعی اور تسکین خاطر فرمائی۔ آپ نے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے فرمایا ”أَنْتَ مِنِّي وَأَنَا مِنْكَ“ تم مجھ سے ہو اور میں تم سے۔ حضرت جعفر سے فرمایا ”أَشْبَهْتَ خَلْقِي“ تم میرے اخلاق و صفت میں مشابہ ہو۔ حضرت زید سے فرمایا ”أَنْتَ مَوْلَانَا وَأَخُونَا“ تم دین میں میرے بھائی اور ہمارے محبت و محبوب ہو۔ نیز حضرت جعفر بن ابی طالب سے فرمایا تم ان کی نگہداشت اور پرورش کے زیادہ حقدار ہو اس لیے کہ ان کی خالہ تمہارے گھر میں ہیں۔ خالہ بمنزلہ ماں کے ہے اور فرمایا اپنی پھوپھی اور خالہ پر عورت نکاح نہیں کی جاتی۔ اس کے بعد حضرت جعفر ان عنایوں سے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان پر فرمائی تھیں بہت خوش ہوئے۔ ایک روایت میں ہے کہ اس پر حضرت جعفر کھڑے ہو کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چاروں طرف ایک پاؤں سے گھومنے لگے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے دریافت فرمایا یہ کیا ہے؟ انہوں نے عرض کیا کہ میں نے حبشہ میں دیکھا ہے کہ

وہ اپنے بادشاہوں کے ساتھ ایسا کرتے ہیں اور نجاشی بھی جب کسی کو اپنی کسی بات سے خوش کرتا ہے تو وہ شخص اس کے گرد ایک پاؤں سے چکر لگاتا ہے۔ نیز ارباب سیر نقل کرتے ہیں کہ جب زید سے فرمایا ”أَنْتَ أَخُوْنَا وَمَوْلَانَا“ تو زید رضی اللہ عنہ نے نجل کیا یعنی فرح و سرور سے رقص کرنے لگے۔ نجل ایک پاؤں اٹھا کر دوسرے پاؤں رکھنے کو کہتے ہیں۔ صراح میں ہے کہ نجل اور نجلان کے معنی پرند کی مانند کود کر چلنے اور چہچہانے کے ہیں۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ خالہ ماں کا حکم رکھتی ہے۔ مطلب یہ کہ اس سے خصانت یعنی حق پرورش کا خاص حکم ہے۔ بعض اس قصہ سے یہ اخذ کرتے ہیں کہ حق خصانت میں خالہ عمہ پر مقدم ہے۔ اس لیے کہ صفیہ بنت عبد المطلب اس زمانہ میں موجود تھیں۔ نیز یہ بھی اخذ کرتے ہیں کہ خصانت میں ماں کے اقارب باپ کے اقارب پر مقدم ہیں (کذا فی المواہب) مروی ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے عمارہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا عقد سلمہ بن ابی سلمہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ جو کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ربیب تھے کر دیا۔ (ربیب اسے کہتے ہیں کہ جو بیوی کے ساتھ بچہ اس کے پہلے شوہر سے آئے) صحابہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا ”آپ نے اپنی زوجیت میں کیوں نہ لے لیا کیوں کہ وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا کی بیٹی ہیں۔“ فرمایا: ”میرے رضاعی بھائی حمزہ رضی اللہ عنہ کی بیٹی ہے۔“

بظاہر اس قصہ میں ایک اشکال پیدا ہوتا ہے۔ وہ یہ کہ قریش نے حضرت عمارہ رضی اللہ عنہا کو کیوں چھوڑ دیا حالانکہ صلح نامہ میں بندرج تھا کہ جو کوئی ہمارے پاس نکل کر آپ کی طرف جائے تو آپ کو اسے واپس کرنا ہوگا لہذا حضرت عمارہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو کس لیے کفار کی طرف واپس نہ کیا گیا؟ مواہب میں جواب دیتے ہیں اس لیے کہ انہوں نے اس کو طلب نہیں کیا تھا گویا شرط یہ تھی کہ اگر وہ مطالبہ کریں تو واپس کر دیں گے۔ یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ عمارہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بچی تھیں اور ان کی جانب سے دارالاسلام میں داخل ہونے کیلئے نکلنا صادر نہیں ہوا۔ نیز جواب دیتے ہیں کہ یہ شرط مردوں کیلئے تھی عورتوں کے بارے میں نہ تھی۔ اگر عام تھی تو عورتوں کے بارے میں حق تعالیٰ کے اس ارشاد سے منسوخ ہو گیا۔ ”يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا جَاءَكُمْ الْمُؤْمِنَاتُ مُهَاجِرَاتٍ فَأَمْتَحِنُوهُنَّ ۚ إِنَّهُنَّ لَكُنَّ عَامِتَاتٍ فَلَا تَدْرِيْنَ حُفَّتْهُنَّ الْكُفَّاءُ“ ۱۔ ایمان والو! جب تمہارے پاس مسلمان عورتیں

ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا ”اسلام نے اس کے اور تمہارے درمیان برابری قائم فرمائی ہے اور تم کو اس پر کوئی فضیلت نہیں بجز تقویٰ کے“ اس پر جملہ نے کہا ”میں اس دین سے برگشتہ ہوتا ہوں اور دین نصرانی میں داخل ہوتا ہوں“۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا ”اگر ایسا کرو گے تو تمہاری گردن مار دی جائے“ جملہ نے کہا ”آج کی رات مجھے مہلت دیجئے تاکہ میں اپنے معاملہ میں سوچ لوں“۔ جب رات آئی تو وہ بھاگ گیا اور روم چلا گیا اور نصرانی بن گیا۔ وہ ارتداد پر ہی نَعُوذُ بِاللّٰهِ مِنْ ذٰلِکَ مرا۔

بعض ارباب سیر کہتے ہیں کہ وہ پھر دوبارہ اسلام میں لوٹ آیا تھا اور اسلام پر ہی دنیا سے گر گیا اور سابقہ حرکت پر وہ پشیمان ہو گیا تھا۔ اس کے کئی شعر منقول ہیں جن کا مفہوم یہ ہے کہ وہ کہتا ہے۔ میں دین اسلام کے بعد نصرانی ہوا۔ اس طمانچہ کے عار سے جس کا قصاص لیا جاتا ہے حالانکہ قصاص دینے میں کوئی ضرر و نقصان نہ تھا۔ کاش کہ میری مال مجھے نہ ضیعتی۔ کاش کہ میں ربیعہ اور مضر کے ہاتھ میں قید ہوتا کاش کہ میں شام کا ادنیٰ آدمی ہوتا جو اندھا بہر ابن کر قوم کے ساتھ بیٹھتا کاش کہ میں چراگا ہوں میں اونٹ چراتا اور میں اس کا انکار نہ کرتا جو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حکم دیا۔ (واللہ اعلم)

دوسری داستان خردہ بن عمرو حدادی کے اسلام کی ہے جو شاہ روم کی جانب سے سرزمین بلقاء میں عمان پر حاکم تھا۔ اس نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک خط لکھا اور ایک سفید اونٹ جسے فضہ کہتے تھے اور ایک گھوڑا ایک گدھا چند ریشمی کپڑے قبائے سندس اور سونا بطور تحفہ بھیجا لکھا کہ میں مسلمان ہو گیا ہوں اور حق تعالیٰ کی وحدانیت اور آپ کی رسالت کا اقرار کرتا ہوں۔ میں جانتا ہوں کہ آپ وہی رسول مکرم ہیں جن کی بشارت حضرت عیسیٰ بن مریم علیہ السلام نے دی ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے قاصد کا جس کا نام مسعود بن سعد تھا اعزاز فرمایا اور حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ گھر لے جا کر مہمانداری کرو۔ اس کے تحفوں کو قبول فرمایا ریشمی کپڑوں کو ازواج مطہرات میں تقسیم فرمایا اور سفید اونٹ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو عنایت فرمایا۔ قباخرمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بن نوفل کو مرحمت فرمائی۔ گھوڑا اور گدھا اسید ساعدی کے سپرد فرمایا تاکہ وہ ان کی دیکھ بھال کریں۔ خط کا جواب اس مضمون کا لکھوایا۔ ”بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ“ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ کی جانب سے فردہ بن عمرو کے نام۔ اَمَّا بَعْدُ تمہارا قاصد ہمارے پاس پہنچا اور تحفے تم نے بھیجے ہیں وصول ہوئے۔ تم نے اپنے اسلام کو مجھ پر ظاہر کیا اگر تم نے نیکی کی خدا اور اس کے رسول کی اطاعت کی نماز پڑھی مال کی زکوٰۃ دی تو حق تعالیٰ تمہیں راہ راست پر رکھے گا۔“ حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ پانچ سو درہم مسعود بن سعد کو دید اور اسے لوٹا دو۔

منقول ہے کہ بادشاہ روم کو جب فردہ کے اسلام کی خبر پہنچی تو اسے اپنے سامنے طلب کیا۔ اس نے کہا اپنے دین سے لوٹ جاتا کہ حکومت تیرے ہاتھ میں رہے اس نے کہا ”میں کیسے لوٹوں جبکہ میں یقین سے جانتا ہوں کہ یہ وہی نبی برحق ہیں جن کی تشریف آوری کی بشارت حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے دی ہے۔ یہ تو بھی خوب جانتا ہے لیکن تو اپنی بادشاہت پر مغرور ہے“ اس پر بادشاہ روم نے عرصہ دراز تک اسے قید میں رکھا اس کے بعد اسے قید خانہ سے نکال کر سولی پر چڑھا دیا۔ اگر یہ بادشاہ روم وہی ہرقل ہے تو اس پر افسوس ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ اپنی نصرانیت پر قائم تھا جیسا کہ حدیث میں آیا ہے۔ اس کے بارے میں اختلاف اور ایمان کی گنجائش نہیں رہتی۔ نَعُوذُ بِاللّٰهِ مِنْ شَرِّ الدُّنْیَا وَ شَرِّ الْفِتَنِ وَ شَرِّ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ۔ یہ وہ واقعات ہیں جو روضۃ الاحباب سال ہفتم میں بیان کیے گئے ہیں اور کہتے ہیں کہ واقعہ کے کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ جملہ اور فردہ کی طرف مکتوب گرامی بھیجنے کی تاریخ معلوم نہیں ہے۔ چونکہ بعض اکابر اہل سیر نے ان دہائیوں و ستمت کو سال ہفتم کے دوران ذکر کیا ہے اس لیے ہم نے بھی اس کتاب میں یہی طریقہ اختیار کیا ہے لیکن گمان غالب یہ ہے کہ سال ہفتم میں یا اس کے بعد یہ واقعہ ہوا ہوگا کیونکہ کہتے ہیں کہ اس کی حکومت حارث بن ابی شمر غسانی کے بعد ہے۔ اس نے سال ہفتم میں وفات پائی تھی۔ (انتہی واللہ اعلم)

ہجرت کے آٹھویں سال کے واقعات

آٹھویں سال کے شروع ماہ صفر میں بقول جمہور اہل سیر خالد رضی اللہ عنہ بن ولید بن مغیرہ قرشی مخزومی، عمرو رضی اللہ عنہ بن العاص بن وائل قرشی سہمی، اور عثمان رضی اللہ عنہ بن طلحہ عبد ربی حمی جس کے قبضہ میں خانہ کعبہ کی کنجی تھی مسلمان ہوئے۔ بعض اہل سیر کے نزدیک ان کا اسلام ساتویں سال کے آخر میں واقع ہوا اور بعض پانچویں سال بھی کہتے ہیں۔ لیکن خالد رضی اللہ عنہ بن ولید جو کہ اپنی زندگی میں قریش کی طرف سے جنگیں کرتے رہے اور بیگانگی و عناد پر قائم رہے لیکن ان کے جو ہر ذاتی ہیں چونکہ وہ چیز موجود تھی جس سے ان کے ایمان و اسلام کی توقع تھی۔ ان کے بشری حجابات اور نفسانی مکائد کا اٹھنا ایک وقت پر موقوف تھا۔ حضرت خالد رضی اللہ عنہ خود بیان کرتے ہیں کہ جب ارادہ ازل اس سے وابستہ ہوا کہ میں مسلمان ہو جاؤں تو اسلام کی محبت میرے دل میں ڈالی گئی۔ وہ بیان کرتے ہیں کہ جب ہمارے اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان صلح حدیبیہ واقع ہوئی تو میں نے اپنے دل میں خیال کیا کہ قریش میں کوئی قوت و شوکت باقی نہیں رہی ہے اور میں نجاشی کے پاس بھی نہیں جاسکتا تھا کیونکہ وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا تابع ہو چکا تھا۔ میں نے خیال کیا کہ ہر قل روم کے پاس جا کر نصرانی ہو جاؤں۔ پھر میں نے اپنے دل میں کہا کہ میں اپنے شہروں ہی میں رہوں گا اور انتظار کروں کہ پردہ غیب سے کیا ظاہر ہوتا ہے۔ اسی دوران جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم عمرہ القضاء کی ادائیگی کیلئے تشریف لائے تو میں باہر گیا ہوا تھا اور میرے بھائی ولید رضی اللہ عنہ بن ولید حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ مکہ آئے۔ انہوں نے مجھے بہت تلاش کیا مگر میں مل نہ سکا۔ تو انہوں نے ایک خط اس مضمون کا میرے پاس بھجوایا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تمہیں یاد کرتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ خالد رضی اللہ عنہ ان میں سے نہیں ہیں جس پر اسلام کی حقیقت ابھی تک پوشیدہ ہو۔ اگر وہ مسلمان ہو جائیں اور اپنی شجاعت کو دین اسلام کی تقویت میں صرف کریں تو یقیناً ان کیلئے بہتر ہوگا اور ہم ان کو دوسروں پر فوقیت دیں گے۔ تو اے بھائی آؤ اور اس دولت سے بہرہ یاب ہو بہت بھلائی تم سے فوت ہو چکی ہے۔ حضرت خالد رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب میں نے اس خط کو پڑھا تو اسلام کی رغبت و محبت مجھ پر غالب آ گئی۔ اس کے بعد میں نے مدینہ طیبہ میں حاضری دینے کا مصمم ارادہ کر لیا۔ پھر میں صفوان بن امیہ کے پاس گیا اور اس سے کہا ”اے ابو وہب! تم نہیں دیکھتے کہ ہم ایک لقمہ سے زیادہ نہیں رہ گئے ہیں اور دولت محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کا دبدبہ عالم پر چھا چکا ہے۔ ہماری دنیا و آخرت کی بھلائی اسی میں ہے کہ ہم ان کی خدمت میں جلد سے جلد حاضر ہو کر ان کی بزرگی سے شرف ہوں۔ صفوان نے میرے سینہ پہ ہاتھ مار کر شدت سے انکار کیا اور کہا کہ اگر قریش میں سے میرے سوا کوئی باقی نہ رہے تب بھی میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی متابعت نہ کروں گا۔ اس کے بعد میں مکرمہ بن ابو جہل سے ملا اور ان کو صراط مستقیم کی دعوت دی۔ انہوں نے بھی انکار میں سر ہلا دیا۔ پھر میں نے اپنے دل میں کہا یہی وقت وہاں حاضر ہونے کا ہے کیونکہ اگر فتح مکہ مکرمہ وجود میں آ گئی تو سب لاچار و مجبور ہو جائیں گے اور بھاگنے کی راہ نہ پائیں گے۔ لامحالہ وہ سب مسلمان ہو جائیں گے۔ چنانچہ جب میں ان کی موافقت سے ناامید ہو گیا تو عثمان رضی اللہ عنہ بن ابی طلحہ کو دیکھا کیونکہ وہ میرے دوست تھے۔ انہوں نے میری موافقت کی اور ان کی ہمراہی مدینہ طیبہ کی طرف چل دیئے۔ جب میں موضع ”بدہ“ میں پہنچا تو میں نے عمرو رضی اللہ عنہ بن العاص کو دیکھا کہ وہ حبشہ سے آ کر مدینہ طیبہ جانا چاہتے ہیں تاکہ مسلمان ہو جائیں۔ اس کے بعد ہم سب مل کر مدینہ طیبہ میں داخل ہوئے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو جب ہمارے آنے کی خبر ملی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ سے فرمایا اب تو اپنے جگر گوشوں کو اللہ نے تمہاری طرف بھیج دیا ہے۔ یہ اس جماعت کے آنے کی طرف اشارہ ہے کیونکہ یہ لوگ اکابر و ضائد قریش میں سے تھے۔ حضرت خالد رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب میں مدینہ طیبہ آیا تو میں نے عمدہ کپڑے پہنے اور سیّد

کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں شرف باریابی کے قصد سے چلا۔ راستہ میں میرا بھائی ولید رضی اللہ عنہ مجھے ملا۔ انہوں نے کہا جلدی چلو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو تمہارے آنے کی خبر پہنچ گئی ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم شاد ماں تمہارے حاضر ہونے کے انتظار میں تشریف فرما ہیں۔ جب میں مجلس ہمایوں میں حاضر ہوا اور دور سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے ملاحظہ فرمایا تو تبسم فرمایا میں نے عرض کیا ”السلام علیک یا رسول اللہ“ خندہ پیشانی سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے سلام کا جواب دیا۔ میں نے عرض کیا ”أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَأَنَّكَ رَسُولُ اللَّهِ“ فرمایا ”أَلْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي هَدَانَا لَإِسْلَامٍ“ اس خدا کی حمد جس نے تمہیں اسلام کی ہدایت دی اور فرمایا ”اے خالد رضی اللہ عنہ میں جانتا ہوں کہ تم عقل رکھتے ہو اور میں امید رکھتا تھا کہ تمہیں نیکی کی ہدایت ملے گی۔ میں نے عرض کیا ”یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! آپ نے ملاحظہ فرمایا ہے کہ میں نے نیکی کی راہوں میں حق کے ساتھ کسی کچھ دشمنیاں کی ہیں۔ اب دعا فرمائیے کہ حق تعالیٰ انہیں معاف فرمادے اور میرے ان گناہوں کو بخش دے“۔ فرمایا اسلام سب کو منادیتا ہے اور تمام گناہوں کو بخیر دیتا ہے۔ اس کے بعد حضرت خالد بن ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہمیشہ دین خدا کی تائید و تقویت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ میں بھی اور بعد وفات بھی مساعی جلیلہ انجام دیتے رہے۔ مسئلہ کذاب اور دیگر مردوں کو جڑ سے اکھاڑ پھینکنے میں کارہائے نمایاں سرانجام دیے۔ حضرت خالد رضی اللہ عنہ زمانہ جاہلیت میں بھی رؤسا قریش اور ان کے اکابر میں سے تھے۔ ان کی والدہ لبابہ رضی اللہ عنہا بنت حارث جو کہ سیدہ میمونہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بنت حارث زوجہ سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی بہن تھیں۔ انہوں نے فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی دور خلافت میں ۲۱ھ یا ۲۲ھ ہجری میں وفات پائی۔

حضرت عمرو رضی اللہ عنہ بن العاص کا واقعہ انہیں سے مروی ہے۔ فرماتے ہیں کہ جب میں جنگ احزاب سے لوٹا تو میں نے اپنے ساتھیوں سے کہا کہ میرا خیال ہے محمد صلی اللہ علیہ وسلم ترقی میں ہیں اور روز بروز بلند ہوتے جا رہے ہیں۔ میں مناسب یہ سمجھتا ہوں کہ میں نجاشی کے پاس جاؤں۔ اگر محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہماری قوم پر غالب آگئے تو ہم نجاشی کے ملک میں رہ جائیں گے اور اگر ہماری قوم غالب آئی تو ہم اپنے وطن مالوف لوٹ آئیں گے۔ میرے تمام ساتھیوں نے میری رائے سے اتفاق کیا اور ان میں سے کچھ میرے رفیق سفر بھی بن گئے۔ اس کے بعد ہم نے سفر کی تیاری شروع کر دی نجاشی کے لیے کچھ تحفے لے کر حبشہ پہنچ گئے اور وہاں رہنے لگے۔ یہاں تک کہ عمرو رضی اللہ عنہ بن امیہ ضمری حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قاصد بن کر نجاشی کے پاس آئے۔ عمرو رضی اللہ عنہ بن العاص فرماتے ہیں کہ اس کے بعد میں نجاشی کے پاس گیا اور اس سے میں نے عمرو رضی اللہ عنہ بن امیہ ضمری کو مانگا تا کہ انہیں میں قتل کر کے قریش کے سامنے سرخرو بنوں۔ نجاشی نے یہ بات سن کر اپنے گالوں کو توبہ کرنے کے انداز میں تھپتھپایا اور کہا کہ میں کیوں کر ایسی ہستی مقدس کے قاصد کو تمہارے حوالہ کر سکتا ہوں جس پر ناموس اکبر (جبریل علیہ السلام) اترتا ہے اور وہ خدا کا رسول برحق ہے۔ اے عمرو رضی اللہ عنہ! میری بات غور سے سن اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی اختیار کر۔ جان لے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنے تمام مخالفوں پر غالب آئیں گے جس طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام فرعون پر غالب ہوئے تھے۔ اس پر میں نجاشی کے ہاتھ پر مسلمان ہو گیا اور اس کے پاس سے آنے کے بعد میں نے اپنے اسلام کو اپنے رفیقوں سے پوشیدہ رکھا۔ میں مدینہ طیبہ کے ارادہ سے چل دیا۔ راستہ میں مجھے حضرت خالد رضی اللہ عنہ بن ولید ملے میں نے پوچھا کہاں جا رہے ہو؟ انہوں نے فرمایا ”خدا کی قسم! صراط مستقیم ظاہر ہو چکی ہے محمد صلی اللہ علیہ وسلم نبی برحق ہیں۔ میں جا رہا ہوں تاکہ مسلمان ہو جاؤں“۔ میں نے کہا میں بھی اسی قصد سے جا رہا ہوں۔ اس کے بعد ہم مدینہ طیبہ آئے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ یکس پناہ میں حاضر ہوئے۔ سب سے پہلے حضرت خالد رضی اللہ عنہ نے کلمہ تو حید عرض کیا۔ اس کے بعد میں حاضر ہوا۔

عرض کیا ”یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! اپنا دست اقدس بڑھائیے تاکہ میں بیعت کروں۔ اس پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا

گرامی لکھا۔ حضرت حارث رضی اللہ عنہ بن عمیر از دی کو دیا کہ وہ اس کے پاس لے جائیں۔ حضرت حارث رضی اللہ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کے بموجب روانہ ہوئے۔ جب موضع موت میں پہنچے تو شرجیل بن عمر غسانی جو قیصر کے امراء میں سے تھا ان کے مقابل میں آیا۔ اس نے پوچھا کہاں جا رہے ہو۔ انہوں نے فرمایا شام جا رہا ہوں۔ شرجیل نے کہا گویا تم محمدی قاصد ہو؟ انہوں نے فرمایا ”ہاں! میں رسول اللہ علیہ وسلم کا قاصد ہوں“۔ اس پر شرجیل نے حضرت حارث کو شہید کر دیا۔ اس سے پہلے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے کسی قاصد کو کسی نے قتل نہیں کیا تھا اور اس کے سوا کسی بادشاہ کے نزدیک قاصدوں کو قتل کرنے کی عادت نہ تھی۔ تمام بادشاہوں کے نزدیک قاصدوں کی امان امر مسلم تھی۔ ایک مرتبہ مسیلہ کذاب کا اہلچی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں آیا باوجود اس کے کہ اس نے بڑی گستاخیاں کی اور کلمات کفر بکے مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے قتل نہ کیا۔ فرمایا: ”اگر تو اہلچی نہ ہوتا تو میں تجھے قتل کر دیتا“۔

حضرت حارث رضی اللہ عنہ کی شہادت کی خبر جب سع مبارک میں پہنچی تو بہت شاق گزرا۔ صحابہ سے فرمایا ”دشمنوں کی سرکوبی کیلئے چلو“ چنانچہ موضع ”جرف“ میں تقریباً تین ہزار صحابہ مجتمع ہو گئے۔ اس کے بعد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم وہاں تشریف لے گئے اور فرمایا ”میں حضرت زید رضی اللہ عنہ بن حارث کو تمہارا امیر مقرر کرتا ہوں۔ اگر وہ شہید ہو جائیں تو حضرت جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ امیر بنم، اگر جعفر رضی اللہ عنہ بھی شہید ہو جائے، تو عبد اللہ رضی اللہ عنہ بن رواحہ امیر مقرر ہوں گے۔ اگر وہ بھی شہید ہو جائیں تو مسلمان

جس کو چاہیں امیر بنالیں۔ یہ فرمان اور یہ ترتیب امارت یا توحی والہام الہی سے واقع ہوئی یا حق تعالیٰ نے زبان حق ترجمان پر ایسا ہی جاری فرمایا تھا اور ایسا ہی واقع ہوا جس طرح کہ حضرت یعقوب علیہ السلام نے اپنے فرزندوں سے فرمایا تھا۔ اِنِّیْ اَخَافُ اَنْ یَّکُوْلَکُمُ الذِّئْبُ۔ ”مجھے خوف ہے کہ میں یوسف علیہ السلام کو بھیڑیا نہ کھالے“ (واللہ اعلم)

ارباب سیر بیان کرتے ہیں کہ ایک یہودی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس مبارک میں موجود تھا۔ اس نے کہا ”اے ابوالقاسم رضی اللہ عنہ! اگر آپ دعوت نبوت میں صادق ہیں تو جن امیروں کے نام آپ نے لیے ہیں وہ سب ضرور قتل ہو جائیں گے اس لیے کہ انبیاء بنی اسرائیل علیہم السلام جب کسی لشکر دشمن پر روانہ کرتے تو اگر سو اشخاص کو اس طریقہ پر امارت متعین کرتے تو وہ سب کے سب قتل ہو جاتے تھے۔“ اس کے بعد وہ یہودی حضرت زید رضی اللہ عنہ کے پاس گیا اور ان سے کہنے لگا۔ ”اے زید رضی اللہ عنہ! میں تم سے شرط لگاتا ہوں کہ اگر محمد صلی اللہ علیہ وسلم نبی ہیں تو تم اس سفر سے نہ لوٹو گے۔“ حضرت زید رضی اللہ عنہ نے فرمایا ”میں تجھے بتاتا ہوں کہ وہ راست گفتار نبی برحق ہیں۔ یہ بات بالکل ظاہر ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد ہدایت فرمانے اور لشکر کا نظم قائم رکھنے کیلئے تھا اور لفظ ”اگر“ جو کلمہ شک ہے سے ظاہر فرمانا تو یہ برہنہ احتیاط اور عدم اظہار جزم کیلئے تھا۔ اور یہودی کی بات کو اس تھی اور یہ دلی خیانت اور باطنی عداوت کی بنا پر تھی جو یہودیوں میں عام تھی۔ اس طرح حضرت زید رضی اللہ عنہ کے دل میں خوف و دہشت اور احتمال و اشتباہ پیدا کرنا چاہتا تھا۔

ارباب سیر کہتے ہیں کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زید رضی اللہ عنہ کو امیر مقرر فرمایا تو حضرت جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے عرض کیا ”یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! مجھے یہ توقع نہ تھی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم مجھ پر حضرت زید رضی اللہ عنہ کو امیر بنانے میں اوقات دے گئے۔“ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ”اے جعفر رضی اللہ عنہ! تم جاؤ اور رسول خدا کے حکم کی اطاعت کرو۔ تم نہیں جانتے

کہ تمہاری بھلائی کس میں ہے۔“ یہ واقعہ اس حالت کے مشابہ ہے جو دوسرے سال میں اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ کو جہاں ان کے والد

احمد شہید ہوئے۔ تمہارے مقرر کر کے بھیجا تھا تا کہ حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ اپنے والد زید رضی اللہ عنہ کا کفار سے بدلہ و انتقام لے سکیں۔

چہ میگوئیاں کرتے ہوئے کہا کہ یقیناً اس میں کوئی حکمت ہوگی کہ اکابر مہاجرین و انصار کو حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ کے تابع بنایا۔ اس پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ کی ذات دائی ہے۔ اسامہ رضی اللہ عنہ امارت کے مستحق ہیں اور ان کے والد بھی اس کے سزاوار تھے۔ بالآخر وہ ہم حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ سے سر ہوئی اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی رحلت کے دن قریب آ گئے۔ جیسا کہ انشاء اللہ آ گئے آئے گا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ عنایت و محبت کا اثر تھا جو ان کے والد کو حاصل تھی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اپنا متبئی یعنی لے پا لک بیٹا بنایا تھا۔ یہاں تک کہ نازل ہوا کہ اذْعُوْهُمْ لَا بَاءَ هُمْ لے پا لک بیٹوں کو یعنی متبئی کو ان کے والد کے ناموں سے پکارو اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے زینب رضی اللہ عنہا بنت جحش کا جو کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پھوپھی کی صاحبزادی تھیں۔ حضرت زید رضی اللہ عنہ کے ساتھ عقد فرمایا اور حضرت زید رضی اللہ عنہ کو متعدد دسریوں (لشکروں) پر امیر مقرر فرمایا۔ وہ سابقین اولین مہاجرین میں سے تھے اور ان حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں اگر کوئی پوچھتا تو صحابہ ”حب رسول اللہ“ کہہ کر موسوم کرتے تھے۔ ”حب“ کے معنی محبوب کے ہیں۔ کیونکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے گود یا اپنے دوش مبارک پر حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ اور حضرت حسن رضی اللہ عنہ ابن علی المرتضیٰ کو بٹھا کر فرمایا کرتے۔ ”اے خدا! میں ان دونوں سے محبت و شفقت کرتا ہوں تو تو بھی ان دونوں کو محبوب فرما۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے مَنْ أَحَبَّ اللَّهَ وَرَسُولَهُ فَلْيُحِبِّ اسْمَاءَ۔ جو اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت رکھتا ہے اس پر لازم ہے کہ اسامہ رضی اللہ عنہ سے محبت رکھے۔ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ کے وظیفہ کو اپنے فرزند حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہم سے زیادہ مقرر فرمایا تو حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے والد سے کہا ”آپ نے ان کا وظیفہ مجھ سے زیادہ کیوں مقرر فرمایا اور مجھ پر ان کو کیوں فضیلت دی حالانکہ کسی مشہد میں انہوں نے مجھ سے زیادہ سبقت نہیں کی۔ حضرت فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا ”اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک تم سے زیادہ محبوب تھے“۔ گویا اس میں یہ اشارہ ہے کہ میں نے اپنے محبوب پر رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے محبوب کو ترجیح دی ہے۔ غرض کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت و عنایت حضرت زید رضی اللہ عنہ و اسامہ رضی اللہ عنہ پر اس مرتبہ میں تھی کہ حضرت جعفر رضی اللہ عنہ بن ابی طالب حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہم جیسے اکابر کو ان کے تابع بنا کر ان کے ہمراہ بھیجتے تھے۔ ان حضرات کو یہ حق پہنچتا ہے کسی کو خاک اٹھا

فرمائی۔ مناجات کی کہ حق تعالیٰ تمہیں دشمنوں کے شر سے محفوظ رکھے اور سالم و غائم تمہیں لوٹائے۔ اس پر ابن رواحہ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا لیکن میں خدائے رحیم و کریم سے مغفرت و شہادت کی خواہش رکھتا ہوں۔ حضرت زید رضی اللہ عنہ بن ارقم سے مروی ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ میں حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ کی حمایت و رعایت کے زیر سایہ رہتا تھا اور میں نے یتیموں کی پرورش میں ان جیسا کسی کو نہ دیکھا۔ جب وہ موت کی جانب روانہ ہوئے تو میں بھی ردیف بن کر ان کی سواری پر قطع مسافت کر رہا تھا۔ اس سفر کی راتوں میں سے ایک رات انہوں نے کچھ اشعار کہے جن سے شہادت کی بو آ رہی تھی۔ اسے سن کر میں رونے لگا۔ اس پر انہوں نے مجھے تسلی و تسکین دیتے ہوئے فرمایا۔ ”اے فرزند! تمہارا کیا نقصان ہوگا اگر حق تعالیٰ مجھے شہادت نصیب فرمائے تاکہ میں مشارق و مغارب اور دنیاوی کدورات و حوادث سے نجات پا کر قرب حق تعالیٰ کے سایہ میں اور عالم قدس کی فضا کی میں راحت و چین حاصل کر لوں۔ اس کے بعد وہ اپنی سواری سے اترے اور نماز میں مشغول ہو گئے اور دعا و مناجات کرنے لگے۔ جب وہ اس سے فارغ ہوئے تو مجھ سے فرمایا۔ ”اے فرزند! غالباً حق تعالیٰ نے میری دعا قبول فرمائی اور وہ مجھے نعمت خوشگوار شہادت سے بہرہ مند فرمائے گا۔“

جب حضرت زید رضی اللہ عنہ بن حارثہ لشکر اسلام کے ساتھ موت کی جانب روانہ ہوئے دشمنوں کو پتہ چلا تو شرجیل نے بہت بڑا لشکر جمع کیا اور ہراول دستوں کو آگے روانہ کر دیا۔ مسلمانوں نے مقام ”معان“ میں پڑاؤ کیا۔ معان ارض شام کی ایک جگہ کا نام ہے۔ وہاں مسلمانوں نے دشمنوں کی کثرت اور ان کے لشکر عظیم کی خبر سنی۔ شرجیل نے اپنے بھائی شدوس کو پچاس آدمیوں کے ساتھ آگے بھیجا تاکہ لشکر اسلام کی خبر لائے اور مسلمانوں کی تحقیق کرے۔ مسلمانوں نے اس جماعت کو گھیر لیا اور جنگ کر کے شدوس کو قتل کر دیا۔ اس کے ساتھ بھاگ کھڑے ہوئے۔ شرجیل اس خبر کو سنتے ہی ہراساں ہو گیا اور قلعہ میں داخل ہو کر دوسرے بھائی کو ہرقل کے پاس بھیجا اور مدد مانگی۔ ہرقل نے بہت بڑی تعداد شرجیل کی مدد کے لیے نامزد کی اور قبائل عرب کے مشرکین بھی بہت بڑی تعداد میں اس میں شامل ہو گئے۔ چنانچہ دشمنوں کے لشکر کی تعداد ایک لاکھ سے بھی متجاوز ہو گئی۔ جب مسلمانوں کو اس کی خبر ملی تو انہوں نے اس کی منزل میں اقامت کر لی اور مجلس مشاورت قائم کی۔ لوگوں نے کہا ہم بھی رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو خط لکھ کر صورت حادثہ کی اطلاع دیتے ہیں تاکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم یا تو ہمیں واپس بلائیں یا ہماری مدد کے لیے لشکر ارسال فرمائیں۔ اس پر ان کے دلبروں میں سے حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ بن رواحہ نے فرمایا: اے مسلمانو! تم اس چیز کو ناپسند کرتے ہو جس کے اجر و ثواب کے حاصل کرنے کی خاطر اپنے گھروں سے نکلے ہو یعنی درجہ شہادت سے گھبراتے ہو کیونکہ حضرت عبداللہ بن رواحہ مرتبہ شہادت کے حد درجہ متمنی اور خواہش مند تھے فرمانے لگے ہم نے کثرت تعداد کی بنا پر دشمنوں پر فتح مندی حاصل نہیں کی ہے بلکہ یہ اس دین کی قوت ہے جس نے ہم کو بدر کے دن غالب رکھا۔ تم جاؤ کہ ہمارے ہمارے تعداد کتنی تھے اور حق تعالیٰ کا قدرت نے ہماری کسی مدد فرمائی۔ اب بھی ہم دو خونہوں سے خالی نہیں ہیں۔

تو فتح مند ہوں گے یا شہادت پائیں گے۔ اگر ہم غالب آ گئے تو فہو المراد۔ ورنہ شہادت کی سعادت حاصل کر کے جنت میں اپنے ان ساتھیوں سے مل جائیں گے جو شہادت کا مرتبہ پا چکے ہیں۔

حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ہمت و قوت دلانے سے مسلمانوں کے دل قوی و مضبوط ہو گئے اور وہ دشمنوں کی جانب روانہ ہو گئے۔ یہاں تک کہ مقام موت پہنچ گئے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں عزدہ موتہ میں حاضر تھا جب مشرکوں کا لشکر نمودار ہوا تو اتنے تھرا گھوڑے دیا ج اور حریر میں نے دیکھے کہ میری آنکھیں چندھا گئیں۔ ثابت بن قریص انصاری رضی

عنه علم لہراتے میدان کارزار میں تشریف لائے اور خوب جنگ کی۔ یہاں تک کہ تیروں نے مجروح کر کے انہیں شہید کر دیا۔ ان کے بعد حضرت جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے علم سنبھال لیا اور پیادہ ہو گئے گھوڑے کو لوٹا دیا اور جنگ میں مشغول ہو گئے۔ یہاں تک کہ ان کا داہنا ہاتھ کٹ کر گر گیا تو علم کو اپنے علم کو بائیں ہاتھ میں لے لیا اور جنگ کرتے رہے پھر بائیں ہاتھ بھی کٹ کر گر گیا تو علم دونوں بازوؤں میں داب لیا اس کے بعد کسی اعداء دین نے ایک تلوار ان کی کمر پہ ماری اور وہ دو ٹکڑے ہو کر زمین پر آ رہے (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) اللہ اللہ! حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں اس جنگ میں موجود تھا مقتولوں اور شہیدوں کے درمیان جب میں نے حضرت جعفر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو تلاش کیا تو ان کے جسم اقدس پر میں نے پچاس زخم شمار کیے اور ان میں سے کوئی ایک زخم بھی ان کی پشت کی جانب نہ تھا۔ مواہب لدینہ میں بیان کرتے ہیں کہ ان کے جسم اطہر کے آدھے حصہ میں کچھ اور اسی زخم پائے گئے، ان میں سے سامنے کی جانب دو ضربہ تلوار اور برچھیوں کی انی کے ستر زخم تھے۔ بخاری میں مروی ہے کہ میں نے ان کے جسم پر کچھ اور نوے گھاؤ نیزوں کے پائے۔

ان کے بعد حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے علم تمام لیا اور رجز پڑھتے ہوئے جنگ میں مشغول ہو گئے جس کا مضمون یہ تھا کہ ”اے نفس! تو کیوں شہادت میں ذوق و شوق نہیں رکھتا اور کیوں جنت کو ناگوار سمجھتا ہے“۔ اہل سیر کہتے ہیں کہ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ نے تین دن سے کچھ نہ کھایا تھا۔ ان کے چچا کے لڑکے نے تھوڑا سا گوشت دیا۔ جب انہوں نے اسے دانتوں سے چبایا اسی لمحہ حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کی شہادت کی خبر پہنچی انہوں نے اسی دم تھوک دیا اور فرمایا ”اے نفس! جعفر رضی اللہ تعالیٰ عنہ تو دنیا سے چلے گئے اور تو ابھی دنیا میں مشغول ہے“ اور اس وقت فرمایا اگر تیرا دل عورتوں سے وابستہ ہے تو میں اپنی بیویوں کو طلاق دیتا ہوں اور اگر غلاموں سے لگا ہوا ہے تو ان سب کو آزاد کرتا ہوں اور جس قدر باغ و بہستان کا میں مالک ہوں ان سب کو رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور پیش کرتا ہوں۔ اب تو تیرے پاس کچھ نہیں ہے تو شہادت کی طرف تیرا دل کیوں مائل نہیں ہوتا اور اس سے کیوں بھاگتا ہے خدا کے نام پر آ۔ اس کے بعد وہ معرکہ کارزار میں داخل ہوئے اور جنگ کرتے ہوئے شہید ہو گئے۔ چونکہ حکم یہ تھا کہ جب حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بن رواحہ شہید ہو جائیں تو مسلمان کسی ایک کی امارت پر متفق ہو جائیں۔ اس وقت حضرت ثابت بن ابرام انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سبقت دکھائی اور علم تمام لیا اور کہنے لگے ”اے مسلمانو! کسی ایک کی امارت پر متفق ہو جاؤ سب نے کہا تم ہی اس کام کو سمجھاؤ“۔ انہوں نے کہا ”میں اس منصب کو نہیں سنبھال سکتا“۔ اس کے بعد تمام مسلمانوں نے حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ ر

ٹوٹا اور میرے ماتھ میں بجز صفایمانی کے جو میرے ماس تھا کچھ نہ رہا۔ غرضیکہ حضرت خالد رضی اللہ عنہ نے اس دن اپنی ان گزشتہ

کا ٹوٹنا ان کے مطابق ہو جو مشرکوں کی ہمراہی میں میدان جنگ میں ٹوٹیں تھی۔ آخر الامر یہ فضیلت ظاہر ہو کر رہی کہ ”خالد سیف من سیوف اللہ“ خالد خدا کی تلواروں میں سے ایک تلوار ہے۔ یہ بات اس مقولہ کے مطابق تھی کہ ”ہر کام کے لیے ایک وقت مقرر ہے“۔ چنانچہ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو سیف من سیوف اللہ کا جو لقب حاصل ہوا تھا وہ اسی روز کے لیے تھا۔

ارباب سیر کہتے ہیں کہ حضرت خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس روز بڑی شدت کی جنگ لڑی۔ جب رات ہو گئی تو دونوں فریقوں

نے ہتھیار ڈال دیے۔ صبح اترتا ہوا حضرت خالد رضی اللہ عنہ نے فریقوں کو اکٹھا کیا اور ان کو اکٹھا کر دیا۔

تعالیٰ نے دوباراً قوت کے۔ ایک روایت میں ہے موتیوں کے ان دونوں ہاتھوں کے بدلے جو راہ خدا میں کٹ کر گرے تھے انہیں عطاۓ جس سے وہ آڑتے ہیں۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے وہ کہتے ہیں کہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں جعفر بن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو فرشتوں کے ساتھ اڑتا دیکھ رہا ہوں۔ نیز وہی یہ بھی روایت کرتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میرے پاس سے جعفر بن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ ملا اعلیٰ میں فرشتوں کے ساتھ گزرے۔ اس حال میں کہ ان کے دونوں بازو خون سے رنگے ہوئے تھے۔ نیز مروی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ”میں جنت میں داخل ہوا تو جعفر رضی اللہ تعالیٰ عنہ رات میں جنت میں آئے۔ میں نے دیکھا کہ جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ جنت میں فرشتوں کے ساتھ اڑتے ہیں۔ ایک روایت میں آیا ہے کہ وہ حضرت حاکم بن عمار علیہما السلام کے ساتھ اڑ رہے تھے مومنین میں پہلے سے منقذ، مرکا، حجاز اور رسول کے بارے میں

WWW.NAFSEISLAM.COM

صورت ہے لہذا پرندوں کی صورت میں ان کا تبدیل ہونا مناسب نہ ہوگا۔ اس بنا پر بازوؤں اور پروں سے مراد وہ ملکی صفت اور قوت روحانیہ ہے۔ جو انہیں عطا فرمائی گئی ہے اور قرآن کریم میں عضو کی جناح سے اس ارشاد میں تاویل و تعبیر کی گئی ہے کہ فَرَمَاوَا اضْمُمْ يَدَكَ اِلَىٰ جَنَاحِكَ۔ اور اپنے ہاتھ اپنے بازو سے ملاؤ۔“ اور علماء کرام فرشتوں کے بازوؤں کے بارے میں فرماتے ہیں کہ وہ صفات ملکیہ ہیں جو بغیر مشاہدہ و معائنہ کے معلوم نہیں ہو سکتے لہذا یہ تحقیق و ثابت شدہ نہیں ہے کہ جبرائیل علیہ السلام کے چھ سباز وہیں اور دوسے زیادہ بازو سے اڑنا معهود نہیں ہے جہاں تک اس سے زماہ ہوں۔ چونکہ اس بارے میں کوئی اثر و خبر و دار و نہیں ہے لہذا اس پر بغیر اس کی حقیقت

رونے کے بارے میں بھی اس کے متعلق کچھ کلام گزر چکا ہے۔
۱۔ سرکارِ اکبر حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کے گھر والوں کو تین دن تک تعزیت کے لیے

ہے۔ اس پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بلایا اور فرمایا مسلح و آمادہ ہو جاؤ میں چاہتا ہوں کہ ایک لشکر کے ساتھ تمہیں بھیجوں تاکہ تمہارے ہاتھ غنیمت آئے حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا ”یا رسول اللہ! میں دنیا کے لیے مسلمان نہیں ہوا ہوں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ”نَعْمَ الْمَالُ الصَّالِحُ وَالرَّجُلُ الصَّالِحُ“ نیک مال اور نیک آدمی اچھا ہوتا ہے۔ ایک روایت میں آیا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بن العاص نے عرض کیا ”یا رسول اللہ! عرصہ دراز تک میں دین کی بنیادوں کو کھوکھلا کرتا رہا ہوں اب میں چاہتا ہوں کہ تائیس اساس اسلام میں کچھ مجھ سے خدمت ظاہر ہو اور میں راہ خدا میں جنگ و معرکہ کی کوشش کروں۔ فرمایا: بھڑھ میں اس کا تمہیں موقع فراہم کروں گا۔ یہاں تک کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سمع کی مبارک میں ان قبائل مذکورہ کے اجتماع کی خبر پہنچی اور ان کے فساد انگیزی کی اطلاع ملی۔ اس کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک سفید علم تیار فرمایا اور تین سو مسلمانوں کی ایک جماعت بنائی جن میں اعیان انصار و مہاجرین میں سے حضرت سعید رضی اللہ تعالیٰ عنہ بن زید، سعد رضی اللہ عنہ بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ، عامر بن ربیعہ، حبیب رضی اللہ عنہ بن سنان، روی، سید رضی اللہ تعالیٰ عنہ بن حنظلہ اور سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ بن عبادہ

وغیرہ رضی اللہ عنہم شامل تھے اور حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کو امیر نامزد فرمایا تاکہ اعداء دین کے قلع و قمع کرنے میں کمر بستہ ہو کر دلیری اور دلاوری دکھائیں۔ روضہ الاحباب میں محمد بن اسحق سے منقول ہے کہ اس لشکر کا امیر حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کو خصوصیت کے ساتھ نامزد کرنے میں حکمت یہ تھی کہ ان کی ماں کی طرف سے قبیلہ بلی کے ساتھ قرابت تھی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے چاہا کہ ان کو حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کے واسطے سے اسلام کے ساتھ انسیت پیدا ہو (اتھی) اگر نامزدگی کی یہی وجہ تھی تو اعیان ان و اکابر انصار و مہاجرین کی تعیین میں کیا خصوصیت ہوگی؟ حقیقت یہ ہے کہ یہ سارا معاملہ، علم سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تعلق رکھتا ہے۔ اس سلسلہ میں کچھ اشارہ غزوہ موتہ کے سلسلہ میں کیا جا چکا ہے۔ ممکن ہے کہ یہ بھی ہو (واللہ رسولہ علم) غرضیکہ جب حضرت عمر بن العاص رضی اللہ عنہ مدینہ طیبہ سے نکلے اور مشرکوں کی جانب متوجہ ہوئے تو انہوں نے سنا کہ کچھ اور بدو قبائل کے لوگ بھی جمع ہو گئے ہیں اور مخالفت میں دشمنوں کے ساتھ مل گئے ہیں۔ مسلمانوں کی اتنی قلیل تعداد ان کے ساتھ مقابلہ نہیں کر سکتی۔ اس خطرے کو محسوس کرتے ہوئے ایک قاصد بارگاہ رسالت میں بھیجا تاکہ صورت حال عرض کر کے مدد کی درخواست کریں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک جماعت ان کی مدد کے لیے تیار فرمائی جن میں حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ اور فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی شامل تھے اور اس جماعت پر حضرت ابوعبیدہ بن الجراح رضی اللہ عنہ کو امیر بنایا۔ رخصت کے وقت حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ کو نصیحت فرمائی کہ جب یکجا ہو جاؤ تو تمام امور میں منقطع ہو جانا اور اختلاف نہ کرنا۔ جب یہ دوسری جماعت عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ شامل ہوئی اور نماز کا وقت آیا تو حضرت عمر بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کہا کہ چونکہ تم میری مدد کے لیے آئے ہو اس لیے تم میرے تابع رہو اور میرے پیچھے نماز پڑھو۔ حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا پہلی بار جماعت کی سرداری تم سے متعلق ہے اور اس جماعت کی امارت میرے ساتھ وابستہ ہے۔ عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس میں حرج جانا اس وقت حضرت ابوعبیدہ کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نصیحت یاد آ گئی اور مخالفت سے باز آ گئے اور ان کے پیچھے نماز پڑھی۔

مخفی نہ رہنا چاہیے کہ امارت میں یہ واجب نہیں ہے کہ امیر افضل ہو اور نماز میں ضروری ہے کہ احق امامت کرے۔ خواہ کوئی ہو جو علم اقر اور ادراع ہو وہ امامت کا حقدار ہے۔ اس بنا پر سب کو لازم ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پیچھے نماز پڑھتے۔ لیکر، چونکہ حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے دعویٰ کیا کہ چونکہ وہ امیر ہیں اور وہی امامت کے زامدہ مستحق ہیں اور ان کے

اختلاف نہ کیا اور تمام امور پر متفق ہو گئے اور نزاع سے باز آ گئے۔ چونکہ حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ نیک خصلت اور نرم مزاج تھے فرمایا ”اے عمرو! نرمی بر تو سختی نہ کرو کیوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آخر میں مجھے یہ نصیحت فرمائی تھی کہ جب تم مل جاؤ تو ایک دوسرے کی مخالفت نہ کرنا۔ اگر تم مخالفت کی راہ چلو گے تو میں نہیں چلوں گا۔“

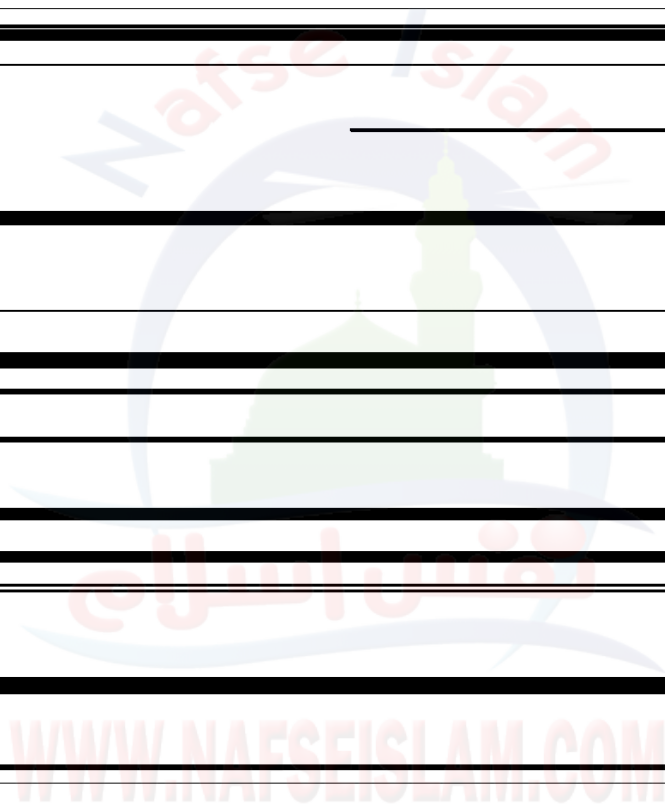
منقول ہے کہ جب یہ دشمن کے قریب پہنچے تو سخت سردی کی وجہ سے مسلمانوں کے اعضاء شل ہو گئے۔ مسلمانوں نے چاہا کہ آگ جلا کر بدن کو تاپیں مگر حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کو اس سے منع کیا لشکری اس مخالفت سے تنگ آ گئے اور حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے انہوں نے آ کر اس کی شکایت کی۔ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اس بازے میں گفتگو کی۔ اس پر عمر رضی اللہ عنہ نے کہا ”جس نے آگ جلائی..... میں اس کو اسی آگ میں ڈال دوں گا۔“ ارباب سیر بیان کرتے ہیں کہ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کی اس بارے میں مخالفت کی اور ان کو تنبیہ فرمائی۔ عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا ”اے عمر رضی اللہ عنہ: تم میرے مامور و محکوم ہو میرا حکم مانو اور.....“

کسی دشمن سے ڈبھیڑ واقع نہ ہوئی اور لوٹ آئے (انتہی)

اس سفر کی عجیب و غریب بات وہ ہے جسے بخاری و مسلم نے حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا ہے۔ حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم ہمیشہ خطبہ میں جہاد کے لیے گئے ہوئے تھے ہم پر حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ امیر تھے۔ وہاں ہمیں سخت فاقہ کشی کا سامنا کرنا پڑا۔ اس وقت دریا نے ایک مری ہوئی مچھلی پھینکی۔ ہم نے اتنی بڑی مچھلی پہلے کبھی نہ دیکھی تھی۔ اس کا نام عنبر بتاتے ہیں۔ ہم سب اس مچھلی کو پندرہ دن تک کھاتے رہے۔ حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ نے اس کی ایک ہڈی لیکر کھڑی کی تو اس کے نیچے سے سوار گزر گیا۔ اس کے بعد جب ہم بارگاہ رسالت میں پہنچے اور ہم نے اس کا تذکرہ کیا تو آپ نے فرمایا تم نے اس رزق کو

نکال باہر کیا اس طرح تین مرتبہ کیا گیا ہر بار زمین نکال باہر کرتی رہی۔ بالآخر اس کو دو پتھروں کے درمیان رکھ دیا۔ یہ خبر جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سمع ہمایوں میں پہنچی تو فرمایا زمین نے محکم رضی اللہ عنہ کو نگل لیا اور زمین اس کو نگلتی ہے جو اس سے بدتر ہو۔ لیکن حق تعالیٰ چاہتا ہے کہ تمہیں نصیحت فرمائے تاکہ تم عبرت حاصل کرو۔

روضہ الاحباب میں ابوقنادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اس سر پر یہ فتح مکہ کے شروع میں ذکر کیا ہے اور کہا کہ اس سے پہلے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مکہ مکرمہ کی جانب سفر فرمائیں ماہ رمضان ۸ھ میں ابوقنادہ انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو قبیلہ اضم کی جانب بھیجا۔ یہاں تک کہ لوگوں کو گمان ہوا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اس طرف جانے کا مقصد فرماتے ہیں جس طرف یہ جماعت بھیجی ہے۔ مکہ کا ارادہ نہیں ہے۔



الْفَتْحُ لَا يَنْفَعُ الَّذِينَ كَفَرُوا إِيمَانُهُمْ وَلَا هُمْ يُنْظَرُونَ (اے نبی فرما دو فتح کا دن ان لوگوں کو جنہوں نے کفر کیا ان کے ایمان کو نفع نہیں پہنچاتا اور وہ غور فکر سے کام نہیں لیتے ہیں) میرا اسی طرف اشارہ ہے کہ فتح کے دن ایمان لانا نافع ہے اور نہ مقبول۔ جواب میں علماء فرماتے ہیں کہ مراد وہ کافر ہیں جو فتح میں مارے گئے اور اس حالت میں ایمان لائے۔ لہذا قتل کی حالت میں ان کا ایمان لانا نفع نہیں پہنچاتا اور بعض کہتے ہیں کہ اس آیت میں یوم الفتح سے مراد روز قیامت ہے۔ کیونکہ وہ دن کافروں کے مقابلے میں مسلمانوں کی نصرت اور انسانوں کے درمیان حکومت کے ساتھ فیصلہ کرنے کا دن ہے۔ فتح کے معنی حکومت کے ساتھ فیصلہ کرنے کے آئے ہیں۔ جیسا کہ حق تعالیٰ کے ارشاد میں ہے: رَبَّنَا افْتَحْ بَيْنَنَا وَبَيْنَ قَوْمِنَا بِالْحَقِّ وَأَنْتَ خَيْرُ الْفَاتِحِينَ۔ اے ہمارے رب ہمارے اور ہماری قوم کے درمیان حق کے ساتھ فیصلہ فرما اور تو ہی بہترین فیصلہ کرنے والا ہے۔ (واللہ اعلم)

اس مواہب ربانی کے حصول کا باعث اور فتح صدائی کے ظہور کا سبب یہ ہوا کہ وہ صلح جو حدیبیہ میں واقع ہوئی تھی اس میں ایک شرط یہ بھی تھی کہ دونوں فریق ایک دوسرے کے حلیفوں کے ساتھ تعرض نہ کریں گے اور ہر کوئی جس فریق کو چاہے اختیار کر سکتا ہے۔ جو چاہے قریش کے عہد و حلف میں آئے خواہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد و حلف میں داخل ہو۔ چنانچہ بنی بکر قریش کے ہم سوگندی میں داخل ہوئے اور خزاعہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد و پیمان میں آئے اور بنی خزاعہ پہلے ہی سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے رجوع ہو رہے تھے اگرچہ وہ ایمان نہیں لائے تھے اور بنی بکر اور بنی خزاعہ کے درمیان زمانہء جاہلیت سے نزاع و اختلاف اور عداوت قائم تھی اور آپس میں بہت کچھ جنگ و جدال واقع ہو چکا تھا اور جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کا قضیہ درمیان میں آیا تو وہ اس میں اتنے مشغول ہوئے کہ اپنے اصلاح کے احوال پر انہوں نے غور تک نہ کیا۔ صلح حدیبیہ کے واقع ہونے کے بعد جب وہ اپنے حال میں آئے اور دل کو اطمینان ملا اور فرصت پائی وہ پھر اپنے باہمی نزاع و عداوت کی طرف متوجہ ہوئے۔ یہاں تک کہ ایک دن بنی بکر کا ایک شخص سید

طبرانی نے معجم صغیر میں سیدہ میمونہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی حدیث نقل کی ہے وہ فرماتی ہیں کہ میں نے ایک رات سنا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے وضو کرتے ہوئے تین بار ”لبیک لبیک“ فرمایا اور تین مرتبہ ”نصرت نصرت“ میں مدد کرتا ہوں میں مدد کرتا ہوں“ فرمایا! جب میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب آئی تو میں نے عرض کیا۔ ”یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو باتیں کرتے ہوئے سنا ہے کیا کوئی شخص تھا جس سے آپ گفتگو فرما رہے تھے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ”یہ راجز نبی کعب تھا جو قبیلہ بنی خزاعہ سے ہے۔ وہ مجھ سے مدد مانگ رہا تھا اور کہہ رہا تھا کہ قریش نے بنی بکر کی مدد کی یہاں تک کہ ہم پر شب خون مارا ہے۔ اس کے تین دن بعد عمرو بن سالم خزاعی چالیس سواروں کے ساتھ مکہ سے مدینہ منورہ آیا اور جو کچھ واقعہ پیش آیا تھا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کر کے نصرت و اعانت کی درخواست کی۔ اس پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہوئے اس حال میں کو آپ چادر مبارک زمین سے گسیٹ رہے تھے اور فرمایا ”میری مدد نہ ہوگی اگر میں نے تمہاری مدد نہ کی۔ جس طرح میں اپنی مدد کرتا ہوں اسی طرح تمہاری مدد کروں گا۔“ اس طرح حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے انتہائی اتحاد و اخلاص کی طرف اشارہ فرمایا اور ان کے دلوں کی تسلی و تشفی فرمائی۔ گویا آسمان پر ایک بادل چھایا ہوا ہے۔ اس کے بعد فرمایا ”یہ بادل فریاد کرتا ہے اور بنی کعب کی خبر دیتا ہے“۔ پھر ان سے فرمایا ”تم اپنے گھروں کو جاؤ اور غم و فکر نہ کرو۔ کیوں کہ فتح و نصرت کے دن قریب آگئے ہیں“ اور اپنے صحابہ سے فرمایا ”گویا میں دیکھ رہا ہوں کہ ابوسفیان آیا ہوا ہے اور صلح کی مدت بڑھانے اور اس کی تجدید کی درخواست کر رہا ہے اور خائب و خاسر ہو کر مکہ لوٹ گیا ہے“۔

ارباب سیر بیان کرتے ہیں کہ جب قریش اپنے فعل سے پشیمان ہوئے تو ابوسفیان کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بھیجا کہ معذرت خواہی کر کے کہے کہ یہ فعل میرے مشورے سے واقع نہیں ہوا ہے اب از سر نو صلح کی تجدید و توكید کر کے اس کی مدت

ابوسفیان آیا ہوا ہے اور صلح کی مدت بڑھانے اور اس کی تجدید کی درخواست کر رہا ہے اور خائب و خاسر ہو کر مکہ لوٹ گیا ہے۔

اس نے چاہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بستر استراحت پر بیٹھے۔ سیدہ ام حبیبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے بستر شریف کو لپیٹ ڈالا۔ ابوسفیان نے کہا ”اس بستر کو مجھ سے بچاتی ہو؟ اس پر سیدہ ام حبیبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا ”ہاں! یہ بستر سید المصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہے اور تم مشرک و نجس ہو“۔ اس پر وہ اپنی بیٹی کے پاس سے چلا آیا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ اقدس میں حاضر ہوا ہر چند تجدید

اور اس میں ان کو خبردار کیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان پر لشکر تیار کر کے لا رہے ہیں۔ اس خط کا مضمون یہ تھا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم لشکر کی تیاری فرما رہے ہیں اور میرا گمان یہ ہے کہ مکہ مکرمہ کے سوا وہ کسی اور طرف نہیں جائیں گے۔ اپنے حال کی فکر کرنی چاہیے والسلام: اس خط کو ایک مرنی عورت کے سپرد کیا کہ وہ قریش کو پہنچا دے۔ حق تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی خبر دے دی۔ چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی المرتضیٰ حضرت زبیر بن العوام اور مقداد بن الاسود رضی اللہ عنہ کو حکم فرمایا! خانہ کے باغ میں جاؤ وہاں ایک عورت ہورج میں سوار ملے گی اس کے پاس ایک خط ہے وہ خط اس سے لے آؤ۔ یہ تینوں اس کے پاس پہنچے اس نے بالوں کی چوٹی میں وہ خط چھپا رکھا تھا۔ یہ تینوں وہ خط لے آئے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کر دیا۔ اس کے بعد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حاطب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو طلب فرمایا اور اس سے پوچھا یہ تیری کارگزاری ہے تو نے یہ کیا ہے اس سے تیرا کیا مقصد تھا؟ اس نے عرض کیا ”یا رسول اللہ! مجھ پر جلدی نہ فرمائیے خدا کی قسم میں مومن ہوں اور خدا اور اس کے رسول پر ایمان رکھتا ہوں میں ایک مرد مصلق (ملا ہوا) اور قریش میں حلیق ہوں اور ان کی ذات سے نہیں ہوں اور مکہ میں کوئی ایسا نہیں ہے جو میرے مال و اہل کی حمایت و حفاظت کرے اور وہ حضرات جو مہاجرین میں سے آپ کے ساتھ ہیں مکہ مکرمہ میں ان کے عزیز و اقارب ہیں جو ان کے مال و اہل کی حمایت و حفاظت کرتے ہیں۔ اسی بات نے مجھے اس فتنہ میں ڈالا ہے میں نے یہ عمل نفاق و ارتداد سے نہیں کیا ”یا رسول اللہ! مجھے اجازت دیجئے کہ میں اس منافق کی گردن ماروں“ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اِنَّ اللّٰهَ اَطْلَعَ عَلٰی اَهْلِ بَدْرٍ وَقَالَ اَعْمَلُوا مَا شِئْتُمْ فَقَدْ غَفَرْتُ لَكُمْ۔ بلاشبہ اہل بدر کے لیے اللہ تعالیٰ نے خبر دی ہے کہ جو چاہو کرو بلاشبہ میں نے تمہیں بخش دیا ہے۔ اسے طبرانی نے روایت کیا۔ ایک روایت میں ہے: اَنْتَیْ غَافِرٌ لِّکُمْ ”میں تمہاری بخشش چاہنے والا ہوں۔ اس پر حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ رونے لگے اور عرض کرنے لگے اللہ اور اس کا رسول بھی زیادہ جانتا ہے اس وقت آیہ کریمہ نازل ہوئی: یٰۤاَيُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْا عَدُوِّیْ وَعَدُوْکُمْ اَوْلِیَآءَ فَقَدْ ضَلَّ سَوَآءَ السَّبِیْلِ۔ اے ایمان والو! میرے دشمن اور اپنے دشمن کو رازدار و دوست نہ بناؤ..... وہ سیدھے راستہ سے گمراہ کر دیں گے۔“ فتح الباری میں منقول ہے کہ حضرت فاروق اعظم کا یہ کہنا ہے کہ مجھے اجازت دیجئے کہ میں اس منافق کی گردن مار دوں۔ اس کے باوجود کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حاطب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تصدیق فرمائی اور ان کے عذر کو مقبول قرار دیا تو اس کی وجہ یہ تھی کہ وہ ان کے نزدیک منافقوں میں سے تھے اور ان کے علم میں یہ تھا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حکم کی مخالفت کرے وہ واجب القتل ہے۔ لیکن انہوں نے اپنے علم پر جرم نہ کیا اور اس کے قتل کی اجازت چاہی اور اس پر اسہم نہ مانا۔ اطلاق اس بنا پر کیا کہ جو حرکت اس سے سرزد ہوئی تھی اس نے اس کو چھپایا تھا اور حاطب رضی اللہ عنہ نے جو عذر تھا وہ اس کی تاویں تھی اور اس نے یہ سمجھا تھا کہ اس قسم کے عمل سے کوئی ضرر نقصان واقع نہ ہوتا اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد ہے کہ فَقَدْ غَفَرْتُ لَكُمْ یَا غَافِرٌ لِّکُمْ یہ مستقبل کو ماضی کے ساتھ تعبیر کرنے کے طریقہ پر ہے اور تحقیق وقوع کے مبالغہ کے لیے ہے۔ علماء فرماتے ہیں کہ اہل بدر کی اس حاصل شدہ حالت کے اکرام و اعزاز میں یہ خطاب ہے کہ ان گزشتہ گناہوں کو بخش دیا گیا ہے اور وہ اس قابل اور لائق ہیں کہ ان کے آئندہ گناہ بھی بخش دیئے گئے ہیں اور بلاشبہ حق تبارک و تعالیٰ نے اپنے نبی کی صداقت کو ظاہر فرمایا جو کچھ جس کے بارے میں حضور اکرام صلی اللہ علیہ وسلم کو خ ۱۰۶۱۔ لے کہ وہ ہمیشہ اہل جنت کے اعمال سے رہیں گے یہاں تک کہ وہ اس دنیا سے رخصت ہو جائیں اور اگر فرض کیا جائے کہ ان

بعض اوقات یہ کہہ دیتا ہے کہ "میں اللہ تعالیٰ سے درخواست کرتا ہوں کہ وہ مجھے اس کا مضمون پتہ چلا دے۔" یہ جملہ لکھا تھا اس کا مضمون پتہ چلا تھا "اے گروہ قریش تم برسوں

کچھ اہل مکہ بھی ہجرت کر کے مدینہ طیبہ کی جانب آرہے تھے ان میں حضرت عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا اپنے اہل واعیال کے ساتھ تھے اور منزل سقیا میں اور ایک قول کے بموجب جھنہ میں ایک قول کے بموجب ذوالحلیفہ میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ملے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے آنے پر اظہار مسرت فرمایا اور حکم دیا کہ اپنا سامان تو مدینہ طیبہ بھیج دو اور خود ہمراہ رہو اور حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا تمہاری ہجرت آخری ہجرت ہے۔ جس طرح کہ میری نبوت آخری نبوت ہے۔ نیز راستہ میں ہی ابوسفیان رضی اللہ تعالیٰ عنہ بن حارث بن عبدالمطلب جو کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا حارث کے فرزند تھے اور عبد اللہ رضی اللہ عنہ بن امیہ جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی پھپھی عاتکہ بنت عبدالمطلب کے بیٹے تھے اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ایداواہانت میں بہت بڑھ چڑھ کر مشغول رہتے تھے آئے اور مسلمان ہو گئے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی طرف سے اپنا رخ انور پھیر لیا اور سیدہ ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی عرض والتجا سے ان کے گناہوں سے درگزر فرمایا۔ ایک روایت میں ہے کہ سیدنا علی المرتضیٰ نے ان سے فرمایا کہ تم حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ رحمت و کرم میں حاضر ہو کرو عرض کرو جو حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائیوں نے حضرت یوسف علیہ السلام سے کہا تھا کہ لَقَدْ اَنكَرَكُ اللَّهُ عَلَيْنَا وَإِنْ كُنَّا لَخَاطِئِينَ اس پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: لَا تَقْرِبْ عَلَيْنَكُمْ الْيَوْمَ بِغَفْرِ اللَّهِ لَكُمْ وَهُوَ أَرْحَمُ الرَّاحِمِينَ۔

ارباب سیر بیان کرتے ہیں کہ ابوسفیان بن الحارث رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس کے بعد کبھی شرم و حیا کے باعث حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے سر نہ اٹھایا۔ اس کے بعد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم روانہ ہو کر مر الظہر ان پہنچے وہاں سے مکہ کی مسافت چار فرسخ ہے اور اب اس جگہ کو ”وادی فاطمہ“ کہتے ہیں۔ یہ نام فاطمہ الزہراء رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے منسوب نہیں ہے بلکہ یونہی اس کا نام پڑ گیا ہے۔ جس طرح کہ دیگر مقامات کے نام ہیں اس کے بعد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ ہر شخص اپنے خیمہ کے آگ روشن کرے اور دس ہزار یا بارہ ہزار جگہ آگ روشن ہوئی ہوگی۔ اس وقت تک قریش کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے آنے اور آپ کے حالات کی انہیں کچھ خبر نہ تھی لیکن خائف و غمگین رہتے تھے اس لیے کہ وہ جانتے تھے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مکہ کا ارادہ رکھتے ہیں۔ اس کے بعد ابوسفیان بن حرب سے قریش نے کہا جاؤ اور حالات کا تحقیق کرو۔ اگر محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات و بازیابی کا موقع ملے تو ہمارے لیے اس سے امان حاصل کرو۔ پھر ابوسفیان حکیم بن حزام رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور بدیل بن ورقا کے ساتھ نکلا۔ انہوں نے دیکھا کہ تمام وادی آگ سے روشن ہے۔ انہوں نے پوچھا یہ کیسی آگ روشن ہے۔ پھر انہوں نے خیموں کو دیکھا اور گھوڑوں کے نہبنا کی کی آواز سنی۔ اس طرف حضرت عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا کہ افسوس اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس شوکت و دبدبہ کے ساتھ اچانک قریش پر حملہ کریں تو ان سب کا استیصال ہو جائے اور ان کا نام و نشان تک باقی نہ رہے۔ پھر وہ کہتے ہیں کہ میں اپنے خاص اونٹ پر سوار ہوا اور لشکر سے باہر آیا تاکہ کوئی مکہ کا آدمی ملے تو میں اس سے صورت حال کہوں تاکہ وہ مکہ والوں کو خبر کرے کہ وہ اپنا انجام سوچ لیں۔ اچانک میں نے ابوسفیان کی آواز کو پہچان لی۔ اور کہا کیا ابوالفضل ہیں؟ میں نے جواب دیا: ہاں اُس! اس نے کہا ”اے ابوالفضل رضی اللہ تعالیٰ عنہ! میرے ماں باپ تم پر قربان ہوں یہ کیسا واقعہ ہے؟ میں نے کہا ”افسوس ہے تجھ پر یہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم میں جو بارہ ہزار کا لشکر تم پر لائے ہیں۔ اس نے کہا: اے عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ! ہمارا کیا بنے گا؟ میں نے کہا ”میرے اس اونٹ پر پیچھے بیٹھ جاؤ تاکہ میں تم سے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور صلی اللہ علیہ وسلم لے جاؤں اور تمہارے لیے امان حاصل کروں۔ پھر وہ میرے اونٹ پر سوار ہو گیا اور بدیل بن ورقا اور حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ مکہ لوٹ گئے۔ ایک روایت میں ہے کہ بدیل اور حکیم بھی ابوسفیان کے ہمراہ بارگاہ نبوت میں آئے اور مسلمان ہو گئے ممکن ہے کہ مکہ پہنچ کر دوبارہ آئے ہوں اس کے بعد ہم حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے خیمے کے

سامنے پہنچے۔ جب انہوں نے ابوسفیان کو دیکھا تو انہوں نے اپنی جگہ سے جست کی اور تلوار لے کر ان کے پیچھے دوڑے اور چاہا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں پہنچنے سے پہلے ابوسفیان کے قتل سے فارغ ہو جائیں۔ کیوں کہ ابھی وہ امن و امان میں نہ تھے اور نہ ایمان لائے تھے۔ میں نے بھی اونٹ کو تیز دوڑایا۔ یہاں تک کہ حضرت فاروق رضی اللہ عنہ کے پہنچنے سے پہلے ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خیمہ میں پہنچ گئے اور میں نے عرض کیا ”یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میں نے ابوسفیان کو امان دے کر اپنی پناہ میں لے لیا ہے اور عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان کے قتل کرنے کے درپے ہیں اور فرمایا اے عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ آج رات ابوسفیان کو اپنے خیمہ میں رکھو اور صبح کو میرے حضور پیش کرو۔“ جب صبح ہوئی اور میں ان کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں لے گیا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا افسوس ہے تجھ پر اے ابوسفیان! ابھی وہ وقت نہیں آیا ہے کہ تو جانے کہ خدا کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں ہے۔ ابوسفیان نے کہا ”میرے ماں باپ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر قربان ہوں! آپ کتنے رحیم و کریم اور بردبار ہیں۔ باوجود اتنی ایذا و ستم پہنچنے کے آپ اتنی مہربانی اور لطف فرماتے ہیں۔ اب میں نے جان لیا کہ خدا کے سوا کوئی معبود نہیں ہے۔ کوئی ہوتا تو ہمیں نفع پہنچاتا اور ہماری مدد و اعانت کرتا۔ اس کے بعد فرمایا ”کیا ابھی وقت نہیں آیا تو جانے کہ میں خدا کا رسول ہوں۔“ اس نے کہا ”میں ابھی تک ایک شک دل میں رکھتا تھا اور مجھے تھوڑا سا توقف تھا۔“

اس کا سیدہ تصدیق رسالت کے لیے نہ کھلا تھا۔ حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا ”خرا بی ہو تیری اے ابوسفیان! بات کو طول نہ دے اور کلمہ توحید کے ساتھ زبان کو کھول۔ ورنہ اسی گھڑی حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ آ جائینگے اور تیری گردن اڑا دیں گے۔“ اس وقت ابوسفیان نے کہا ”أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَأَنَّ مُحَمَّدًا رَسُولُ اللَّهِ“ اس کے بعد حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! ابوسفیان صاحب فخر و شرف شخص ہے اور عزت و منزلت کو پسند کرتا ہے۔ اسے کسی ایسے مرتبہ سے نوازئے جس سے مکہ والوں کے سامنے سرفراز ہو سکے۔ اس پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مَنْ دَخَلَ دَارَ أَسْفَادٍ فَهُوَ أَسْفَادٌ جو شخص ابوسفیان کے گھر میں آجائے وہ امن سے ہے؛ اور ایسے ہتھیار پھینک دے امن میں ہے اور جو اپنے

سليم کے ہزاروں افراد کے ساتھ تھے اور اس فوج کے دو میان دو علم تھے ابوسفیان نے حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے پوچھا یہ کون ہے؟ فرمایا یہ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں اور جب حضرت خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ ابوسفیان کے برابر پہنچے تو تین مرتبہ پورے جاہ و چشم کے ساتھ باواز بلند تکبیر کہی۔ جس سے ابوسفیان کی روح میں زلزلہ پڑ گیا اور اس کا دل دہل گیا۔ حضرت خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پیچھے زبیر بن العوام رضی اللہ عنہ پانچ سو پہلوانوں اور دلاوروں کے ساتھ تکبیر بلند کرتے ہوئے سیاہ علم کے ساتھ گزرے۔ ابوسفیان نے پوچھا یہ کون ہیں؟ حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا یہ حضرت زبیر بن العوام ہیں۔ اس نے کہا ”تمہاری بہن کا فرزند؟“ انہوں نے ”ہاں“۔ اس کے بعد حضرت زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پیچھے بنی غفار کے تین سو حضرات طاہر ہوئے اور اس جماعت کا علم حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہاتھ میں تھا وہ بھی تکبیر بلند کرتے ہوئے گزرے۔ حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس قبیلہ کی تعریف فرمائی۔ ابوسفیان نے کہا ”ہمیں ان سے کوئی سروکار نہیں ہے اتنے میں بنو کعب بن عمر کے لوگ پانچ سو کی تعداد میں پہنچ گئے اور اس فوج کا علم بشر بن سفیان کے ہاتھ میں تھا۔ ابوسفیان نے پوچھا ”یہ کن لوگوں کی ٹولی ہے؟“ حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا ”یہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حلیف و ہم سوگند ہیں۔“ اس کے بعد قبیلہ مزنیہ کے ہزار آدمی گزرے جن کے درمیان تین علم تھے۔ ابوسفیان نے ان لوگوں کی تعریف سننے کے بعد بھی یہی کہا کہ مجھے ان سے کوئی سروکار نہیں۔ اس کے بعد قبیلہ جہنیہ کے لوگ پہنچے جو آٹھ سو شجاع تھے اور ان کے چار علم تھے۔ ان کے پیچھے قوم اشجع کے تین سو افراد گزرے حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جب بنی اشجع کی تعریف فرمائی تو ابوسفیان نے کہا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے سب سے زیادہ دشمن یہ لوگ تھے۔ حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا حق تعالیٰ نے ان کے دلوں میں اسلام کی محبت ڈال دی۔ ابوسفیان نے کہا ”میں نے ان کو دیکھ لیا مجھے ان سے کوئی سروکار نہیں۔“ یہاں تک کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی فوج خاص نمودار ہوئی اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم ناقہ پہ سوار تقریباً پانچ ہزار اعیان مہاجرین اور اشراف انصار کے جھرمٹ میں جو کہ سب کے سب مسلح و مکمل رکاب فلک فرسائیں آ راستہ و پیراستہ تکبیر کہتے ہوئے پہنچے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک ہاتھ پر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور دوسرے دست اقدس پر حضرت اسید بن خفیر تھے اور آپ ان سے محو گفتگو تھے۔ ابوسفیان نے جب اس خدائی لشکر کو اس عظمت و حشمت کے ساتھ دیکھا تو اس کی چشم عقل خیرہ ہو گئی اور انتہائی ہیبت و حیرت اس پر چھا گئی۔ ابوسفیان نے کہا ”اے عباس رضی اللہ عنہ! تمہارے بھتیجے کی بادشاہت نبوت تو بہت قوی و عظیم ہو گئی ہے۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے کہا ”فسوس ہے تجھ پر اے ابوسفیان! یہ رسالت و نبوت ہے بادشاہت و سلطنت نہیں ہے۔ منقول ہے کہ اس روز حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ جن کے قبضہ اقتدار میں انصار کا علم تھا اپنے ہزار انصار کے ساتھ آگے چل رہے تھے جب وہ ابوسفیان کے برابر پہنچے تو فرمایا ”ابوسفیان! الْيَوْمَ الْمَلْحَمَةُ الْيَوْمَ تُسْتَحَلُّ الْحُرْمَةُ الْيَوْمَ أَذَلَّ اللَّهُ قُرَيْشًا“ آج کا دن خون بہانے اور قتل کرنے کا ہے آج حرمت حرم کو حلال بنا دیا گیا ہے۔ آج اللہ تعالیٰ نے قریش کو ذلیل و خوار کر دیا ہے۔ اس کے بعد انہوں نے اپنے

بڑھائے گا۔ تم سب خاطر جمع رہو اور ایمان لے آؤ۔ ایک روایت میں ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے خلاف واقعہ بات کہی ہے۔ آج تو وہ دن ہے کہ حق تعالیٰ اپنے گھر کی عظمت بڑھاتا ہے اور اسے خلعت پہناتا ہے۔ ابوسفیان نے کہا ”آپ تمام لوگوں میں کتنے نیکو کار ہیں اور کتنے رحیم و کریم ہیں۔ میں حق تعالیٰ کو شفیع گردانتا ہوں کہ قریش کے ساتھ جو آپ کی قرابت داری ہے اس پر نظر فرماتے ہوئے ان کے خون سے درگزر فرمائیے اور اپنے عزیز اقرباء پر رحم و کرم اور عطف و مہربانی فرمائیے۔ پھر حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اپنے عزیز اقرباء کی رعایت دامن گیر ہوئی اور عرض کیا ”یا رسول اللہ! ہم حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مامون نہیں ہیں۔ مبادہ کہ وہ قریش کو کوئی آزار پہنچائیں۔ اس پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے قیس بن عبادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا کہ اپنے والد سے علم لے لو۔ ایک روایت میں ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میں نے اپنے والد سے سنا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ابوسفیان کو کوئی آزار نہ پہنچائے۔

بعد حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے ابوسفیان سے فرمایا: کہ تمہیں مکہ مکرمہ جانا چاہیے۔ اور قریش کو ڈرانا چاہیے کہ وہ مسلمان ہو جائیں اور قتل و سیری سے نجات پائیں۔ ورنہ ہلاک ہو جائیں گے۔ ”ابوسفیان دوڑتا ہوا مکہ مکرمہ آیا اور خبر دی کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم ہے جو گھر میں رہ کر دروازہ بند کر لے اور جو ہتھیار پھینک دے اور جو میرے گھر آ جائے اور جو مسجد حرام میں داخل ہو جائے وہ امان میں رہے گا۔ قریش نے کہا تجھ اللہ (اللہ تجھے رو سیا کرے) یہ کیسی خبر ہمارے لیے لایا ہے۔ گویا قریش کو ابھی تک حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پہنچنے کا یقین نہ آیا تھا۔ انہوں نے پوچھا تیرے پیچھے یہ کیسا گردوغبار اٹھتا ہوا آ رہا ہے اور وہ کون ہیں؟ ممکن ہے کہ ان کا یہ پوچھنا خبط خرابی دماغ، حیرت، سرگردانی، خبث باطنی اور تکلیف و تجاہل سے ہو۔ کیوں کہ حکیم بن حزام اور بدیل بن ورقا ابوسفیان سے پہلے مکہ لوٹ آئے تھے ظاہر ہے کہ انہوں نے انہیں بتا دیا ہوگا۔ ابوسفیان نے کہا ”افسوس ہے تم پر محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اپنے لشکر و سپاہ کے ساتھ با جاہ حشم تشریف لے آئے ہیں۔ اب تم میں ان کا مقابلہ کرنے اور جنگ کرنے کی تاب و توان باقی ہی نہیں رہی ہے۔ ابوسفیان کی بیوی جس کا نام ہند بنت عتبہ اکلثہ الاکباد تھا اس نے اپنے شوہر کی داڑھی پکڑ کے اسے خوب ذلیل و خوار کیا اور کہنے لگی ”اے غالب کی اولاد! اس احمق کو مار ڈالو تاکہ ایسی بات منہ سے نہ نکالے۔“ ابوسفیان نے کہا ”جس طرح چاہے مجھے ذلیل و رسوا کرو اور جس طرح چاہے میرے ساتھ سلوک کرو لیکن خدا کی قسم اگر تم مسلمان نہ ہوئے تو تمہاری گردنیں اڑا دیں گے۔ جاؤ گھروں میں گھس جاؤ اور دروازہ



ان سے جنگ کی ہے۔ جیسا کہ اس کی طرف اشارہ فرمایا گیا تھا۔ اس کے ساتھ مجبوراً مقاتلہ محاربہ کرنا پڑا۔ فرمایا: قَضَاءُ اللَّهِ خَيْرٌ۔ اللہ تعالیٰ کی قضا و قدر بہتر ہے۔

منقول ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت خالد بن ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر عتاب فرمایا اور کسی کو ان کے پاس بھیجا کہ جا کر حکم پہنچائے کہ ضَعُ عَنْهُمْ السَّيْفَ یعنی ان کو تلوار کی ضرب سے باز رکھو اور ان کو قتل نہ کرو۔ مگر اس قاصد نے ان سے یہ کہا کہ ضَعُ فِيهِمُ السَّيْفَ یعنی تلوار کی دھار پر رکھو اور ان کو قتل کرو۔ اس پر حضرت خالد بن ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس دن ستر آدمیوں کو مارا۔ جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے علم مبارک میں یہ بات آئی تو حضرت خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا تم نے خلاف کیوں کیا۔ حضرت خالد رضی اللہ عنہ نے عرض کیا ”یا رسول اللہ میں کیا کرتا اس قاصد نے جسے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھیجا تھا مجھے یہ حکم پہنچایا کہ ضَعُ فِيهِمُ السَّيْفَ (ان کو قتل کر دو)

اس سلسلہ میں عجیب و غریب بات یہ ہے کہ جسے بعض مفسرین بیان کرتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شخص کو بلایا جس کو حکم دے کر بھیجا تھا اور فرمایا! میں نے تم سے کیا کہا تھا؟ اس قاصد نے کہا ”جب میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس سے حکم لیکر چلا تو ایک شخص مجھے ملا جس کا سر آسمان تک پہنچا تھا اور خنجر اس کے ہاتھ میں تھا اس نے میرے سینہ پر ہاتھ مار کر کہا کہ ”خالد رضی اللہ عنہ سے کہنا ضَعُ فِيهِمُ السَّيْفَ ورنہ اس خنجر سے تجھے ہلاک کر دوں گا۔ مجبوراً میں نے خالد رضی اللہ عنہ سے یہی کلمہ کہا“ جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ سنا تو فرمایا صَدَقَ اللَّهُ وَصَدَقَ رَسُولُهُ۔ اللہ بھی سچا ہے اور اس کا رسول بھی سچا ہے۔ اس دن جب روزا حد حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ شہید ہوئے تھے تو میں نے کہا تھا کہ اگر میں قریش کو پاؤں تو ان کے ستر آدمیوں کو قتل کروں گا۔ اس دن حق تعالیٰ نے مجھے منع فرمادیا تھا۔ لیکن آج خدا نے چاہا کہ جو کچھ نبی کی زبان سے ادا ہوا وہ سچ کر دکھایا جائے۔ اسی غرض سے یہ بات ظہور میں آئی ہے اور قریش کے ستر آدمی مارے گئے ہیں۔

ایک روایت میں ہے کہ لوگوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا کہ مکہ کے اوباش اور نادان لوگ سرکشی دکھاتے ہیں اور مقاتلہ پر آمادہ ہیں فرمایا: اُحْصِدُوهُمْ حَاصِدًا۔ ”کاٹ دو انہیں خوب کاٹنا“۔ ابوسفیان نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہو کر کہا۔ ”اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) قریش ہلاک ہو گئے اس پر خوبیہ کائنات نے ان پر رحم فرمایا اور حکم دیا کہ ”اب قریش کو نہ مارو“۔ اس کے بعد ان اشقیاء کا وہ گردہ جو جنگ کر رہا تھا ہزیمت کھا کر بھاگ کھڑا ہوا اور پہاڑوں اور ان کو گھاٹیوں میں جا چھپا اور بعض کو وہ بیابان کو نکل گئے اور بعض گھروں میں گھس کر دروازے بند کر کے بیٹھ گئے اور قتل ہونے سے چھوٹ گئے۔

اس کے بعد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بسبب اثر و حام کثیر یا بغرض تعلیم احکام سواری پر ہی مسجد حرام میں داخل ہوئے اور اس بقعہ نور کو اپنے نور حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے لباس نور مہلّی نور پہنایا اور جن اپنے دست مبارک کے عصا سے جو ہمیشہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دست مبارک میں رہا کرتا تھا حجر اسود کا استلام کیا اور زبان حق ترجمان کو تکبیر کے ساتھ کشادہ فرمایا اور مسلمانوں نے بھی موافقت اور اتباع کے قصد سے تکبیر بلند کی۔ یہاں تک کہ تکبیر کا غغلہ مکہ مکرمہ میں گونج گیا اور مشرکین مکہ کے پہاڑوں پر چڑھے یہ سب کچھ دیکھ رہے تھے اور سن رہے تھے اور آتش عداوت و حسد میں جل جھن بھی رہے تھے۔

خانہء کعبہ سے بتوں کا توڑنا: وصل: جب طواف سے فارغ ہوئے تو بتوں کی پلیدی سے بیت الحرام کی تطہیر کی طرف توجہ فرمائی اور حرم پاک کی عزت و حرمت کو پاک کیا۔ اہل سیر لکھتے ہیں کہ مشرکوں نے تین سو ساٹھ بت خانہء کعبہ کے اطراف و جوانب میں نصب کر رکھے تھے۔ ایک روایت میں ہے کہ شیطان نے ان بتوں کے پاؤں کو سیسہ سے زمین میں جمار کھا تھا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ

وسلم اس عصائے مبارک سے جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دست اقدس میں رہتا تھا بتوں کی طرف اشارہ کر کے فرماتے جَاءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ إِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوقًا حَقَّ آگیا اور باطل فرار ہو گیا۔ بلاشبہ باطل کو تو فرار ہونا ہی تھا اور وہ بت منہ کے بل گر پڑے۔ ایک روایت میں ہے کہ قضا یعنی گدی کے بل گر پڑتے۔ دونوں روایتوں میں مطابقت اس طرح کرتے ہیں ہے اگر عصا کا اشارہ منہ کی طرف ہوتا تو وہ گدی کے بل گر پڑتے اور اگر گدی کی طرف اشارہ ہوتا تو منہ کے بل گر پڑتے تھے۔ بعض سیر کی کتابوں میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے روز فتح مکہ خانہ کعبہ کے گرد تین سو ساٹھ بت پائے۔ جس کی طرف قبائل عرب حج کرتے اور ان کے لیے قربانی کرتے تھے۔ اس پر بیت اللہ نے خدا سے شکایت کی اور مناجات کی کہ اے میرے رب! کب تک تیرے سوا میرے ارد گرد بتوں کی پوجا ہوتی رہے گی؟ پھر خدا نے بیت اللہ کی طرف وحی بھیجی کہ عنقریب میں تیرے لیے اپنے نور کو پیدا کروں گا اور تیری طرف ایسی قوم کو بھیجوں گا جو کرگسوں کی مانند جیسی چال سے آئیں گے اور ان پرندوں کی مانند جو ذوق و شوق کے ساتھ اپنے انڈوں کی طرف آتے ہیں۔ ایسے تیری طرف آئیں گے اور تبلیہ کے ساتھ آواز بلند کرتے ہوں گے اور اساف و نائلہ اور ہبل کو جو بڑے بڑے بت ہیں توڑ دیں گے مروی ہے کہ اساف کو ہ صفا پر نصب تھا اور نائلہ کو ہ مروہ پر۔ اہل سیر کہتے ہیں کہ دراصل یہ دونوں بت قبیلہ جرہم کے مرد و عورت تھے جنہوں نے خانہ کعبہ میں زنا کیا تھا۔ اس بنا پر حق تعالیٰ نے ان کو مسخ کر کے دونوں کو پتھر کا کر دیا اور قریش نے اپنے کمال جہالت و فراطمالات سے انہیں پوجنا شروع کر دیا اور ان دو پتھروں سے اپنے سر مارنے لگے۔ جس وقت ان دونوں بتوں کو توڑا گیا تو ان میں سے ایک سیاہ رنگ کی کلمونی عورت باہر نکلی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ ہے نائلہ جو آج کے بعد اب تک کبھی نہیں پوچی جائے گی اور جب بت ہبل کو توڑا گیا تو حضرت زبیر بن العوام رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ابوسفیان سے فرمایا یہ ہے وہ بت ہبل جس پر روز اہد تم ناز کرتے تھے اور نعرہ لگاتے تھے کہ ”ہبل ہبل“ (بلندی ہو ہبل کی) آج وہ توڑ دیا گیا ہے ابوسفیان نے کہا ”مجھے چھوڑ دو اور میری سرزنش نہ کرو اگر خدائے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا کوئی اور خدا ہوتا تو ضرور ہماری مدد کرتا اور اس کے برخلاف صورت رونما ہوتی۔“

بعض سیر کی کتابوں میں ہے کہ چند بڑے بڑے بت اونچی جگہوں پر نصب تھے جن تک ہاتھ نہیں پہنچ سکتا تھا۔ بعض روایتوں میں آیا ہے کہ ان میں سب سے اونچا اور بڑا بت وہ تھا جسے ہبل کہتے تھے۔ علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ نے عرض کیا ”یا رسول اللہ! اپنے قدم ناز کو میرے کندھوں پر رکھئے اور ان بتوں کو گرا دیجیے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔“ اے علی رضی اللہ عنہ! تم میں بار نبوت کے اٹھانے کی طاقت نہیں ہے تم میرے کندھوں پر آؤ اور ان بتوں کو گراؤ۔ امثالاً لِلَّامْرِ“ رسول اللہ علیہ وسلم کے دوش مبارک پر آئے اور ان کو گرایا۔ اس حالت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے پوچھا خود کو کیا دیکھتے ہو۔ عرض کیا ”یا رسول اللہ! میں ایسا دیکھتا ہوں کہ گویا تمام جبابہات اٹھ گئے ہیں اور میرا سر عرش سے جاملتا ہے اور جہر میں ہاتھ پھیلاؤں وہ چیز میرے ہاتھ آ جاتی ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔“ اے علی رضی اللہ عنہ! تمہارا کتنا اچھا یہ وقت ہے کہ تم کا حق ادا کر رہے ہو اور میرا حال کتنا مبارک ہے کہ میں رحمت پر بار بار آؤں۔ اے اللہ! تمہارے علم، اللہ تعالیٰ عنہ نے بتایا کہ کوئی مگر اگر ادا ہو وود و مکمل ہو گئے

المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا ”یا رسول اللہ! منصب حجابت کعبہ کو اپنے اہل بیت کے سپرد فرمائیں جس طرح کہ سقایہ زمزم کو انہیں مرحمت فرمایا ہے (واللہ اعلم) حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ منصب حجابت کو اپنے لیے چاہتے تھے یا حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تقویت فرما رہے تھے کہ جس طرح سقایہ زمزم انہیں حاصل ہے اسی طرح حجابت کعبہ بھی انہیں ہی حاصل ہو۔ اس پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو بھیجا کہ چاہی کو حضرت عثمان بن طلحہ رضی اللہ عنہ کے ہاتھ سے لے آئیں اس وقت یہ آیت نازل ہوئی اِنَّ اللّٰهَ يَآمُرُكُمْ اَنْ تُوَدُّواْ اَلْاَمَانَاتِ اِلٰى اَهْلِهَا بے شک اللہ تمہیں حکم دیتا ہے کہ امانتوں کو اس کے اہل کے سپرد فرمائیں۔ پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ چاہی عثمان رضی اللہ عنہ کے ہی ہاتھ میں دے دی جائے اور ان سے معذرت کرو جب علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ چاہی لے کر ان کے پاس گئے تو انہوں نے کہا یہ کیا کہ زبردستی لے گئے اور معذرت کے ساتھ لے آئے؟ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا ”تمہاری شان میں قرآنی آیت نازل ہوئی ہے اور جبرائیل نے آ کر کہا ہے کہ جب تک روئے زمین پر یہ بیت اللہ قائم ہے اس کی چاہی اور اس کی سداقت قیامت تک انہیں کے لیے ہے اور جب حضرت عثمان بن طلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے وفات پائی تو انہوں نے اپنے بھائی شیبہ رضی اللہ عنہ کے سپرد کر دی۔ عثمان رضی اللہ کا کوئی فرزند نہ تھا اور انہیں کو بنی شیبہ کہتے ہیں۔ (واللہ اعلم)

الغرض حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اسامہ رضی اللہ عنہ بلال رضی اللہ عنہ اور عثمان بن طلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ خانہ کعبہ میں داخل ہوئے اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کو اس کے دروازہ پر کھڑا کیا۔ اسامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ اندر چلے گئے اور دروازہ کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے بند کیا تاکہ اثر دھام نہ ہو۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم طویل وقفہ تک اندر رہے اور خانہ کعبہ کے گوشوں میں دعا و تضرع فرماتے رہے۔ اس کے بعد باہر تشریف لائے اور نکلتے وقت حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حکم دیا کہ انبیاء و فرشتوں کی تصویروں کو جنہیں کفار دیوار ہائے کعبہ میں منقش کر رکھا ہے مٹا دو۔ پھر انہوں نے تمام تصویروں کو مٹا دیا مگر حضرت ابراہیم و اسمعیل علیہ السلام کی اس تصویر کو باقی رکھا جس میں دونوں تیر و قمار ہاتھ میں لیے ہوئے تھے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا انہیں بھی مٹا دو یہ قوم نہیں جانتی کہ انبیاء ہرگز قمار نہیں کھیلا کرتے ہیں۔ پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک ڈول پانی کا طلب فرمایا اور ان دونوں تصویروں کو بھی دھو دیا۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما حضرت بلال رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خانہ کعبہ کے اندر ذور کعت نماز پڑھی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت میں ہے جو اسامہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اندر نماز نہیں پڑھی۔ اعتماد بھروسہ حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت پر ہے کیوں کہ وہ ثبوت ہے نہ کہ

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب خانہ کعبہ کا دروازہ کھول کر باہر تشریف لائے تو چوکھٹ کے دونوں بازو پکڑے کھڑے ہو گئے۔ حضرت خالد رضی اللہ عنہ لوگوں کے اثر دھام کو دور کعبہ سے دور ہٹا رہے تھے اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس ذکر کو جو حمد ثنائے الہی اور ادائے شکر نعیم نامتناہی پر مشتمل تھا پڑھا اور کہا کہ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَحْدَهُ. لَا شَرِيكَ لَهُ. صَدَقَ وَعْدُهُ. وَنَصَرَ عَبْدَهُ وَهَزَمَ الْأَحْزَابَ وَحْدَهُ وَأَعَزَّ جُنْدَهُ اللَّهُ کے سوا کوئی معبود نہیں۔ اس کا کوئی شریک نہیں۔ اس نے اپنا وعدہ سچا کر دکھایا اور اپنے بندہ کی مدد فرمائی اور قبائل کو ایک ایک کر کے ہزیمت دی اور اپنے لشکر کو غالب فرمایا۔ اعیان قریش خوف و بیم کی حالت میں کھڑے ہوئے تھے کہ دیکھئے کیا حکم ہوتا ہے اور کیا فرمائیں گے۔ اس وقت اہل مکہ کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا ”کیا کہتے ہو اور کیا گمان رکھتے ہو میں تمہارے ساتھ کیا سلوک کروں گا؟“ لوگوں نے کہا: نَقُولُ خَيْرًا وَنُظَنُّ خَيْرًا. ہم اچھا کہتے ہیں اور اچھا گمان رکھتے ہیں آخِ كَرِيمٍ وَابْنِ آخِ كَرِيمٍ وَقَدْ قَدَّرْتَ آپ بخشش فرمانے والے بھائی کے فرزند ہیں بلاشبہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم پر قدرت پائی ہے۔ ”جو لوگ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ہم عمر تھے انہوں نے آخِ کَرِيمِ کریم کر کے مخاطب کیا اور جو لوگ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے والد ماجد کے ہم عمر تھے انہوں نے ابنِ آخِ کَرِيمِ کنایہ کر کے مخاطب کیا اور ان کا کہنا کہ ”قد قدرت“ طلبِ عفو کی طرف اشارہ ہے کہ قدرت کے باوجود معاف اور درگزر فرمائیں۔ چونکہ اس عبارت میں حضرت یوسف علیہ السلام کے قصہ کی طرف اشارہ ہے کہ انہوں نے بھائیوں سے درگزر فرمایا۔ جبکہ ان کے بھائیوں نے کہا تھا: لَقَدْ أَثَرَكَ اللَّهُ عَلَيْنَا وَإِنْ كُنَّا لَخَطِئِينَ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں بھی وہی کہتا ہوں جو یوسف علیہ السلام نے فرمایا: لَا تَثْرِبَنَّ عَلَى كُفْمِ الْيَوْمِ يَعْفُوكُمْ اللَّهُ لَكُمْ. آج تم پر کوئی مواخذہ نہیں اللہ تمہیں بخشے۔ وہ ارحم الراحمین ہے۔ چونکہ ابتدائے سوال ان کی جانب سے ہوا تھا انہوں نے پوچھا ”آپ صلی اللہ علیہ وسلم کیا فرمائیں گے اور آج ہمارے ساتھ کیا سلوک کریں گے؟“ اس پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ”میں وہی کہتا ہوں جو میرے بھائی یوسف نے کہا“ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب سے شروع میں ان سے دریافت کرنا یہ ایک قسم کا توبخ و تہدید میں عتاب آلود خطاب تھا۔ جیسا کہ ظاہر و باہر ہے (واللہ اعلم) اور فرمایا اذْهَبُوا فَانْتُمُ الطَّلَقَاءُ جاؤ اب تم آزاد ہو۔“ قید سے رہائی پا چکے ہو۔ کسی نے کیا خوب کہا ہے:

بشکر وصل کہ حاصل بکام دل کردم
شکر ان حسد پیشہ را بجل کردم

اس کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے انتہائی فصیح و بلیغ خطبہ دیا اور حالت کی رسوم و عادات کو بترکندہ کیا اور قصاصِ اوست کے

احکام کو جو اہل جاہلیت اس میں افراط و تفریط کرتے تھے بیان فرمائے کہ تمام لوگ حضرت آدم علیہ السلام کی اولاد سے ہیں اور حضرت آدم علیہ السلام مٹی سے بنے تھے۔ کسی کو کسی پر کوئی فضل و زیادتی نہیں ہے۔ بجز تقویٰ و پرہیزگاری کے اور اس آیت کریمہ کو پڑھائیائھا النَّاسُ إِنَّا خَلَقْنَاهُمْ مِنْ ذَكَّرٍ وَأُنْثَىٰ فَمَنْ كُنْتُمْ شُعُوبًا وَقَبَائِلَ لِتَعَارَفُوا إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللَّهِ أَتْقَىٰ كُمْ إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ خَبِيرٌ۔ خطبہ سے فارغ ہونے کے بعد ام بنت ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہا امیر المؤمنین علی المرتضیٰ کی بہن کے گھر تشریف لائے اور تازہ غسل فرما کر آٹھ رکعت ہلکی چاشت کی پڑھی اور فرمایا ”ہذہ سبحة الضحیٰ“ سبحة نماز نافلہ کو کہتے ہیں اور سبوح کی طرف اضافت کرنے سے پتہ چلتا ہے کہ وقت کے سبب سے موسوم ہے۔ بعض گمان کرتے ہیں کہ یہ نماز فح کے شکرانہ کے طور پر تھی اور نماز چاشت کے مشروعیت میں ام ہانی رضی اللہ عنہا کی یہ حدیث عمدہ ہے۔ اس نماز میں علماء کا بہت اختلاف ہے شرح سفر السعادة میں تفصیل و تحقیق کے ساتھ ذکر کر دیا گیا ہے وہاں دیکھنا چاہیے۔ تحقیق یہ ہے کہ نماز چاشت کا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب سے پڑھنے کا ثبوت دائمی نہیں ہے۔ لیکن وہ نماز جسے اشراق کہتے ہیں دائمی تھا اور اس میں تاکید بھی تھی۔ دونوں نمازوں پر ”صلوة الضحیٰ“ کا اطلاق احادیث میں واقع ہوا ہے۔

اس کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم قیام گاہ کی طرف متوجہ ہوئے۔ راہ میں شعب ابی طالب اور خیف بنی کنانہ نظر سے گزارا وہ محنت

ومشقت کی یاد آئی جو مشرکوں کے ہاتھ سے اس جگہ پہنچی تھی جس وقت کہ مشرکوں نے کفر وانکار اور بنی ہاشم کے ساتھ ترک مناکحت اور ان کے ہاتھ خرید و فروخت نہ کرنے پر حلف و قسم اٹھائی تھی کہ جب تک وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کے حوالہ نہ کریں گے یہ معاہدہ جاری رہے گا جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے۔ یہ تمام مناظر یاد آئے اب فتح مکہ کی نعمت اور دشمنان دین پر غلبہ پانے پر شکر بجالائے۔ جب ظہر کی نماز کا وقت آیا تو بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حکم دیا کہ بام کعبہ پر چڑھ کر اذان دیں۔ یہ بھی کیسا شریف وقت اور عظیم نعمت تھی کہ جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دامان اجلال کے دست ادراک میں آئی۔ اس وقت کی حقیقت تو عرشوں سے پوچھنی چاہیے کہ یہ آواز وہاں تک پہنچی ہوگی۔ بلکہ وہاں سے گزر کر اور اوپر گئی ہوگی۔ اس مقام میں اذان کے کلمات بھی مروی ہیں جس طرح کہ باب اذان میں گزرا ہے اے مالک الملک اس وقت مبارک اور ساعت سعید کے طفیل مسلمانوں کو دین پر ثابت رکھ اور کلمہ اسلام کے شہرہ کو اور زیادہ بلند فرما۔ آمین۔

مشرکوں نے جب حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی آواز سنی تو ان میں سے کچھ لوگوں نے جیسے خالد بن اسید برادر عتاب بن اسید حارث بن ہشام برادر ابو جہل اور حکم بن العاص نے یا وہ گوئی سے کام لیا۔ اس پر جبرائیل علیہ السلام آئے اور جو کچھ ان لوگوں نے بکواس کرتے ہوئے کہا وہ اس کے سامنے آگے نہ بڑھ سکے کہ ان کے اعضاء ہلک گئے۔

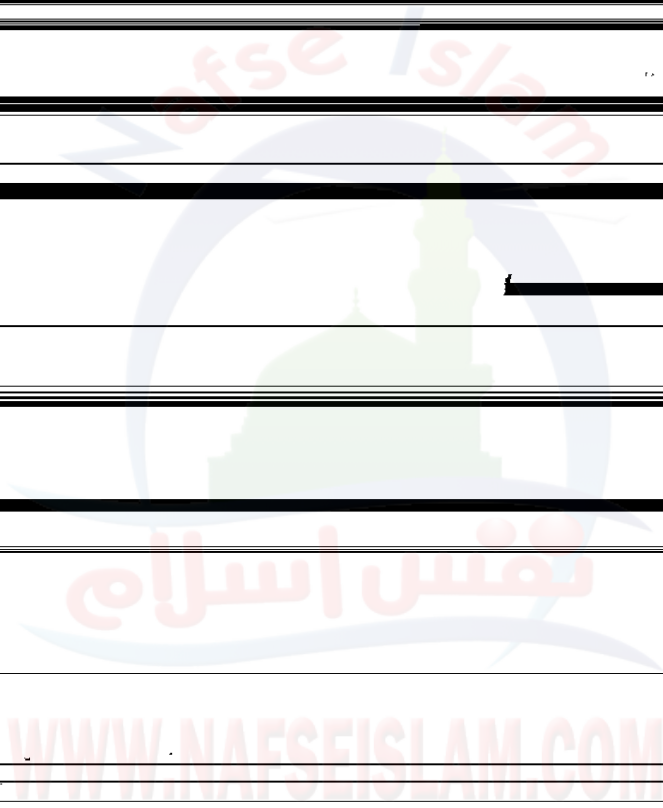
نفس اسلام

WWW.NAFSEISLAM.COM

سے خبردار کیا۔ یہ بات ایک جماعت کے اسلام لانے کا سبب بنی۔ جیسے حارث رضی اللہ عنہ بن ہشام عتاب رضی اللہ عنہ بن اسید وغیرہ۔ ایک روایت میں ہے کہ ابوسفیان بن حرب بھی ان لوگوں کے ساتھ یادہ گوئی میں شامل تھا۔ اس نے کہا تھا کہ میں کچھ نہیں کہتا جو کچھ میں کہوں گا میرا خیال ہے کہ یہ سنگریزے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو اس کی خبر دیدیں گے۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان لوگوں کے سامنے ان کی کہی ہوئی باتوں کو دہرایا تو ابوسفیان نے کہا کہ میں نے اتنی بات سے زیادہ کچھ نہیں کہا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تبسم فرمایا۔

پاس ایماندار عورتیں اس پر بیعت کرنے آئیں کہ اللہ کے ساتھ کسی کو نہ شریک کریں گی اور نہ چوری کریں گی۔

مروی ہے کہ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل مکہ کو قتل کرنے سے منع فرمایا اور ان کے ساتھ لطف و احسان فرمایا تو انصار نے غیرت کھائی اور بعض انصار کہنے لگے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنی قوم اور اپنے خاندان کی طرف مائل ہو گئے اور ان کے ساتھ مہربانی و کرم



نہ تھی۔ اسی بناء پر علماء کا اختلاف واقع ہوا ہے کہ فتح مکہ غلبہ جنگ سے ہوئی یا امن و صلح سے۔ جو لوگ امن و صلح کے قائل ہیں وہ کہتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو ”مر الظہر ان“ میں امن دیدی تھی اور ان کے گھروں اور جائے امن کی نشاندہی فرمادی تھی اور یہ کہ اموال غنیمت کو ان میں تقسیم نہیں کیا گیا۔ (واللہ اعلم)

مجرمین کا قتل اور بعض کی معافی: وصل: اگر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل مکہ کو امن دے دی تھی اور ان کے قتل کی ممانعت فرمادی تھی لیکن ایک جماعت کو اس حکم سے مستثنیٰ قرار دے دیا اور ان کے خون بہانے کی اجازت دی اور حکم دیا کہ حل و حرم میں جہاں پائے جائیں قتل کر دیئے جائیں۔ لیکن بعض کے قتل سے نجات پائی۔ ایسے لوگ مردوں میں گیارہ اور عورتوں میں چھ تھے۔ مردوں میں سے چار قتل کیے گئے اور سات مامون رہے۔ مواہب میں ہے کہ عورتوں میں سے چار عورتیں ماری گئیں اور ایک میں اختلاف ہے اور دو مامون رہیں۔ اب ایسے تمام مردوں اور عورتوں کا ذکر کرتے ہیں تاکہ حقیقت حال ظاہر ہو جائے۔

ابن نخل کا قتل: ان میں سے ایک ابن نخل ہے۔ اس کا نام جاہلیت میں عبدالعزیٰ تھا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا نام عبداللہ رکھا۔ بعض لوگ بلال نام بتاتے ہیں جو کہ مشتبہ و ملتبس ہے کیوں کہ اس کے بھائی کا نام بلال ابن نخل تھا۔ اس کا قصہ یہ ہے وہ فتح مکہ سے پہلے مدینہ منورہ آیا اور مسلمان ہوا۔ اس کے بعد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے زکوٰۃ وصول کرنے کے لیے بعض قبیلوں کی طرف بھیجا اس کے ساتھ ایک انصاری شخص تھا اس کے ساتھ ایک خزاعی مسلمان خدمت گاری میں تھا۔ وہ ایک منزل میں اترا اور اس خزاعی کو حکم دیا کہ ایک بکری ذبح کر کے اس کے لیے کھانا تیار کرے اور خود سو گیا۔ اس خزاعی نے بھی خدمت میں کوتاہی کی وہ بھی سو گیا اور کھانا تیار نہ کیا۔ جب دیکھا کہ کھانا تیار نہیں ہوا ہے تو غصہ میں آ کر خزاعی کو قتل کر دیا اور اپنے دل میں کہا کہ اگر میں مدینہ گیا تو محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) مجھ سے قصاص لیں گے۔ اس پر وہ مرتد ہو گیا اور صدقہ کے جانوروں کو لیکر اہل مکہ سے جا ملا اور ان سے کہا کہ تمہارے دین کو میں نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے دین سے بہتر پایا ہے۔

اہل سیر کہتے ہیں کہ اس کی دو باندیاں تھیں جو اس کے آگے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجو میں گاتی تھیں۔ جب مکہ مکرمہ فتح ہوا تو اس نے خانہ کعبہ میں پناہ لی اور غلاف کعبہ سے لپٹ گیا۔ جس وقت حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم طواف فرما رہے تھے کسی صحابی نے اسے دیکھا اور عرض کیا ”یا رسول اللہ! یہ ابن نخل ہے اور غلاف کعبہ سے لپٹا ہوا ہے؟ فرمایا ”جہاں قتل کر دو۔ تو فرمان کے بموجب وہیں قتل کر دیا۔ بعض کہتے ہیں کہ اس کا قصہ یہ ہے کہ اس نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا تو فرار ہوا اور غلاف کعبہ سے لپٹ گیا۔

نہ فرمایا۔ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے تیسری مرتبہ عرض کیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی بیعت سے انکار فرمایا اور صحابہ کرام کی طرف رخ پھیر کر فرمایا ”کیا تم میں کوئی ایسا مرد رشید نہیں ہے کہ وہ کھڑا ہوتا جبکہ میں نے اس کی بیعت سے انکار کیا تھا“ اسے قتل کر دیتا؟ اس پر صحابہ نے عرض کیا ”یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں کیا معلوم کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دل مبارک میں کیا ہے اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں اشارہ فرماتے تو ہم اسے قتل کر دیتے“ فرمایا ”کسی خدا کے نبی کو سزاوار نہیں ہے کہ ”حَسْبَنَ الْاَوْغَيْنِ“ یعنی آنکھ کا اشارہ کرے“ آخر حدیث تک۔ مواہب لدینہ میں اتنا ہی مذکور ہے اور یہ عبد اللہ بن ابی السراح ان چار شخصوں میں لایا گیا جن چار شخصوں کے بارے میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا! میں ان کو امان نہیں دوں گا خواہ وہ حرم میں ہوں یا حل میں اور معلوم نہیں کہ آخر حدیث میں جو لفظ ”الحدیث“ ہے اس سے کیا اشارہ مراد ہے اور اس کا پورا قصہ کیا ہے وہی ہے جو سیر کی کتابوں میں مذکور ہے یا کچھ اور؟

بحر حال روضۃ الاحباب اور مدارج النبوة میں جو قصہ بیان کیا گیا ہے وہ یہ ہے کہ وہ شروع میں ایمان لایا۔ چونکہ لکھنا جانتا تھا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے کاتب وحی قرار دیا اور قرآن کریم کی کتابت میں اس سے خیانت اور تبدیل کلمات سرزد ہوئی۔ مثلاً بجائے عزیز حکیم کے علیم لکھ دیتا یہاں تک کہ اس سے یہ بات سرزد ہوئی کہ وہ کہنے لگا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نہیں جانتا کہ کیا لکھتے ہیں اور میں جو کچھ بولتا ہوں وہی لکھ دیتا ہوں بلکہ جس طرح ان پر وحی آتی ہے مجھ پر بھی آتی ہے۔ جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اس کی خیانت سے باخبر ہوئے تو وہ مدینہ میں نہ ٹھہر سکا اور مکہ مکرمہ بھاگ گیا اور فتح مکہ کے دن امیر المومنین سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ بن عفان کو اپنا شفیع بنایا اور ان سے کہا میں آپ کی پناہ لیتا ہوں میرے لیے امان لیجئے اور میرا خون حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے معاف کرا دیجئے۔ کیونکہ میرا جرم بہت بڑا ہے اور میں اب اس سے تو شرمندہ ہوں اور توبہ کرتا ہوں۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ چند دن کے بعد اسے بارگاہ نبوت میں لے گئے اور اس کی ماں کے حقوق جو ان پر تھے بیان کر کے بہت کچھ سفارش کی کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اسے امان دیدیں۔ حضور کرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اعراض فرمایا اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے جواب میں کچھ نہ فرمایا۔ بہت کچھ مبالغہ کیا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب ہو کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سر مبارک کو بوسہ دیا اور آغوش مبارک میں پڑ کر تضرع و زاری کی اور عرض کیا ”یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! عبد اللہ کو امان دیدیجئے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ”میں نے امان دیدی“۔

ارباب سیر بیان کہتے ہیں کہ عبد اللہ اگرچہ ایمان لے آیا تھا اور امان پائی تھی لیکن جب بھی وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھتا شرمندگی سے منہ چمپا کر ہٹ جاتا ہے۔ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا ”یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرا رضاعی بھائی جب بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھتا شرمندگی سے منہ چمپا کر ہٹ جاتا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے متبسم ہو کر فرمایا ”میں نے اسے امان دیدی ہے“۔ حضرت عثمان

علامہ سیوطی "جمع الجوامع میں ایک حدیث روایت کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ خواب میں جنت میں داخل ہوئے انگور کا خوشہ یا کھجور کا خوشہ آپ کے ہاتھ میں دیا اور کہا کہ یہ خوشہ ابو جہل کی طرف سے ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا! ابو جہل کو جنت سے کیا نسبت۔ اس بات کی تاویل حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر بالفعل ظاہر نہ ہوئی۔ جب مکہ فتح ہوا اور عکرمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بن ابو جہل زمرہ اسلام میں داخل ہوا تو معلوم ہوا کہ اس خواب کی تعبیر یہ تھی۔

ارباب سیر بیان کرتے ہیں کہ روز فتح ایک صحابی عکرمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہاتھ سے شہید ہوئے۔ جب اس کی خبر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو پہنچی تو متبسم فرمایا۔ صحابہ نے متبسم ہونے کی وجہ دریافت کی تو فرمایا "عالم غیب میں میں ایسا دیکھ رہا ہوں کہ یہ مقتول اپنے قاتل عکرمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ ہاتھ ڈالے دونوں جنت میں ٹہل رہے ہیں۔

عکرمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اسلام لانے کا قصہ طویل ہے۔ ارباب سیر بیان کرتے ہیں کہ جب مکہ مکرمہ فتح ہو گیا تو عکرمہ خوف کی وجہ سے وہاں نہ ٹھہر سکا۔ جب اس نے سنا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے خون کو مباح قرار دیا ہے تو وہ بھاگ کر ساحل کی طرف چلا گیا اور کشتی میں سوار ہو کر یمن کی طرف چل دیا اچانک سمندر میں طغیانی آئی۔ تمام کشتی والے بارگاہ الہی میں تضرع و زاری کرنے لگے۔ لوگوں نے عکرمہ رضی اللہ عنہ سے بھی کہا کہ "تم بھی خدا کو یاد کرو اس نے کہا اس خدا کو جس کی طرف محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) سے

بِسْمِ قَوْمِكَ وَهُوَ الْحَقُّ" تیری قوم نے اسے جھٹلایا حالانکہ وہ حق ہے۔ اسے مٹانے والا ساتھ تھا ہر چند چاہا کہ ان حروف کو مٹائے اور اسے چھیل دے مگر نہ چھیل سکا۔ اس پر اس کے دل میں ایک ہل چل پیدا ہوئی۔ اس کی بیوی ام حکیم رضی اللہ تعالیٰ عنہا بنت حارث بن ہشام برادر ابو جہل مسلمان ہو کر اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے امان لے کر اس جستجو و تلاش میں نکلی ہوئی تھی۔ جب وہ اس کے پاس پہنچی تو اس سے کہا "اے میرے چچا کے بیٹے! میں خلائق میں سب سے زیادہ کریم اور لوگوں میں سب سے زیادہ رحمدل کے پاس سے آئی ہوں

ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے عکرمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ مجھ سے مانگ جو مانگنا چاہے اگر میری قدرت میں ہو تو عطا فرماؤں گا۔ عکرمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! ہر وہ دشمنی جو میں آپ کے ساتھ کر سکتا تھا میں نے کی ہے اور ہر وہ اقدام جو اہل شرک کی تقویت اور آپ کی دشمنی میں ممکن تھا میں نے کیا اور ہر وہ بے ادبی و گستاخی جو آپ کے ساتھ ہو سکتی تھی مجھ سے سرزد ہوئی ہے اور ہر وہ مات جو آپ کی غیبت اور برائی میں کہی جاسکتی ہے میں نے کہی ہے۔ اب دعا فرمائیے کہ حق تعالیٰ مجھے معاف فرما دے

یہاں تک کہ علی المرتضیٰ اس کے گھر سے دور چلے گئے تو وہ گھر سے نکلا اور چاہا کہ کسی دوسرے گھر جا چھپے۔ حضرت علی المرتضیٰ کو وہ ایک کوچہ میں مل گیا اور اس کی گردن اڑادی۔

اگر کوئی یہ کہے کہ حکم تو ایسا دیا گیا تھا کہ جو گھر میں بیٹھ رہے اور اپنے دروازے کو بند کر لے تو وہ مامون ہے؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ ممکن ہے کہ یہ حکم اعیان قریش کے ساتھ مخصوص ہو اور وہ چونکہ ان میں سے نہ تھا نیز وہ گھر سے باہر نکل آیا تھا اس لیے وہ اس حکم سے خارج ہو گیا تھا۔ نیز ان لوگوں کے خون بہانے کا حکم زیادہ تر فتح مکہ سے پہلے ہی سے تھا اور یہی ظاہر ہے۔ اس لیے کہ ان کے جرم و گناہ جو موجب مباح الدم ہوئے پہلے سے تھے۔ جبکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ میں تھے۔

مقیس بن صبابہ کا حال: چھٹا شخص (بکسریم و سکون قاف و فتح یا) بن صبابہ (بضم صاد) تھا اس کا جرم یہ تھا کہ اس کا بھائی ہشام بن صبابہ مدینہ میں آیا اور مسلمان ہوا۔ غزوہ مرتسیح میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک انصاری بنی عمرو بن عوف میں سے تھے انہوں نے گمان کیا کہ وہ یعنی ہشام بن صبابہ مشرک ہے خطا میں اسے قتل کر دیا۔ اس کا بھائی مقیس مدینہ آیا اور بھائی کا خون بہا طلب کیا چونکہ وہ خطا میں مارا گیا تھا حکم فرمایا کہ انصار اس کی دیت مقیس کو دیں۔ مقیس دیت لے کر مسلمان ہو گیا۔ دیت لینے کے باوجود اس نے انصاری پر حملہ کر کے شہید کر دیا اور مرتد ہو کر مکہ لوٹ گیا۔ روز فتح وہ مشرکوں کی ایک جماعت کے ساتھ کسی گوشہ میں شراب پینے میں مشغول تھا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے قتل کا حکم فرمایا اس پر تمیلہ بن عبد اللہ لیش اس کی خبر پا کر گئے تھے اور اسے اسے قتل کر دیا۔

ہبار بن الاسود کا حال: ساتواں شخص ہبار (فتح با و تشدید با) بن الاسود تھا اس نے بنی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو بہت ایذا نہیں پہنچائیں تھیں منجملہ ایک حرکت شنیعہ اس کی یہ تھی کہ ابو العاص بن الربیعؓ شوہر سیدہ زینب بنت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم غزوہ بدر میں مسلمانوں کے قیدی ہوئے تھے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان پر احسان فرماتے ہوئے اس وعدہ پر مکہ بھیجا تھا کہ جب مکہ پہنچ جائیں تو سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس روانہ کر دیں اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے غلام ابو رافع رضی اللہ عنہ کو اور سلمہ بن اسلم رضی اللہ عنہا کو بھیجا تا کہ زینب رضی اللہ عنہا کو مدینہ طیبہ لے آئیں۔ جب وہ مکہ پہنچے تو ابو العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ہودج تیار کر کے اس میں سیدہ زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو بٹھا دیا اور مدینہ طیبہ روانہ کر دیا۔ پھر جب ہبار بن الاسود کو اس کا پتہ چلا تو چند قریش کے اوباش لوگوں کو ساتھ لے کر ان کا راستہ روک کر کھڑا ہو گیا اور ایک نیزہ سیدہ زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا پر مارا وہ اونٹ سے ایک بڑے پتھر پر گر پڑیں اور ان کا حمل ساقط ہو گیا وہ بیمار ہو گئیں اور اسی بیماری میں ان کی وفات ہو گئی۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی اس شنیع حرکت پر بہت غصہ تھا اور اس کا خون بہانا مباح قرار دیدیا۔ ایک مرتبہ ایک لشکر کو مکہ مکرمہ کے اطراف میں بھیجا اور اہل لشکر کو حکم دیا کہ اگر تم ہبار کو پاؤ تو اسے جلادینا اس کے بعد فرمایا: ”اَتَمَّا يَعْذِبُ بِالنَّارِ رَبُّ النَّارِ“ آگ کا عذاب خدا ہی دے سکتا ہے اگر اسے پاؤ تو ہاتھ پاؤں کاٹ کر قتل کر دینا مگر وہ ہاتھ نہ آیا چونکہ وہ مکہ میں تھا۔ جب مکہ فتح ہوا تو اسے بہت تلاش کیا گیا مگر ہاتھ نہ آیا۔ جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ واپس تشریف لے آئے تو ایک دن حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مجلس صحابہ میں تشریف فرما تھے کہ یازن نمودار ہوا اور زور سے کہنے لگا اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) میں اسلام کا قرار کرتا ہوا حاضر ہوا ہوں بلاشبہ میں اس سے پہلے ذلیل و گمراہ تھا اب حق تعالیٰ نے مجھے اسلام کی ہدایت دی ہے اور میں گواہی دیتا ہوں کہ خدا ایک ہے اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔ میں آپ کی نظر میں شرمسار اور گناہگار ہوں۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا سر مبارک جھکا لیا اور اس کی معذرت خواہی پر حیا فرمائی کہ اس پر عتاب فرمائیں۔ اس کا اسلام قبول کرتے ہوئے فرمایا ”اے ہبار! میں نے تجھے معاف کیا اور اسلام تمام

جرموں کو ختم کر دیتا ہے اور گزشتہ گناہوں کو بنیادوں کی فاکر دیتا ہے۔

حارث بن طلا کا حال: آنھوں شخص حارث بن طلا تھا یہ بھی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو ایذا دینے والوں میں سے تھا فتح مکہ کے دن سیدنا علی المرتضیٰ نے اس پر قابو پا کر قتل کیا۔

کعب بن زہیر کا حال: نواں شخص کعب بن زہیر تھا۔ جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی جو کرتا تھا اور روز فتح بھاگ گیا تھا اس کے بعد وہ اپنے بھائی نحر بن زہیر کے ساتھ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ پہلے اس نے اپنے بھائی کو بھیجا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس کے ایمان کو قبول فرمائیں گے اور اس کے خون کو معاف فرمادیں گے؟ چنانچہ خرا آیا اور شرف اسلام سے مشرف ہوا اور کعب کو خبر پہنچائی کہ آجائے اور مسلمان ہو جائے حضور صلی اللہ علیہ وسلم تیرے گناہ کو معاف فرمادیں گے۔ وہ اسی وقت دوڑتا ہوا خدمت اقدس میں حاضر ہوا اور یہ قصیدہ انشاء کیا قصیدہ سَعَادَ فَلَیْبِ الْیَوْمَ مَبْتُوْ مِیْرِیْ مَجْبُوْبَہِ جَسْ کَانَ سَعَادَہُ وہ مجھ سے جدا ہوئی آج میرا دل بتلا ہے اور یہاں تک اس نے کہا کہ: اِنَّ الرَّسُوْلَ لَسَیْفٌ یُسْتَصَاءُ بِہِ بِیْشَکْ رَسُوْلٌ اِیْسِیْ شَشِیْرَہِ جَسْ سَے رُوْشْنِیْ حَاصِلْ کِی جاتی ہے۔ مَہَنْتُ مِّنْ سِیُوفِ اللّٰہِ مَسْلُوْلٌ اللّٰہِ کِی تلواریں میں سے تیز دھار والی وہ تلوار کاٹنے والی۔ تَبِیْتُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ وَعَدْنِیْ۔ مجھے خبر ملی ہے کہ اللہ کے رسول نے معافی کا مجھ سے وعدہ فرمایا۔ وَالْعَفْوُ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰہِ مَامُوْلٌ اور اللہ کے رسول کا معاف فرمانا آپ کی خصلت کریمہ ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہ سے ارشاد فرمایا سنو یہ کیا کہتا ہے۔

ارباب سیر بیان کرتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اس سے بہت خوش ہوئے اور اپنی چادر مبارک بطور انعام اسے پہنائی۔ یہ مانا کہ کعب بن زہیر کا اسلام لانا ہجرت کے نویں سال میں ہے لیکن اس کا ذکر آٹھویں سال میں فتح مکہ کے زمانہ میں مباح الدم قرار دینے والوں کے زمرے میں کیا گیا چونکہ توبہ پر ابھارنے والا اور بارگاہ رسالت میں حاضر ہونے پر آمادہ کرنے والا واقعہ اسی آٹھویں سال اور فتح مکہ کے ضمن میں ہے اس لیے یہاں ذکر کیا گیا۔ روضۃ الاحباب میں اسی سال میں اتنا ذکر کیا گیا ہے نویں سال میں اس سے زیادہ تفصیل کے ساتھ انشاء اللہ ہم بیان کریں گے۔

وحشی قاتل حمزہ کا حال: دسواں شخص وحشی سید الشہداء حضرت حمزہ بن المطلب رضی اللہ عنہ کا قاتل ہے۔ تمام مسلمان اس کے قتل کرنے کے بہت درپے تھے اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا حکم بھی فرمادیا تھا مگر وہ طائف چلا گیا اور وہیں رہنے لگا تھا یہاں تک کہ جس زمانہ میں طائف کا وفد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں جا رہا تھا تو لوگوں نے کہا تو بھی وفد کے ساتھ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں پہنچ جا۔ کیوں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم قاتل نہیں کرتے ہیں تو ان کے ساتھ چلا جا اور ایمان لے آ۔ اس پر وہ ان کے ہمراہ بارگاہ رسالت میں حاضر ہوا اور کہنے لگا ”اَشْهَدُ اَنْ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَسُوْلُ اللّٰہِ“ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ”کیا تو وحشی نہیں ہے؟“ اس نے کہا ”ہاں میں وحشی ہوں“..... فرمایا ”بیٹھ جا اور مجھے بتا کہ میرے چچا کو تو نے کس طرح شہید کیا ہے۔ اس کے بعد اس نے حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت کی پوری کیفیت بیان کی، پھر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ”میرے سامنے نہ آنا اور اپنا چہرہ مجھے نہ دکھانا“۔ وحشی کہتے ہیں کہ جب بھی میں بارگاہ نبوت میں حاضر ہوتا تو میں سامنے نہ آتا اور بھاگ کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پس پشت بیٹھ جاتا۔ جب حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خلافت کے زمانہ میں مسیلہ کذاب سے جنگ ہوئی تو میں بھی لشکر اسلام کے ساتھ اس جنگ میں چلا گیا اور وہی حربہ یعنی خنجر کا وار جس سے حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو شہید کیا تھا میں نے مسیلہ کذاب پر پھینکا چنانچہ حربہ اس کی پشت سے باہر نکل گیا۔ اس کے بعد ایک انصاری شخص آیا اس نے تلوار سے اس پر حملہ کیا میں نہیں جانتا کہ وہ میرے حربہ کی ضرب سے مارا گیا یا اس کی تلوار کے زخم سے۔ لیکن میں نے ایک عورت

کو ایک چھت کے اوپر سے یہ کہتے سنا کہ ایک سیاہ رو غلام نے مسلمہ کو ہلاک کر دیا۔ منقول ہے کہ وحشی کہا کرتے تھے کہ ”فَقَتَلْتُ خَيْرَ النَّاسِ فِي الْجَاهِلِيَّةِ وَقَتَلْتُ شَرَّ النَّاسِ فِي الْإِسْلَامِ“ میں نے زمانہ جاہلیت میں سب سے بہتر شخص کو قتل کیا اور زمانہ اسلام میں سب سے بدتر شخص کو قتل کیا۔“ غزوہ احد کے بیان میں گزر چکا ہے کہ ایک جماعت اس کے دیکھنے کے لیے گئی تھی تاکہ حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے شہید کرنے کی کیفیت اس سے سنیں۔ انہوں نے دیکھا کہ وہ ایک گوشہ میں بھری مشک کی مانند کسی درو میں مبتلا بد صورت پڑا ہے۔ پھر وحشی نے ان سے وہ کیفیت بیان کی بعض سیر کی کتابوں میں بارگاہ رسالت میں وحشی کے آنے کو اس انداز سے نقل کیا ہے جو اثر سے خالی نہیں ہے۔ اور اسے وہ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کرتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں وحشی آیا اور اس نے کہا کہ میں حاضر ہوا ہوں اور مجھے امان دیجیے تاکہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے خدا کے کلام کو سنوں۔ کیوں کہ اس میں میری مغفرت اور نجات ہے۔“ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ”میں پسند کرتا تھا کہ تجھ پر میری نظر اس طرح پڑتی کہ تو امان کا مانگنے والا نہ ہوتا۔ مطلب یہ کہ میں تجھے قتل کا حکم دیتا لیکن اب جبکہ تو نے امان مانگی ہے تو میں تجھے امان دیتا ہوں تاکہ تو خدا کا کلام سنے۔ اس پر یہ آپ کریمہ نازل ہوئی۔

کرتے اور نہ کسی ایسی جان کو قتل کرتے ہیں جسے اللہ نے حرام کیا ہے مگر حق کے ساتھ اور زنا نہیں کرتے اور جو ایسا کرے وہ گنہگار ہو کر ملے گا اور اس کے لیے قیامت میں دو ناعذاب ہو اور اس میں وہ ہمیشہ ذلیل و خوار رہے گا۔

النَّفْسَ النَّسَى حَرَّمَ اللَّهُ إِلَّا بِالْحَقِّ وَلَا يَزْنُونَ وَمَنْ يَفْعَلْ ذَلِكَ يَلْقَ أَثَامًا يُضَاعَفْ لَهُ الْعَذَابُ يَوْمَ الْقِيَمَةِ وَيَخْلُدْ فِيهِ مُهَانًا ۝

وحشی نے کہا میں شرک میں مبتلا رہا ہوں اور میں نے ناحق خون بھی کیا ہے اور زنا کا بھی مرتکب ہوا ہوں۔ کیا ان حالتوں کے ساتھ

گناہوں کو بخش دیتا ہے بغیر قید مشیت اور شرط توبہ کے اگرچہ شرک ہو لیکن مذہب یہ ہے کہ یہ بات واضح ہے کہ آخرت میں عذاب کا ہونا بحکم نص قرآن وحدیث متحقق الوقوع ہے۔ اگر کوئی کہے کہ بعد از وقوع جزا وعقاب وعذاب بالآخر غفور ورحیم ومغفرت ظہور میں آئے گی اور یہ بات غلو وابدایت کے منافی ہے کیوں کہ حق تعالیٰ نے فرمایا: ”خَالِدِينَ فِيهَا أَبَدًا“ وہ ہمیشہ ہمیشہ اس میں رہیں گے (واللہ اعلم)

عبداللہ بن الزبیری کا حال: گیارہواں شخص عبداللہ بن الزبیری شعرائے عرب میں سے تھا جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کی ہجو کیا کرتا تھا اور مشرکوں کو مسلمانوں کے خلاف جنگ پر ابھارا کرتا تھا۔ روز فتح جب اس نے سنا کہ خون کا بہانا لازم قرار دیا گیا ہے تو وہ بھاگ گیا اور یمن کے علاقہ میں نجران بن زید سبا کے مقام پر چلا گیا۔ کچھ عرصہ وہاں رہا اور اپنی جاہلیت کی حرکتوں سے پشیمان ہوا اور نور اسلام اس کے دل میں جگمگایا تو اس نے سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہونے کا ارادہ کیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے دور سے آتا دیکھا تو فرمایا یہ ابن زبیری ہے جس کے چہرے پر نور اسلام جگمگا رہا ہے۔ ابن زبیری قریب پہنچا تو اس نے کہا السلام علیکم یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میں گواہی دیتا ہوں کہ خدا ایک ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ اس خدائے وحدہ لاشریک کی حمد و ثنا ہے جس نے مجھے اسلام کی ہدایت دی۔ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میرے قصور بہت ہیں اور میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کے ساتھ بڑی بے ادبیاں کی ہیں اب میں ان سب سے پشیمان ہوں۔ اب فیصلہ آپ کے ہاتھ میں ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِي هَدَاكَ اِلَى الْاِسْلَامِ۔ اس خدا کی حمد و ثنا ہے جس نے تجھے اسلام کی ہدایت دی۔ واضح رہنا چاہیے کہ اسلام بچھلے تمام گناہوں کو مٹا دیتا ہے۔ کتب کلامیہ میں منقول ہے کہ جب یہ آیہ کریمہ نازل ہوئی کہ وَمَا تَعْبُدُونَ مِنْ دُونِ اللّٰهِ حَصَبُ جَهَنَّمَ۔ (جو کچھ تم خدا کے سوا پوجتے ہو وہ سب جہنم کے ایندھن ہیں) اس پر ابن زبیری نے کہا تھا کہ اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ چونکہ نصاریٰ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو پوجتے ہیں وہ بھی (معاذ اللہ) جہنم میں ہوں گے۔ جب وہ جہنم میں ہوں گے تو ہمارے معبود بھی جہنم میں ہوں گے؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: وَيُنَالِكَ مَا أَجْهَلَكَ بِلِسَانِ قَوْمِكَ۔ خرابی ہوتی تو اپنی قوم کی زبان سے کتنا جاہل ہے۔ اس میں کلمہ ”ما“ کی طرف اشارہ ہے جو غیر ذوی العقول کے لیے ہے جس طرح کہ نحو کی کتابوں میں مسلمہ قاعدہ ہے۔ اسی بناء پر وَالسَّمَاءِ وَمَا بَيْنَهُمَا۔ جیسے اقوال الہیہ میں تاویل کرتے ہیں اب رہی وہ عورتیں جن کے قتل کا حکم روز فتح مکہ صادر فرمایا گیا وہ چھ ہیں ان میں سے کچھ مامون ہوئیں اور کچھ مقتول ہوئیں۔

ہند بنت عتبہ زوجہ ابوسفیان رضی اللہ عنہ کا حال: پہلی عورت ہند بنت عتبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ابوسفیان بن حرب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بیوی تھیں۔ اس کا قصہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو ایذا پہنچانے کے بارے میں مشہور و معروف ہے خصوصاً روز احد اس نے سید الشہداء حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مثلہ کیا۔

ارباب سیر بیان کرتے ہیں کہ بعد فتح جس وقت عورتیں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے بیعت کرنے کے لیے آئیں تو یہ بھی اپنے منہ پر نقاب ڈال کر ان کے درمیان آئی اور مسلمان ہو گئی۔ اس کے بعد اس نے منہ سے نقاب اٹھا کر کہا ”میں ہند رضی اللہ عنہا بنت عتبہ ہوں“۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ”جب مسلمان ہو کر آئی ہوں تو اچھا ہوا ہے۔ صحیح بخاری میں ہے کہ جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے آیہ بیعت تلاوت فرمائی جس میں واقع ہے کہ ”وَلَا يَسْرِقُونَ“ (چوری نہ کریں) تو ہند رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے کہا ”یا رسول اللہ! ابوسفیان رضی اللہ عنہ خرچ دینے میں بخیل و کنجوس شخص ہے۔ اگر اس کے مال میں سے اتنے لالوں جو بچوں کے خرچ کے لیے ضروری ہے تو جائز ہوگا؟ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ ”اس قدر مال لے سکتی ہے جس سے بچوں کی جائز ضرورتیں پوری ہو سکیں۔ جب

فرمایا ”وَلَا يَزْنِيْنَ“ اور زنا نہ کریں تو ہند نے کہا ”هَلْ تَزْنِي الْحُرَّةُ“ کیا آزاد عورت زنا کرتی ہے؟ اس نے زنا سے اپنی پاکیزگی کی طرف اشارہ کیا صحیح بخاری میں سیدہ عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے کہ ہند بنت عتبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے کہا ”یا رسول اللہ! روئے زمین پر کوئی خیمہ نشین ایسا نہیں تھا جس کی خوار کو آپ سے زیادہ محبوب رکھتی تھی۔ اب جو صبح کی ہے تو حال یہ ہے کہ روئے زمین پر کوئی خیمہ نشین ایسا نہیں ہے جس کی عزت کو آپ سے زیادہ محبوب رکھتی ہوں۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ”ایضاً“ یعنی ایسا ہی ہے۔ حدیث کے شارحین نے ایضاً کے دو معنی بیان کیے ہیں ایک معنی یہ کہ جتنا تیرے دل میں ایمان زیادہ جڑ پکڑے گا اتنا ہی تیرے دل میں محبت زیادہ ہوگی۔ دوسرے معنی یہ کہ تیری نسبت میرا بھی یہی حال تھا۔ پہلے معنی زیادہ بہتر و ظاہر ہیں۔ اس کے بعد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن کریم کی تلاوت فرمائی ظاہر مراد آیت بیعت ہے۔ اس کے بعد ہند رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے کہا ”میری خواہش ہے کہ ہاتھ سے ہاتھ ملا کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے بیعت کروں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ”میں عورتوں سے مصافحہ کے ذریعہ بیعت نہیں کرتا اور میرا سوعورتوں سے بیعت فرمانا ایسا ہی ہے جیسا کہ ایک عورت سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بیعت عورتوں کے ساتھ زبانی تھی دست اقدس سے نہ تھی۔ جیسا کہ گزرا۔

ارباب سیر کہتے ہیں کہ ہند رضی اللہ عنہا جب اپنے گھر گئی تو اس نے اپنے گھر کے تمام بتوں کو توڑ ڈالا اور کہنے لگی ہم تمہارے غرور و فریب میں مبتلا تھے اور دو بکریاں ہدیئے کے طور پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بھیجیں اور معذرت خواہی کی کہ ہمارے پاس بکریاں کم ہیں۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بکریوں میں برکت کی دعا فرمائی۔ پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا کی برکت سے اس کی بکریاں حق تعالیٰ نے بہت زیادہ کر دیں۔ ہند رضی اللہ تعالیٰ عنہا کہتی ہیں کہ یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا کی برکت ہے۔

قریبہ اور قرتنا کا حال: دوسری اور تیسری عورت قریبہ اور قرتنا دو باندیاں ابن نخل کی گانے والیاں تھیں۔ جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی جو گاتی تھیں۔ قریبہ تو ماری گئی مگر قرتنا بھاگ گئی۔ لوگوں نے اس کے لیے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے امان مانگی سید عالم نے اسے امان دے دی پھر وہ آئی اور مسلمان ہو گئی۔

ارنب کا حال: چوتھی عورت ارنب ابن نخل مذکور کی باندی تھی۔ وہ بھی اسی روز ماری گئی۔

سارہ بنی المطلب کی باندی کا حال: پانچویں عورت سارہ بنی المطلب کی باندی تھی بعض کہتے ہیں کہ عمرو بن ہشام کی باندی تھی۔ یہ وہ عورت ہے جس کے ہاتھ حاطب رضی اللہ تعالیٰ عنہ بن ابی ملتحہ نے قریش کے نام خط لکھ بھیجا تھا اس میں اختلاف ہے کہ وہ مرتد ہو کر مکہ میں آ گئی تھی اور روز فتح حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہاتھ سے وہ ماری گئی تھی اور بعض کہتے ہیں کہ لوگوں نے اس کے لیے امان مانگی اور اسے امان دیدی گئی تھی اور حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خلافت کے زمانہ میں موضع ابطح میں گھوڑے نے اوپر سے اسے گرا دیا تھا جس کے سبب وہ مر گئی تھی۔ شرح ابن حجر میں مروی ہے کہ وہ مسلمان ہو گئی تھی اور جمیدی نے ایک قول کیا ہے کہ وہ ماری گئی تھی (واللہ اعلم) جیسا کہ روضۃ الاحباب میں مذکور ہے۔

ام سعد کا قتل: چھٹی عورت ام سعد ہے وہ بھی قتل کی گئی۔ اس قدر مذکور ہے اور کوئی پتہ نہیں کہ وہ کون ہے اور اس کا جرم کیا تھا اور سے کس نے قتل کیا۔

تنبیہات: امام مالک نے کہا ہے جیسا کہ بخاری کی روایت میں آیا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم روز فتح مکہ مکرمہ احرامے ساتھ داخل نہ ہوئے تھے جیسا کہ گمان کرتے ہیں۔ اسے عبدالرحمن بن مہدی نے امام مالک سے بطریق جزم روایت کیا ہے۔ اس کی شہادہ روایت بھی ہے جسے مسلم نے حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا ہے۔ حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بغیر احرامے کبھی مکہ مکرمہ میں داخل نہ ہوئے، بجز روز فتح مکہ کے۔

علماء کا اس میں اختلاف ہے کہ آیا مکہ مکرمہ میں داخل ہونے کے لیے احرام واجب ہے یا نہیں۔ امام شافعی کا مشہور مذہب مطلقاً عدم وجوب ہے اور ایک قول میں مطلقاً وجوب ہے البتہ جو شخص دوبار داخل ہو اس کے داخلہ میں اختلاف ہے۔ ظاہر عدم وجوب ہے اور آئمہ ثلاثہ سے مشہور وجوب ہے اور ایک روایت میں ہر ایک سے دوبار داخل ہونے میں عدم وجوب ہے اسی پر علماء جزم کرتے ہیں جس طرح کہ مکہ حاجتمندوں کے لیے استسنا ہے اور احناف ان کو مستثنیٰ قرار دیتے ہیں جو داخل میقات ہیں جیسا کہ مواہب میں مذکور ہے۔

اس بارے میں روایتیں مختلف ہیں کہ داخلہ مکہ مکرمہ کے وقت حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سراقس پر خود تھا یا سیاہ عمامہ۔ ان میں علماء اس طرح تطبیق دیتے ہیں کہ داخلہ مکہ کے وقت ممکن ہے کہ شروع میں تو خود ہو اس کے بعد اسے دور کر کے عمامہ شریف باندھا ہو۔ اس بناء پر جس نے جس طرح مشاہدہ کیا بیان کر دیا۔ حضرت عمرو بن حریث کی حدیث میں ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جس وقت خطبہ دیا کہ آپ سیاہ عمامہ باندھے ہوئے تھے لیکن یہ خطبہ باب کعبہ کے قریب تھا جبکہ آپ اندرون کعبہ سے باہر تشریف لائے تھے اور یہ داخل ہونے کے بعد کا ہے۔ یہ تو جیبہ قاضی عیاض رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے روایتوں کے جمع میں فرمائی ہے۔ بعض اس طرح جمع کرتے ہیں کہ عمامہ خود کے اوپر لپیٹا ہوا تھا یا خود کے نیچے عمامہ تھا۔ تاکہ خود کے لوہے کی گرمی سے سر مبارک محفوظ رہے۔ لہذا جس نے صرف خود کا ذکر کیا ہے اس کا مقصد یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حرب کی مکمل تیاری فرمائی تھی۔ اور جس نے عمامہ کا ذکر کیا ہے۔ اس کا مقصد یہ ظاہر کرنا تھا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم احرام میں نہ تھے (چونکہ حالت احرام میں سر کھلا ہوتا ہے)

فتح مکہ کے بعد مدت اقامت: وصل: پہلے معلوم ہو گیا..... ہوگا کہ مدینہ طیبہ سے روانگی دسویں رمضان ۸ھ چار شنبہ بعد نماز عصر ان اختلافات کے ساتھ جو تعیین تاریخ میں ہے، ہوئی تھی اور داخلہ مکہ مکرمہ اور اس کا فتح ہونا اسی مہینہ کی بیس تاریخ کو ہوا تھا۔ سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے رمضان کے بقیہ دن اور شوال کے چھ دن مکہ مکرمہ میں قیام فرمایا۔

مواہب لدینہ میں کہا گیا ہے کہ مکہ مکرمہ میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا قیام پندرہ دن رہا تھا۔ ایک روایت میں ہے انیس دن ایک اور روایت میں ہے کہ ستر دن اور ترمذی میں اٹھارہ دن ہے اور کہا گیا ہے کہ اصح روایت بضع عشر یعنی دس سے کچھ دن زیادہ کی ہے۔ قیام کے ان دنوں میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نمازیں قصر ادا فرماتے تھے۔

قیام مکہ کے دوران فیصلہ مقدمات: حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ مکرمہ کے قیام کے دوران کئی مقدموں کا فیصلہ فرمایا جن میں سے ایک فاطمہ نامی عورت کا ہے جو اسود بن الاسود کی بیٹی اور ابوسلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بن۔ عبدالاسد مخزومی کی بیٹی کا ہے جو بنی مخزوم کی اشراف قبیلہ میں سے تھی اس نے چوری کی اور اسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں لائے بعد از ثبوت چوری اس کے ہاتھ کاٹنے کا حکم فرمایا دیا۔ اس کی قوم کو اس حکم سے بڑی وحشت ہوئی۔ انہوں نے چاہا کہ کوئی سفارشی مل جائے اور ممکن ہے کہ اس کی سفارش سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہاتھ کاٹنے سے درگزر فرمائیں۔ اس پر حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو جو محبوب و مقرب بارگاہ تھے سفارشی بنا کے لائے اور انہوں نے اس قوم کی از حد منت و سماجت سے متاثر ہو کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ”اے اسامہ رضی اللہ عنہ! تم خدا کے حدود کے نفاذ میں سفارش کرتے ہو۔“ اسامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا جلال اور غضب دیکھا تو عرض کرنے لگے۔ ”یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میرے لیے استغفار فرمائیے مجھ سے گناہ سرزد ہوا ہے۔“ اس کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خطبہ دیا اور فرمایا اے لوگو! خبردار ہو جاؤ پچھلی امتیں اسی بنا پر ہلاک ہوئیں کہ جب ان کے کسی بڑے آدمی سے چوری سرزد ہوتی تو اسے چھوڑ دیتے اور اس پر حد قائم نہ کرتے اور جب کسی کمزور آدمی سے یہ سرزد ہوتا تو اس

پر حد جاری کر دیتے۔ قسم ہے اس رب العزت کی جس کے قبضہ قدرت میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی جان ہے اگر محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی بیٹی فاطمہ رضی اللہ عنہا بھی چوری کرتی تو میں اس کے ہاتھ کاٹتا۔ پھر اس مخزومی عورت کے ہاتھ کاٹے گئے۔ اللہ تعالیٰ امام تاج الدین سبکی کو جزائے خیر دے جو مذہب شوافع کے ایک امام ہیں انہوں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس خطبہ کے نقل کرنے میں جس میں سیدہ فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا نام نامی صراحت کے ساتھ ہے ان کا اسم گرامی نقل نہیں کیا اور ادب ملحوظ رکھا اور پسند نہ کیا کہ اس مقام میں ان کے اسم گرامی کا ذکر کیا جائے اور لکھا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ”اگر فلاں بھی چوری کرے (اور اپنے اہل بیت میں سے ایک کا نام لیا) تو اس کے بھی ہاتھ کاٹے جائیں“۔ بَارَكَ اللهُ فِي تَعْظِيمِهِ وَرِعَايَةِ اَدْبِهِ مَعَ الزُّهْرَاءِ سَلَامُ اللهِ عَلَيْهَا وَعَلَى سَائِرِ بَنَاتِ النَّبَوَةِ أَجْمَعِينَ۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ حدود الہیہ میں شفاعت کرنا حاکم کے پاس مقدمہ پہنچ جانے کے بعد حرام ہے اور حاکم کے پاس مقدمہ پیش ہونے سے پہلے اگر اس کے لیے سفارش کی جائے اور وہ شریر اور موذی نہ ہو تو جائز ہے۔ لیکن تعزیر میں دونوں صورتوں کے اندر سفارش جائز ہے۔ خصوصاً اشراف کے معاملہ میں۔

دوسرا مقدمہ جو قیام مکہ کے دوران پیش ہوا وہ ایک ایسے شخص کا ہے۔ جس نے بارگاہ نبوت میں آ کر عرض کیا تھا کہ میں نے نذر مانی تھی کہ جب حق تعالیٰ اپنے رسول پر مکہ مکرمہ کو فتح کر دے گا تو میں بیت المقدس جا کر وہاں نماز پڑھوں گا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ”یہاں ہی پڑھ لو یعنی مسجد الحرام میں۔ اس نے تین مرتبہ عرض کیا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے تیسری مرتبہ میں فرمایا ”بیت الحرام میں ایک نماز پڑھنا دوسری جگہ کسی اور شہر میں ہزاروں نمازوں سے افضل ہے“۔ اس حدیث میں ایسا ہی واقع ہوا ہے۔ دوسری حدیث میں ہے کہ بیت الحرام میں ایک نماز پڑھنا دوسری مسجدوں میں ایک لاکھ نمازوں سے افضل ہے۔ نیز مروی ہے کہ مسجد اقصیٰ (بیت المقدس) میں نماز پڑھنا ایک ہزار نماز کے برابر ہے اور مسجد نبوی شریف مدینہ طیبہ میں دس ہزار اور مسجد حرام میں مکہ مکرمہ میں ایک لاکھ کے برابر ہے۔ لہذا مسجد حرام میں نماز اس کے غیر سے زیادہ ہے امام مالک رحمۃ اللہ علیہ چوں کہ مکہ سے مدینہ کی فضیلت کے قائل ہیں تو مسجد مدینہ کی نماز کو اس کے سوا نماز پڑھنے سے افضل کہتے ہیں۔ اگرچہ باعتبار عدد کمیت زیادہ ہو لیکن مسجد مدینہ میں باعتبار کیفیت و نفاست اور بابرکت حوارید عالم صلی اللہ علیہ وسلم افضل ہے۔ تعداد کی زیادتی، قامت کی کمی کے منافی نہیں ہے جس طرح ایک گواہ ہزار درجہ کے برابر ہے۔ یہ بحث تاریخ مدینہ میں (جس کا نام ہے جذب القلوب الی دیار الحبوب) ثابت کیا گیا ہے اور مسائل فقہیہ میں مذکور ہے کہ اگر کوئی نذر مانے کہ کسی مفضل مسجد میں نمازیں پڑھے گا تو فاضل مسجد میں نماز پڑھنے سے نذر سے عہدہ برا ہو جائے گا۔ جس طرح مسجد اقصیٰ میں یا مسجد مدینہ میں نماز پڑھے گا تو وہ مسجد حرام میں پڑھے یا نذر مانی کہ مسجد اقصیٰ میں نماز پڑھے گا تو وہ مسجد مدینہ میں پڑھے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا اس شخص سے فرمانا جس نے بیت المقدس میں نماز پڑھنے کی نذر مانی تھی کہ وہ یہاں ہی پڑھے۔ اس کے بعد اسکے افضل ہونے پر دلالت کرتا ہے۔

دیگر احکام و قضایا جو قیام مکہ مکرمہ کے دوران واقع ہوئے ان میں سے شراب، خنزیر مرادر اور بت کی قیمت کی مخالفت ہے اور کاہن کی وہ احرار جو اسے کہانت کے بدلے میں دیجائے اور مردار کی چربی جس سے مشک اور کشتیوں کو چکنا تے ہیں ان سب کو ممنوع قرار دیا و فرمایا حق تعالیٰ یہود کو ہلاک کرے کہ ان پر چربیوں کو حرام کیا گیا تھا مگر انہوں نے ان کو فروخت کیا اور انہوں نے اس کی قیمت کھائی۔ اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ جس چیز کا کھانا حرام ہے اس کی قیمت بھی حرام ہوگی۔

ان ایام کے واقعات میں سے ایک واقعہ یہ ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت خالد بن ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو تیس واروں کے ساتھ موضع نخلہ میں غزئی کے بت خانہ کو نیست و نابود کرنے کے لئے بھیجا۔ عزرائی عرب کا مشہور بت تھا۔ حضرت خالد رضی

اللہ تعالیٰ عنہ قطع منازل کر کے وہاں پہنچے اور اس بت خانہ کو بتاہ کر کے آ گئے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا اس بت کو توڑ دیا عرض کیا ہاں! فرمایا ”اس میں کوئی چیز دیکھی انہوں نے کہا۔“ ”نہیں“ فرمایا ”تم نے بت عزری کو نہیں توڑا حضرت خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ دوبارہ گئے اور بہت تلاش کے بعد ایک کھموکی ننگی عورت پر اگندہ بال کی نمودار ہوئی تلوار کھینچ کر اسے ٹکڑے ٹکڑے کر دیا اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض حال کیا فرمایا ”وہ عزری تھی۔ تمہارے شہروں میں اب دوبارہ عزری نہ پوجی جائے گی۔ یہ عزری قریش کو معبود اور تمامہ بنی کنانہ کی بزرگ ترین بتوں میں سے تھی۔ چنانچہ وہ لات و عزری کی قسمیں کھاتے تھے۔ لات طائف میں بنی ثقیف کا بت تھا۔ حدیث میں مروی ہے فرمایا: مَنْ تَحَلَّفَ بِاللَّاتِ وَالْعُزَّىٰ فَلَيْقُلْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ جِوَلَاتِ عِزْرَىٰ كَيْفَ تَقْتُلُ سِوَا سَاسِہِ۔ کہ لا الہ الا اللہ کہے۔

ایک واقعہ یہ ہے کہ حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو سواع کے بت خانہ کو بتاہ کرنے کے لیے بھیجا جو قبیلہ کا بت تھا اور مکہ سے تین سو میل کے فاصلے پر تھا۔ حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے انہوں نے بیان کیا کہ میں جب وہاں پہنچا تو اس بت خانہ کے پجاری نے مجھ سے کہا ”کیا چاہتا ہے“ میں نے کہا ”رسول خدا نے مجھے حکم دیا ہے کہ اس بت خانہ کو بتاہ کر دوں۔“ اس نے کہا ”تو یہ کام نہ کر سکے گا اور تجھے وہ بت اس سے باز رکھے گا۔“ حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں قریب گیا اور اس بت کو توڑ دیا۔ پھر میں نے پجاری سے کہا ”تو نے دیکھ لیا؟“ اس پجاری نے کہا ”میں اللہ تعالیٰ پر اسلام لاتا ہوں۔“

ایک واقعہ یہ ہے کہ حضرت سعید بن زید اشجلی کو بنی سواروں کے ساتھ موضع مشلل کی جانب جو حرمین کی شریفین کے درمیان ہے ”منات“ کے بت کی تباہی کے لیے بھیجا چونکہ یہ بت خانہ زمانہ جاہلیت میں قبیلہ اوس و خزرج اور غسان کا معبود تھا اور وہ منات کو پوجتے تھے جب اس بت خانہ میں پہنچے تو پجاری نے کہا کس غرض سے آئے ہو۔ انہوں نے فرمایا ”منات کو برباد کرنے کے لیے۔“ پجاری نے کہا ”تم اور اس کے قبیلہ کے لوگ جانیں۔“ حضرت سعید رضی اللہ عنہ اس بت کی طرف بڑھے اس میں ایک کھموکی عورت برآمد ہوئی جو اپنے سینہ پر ہاتھ مارتی اور نوحہ کرتی تھی حضرت سعید نے تلوار کی ایک ضرب سے اس کے ٹکڑے کر دیئے اور بت خانہ کو برباد کر دیا اور حضور اکرم صلی اللہ کی بارگاہ میں واپس آ گئے۔

ایک عظیم واقعہ ہے جو شاعت سے خالی نہیں ہے وہ یہ کہ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو موضع نخلہ سے واپسی اور بت عزری کو توڑنے کے بعد تین سو مہاجرین اور انصار اور بنی سلیم کے ساتھ یلملم کی جانب قبیلہ جذیمہ پر بھیجا تا کہ اس پر قبیلہ والوں کو دعوت اسلام دیں۔ نہ اس لیے کہ جنگ کریں ان کا حال یہ تھا کہ زمانہ جاہلیت میں حضرت خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے چچا کا نام فاکہ بن مغیرہ تھا اور حضرت عبدالرحمن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے باپ کا نام عوف تھا۔ جب یہ دونوں یمن سے تجارت کر کے واپس آ رہے تھے اور وہ یلملم پہنچے تو بنی خزیمہ نے مال کی لالچ میں دونوں کو قتل کر کے ان کا مال لے لیا تھا۔ جب بنو خزیمہ نے حضرت خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے آنے کی خبر پائی تو خرم و احتیاط کے طور پر ہتھیار باندھ کر باہر آئے۔ حضرت خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان سے پوچھا ”تم کون ہو؟“ انہوں نے کہا ”ہم مسلمان ہیں اور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم پر اور ان کے دین کے احکام پر ایمان لائے ہیں۔ نماز پڑھتے ہیں اور ہم اپنی بستیوں میں مسجدیں بنا کر آذان و اقامت کہتے ہیں اور جماعت کے ساتھ جمعہ قائم کرتے ہیں۔“ حضرت خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا ”پھر ہتھیار باندھ کر ہمارے سامنے کیوں آئے ہو۔“ انہوں نے کہا ”ہمارے اور ہمارے عرب کی ایک قوم کے درمیان دشمنی ہے ہم نے خوف کیا کہ تم ان میں سے ہو گے۔“ حضرت خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کے عذر کو قبول نہ کیا اور ان سے کہا ”تم اپنے ہتھیار اتار دو۔“ انہوں نے حکم کے بموجب عمل کیا اور جسموں سے ہتھیار دور کر دیئے۔ اس وقت فرمایا ”ان کے ہاتھوں کو کندھوں سے باندھ دیئے جائیں۔“ پھر ایک

ایک کو اپنے ساتھیوں کی قید میں دیدیا کہ رات میں ان کی حفاظت کریں۔ جب سحر ختم ہوئی تو حکم دیا کہ جس کے پاس جو قیدی ہے وہ اپنے قیدی کو قتل کر دے۔ بنو سلیم نے سردار کے حکم کے ماتحت ان بے گناہ قیدیوں کو قتل کر دیا لیکن مہاجرین و انصار نے اپنے قیدیوں کو بانی رکھا۔ ایک روایت میں ہے کہ جب انہوں نے ہتھیار اتار ڈالے تو حضرت خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے انہیں یہ تیغ کرنا شروع کر دیا اور اس قبیلہ کے تقریباً سو آدمیوں کو قتل کر دیا۔ اس کے بعد بنی خزیمہ میں سے ایک شخص بارگاہ رسالت میں حاضر ہوا اور حضرت خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جو سلوک کیا تھا سب عرض کر دیا۔ حضور غضب میں آئے اور دو تین بار فرمایا: اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَبْرَءُ اِلَیْکَ مِمَّا صَنَعَ خَالِدٌ اے خدا میں تیرے حضور برات کا اظہار کرتا ہوں جو خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کیا، اور امیر المؤمنین سیدنا علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کو رقم دے کر قبیلہ بنی خزیمہ کی طرف بھیجتا کہ مقتولوں کو دیت اور تلف شدہ اموال کا عوض دے کر انہیں راضی کریں اور حضرت خالد رضی اللہ عنہ کو ملامت کریں۔ حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ حضور کے حکم سے اس قبیلہ کی طرف گئے ان کے معاملات کو سرانجام دیا۔ اور دیت وغیرہ انہیں دی اور انہیں راضی کر کے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو گئے۔

اہل سیر بیان کہتے ہیں کہ سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے عرصہ تک ناراض رہے جب بنی جذیمہ راضی ہو گئے اور انہوں نے اور چند دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سفارش کی تو انہیں معاف فرمایا یہ مقام حیرت اور تعجب ہے کہ حضرت خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے یہ فعل کیسے سرزد ہوا۔ علماء فرماتے ہیں کہ یہ اجتہادی خطا کی بنا پر واقع ہوا تھا۔ حضرت خالد رضی اللہ عنہ کا اجتہاد کہتا تھا کہ وہ جنگ کی غرض سے آئے تھے اور جھوٹ موت کی عذر خواہی کر رہے تھے اور صحابہ کی رائے اس کے برخلاف تھی۔ ”وَالْمُجْتَهِدُ يُخْطِئُ وَيُصِيبُ“ مجتہد سے خطا بھی ہوتی ہے اور صواب بھی ہوتا ہے؛ اسی بنا پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دیت کا حکم دیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اکثر دیت اپنے پاس سے دیا کرتے تھے۔ جس طرح کی خیبر میں یہود سے مخاصمت کے وقت واقع ہوا تھا (واعلم واعلم)

روضۃ الاحباب میں کمال گیل ہے کہ حضرت خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور بنی جذیمہ کا قصہ اہل سیر نے کہا اسی طرح بیان کیا ہے جس

طرح مذکور ہوا۔ لیکن احادیث کی کتابوں میں صحت کے ساتھ مروی ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو خزیمہ کی طرف بھیجا تا کہ انہیں اسلام کی دعوت دیں مگر انہوں نے اپنے اسلام کی ادائیگی اچھی نہ کی اور اسلما (ہم مسلمان ہیں) کی جگہ انہوں نے صبا نا صبا نا (ہم صابی ہوئے ہم صابی ہوئے) کہا۔ اس پر حضرت خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ انہیں قتل کرنے کے درپے ہو گئے۔ شرح حدیث کہتے ہیں کہ ممکن ہے کہ حضرت خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کے صریح اسلام کی جگہ دوسرا کنایہ یہ کالفاظ استعمال کرنے پر گمان کیا کہ وہ اسلام سے انکار کے طور پر کہہ رہے ہیں اور حقیقت کا ارادہ نہیں رکھتے۔ اس تاویل کی بنا پر انہیں قتل و قید کیا (واللہ اعلم۔ انتہی)

یہ روایت جو احادیث کی کتابوں میں مذکور ہے موجب اشتباہ و محل التباس ہو سکتی ہے لیکن جو کچھ سیر کی کتابوں میں مذکور ہے وہ تو انتہائی بعید اور غایت درجہ شنیع ہے کہ اس قوم نے صراحت کے ساتھ اسلام کا اظہار کیا اور شرائع و شعائر کی اقامت اور نبوت کی تصدیق واضح طور پر کی اور انہوں نے کہا کہ ہم نے جنگ کے لیے ہتھیار نہیں پہنے ہیں۔ اس کے باوجود انہیں قتل کیا گیا اور یہ بیان کہ اس قوم نے حضرت خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے چچا اور حضرت عبدالرحمن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے والد کو زمانہ جاہلیت میں قتل کیا تھا غلطی کا موجب ہے اور یہ وہم پیدا کرتا ہے کہ حضرت خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے انہیں سابقہ عداوت کی بنا پر قتل کیا تھا نہ کہ دین کی بنا پر۔ حالانکہ حضرت خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شان میں فرمایا گیا ہے کہ ”خَالِدٌ سَيْفٌ مِنْ سَيُوفِ اللّٰهِ“ خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ اللہ کی تلواروں میں سے ایک تلوار

ہے اور خدا کی تلوار سے ناحق قتال جاری ہو جائے۔ جیسا کہ قتل خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ میں نویرہ کا واقعہ ہے کہ فرمایا ”مَنْ صَاحِبَكُمْ عَمْرُ بْنُ الْخَطَّابِ“ اور اس سے موخذہ کیا گیا۔ اسی کی مانند یہ واقعہ ہے۔ مجھے یاد ہے کہ میں جب مکہ معظمہ میں قاضی علی بن جابر اللہ کے پاس تھا جو بنی ظہر سے اور اولاد حضرت خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے تھے ان سے حضرت خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا روز فتح کے بارے میں ذکر آیا اور بغیر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم صریح کے قتال میں ان سے غلبت واقع ہونے کا تذکرہ آیا تو قاضی صاحب مذکور پر شرمندگی و انفعال طاری ہو گیا اور اس کے دفعیہ میں فرمایا: وَاللَّهِ كُنَّا فِيهِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ مَتُوبٌ مِنَ الْإِسْتِعْجَالِ وَالْمُبَادَرَةِ إِلَى الْقِتَالِ خدا کی قسم حضرت خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ بدلہ میں ایک قسم کے غلبت پسند اور جنگ میں جلدی کرنے والے تھے۔

تنبیہ: صابی کے معنی ایک دین سے منحرف ہو کر دوسرا دین اختیار کر لینے کے ہیں اور کفار قریش حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو صابی کہتے تھے۔ کہ انہوں نے آباء کے دین کو چھوڑ کر نئے دین کو اختیار فرمایا اور مسلمانوں کو مباحہ کہتے تھے کہ انہوں نے نئے دین کو اختیار کر لیا ہے۔ حضرت خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو یہ لفظ پسند نہ آیا حالانکہ اس لفظ معنی یہ تھے کہ وہ کہتے کہ ”اسلما اسلما“ (واللہ اعلم بحقیقہ الحال علی دجا الکمال)

غزوہ حنین

ہجرت کے آٹھویں سال کے واقعات میں سے غزوہ حنین کا واقعہ ہے۔ حنین (بصیغہ تصغیر) ایک چشمہ کا نام ہے جو مکہ مکرمہ سے تین رات کی مسافت پر واقع ہے اور طائف کے قریب ہے۔ اس غزوہ کو ”غزوہ ہوازن“ بھی کہتے ہیں۔ ہوازن اس جگہ رہنے والے قبیلہ کا نام ہے۔ اس غزوہ کا واقعہ یہ ہے کہ جب سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم مکہ مکرمہ کی فتح اور اس کے بعد کے قواعد و قوانین سے فارغ ہوئے تو دو قبیلوں کے سوا عرب کے تمام زمرہ اطاعت و انقیاد میں آ گئے ان منحرف قبائل میں ایک ہوازن تھا دوسرا قبیلہ ثقیف یہ دونوں پہلوان گردن کش صاحب مال و اسباب تھے اور یہ دونوں بغض و حسد اور عداوت میں گرفتار رہے ان دونوں قبیلوں کے سردار ایک دوسرے سے ملے اور کہنے لگے کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) مکہ والوں پر غالب آ گئے ہیں اور اہل مکہ چونکہ جنگ اور حرب کے ماہر و دانہ تھے اس لیے محمد صلی اللہ علیہ وسلم ان پر غالب آ گئے اگر یہ ہمارے ساتھ جنگ کرتے تو انہیں معلوم ہوتا کہ جنگ کسے کہتے ہیں اور اب ممکن ہے کہ وہ ہماری طرف بھی رجوع کریں اس لیے قبل اس کے کہ وہ ہم پر حملہ کرنے آئیں اگر ہم ان پر حملہ کر دیں تو بہتر ہوگا۔“ یہ گفتگو انہوں نے سرکشی اور ازراہ غرور و تکبر کہی تھی کیوں حقیقت یہ ہے کہ یہ باتیں انہوں نے مسلمانوں کی بھلائی اور خیر خواہی میں کہی تھیں کیوں کہ مسلمانوں کو خوشخبری دی گئی تھی کہ ان کو غلبہ و نصرت مال و منال اور وافر ساز و سامان ملے گا اور وہ اتنا زیادہ ہوگا کہ انہیں کسی دوسری جگہ سے اتنا تانہ ملا ہوگا۔ چنانچہ حدیث پاک میں ہے کہ جب حضور اکرم محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر ملی کہ ہوازن اپنے اہل و عیال اور تمام مویشی اور اموال لے کر نکلے ہیں تو فرمایا انشاء اللہ یہ سب مسلمانوں کا غنیمت بنے گا القصہ جب حضور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو معلوم ہوا کہ یہ قبیلہ مسلمانوں سے جنگ کرنے کا قصد رکھتے ہیں تو حضور محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہفتہ کے دن شوال کی چھ تاریخ کو مکہ مکرمہ سے بارہ ہزار مدنی لشکر اسلام اور دو ہزار طلقاء و حلقاء کے ساتھ روانہ ہوئے۔ سوزر ہیں صفوان بن امیہ سے طلب فرمائیں صفوان نے دریافت کیا۔ ”مستقلًا“ درکار ہیں یا عاریتاً۔ فرمایا قبضہ کے طور پر نہیں اور ایسی عاریتاً کہ اگر تلف ہو جائیں گی تو ہم ان کا ضامن مرحمت فرمائیں گے۔ کیسی اونڈھی عقل تھی کہ وہ حضور محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ توقع رکھتا تھا کہ حضور محمد صلی اللہ علیہ وسلم جبراً قبضہ و غصب فرمائیں گے۔ اس لشکر اسلام میں

۱۵) اشخاص مشرکین میں سے بھی تھے جسے صفوان بن امیہ وغیرہ حضرت عتاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ بن اسد کو مکہ مکرمہ پر عامل قرار دیا۔ اس

کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم حنین میں منگلی کی رات دسویں شوال کو پہنچے۔ ہوازن کا سردار مالک بن عوف نفری اور ثقیف کا سردار کنانہ بن عبد یلیل ثقفی تھا انہوں نے رسول حضور اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جنگ کرنے کی تیاری کی اور میدان کارزار میں نکل آئے بعض قریب و جوار اور قبائل بھی ان کے ساتھ شامل ہو گئے۔ اس طرح کفار کا چار ہزار کا مرتب لشکر میدان میں آ گیا۔ ان میں ایک شخص درید بن صمد بوڑھا، تجربہ کار اور اندھا تھا کہتے ہیں کہ اس نے ایک سو بیس سال عمر پائی ایک اور روایت میں ہے ایک سو ساٹھ سال کی۔ اس نے مالک بن عوف نفری سے کہا کو اہل و عیال اور مال و اسباب لیکر نہ نکلو لیکن اس نے اس کا کہنا نہ مانا۔ اس پر اس نے کہا کہ اے ہوازن! مالک تم سب کو ذلیل و خوار کرے گا اور تمہاری عورتوں، بچوں اور مال و سباب کو دشمن کے حوالے کرے گا۔ اور تم سب کو دشمن کے حوالے کر کے بھاگ کھڑا ہوگا۔ اس بنا پر لوگوں میں اختلاف برپا ہو گیا۔ مالک نے کہا ”اگر تم میرا کہنا نہ مانو گے اور میری اطاعت نہ کرو گے تو میں اپنے آپ کو ہلاک کر دوں گا“۔ یہ کہہ کر نیام سے تلوار نکالی اور نوک اپنے سینہ پر رکھ کر کہنے لگا کہ ”اگر تم میری اطاعت نہیں کرو گے تو میں اس تلوار پر جھول جاؤں گا۔ تاکہ یہ میری پشت سے پار ہو جائے“۔ ہوازن کہنے لگے ”یہ جوان اور جاہل ہے۔ اگر ہم نے اس کی اطاعت نہ کی اور اس کا کہنا نہ مانا تو یہ جہالت سے اپنے آپ کو مار ڈالے گا اور درید ایک بوڑھا، عاجز و ناپیدا شخص ہے جو اس لائق نہیں ہے کہ وہ سرداری کر سکے اور کسی ایسے دوسرے شخص کو ہم جانتے نہیں جو سرداری کے لائق ہو۔ لہذا درید سے انہوں نے منہ موڑ لیا اور مالک کے ساتھ متفق ہو گئے اور یہ سب حنین کی طرف چلے گئے۔

منقول ہے کہ مالک بن عوف نے ایک جماعت کو لشکر کے حالات معلوم کرنے کے لیے بھیجا تھا وہ جماعت تحقیق و جستجو کر کے لرزتی کا نبتی مالک کے پاس پہنچی۔ اس نے پوچھا تمہاری پریشانی کی وجہ کیا ہے؟ انہوں نے کہا کہ جب لشکر اسلام میں پہنچے تو تم نے سفید پوش لوگوں کو اہل گھوڑوں پر سوار دیکھا۔ جن کی مانند ہم نے کبھی نہیں دیکھا تھا۔ اب مناسب یہی ہے کہ ہم یہیں سے لوٹ جائیں۔ اگر ہمارے سپاہیوں نے ان کو دیکھا تو ان کی بھی وہی حالت ہو جائے گی جو ہماری ہوئی ہے۔ مالک نے ان کی بات کا یقین نہ کیا۔ اور دوسرے لوگوں کو تفتیش حال کے لیے بھیجا انہوں نے بھی آ کر یہی حال بیان کیا کہ یہ فرشتے تھے جو لشکر اسلام کی مدد کے لیے آئے ہوئے تھے جس طرح کہ غزوہ بدر میں آئے تھے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ فرشتوں کا نزول بدر کے ساتھ مخصوص نہیں ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ فرشتوں کا قتال و حرب کرنا بدر کے ساتھ مخصوص ہے اور حنین میں ان کا آنا مسلمانوں کی امداد و اعانت، تقویت و تائید اور ان کے دلوں کو ثابت برقرار رکھنے کے لیے تھا۔ یہ قتال و حرب کے لیے نہیں آئے تھے۔

الغرض مالک بن عوف ان نشانیوں کے دیکھنے کے باوجود اپنے ارادہ سے باز نہ آیا اور اسی طرح مصر رہا۔ اہل سیر کہتے ہیں کہ جب لشکر اسلام کی کثرت و شوکت مسلمانوں کی نظر میں آئی تو مسلمانوں میں سے ایک شخص نے کہا ”آج ہم قلت کی بنا پر مغلوب نہ ہوں گے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ بات مکروہ و شاق گزری کیونکہ مشرعب وغرور تھی۔

اہل سیر کہتے ہیں لشکر کی ہزیمت و شکست کی جو صورت پیش آئی تھی اس کا سبب یہی تھا کہ مسلمان جان لیں کہ فتح و نصرت کثرت تعداد اور تیاری پر نہیں ہے بلکہ حق تعالیٰ کی طرف سے ہے ”وَمَا النَّصْرُ إِلَّا مِنْ عِنْدِ اللَّهِ“ کوئی چیز مدد دینی والی نہیں۔ جز اللہ تعالیٰ کی مدد کے اور یہ آیت کریمہ بھی اسی مطلب کے لیے نازل ہوئی کہ فرمایا:

وَلَقَدْ نَصَرَكُمُ اللَّهُ فِي مَوَاطِنَ كَثِيرَةٍ وَيَوْمَ حُنَيْنٍ إِذْ
أَعْجَبَتْكُمْ كَثْرَتُكُمْ فَلَمْ تُغْنِ عَنْكُمْ شَيْئًا

اور بلا شک و شبہ حق تعالیٰ نے بہت سی جگہوں میں تمہاری مدد فرمائی
اور حنین کے دن جبکہ تم نے اپنی کثرت پر گھمنڈ کیا تو تم کو کوئی چیز بے
نیاز نہ کر سکی

واضح رہنا چاہیے کہ ممکن ہے یہ بات اس مقام میں اس بنا پر ناگوار و مکروہ جانی گئی ہو کہ اس کے قاتل نے عجب و گھمنڈ کے قرینہ کے
معنے میں سمجھا ہو ورنہ یہ بات صحیح ہے اس لیے کہ ابوداؤد ترمذی وغیرہ کی حدیث میں ہے کہ۔ خَيْرُ الصَّحَابَةِ اَرْبَعَةٌ وَخَيْرُ
السَّرَايَا اَرْبَعُمَائِهِ وَخَيْرُ الْجَيْشِ اَرْبَعَةُ اَلْفٍ لَنْ يُغْلَبَ اِثْنَا عَشَرَ اَلْفًا مِنْ قَلِيلَةٍ بَهْتَرِينَ صَحَابَهُ چار ہیں، بہترین سر یہ چار سو کا ہے
اور بہتر لشکر چار ہزار کا ہے قلت کی بنا پر ہرگز ہزار غالب نہ آئیں گے، اور اس غزوہ میں مسلمانوں کا لشکر بارہ ہزار اشخاص کا تھا۔
یہ بات نہیں ہے کہ اس کے قاتل نے لشکر کی تعداد کو دیکھ کر یہ کہا ہو بلکہ اس کی کثرت و شوکت کو دیکھ کر اس نے یہ بات کہی تھی۔

یہ بات نہیں ہے کہ اس کے قاتل نے لشکر کی تعداد کو دیکھ کر یہ کہا ہو بلکہ اس کی کثرت و شوکت کو دیکھ کر اس نے یہ بات کہی تھی۔

میں آیا ہے (واللہ اعلم)

اہل سیر کہتے ہیں کہ مالک بن عوف لشکر اسلام کے پہنچنے سے پہلے ہی اپنے لشکر کے ساتھ وادی حنین میں داخل ہو گیا تھا اور لوگوں کو
گھات میں بٹھا دیا تھا اور حکم دے دیا تھا کہ جس وقت لشکر اسلام بے خبری میں اس میدان میں پہنچے تو تم سب ایک دم ان پر تیروں کی
بارش شروع کر دینا۔

نبی کریم حضور صلی اللہ علیہ وسلم صبح کا ذب کے وقت (ایک روایت میں ہے کہ سحر کے وقت دونوں روایتیں مقصود میں ایک جیسی
ہیں) لشکر تیار کر کے اور ان کو علم اور جھنڈے دے کر روانہ ہوئے چونکہ وادی حنین میں گھاٹیاں تنگ اور دشوار تھیں اور ان میں گڑھے تھے
اور ان کے آگے آگے گڑھے تھے۔ اس لیے کہ ان لوگوں کا لشکر بڑا اور دشوار گزار گھاٹیوں میں داخل ہو گئے۔ کافروں

اکرم حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ ساتھیوں کو پکارو اور انہیں اس طرح آواز دو کہ ”اے گروہ انصار اور اے اصحاب سمرہ“ سمرہ اس درخت کا نام ہے جس کے نیچے حدیبیہ میں بیعت واقع ہوئی تھی اور ان کو اصحاب الشجرہ اور بیعت الرضوان بھی کہتے ہیں۔

نیز ارباب سیر کہتے ہیں کہ ”یا اصحاب سورۃ البقرہ“ کہہ کے بھی ندا کی گئی۔ مراد تعظیم ہے کیوں کہ وہ اصحاب اسی سورۃ پر ایمان لائے ہوئے ہیں جس کا نام سورۃ بقرہ ہے اور وہ قرآن کی سب سے بڑی سورۃ ہے۔ حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ چونکہ انتہائی جہیر الصوت اور بلند آواز والے تھے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کے بموجب اور اقتضائے مقام کے لحاظ سے بلند آواز سے اصحاب

ہمارے دل تڑپنے لگے اور ان میں قلق واضطراب لاحق ہو گیا اور ایک عظیم ہیبت ہم پر طاری ہو گئی وہ کہتے ہیں کہ ہم نے ایسی آوازیں سنیں جیسے طشت پر ہتھوڑا مارا جاتا ہے۔ اور اسی دوران آسمان سے ابرسیاہ کی مانند نمودار ہوا جو ہمارے اور ہماری قوم کے درمیان چھا گیا اسی دوران غور سے دیکھا تو سیاہ چوٹیوں سے تمام میدان لبریز ہو گیا تھا اور تمام وادیاں اس سے بھر گئیں تھیں وہ کہتے تھے کہ ہر پتھر اور درخت ہر جگہ مخالفوں کی نظر میں ایسے سوار نظر آتے تھے جو زمین و آسمان کے درمیان علاقے سفید لباس میں ابلق گھوڑوں پر سوار ہیں اور دونوں شانوں کے درمیان علاقے چھوڑے ہوئے ہیں اور ہم میں اتنی تاب و توان تھی کہ ان کی طرف نگاہ بھی اٹھا سکیں۔

حضرت سعید بن جبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ حق تعالیٰ نے اس روز اپنے نبی کریم کی پانچ ہزار فرشتوں سے مدد فرمائی۔ جنگ کے خاتمہ کے بعد ہوازن پوچھتے تھے کہ وہ لوگ کہاں ہیں جو سفید لباس میں ملبوس ابلق گھوڑوں پر سوار تھے۔ اور ہم مارے نہیں گئے مگر انہیں کے ہاتھوں سے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ فرشتوں نے غزوہ حنین میں بھی قتال کیا ہے۔ جس طرح کہ بدر میں کیا تھا۔ اور وہ قول جس نے یہ کہا ہے کہ ”فرشتوں کا نزول امداد و اعانت کے لیے تھا قتال بدر کے ساتھ مخصوص ہے“ ضعیف ہے اس کے بعد مسلمانوں نے پیام سے تلوار نکال کر کافروں کو تیغ کرنا شروع کر دیا۔ گویا کہ آسمان سے ان پر ستارے ٹوٹ ٹوٹ کر گر رہے تھے اور ان کو شکست دیدی۔

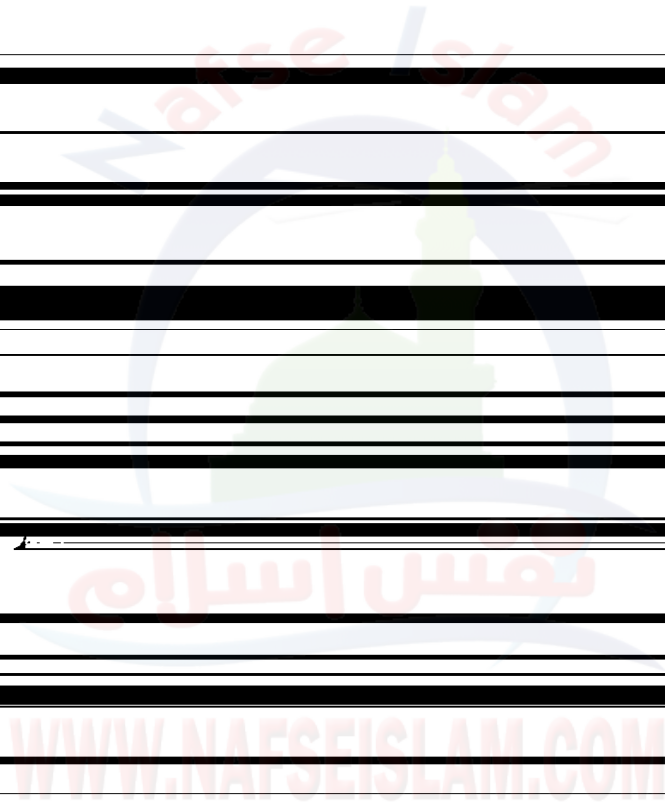
ہوازن کا لشکر اتنی دیر بھی کھڑا نہ رہ سکا جتنی دیر میں اوٹنی کا دودھ دوا جاتا ہے اور وہ بھاگ کھڑے ہوئے۔

شعبہ بن عثمان عجمی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ جس زمانہ میں قریش کی ایک جماعت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حنین میں آئی میں بھی ان میں تھا اور اس مقصد کے ماتحت ساتھ تھا کہ اگر موقعہ میسر آیا تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو شہید کر دوں گا۔ یہ کینہ اپنے باپ کے روزا حد مارے جانے کی بنا پر تھا اور میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو قتل کرنے کے ارادے اور نیت سے چلا میرا پختہ عزم تھا کہ اگر تمام لوگ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے مطیع و منقاد ہو جائیں تو بھی میں ہرگز نہ ہوں گا۔ میں اس ارادے سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے عقب میں آیا اور چاہا کہ آپ پر تلوار کا وار کروں کہ اچانک میں نے دیکھا ایک آگ کا شعلہ بجلی کی مانند نمودار ہو کر میری طرف لپکا اور قریب تھا کہ وہ مجھے جلا ڈالے۔ اتنے میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے آواز دی اے شعبہ! قریب آؤ۔ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس گیا اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا دست اقدس میرے سینہ پر مار کر فرمایا ”اے خدا! اسے شیطان کے شر سے محفوظ رکھ“ حق تعالیٰ نے اسی وقت میرے دل سے وہ واعیہ اور کینہ دور فرمایا، خدا کی قسم! آپ اسی لمحہ میری آنکھ کان سے زیادہ محبوب ہو گئے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جاؤ کافروں کے ساتھ جنگ کرو۔ اس کے بعد میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے آگے آگے چلتا اور کافروں سے جنگ کرتا تھا۔ خدا کی قسم! اگر اس وقت میرا باپ بھی زندہ ہوتا تو یقیناً میں اسے تلوار سے قتل کر دیتا۔ اس کے بعد کافروں نے ہزیمت کھائی اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنے خیمہ میں تشریف لائے اور میں بھی خیمہ اقدس میں داخل ہوا تاکہ آپ کے جمال جہاں آراء سے مشرف ہوں۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ”اے شعبہ! حق تبارک و تعالیٰ نے جو تمہارے لیے چاہا اس سے بہتر تھا جو تم اپنے لیے اپنے دل میں چاہتے تھے۔ اس کے بعد جو کچھ میرے دل میں تھا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ظاہر فرما دیا۔ پھر میں نے عرض کیا ”اَشْهَدُ اَنْ لَا اِلَهَ اِلَّا اللهُ وَ اَنَّكَ رَسُوْلُ اللهِ“ اس کے بعد میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! میرے لیے استغفار فرمائیے؟ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ”غَفَرَ اللهُ لَكَ“ اللہ تعالیٰ نے تمہیں بخش دیا۔

مخفی نہ رہنا چاہیے کہ سیاق حدیث اس پر دلالت کرتی ہے کہ حضرت شعبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دل میں ایمان اسی وقت جا گزیں ہو گیا تھا جبکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے سینہ پر دست اقدس مارا اور محبت پیدا ہو گئی تھی جس کے باعث کافروں سے انہوں نے جنگ کی۔ لیکن لفظ شہادت ظہور میں نہیں آیا تھا اس وقت وہ اس سے بھی مشرف ہو گئے اس حدیث میں اس پر دلیل موجود ہے کہ

== جلد دوم ==
 ایمان کی حقیقت وہی تصدیق قلبی ہے اور زبانی اقرار احکام ایمان کے اجراء کے لیے اس پر زائد ہے۔ جب وہ بھی حاصل ہو تو ایمان مکمل ہو گیا۔

صحیح بخاری میں حضرت براء بن عازب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے ان سے لوگوں نے پوچھا کیا تم حنین کے دن بھاگے تھے؟ انہوں نے فرمایا ہاں! لیکر رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم فرار نہیں ہوئے تھے اور مرکز استقامت ثابت و مستقیم تھے اور جب ہم نے



تجھ سے دلائیں گے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ ٹھیک کہا قاتل کا سامان اسے لونا دو پھر ابو قتادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے زرہ کو فروخت کر کے اس کی قیمت سے ایک باغ خریدا۔

اس دن حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا گزرا ایک مقتولہ عورت پر ہوا لوگ اس کے گرد کھڑے تھے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا کیا بات ہے؟ کیا اژدھام ہے لوگوں نے کہا ایک کافرہ عورت ہے جسے حضرت خالد بن ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے قتل کر دیا ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی کو حضرت خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس بھیجا کہ انہیں بتادیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عورتوں بچوں اور مزدوروں کو قتل کرتے سے منع فرماتے ہیں۔ غالباً یہ بات حضرت خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے لیے تشریحی حکم تھا اس سے پہلے انہیں معلوم نہ تھا۔

اس کے بعد ابو عامر اشعری کو جو کہ ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے چچا تھے ایک جماعت کے ساتھ جس میں حضرت زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بن العوام ابو موسیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اشعری اور سلمہ بن اکوع رضی اللہ تعالیٰ عنہما بھی تھے ادھاس کی طرف بھاگنے والے کافروں کے تعاقب میں روانہ فرمایا۔ مسلمان قطع مسافت کر کے دشمنوں پر پہنچ گئے اور جنگ و قتال برپا ہوئی اور زبیر بن الصممہ جو کہ بن سال بوڑھا تھا اور اس قوم کا سردار تھا جس کا ذکر پہلے گزر چکا ہے وہ حضرت زبیر بن العوام رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہاتھ سے مار گیا اور حضرت ابو عامر رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو اس لشکر کے امیر تھے انہوں نے بھی جام شہادت نوش کیا۔ ان کی شہادت کی کیفیت میں روایتیں مختلف ہیں۔ صحیح یہ ہے کہ جنگ کے دوران بنی جشم کے ایک شخص نے حضرت ابو عامر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زانو پر تیر مارا اور وہ تیران کے زانوں میں بیٹھ گیا اور ابو موسیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس جسمی شخص کے پیچھے بڑھ گئے اور اس پر قابو پا کر اسے قتل کر دیا اور چاہا کہ تیر کو ابو عامر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زانو سے نکالیں (حب اکا تو خواہ) بہت زائدہ نکلا اور حضرت ابو عامر رضی اللہ تعالیٰ عنہ زنگی سے لڑ

امید ہوئے تو فرمایا ”اے بھتیجے میرا سلام نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کرنا اور التماس کرنا کہ میرے لیے حق تعالیٰ ہے آمرزش فرمائیں اس کے بعد اس لشکر کی امداد میرے سپرد فرمائی اور حق تعالیٰ نے میرے ہاتھ پر فتح آسان فرمادی جب میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہوا اور آپ کے خیمہ مبارک میں داخل ہوا تو میں نے دیکھا کہ آپ ایسے بورے پر جو کھجور کی چھال سے بنا ہوا تھا آرام فرماہیں اس بورے کی دھاریوں کے نشانات آپ کے پہلوؤں اقدس پر پڑے ہوئے تھے۔ میں نے حضرت ابو عامر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قصہ اور ان کی معروضات پیش خدمت کیں۔ اس پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے پانی منگایا اور وضو فرمایا اور دو رکعت نماز پڑھی بعد ازاں دست مبارک اٹھایا اتنا کہ آپ کے بغل شریف کی سفیدی میں نے دیکھی اور دعا فرمائی: اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِيْ عَامِرٍ وَاجْعَلْهُ مِنْ اَعْلٰى اُمَّتِيْ فِي الْاٰخِرَةِ پھر میں نے عرض کیا یا رسول اللہ میرے لیے بھی طلب آمرزش فرمائیے؟ تو فرمایا: اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِعَبْدِكَ الْاَبْرَارِ بْنِ قَيْسٍ وَادْخِلْهُ يَوْمَ الْقِيَمَةِ مَدْخَلًا كَرِيْمًا عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ابو موسیٰ اشعری کا نام ہے اور قیس ان کے والد کا نام ہے اس حدیث میں دعا سے پہلے وضو اور نماز کا استحباب ہے اور یہ کہ بزرگوں کی حاضری کے وقت کو عمدہ اور نغیمت جانے اور ایسے وقت میں ان سے دعا اور طلب آمرزش کی درخواست کرے اور دعائے آمرزش کے لیے اتنا اہتمام کرنا تمام دعاؤں میں اصل وقاعدہ یہی ہے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ جنین کے تمام مال غنیمت کو ”بھرانہ“ میں جمع کریں اور اسے مضبوط و محفوظ رکھیں تاکہ و فراغت کے بعد تقسیم کیا جائے۔ بھرانہ بکسر جیم و عین و تشدید را و ادھاس کے قریب ایک جملہ کا نام ہے جو جنین اور مکہ سے ایک منزل کے فاصلہ پر ہے اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے وہیں تشریف لاکر جنین کی غنیحوں کو تقسیم فرمایا اور ہندو سولہ روز و ماہ اقامت فرمائی۔

آئے گا اور منادی کو حکم فرمایا کہ وہ اعلان کر دے کہ جو خدا پر اور روز آخرت پر ایمان رکھتا ہے اس پر لازم ہے کہ اموال غنیمت میں خیانت نہ کرے اس پر جس نے بھی غنیمت میں سے کچھ لیا تھا اسے لوٹا دیا۔ حتیٰ کہ عقیل بن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک سوئی لی تھی اور اپنی زوجہ کو دیدی تھی کہ وہ اس سے ان کے کپڑے سی دے۔ جب یہ اعلان سنا تو بیوی سے سوئی لے کر غنائم میں لوٹادی۔ حنین کے غنائم بہت زیادہ تھے اور کسی غزوے اور لشکر میں اتنا ہاتھ نہ آیا تھا۔ بلکہ اس کے لگ بھگ بھی ہاتھ نہ آیا تھا اور باندیوں کے بارے میں حکم فرمایا کہ جو حاملہ ہیں وضع حمل تک ان سے وطنی نہ کی جائے اور جو غیر حاملہ ہیں ان سے ایک حیض آنے تک وطنی نہ کی جائے۔

ارباب سیر بیان کرتے ہیں کہ ان قیدی عورتوں میں ایک عورت تھی جس کا نام شابت الحارث بن عبدالغری تھا کسی صحابی سے اس نے ذکر کیا اور کہا کہ میں تمہارے آقا کی رضائی بہن ہوں۔ یعنی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی۔ لوگ اسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم بارگاہ میں لائے اور شانے کہا ”اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم! میں تمہاری رضائی بہن ہوں“ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس کا تم کوئی ثبوت اور نشانی رکھتی ہو؟ پھر اس نے بعض واقعات حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو یاد لائے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے قبول فرما کر اپنی چادر مبارک اس کے لیے بچھائی اور اسے اس پر بٹھایا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھوں سے آنسو خوار مبارک پر بہنے لگے۔ حضرت حلیمہ اور ان کی قوم کا حال دریافت فرمایا اس نے کہا وہ تو دنیا سے رحلت کر گئیں۔ بعد ازاں آپ نے فرمایا اگر تم چاہو تو ہمارے پاس رہو تم معزز مکرم رہو گی اور اگر تم چاہو تو تمہیں تمہارے گھر انعام و اکرم کے ساتھ واپس کر دیں۔ اس نے اس دوسری شق کو اختیار کیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے ایک باندی، تین غلام اور بکریاں دے کر رخصت کر دیا اور شاز پور ایمان سے منور ہو کر اپنے گھر لوٹ گئی تھی۔

بعض کتابوں سے یہ مفہوم مترشح ہوتا ہے کہ شیماء بعر اند میں آئیں جہاں اموال کی تقسیم واقع ہوئی تھی ان دونوں روایتوں میں جمع تطبیق اس طرح ممکن ہے کہ شیماء حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس وہاں آئی ہوں گی اور رخصت کے لیے فرمایا ہو گا کہ تم اپنی قوم میں واپس جانے کے لیے جہر اند میں ٹھہرو میں طائف سے لوٹ کر جہر اند آؤں گا وہاں تمہیں اسباب معیشت دوں گا۔ جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جہر اند تشریف لائے تو شیماء کو اور اس کی قوم کو بکثرت مویشی اور مال دے کر تو گھر بنا دیا۔ اس بنا پر جس راوی نے جہر اند میں دیکھا اس نے یہ بیان کر دیا اور جس راوی نے وہ دیکھا وہ بیان کر دیا (واللہ اعلم)

فتح قلعہ طائف: وصل: چونکہ مالک بن عوف، ثقیف و ہوازن کے مشرکوں کی ایک جماعت کے ساتھ حنین سے فرار ہو کر طائف چلا گیا تھا اور طائف کے قلعہ میں پناہ لے چکا تھا اور جنگ اور شکست کھانے سے ایک سال پہلے سے ہی قلعہ کو ساز و سامان سے تیار کر رکھا تھا وہ اس قلعہ میں گھس کر اس کے دروازوں کو بند کر کے اس کے تمام مداخل و مخارج اس میں آنے جانے کے راستوں کو مضبوط کر کے بیٹھ گیا اور جنگ کا مصمم ارادہ کر لیا طائف بہت بڑا شہر ہے جو مکہ مکرمہ سے دو منزل یا تین منزل کے فاصلے پر واقع ہے اور عرفات کے راستہ سے اور وادی نعمان سے جو ایک پہاڑ کا نام ہے ایک رات درمیان میں گزار کر جاتے ہیں۔ طائف میں انار و انگور اور دیگر فواکہ بہت کثرت سے ہوتے ہیں اسی جگہ کو نجی لوگ حجاز کہتے ہیں وہاں کے میوے اور ہوا عمدہ ہیں۔ حجاز ولایت یعنی دار الحکومت کا نام ہے اور طائف اس کا ایک شہر ہے۔

اخبار میں آیا ہے کہ جبریل علیہ السلام اس باغ کو جو اصحاب مریم کے قبضہ میں تھا جس کا قصہ سورہ ”نون والقلم“ کے شروع میں

وحرم الہادی وورج لطائف حرم والجزاء ثقی بحرم

”حرم ہادی“ سے مراد مدینہ طیبہ اور دج سے یہی طائف کی زمین مراد لی ہے اور کہتے ہیں کہ مدینہ طیبہ اور دج، تعظیم و احترام کے اعتبار سے حرم ہیں لیکن جزا نہیں ہے جیسا کہ حرم مکہ میں ہے۔ اور یہی حنفی مذہب ہے۔

القصة حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو جب پوری کیفیت کی خبر ہوئی تو آپ نے قلعہ کو فتح کرنے کا مصمم ارادہ فرمایا اور حضرت خالد بن ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ہزار افراد کا مقدمہ لشکر بنایا اور جب راہ میں اس مقام سے گزرے جس کا نام ”اینہ“ (بکسر لام و فتح یائے مخفہ) تھا اور وہاں مالک بن عوف نضری کا ایک محل فرمایا اس محل کو ویران کر کے جلا دو اور آثار شرک کا قلع قمع کر دو۔ لازمی ہے کہ اس محل میں بت بھی رہیں گے۔

طائف کی طرف تشریف لے جانے سے پہلے طفیل رضی اللہ تعالیٰ عنہ بن عمرو دوسی کو ذی الکفین کے بت خانے کی طرف بھیجا جو لکڑی کا ایک بت تھا تا کہ وہ اسے تباہ و برباد کر دیں۔ وہ اپنی قوم سے مدد لیکر اور اسے تباہ کر کے طائف میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ شامل ہو گئے۔ طفیل رضی اللہ تعالیٰ عنہ بن عمرو دوسی کا ایک شعر اس بت کے بارے میں منقول ہے انہوں نے کہا

يَا ذَا الْكُفَيْنِ لَسْتُ مِنْ عِبَادِكَ

اے ذوالکفین میں تیرے پوجنے والوں میں سے نہیں ہوں۔ مِلَادُنَا اَقْدَمُ مِنْ مِلَادِكَ مُسْلِمَانِو کی ولادت تیری ولادت سے بہت پرانی ہے، مطلب یہ کہ مشرکوں نے تجھے لکڑی سے چھیل کر بنایا ہے اور ہمیں حق تبارک و تعالیٰ نے پیدا فرمایا: اِنْسِيْ حَاشِيْتُ

www.nafseislam.com

اس خدمت کو سرانجام دے کر چار دن کے بعد اپنی قوم کے چند لوگوں کے ساتھ جوان کے موافق تھے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آ کے شامل ہو گئے۔ یہ قلعہ کے فتح کرنے اور نقب لگانے کے کچھ اوزار و آلات بھی اپنے ساتھ لے آئے۔

لشکر اسلام طائف کے قلعہ کو نچوڑ کر کھنڈہ اتارنے والوں نے عظیم تر از کی شروع کر دی اور سریت سے مسلمانوں کو بخیر

صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی خلافت کے زمانہ میں اس زخم کی بنا پر دنیا سے رخصت ہوئے اور عبد اللہ بن امیہ جو سیدہ ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے بھائی تھے وہ بھی انہیں بارہ شہداء میں سے تھے۔

مواہب لدینہ میں حافظ بدرالدین عراقی کی شرح تقریب سے منقول ہے کہ اس غزوے میں ابوسفیان صحر بن جرب کی آنکھ جاتی رہی۔ اس کے بعد ابن سعد نے بیان کیا ہے کہ وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس اس حال میں آئے کہ ان کی آنکھ ان کے ہاتھ میں تھی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تمہیں کیا چیز پیاری ہے آیا وہ آنکھ جو جنت میں تمہارے لیے ہو یا وہ آنکھ جو دنیا میں دعا کرنے سے حق تعالیٰ لوٹا دے؟ انہوں نے کہا مجھے جنت میں آنکھ ملنا زیادہ محبوب ہے اس سے کہ دنیا میں ملے کہہ کر ہاتھ سے آنکھ کا ڈھیلا پھینک دیا۔ معلوم ہوا کہ دوسری آنکھ سے بھی وہ جگمگاموک میں حضرت فاروق اعظم کی خلافت کی کے زمانہ میں نابینا ہو گئے تھے (انتہی)

محاصرہ کے دوران ایک دن حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے منادی کے ذریعہ اعلان کرایا کہ جو غلام قلعہ میں مسلمانوں کی طرف اتر کے آئے گا وہ آزاد ہوگا۔ اس پر تقریباً بیس غلام اہل طائف کے کسی بہانے سے اتر کے آئے ان میں سے ایک نفع رضی اللہ تعالیٰ (بصیغہ تصغیر) بن الحارث بھی تھے جو کبرہ سے اترے اسی بنا پر وہ ابوبکرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے لقب سے موسوم ہوئے اور اخبار صحابہ میں سے ہوئے ہیں ان تمام غلاموں کو آزاد کر دیا گیا اور ان کی غلامی کو حق تعالیٰ کی بندگی کے ساتھ وابستہ کر دیا اور ان میں ہر ایک کو کسی نہ کسی صحابہ کے سپرد فرما دیا کہ وہ ان کی ضروریات اور حوائج کا پاس و لحاظ رکھیں۔ طویل عرصہ کے بعد جب اہل طائف حلقہ بغوش اسلام ہوئے تو انہوں نے عرض کیا کہ ہمارے غلاموں کو ہمیں واپس کر دیا جائے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اُولَٰئِكَ عِتْقَاءُ اللّٰهِ خُدَا کے

آزاد کردہ ہیں وہ تمہاری غلامی میں نہیں رہ سکتے۔ ابوبکرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نسب میں اس طرح مروی ہے کہ نفع بن الحارث بن کلدہ ثقفی ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ وہ نفع بن مبروح بن کلدہ ہے اور کہتے ہیں کہ وہ حارث بن کلدہ یا مسروح بن کلدہ کے غلام تھے۔ جنہیں متنبی بنا رکھا تھا۔

ارباب سیر بیان کرتے ہیں کہ طائف کے محاصرہ کے دوران حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو صحابہ کی ایک جماعت کے ساتھ حکم دیا کہ گرد و نواح میں پھیل جائیں انہوں نے قرب و جوار کے دشمنوں سے جنگ و قتال کی اور ہوازن و ثقیف کے بتوں کو جو اس نواح میں تھے توڑ دیا اور مشرکوں کے آثار و دیار کو بر باد کیا۔ پھر بارگاہ رسالت میں لوٹ آگے جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی چشم مبارک علی المرتضیٰ کے روئے منور پر پڑی تو تکبیر بلند کی اور خلوت و تنہائی میں خفیہ طور پر بہت سی باتیں ہدایت فرمائیں۔ جب اس خلوت و تنہائی کا زمانہ مٹوئل ہو گیا سو حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ صحابہ کہنے لگے کہ عجب ہے کہ دور دراز کی باتیں اپنے چچا کے فرزند سے فرماتے ہیں اور دوسروں سے نہیں کہتے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اِنَّ جَيْشَهُ وَلَسِكُنَّ اللّٰهَ اَنْجَحًا میں ان کے ساتھ راز کی باتیں نہیں کرتا بلکہ اللہ تعالیٰ ان کے ساتھ راز کی باتیں کرتا ہے۔ مطلب یہ کہ میں از خود ان سے راز کی باتیں نہیں کرتا بلکہ اللہ تعالیٰ مجھے حکم دیتا ہے تو ان سے راز کی باتیں کرتا ہوں۔

جب محاصرہ کو پندرہ سولہ دن ایک روایت میں ہے کہ چالیس روز گزر گئے تو کوچ کرنے کا حکم صادر فرمایا اور حکم فرمایا کہ قلعہ کے فتح کرنے کے پابند نہ بنو۔ یہاں سے منتقل ہو جاؤ۔ یہ امر صحابہ پر شاق گزرا اور کہنے لگے تعجب ہے کہ ہم کوچ کر جائیں اور ہم پر طائف مفتوح نہ ہو یہ کیا صورت ہوئی۔ اس پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی توجہ و سرزنش کے لیے فرمایا اگر تم چاہتے ہو تو جنگ کر کے دیکھ لو۔ یہاں تک کہ تمہیں فتح حاصل ہو جائے دوسرے دن انہوں نے جنگ کی اور بہت زیادہ زخمی ہوئے۔ وہ پشیمان اور شرمندہ ہوئے اور حکم بجالانے پر آمادہ ہو گئے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اِنَّا قَافِلُونَ غَدًا اِنْ شَاءَ اللّٰهُ تَعَالٰی۔ ہم انشاء اللہ کل یہاں سے

تَابِعُونَ عَابِدُونَ لِرَبِّنَا حَامِدُونَ صَدَقَ اللَّهُ وَحْدَهُ وَنَصَرَ عَبْدَهُ وَهَزَمَ الْأَحْزَابَ وَحْدَهُ اس وقت ”ہزم الاحزاب وحدہ“ پڑھ کر ان تمام اسباب کی کئی کی طرف اشارہ فرماتے اور حقیقت بھی یہی ہے اس لیے کہ انسان اور اس کے تمام افعال حق تعالیٰ کے ہی پیدا کردہ ہیں۔ سب اسی کی مخلوق ہے وہی تدبیر بناتا اعانت فرماتا اور جس طرح اس کی مشیت ہوتی امور کو جاری فرماتا ہے اور اپنی مخلوق میں

تبارک وتعالیٰ چاہے تو کفار کو بغیر جنگ و قتال کے ہلاک فرما دے چنانچہ ارشاد باری ہے: وَلَوْ يَشَاءُ اللَّهُ لَنتَصَّرَ مِنْهُمْ وَلَكِنْ لِيَبْلُوَا بَعْضَكُمْ بِبَعْضٍ اِذَا لَلَّهِ جَاهِدُوا تَوْانِ كِي مدد نہ کرتا لیکن وہ ایک کو دوسرے کے ساتھ آزمانا چاہتا ہے تو وہ صبر و شکر کرنے والوں کو اجر و ثواب عنایت فرماتا ہے: لَنَبْلُوَنَّكُمْ حَتَّى نَعْلَمَ الْمُجَاهِدِينَ مِنْكُمْ وَالصَّابِرِينَ وَنَبْلُوَا أَخْبَارَكُمْ للہذا ہر مکلف پر واجب ہے کہ دونوں حالتوں میں اللہ تعالیٰ کے حکم کی فرمانبرداری کرے سامان و اسباب کے مہیا کرنے میں بھی اور اس کی طرف رجوع و التجا کرنے میں بھی۔ جس طرح کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کرتے تھے کہ پہلے مقام ربوبیت کی ادب اور تشریح امت کے لیے اسباب فراہم کرتے پھر حق تعالیٰ کی جانب رجوع ہوتے اور معاملہ اس کے سپرد فرما دیتے اور حق تبارک وتعالیٰ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے اسباب فراہم کرتے تھے۔

لوگوں کو مثلاً علاء بن جاریہ ثقفی، مخرومہ بن نوفل، سعید رضی اللہ عنہ بن بوع، عثمان رضی اللہ عنہ بن نوفل، ہشام رضی اللہ عنہ بن عمرو عامری وغیرہ کو پچاس پچاس اونٹ دیے۔ علماء کا اس میں اختلاف ہے کہ یہ عطا مجموعہ غنائم میں سے مرحمت فرمائے یا خمس میں سے ایک جماعت کا خیال ہے کہ خمس میں سے تھے۔ ایک جماعت کہتی ہے کہ مجموعہ غنائم میں سے تھے۔ یہ قول راجح تر ہے۔

خلاصہ کلام یہ کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام اموال و نقود کو لشکر اسلام اور اہل مکہ وغیرہ پر صرف فرمایا اور انہیں خوش کیا کچھ وہ لوگ جو ایمان نہیں لائے تھے ایمان لے آئے اور وہ لوگ جو ضعیف الایمان تھے حصول رضا و خوشنودی کے سبب ان میں تقویت پیدا ہوئی۔

ارباب سیر کہتے ہیں کہ اسی دوران ایک گھائی سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا گزر ہوا صفوان رضی اللہ عنہ بن امیہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھا تو گھائی بکریوں اور مویشیوں سے بھری ہوئی تھی صفوان رضی اللہ عنہ کا لی عنہ گھور گھور کر انہیں دیکھتا تھا اور اس کی نظر بہ آتھ جہز اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نگاہ چشمہ سار اکفہ۔۔۔ کو ما حظ فرما اور کہا ”کہا۔۔۔ تھے اچھے معلوم ہوتے ہیں؟“ اس نے

میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ شاعر نہیں ہیں اور نہ آپ کے لیے شعر گوئی سزاوار ہے۔ جیسا کہ حق تعالیٰ نے فرمایا: وَمَا عَلَّمْنَاهُ الشِّعْرَ وَمَا يَنْبَغِي لَهُ نَهْمُ نَآءِپْ كُوشَعْرُ سَكْهَآيَا اور نہ یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لائق ہے؛ بعض کہتے ہیں کہ وزن کے ساتھ شعر پڑھنا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے آسان نہ تھا اور آپ موزوں وغیر موزوں میں فرق نہ فرماتے تھے۔ (سبحان اللہ)

غرضیکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر خاص و عام کو انعام و عطایا سے سرفراز فرمایا اور مخلوق کے ظاہر و باطن کو محفوظ و معمر فرمایا۔ خصوصاً اہل مکہ کو جو مولفۃ القلوب وغیرہ میں سے ہیں حد و شمار سے زیادہ نواز اور وہ انصار جو بارگاہ یکس پناہ کے مخلصوں اور مخصوصوں میں سے تھے ان کو منزہ مبرا، معاف اور محروم رکھا۔ اہل مکہ کی مانند ان پر داد و دہش نہ فرمائی۔ اہل سیر کہتے ہیں۔ اس سلسلہ میں انصار اندوہ گین ہوئے کہ وہ قریش جنہیں حسد و نفاق کی بوا بھی بس رہی ہے اور مخلص نہیں ہیں اور دیگر وہ قبائل عرب جنہوں نے راہ خدا میں کوئی محنت و مشقت نہیں اٹھائی ہے انہیں تو مالامال کر دیا گیا ہے اور ہمیں محروم رکھا گیا ہے حالانکہ کافروں کا خون ہماری تمواروں سے ابھی خشک بھی نہیں ہوا ہے۔ انصار کی یہ چہ میگوئیاں جب سمع مبارک تک پہنچیں تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی کو بھیج کر انہیں بلایا اور جس خیمہ میں آپ تشریف فرما تھے اس میں انہیں بٹھایا اس وقت انصار کے سوا کسی کو اجازت نہ تھی کہ خیمہ میں داخل ہو۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ ”اے گروہ انصار! یہ کیسی باتیں میں تمہاری طرف سے سن رہا ہوں کیا تم نے ایسا کہا ہے یا نہیں؟“ وہ عرض کرنے لگے ”یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! حاشا وکلا جو ہمارے اکابر و رؤسا میں سے کسی نے ایسا کہا ہو۔ البتہ ہم نوجوانوں اور نئے چاہنے والوں کا ذمہ نہیں لیتے ممکن ہے کہ انہوں نے ایسی بات زبان سے نکالی ہو۔ اس پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ”سوچو تو بھلا کیا میں نے تم کو کافرو گراہ نہیں پایا تھا پھر حق تعالیٰ نے تمہیں راہِ راست دکھا کر ایمان کی دولت سے سرفراز فرمایا اور ایمان ایسی دولت ہے جو اس داد و ہش اور بخششوں سے اعظم و اجل ہے۔ اس سے پہلے کیا میں نے تمہارے اندر ایک دوسرے کے ساتھ دشمنی و عداوت نہیں پائی تھی پھر حق تعالیٰ نے تمہارے دلوں میں باہمی الفت و محبت پیدا فرمائی“ واقعہ یہ ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے تشریف لانے سے پہلے باہمی تنازعات اور خونریزیاں از حد تھیں اور قبیلہ اوس و خزرج دونوں ایک دوسرے سے لڑتے جھگڑتے رہتے تھے۔ یہاں تک کہ ان کے درمیان ایک سو بیس سال سے جنگ جاری تھی۔ جیسا کہ حق تعالیٰ نے فرمایا:

وَقَدْ جَاءَكَ يُسُودُ لُؤْلُؤُا۟ مِنْ دُفَىٰ يَدَيْكَ ذَرِّبْهُ نَضْلًا ذَرِّبْهُ لِيُكَلِّفَ لَكَ الْمَلَّةَ لَوْلَا ظَنُّكَ لِلْعَالَمِ لَذَرَكَ لَوُا۟ غَدِرًا

صلی اللہ علیہ وسلم کی پرواہ نہ کرتا تھا اور نہ کوئی آپ کی مدد کرتا تھا ہم نے آپ کی نصرت و اعانت کی۔ آپ باہر آئے ہوئے اور نکالے ہوئے تھے ہم نے اپنے گھروں میں جگہ دی۔ آپ بے زر و مال تھے تو ہم نے انس و محبت اور جوانمردی و خدمت کی۔ آپ خائف تھے ہم نے آپ کو بے غم و بے فکر کیا۔ جب یہ باتیں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے بطریق انصاف و تواضع اور شکرگزاری میں سنیں تو انصار عرض کرنے لگے۔ ”نہیں نہیں بلکہ خدا اور اس کے رسول کا ہم پر احسان ہے۔ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! اگر آپ کا وجود گرامی ہم میں نہ ہوتا تو ہمارے اور دوسروں کے درمیان کیا فرق تھا۔ آپ کے وجود گرامی کی بدولت ہی تو ہم مشرف، معزز، ممتاز اور منفرد ہوئے اور دنیا و آخرت میں انشاء اللہ معزز و مکرم ہوں گے۔ ہم کیا ہیں اور ہم کون ہیں۔ سب کچھ آپ کی بدولت اور آپ کے طفیل میں ہے۔ ہم خدا اور اس کے رسول سے خوش و راضی ہیں ہم آپ نظر کرم کے محتاج ہیں ہم آپ کی متابعت کے خواستگار ہیں نہ کہ دنیاوی ساز و سامان کے۔ مصرعہ

چوں تو داریم بمعنی ہمہ داریم ہمہ

انصار کے اکابر بزرگ حضرات رونے لگے اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دست اقدس اور زانوئے مبارک کے بوسہ سے سرفراز ہوئے۔ اس کے بعد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی تسلی کے لیے اور قریش کے ساتھ دیناوی عطا و نعم کی تخصیص کا سبب بیان کرنے کے لیے فرمایا کہ قریش جاہلیت سے قریب العہد ہیں اور ان کو بہت مصیبتیں پہنچی ہیں میں نے چاہا کہ اس مال و عطا کے ذریعہ ان کی مصیبتوں کی تلافی کر دوں اور ان کے دلوں کو ایمان و اسلام کی طرف مائل کر دوں اور فرمایا جعیل بن سراقہ ضمری جو فقرائے اصحاب صفہ میں سے ہیں اور ہمارے اکثر غزوات میں ہمراہ رہے ہیں انکو بھی ان غنائم سے کچھ نہیں دیا ہے اور عینہ و اقرع کو سوسو اونٹ دیئے اس لیے کہ جعیل کے ایمان و اخلاص پر میں اعتماد رکھتا ہوں“ اور فرمایا ”اے گروہ انصار کیا تم اس سے راضی نہیں کہ اور لوگ تو اونٹ و بکریاں لے کر اپنے گھروں کو جائیں اور تم خدا اور رسول خدا کے ساتھ گھروں کو واپس ہو؟ خدا کی قسم جس شان کے ساتھ تم گھروں کو لوٹو گے وہ ان لوگوں سے بہتر ہے جو اونٹ و بکریاں لے کر جائیں گے“ اور فرمایا اے انصار! تم غصہ میں نہ آؤ میں نے مال مولفۃ القلوب کو دیا ہے اور تم کو ان میں سے شمار نہیں کرتا اور تمہارے کمال اخلاص پر مکمل اعتماد رکھتا ہوں“ فرمایا اگر لوگ وادی اور کھائیوں میں چلیں گے تو میں انصار کی وادی اور کھائیوں میں چلوں گا۔ یہ لوگ وثار یعنی ظاہری لباس میں ہیں اور انصاری شعار یعنی اندرونی لباس میں ہیں۔ جو جسم کے ساتھ ملا ہوا ہوتا ہے۔

ایک روایت میں ہے کہ انصار میرے کرش اور عیبت ہیں کرش بفتح کاف و سکون را بمعنی معذہ عمیال اور اولاد صغار کے ہیں اور عیبت بفتح عین مہملہ و سکون یا بمعنی چمڑے کی زنبیل یعنی صندوق جس میں کپڑے محفوظ کیے جاتے ہیں جسے بغیر بھی کہتے ہیں۔ مطلب یہ کہ بغیر اور صندوق میں جس طرح سامان اور کپڑے محفوظ رہتے ہیں اور اسی طرح ان کے دل اور سینوں میں اسرار و انوار محفوظ رہتے ہیں اور فرمایا ”اے انصار! میں حیات و ممات ہر حالت میں تمہارے ساتھ ہوں۔ اس کے بعد انہیں ایک قسم کی دنیاوی بشارت بھی دی اور فرمایا کہ میں چاہتا ہوں کہ میں ایک دستاویز لکھ دوں کہ میرے بعد بحرین خاص تمہارے لیے ہو۔ جو بہترین مقام ہے اور مجھے اس کی فتح سے مخصوص و محفوظ کیا گیا۔ انصار گریہ و زاری کرتے ہوئے عرض کرنے لگے۔ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! آپ کے بعد ہمیں اس کی حاجت نہیں ہے اور دنیاوی مال و متاع کی ضرورت نہیں ہے اور وہ دن نہ ہو کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا سایہ عنایت ہمارے سروں سے گم ہو جائے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ”جان دینے اور اس جہان سے جانے کے بغیر کوئی چارہ نہیں ہے۔ میرے بعد تمہیں بہت سے کام کرنے ہوں گے تم صبر کرنا اور تقویٰ اختیار کرنا۔ تاکہ بغیر پشیمانی اور بغیر شرمساری کے خدا اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے جا کے ملو اور وعدہ کیا گیا ہے کہ تمہارے ساتھ میری ملاقات حوض کوثر پہ ہوگی۔ جس کا طول و عرض صنعا اور عمان کے برابر ہے اور اس کے جام و پیالے

آسمان کے ستاروں سے زیادہ ہیں۔ اس کے بعد انصار نے شکر الہی ادا کیا کہ وہ مال پر فریفتہ نہ ہوئے اور خدا اور رسول سے دور نہ ہٹے اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خاص عنایتوں کے ساتھ مخصوص ہوئے (الحمد للہ)

جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جعراندہ میں اموال و بردے تقسیم فرما چکے تو ہوازن کی ایک جماعت حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہو کر اسلام سے شرف ہوئی اور انہوں نے اپنی بقیہ قوم کے اسلام لانے کی خبر پہنچائی۔ ان میں ابو براقان بھی شامل تھا جو کہ سیدہ حلیمہ سعدیہ کی نسبت سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا رضاعی چچا ہوتا تھا اور زبیر بن سمر بھی تھا وہ کہنے لگے ”یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! ہم پر جو بلا و مشقت پڑی ہے وہ آپ سے مخفی نہیں ہے۔ اب ہم پر احسان و کرم فرمائیے جس طرح کہ حق تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر منت و رحمت فرمائی ہے ہم آپ سے آرزو رکھتے ہیں کہ ہمارے اموال و بردے ہمیں واپس فرمادیں؟ اس لیے کہ ان بردوں اور قیدیوں میں آپ کی وہ رضاعی پھپھیاں، خالائیں اور ان کے اقرباء بھی ہیں۔ جنہوں نے آپ کی عالم طفلی و شیر خوارگی میں کفایت و نگہداشت کی اور خدمت کی ہے؟“ اس پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ”میں تو غنائم کو تقسیم کر چکا اور میں اس انتظار میں رہا کہ تم آؤ اور اس بارے میں گفتگو کرو مگر تم نے دیر کی اور نہیں آئے اب میں کیا کر سکتا ہوں۔ میرے ساتھ لوگوں کی جماعت ہے جیسا کہ تم دیکھ رہے ہو سب سے محبوب بات میرے نزدیک یہ ہے کہ بچ بولا جائے لہذا تمام اموال و بردے تو مستعد رد شواریں۔ البتہ تم اموال یا بردوں میں سے کسی ایک کو پسند کرو جو بھی تمہیں پسند ہو“۔ انہوں نے کہا ”اہل و عیال کو چھوڑ کر اونٹ، بکریوں اور نقدیوں کی کیا بات کریں۔ ظاہر ہے کہ ہم بردوں اور قیدیوں کو پسند کرتے ہیں“۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ”جس قدر بنی ہاشم کے نصیب و حصے میں ہیں (ایک روایت میں ہے کہ بنی عبدالمطلب کے پاس ہیں) ہم تمہیں واپس کرتے ہیں اور تمہاری خاطر سے دیگر لوگوں سے بھی کہوں گا کہ وہ اپنے حصے سے دستبردار ہو جائیں۔ اس کی صورت یہ ہے کہ جب ظہر کی نماز ہو تو تم کھڑے ہو جانا اور مجھے مسلمانوں کے لیے شفیع بنانا اور کہنا کہ ہمارے بچے اور عورتیں ہمیں واپس کر دیں۔ اس کے بعد میں بھی مسلمانوں سے تمہارے لیے سفارش کروں گا“۔ ہوازن کے لوگوں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کے بموجب عمل کیا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم مجمع اصحاب میں کھڑے ہوئے اور بعد حمد و ثناء باری تعالیٰ کے جیسا کہ ذات حق لائق و سزاوار ہے فرمایا کہ ”اے مسلمانو! تمہارے بھائی ہوازن مسلمان ہو گئے ہیں اور میرے حضور صلی اللہ علیہ وسلم عرض لے کر آئے ہیں اور یہ طے پایا ہے کہ ان کے قیدیوں کو تم سے لے کر انہیں لوٹا دیں اب یہ تمہاری مرضی پر ہے کہ بطیب خاطر اپنے حصوں سے دستبردار ہو یا نہ ہو۔ کسی پر جبر نہیں ہے اس کے بدلے اور عوض میں سب سے پہلے جو مال خمس حاصل ہوگا۔

۱۔ ۲۔ ۳۔ ۴۔ ۵۔ ۶۔ ۷۔ ۸۔ ۹۔ ۱۰۔ ۱۱۔ ۱۲۔ ۱۳۔ ۱۴۔ ۱۵۔ ۱۶۔ ۱۷۔ ۱۸۔ ۱۹۔ ۲۰۔ ۲۱۔ ۲۲۔ ۲۳۔ ۲۴۔ ۲۵۔ ۲۶۔ ۲۷۔ ۲۸۔ ۲۹۔ ۳۰۔ ۳۱۔ ۳۲۔ ۳۳۔ ۳۴۔ ۳۵۔ ۳۶۔ ۳۷۔ ۳۸۔ ۳۹۔ ۴۰۔ ۴۱۔ ۴۲۔ ۴۳۔ ۴۴۔ ۴۵۔ ۴۶۔ ۴۷۔ ۴۸۔ ۴۹۔ ۵۰۔ ۵۱۔ ۵۲۔ ۵۳۔ ۵۴۔ ۵۵۔ ۵۶۔ ۵۷۔ ۵۸۔ ۵۹۔ ۶۰۔ ۶۱۔ ۶۲۔ ۶۳۔ ۶۴۔ ۶۵۔ ۶۶۔ ۶۷۔ ۶۸۔ ۶۹۔ ۷۰۔ ۷۱۔ ۷۲۔ ۷۳۔ ۷۴۔ ۷۵۔ ۷۶۔ ۷۷۔ ۷۸۔ ۷۹۔ ۸۰۔ ۸۱۔ ۸۲۔ ۸۳۔ ۸۴۔ ۸۵۔ ۸۶۔ ۸۷۔ ۸۸۔ ۸۹۔ ۹۰۔ ۹۱۔ ۹۲۔ ۹۳۔ ۹۴۔ ۹۵۔ ۹۶۔ ۹۷۔ ۹۸۔ ۹۹۔ ۱۰۰۔ ۱۰۱۔ ۱۰۲۔ ۱۰۳۔ ۱۰۴۔ ۱۰۵۔ ۱۰۶۔ ۱۰۷۔ ۱۰۸۔ ۱۰۹۔ ۱۱۰۔ ۱۱۱۔ ۱۱۲۔ ۱۱۳۔ ۱۱۴۔ ۱۱۵۔ ۱۱۶۔ ۱۱۷۔ ۱۱۸۔ ۱۱۹۔ ۱۲۰۔ ۱۲۱۔ ۱۲۲۔ ۱۲۳۔ ۱۲۴۔ ۱۲۵۔ ۱۲۶۔ ۱۲۷۔ ۱۲۸۔ ۱۲۹۔ ۱۳۰۔ ۱۳۱۔ ۱۳۲۔ ۱۳۳۔ ۱۳۴۔ ۱۳۵۔ ۱۳۶۔ ۱۳۷۔ ۱۳۸۔ ۱۳۹۔ ۱۴۰۔ ۱۴۱۔ ۱۴۲۔ ۱۴۳۔ ۱۴۴۔ ۱۴۵۔ ۱۴۶۔ ۱۴۷۔ ۱۴۸۔ ۱۴۹۔ ۱۵۰۔ ۱۵۱۔ ۱۵۲۔ ۱۵۳۔ ۱۵۴۔ ۱۵۵۔ ۱۵۶۔ ۱۵۷۔ ۱۵۸۔ ۱۵۹۔ ۱۶۰۔ ۱۶۱۔ ۱۶۲۔ ۱۶۳۔ ۱۶۴۔ ۱۶۵۔ ۱۶۶۔ ۱۶۷۔ ۱۶۸۔ ۱۶۹۔ ۱۷۰۔ ۱۷۱۔ ۱۷۲۔ ۱۷۳۔ ۱۷۴۔ ۱۷۵۔ ۱۷۶۔ ۱۷۷۔ ۱۷۸۔ ۱۷۹۔ ۱۸۰۔ ۱۸۱۔ ۱۸۲۔ ۱۸۳۔ ۱۸۴۔ ۱۸۵۔ ۱۸۶۔ ۱۸۷۔ ۱۸۸۔ ۱۸۹۔ ۱۹۰۔ ۱۹۱۔ ۱۹۲۔ ۱۹۳۔ ۱۹۴۔ ۱۹۵۔ ۱۹۶۔ ۱۹۷۔ ۱۹۸۔ ۱۹۹۔ ۲۰۰۔ ۲۰۱۔ ۲۰۲۔ ۲۰۳۔ ۲۰۴۔ ۲۰۵۔ ۲۰۶۔ ۲۰۷۔ ۲۰۸۔ ۲۰۹۔ ۲۱۰۔ ۲۱۱۔ ۲۱۲۔ ۲۱۳۔ ۲۱۴۔ ۲۱۵۔ ۲۱۶۔ ۲۱۷۔ ۲۱۸۔ ۲۱۹۔ ۲۲۰۔ ۲۲۱۔ ۲۲۲۔ ۲۲۳۔ ۲۲۴۔ ۲۲۵۔ ۲۲۶۔ ۲۲۷۔ ۲۲۸۔ ۲۲۹۔ ۲۳۰۔ ۲۳۱۔ ۲۳۲۔ ۲۳۳۔ ۲۳۴۔ ۲۳۵۔ ۲۳۶۔ ۲۳۷۔ ۲۳۸۔ ۲۳۹۔ ۲۴۰۔ ۲۴۱۔ ۲۴۲۔ ۲۴۳۔ ۲۴۴۔ ۲۴۵۔ ۲۴۶۔ ۲۴۷۔ ۲۴۸۔ ۲۴۹۔ ۲۵۰۔ ۲۵۱۔ ۲۵۲۔ ۲۵۳۔ ۲۵۴۔ ۲۵۵۔ ۲۵۶۔ ۲۵۷۔ ۲۵۸۔ ۲۵۹۔ ۲۶۰۔ ۲۶۱۔ ۲۶۲۔ ۲۶۳۔ ۲۶۴۔ ۲۶۵۔ ۲۶۶۔ ۲۶۷۔ ۲۶۸۔ ۲۶۹۔ ۲۷۰۔ ۲۷۱۔ ۲۷۲۔ ۲۷۳۔ ۲۷۴۔ ۲۷۵۔ ۲۷۶۔ ۲۷۷۔ ۲۷۸۔ ۲۷۹۔ ۲۸۰۔ ۲۸۱۔ ۲۸۲۔ ۲۸۳۔ ۲۸۴۔ ۲۸۵۔ ۲۸۶۔ ۲۸۷۔ ۲۸۸۔ ۲۸۹۔ ۲۹۰۔ ۲۹۱۔ ۲۹۲۔ ۲۹۳۔ ۲۹۴۔ ۲۹۵۔ ۲۹۶۔ ۲۹۷۔ ۲۹۸۔ ۲۹۹۔ ۳۰۰۔ ۳۰۱۔ ۳۰۲۔ ۳۰۳۔ ۳۰۴۔ ۳۰۵۔ ۳۰۶۔ ۳۰۷۔ ۳۰۸۔ ۳۰۹۔ ۳۱۰۔ ۳۱۱۔ ۳۱۲۔ ۳۱۳۔ ۳۱۴۔ ۳۱۵۔ ۳۱۶۔ ۳۱۷۔ ۳۱۸۔ ۳۱۹۔ ۳۲۰۔ ۳۲۱۔ ۳۲۲۔ ۳۲۳۔ ۳۲۴۔ ۳۲۵۔ ۳۲۶۔ ۳۲۷۔ ۳۲۸۔ ۳۲۹۔ ۳۳۰۔ ۳۳۱۔ ۳۳۲۔ ۳۳۳۔ ۳۳۴۔ ۳۳۵۔ ۳۳۶۔ ۳۳۷۔ ۳۳۸۔ ۳۳۹۔ ۳۴۰۔ ۳۴۱۔ ۳۴۲۔ ۳۴۳۔ ۳۴۴۔ ۳۴۵۔ ۳۴۶۔ ۳۴۷۔ ۳۴۸۔ ۳۴۹۔ ۳۵۰۔ ۳۵۱۔ ۳۵۲۔ ۳۵۳۔ ۳۵۴۔ ۳۵۵۔ ۳۵۶۔ ۳۵۷۔ ۳۵۸۔ ۳۵۹۔ ۳۶۰۔ ۳۶۱۔ ۳۶۲۔ ۳۶۳۔ ۳۶۴۔ ۳۶۵۔ ۳۶۶۔ ۳۶۷۔ ۳۶۸۔ ۳۶۹۔ ۳۷۰۔ ۳۷۱۔ ۳۷۲۔ ۳۷۳۔ ۳۷۴۔ ۳۷۵۔ ۳۷۶۔ ۳۷۷۔ ۳۷۸۔ ۳۷۹۔ ۳۸۰۔ ۳۸۱۔ ۳۸۲۔ ۳۸۳۔ ۳۸۴۔ ۳۸۵۔ ۳۸۶۔ ۳۸۷۔ ۳۸۸۔ ۳۸۹۔ ۳۹۰۔ ۳۹۱۔ ۳۹۲۔ ۳۹۳۔ ۳۹۴۔ ۳۹۵۔ ۳۹۶۔ ۳۹۷۔ ۳۹۸۔ ۳۹۹۔ ۴۰۰۔ ۴۰۱۔ ۴۰۲۔ ۴۰۳۔ ۴۰۴۔ ۴۰۵۔ ۴۰۶۔ ۴۰۷۔ ۴۰۸۔ ۴۰۹۔ ۴۱۰۔ ۴۱۱۔ ۴۱۲۔ ۴۱۳۔ ۴۱۴۔ ۴۱۵۔ ۴۱۶۔ ۴۱۷۔ ۴۱۸۔ ۴۱۹۔ ۴۲۰۔ ۴۲۱۔ ۴۲۲۔ ۴۲۳۔ ۴۲۴۔ ۴۲۵۔ ۴۲۶۔ ۴۲۷۔ ۴۲۸۔ ۴۲۹۔ ۴۳۰۔ ۴۳۱۔ ۴۳۲۔ ۴۳۳۔ ۴۳۴۔ ۴۳۵۔ ۴۳۶۔ ۴۳۷۔ ۴۳۸۔ ۴۳۹۔ ۴۴۰۔ ۴۴۱۔ ۴۴۲۔ ۴۴۳۔ ۴۴۴۔ ۴۴۵۔ ۴۴۶۔ ۴۴۷۔ ۴۴۸۔ ۴۴۹۔ ۴۵۰۔ ۴۵۱۔ ۴۵۲۔ ۴۵۳۔ ۴۵۴۔ ۴۵۵۔ ۴۵۶۔ ۴۵۷۔ ۴۵۸۔ ۴۵۹۔ ۴۶۰۔ ۴۶۱۔ ۴۶۲۔ ۴۶۳۔ ۴۶۴۔ ۴۶۵۔ ۴۶۶۔ ۴۶۷۔ ۴۶۸۔ ۴۶۹۔ ۴۷۰۔ ۴۷۱۔ ۴۷۲۔ ۴۷۳۔ ۴۷۴۔ ۴۷۵۔ ۴۷۶۔ ۴۷۷۔ ۴۷۸۔ ۴۷۹۔ ۴۸۰۔ ۴۸۱۔ ۴۸۲۔ ۴۸۳۔ ۴۸۴۔ ۴۸۵۔ ۴۸۶۔ ۴۸۷۔ ۴۸۸۔ ۴۸۹۔ ۴۹۰۔ ۴۹۱۔ ۴۹۲۔ ۴۹۳۔ ۴۹۴۔ ۴۹۵۔ ۴۹۶۔ ۴۹۷۔ ۴۹۸۔ ۴۹۹۔ ۵۰۰۔ ۵۰۱۔ ۵۰۲۔ ۵۰۳۔ ۵۰۴۔ ۵۰۵۔ ۵۰۶۔ ۵۰۷۔ ۵۰۸۔ ۵۰۹۔ ۵۱۰۔ ۵۱۱۔ ۵۱۲۔ ۵۱۳۔ ۵۱۴۔ ۵۱۵۔ ۵۱۶۔ ۵۱۷۔ ۵۱۸۔ ۵۱۹۔ ۵۲۰۔ ۵۲۱۔ ۵۲۲۔ ۵۲۳۔ ۵۲۴۔ ۵۲۵۔ ۵۲۶۔ ۵۲۷۔ ۵۲۸۔ ۵۲۹۔ ۵۳۰۔ ۵۳۱۔ ۵۳۲۔ ۵۳۳۔ ۵۳۴۔ ۵۳۵۔ ۵۳۶۔ ۵۳۷۔ ۵۳۸۔ ۵۳۹۔ ۵۴۰۔ ۵۴۱۔ ۵۴۲۔ ۵۴۳۔ ۵۴۴۔ ۵۴۵۔ ۵۴۶۔ ۵۴۷۔ ۵۴۸۔ ۵۴۹۔ ۵۵۰۔ ۵۵۱۔ ۵۵۲۔ ۵۵۳۔ ۵۵۴۔ ۵۵۵۔ ۵۵۶۔ ۵۵۷۔ ۵۵۸۔ ۵۵۹۔ ۵۶۰۔ ۵۶۱۔ ۵۶۲۔ ۵۶۳۔ ۵۶۴۔ ۵۶۵۔ ۵۶۶۔ ۵۶۷۔ ۵۶۸۔ ۵۶۹۔ ۵۷۰۔ ۵۷۱۔ ۵۷۲۔ ۵۷۳۔ ۵۷۴۔ ۵۷۵۔ ۵۷۶۔ ۵۷۷۔ ۵۷۸۔ ۵۷۹۔ ۵۸۰۔ ۵۸۱۔ ۵۸۲۔ ۵۸۳۔ ۵۸۴۔ ۵۸۵۔ ۵۸۶۔ ۵۸۷۔ ۵۸۸۔ ۵۸۹۔ ۵۹۰۔ ۵۹۱۔ ۵۹۲۔ ۵۹۳۔ ۵۹۴۔ ۵۹۵۔ ۵۹۶۔ ۵۹۷۔ ۵۹۸۔ ۵۹۹۔ ۶۰۰۔ ۶۰۱۔ ۶۰۲۔ ۶۰۳۔ ۶۰۴۔ ۶۰۵۔ ۶۰۶۔ ۶۰۷۔ ۶۰۸۔ ۶۰۹۔ ۶۱۰۔ ۶۱۱۔ ۶۱۲۔ ۶۱۳۔ ۶۱۴۔ ۶۱۵۔ ۶۱۶۔ ۶۱۷۔ ۶۱۸۔ ۶۱۹۔ ۶۲۰۔ ۶۲۱۔ ۶۲۲۔ ۶۲۳۔ ۶۲۴۔ ۶۲۵۔ ۶۲۶۔ ۶۲۷۔ ۶۲۸۔ ۶۲۹۔ ۶۳۰۔ ۶۳۱۔ ۶۳۲۔ ۶۳۳۔ ۶۳۴۔ ۶۳۵۔ ۶۳۶۔ ۶۳۷۔ ۶۳۸۔ ۶۳۹۔ ۶۴۰۔ ۶۴۱۔ ۶۴۲۔ ۶۴۳۔ ۶۴۴۔ ۶۴۵۔ ۶۴۶۔ ۶۴۷۔ ۶۴۸۔ ۶۴۹۔ ۶۵۰۔ ۶۵۱۔ ۶۵۲۔ ۶۵۳۔ ۶۵۴۔ ۶۵۵۔ ۶۵۶۔ ۶۵۷۔ ۶۵۸۔ ۶۵۹۔ ۶۶۰۔ ۶۶۱۔ ۶۶۲۔ ۶۶۳۔ ۶۶۴۔ ۶۶۵۔ ۶۶۶۔ ۶۶۷۔ ۶۶۸۔ ۶۶۹۔ ۶۷۰۔ ۶۷۱۔ ۶۷۲۔ ۶۷۳۔ ۶۷۴۔ ۶۷۵۔ ۶۷۶۔ ۶۷۷۔ ۶۷۸۔ ۶۷۹۔ ۶۸۰۔ ۶۸۱۔ ۶۸۲۔ ۶۸۳۔ ۶۸۴۔ ۶۸۵۔ ۶۸۶۔ ۶۸۷۔ ۶۸۸۔ ۶۸۹۔ ۶۹۰۔ ۶۹۱۔ ۶۹۲۔ ۶۹۳۔ ۶۹۴۔ ۶۹۵۔ ۶۹۶۔ ۶۹۷۔ ۶۹۸۔ ۶۹۹۔ ۷۰۰۔ ۷۰۱۔ ۷۰۲۔ ۷۰۳۔ ۷۰۴۔ ۷۰۵۔ ۷۰۶۔ ۷۰۷۔ ۷۰۸۔ ۷۰۹۔ ۷۱۰۔ ۷۱۱۔ ۷۱۲۔ ۷۱۳۔ ۷۱۴۔ ۷۱۵۔ ۷۱۶۔ ۷۱۷۔ ۷۱۸۔ ۷۱۹۔ ۷۲۰۔ ۷۲۱۔ ۷۲۲۔ ۷۲۳۔ ۷۲۴۔ ۷۲۵۔ ۷۲۶۔ ۷۲۷۔ ۷۲۸۔ ۷۲۹۔ ۷۳۰۔ ۷۳۱۔ ۷۳۲۔ ۷۳۳۔ ۷۳۴۔ ۷۳۵۔ ۷۳۶۔ ۷۳۷۔ ۷۳۸۔ ۷۳۹۔ ۷۴۰۔ ۷۴۱۔ ۷۴۲۔ ۷۴۳۔ ۷۴۴۔ ۷۴۵۔ ۷۴۶۔ ۷۴۷۔ ۷۴۸۔ ۷۴۹۔ ۷۵۰۔ ۷۵۱۔ ۷۵۲۔ ۷۵۳۔ ۷۵۴۔ ۷۵۵۔ ۷۵۶۔ ۷۵۷۔ ۷۵۸۔ ۷۵۹۔ ۷۶۰۔ ۷۶۱۔ ۷۶۲۔ ۷۶۳۔ ۷۶۴۔ ۷۶۵۔ ۷۶۶۔ ۷۶۷۔ ۷۶۸۔ ۷۶۹۔ ۷۷۰۔ ۷۷۱۔ ۷۷۲۔ ۷۷۳۔ ۷۷۴۔ ۷۷۵۔ ۷۷۶۔ ۷۷۷۔ ۷۷۸۔ ۷۷۹۔ ۷۸۰۔ ۷۸۱۔ ۷۸۲۔ ۷۸۳۔ ۷۸۴۔ ۷۸۵۔ ۷۸۶۔ ۷۸۷۔ ۷۸۸۔ ۷۸۹۔ ۷۹۰۔ ۷۹۱۔ ۷۹۲۔ ۷۹۳۔ ۷۹۴۔ ۷۹۵۔ ۷۹۶۔ ۷۹۷۔ ۷۹۸۔ ۷۹۹۔ ۸۰۰۔ ۸۰۱۔ ۸۰۲۔ ۸۰۳۔ ۸۰۴۔ ۸۰۵۔ ۸۰۶۔ ۸۰۷۔ ۸۰۸۔ ۸۰۹۔ ۸۱۰۔ ۸۱۱۔ ۸۱۲۔ ۸۱۳۔ ۸۱۴۔ ۸۱۵۔ ۸۱۶۔ ۸۱۷۔ ۸۱۸۔ ۸۱۹۔ ۸۲۰۔ ۸۲۱۔ ۸۲۲۔ ۸۲۳۔ ۸۲۴۔ ۸۲۵۔ ۸۲۶۔ ۸۲۷۔ ۸۲۸۔ ۸۲۹۔ ۸۳۰۔ ۸۳۱۔ ۸۳۲۔ ۸۳۳۔ ۸۳۴۔ ۸۳۵۔ ۸۳۶۔ ۸۳۷۔ ۸۳۸۔ ۸۳۹۔ ۸۴۰۔ ۸۴۱۔ ۸۴۲۔ ۸۴۳۔ ۸۴۴۔ ۸۴۵۔ ۸۴۶۔ ۸۴۷۔ ۸۴۸۔ ۸۴۹۔ ۸۵۰۔ ۸۵۱۔ ۸۵۲۔ ۸۵۳۔ ۸۵۴۔ ۸۵۵۔ ۸۵۶۔ ۸۵۷۔ ۸۵۸۔ ۸۵۹۔ ۸۶۰۔ ۸۶۱۔ ۸۶۲۔ ۸۶۳۔ ۸۶۴۔ ۸۶۵۔ ۸۶۶۔ ۸۶۷۔ ۸۶۸۔ ۸۶۹۔ ۸۷۰۔ ۸۷۱۔ ۸۷۲۔ ۸۷۳۔ ۸۷۴۔ ۸۷۵۔ ۸۷۶۔ ۸۷۷۔ ۸۷۸۔ ۸۷۹۔ ۸۸۰۔ ۸۸۱۔ ۸۸۲۔ ۸۸۳۔ ۸۸۴۔ ۸۸۵۔ ۸۸۶۔ ۸۸۷۔ ۸۸۸۔ ۸۸۹۔ ۸۹۰۔ ۸۹۱۔ ۸۹۲۔ ۸۹۳۔ ۸۹۴۔ ۸۹۵۔ ۸۹۶۔ ۸۹۷۔ ۸۹۸۔ ۸۹۹۔ ۹۰۰۔ ۹۰۱۔ ۹۰۲۔ ۹۰۳۔ ۹۰۴۔ ۹۰۵۔ ۹۰۶۔ ۹۰۷۔ ۹۰۸۔ ۹۰۹۔ ۹۱۰۔ ۹۱۱۔ ۹۱۲۔ ۹۱۳۔ ۹۱۴۔ ۹۱۵۔ ۹۱۶۔ ۹۱۷۔ ۹۱۸۔ ۹۱۹۔ ۹۲۰۔ ۹۲۱۔ ۹۲۲۔ ۹۲۳۔ ۹۲۴۔ ۹۲۵۔ ۹۲۶۔ ۹۲۷۔ ۹۲۸۔ ۹۲۹۔ ۹۳۰۔ ۹۳۱۔ ۹۳۲۔ ۹۳۳۔ ۹۳۴۔ ۹۳۵۔ ۹۳۶۔ ۹۳۷۔ ۹۳۸۔ ۹۳۹۔ ۹۴۰۔ ۹۴۱۔ ۹۴۲۔ ۹۴۳۔ ۹۴۴۔ ۹۴۵۔ ۹۴۶۔ ۹۴۷۔ ۹۴۸۔ ۹۴۹۔ ۹۵۰۔ ۹۵۱۔ ۹۵۲۔ ۹۵۳۔ ۹۵۴۔ ۹۵۵۔ ۹۵۶۔ ۹۵۷۔ ۹۵۸۔ ۹۵۹۔ ۹۶۰۔ ۹۶۱۔ ۹۶۲۔ ۹۶۳۔ ۹۶۴۔ ۹۶۵۔ ۹۶۶۔ ۹۶۷۔ ۹۶۸۔ ۹۶۹۔ ۹۷۰۔ ۹۷۱۔ ۹۷۲۔ ۹۷۳۔ ۹۷۴۔ ۹۷۵۔ ۹۷۶۔ ۹۷۷۔ ۹۷۸۔ ۹۷۹۔ ۹۸۰۔ ۹۸۱۔ ۹۸۲۔ ۹۸۳۔ ۹۸۴۔ ۹۸۵۔ ۹۸۶۔ ۹۸۷۔ ۹۸۸۔ ۹۸۹۔ ۹۹۰۔ ۹۹۱۔ ۹۹۲۔ ۹۹۳۔ ۹۹۴۔ ۹۹۵۔ ۹۹۶۔ ۹۹۷۔ ۹۹۸۔ ۹۹۹۔ ۱۰۰۰۔ ۱۰۰۱۔ ۱۰۰۲۔ ۱۰۰۳۔ ۱۰۰۴۔ ۱۰۰۵۔ ۱۰۰۶۔ ۱۰۰۷۔ ۱۰۰۸۔ ۱۰۰۹۔ ۱۰۱۰۔ ۱۰۱۱۔ ۱۰۱۲۔ ۱۰۱۳۔ ۱۰۱۴۔ ۱۰۱۵۔ ۱۰۱۶۔ ۱۰۱۷۔ ۱۰۱۸۔ ۱۰۱۹۔ ۱۰۲۰۔ ۱۰۲۱۔ ۱۰۲۲۔ ۱۰۲۳۔ ۱۰۲۴۔ ۱۰۲۵۔ ۱۰۲۶۔ ۱۰۲۷۔ ۱۰۲۸۔ ۱۰۲۹۔ ۱۰۳۰۔ ۱۰۳۱۔ ۱۰۳۲۔ ۱۰۳۳۔ ۱۰۳۴۔ ۱۰۳۵۔ ۱۰۳۶۔ ۱۰۳۷۔ ۱۰۳۸۔ ۱۰۳۹۔ ۱۰۴۰۔ ۱۰۴۱۔ ۱۰۴۲۔ ۱۰۴۳۔ ۱۰۴۴۔ ۱۰۴۵۔ ۱۰۴۶۔ ۱۰۴۷۔ ۱۰۴۸۔ ۱۰۴۹۔ ۱۰۵۰۔ ۱۰۵۱۔ ۱۰۵۲۔ ۱۰۵۳۔ ۱۰۵۴۔ ۱۰۵۵۔ ۱۰۵۶۔ ۱۰۵۷۔ ۱۰۵۸۔ ۱۰۵۹۔ ۱۰۶۰۔ ۱۰۶۱۔ ۱۰۶۲۔ ۱۰۶۳۔ ۱۰۶۴۔ ۱۰۶۵۔ ۱۰۶۶۔ ۱۰۶۷۔ ۱۰۶۸۔ ۱۰۶۹۔ ۱۰۷۰۔ ۱۰۷۱۔ ۱۰۷۲۔ ۱۰۷۳۔ ۱۰۷۴۔ ۱۰۷۵۔ ۱۰۷۶۔ ۱۰۷۷۔ ۱۰۷۸۔ ۱۰۷۹۔ ۱۰۸۰۔ ۱۰۸۱۔ ۱۰۸۲۔ ۱۰۸۳۔ ۱۰۸۴۔ ۱۰۸۵۔ ۱۰۸۶۔ ۱۰۸۷۔ ۱۰۸۸۔ ۱۰۸۹۔ ۱۰۹۰۔ ۱۰۹۱۔ ۱۰۹۲۔ ۱۰۹۳۔ ۱۰۹۴۔ ۱۰۹۵۔ ۱۰۹۶۔ ۱۰۹۷۔ ۱۰۹۸۔ ۱۰۹۹۔ ۱۱۰۰۔ ۱۱۰۱۔ ۱۱۰۲۔ ۱۱۰۳۔ ۱۱۰۴۔ ۱۱۰۵۔ ۱۱۰۶۔ ۱۱۰۷۔ ۱۱۰۸۔ ۱۱۰۹۔ ۱۱۱۰۔ ۱۱۱۱۔ ۱۱۱۲۔ ۱۱۱۳۔ ۱۱۱۴۔ ۱۱۱۵۔ ۱۱۱۶۔ ۱۱۱۷۔ ۱۱۱۸۔ ۱۱۱۹۔ ۱۱۲۰۔ ۱۱۲۱۔ ۱۱۲۲۔ ۱۱۲۳۔ ۱۱۲۴۔ ۱۱۲۵۔ ۱۱۲۶۔ ۱۱۲۷۔ ۱۱۲۸۔ ۱۱۲۹۔ ۱۱۳۰۔ ۱۱۳۱۔ ۱۱۳۲۔ ۱۱۳۳۔ ۱۱۳۴۔ ۱۱۳۵۔ ۱۱۳۶۔ ۱۱۳۷۔ ۱۱۳۸۔ ۱۱۳۹۔ ۱۱۴۰۔ ۱۱۴۱۔ ۱۱۴۲۔ ۱۱۴۳۔ ۱۱۴۴۔ ۱۱۴۵۔ ۱۱۴۶۔ ۱۱۴۷۔ ۱۱۴۸۔ ۱۱۴۹۔ ۱۱۵۰۔ ۱۱۵۱۔ ۱۱۵۲۔ ۱۱۵۳۔ ۱۱۵۴۔ ۱۱۵۵۔ ۱۱۵۶۔ ۱۱۵۷۔ ۱۱۵۸۔ ۱۱۵۹۔ ۱۱۶۰۔ ۱۱۶۱۔ ۱۱۶۲۔ ۱۱۶۳۔ ۱۱۶۴۔ ۱۱۶۵۔ ۱۱۶۶۔ ۱۱۶۷۔ ۱۱۶۸۔ ۱۱۶۹۔ ۱۱۷۰۔ ۱۱۷۱۔ ۱۱۷۲۔ ۱۱۷۳۔ ۱۱۷۴۔ ۱۱۷۵۔ ۱۱۷۶۔ ۱۱۷۷۔ ۱۱۷۸۔ ۱۱۷۹۔ ۱۱۸۰۔ ۱۱۸۱۔ ۱۱۸۲۔ ۱۱۸۳۔ ۱۱۸۴۔ ۱۱۸۵۔ ۱۱۸۶۔ ۱۱۸۷۔ ۱۱۸۸۔ ۱۱۸۹۔ ۱۱۹۰۔ ۱۱۹۱۔ ۱۱۹۲۔ ۱۱۹۳۔ ۱۱۹۴۔ ۱۱۹۵۔ ۱۱۹۶۔ ۱۱۹۷۔ ۱۱۹۸۔ ۱۱۹۹۔ ۱۲۰۰۔ ۱۲۰۱۔ ۱۲۰۲۔ ۱۲۰۳۔ ۱۲۰۴۔ ۱۲۰۵۔ ۱۲۰۶۔ ۱۲۰۷۔ ۱۲۰۸۔ ۱۲۰۹۔ ۱۲۱۰۔ ۱۲۱۱۔ ۱۲۱۲۔ ۱۲۱۳۔ ۱۲۱۴۔ ۱۲۱۵۔ ۱۲۱۶۔ ۱۲۱۷۔ ۱۲۱۸۔ ۱۲۱۹۔ ۱۲۲۰۔ ۱۲۲۱۔ ۱۲۲۲۔ ۱۲۲۳۔ ۱۲۲۴۔ ۱۲۲۵۔ ۱۲۲۶۔ ۱۲۲۷۔ ۱۲۲۸۔ ۱۲۲۹۔ ۱۲۳۰۔ ۱۲۳۱۔ ۱۲۳۲۔ ۱۲۳۳۔ ۱۲۳۴۔ ۱۲۳۵۔ ۱۲۳۶۔ ۱۲۳۷۔ ۱۲۳۸۔ ۱۲۳۹۔ ۱۲۴۰۔ ۱۲۴۱۔ ۱۲۴۲۔ ۱۲۴۳۔ ۱۲۴۴۔ ۱۲۴۵۔ ۱۲۴۶۔ ۱۲۴۷۔ ۱۲۴۸۔ ۱۲۴۹۔ ۱۲۵۰۔ ۱۲۵۱۔ ۱۲۵۲۔ ۱۲۵۳۔ ۱۲۵۴۔ ۱۲۵۵۔ ۱۲۵۶۔ ۱۲۵۷۔ ۱۲۵۸۔ ۱۲۵۹۔ ۱۲۶۰۔ ۱۲۶۱۔ ۱۲۶۲۔ ۱۲۶۳۔ ۱۲۶۴۔ ۱۲۶۵۔ ۱۲۶۶۔ ۱۲۶۷۔ ۱۲۶۸۔ ۱۲۶۹۔ ۱۲۷۰۔ ۱۲۷۱۔ ۱۲۷۲۔ ۱۲۷۳۔ ۱۲۷۴۔ ۱۲۷۵۔ ۱۲۷۶۔ ۱۲۷۷۔ ۱۲۷۸۔ ۱۲۷۹۔ ۱۲۸۰۔ ۱۲۸۱۔ ۱۲۸۲۔ ۱۲۸۳۔ ۱۲۸۴۔ ۱۲۸۵۔ ۱۲۸۶۔ ۱۲۸۷۔ ۱۲۸۸۔ ۱۲۸۹۔ ۱۲۹۰۔ ۱۲۹۱۔ ۱۲۹۲۔ ۱۲۹۳۔ ۱۲۹۴۔ ۱۲۹۵۔ ۱۲۹۶۔ ۱۲۹۷۔ ۱۲۹۸۔ ۱۲۹۹۔ ۱۳۰۰۔ ۱۳۰۱۔ ۱۳۰۲۔ ۱۳۰۳۔ ۱۳۰۴۔ ۱۳۰۵۔ ۱۳۰۶۔ ۱۳۰۷۔ ۱۳۰۸۔ ۱۳۰۹۔ ۱۳۱۰۔ ۱۳۱۱۔ ۱۳۱۲۔ ۱۳۱۳۔ ۱۳۱۴۔ ۱۳۱۵۔ ۱۳۱۶۔ ۱۳۱۷۔ ۱۳۱۸۔ ۱۳۱۹۔ ۱۳۲۰۔ ۱۳۲۱۔ ۱۳۲۲۔ ۱۳۲۳۔ ۱۳۲۴۔ ۱۳۲۵۔ ۱۳۲۶۔ ۱۳۲۷۔ ۱۳۲۸۔ ۱۳۲۹۔ ۱۳۳۰۔ ۱۳۳۱۔ ۱۳۳۲۔ ۱۳۳۳۔ ۱۳۳۴۔ ۱۳۳۵۔ ۱۳۳۶۔ ۱۳۳۷۔ ۱۳۳۸۔ ۱۳۳۹۔ ۱۳۴۰۔ ۱۳۴۱۔ ۱۳۴۲۔ ۱۳۴۳۔ ۱۳۴۴۔ ۱۳۴۵۔ ۱۳۴۶۔ ۱۳۴۷۔ ۱۳۴۸۔ ۱۳۴۹۔ ۱۳۵۰۔

بھی راضی نہیں ہیں۔“ بنی سلیم نے اس کو جھٹلادیا اور وہ کہنے لگے ”جو کچھ ہمارے پاس ہے وہ سب رسول خدا کا ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس کے مالک و مختار ہیں۔ جس کو چاہیں عنایت فرمائیں۔“

اس کے بعد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا ”جو کوئی راضی نہیں ہے وہ اپنے برہوں اور اسیروں کو لوٹا دے۔ میں اسے سب سے پہلی غنیمت میں سے جو حق تعالیٰ عنایت فرمائے گا ایک برہہ کے عوض چھ اونٹ دوں گا۔“ مذکورہ جماعت کے لوگ چونکہ عرب کے جفا شعار اور ان میں سخت ترین لوگ اور ان مولفۃ القلوب میں سے تھے جن کے سینوں سے ابھی تک جاہلیت کی ظلمت و شدت دور نہ ہوئی تھی اور تہذیب اخلاق سے آراستہ نہ ہوئے تھے خصوصاً عینہ بن حصن تو انتہائی شدت و خشونت اور فسادت رکھتا تھا جیسا کہ احادیث مذکورہ میں وارد ہوا ہے ممکن ہے کہ اسلام کے صفات حسنہ سے متصف ہو گئے ہوں (واللہ اعلم)

بہر حال جب لوگوں نے دیکھا کہ ان اسیروں کے بارے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم اتنا اہتمام فرما رہے ہیں تو ہوازن کے تمام قیدیوں کو آ زاد کر کے انہیں واپس کر دیا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی طرف سے بھی ان اسیروں کو کپڑے، خلعت اور عطیات مرحمت فرمائے۔ بعد ازاں ہوازن سے پوچھا کہ مالک بن عوف جوان کا رئیس تھا اور جس نے معرکہ جنگ و جدال گرم کیا تھا کہاں ہے، انہوں نے کہا ”وہ طائف میں ہے۔“ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ”اگر وہ آ کر مسلمان ہو جائے تو اس کے اہل و عیال اور اس کے موسیقی و اموال کے علاوہ سوا اونٹ مزید میں اسے عنایت فرماؤں گا۔“ جب یہ بات مالک کو معلوم ہوئی تو وہ خوش ہوا پھر وہ بھی حعرانہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہو کر مسلمان ہو گیا اور اپنے اہل و عیال اور وعدہ کے مطابق اونٹ اس نے حاصل کیے۔ اس وقت اس نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مدح میں چند اشعار کہے جن میں سے چند یہ ہیں۔

بَايَعْتُكَ يَا مُحَمَّدُ عَلَى مَا بَيْنَ يَدَيْهِ فَاِنْ نَسَا كَلِمَةً بِمِثْلٍ مُّحَمَّدٍ

وَقَسِي وَأَعْطَى لِلْجَزِيلِ إِذَا اعْتَدَى وَلَمَنْ تَشَاءُ يُجْزَلُ عَمَّا فِي غَدٍ
حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے مولفۃ القلوب میں شامل کر کے اس کی قوم پر اور دیگر قبائل پر جو اسلام سے مشرف ہو چکے تھے امیر بنایا۔ اس نے ان قبائل کی مدد سے گروہ ثقیف سے مقاتلہ کیا یہاں تک کہ وہ بھی مسلمان ہو گئے۔
جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم تقسیم غنائم اور یہاں کے معاملات سے فارغ ہو گئے تو مدینہ طیبہ کی طرف مراجعت فرمانے کا عزم کیا بدھ کی رات کو جبکہ ماہ ذیقعدہ کی بارہ راتیں باقی تھیں جعفرانہ کے مقام میں عمرہ کا احرام باندھا اور مکہ مکرمہ تشریف لائے اور عمرہ ادا کر کے واپس لوٹا گئے۔

اہل سیر کہتے ہیں کہ نماز عشاء صحابہ کے ساتھ پڑھ کر سوار ہوئے اور نماز فجر بھی انہیں کے ساتھ پڑھی گویا راتوں رات آنا جانا ہوا۔ بہت سہل و آسان تھا کہ اس کا آخر تک نہ ہوئی۔ چونکہ مقام جعرانہ مکہ معظمہ سے ایک منزل کے فاصلہ پر ہے۔ چنانچہ دن کے آخری حصہ میں

سوار ہو کر تشریف لے گئے اور رات کے آخری حصہ میں واپس تشریف لے آئے جیسا کہ ان شہروں میں عام سفر کا رواج ہے اس کو ہستان میں ایک کنواں ہے جو بہت چھوٹا اس طشت کی مانند ہے جس میں آٹا گوند ہتے ہیں۔ اس کنوئیں کا پانی نہایت شیریں اور ٹھنڈا ہے ممکن ہے کہ لشکر اسلام نے اپنی اقامت کے دوران اسے کھودا ہو یا یونہی بارش کے سیلاب سے ایک گڑھا سا بن گیا ہو (واللہ اعلم)

سے مشرف ہونے کے خیال سے سویا لیکن وہ قابلیت و طالع کہاں! کہ اس سعادت سے بہرہ مند ہوتا (وَاللّٰهُ عَلٰی كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ) اس کے بعد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ طیبہ تشریف لے جانے کا قصد فرمایا اور حضرت عتاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ بن اسیدہ موسیٰ بن ابوالعیص بن اُمیہ عبد القیس کو جو کہ روز فتح مشرف بہ اسلام ہوئے تھے اور سادات قریش میں سے بہتر و فاضل شخص تھے مکہ معظمہ کی ولایت پر مقرر فرمایا۔ بعض اسماء الرجال کی کتابوں سے معلوم ہوتا ہے کہ مکہ مکرمہ سے حنین کی طرف تشریف لے جاتے وقت انہیں مکہ کا عامل مقرر فرمایا تھا اور وہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات تک عامل رہے اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بھی انہیں کو برقرار رکھا تھا یہاں تک کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی رحلت کے دن وہ پچیس سال کی عمر میں وفات پا گئے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عتاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ حضرت ابو موسیٰ اور حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بھی مکہ میں چھوڑا تا کہ وہاں کے مسلمانوں کو قرآن کریم اور احکام شرع سکھائیں اور دین و ملت کے احکام کا اجرا فرمائیں۔

اہل سیر کہتے ہیں کہ حضرت عتاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے لیے بیت المال سے روزانہ ایک درہم کا وظیفہ مقرر فرمایا۔ حضرت عتاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ بسا اوقات خطبہ کے دوران فرمایا کرتے کہ ”اے لوگو! خدا اس کے کلیجے کو بھوکا رکھے جو ایک درہم روزانہ پر قناعت نہیں کر سکتا۔ رسول اللہ نے میرے لیے ایک درہم مقرر فرمایا ہے اور میں اس پر بہت خوش ہوں اور مجھے مزید کسی چیز کی حاجت نہیں ہے۔“ گویا کہ اس شخص میں زہد و قناعت کا لحاظ رکھا گیا تھا جو کہ بنی امیہ میں بہت کم تھا اور یہ صحیح ہے کہ ان کی صفت بہتر و فاضل سے فرمائی گئی ہے۔ جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مکہ مکرمہ سے مر الظہران تشریف لائے تو غنیمت میں سے جتنا کچھ باقی تھا اس جگہ سب تقسیم فرمادیا اور آخر ذیقعدہ یا اوائل ذوالحجہ میں مدینہ طیبہ میں داخل ہوئے اور اس سال لوگوں نے اس طرح حج کیا جس طرح عرب جاہلیت میں کیا کرتے تھے حضرت عتاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ بن اسیدہ نے مسلمانوں کے ساتھ حج کیا بغیر اس کے کہ ان کو امیر الحاج بنایا گیا ہو۔ ایک روایت میں ہے کہ ان کو امیر الحاج مقرر فرمایا تھا۔

اہل سیر کہتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے تالیف قلوب کے لیے ابوسفیان رضی اللہ تعالیٰ عنہ بن حرب کو بلاد یمن میں بخران پروالی مقرر فرمایا۔ سفر مکہ مکرمہ کی مجموعی مدت دو ماہ و سولہ دن تھی۔

اسی سال حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ امہات المؤمنین میں سے سیدہ سودہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بنت زمعہ کو طلاق دیں۔ ایک روایت میں ہے کہ آپ نے ان کو طلاق دیدی تھی بہر حال سیدہ سودہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے عرض کیا ”خدا کی قسم میرے دل میں کسی مرد کی خواہش نہیں ہے۔ لیکن میری تمنا ہے کہ کل روز قیامت میں آپ کی ازواج میں مشور ہوں۔ میرے لیے اتنی ہی سعادت کافی ہے اور اپنی باری کو سیدہ عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے حق میں چھوڑ دیتی ہوں۔ تاکہ یہ بات بھی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کا باعث ہو جو ان کے ساتھ ہے۔“

حضرت ابراہیم بن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت: اسی سال حضرت ابراہیم ابن رسول اللہ علیہ السلام سیدہ

سیدہ خدیجہ بنت خویلد کے گھر میں پیدا ہوئے۔ ان کی ولادت کا سال ۵۷۰ھ ہے۔

صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو روز فتح مکہ اپنا ردیف بنایا تھا اور دوسری اولاد لڑکی تھی جن کا نام امامہ تھا اور بعد وفات سیدہ فاطمہ الزہراء رضی اللہ تعالیٰ عنہا ان کی وصیت کے بموجب امیر المومنین سیدہ عائشہ علیہا الرضیٰ کرم اللہ وجہہ نے ان سے نکاح فرمایا۔

غلہ کی گرائی: اسی سال مدینہ طیبہ میں غلہ کی گرائی واقع ہوئی۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے وہ فرماتے ہیں کہ جب نرغ گراں ہوا تو لوگوں نے عرض کیا ”یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! ہمارے لیے غلہ کا نرغ مقرر فرمادیجئے“۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: إِنَّ اللَّهَ هُوَ الْمُسْعِرُ الْقَابِضُ الْبَاسِطُ الْوَارِثُ۔ نرغ مقرر فرمانے والا خدا ہے اسی کے قبضہ قدرت میں قبض و بسط ہے اور میں امید رکھتا ہوں کہ حق تعالیٰ سے اس حال میں ملوں کہ کسی پر زیادتی کا مجھ سے مطالبہ نہ ہو۔ نہ خون کا اور نہ مال کا۔

منبر شریف کی تعمیر: اسی سال اور ایک قول سے ساتویں سال منبر شریف کا بنانا واقع ہوا مطلب یہ کہ مسجد نبوی شریف میں منبر بنایا گیا جس پر کھڑے ہو کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم خطبہ دیتے تھے اس سے پہلے منبر نہ تھا۔ اس کے بنانے والے کے تعیین میں مختلف روایتیں ہیں مگر اس پر سب متفق ہیں کہ منبر شریف کے بننے سے پہلے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ایک ستون سے ٹیک لگا کر خطبہ دیا کرتے تھے اور جب منبر بن گیا اور ایک روایت میں ہے کہ جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اس منبر پر تشریف لائے تو وہ ستون حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے فراق میں رونے لگا۔ یہ حدیث مشہور اور حد تو اتر تک پہنچی ہوئی ہے اور اس کی خصوصیات بھی متعدد۔ احادیث صحیحہ سے ثابت شدہ ہیں۔ محدثین روایت کرتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم منبر شریف کے بننے سے پہلے کھڑے ہو کر صحابہ کرام کو خطبہء عالی رتبہ سے مشرف فرمایا کرتے اور بسبب طول قیام تھکن عارض ہو جاتی تو پشت مبارک کو مسجد شریف کے ستون سے ٹیک لگا کر خطبہ دیا کرتے تھے جب منبر شریف بنا تو روز جمعہ ستون کے آگے سے گزر کر منبر پر تشریف لائے جب اس نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی آواز سنی اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے آگے نہ پایا تو رونے اور فریاد کرنے لگا۔ ایک روایت میں ہے کہ وہ ستون ایسا روتا تھا جیسے کسی اونٹ کا بچہ گم ہو جائے اور وہ اونٹ روئے۔ ایک روایت میں ہے کہ بچہ ماں کو بلانے کے لیے جس طرح روتا ہے وہ ایسا روتا تھا اور ایک روایت میں ہے کہ وہ اس شخص کی مانند روتا تھا جس کا محبوب و معشوق اس سے جدا ہو جائے اور وہ اس کی محبت میں روئے چنانچہ اس ستون کے رونے سے حاضرین مسجد کے دل بھر آئے اور وہ بھی رونے لگے۔ ایک روایت میں ہے کہ اس طرح اس نے آہ و آزاری کی کہ وہ پھٹ گیا چنانچہ حاضرین کو گمان ہوا کہ وہ گر پڑے گا اور وہ اس سے خوفزدہ ہو گئے۔ بعض اپنی جگہ سے اچھل پڑے یہاں تک کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم منبر شریف سے اترے اور اس ستون کے پاس تشریف لے گئے اور اس پر دست اقدس رکھ کر اس کو آغوش شریف سے لپٹا لیا اور فرمایا ”اگر تو چاہے تو تجھے باغ میں لوٹا دیں اور تجھے اپنی جگہ جمادیں تاکہ تو دوبارہ سرسبز و شاداب ہو کر پھل دے اور اگر تو چاہے تو تجھے جنت کی زمین میں جمادیں تاکہ تو جنت کی کیاریوں اور اس کے چشموں کے پانی سے سیراب ہو اور انبیاء اولیاء اور صلحاء تیرے پھل تناول فرمائیں۔ جتنی دیر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ستون کو اپنے آغوش مبارک میں لیے رہے فرماتے رہے نَعَمْ قَدْ فَعَلْتُ نَعَمْ قَدْ فَعَلْتُ (ہاں میں نے کیا ہاں میں نے کیا) صحابہ کرام نے دریافت کیا ”یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! یہ کیا کہتا ہے؟“ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب میں نے اس سے دریافت کیا کہ کیا دنیا میں رہتا چاہتا ہے یا جنت میں تو اس نے جنت میں رہنا پسند کیا۔ اس پر میں نے کہا فَعَلْتُ ایک روایت میں آیا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: إِنَّ هَذَا بَكَالْمَا فَقَدَ مِنَ الذِّكْرِ۔ یہ ستون ذکر سے محرومی کی بنا پر رویا ہے۔

حضرت امام حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہے کہ جب وہ منبر شریف کی حدیث بیان کرتے تو فرماتے اے مسلمانو! جب ایک لکڑی کا ٹکڑا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جدائی سے آہ دفغاں کرتا ہے تو تمہیں تو اس سے زیادہ سزا دار ہے کہ لقاے محبوب کے مشتاق

بنو۔ ایک روایت میں آیا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس ستون کو اسی جگہ دفن کرا دیا۔
منبر شریف اٹل غابہ کی لکڑی کا بنایا گیا۔ اٹل غابہ ایک درخت کا نام ہے جو چوب گز کے مشابہ مگر اس سے بڑا ہوتا ہے۔ غابہ ایک جنگل کا نام ہے جہاں بہت درخت ہیں یہ مدینہ طیبہ سے نو میل کے فاصلے پر ہے۔ منبر شریف کا طول بقول صحیح دو گز تھا اور چوڑائی ایک گز۔ ہر سیڑھی کی چوڑائی ایک بالشت تھی۔ خلفائے راشدین رضی اللہ تعالیٰ عنہ اجمعین کے زمانے تک یہ منبر اپنے حال پر رہا۔ سب سے پہلے جس نے قبلی کپڑے کا غلاف چڑھایا وہ حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھے۔ انہوں نے اپنی خلافت کے چھ سال بعد غلی سیڑھی سے جو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بعد حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اختیار کیا تھا اس سیڑھی پر استادہ ہونے لگے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جلوس میں ایک حکم تھی، (اور سب نہ بتایا کہ آقا اور خادم میں مساوات کا امکان ہی نہیں برخلاف حضرت

(غفرلہ)

ایک قول یہ ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنی امارت کے زمانہ میں سب سے پہلے منبر پر غلاف چڑھایا۔ جس وقت کہ شام سے مدینہ آئے اور چاہا کہ منبر رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو وہاں سے شام منتقل کر کے لے جائیں۔ جب انہوں نے منبر شریف کو اپنی جگہ سے ہلایا تو ایسی تاریکی پھیلی کہ سارا شہر تاریک ہو گیا۔ آفتاب کو گہن لگا حتی کہ دن میں ستارے نظر آنے لگے۔ اس پر امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ یہ منبر رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا ہے اس کو ہلانا جائز نہیں ہے۔

مَا بَيْنَ بَيْتِي وَمَنْبَرِي مِنْ رِيَاضِ الْجَنَّةِ عَلَى بخاری میں اتنا زیادہ ہے مَنْبَرِي عَلٰی حَوْضِي اور بعض روایتوں میں نَزْعَةِ مَن نَزْعِ الْجَنَّةِ ہے اور نزع کی تفسیر بعض نے باب سے کی ہے اور بعض نے درجہ سے اور بعض نے وہ ”باغ جو بلند جگہ پر ہو“ سے کی ہے اور علماء نے ان احادیث کی تاویل و تحقیق میں متعدد وجوہ بیان کی ہیں۔ بعض کہتے ہیں کہ بقیعہ شریف کو روضہ جنت سے تشبیہ دینے میں نزول رحمت اور حصول سعادت ان حضرات کے لیے مراد ہے جو وہاں بیٹھ کر ذکر و اشغال کرتے ہیں۔ جس طرح کہ مسجد کو ریاض جنت سے تشبیہ دینے میں ہے۔ اور حدیث میں ہے کہ

إِذَا مَرَرْتُمْ بِرِيَاضِ الْجَنَّةِ فَارْتَعُوا سے اس کی جانب اشارہ ملتا ہے۔ اور بعض اس طرف گئے ہیں کہ اس طرف عظیم الشان میں شرف عبادت و طاعت کا بیان کرنا مقصود ہے کہ اس سے روضہ رضوان حاصل ہوتا ہے جس طرح کہ حدیثوں میں آیا ہے کہ: الْجَنَّةُ تَحْتَ ظِلِّ الشَّوْبِ تَلَوَّارُونَ کے سایہ میں جنت ہے اور الْجَنَّةُ تَحْتَ أَقْدَامِ الْأَمْهَاتِ مَاؤں کے قدموں کے نیچے جنت ہے۔ اس اعتبار سے تلوواروں سے شغف رکھنا اور ماؤں کی خدمت گزاری کرنا نعیم خلد کا مستحق بناتی اور ریاض جنت کا سزاوار کرتی ہے۔ یہ تاویلات ان اہل ظاہر کی ہیں جن کی حقیقت تک رسائی نہیں ہوئی۔ ورنہ حقیقت یہ ہے کہ یہ کلام اپنی حقیقت پر محمول ہیں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حجرہ مبارک اور منبر شریف کے درمیان کی جگہ حقیقت میں جنت کے باغوں میں کی ایک کیاری ہے اور کل قیامت کے دن وہ جگہ فردوس اعلیٰ میں منتقل ہوگی اور دیگر تمام روئے زمین کی مانند وہ فنا و ہلاک نہ ہوگی۔ جیسا کہ ابن فرحون نے امام مالک رحمۃ اللہ سے نقل کر کے علماء کے اتفاق کو بھی اس کے ساتھ شامل کیا ہے اور شیخ ابن حجر عسقلانی اور دیگر محدثین نے بھی اس قول کو ترجیح دی ہے۔ ابن حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جو کہ اکابر علماء مالکیہ سے ہیں فرمایا ہے کہ ممکن ہے کہ فی نفسہ یہ بقیعہ شریف جنت کی کیاریوں میں سے ہو اور اسے وہاں سے دنیا میں بھیجا گیا ہو جس طرح کہ حجر اسود اور مقام ابراہیم کے بارے میں مروی ہے اور بعد قیام قیامت اسے اپنے اصلی مقام میں لے جایا جائے۔ لزوم رحمت اور استحقاق جنت اس جگہ عبادت و اذکار میں مشغول ہونے والوں کے لیے اس مقام کی زیادتی فضیلت اور علوم و تربت کو لازم ہے جس طرح کہ حضرت خلیل علیہ السلام کا مرتبہ غلت جنت میں اس پتھر کی وجہ سے ممتاز ہوگا اسی طرح کہ سید عالم حبیب خدا احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم اس روضہ پر اختصاص پائیں گے۔ اگرچہ چشم ظاہر میں دنیا کی تمام اراضی کی نسبت پر وجود میں آیا ہے مگر اس میں کوئی حجاب نہیں ہے۔ اس لیے کہ جب تک انسان اپنی تخلیق میں طبعی کیفیات کے حجابوں میں محجوب اور عادات

اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کل قیامت کے دن تمام مخلوق خدا کے ساتھ اسے بھی اعادہ سے مشرف فرمائیں اور حوض کوثر کے کنارے پر جسے ترعدۂ جنت سے تعبیر فرمایا ہے قائم فرمائیں جیسا کہ علماء رحمہم اللہ نے بیان کیا ہے۔

واضح رہنا چاہیے کہ روضۃ الاحباب میں حضرت علاء رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضرت کو منذر بن ساوی کی جانب بھیجنے کو اس جگہ بیان کرنے کے بعد تنبیہ کی ہے کہ اکثر اہل سیر حضرت علاء رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضرت کو منذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی جانب بھیجنے کے قصہ کو سال ششم یا ہفتم میں بادشاہوں کی طرف مکاتیب و وفود بھیجنے کے ضمن میں بیان کرتے ہیں لیکن صاحب طبقات نے وضاحت کی ہے کہ جعراندہ سے واپسی کے وقت ان کا بھیجنا عمل میں آیا تھا اور بعض کتب سیر میں حدیبیہ کے بعد ان کا بھیجنا واقع ہوا ہے انہی کا تب حروف (شیخ محقق رحمۃ اللہ) بعض کتب سیر کی موافقت میں اسے اس جگہ بیان کر چکا تھا اور مقام کی مناسبت بھی وہی ہے اگر روایت صحیح ہو اور خود اکثر اہل سیر بھی اسی طرف ہیں۔ بہر حال اس کا ذکر کیا جا چکا ہے خواہ یہاں ہوتا یا وہاں ہو چکا۔

عبدالقیس کے وفد کی آمد: اسی سال کے واقعات میں عبدالقیس کے وفد کے آنے کا واقعہ ہے۔ وفد لوگوں کی اس جمعیت کو کہتے ہیں حوٹلہ، کہ آراء، سامعہ و غمرہ و یمنجا، عبدالقیس، بن قیس، قبلہ اسد حور سعہ کی اولاد میں سے ہیں ان کے حداثہ کا نام

ایمان نماز روزہ زکوٰۃ اور غنیمت میں سے اداۓ نفس کا حکم دیا۔ پھر انہوں نے اپنی قوم کے لیے ان برتنوں کا حکم پوچھا جن میں وہ پیتے اور نیند وغیرہ ڈالتے تھے۔ مقصود یہ کہ جس وقت شراب حلال تھی اور جن برتنوں میں اسے رکھتے اور استعمال کرتے تھے اب جبکہ شراب حرام ہو گئی ہے کیا ان برتنوں کو وہ کسی اور استعمال میں لاسکتے ہیں اور ان سے کوئی اور کام لے سکتے ہیں یا ان برتنوں سے شراب پینے کی مشابہت کی بنا پر پرہیز واجتناب کریں۔ اس پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو ایسے چار برتنوں کے استعمال سے منع فرمایا جو شراب کے استعمال کے لیے خاص ہیں۔ ایک خم یعنی سبز مٹکا جس میں شراب و بنید کا لہن اٹھاتے ہیں۔ دوسرا برتن دبا یعنی خشک کدو جس کو رنگ کر کے صراحی نما بناتے ہیں۔ تیسرا برتن فقیر یہ ایک درخت کی جڑ ہوتی ہے جسے کھوکھلا کر کے برتن بناتے ہیں اور اس میں بھنڈ ڈالتے ہیں۔ چوتھا برتن مزفت جو زفت سے رنگ کر بناتے ہیں۔ زفت اور فقیر اس رنگ کو کہتے ہیں جو کشتی وغیرہ پر چڑھایا جاتا ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ان امور و احکام کو یاد رکھنا اور اپنی قوم کو اور اس کو جو تم سے ملے اور وہ یہاں نہ آ سکے اسکی خبر دینا۔

علماء کا اختلاف ہے کہ جب شراب کے آثار کا قلع قمع ہو جائے اور اس کی حرمت قائم و ثابت ہو جائے تو ان برتنوں کا استعمال حرام نہ ہوگا۔ چونکہ اس کے حرام ہونے کا وقت تازہ اور قریب تھا اس بنا پر اس سے منع کیا گیا تھا۔ بعض کہتے ہیں کہ مشابہت کی بنا پر یہ مکروہ ہیں۔

ارباب سیر بیان کرتے ہیں کہ یہ وفد جب بارگاہ رسالت میں حاضر ہوا اور جمال باکمال دیکھا تو سوار یوں پر سے زمین پر اتر پڑے اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دست اقدس اور پائے اقدس کو بوسہ دے کر محبت و شوق کا اظہار کیا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے اس جذبہ شوق کو جائز و برقرار رکھا اور اس سے انہیں منع نہ فرمایا۔ لیکن ان کا سردار جسے شیخ بعد القیس کہتے ہیں اس کو اس جماعت کے ساتھ نہ دیکھا وہ اپنی سواری کو لیکر جائے قیام چلا گیا تھا جہاں اس نے غسل کر کے عمدہ و پاکیزہ کپڑے پہنے اور حلم و وقار کے ساتھ آہستہ آہستہ چلا کر مسجد نبویہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس مبارک میں حاضر

نفس اسلام

ہوا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے اس وضع و آداب کو پسند کیا اور تحسین فرمائی اور ارشاد فرمایا: إِنَّ فِيكَ لَخَصْلَتَيْنِ يُحِبُّهُمَا اللَّهُ الْحِلْمُ وَالْأَنَاءُ. بلاشبہ دو خوبیاں تم میں ایسی ہیں جو خدا کو محبوب ہیں ایک حلم دوسرا وقار۔ حلم کی تعریف جلد بازی نہ کرنا اور امور میں

ہے۔ شیخ نے کہا ”یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! یہ دونوں خصلتیں مجھ میں پیدا نئی ہیں۔ اس کے بعد اس نے کہا میں خدا کا شکر بجالاتا ہوں کہ مجھ میں ایسی خوبی پیدا فرمائی جو اسے پسند ہے۔ ارباب سیر کہتے ہیں کہ یہ وفد مدینہ طیبہ میں دس دن رہا اور قرآن و احکام شریعہ کو سیکھا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان میں سے ہر ایک کو تحائف دیئے اور شیخ کو سب سے زیادہ عنایت فرمایا۔ پھر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو جانے کی اجازت مرحمت فرمائی (رضی اللہ عنہا)

ہجرت کے نویں سال کے واقعات

ارباب سیر بیان کرتے ہیں کہ ہجرت کے نویں سال کے شروع محرم میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان قبائل کی طرف جو مسلمان ہو گئے تھے عمال مقرر فرمائے کہ وہ جا کر زکوٰۃ کے اموال وصول کر کے لائیں اور عمال کو نصیحت فرمائی کہ پرہیزگاری کرنا اور لوگوں سے اعلیٰ قسم کے مال کا مطالبہ نہ کرنا اور لوگوں کو بھی نصیحت فرمائی کہ زکوٰۃ کے عاملین کو پوری پوری زکوٰۃ دیکر راضی کریں کیوں کہ ان کی رضا مندی اسی میں ہے۔ اگر وہ انصاف و عدل سے کام لیں گے تو وہ اپنے لیے کریں گے اور اگر ظلم کریں گے تو خود اپنے پر کریں گے تمہارا فائدہ ان کی رضا مندی میں ہے۔ ان عاملین زکوٰۃ میں سے ایک بشر بن سفیان تمیمی تھے جن کو خزاعہ کے بنی کعب پر مقرر فرمایا۔ جس وقت بشر بن کعب کے پاس پہنچے سو وہ سب بنی تمیم کے چشمہ پر جمع ہوئے بشر نے ان کے مویشیوں کو جمع کر کے ان میں سے زکوٰۃ کے جانور علیحدہ کیے تو وہ بنی تمیم کی نظر میں اپنی کم ظرفی، خست اور سابقہ جہالت و قساوت و جفا و شدت اور عدم حسن اسلام کی بنا پر بہت برا معلوم ہوا اور کعب سے کہنے لگے کہ کس لیے اتنا کثیر مال حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو دیتے ہو اور کیوں اپنے مال کو اپنے قبضہ سے نکالتے ہو۔ اس کے بعد وہ سب تیر و کمان اور تلواریں لے آئے اور انہوں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے عامل صدقات کو ان مویشیوں کے لے جانے سے روکا بنو کعب نے کہا ”ہم دین مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائے ہیں اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی متابعت و فرمانبرداری کا ہم نے اقرار کیا ہے اور زکوٰۃ فرائض و واجبات میں سے ہے“ بنو تمیم کہنے لگے۔ ”خدا کی قسم ہم نہ چھوڑیں گے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم عامل ایک اونٹ بھی یہاں سے لے جائے۔“ بشر نے جب یہ صورت حال دیکھی تھی وہاں سے چلے آئے اور بسرعت تمام مدینہ کی طرف روانہ ہو گئے اور بنی تمیم کا حال بارگاہ نبوت میں پہنچ کر بیان کر دیا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ”کون ہے تم میں جو بنی تمیم سے انتقام لے“ سکینہ بن حصین فرازی نے کہا ”خدا کی قسم میں بنی تمیم کے تعاقب میں جاتا ہوں اور اس وقت تک واپس نہ آؤں گا جب تک کہ ان سب کو بارگاہ رسالت میں حاضر نہ کر دوں۔“ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے پچاس سوار جن میں مہاجرین و انصار میں سے کوئی نہ تھا ان کے ہمراہ کیے اور بنی تمیم پر روانہ کیا جب عقبہ اپنے ساتھیوں کے ساتھ مخالفوں کی ہستیوں میں پہنچے تو ان کے اکثر گھروں کو لوگوں سے خالی پایا۔ آبادی میں بنی تمیم کے جو لوگ موجود تھے ان پر حملہ کیا اور گیارہ مرد و پندرہ عورتوں ایک روایت میں ہے گیارہ عورتوں اور تیس بچوں کو گرفتار کر کے مدینہ منورہ لوٹ آئے۔ اس کے بعد بنی تمیم کی ایک جماعت ان قیدیوں کے مطالبہ کے لیے مدینہ منورہ آئی اور اقرع بن حابس جس کا ذکر تقسیم غنائم کے باب میں گزر چکا ہے اور جو فصیح و بلیغ خطیب اور شاعر تھا اس کو بھی وہ اپنے ہمراہ لائے۔ تاکہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مفاخرت کرے۔ وہ مسجد نبوی شریف میں داخل ہوئے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت ام المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے حجرہ میں قیلولہ فرما رہے تھے۔ یہ آنے والے نہیں جانتے تھے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کس حجرے میں تشریف فرما ہیں۔ اس لیے ہر حجرے کے دروازے پر پہنچتے اور شور و غوغا مچاتے اور کہتے کہ ”اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) باہر آئیے ہمارے بچوں اور عورتوں کو کس لیے قیدی بنایا ہے ہم نے کیا گناہ کیا ہے۔“ ہر چند حضرت بلال

رضی اللہ عنہ اور مسجد کے دیگر حضرات انہیں اس شور و غوغا سے باز رکھتے اور انہیں تسکین دیتے اور کہتے کہ مسجد میں آوازیں اونچی نہ کرو اور ادب کا لحاظ رکھو مگر ان پر کچھ اثر نہ ہوتا۔ حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے فرمایا ”اے بے وقوف! کچھ دیر ٹھہرو۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نماز ظہر کے لیے تشریف لائیں گے۔“ اتنے میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم حجرہ انور سے باہر تشریف لائے اور فرمایا ”اے لوگو کیا ہوا ہے کہ تم نے مجھے نیند سے بیدار کیا۔“ اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم دست مبارک سے اپنی آنکھیں ملتے جاتے تھے اس کے بعد جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ظہر کی نماز جماعت کے ساتھ پڑھی تو خدا جانتا ہے کہ ان لوگوں نے بھی نماز پڑھی یا ہنوز اسی نادانی و جہالت میں تھے اور یا پھر انہیں نماز پڑھنی نہ آتی ہو اور یا طبعی غصہ و اضطراب میں مبتلا ہونے کی وجہ سے نماز میں شریک نہ ہو سکے ہوں۔ (واللہ اعلم)

جب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بعد اداۓ نماز حجرہ شریف کی جانب تشریف لے جانے لگے تو ان لوگوں نے آپ کو سر راہ گھیر لیا اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنی بات کا اعادہ کرنے لگے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی طرف دیکھا اور ان کے جواب میں کچھ نہ فرمایا اور حجرہ میں داخل ہو گئے نماز ظہر کی سنت پڑھنے کے بعد باہر تشریف لائے اور صحن مسجد میں اقامت فرمائی۔ بنی تمیم میں سے اقرع رضی اللہ تعالیٰ عنہ بن حابس نے گفتگو کا آغاز کیا اور کہا ”ہمیں اجازت دیجئے کہ ہم عرض کریں۔“ فرمایا ”کہو۔“ اس نے کہا کہ ہماری مدح زین ہے اور ہماری مذمت شین ہے مطلب یہ کہ ہماری ستائش ہماری آرائش ہے اور ہماری بدگوئی ہمارا عیب ہے۔“ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ”تم جھوٹ کہتے ہو یہ شان حق سبحانہ و تعالیٰ کی ہے کہ اس کی مدح اس کا زین ہے اور اس کا زیم اس کی شین ہے۔“ اور فرمایا ”تمہارا مقصد اس بات سے کیا ہے؟“ بنی تمیم کے لوگوں نے کہا ”ہم اپنے شاعر و خطیب کو ساتھ اس لیے لائے ہیں تاکہ ہم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مفاخرت کریں۔“ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں شعر گوئی پر مبعوث نہیں ہوا ہوں اور نہ مجھے مفاخرت کا حکم دیا گیا ہے۔ اس کے باوجود لاؤ کیا لیاقت رکھتے ہو۔“ پھر عطار و بن حابس سے جوان میں خطیب فصیح ترین شخص تھا کہا اٹھ اور خطبہ دے۔“ عطار اٹھا اور خطبہ دیا جو حمد و ثنا اور قبیلہ بنی تمیم کے فخر و شرف پر مبنی تھا۔ جب عطار و خطبہ سے فارغ ہوا تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ بن قیس بن شماس انصاری کو حکم دیا جو اکابر صحابہ اعلام انصار اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے خطیب تھے کہ وہ عطار کے جواب میں خطبہ دیں۔ پھر حضرت ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے خطبہ پڑھا جو نہایت فصیح و بلیغ تھا اور حمد و ستائش حق سبحانہ و تعالیٰ ذکر شہادتیں درود بر نبی مختار فضل مہاجرین و انصار متابعت رسول رب کردگار صلی اللہ علیہ وسلم اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نصرت و اعانت پر مشتمل تھا اور وہ خطبہ ان کی حیرت و عبرت کا موجب بنا۔ اس کے بعد بنی تمیم کا شاعر زبرقان بن بدر نامی کھڑا ہوا اور فضل و افتخار پر مشتمل اشعار پڑھے۔ اس پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو طلب فرمایا اور حکم دیا کہ ان کے جواب میں شعر کہو۔ حضرت حسان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے قصیدہ غراء فی البدیہیہ ان کے جواب میں پڑھا۔ پھر بنی تمیم کی جانب سے اقرع بن حابس کھڑا ہوا اور شعر بدعویٰ و افتخار پڑھے۔ حضرت حسان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے باہر رسول مختاران کے جواب میں قصیدہ غراء اس سے زیادہ بلیغ پڑھا۔ اس پر اقرع بن حابس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہنے لگا ”خدا کی قسم! محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو عالم غیب سے تائید و نصرت دی جاتی ہے اور کوئی فضل و کرم آپ سے اٹھانہ رکھا گیا۔ آپ کے خطیب ہمارے خطیب سے فصیح تر اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے شاعر ہمارے شاعر سے بلیغ تر ہیں۔ آپ کی ہر شے ہماری ہر شے سے بہتر ہے پھر وہ مقام انصاف و تسلیم میں آئے اور مطہر ہوا۔“ تمنا ہوئے اور سلامتی کے ساتھ ایمان لے گئے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے قیدیوں اور اسیروں کو چھوڑ دیا اور ان کے لائق انعام و اکرام سے سرفراز فرمایا۔

ان لوگوں کے بارے میں یہ آیت کریمہ نازل ہوئی: اِنَّ الَّذِیْنَ یُسَادُّوْنَکَ مِنْ وَّرَآءِ الْحُجُرَاتِ اَکْثَرُھُمْ لَا یَعْقِلُوْنَ وَ لَوْ

بلند آواز تھے گھر میں بیٹھ رہے اور مجلس شریف کی حاضری موقوف کر دی مبادا کہ آواز کی بلندی لازم آئے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کی جستجو ہوئی اور فرمایا ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ بن قیس نہیں آتے اور نہ وہ نظر ہی آتے ہیں وجہ کیا ہے؟ اس پر حضرت ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ بن قیس نے حاضر ہو کر عرض کیا ”یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر یہ آئے کریمہ نازل ہوئی ہے اور میں جمہیر الصوت یعنی بلند آواز والا ہوں میں ڈرتا ہوں کہ میرے اعمال ضائع نہ ہو جائیں“ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ”تم اس مقام میں نہیں ہو۔ تم خیر کے ساتھ زندہ رہو گے اور خیر کے ساتھ رحلت کرو گے اور تم جنت میں داخل ہو گے۔“

تنبیہ: بنی تمیم کی یہ شدت، قسادت اور جاہلانہ مفاخرت، گویا بمقتضائے ان کی جبلت و طبیعت تھی۔ صحیح بخاری میں عمران بن حصین رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ بنی تمیم کی ایک جماعت حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئی۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ”اے بنی تمیم بشارت کو قبول کرو مطلب یہ کہ داخلہ جنت کی بشارت قبول کرو۔ پھر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اصول عقائد کی تعلیم و تبلیغ فرمائی اور اس کے مبداء و مال کی خبر دی اور فرمایا اس بشارت کو تسلیم کرو انہوں نے کہا بشارت تو آپ نے دی کچھ ہمیں دیجئے بھی تو مطلب یہ کہ اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ کے پاس ہم اس لیے آئے ہیں کہ دنیاوی مال و متاع میں سے کچھ عطا فرمائیے بشارت اپنی جگہ رہے بالفعل ہمیں تو مال و متاع مطلوب ہے۔ ان کی یہ بات حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو ناگوار گزری اور ناگواری کا اثر آپ کے

تھی۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا اے اشعر یو تم اس بشارت کو قبول کرو جسے بنی تمیم نے قبول نہیں کیا ہے۔ اشعریوں نے عرض کیا: ”یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! ہم اسے قبول کرتے ہیں“۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے وہ فرماتے ہیں کہ میں بنی تمیم کو ایسی تین خصلتوں کی بنا پر پسند کرتا ہوں جن کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ ایک یہ کہ ”بنی تمیم میری امت میں سے و جال پر سخت ترین لوگ ہیں اور ان کی ظاہری سختی اور درشتی اس جگہ کام آئے گی جب وہ اسے دجال پر استہمال کریں گے۔ دوسری بات یہ ہے کہ سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس بنی تمیم کی ایک باندی تھی جو اسی قضیہ سر یہ عیینہ بن حصین کے سلسلہ میں لائی گئی تھی اور ظاہر ہے کہ چند ہی روز وہ باندی ان کی خدمت میں رہی ہوگی۔ یا کسی اور وقت آئی ہوگی۔ (واللہ اعلم)

پھر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا: اسے آزاد کر دو کیوں کہ یہ حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد میں سے ہے یعنی عرب ہے۔ تیسری بات یہ کہ جس وقت بنی تمیم کے صدقات و زکوٰۃ آئے ہوئے تھے اس وقت حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ صدقات ایک قوم کے ہیں یا یہ فرمایا یہ صدقات میری قوم کے ہیں۔ گویا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بنی تمیم کی اپنی ذات اقدس کی طرف نسبت فرمائی اور اس طرح ان کی دلجوئی اور تالیف قلوب فرمائی۔ کیوں کہ یہ وہی قوم ہے جس نے بنی کعب کو صدقات دینے سے روکا تھا جیسا کہ گزر چکا ہے اور اب یہ خود ہی اپنی زکوٰۃ کو ادا کر رہے ہیں۔ ظاہر ہے کہ آہستہ آہستہ ان کے دلوں میں ایمان بڑھ چکا ہوگا اور تہذیب و اخلاق کا حصہ بھی انہیں ملا ہوگا۔ پھر کہ انہی عیینہ بن حصین کے بارے میں اہل سیر کہتے ہیں کہ یہ کسی

لوگ اس کی فحش کلامی کی بنا پر چھوڑ دیں اور اس سے بچیں۔

اہل سیر کہتے ہیں کہ اس کی یہ خصلت اسلام لانے سے پہلے یا اس کے حسن اسلام سے پہلے تھی۔ ایک مرتبہ یہی عیینہ بن حصین اپنے بھتیجے کے ذریعہ جس کا نام حریبن قیس بن حصین تھا اور وہ حضرت امیر المومنین عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مقرب و ملازم تھا حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس آیا اور کہنے لگا ”اے عمر رضی اللہ عنہ! ہمیں کچھ مال و متاع نہیں دیتے اور ہمارے ساتھ انصاف نہیں کرتے؟“ اس پر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو غصہ آیا اور چاہا کہ اسے کچھ سزا دیں۔ اس پر حریبن قیس نے پڑھا: خُذِ الْعَفْوَ وَأْمُرْ بِالْمَعْرُوفِ وَاعْزِضْ عَنِ الْمُنْكَرِ اور کہا کہ یہ شخص جاہلوں میں سے ہے۔ درگزر فرمائیے۔ ان لوگوں کا ظاہر حال تو یہ ہے کہ ماقبت کیسی ہوگی خدا جانے اگر ایمان حاصل و ثوابت ہے تو ان پر صحابیت کی تعریف صادق ہے اور صحابی کا حکم ظاہر ہے کہ کیا ہے (واللہ اعلم)

اسی سال ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ بن عقبہ قرشی اموی کو جو حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دوسری ماں سے بھائی تھے اور ان کی والدہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی پھوپھی زاد بہن تھیں اور وہ فتح مکہ کے مسلمانوں میں سے تھے بنی المصطلق کی جانب صدقات وصول کرنے کے لیے بھیجا۔ چونکہ زمانہ جاہلیت میں ولید اور بنی المصطلق کے درمیان دشمنی تھی۔ جب اس قوم نے سنا کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب سے آرہے ہیں تو قدیمی عداوت سے قطع نظر کر کے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے فرستادہ ہونے کے لحاظ سے ان کی تعظیم و احترام اور مہمان نوازی کی خاطر بیس آدمیوں کو لے کر استقبال کے لیے نکلے۔ جب ولید نے اس جماعت کو دور سے دیکھا تو شیطان نے پرانی دشمنی یاد دلائی کہ یہ جماعت ان کے قتل کے لیے آرہی ہے۔ وہ راہ سے ہی لوٹ پڑے اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ وہ لوگ تو لشکر مرتب کر کے ہتھیار بند ہو کے جنگ کے ارادے سے نکل آئے ہیں۔ ایک روایت میں ہے کہ انہوں نے کہا وہ مرتد ہو کر لشکر جمع کر رہے ہیں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارادہ فرمایا کہ لشکر جمع کر کے ان پر غزا کریں۔ اتنے میں وہ لوگ بھی مدینہ آگئے اور ان سواروں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات کی اور جو حقیقت تھی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کر دی۔ ایک روایت میں آیا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت خالد بن ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ایک جماعت کے ساتھ ان کی طرف بھیجا کہ وہ احتیاط کے ساتھ صحیح صورت حال کی تفتیش کریں۔ چنانچہ حضرت خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کو اذان دیتے نماز پڑھتے مسجدیں تعمیر کرتے اور شعائر اسلام ادا کرتے ہوئے دیکھا۔ وہ لوٹ آئے اور جو کچھ مشاہدہ کیا تھا سب عرض کر دیا۔ یہاں تک کہ یہ بات ثابت ہو گئی کہ ولید نے جھوٹ اور بہتان سے کام لیا ہے اس وقت یہ آیہ کریمہ نازل ہوئی يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اِنْ جَاءَكُمْ فَاسِقٌ بِّنَبَاٍ فْتَبَيَّنُوْا اَنْ تَصِيْبُوْا قَوْمًا بٰجِهَالٍۭ فَتَضَبَّحُوْا عَلٰی مَا فَعَلْتُمْ نَادِمِيْنَ اے ایمان والو! اگر تمہارے پاس کوئی فاسق خبر لائے تو خوب تحقیق کر لیا کرو قبل اس کے کہ تم نادانی سے کسی قوم پر پہنچو۔ پھر جب تم صبح کرو تو اپنے کیے پر نادم ہو اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اَلْاِنْسٰی مِنَ اللّٰهِ وَالْعُجْلَةُ مِنَ الشَّيْطٰنِ اطمینان اللہ کی جانب سے ہے اور جلد بازی شیطان کی طرف سے۔ ایک روایت میں ہے کہ اَلْاِنْسٰی مِنَ الرَّحْمٰنِ وَالْعُجْلَةُ مِنَ الشَّيْطٰنِ۔ آہستگی رحمن کی جانب سے ہے اور جلد بازی شیطان کی طرف سے۔ اس کا فسق یہی جھوٹ، بہتان اور فساد کا ارادہ کرنا ہے گویا اس آیہ کریمہ میں ایک غیبی خبر کی طرف اشارہ ہے۔ اس لیے کہ اس ولید بن عقبہ کو امیر المومنین سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کوفہ کا والی بنایا تھا اور اس نے شراب پی پھر اس پر حد لگائی گئی تھی، صحیح بخاری میں یہ ہے کہ امیر المومنین سیدنا علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ نے اس پر حد جاری فرمائی تھی۔

اس آیہ کریمہ کے نازل ہونے کے بعد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس قوم پر نوازش فرمائی اور حضرت عباد رضی اللہ تعالیٰ عنہ بن بشر انصاری کو ان کے لیے متعین فرمایا کہ وہ صدقات ان سے وصول فرمائیں اور تعلیم قرآن اور احکام نہیں سکھائیں۔

اسی سال قطبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بن عامر بن حدیدہ کو بیس مردوں کے ساتھ قبیلہ نخشم کی طرف بھیجا اور ان پر تاخت کرنے کا حکم دیا۔ وہ گئے اور قتال عظیم واقع ہوا اور دونوں فریق زخمی ہوئے اور ان کے اونٹ، بکریاں اور عورتوں کو مدینہ کی طرف لے آئے اور نخس نکالنے کے بعد انہیں تقسیم کیا جن میں سے ہر شخص کو چار اونٹ ملے اور ہر اونٹ کے مقابل دس بکریاں ہوئیں۔

اس کے بعد ضحاک رضی اللہ تعالیٰ عنہ بن سفیان بن عوف کلابی عامری کو جو ایک شجاع شخص تھا تیار کیا ان کے لیے سواروں کا بھی انتظام کیا یہ سوار وہ تھے جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سر ہانے تلوار لیکے کھڑے ہوتے تھے۔ انہیں بیضی کلاب کے ان لوگوں کی طرف ماہ ربیع الاول میں بھیجا۔ جو پہلے اسلام میں داخل ہوئے تھے انہوں نے وہاں پہنچ کر ان کو اسلام کی دعوت دی لیکن انہوں نے اسلام قبول کرنے سے انکار کیا اس پر انہوں نے جنگ کی اور ان کو شکست و ہزیمت دی اور مال غنیمت لے کے آ گئے۔

اسی سال علقمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بن مجز مدلجی، منسوب بہ قبیلہ مدج، بن صبرہ۔ کو ربیع الاخر میں تین سو آدمیوں پر امیر مقرر کر کے اہل حبشہ کے ان لوگوں کی طرف بھیجا جو جدہ میں آئے ہوئے تھے اور فساد پھیلا رہے تھے۔ علقمہ اس جزیرہ میں پہنچے جہاں وہ ٹھہرے ہوئے تھے وہ علقمہ کو دیکھتے ہی بھاگ کھڑے ہوئے پھر علقمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ مدینہ منورہ کی جانب لوٹ آئے بعض لوگوں نے جلدی کی اور سرعت اپنے اہل و عیال کی طرف چلے گئے۔ حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بن حزامہ سہمی بھی ان میں تھے۔ حضرت علقمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کو متعجلین پر امیر مقرر کیا۔ حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بن حزامہ کے مزاج میں ہزل و مزاح تھا۔ ایک رات انہوں نے اپنے منزل میں پڑاؤ کیا اور سردی سے محفوظ رہنے کے لیے آگ روشن کی تو حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ازراہ مزاح اپنے ساتھیوں کو حکم دیا کہ آگ میں کود پڑو۔ جب انہوں نے اپنے امیر کی اطاعت میں آگ میں کودنے کا ارادہ کیا تو انہوں نے آگ میں کودنے سے منع کر دیا اور کہا کہ بیٹھ جاؤ میں تو مزاح کر رہا تھا۔ جب مدینہ منورہ پہنچے اور بارگاہ رسالت میں سارا حال بیان کیا تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ”اگر کوئی تمہیں معصیت و نافرمانی کا حکم دے تو اس میں اس کی اطاعت نہ کرو۔ اس قضیہ کے سلسلہ میں روضۃ الاحباب اور مواہب میں اتنا ہی ذکر کیا گیا ہے۔

مواہب میں کہا گیا ہے کہ اسے حاکم اور ابن ماجہ نے روایت کیا ہے اور ابن خزیمہ اور ابن حبان نے بحوالہ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس کو صحیح کہا ہے۔ بخاری میں اس قضیہ کو اس طرح بیان کرنے کے بعد کہا ہے کہ ”باب سریہ عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بن حزامہ فدائے الہی، وعلقمہ بن مجز زالمدلی و قتال الہامنا سرتہ انصار“ اس کے بعد انہوں نے حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ سے اتنا زیادہ

کیا کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حبشہ کو روانہ کیا اور ایک انصاری شخص کو ان کا امیر مقرر فرمایا اور ساتھیوں کو حکم دیا کہ امیر جو حکم دے اس کی اطاعت کرنا۔ پھر کسی بات پر وہ شخص جسے ان پر امیر بنایا گیا تھا غصہ میں آیا اس نے کہا کہ لکڑیاں جمع کرو انہوں نے لکڑیاں جمع کیں پھر کہا کہ انہیں جلاؤ۔ انہوں نے اسے جلایا۔ پھر کہا کہ اس آگ میں کود جاؤ۔ کچھ لوگوں نے ارادہ کیا کہ آگ میں کود جائیں اس پر بعض نے بعض کو اس سے منع کیا اور روکا انہوں نے کہا کہ ہم آگ سے بھاگ کر تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دامن سے وابستہ ہوئے ہیں اور آگ ہی میں خود گر جائیں مطلب یہ کہ نارِ جہنم کے خوف سے تو ہم ایمان لائے ہیں اور آگ میں ہی جھکنے کا کیا مطلب ہے؟ اس دوران جس میں یہ باہمی بحث و تمحیص ہوئی اور آگ بجھ گئی اور امیر کا غصہ بھی ٹھنڈا ہو گیا۔ جب اس کی خبر حضور اکرم کو پہنچی تو فرمایا اگر وہ لوگ آگ میں داخل ہو جاتے تو پھر وہ قیامت تک آگ سے باہر نہ نکلتے۔ امیر کی فرمانبرداری اطاعت میں ہوئی ہے نہ کہ معصیت میں۔ (انتہی)

بخاری کے اس مضمون کا مفہوم ار باب سیر کے اس مضمون و کلام سے مختلف ہے جو پہلے بیان ہو چکا ہے۔ اس لیے کہ الال سیر کے

کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب سے حضرت علقمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ امیر تھے اور انہوں نے حضرت عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ان غلت پسند لوگوں پر امیر بنایا تھا اور بخاری کے کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ دونوں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب سے مبعوث ہوئے تھے یہ اشکال و مخالفت آسان ہے۔ اس لیے کہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ چونکہ حضرت علقمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب سے مبعوث تھے اور انہوں نے حضرت عبد اللہ کو امیر بنادیا۔ گویا دونوں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب سے مبعوث ہو گئے اور دوسری اشکال یہ ہے کہ آخر بخاری نے اس سر یہ کو سر یہ انصار اور بعض نسخوں میں سر یہ انصاری کس معنی میں کہا ہے۔ جبکہ حضرت عبد اللہ انصاری نہ تھے۔ صاحب مواہب لدینہ نے حضرت شیخ ابن حجر عسقلانی سے بخاری کے قول و یقال انہا سر یہ الانصاری کے بارے میں نقل کر کے کہا کہ اس میں متعدد و مختلف قصوں کی جانب اشارہ ہے اور ظاہر بھی یہی ہے کیوں کہ سیاق کلام اور اسم امیر میں اختلاف ہے اور دونوں کے درمیان تاویل کرنے سے احتمال اور بعید ہوتا جاتا ہے اور حضرت عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بن خزافہ سہمی قرشی کے مہاجر ہونے کو انصاری کے ساتھ موصوف کرنے سے یہ امکان پیدا ہوتا ہے کہ شاید انصار یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ناصر و مددگار آیا ہو۔ غرض کہ یہ تاویل بہت ہی بعید ہے۔ ابن قیم نے متعدد قصوں کی جانب میلان کیا ہے اور ابن جوزی نے کہا کہ ان کا قول و من الانصار یہ بعض روایتوں کا وہم ہے۔ فتح الباری میں کہا گیا ہے کہ اس کی تائید وہ حدیث کرتی ہے جو حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے امام احمد نے روایت کی ہے کہ فرمان بای تعالیٰ یَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَأُولِي الْأَمْرِ مِنْكُمْ (اے ایمان والو! اللہ کی اطاعت کرو اور رسول کی اطاعت کرو اور اپنے میں سے صاحب امر کی) حضرت عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بن حذافہ بن قیس بن عدی کے بارے میں نازل ہوا۔ جن کو ان کے لشکر کا امیر بنا کر بھیجا تھا۔

اسی سال ربیع میں آخر میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کو قبیلہ بنی طے کے فلس کی جانب بھیجا۔ وہاں ایک بڑا بت خانہ تھا۔ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ ڈیڑھ سو انصاری ڈیڑھ سو اونٹ پر سوار تھے اور ابوسعہ کے نزدیک دوسو مرد تھے۔ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس بت کو توڑا اور اس بستی کو ویران کیا اور اس بت خانہ کو بچ و بن سے اکھاڑ کے پھینک دیا اور بکثرت اونٹ اور بکریوں کو غنیمت میں حاصل کر کے فہم نکالا اور پھر اسے حضرت امیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے تقسیم فرمایا۔ آل حاتم بھی تقسیم کیے گئے اس کے بعد حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ مدینہ منورہ آ گئے۔ عدی رضی اللہ تعالیٰ عنہ بن حاتم جو قبیلہ طے کا سردار تھا بھاگ کر شام چلا گیا لیکن اس کی بہن سقانہ بنت حاتم قید میں آئی۔ ایک دن حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اس مکان کی طرف سے گزرے جہاں اسیران کو محفوظ کیا جاتا تھا آل حاتم بھی اسی مکان میں محبوس تھے حاتم کی بیٹی بیٹھی ہوئی تھی وہ بڑی خوبصورت حسین و جمیل اور فصیح عورت تھی۔ وہ کھڑی ہو گئی اور کہنے لگی ”یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میرا باپ مر گیا ہے اور میرا بھائی غائب ہے مجھ پر احسان فرمائیے حق تعالیٰ آپ پر فضل و کرم فرمائیگا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت کیا و افد یعنی فدیہ دینے والا کون ہے؟ اس نے کہا ”میرا بھائی عدی رضی اللہ تعالیٰ عنہ بن حاتم“۔ فرمایا وہ تو خدا اور رسول خدا سے بھاگا ہوا ہے۔“ یہ فرما کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے گئے۔

اہل سیر کہتے ہیں کہ دوسرے دن بھی اسی طرح گذر ہوا۔ سقانہ کہتی ہے میں نے پھر وہی بات عرض کی اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے وہی جواب مرحمت فرمایا۔ تیسرے دن توجہ فرمائی اور سواری اور سفر خرچ انعام فرما کر مجھے رخصت کر دیا اس کے بعد میں شام چلی گئی اور اپنے بھائی سے ملی اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جو اس کا نصیب فرمایا تھا کہ ”وہ خدا سے بھاگا ہوا ہے۔“

منورہ آیا اور شرف اسلام سے مشرف ہوا اس کی تفصیل انشاء اللہ سال دہم میں مذکور ہوگی۔

اسی سال طائف سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی واپسی اور غزوہ تبوک کے درمیان کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ بن زبیر بن کعب کا قصہ واقع ہوا جیسا کہ غزوہ فتح مکہ کے دوران سال ہشتم میں اس ضمن میں مذکور ہو چکا ہے جن لوگوں کے خون کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس جرم میں کہ یہ لوگ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بھوکرتے تھے۔ مباح قرار دیا تھا اور ان میں ابن الزبیری اور ہبیرہ بن ابی وہب شامل تھے اسی جرم میں کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے خون کو بھی مباح کر دیا تھا اور جس طرح اور لوگ بھاگتے تھے یہ بھی بھاگ گیا تھا۔ بعد ازاں واپس آیا اور چاہا کہ اپنے بھائی کے ساتھ جس کا نام بحیر بن زبیر تھا اور وہ شاعر تھا لیکن وہ اس شاعت میں گرفتار نہ تھا بارگاہ رسالت میں حاضر ہوا اور معذرت چاہ کر طلب مغفرت کرے۔ اس پر اس کے بھائی نے کہا تم یہیں ٹھہرو میں اس ہستی مقدس کے پاس جاتا ہوں

وہاں موجود تھا جست لگائی اور عرض کیا ”یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! اجازت دیجئے کہ میں اس دشمن خدا کی گردن مار دوں۔“ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ”اسے کچھ نہ کہو یہ تو بہ کر کے آیا ہے۔ پھر کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس انصاری پر خشمگین ہوا کہ اس بات کیوں کہی۔ جبکہ مہاجرین میں سے کسی نے بجز اس کے بھائی بجیرا کے کچھ نہ کہا تھا۔ اس کے بعد کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنا قصیدہ لامیہ پڑھا جس کا پہلا شعر یہ ہے کہ

بابت سعاد قلبی الیوم متبول یتیم اثر ہالم یعد مکبول

اور اس نے کہا:

نُبِئْتُ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ وَعَدَنِي
لَا تَأْخُذُونِي فِي الرَّشَاقِ
ان الرسول نور ليتضاء به
وَالْعَفْوُ عِنْدَ رَسُولِ اللَّهِ مَأْمُولٌ
وَلَمْ أَذْنبُ وَلَوْ كَثُرَتْ فِي لَا قَائِلٍ
مَهْنَدٌ مِنْ سِوْفِ اللَّهِ مَسْلُولٌ

اس پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ سے فرمایا دیکھو کیا کہتا ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اچھے اشعار کو پسند فرماتے تھے اگرچہ آپ خود شعر گوئی سے پاک تھے اور اپنی ذات مبارک کی مدح و ثنا کو محبوب رکھتے تھے کیوں کہ بلا شک و شبہ وہ صدق و حق ہیں۔ اس خوشی میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی چادر مبارک اپنے جسم اقدس سے اتار کر اسے عطا فرمائی۔

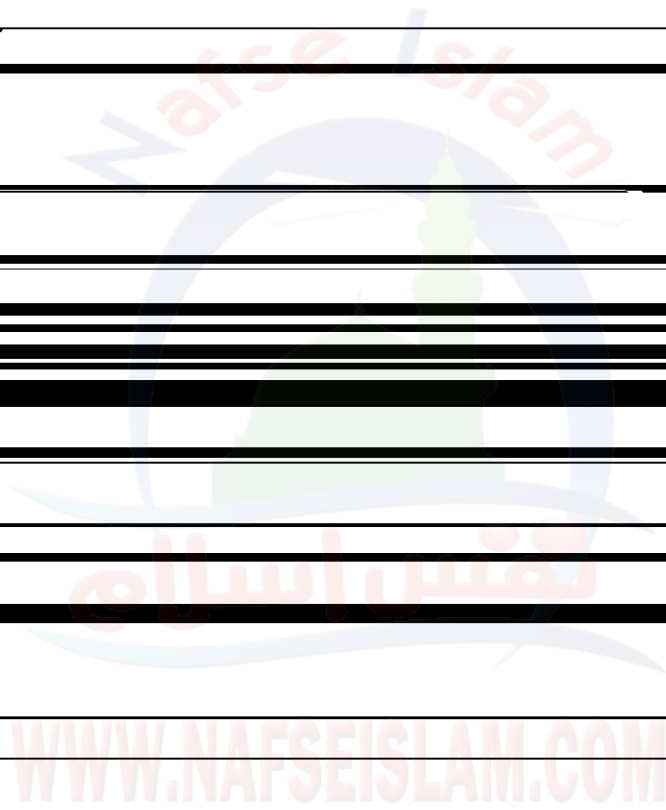
ارباب سیر بیان کرتے ہیں کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اس چادر مبارک کے عوض دس ہزار درہم دینا چاہتے تھے مگر کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اسے قبول نہ کیا اور کہا کہ میں رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے جامعہ مبارک کو کسی کے لیے ایثار نہیں کر سکتا۔ جب تک کعب نے وفات پائی تو حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کعب کے ورثاء کو بیس ہزار درہم بھیجے اور ان سے وہ چادر شریف لے لی۔ اہل سیر کہتے ہیں کہ آج تک بادشاہوں کے پاس وہ چادر مبارک موجود رہی ہے۔

بیان کیا گیا ہے کہ کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس کے بعد مہاجرین کی مدح کی اور کچھ اشعار انصاری کی مدح میں اس بناء پر کہ وہ ان کے اوپر خشمناک ہوئے تھے اسلام لانے کے بعد کہے اور یہ کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ بن زہیر شعراء فحول میں سے تھے ان کا بھائی بجیران کا بیٹا عوام بن عقبہ سب شاعر تھے اور ان لوگوں نے اپنے اشعار سے نفع اٹھایا کہ وہ مقبول درگاہ رساں ہوئے۔

واقعہ ایلاء

اسی سال حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ازواج مطہرات سے ایک ماہ تک ایلاء کیا اور ان کے قریب نہ گئے۔ ایلاء کے لغوی معنی قسم کھانے کے ہیں اور فقہائے کے نزدیک مرد کا اپنی عورت کے پاس چار مہینے تک نہ جانے پر قسم کھانے کا نام ایلاء ہے۔ اس کا حکم یہ ہے کہ چار مہینے تک نہ عورت سے تعرض کرے اور نہ اس کے قریب جائے۔ جیسا کہ آیہ کریمہ میں ہے لِّلَّذِينَ يُؤْلُونَ مِنْ نِسَائِهِمْ تَرَبُّصُ أَرْبَعَةِ أَشْهُرٍ۔ جو لوگ اپنی بیویوں سے ایلاء و قسم کھاتے ہیں وہ چار مہینے تک رکے رہیں اور اگر اس سے قبل چلے جائیں تو قسم کا کفارہ دیں یہ بدلہ ہے اس کا جو انہوں نے اپنے اوپر لازم کیا تھا مثلاً اگر یہ کہا کہ میں اگر تم سے چار ماہ قربت کروں تو میرا غلام آزاد ہے اور اگر چار ماہ گزر جائیں اور قربت نہ کرے تو امام اعظم اور ان کے اصحاب کے نزدیک طلاق بائن واقع ہو جائے گی۔ حضرت سفیان ثوری اور بعض دیگر علماء کا بھی یہی مذہب ہے اور تینوں اماموں کے نزدیک چار ماہ گزرنے سے طلاق واقع نہ ہوگی۔ بلکہ مرد کو قید کیا جائے گا اور مجبور کیا جائے گا کہ یا تو وہ رجوع کرے یا قسم کا کفارہ دے یا طلاق دے۔ اگر اس نے طلاق نہ دی تو اس سے جبراً ایک طلاق دلوائی

سے، اس سے کہہ کر، اے لیکچرر، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا اعزاء فرمانا ایک قسم سے جو ایک ماہ تک ان کے قریب نہ جانے کے



عنه نے عورتوں کے احوال میں ایسی باتیں کہیں جس سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم خوش ہو گئے اور تبسم فرمایا۔

صحیح مسلم میں حضرت جابر عبد اللہ انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دروازے پر ایک دن آئے اور داخل ہونے کی اجازت چاہی۔ دیکھا کہ بہت سے صحابہ در مصطفیٰ پر کھڑے ہیں مگر کسی کو حاضر ہونے کی اجازت نہ مل سکی۔ الحمد للہ کہ حضرت صدیق اکبر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حاضری کی اجازت مل گئی۔ ان کے بعد حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ آئے اور اجازت چاہی انہیں بھی اجازت مل گئی۔ انہوں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپ انتہائی غمگین و اندوگین تشریف فرمائیں۔ انہوں نے ملال خاطر مبارک کی وجہ دریافت کی حضور اکرم نے فرمایا یہ جو میرے گرد بیٹھی ہوئی ہیں اپنی ازواج کی طرف اشارہ فرمایا ”یہ مجھ سے نفقہ طلب کرتی ہیں اور ایسی چیز کا مطالبہ کرتی ہیں جو موجود نہیں ہے۔“ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا ”یا رسول اللہ! کاش کہ آپ ملاحظہ فرماتے کہ میری بیوی خارجہ کی بیٹی اگر مجھ سے نفقہ مانگتی تو میں اٹھ کر اس کا گلا گھونٹ دیتا۔“ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے تبسم فرمایا۔ اس کے بعد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ اٹھے اور سیدہ عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی گردن پر دو ہتھو مارا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بھی سیدہ حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی گردن پر دو ہتھو مارا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے تبسم فرمایا۔ اس کے بعد حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا ”یا رسول اللہ! ہم مکہ مکرمہ میں اپنی عورتوں پر غالب رہتے تھے اور جب ہم مدینہ منورہ آئے تو چونکہ یہاں کی عورتیں اپنے شوہروں پر غالب رہتی ہیں چنانچہ ہماری عورتوں نے بھی مدینہ منورہ کی عورتوں کی عادت پکڑ لی ہے اور اس خوب کو انہوں نے ان سے ہی سیکھا ہے۔“

حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک دن میں نے اپنی بیوی سے بلند آواز میں بات کی اور کوئی بات کہی۔ اس نے بھی مجھے اسی لہجہ میں جواب دیا مجھے اس کی یہ حرکت بری معلوم ہوئی میں نے کہا ”مجھ سے اس بدتمیزی سے کیوں بات کرتی ہو؟“ اس نے کہا ”میں کیوں نہ کروں جبکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج بھی ایک روایت میں ہے کہ تمہاری بیٹی حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بھی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ایسے ہی بات کرتی ہے۔“ کبھی ایسا ہوتا کہ کوئی بیوی آپ سے ایک طرف ہو کے بیٹھ جاتی یہاں تک کہ ساری رات اسی غصہ میں گزار دیتی میں نے کہا ”اگر حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے ایسی بات سرزد ہوتی ہے تو وہ ناامید و نایاں کار ہو۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا رنجیدہ ہونا اور ایلا فرمانا اور عورتوں سے کنارہ کشی کر کے گوشہ نشین ہونا ازواج مطہرات کے نفقہ کی طلب اور تکلیف مالا یطاق کی وجہ سے تھی۔“

یہ بھی حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ہی مروی ہے کہ میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے اجازت لے کر کاشانہ اقدس میں حاضر ہوا میں نے دیکھا کہ مولے کپڑے کی تہبند باندھے برہنہ پہلو کھجور کے پتوں سے بنی ہوئی چٹائی پر آرام فرما ہیں اور اس چٹائی کے نشانات آپ کے پہلو اقدس پر پڑے ہوئے ہیں اور ایک چمڑے کا تکیہ جس میں کھجور کے ریشے بھرے ہوئے ہیں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سر باندھے اور پائے اقدس کی جانب سلم کے پتے بچھے ہوئے ہیں۔ کاشانہ اقدس میں بجز ایک صاع جو اور گرم پانی کے کوزے کے علاوہ کچھ موجود نہ تھا۔ چند غیر پختہ کھالیں دیوار پر لٹکی ہوئی تھیں۔ جب میں نے یہ حال دیکھا تو مجھ پر شدت کا گریہ طاری ہوا اور میری آواز گھٹکھٹکی۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ”اے خطاب کے بیٹے کیوں رو رہے ہو؟“ میں نے عرض کیا میں کیوں نہ روؤں آپ کا یہ حال میں دیکھ رہا ہوں کہ آپ اتنی شدت و محنت برداشت فرمائیں اور قیصر و کسریٰ باغوں اور نہروں میں کفر و طغیان کے باوجود عیش و عشرت کی زندگی گزاریں اور آپ خدا کے رسول ہوتے ہوئے اتنی مشقت و شدت میں رہیں۔ دعا فرمائیے کہ حق تعالیٰ آپ پر اور آپ کی امت پر عیش و فراخی کو کثادہ فرمائے۔“ اس پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سیدھے ہو کے بیٹھ گئے اور فرمایا اے خطاب کے بیٹے! کہاں ہو

اور کہاں کی باتیں کر رہے ہو اور کن لوگوں کا ذکر کر رہے ہو۔ یہ تو وہ لوگ ہیں جن کو دنیا میں ہی عیش و راحت دیدی گئی ہیں اور ہمارے لیے آخرت میں اٹھا کے رکھ دی گئی ہیں۔ اس پر میں نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اِرْضِنَا بِاللّٰهِ وَبِالْاِسْلَامِ دِينًا وَبِمُحَمَّدٍ رَّسُولًا۔ ہم اللہ کے رب ہونے اور اسلام کے دین ہونے اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے رسول ہونے پر راضی و خوش ہیں۔

غرضیکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک ماہ کامل ازواج سے کنارہ کشی فرما کر خلوت نشینی فرمائی وہ مہینہ انتیس دن میں پورا ہوا۔ جب آپ اس خلوت سے باہر تشریف لائے تو سب سے پہلے سیدہ عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے یہاں تشریف لے گئے۔ انہوں نے عرض کیا ”یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! آپ نے قسم کھائی تھی کہ ایک ماہ تک ہمارے یہاں تشریف نہ لائیں گے۔ میں نے اختر شماری کر کے دن کاٹے ہیں اور گنا ہے کہ آج انتیس دن سے زیادہ نہیں ہوئے ہیں؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ”کبھی مہینہ انتیس دن سے زیادہ کا نہیں ہوتا ہے اور یہ مہینہ انہیں میں سے تھا۔“

نیز حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اس حکایت سے پتہ چلتا ہے کہ اس زمانہ میں عسرت و تنگی غالب تھی اور فقر و دینا دشوار اور ازواج کی جانب سے اس کی طلب باعث ملال اور موجب ایلاء ہوا۔ اس کے بعد آیت تحریر نازل ہوئی کہ

يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِّأَزْوَاجِكَ إِن كُنْتُنَّ تُرِدْنَ الْحَيَاةَ
الدُّنْيَا وَزِينَتَهَا فَتَعَالَيْنَ أُمَتِّعْكُنَّ وَأُسَرِّحْكُنَّ سَرَاحًا
جَمِيلًا. وَإِن كُنْتُنَّ تُرِدْنَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَالدَّارَ الْآخِرَةَ
فَالَّذِينَ هُنَّ أُمَّهَاتُكُمْ فَإِطِيعُوا أَمْرَهُنَّ ۚ إِنَّ الدَّارَ الْآخِرَةَ خَيْرٌ لِّمَنِ هُنَّ أُمَّهَاتُكُمْ أُوْصِيَ إِلَيْهَا ۚ

اے نبی! اپنی بیبیوں سے فرما دو۔ اگر تم دنیا کی زندگی اور اس کی آرائش چاہتی ہو تو آؤ میں تمہیں مال دوں اور اچھی طرح چھوڑ دوں اور اگر تم اللہ اور اس کے رسول اور آخرت کا گھر چاہتی ہو تو تمہارے لیے بڑا اجر تیار کر رکھا ہے۔

ہوئی تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے وصال اور ان کے فراق کا غم دامنگیر ہوا کہ مبادہ وہ دنیا اور اس کی زندگی کو اختیار کر لیں۔ فرمایا: ”اے عائشہ رضی اللہ عنہا! اللہ تعالیٰ کا مجھے ایسا حکم ہوا ہے تم کیا چاہتی ہو جو اب میں جلدی نہ کرو اپنے ماں باپ سے مشورہ کر کے عمل کرو“۔ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے عرض کیا ”یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! اس بات میں میں اپنے ماں باپ سے کیا مشورہ کروں میں خدا اور اس کے رسول کو اختیار کرتی ہوں۔ لیکن حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے میری ایک التجا ہے کہ میری یہ گزارش کسی اور بی بی سے بیان نہ فرمائیں“۔ ان کے منع کرنے کا مقصد یہ تھا کہ اگر کوئی بی بی آپ کے حوالہ عقد اور زوجیت سے ٹکنا چاہے تو اس طرح نکل جائے اور یہ بات از روئے طبع غیرت و محبت کی بنا پر تھی نہ کہ از روئے غیرت و اعتقاد اور یہ اظہار محبت یُحِبُّ لَا يَحِبُّهَ مَا يُحِبُّ لِنَفْسِهِ۔ (اپنے بھائی کے لیے وہ پسند کرے جو اپنے لیے پسند کرے) کے منافی و خلاف نہیں ہے۔ یہ خصلت عورتوں میں جلی و طبعی ہے اور ظاہر ہے کہ یہ بات ان سے معفو و معذور ہے۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے گمان کیا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی اس محبت کی بنا پر جو آپ کی ان سے تھی قبول فرمائیں گے اور ان کی یہ گزارش رد نہ فرمائیں گے۔ لیکن حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ حقانیت حضور اکرم کو کسی کیس اتھ متعلق نہیں رکھتی۔ فرمایا: اے عائشہ! یہ کیا بات ہے جو بی بی بھی مجھ سے اس بارے میں پوچھے گی کہ عائشہ نے کیا اختیار کیا میں اسے ضروریہ بات بتا دوں گا اس فرمان میں بھی ایک خاص اشارہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی رعایت اور پاس خاطر کا ملحوظ رکھا گیا وہ یہ کہ اگر کسی نے نہ پوچھا تو میں نہ کہوں گا لیکن اگر پوچھا تو میں بتا دوں گا اور فرمایا: اِنَّ اللّٰهَ لَمْ يَبْعَثْنِيْ مُتَعِنًّا وَلَا مُتَعِنًّا وَلَكِنْ بَعَثْنِيْ مُعَلِّمًا مِّيسِرًا بلاشبہ حق تعالیٰ نے مجھے کسی کو مشقت و شدت میں ڈالنے والا مبعوث نہیں فرمایا اور نہ کسی کی خطا و گنا اور لغزش کی جستجو کرنے والا بنا کر بھیجا لیکن حق تعالیٰ نے مجھے سکھانے والا اور دین کے احکام میں آسانی کرنے والا بنا کر بھیجا ہے۔

واقعہ رجم عورت: اسی سال غامد یہ سبیعیہ عورت کا سنگسار کرنا واقع ہوا۔ غامد یہ غامد سے منسوب ہے جو قبیلہ کے باپ کا نام تھا۔ یہ عورت حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئی اور زنا کا اقرار کیا اور اپنے زنا پر اقامت حد سے طہارت چاہی۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے تغافل فرمایا جیسا کہ آپ کی عادت شریفہ تھی کہ لوگوں کی عیب پوشی فرماتے اور اغماض کرتے تھے۔ مگر وہ عورت اقامت حد کے سوا پر راضی نہ ہوئی اور کہنے لگی ”یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میں چاہتی ہوں کہ آپ مجھے میرے گناہ سے پاک فرمائیں مگر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے رجم کا حکم سنایا اور میں نے اسے رجم کیا۔“

ظلم و زیادتی سے (لگان و ٹیکس وغیرہ) وصول کرتا ہے ایسی توبہ کرے تو وہ بھی بخشا جائے۔ اس کا گناہ اس سے بہت عظیم قبیح ہے۔“ روضۃ الاحباب میں مگس (عائل) کی تفسیر طمغاجی سے کی گئی ہے۔ اس کے بعد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے نکالنے کا حکم فرمایا اور نماز جنازہ پڑھنے کے بعد اسے دفن کیا گیا۔ حدیث کے الفاظ اس طرح واقع ہوئے ہیں کہ **ثُمَّ أَمَرَ فَصُلِّيَ عَلَيْهَا**۔ لفظ ”صلی“ مجہول و معروف دونوں طرح سے پڑھے گئے ہیں۔ بصیغہ مجہول کا مطلب یہ ہوگا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو حکم فرمایا کہ زمین سے نکال کر اس کی نماز جنازہ پڑھیں اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے خود بنفس نفیس نہ پڑھائی اور بصیغہ معروف کا مطلب یہ ہوگا کہ حضور اکرم نے خود بھی نماز پڑھی۔ قاضی عیاض مالکی رحمۃ اللہ فرماتے ہیں کہ جمہور کے نزدیک صحیح مسلم کی روایت بفتح صاد و لام یعنی بصیغہ معروف صلی ہے اور طبری ابن ابی شیبہ اور ابوداؤد کے نزدیک بضم صاد و کسر لام یعنی بصیغہ مجہول صلی آیا ہے اور محدث یعنی جس پر حد قائم کی گئی ہو اس کی نماز جنازہ کے بارے میں اسی طرح مروی ہے۔ لیکن مدیون پر جس نے اپنا قرض ادا نہ کیا ہو متفقہ روایات مروی ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے خود اس کی نماز جنازہ نہیں پڑھائی۔ اسی طرح وہ شخص جس نے اپنے آپ کو خود ہلاک کیا یا جس نے غیبت میں خیانت کی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی نماز نہ پڑھی۔ بلکہ بعض کہتے ہیں کہ خودکشی کرنے والے کی سرے سے نماز جنازہ ہے ہی نہیں مسلک مختار یہ ہے کہ جو بھی قبلہ کی طرف رخ کر کے نماز پڑھے اس کی نماز جنازہ پڑھنی چاہیے امام احمد نے فرمایا بادشاہ و حاکم قاتل نفس (خودکشی) کی خود نماز جنازہ نہ پڑھے بلکہ دوسرے لوگوں سے پڑھوائے۔

واضح رہنا چاہیے کہ روضۃ الاحباب میں غامد یہ عورت کے سنگسار کرنے کا ذکر اسی سال میں بیان کیا گیا ہے اور تعجب ہے کہ حضرت ماعز کے رحم کا ذکر جو اس باب میں اصل اور مشہور ہے نہیں کیا۔ ممکن ہے کہ شہرت کی وجہ سے انہوں نے ذکر نہ کیا ہو مگر یہ وجہ کمزور ہے۔ (مشکوٰۃ کی ظاہر عبارت یہ بتاتی ہے کہ اس کا وقوع بھی اسی سال ہوا ہے واللہ اعلم) بہر حال اس کا ذکر کرنا زابس ضروری ہے۔

حضرت ماعز رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا رجم: ارباب سیر بیان کرتے ہیں کہ حضرت ماعز بن مالک اسلمی رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایک شخص کے گھر میں تھے جس کا نام ہزال رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھا وہ بھی اسلمی تھا انہوں نے اس کی باندی سے جو آزاد کردہ تھی زنا کیا۔ جب یہ واقعہ اس شخص کے سامنے آیا تو اس نے کہا کہ تمہیں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جانا چاہیے اور اپنا حال بیان کرنا چاہیے کہ آپ کیا فرماتے اور کیا حکم کرتے ہیں چنانچہ وہ بارگاہ رسالت پناہ میں حاضر ہوئے اور عرض کیا ”یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! مجھے پاک فرمائیے“۔ حضور اکرم نے فرمایا افسوس ہے تجھ پر جا خدا سے بخشش مانگ اور توبہ کر۔“ پھر وہ تھوڑی دیر کے بعد آئے اور عرض کیا ”یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! مجھے پاک فرمائیے“۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ”کس چیز سے تجھے پاک کروں“۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجملاً یہ جانا تھا کہ اس سے کوئی خطا غلطی واقع ہوئی ہے خاص زنا کرنا معلوم نہ ہوا تھا۔ ماعز رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا ”زنا سے اور اس کی ناپاکی سے“۔ اس کے بعد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا رخ انور دوسری طرف پھیر لیا۔ ماعز رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی اسی طرف آ کے کھڑے ہو گئے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر اپنا رخ انور پھیر لیا اور فرمایا ”کیا یہ شخص دیوانہ ہے جو یہ بات دیوانگی سے کہہ رہا ہے؟“ صحابہ نے عرض کیا ”یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! یہ دیوانہ نہیں ہے بلکہ فرزانہ ہے“ فرمایا ”کیا شراب پیئے ہوئے ہیں جو اس کی مستی و نشہ میں یہ کہہ رہا ہے؟“ اس پر ایک شخص اٹھا اور اس نے اس کا منہ سوگھا مگر اس نے شراب کی بونہ محسوس کی۔ پھر فرمایا ”ممکن ہے کہ اس نے عورت کا بوسہ لیا ہو یا اسے چمٹایا ہو یا اسے اپنے ساتھ سلا یا ہو یا اس کے ساتھ خلل کیا ہو اور زنا کے مقدمات و مبادیات کی ہوں اور اس کو یہ زنا کہہ رہا ہو“ ماعز رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا ”یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! نہیں میں نے زنا کیا ہے۔“ نیز حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شخص سے جس کے گھر میں ماعز رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھے اور جہاں زنا واقع ہوا تھا

اور اس نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر ہونے کا مشورہ دیا تھا۔ فرمایا: ”اگر تو ماعز رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی پردہ پوشی کرتا اور اس کے زنا کے قصہ کو ظاہر نہ کرتا تو تیرے لیے بہتر ہوتا۔“ غرضیکہ جب حضرت ماعز رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے چار مرتبہ اقرار کر لیا تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے رجم و سنگسار کرنے کا حکم فرمایا۔ اس کے بعد انہیں مدینہ منورہ کے سنگستان میں لایا گیا اور انہیں سنگسار کیا گیا۔ جب انہیں پتھروں کے مار سے شدت کی تکلیف ہوئی تو وہ بھاگ کھڑے ہوئے۔ اس پر ایک شخص کے ہاتھ اونٹ کا جبر الگ گیا اس نے اسی ہڈی کو اٹھا کر ماعز رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مارا اور اس کے بعد اتنا سنگسار کیا کہ وہ جاں بحق تسلیم ہو گیا۔ اس کے بعد وہ حضرات حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور سارا قصہ دہرایا کہنے لگے جب اسے سنگساری سے سخت تکلیف ہوئی اور وہ قریب ہلاکت کے پہنچ گیا تو بھاگ کھڑا ہوا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ”اسے کیوں نہ چھوڑ دیا کہ وہ خدا سے توبہ کرتا اور خدا اس کی توبہ قبول فرماتا اور رحمت و کرم کے ساتھ توبہ فرماتا۔“ اس کے بعد حضور اکرم نے حضرت ماغر بن مالک کے لیے استغفار فرمائی اور فرمایا بلاشبہ اس نے ایسی توبہ کی ہے کہ اگر اس توبہ کو ساری امت میں تقسیم کیا جائے تو وہ سب کو کافی ہو اور سب کے لیے کارآمد ہو اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اقامت حد کا نام توبہ رکھا اس بنا پر کہ اس سے طہارت، برات اور نجات ہوتی ہے جس طرح کہ توبہ سے حاصل ہوتی ہے۔ درحقیقت توبہ قتل نفس کے حکم میں ہے اور اس جگہ خود حقیقت میں ماعز نے قتل نفس کیا اور جان دی۔ اس سے زیادہ بالاتر کیا ہوگا کہ خدا طلبی اور اس کی راہ پر چلتے ہوئے جان دے دی۔

عسرت بھی کہتے ہیں کیوں کہ اس میں لشکروالوں کو مشقت، بھوک و پیاس بہت محسوس ہوئی تھی۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ مسافت طویل تھی اور ہوا بہت گرم۔ دشمن کا لشکر قوی تھا اور قحط سالی تھی۔ لشکر بہت زیادہ تھا اور زرادہ اور سامان بہت کم تھا لشکر اسلام کی عسرت و تنگی کا یہ عالم تھا کہ فقراء صحابہ میں سے اٹھارہ اصحاب کے لیے ایک اونٹ سے زیادہ نہ تھا جس پر وہ باری باری سوار ہوتے ہیں اور کرم خوردہ کھجوروں کا آنا اور گھن لگے جوار اور بودار گھی سفر کا توشہ تھا اور پانی تو انتہائی کمیاب تھا باوجود جو سواری کی قلت کے اونٹوں کو ذبح کرتے اور اس کے آنتوں اور رگوں کی تری سے ہونٹوں کی خشکی دور کرتے تھے درختوں کے پتے کھاتے تھے جس سے سوڑھے سوجھ گئے اور ہونٹ اونٹ کے ہونٹوں کی مانند ہو گئے تھے۔ اغنیاء صحابہ بھی مدینہ سے باہر جانے میں بحکم طبع ناگواری محسوس کرتے تھے کیوں کہ میوؤں کے پکنے کا زمانہ تھا اور انہیں درختوں کے سایوں میں بیٹھنا اور پھلوں سے لطف اندوز ہونا طبعی طور پر مطلوب و مرغوب تھا اس پر یہ آئیہ کریمہ نازل ہوئی:

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَا لَكُمْ اِذَا قِيْلَ لَكُمْ اَنْفِرُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَنْفَلْتُمْ اِلَى الْاَرْضِ اَرْضَيْتُمْ بِالْحَيٰوةِ الدُّنْيَا مِنَ الْآخِرَةِ فَمَا مَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا فِي الْآخِرَةِ اِلَّا قَلِيْلٌ

اے ایمان والو! تمہیں کیا ہوا جب تم سے کہا جائے خدا کی راہ میں میں کوچ کرو تو تم بوجھ کے مارے زمین پر بیٹھ جاتے ہو۔ کیا تم نے دنیا کی زندگی آخرت کے بدلے پسند کر لی اور جیتی دنیا کا اسباب آخرت کے سامنے نہیں مگر تھوڑا۔

اس طرح تن آسانوں اور فراغت طلب کرنے والوں پر طعن و تشنیع کا کوڑا رسید کیا۔ اس غزوہ کے لیے مدینہ طیبہ سے روانہ ہونے کی تاریخ بلا اختلاف روز پنجشنبہ ماہ رجب ۹ھ تھی۔ اس غزوے کا سبب یہ تھا کہ ان دنوں ایک قافلہ شام سے مدینہ طیبہ آیا اور انہوں نے خبر پہنچائی کہ شام روم بہت بڑا لشکر جمع کر چکا ہے اور قبائل کثیرہ مثلاً حم، جزام، عاملہ اور عسان وغیرہ قبائل عرب میں سے جو نصرانی تھے ہر قل سے بڑے خوش ہیں اور وہ سب دین نصاریٰ کے غلبے کے لیے جمع ہو کر نکل آئے تھے اور وہ سب متفق و مجتمع ہو کر مدینہ کا ارادہ رکھتے ہیں۔

ارباب سیر کہتے ہیں کہ ان شہروں اور بستیوں کے نصرانیوں نے ہر قل سے یہ جھوٹ کہہ رکھا تھا کہ وہ ہستی مقدس جس نے دعویٰ نبوت کیا ہے دنیا سے کوچ کر چکی ہے اور یہ کہ ان کے اصحاب میں سخت قحط و تنگی پڑی ہوئی ہے اور ان کا مال و متاع ضائع ہو چکا ہے اور ان کی مملکت کو آبائی قبضہ میں لایا جاسکتا ہے۔ اس پر ہر قل نے روم کے سرداروں میں سے قباد نامی شخص کو چالیس ہزار نامزد کر کے مدینہ کی طرف روانہ کیا۔ یہ خیر سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو پہنچی اس سے پتہ چلتا ہے کہ ہر قل اپنی نصرانیت پر قائم تھا اور اس وقت جبکہ سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے اپنا مکتوب گرامی بھیجا تھا اور اس نے مسلمانوں کے دین کی طرف رغبت کا اظہار کیا تھا کوئی اصلیت نہیں رکھتا۔ اگر ہو بھی تو دنیا کی محبت اور حکمرانی اور اس کی قوم نے اسے نہ چھوڑا کہ وہ ایمان لاتا اور دین اسلام کا تابع بنتا۔

جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے شام کی طرف لشکر کشی کا مصمم ارادہ فرمایا تو صحابہ کرام کو قبائل کی طرف لشکر جمع کرنے کے لیے بھیجا اور ہر اس شخص کو جو جس قبیلہ کی طرف منسوب تھا اسے اسی قبیلہ کی طرف لشکر اور ساز و سامان جمع کرنے کے لیے بھیجا اور صحابہ کو سپاہ کی تیاری اور فقراء و مساکین پر تصدیق و انفاق اور راہ خدا میں اعانت و جہاد کی ترغیب و تحریص فرمائی۔ ہر شخص نے اپنی ہمت و طاقت اور حوصلہ و امکان کی حد تک لشکر کی تیاری میں امداد کی اور مال و متاع خرچ کیا۔ چنانچہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنا تمام مال و اسباب اٹھا کر لے آئے اور جو کچھ تھا راہ خدا میں صرف کر دیا اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنا آدھا جتنا بھی ان کی ملکیت میں تھا جدا کر کے لے آئے۔ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ہی مروی ہے وہ فرماتے ہیں کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لشکر تبوک کی تیاری کا شوق دلایا تو میں نے اپنے دل میں خیال کیا کہ آج تو میں حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر سبقت لے

جاؤں گا۔ آج تو میرے پاس بہت مال ہے جس میں سے آدھے مال کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لے آیا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا ”اپنے اہل و عیال کے لیے کیا چھوڑا ہے“ میں نے عرض کیا ”اتنی ہی مقدار میں ان کے لیے چھوڑ دیا ہے“۔ اس کے بعد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ آئے اور جتنا کچھ مال ان کے پاس تھا سب لے آئے۔ ان سے بھی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پوچھا ”اپنے اہل و عیال کے لیے کتنا ذخیرہ چھوڑا ہے؟ انہوں نے کہا: اَذْخَرْتُ لِلّٰهِ وَرَسُوْلَهُ میں نے اللہ اور اس کے رسول کو چھوڑا ہے“۔ اس پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مَا بَيْنَكُمْ مَا بَيْنَ كَلِمَتَيْكُمْمَا۔ تمہارے درمیان میں فرق مراتب اور تفاوت اتنا ہی ہے جتنا تمہاری ان دو باتوں کے درمیان“ پھر میں نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے عرض کیا ”میں آپ سے کسی بات میں سبقت نہیں کر سکتا۔“

بیان کیا گیا ہے کہ ایک دن حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ صدقہ چھپا کے لائے اور عرض کیا ”یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! یہ میرا صدقہ ہے اور خدا میرے نزدیک معاذ ہے۔ اس کے بعد حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ آئے اور آشکارا کر کے صدقہ لائے عرض کیا ”یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! یہ صدقہ میرا ہے اور خدا کے واسطے میرے نزدیک معاذ ہے“ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ”اے عمر رضی اللہ عنہ! بدون زہ کے تم نے اپنے گمان کو زہ کیا اور فرق تمہارے صدقہ کے درمیان یہی ہے جو تمہارے کلموں کے درمیان ہے۔ یہ واقعہ یا تو اسی قصہ تبوک کا ہے یا کسی اور موقع کا۔ روضۃ الاحباب کی عبارت سے یہی ظاہر ہوتا ہے کہ یہ واقعہ کسی اور موقع کا ہے۔

ایک اور حدیث میں سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے کہ ایک چاندنی رات میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف فرما تھے اور آپ کا سر مبارک میری گود میں تھا میں نے عرض کیا ”یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! کوئی شخص ایسا ہے جس کی نیکیاں آسمان کے ستاروں کی گنتی کے مساوی ہوں؟ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ”وہ عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں ان کی نیکیاں آسمان کے ستاروں کی مقدار میں ہیں“۔ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں میں نے عرض کیا ”تو ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی نیکیاں کتنی ہوں گی؟“ فرمایا ”حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تمام نیکیاں“ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ایک نیک کے برابر ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ..... کی نیکیاں ان سے بھی زیادہ ہیں یا یہ مراد ہو کہ کیت میں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی نیکیاں اگرچہ زیادہ ہوں لیکن کیفیت میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی نیکیاں بالاتر ہیں۔ جیسا کہ دوسری حدیث میں مروی ہے کہ کثرت صوم و صلوة کی بنا پر حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو فضیلت نہیں دی گئی بلکہ ان کے دل میں جو خیر رکھا گیا ہے اس کی وجہ سے ہے۔ مطلب یہ کہ صدق و اخلاص اور معرفت کی بنا پر انہیں افضلیت حاصل ہے۔

بندہ مسکین حبیبہ اللہ علی طریق الحق والیقین یعنی شیخ محقق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا فرمانا کہ ”چاندنی رات تھی“۔ بیان واقع ہے اور مراد آسمان کے تمام ستارے ہیں تاکہ کوئی یہ نہ کہے کہ چاندنی رات میں تو ستارے کم ہوتے ہیں اور کم نظر آتے ہیں۔ اس غزوے میں انفاق فی سبیل اللہ میں شریک غالب حضرت بن عفان رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھے اور مُجْهَرُ جَبِشِ الْعُسْرَةِ۔ (جیشِ عسرت کا سامان مہیا کرنے والے) ان کے مدائح اور مناقب میں سے ہے مروی ہے کہ حضرت عثمان ذوالنورین رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایک قافلہ مرتب فرما رہے تھے تاکہ تجارت کے لیے شام بھیجیں۔ انہوں نے یہ ارادہ ترک فرما دیا اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا ”یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! یہ دو سواونٹ جن پر پالان پوشش اور چادر وغیرہ پڑے ہوئے ہیں ہر طرح مکمل ہیں مع دو سواونہ چاندی پیش خدمت ہیں۔ ان سے لشکر کی ضروریات مکمل فرمائیے“۔ ایک روایت میں ہے کہ تین سواونٹ چہار بستہ مکمل اور ایک مثقال سونا لائے اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے آگے ڈال دیا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ

وسلم نے فرمایا: اَللّٰهُمَّ اَرْضِ عَنْ عُثْمَانَ فَاِنِّيْ عَنْهُ رَاضٍ۔ اے خدا عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راضی ہو بلاشبہ میں تو ان سے راضی ہو گیا۔

ارباب سیر کہتے ہیں کہ غزوہ تبوک میں تیس ہزار کاشفرا سلام تھا اس میں سے دو تہائی لشکر کا سامان حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فراہم کیا تھا اور مَنْ جَهَّزَ الْجَيْشَ الْعُسْرَةَ فَلَهُ الْجَنَّةُ۔ (جو جیشِ عسرت کی تیاری میں سامان فراہم کرے اس کے لیے جنت ہے) کی بشارت سے مشرف ہوئے۔ نیز مروی ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ”اے خدا قیامت کے دن عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے حساب اٹھا دے۔ مواہب لدنیہ میں قنادہ سے مروی ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جیشِ عسرت میں ہزار اونٹ اور سات سو گھوڑے سواری کے دیئے اور عبدالرحمن بن سرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایک ہزار دینار اپنی آستین میں لائے جس وقت کہ جیشِ عسرت کی تیاری کی جارہی تھی۔ انہوں نے وہ سب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پہلو میں الٹ دیئے۔ پھر میں نے دیکھا کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم ان دیناروں کو غور سے ملاحظہ فرما رہے تھے اور فرمایا ”عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ آج کے بعد جو کرے انہیں نقصان نہ کریگا“۔ ایک روایت میں آیا ہے ”عَفَرَ اللَّهُ لَكَ يَا عُثْمَانُ مَا أَسْرَرْتَ وَمَا أَخْلَنْتُ“ اللہ تعالیٰ نے اے عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ تمہیں بخش دیا وہ سب جو ظاہر تم سے ہو اور جو چھپا کر تم سے ہو“ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا توجہ اور التفات سے ملاحظہ فرمانا حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر عیاں کرنے کے لیے تھا کہ جو کچھ وہ لائے بہت لائے تاکہ وہ اس قبولیت سے خوشی و مسرت محسوس کریں۔ ایک روایت میں ہے کہ دس ہزار دینا لائے اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمانا کہ ”اس کے بعد جو کچھ کریں کچھ نقصان نہ دے گا“۔ اس میں عفو درگزر کی بشارت ہے کہ جو بھی گناہ و غلطی کی قسم میں سے صادر ہو وہ سب معاف ہے۔ یہ مضمون اس ارشاد کے موافق ہے جو اہل بدر کے لیے فرمایا: اِنَّ اللّٰهَ اَطْلَعَ عَلَى اَهْلِ بَدْرٍ فَقَالَ اِعْمَلُوا مَا شِئْتُمْ فَقَدْ غَفَرْتُ لَكُمْ۔ بیشک اللہ تعالیٰ بدروالوں کو خبردار کرتے ہوئے فرماتا ہے کہ جو بھی عمل تم سے (از قسم تقصیر گناہ) سرزد ہو بلاشبہ میں نے تمہیں معاف فرمادیا ہے۔ اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ انہیں مطلق العنان کر دیا ہے اور انہیں آزاد چھوڑ دیا کہ جو چاہے کریں اور نہ یہ مراد ہے کہ ان سے ضرور ہی یہ واقع ہو۔ البتہ یہ عفو و غفران کے اعزاز کے ساتھ ان کو بشارت اور عزت افزائی ہے اور حضرت امیر المومنین عثمان ذو النورین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حق میں بعض صحابہ کی طرف سے مواخذہ جات اور اعتراضات بھی واقع ہوئے ہیں۔ علماء نے ان کے جوابات بھی دیدئے ہیں اور مجبوریاں بھی ظاہر کی ہیں جیسا کہ وہ اپنی جگہ بیان ہوئے ہیں۔

اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ جسے قبول درگاہ ہاتھ آجائے۔ خدا اور اس کے رسول کی رضا حاصل ہو جائے اور بارگاہ قبولیت میں مقام پالے۔ اس کے حق میں عفو و مغفرت کی امید انشاء اللہ تعالیٰ پوری پوری ہے۔ حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ چالیس ہزار درہم لائے اور عرض کیا ”میرے پاس اسی ہزار درہم تھے آدھا اتنے اہل و عیال

تمام اموال کے اوپر رکھا۔

منافقین نے لمز و عیب اور تسخر میں زبان کھولی اس پر یہ آیہ کریمہ نازل ہوئی: الَّذِينَ يَلْمُزُونَ الْمُطَّوِّعِينَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ فِي الصَّدَقَاتِ وَالَّذِينَ لَا يَجِدُونَ إِلَّا جُهْدَهُمْ فَيَسْخَرُونَ مِنْهُمْ سَخِرَ اللَّهُ مِنْهُمْ وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ۔ وہ جو عیب لگاتے ہیں ان مسلمانوں کو جو کہ دل سے خیرات کرتے ہیں اور ان کو جو نہیں پاتے مگر اپنی محنت سے تو وہ ان سے ہنتے ہیں اللہ ان کی ہنسی کی سزا دے گا ان کے لیے دردناک عذاب ہے۔

ارباب سیر بیان کرتے ہیں کہ صحابہ میں سے ایک صحابی جن کا نام عتبہ بن زید رضی اللہ عنہ تھا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں آئے اور عرض کیا ”یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میں مال و زر تو رکھتا نہیں کہ راہ خدا میں پیش کر سکوں البتہ اپنی عزت و آبرو کو لوگوں پر حلال کرتا ہوں وہ جس طرح چاہیں میرے ساتھ پیش آئیں ان سے کوئی مواخذہ نہ ہوگا اور جو خدمت چاہیں مجھ سے لے لیں اور جس طرح مدد چاہیں لیں انہیں معاف ہوگا“۔ فرمایا حق تعالیٰ نے تمہارے صدقہ کو قبول کر لیا۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان اموال کو ضرورت مندوں پر خرچ فرمایا تاکہ وہ اپنی تیاری کریں اور فرمایا بہت سی نعلین (جوتیاں) ساتھ لویوں کہ جوتیاں پہننا سواری کا حکم رکھتا ہے۔ مروی ہے کہ کچھ صحابہ کرام حاضر ہوئے جن کے نام سیر کی کتابوں میں مذکور ہیں انہوں نے عرض کیا ہم پا پیادہ ہیں سواری نہیں رکھتے ہمارے لیے سواری کا انتظام فرمادیجئے تاکہ سوار ہو کر جہاد میں شریک ہوں۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تمہارے لیے سواری کی قسم میں سے کچھ موجود نہیں پاتا اور نہ اس وقت اتنا صدقہ کا مال ہے جس سے تمہاری ضرورت پوری سکے۔ اس پر یہ ضرورت مند اصحاب مجلس مبارک سے غمگین ہو کر حسرت سے روتے ہوئے نکلے کہ وہ ایسی کوئی چیز نہ پاسکے جو خرچ کر سکتے۔ اس جماعت کا نام ”گروہ بکائین“ ہوا جیسا کہ آیہ کریمہ میں ہے۔

وَلَا عَلَى الَّذِينَ إِذَا مَا اتَّوَكَّلُوا لَمْ يُحْمَلْهُمْ قُلْتُ لَا أَجِدُ مَا أَحْمِلُكُمْ عَلَيْهِ تَوَلَّوْا وَأَعْيُنُهُمْ تَفِيضُ مِنَ الدَّمْعِ حَزَنًا أَلَّا يَجِدُوا مَا يُنْفِقُونَ

اور ان پر کوئی مواخذہ نہیں جو تمہارے حضور حاضر ہوں کہ تم انہیں سواری عطا فرماؤ۔ تم سے یہ جواب پا کر میرے پاس کوئی چیز نہیں جس پر تمہیں سوار کروں اس پر یوں واپس جائیں کہ ان کی آنکھوں سے آنسو ابلتے ہوں اس غم سے کہ خرچ کا مقدور نہ پایا۔

یہ آیہ کریمہ انہیں لوگوں کے حال کی خبر دیتی ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے اگرچہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی صفات حمیدہ میں لکھا ہوا ہے کہ آپ زبان مبارک پر کبھی ”لا“ یعنی نہیں نہ آیا لیکن بعض اوقات بحکم ضرورت اور باقتضا مال عذر بھی فرمایا ہوگا۔ اس کے باوجود علما فرماتے ہیں کہ ”لَا أَعْطَى وَلَا أَجِدُ“ کے درمیان فرق ہے یہ بحث اوائل کتاب ہذا میں اخلاق شریف کضمن میں گزر چکی ہے۔ مروی ہے کہ ابن یامین بن عمر نے ان میں سے دو شخصوں کو ایک اونٹ دیا اور حضرت عباس بن عبدالمطلب نے ان میں سے دو شخصوں کو اونٹ دیا اور حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان میں سے تین شخصوں کو اونٹ دیا۔ نیز مروی ہے کہ ابو موسیٰ اشعری فرماتے ہیں کہ مجھے میرے ساتھیوں نے یعنی اشعریوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بھیجا کہ میں ان کے لیے حضور سے سواری حاصل کروں میں حضور کی بارگاہ عالی میں آیا اور عرض کیا ”یا بنی اللہ! مجھے آپ کی خدمت میں بھیجا گیا ہے کہ آپ ان کی سواری مرحمت فرمائیں“۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ”واللہ میں ان کی سواری کا انتظام نہیں کر سکتا“۔ اس پر میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے منع فرمانے سے غزہ ہو کر لوٹا اور یہ بھی خوف دامنگیر ہوا کہ کہیں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم میرے مانگنے پر دلگیر نہ ہوئے ہوں اور مجھ سے ناراض نہ ہو گئے ہوں۔ اس کے بعد میں اپنے ساتھیوں کے پاس آیا اور جو کچھ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب مرحمت فرمایا تھا

ان سے بیان کیا۔ پھر زیادہ دیر نہ گزری تھی کہ اچانک میں نے حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو آواز دیتے سنا کہ عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بن قیس کہاں ہیں؟ یہ ابوموسیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اشعری کا نام ہے۔ میں نے جواب دیا کہ میں یہاں ہوں۔ تو انہوں نے کہا کہ رسول خدا تمہیں بلاتے ہیں حاضر ہو۔ پھر جب میں بارگاہِ یکس پناہ میں حاضر ہوا تو فرمایا۔ لو یہ چھ اونٹ ہیں۔ اپنے ساتھیوں کے سوار ہونے کے لیے دیدو۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان اونٹوں کو حضرت سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے خرید فرمایا تھا۔ حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے وہ اونٹ اپنے ساتھیوں کو دیدے میں اپنی جگہ بے حد پریشان اور شرمندہ تھا کہ میں نے اس کے لیے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو پریشان کیا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے عطانہ فرمانے پر قسم یاد کی تھی۔ میں نے عرض کیا ”یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! آپ نے تو عطانہ فرمانے پر قسم یاد کی تھی۔ اب آپ نے عطا فرمانا کر قسم کو توڑا ہے یہ کیا بات ہے؟ فرمایا خدا نے تمہیں سوار کیا ہے اور اس کا مجھے حکم دیا ہے کہ میں جب کسی معاملہ میں قسم یاد کر لوں اور میں دیکھوں کہ قسم توڑنے میں بھلائی اور خیر ہے تو میں قسم کا کفارہ دیدوں۔

چونکہ اس سفر میں محنت و مشقت اور سختیاں زیادہ تھیں منافقوں کی اس جماعت نے جن کو معذورین کہتے ہیں عذر ظاہر کیے تھے اور ایک جماعت نے بغیر عذر کے تخلف اختیار کیا اور بیٹھے رہے اور یہ دوسروں کو بھی ہوا کی سخت گرمی و مشقت وغیرہ سے خوف دلا کر روکتے رہے ان کا تذکرہ اور تفصیل سورہ توبہ میں واقع ہوئی ہے ان منافقوں میں ایک شخص جد بن قیس تھا اس نے آ کر کہا ”یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! مجھے مدینہ میں رہنے کی اجازت دیجئے اور نامعقول عذر پیش کیا کہ میں عورتوں کا دلدادہ ہوں جب میں بنی الاصرہ کی عورتوں کو دیکھوں گا تو مجھ سے صبر نہ ہوگا اور میں فتنہ میں پڑ جاؤں گا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں نے تجھے اجازت دی اور اپنا رخ انور اس کی طرف پھیر لیا اور یہ آئیہ کریمہ نازل ہوئی:

وَمِنْهُمْ مَنْ يَقُولُ اَنْذَنْ لِيْ وَلَا تَفْتِنِيْ اَلَا فِي الْفِتْنَةِ
فَنَفْسٍ مِّنْ نَّذَالِيْ سَنُورُوه فَنَفْسٍ مِّنْ نَّهِيْ پڑے اور بے شک جہنم گھیرے
سَقَطُوْا وَاِنَّ جَهَنَّمَ لَمُحِيْطَةٌ بِالْكَافِرِيْنَ ۝

ان میں سے کوئی تم سے یوں عرض کرتا ہے کہ مجھے رخصت دیجئے اور فتنہ میں نہ ڈالو یہ سن لو وہ فتنہ میں ہی پڑے اور بے شک جہنم گھیرے ہوئے ہے کافروں کو۔

بنی الاصرہ روم کا نام ہے۔ کیوں کہ ان کے جد اعلیٰ کا نام روم بن عیص بن الحنظل بن ابراہیم علیہ السلام ہے۔ جو زرد رنگ کا تھا۔ بعض کہتے ہیں کہ اس روم بن عیص نے بادشاہ حبشہ کی بیٹی سے نکاح کیا تھا جس نے سفید اور سیاہی کے درمیان زرد رنگ کی اولاد پیدا ہوئی۔ کہتے ہیں کہ کسی زمانہ میں حبشیوں نے روم پر..... غلبہ پالیا تھا اس زمانہ میں انہوں نے ان کی عورتوں سے وطی کی۔ جن سے یہ زرد رنگ کی اولاد پیدا ہوئی اور یہ بھی کہتے ہیں کہ اصرہ روم بن عیص کا نام ہے (واللہ اعلم)

منافقوں کا ایک گروہ طع غنیمت اور دنیاوی مال کی لالچ میں ہمراہ ہوا اور ان کی روانگی اور واپسی کے دوران حرکات شیعہ اور کلمات ناپسندیدہ وجود میں آئے جب لشکر اسلام مرتب ہو گیا تو حکم ہوا کہ سب لوگ مدینہ طیبہ کے باہر ”ثنیۃ الوداع“ میں جمع ہو جائیں اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس لشکر کے امیر ہوئے۔

عبداللہ بن سلول منافق اپنے حلیفوں اور ساتھیوں کے ساتھ لشکر سے باہر نکلا اور ذہاب کے مقابل (جو ایک جگہ کا نام ہے) علیحدہ ہو کر اس نے پڑاؤ کیا وہ کہنے لگا کہ ”محمد“ بنی الاصرہ سے جنگ کرنے جا رہے ہیں اور وہ یہ جانتے ہیں کہ ان کے ساتھ جنگ کرنا آسان ہے۔ خدا کی قسم! میں دیکھ رہا ہوں کہ ان کے ساتھی و اصحاب پابند طوق و سلاسل ہیں اور وہ اطراف و اکناف عالم میں متفرق ہو گئے ہیں۔ جب ان منافقوں کے لوٹنے کی خبر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سمع ہمایوں میں پہنچی تو فرمایا اگر اس میں کچھ ہوتا تو وہ ہم سے پیچھے نہ رہ

جاتا اور فرمایا خدا کا شکر کرو کہ شریروں کے شر سے نجات پا گئے۔

بخاری و مسلم میں حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ طیبہ سے تشریف لے جانے کا عزم فرمایا تو حضرت علی ابن ابی طالب کرم اللہ وجہہ کو اپنے اہل میں خلیفہ بنایا اس پر علی المرتضیٰ رضی اللہ علیہ وسلم نے عرض کیا ”یا رسول اللہ میں کسی غزوہ میں پیچھے نہیں رہا ہوں کیا وجہ ہے کہ اس مرتبہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم مجھے چھوڑے جا رہے ہیں اور عرض کیا ”یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! مجھے بچوں اور عورتوں میں چھوڑ رہے ہیں؟“ فرمایا ”اے علی! رضی اللہ عنہ کیا تم اس سے راضی نہیں کہ تمہاری ہمنزل ہارون کے جو موسیٰ علیہ السلام سے نسبت ہے مجھ سے نسبت ہو لیکن فرق یہ ہے کہ ہارون علیہ السلام نبی تھے اور میرے بعد کسی کو نبوت نہ ہوگی۔ چونکہ موسیٰ علیہ السلام نے میقات جاتے وقت اپنے بھائی ہارون علیہ السلام کو اپنی قوم پر خلیفہ بنایا تھا جیسا کہ حق تعالیٰ نے فرمایا: **وَإِذْ قَالَ مُوسَىٰ لَأَخِيهِ هَارُونَ لَا خَلْفِيكَ هَٰؤُلَاءِ ۖ اٰخُلَفِيْٓنِيْ فِیْ قَوْمِیْ** اور جب کہا موسیٰ علیہ السلام نے اپنے بھائی ہارون علیہ السلام سے کہ قوم میں خلیفہ بنو۔

ارباب سیر بیان کرتے ہیں کہ جب حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کو مدینہ طیبہ میں چھوڑا تو منافقوں اور حاسدوں نے کہا کہ ”رسول خدا نے علی المرتضیٰ کو ناراض ہونے کی وجہ سے چھوڑا ہے۔“ اس پر حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے مقام حرب باد میں پہنچے اور صورت واقعہ عرض کیا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ”لوگ جھوٹ کہتے ہیں۔ میں نے تمہیں اس لیے چھوڑا ہے کہ تم میرے اہل بیت اور اپنے اہل بیت یعنی سیدہ فاطمہ زہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا میں میرے خلیفہ رہو اور ان سب کی دیکھ بھال کر سکو۔ اس حدیث سے شیعہ (روافض) یہ استدلال کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد خلافت کا حق حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ہے اور یہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب سے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارے میں وصیت ہے۔ اس کے برخلاف علماء اہل سنت و جماعت کہتے ہیں کہ اس حدیث میں کوئی حجت ان کے لیے نہیں ہے۔ اس لئے کہ حدیث واضح ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوہ تبوک کی غیبت کی مدت کے لیے حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کو اپنا خلیفہ بنایا اور اس جگہ اہل بیت پر خلیفہ بنانے سے امت پر خلیفہ بنانا لازم نہیں آتا۔ جس طرح کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ہارون علیہ السلام کو اپنی قوم میں مناجات کے ذریعہ اپنی غیبت کی مدت میں خلیفہ بنایا تھا اور وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد ان کے خلیفہ نہیں ہوئے تھے چونکہ حضرت ہارون کی وفات حضرت موسیٰ علیہ السلام سے چالیس سال پہلے ہوئی تھی اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابن ام مکتوم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو نماز میں لوگوں کی امامت کے لیے خلیفہ بنایا تھا۔ لہذا حضرت علی کرم اللہ وجہہ اہل بیت اطہار کی دیکھ بھال کرتے تھے اور حضرت ابن ام مکتوم رضی اللہ تعالیٰ عنہ لوگوں کی امامت کرتے تھے۔ اگر خلافت حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے لیے ہوتی تو ان کو امامت کے لیے بھی درجہ اولیٰ و اتم حکم ہوتا اور ”آدمی“ نے جو علماء اصول حدیث میں سے ہیں اس حدیث کی صحت میں کلام کیا ہے۔ لیکن غلط و خطا ہے اور ائمہ حدیث سب اس حدیث کی صحت پر متفق ہیں اور محدثین کا قول معتمد ہے۔ صحیح بخاری و مسلم دونوں میں مروی ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ ”إِلَّا أَنَّهُ لَا نَبِيَّ بَعْدِي“ (مگر یہ کہ میرے بعد نبوت نہیں ہے) یہ کلمہ موجود نہیں ہے۔ یہ بات بھی ناقابل قبول ہے اور ثقہ راوی کی زیادتی مقبول ہے اور اگر ہو بھی تب بھی حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کی خلافت کے حصر پر دلالت نہیں رکھتی اور نہ رابطہ ہے اس وجود پر کہ بعد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم وہ بے واسطہ خلیفہ ہوں اور حضرت علی المرتضیٰ کو اہل بیت اطہار پر خلیفہ مقرر کرنے کے بعد علماء اختلاف رکھتے ہیں کہ مدینہ طیبہ پر کسے خلیفہ بنایا۔ بعض کہتے ہیں کہ محمد بن مسلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بنایا اور کہتے ہیں کہ سب سے زیادہ صحیح روایت یہی ہے اور ایک روایت میں ہے کہ سباع بن عرفطہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بنایا اور ایک روایت میں ہے کہ

ابوہم غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بنایا اور ایک روایت یہ ہے کہ علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو خلیفہ بنایا اور ابن عبد البر نے اس روایت کو ترجیح دی ہے۔ اس کے بعد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ طیبہ سے باہر تشریف لائے اور ”مندیہ الوداع“ میں علم اور جھنڈوں کی ترتیب میں مشغول ہوئے اور بڑا علم حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو دیا اور ایک روایت میں ہے کہ حضرت زبیر بن العوام رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو دیا۔ اسی طرح انصار کے ہر قبیلے سے فرمایا کہ اپنا اپنا علم تیار کریں اور حضرت عمارہ بن حزم رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایک انصاری شخص تھے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے انہیں علم عطا فرمایا اس کے بعد ان سے لے کر حضرت زید بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کر مہمت

علیہ وسلم نے فرمایا ”نہیں“۔ خدا کی قسم۔ لیکن قرآن والے کا حق مقدم ہے۔ کیونکہ حضرت زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ تم سے زیادہ قرآن کو سینہ میں لیے ہوئے ہیں اور قرآن ہی انسان کو مقدم کرنے والا ہے اگرچہ گوش بریدہ سیاہ فام غلام ہو۔“

جب اس مقام میں لشکر کا شمار کیا گیا تو ایک قول کے بموجب تیس ہزار کی تعداد شمار میں آئی جیسا کہ مذکور ہوا اور بعض نے ستر ہزار کہا اور یہ بہت زیادہ مشہور روایت ہے اور ایک گروہ تو ایک لاکھ بتاتا ہے اور ایک روایت میں چالیس ہزار ہے اس لشکر میں دس ہزار گھوڑے

الحال علی وجہ الکمال۔

القصہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ولایت شام جانے اور وہاں کے سربراہوں اور حاکموں کے ساتھ بات کرنے کے بارے میں اعیان انصار و مہاجرین سے مشورہ فرمایا اور ان صحابہ میں حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی تھے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ مشورہ فرمانا بحکم الہی ”وَشَاوِذْهُمْ فِي الْأَمْرِ“ کے تحت تھا۔ حضرت فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا ”یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! اگر حضور تشریف لے جانے پر مامور ہیں تو تمام آپ کے ملازم رکاب فلک فرما ہوں گے اور جہاں آپ توجہ فرمائیں گے اور قدوم اجلال فرمائیں گے ہم سب آپ کے ساتھ ہوں گے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر میں خدا کی جانب سے مامور ہوں تو تم سب سے کیوں مشورہ کرتا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا ”یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم شاہ روم کا لشکر بہت بڑا ہے اور بہت زیادہ ہے اور لشکر اسلام کی حالت سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم باخبر ہیں اور قیصر روم اپنے کیے اور کہے پر شرمندہ و پشیمان بھی ہو چکا ہے اور آپ کی ہیبت و شوکت کا غلغلہ ان شہروں میں خوب پھیل چکا ہے آپ کا خوف و رعب ان رومیوں کے دلوں پر غالب آچکا ہے اگر امسال لوٹ کر دوسرے سال قصد فرمائیں تو انب داولی ہوگا اور حکم حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہی کا بلند و برتر ہے۔ چونکہ فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی رائے درست و صواب تھی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے عنان مراجعت، بجانب مستقر عزت و کرامت منعطف فرمائی۔ منقول ہے کہ منزل تبوک کے قیام کے زمانہ میں بحیر بن رویہ جو ایلہ کا بادشاہ تھا۔ بارگاہ سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم میں حاضر ہوا اور جزیہ دینا قبول کیا۔ ماہم بمصلحتہ، واقعہ ہوا اور اس کے بعد، تاہم ملکہ اگر ماہم، اہل حد اور اہل جہم، آئناہما، زہما، حب، ملحقہ، کلام

کہ کتب سیر میں مذکور و مسطور ہے۔ فقراء صحابہ میں سے ایک کی حکایت بیان کی جاتی ہے آپ کے احباب میں سے ایک شخص عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ذوالجہادین نامی اس سفر میں آپ کے ہمراہ تھے۔ تبوک میں انہوں نے وفات پائی۔ ان کا تذکرہ نہایت ذوق افزا ہے۔

ارباب سیر بیان کرتے ہیں رحمۃ اللہ علیہ کہ حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ مزنیہ قبیلہ کے باشندوں میں سے تھے اور وہ اپنے والد سے یتیم ہو گئے تھے۔ مسلمان ہونے سے پہلے ان کے پاس کچھ نہ تھا اور ان کے چچا ان کی کفالت کرتے تھے۔ یہاں تک کہ وہ جوان ہوئے اور ان کے پاس کئی اونٹ و بکریاں اور غلام پیدا ہوئے۔ ان کے دل میں اسلام کی محبت مرکوز تھی اور ہمیشہ چاہتے تھے اسلام قبول کر کے مسلمانوں کے زمرہ میں داخل ہو جائیں۔ لیکن اپنے چچا کے خوف سے ایمان نہ لاسکتے تھے۔ یہاں تک کہ وہ زمانہ آ گیا کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم فتح مکہ سے واپس آ گئے اس وقت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے چچا سے کہا اے چچا! میں ساری عمر تیرے اسلام لانے کا منتظر رہا مگر تیری طرف سے محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی متابعت کا شوق اور جہ نہ نہیں پایا۔ اب میں مزید اپنی عمر کا بھروسہ نہیں رکھتا مجھے اجازت دے کہ میں جا کر مسلمان ہو جاؤں؟ اس کے چچا نے کہا خدا کی قسم! اگر تو ایمان لے آیا اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی متابعت کی تو جو کچھ میں نے تجھے دے رکھا ہے سب چھین لوں گا۔ حتیٰ کہ تمہارے جسم پر جو کپڑے ہیں انہیں بھی اتار لوں گا۔ حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا ”خدا کی قسم میں مسلمان ہوتا ہوں اور شرک و بت پرستی کو چھوڑتا ہوں اور میرے ہاتھ میں جو مال و اسباب ہے تو سب لیلے میں اس سے دست کش ہوتا ہوں آخری وقت میں تو ہر چیز یوں بھی چھوڑنی ہوگی میں اس کی خاطر دین حق سے باز نہیں آ سکتا۔“ کہہ کر سب کچھ چھوڑ دیا اور کیڑے اتار کے اپنی والدہ کے پاس آ گئے ان کی ماں نے جب یہ حال دیکھا تو کیفیت پوچھی

لشکر اسلام روانہ ہونے لگا تو وہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہو کر عرض کرنے لگے۔ ”یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! دعا فرمائیے کہ میں راہ خدا میں شہید ہو جاؤں۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ”کسی درخت کی چھال لاؤ۔ حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کیکر کے درخت کی چھال لائے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے ان کے بازو پر باندھ کر فرمایا ”اے خدا میں اس کے خون کو کافروں پر حرام قرار دیتا ہوں۔“ انہوں نے عرض کیا ”یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میرا مقصود تو شہادت ہے۔“ فرمایا جب تم راہ خدا میں جہاد کی نیت سے نکل آئے اور تمہیں بخارا آجائے اور اس بخار سے تم دنیا سے چلے جاؤ تو تم شہید ہو گے۔ اس کے بعد حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت کرتے ہوئے تبوک تک پہنچ گئے۔ اس مقام میں انہیں بخارا آیا اور وفات پائی۔ حضرت بلال بن حارث رضی اللہ تعالیٰ عنہ مرنے فرماتے ہیں کہ رات کا وقت تھا جبکہ انہیں دفن کے لیے لے گئے۔ میں نے دیکھا کہ حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ موذن، ایک چراغ ہاتھ میں لیے ہیں اور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم ان کی قبر کے اندر تشریف فرما ہیں اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان کو قبر میں اتار رہے ہیں اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فرما رہے ہیں اپنے بھائی کو عزت کے ساتھ لاؤ۔ اس کے بعد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی لحد میں خشت خام چنیں۔ پھر دعا مانگی اے خدا! یہ میری خدمت میں دن رات رہا ہے میں نے اس سے راضی ہوں اور تو بھی اس سے راضی ہو جا۔“ حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ کاش کہ میں اس صاحب لحد کی جگہ ہوتا۔

سلسلہ واقعات میں سے ایک واقعہ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو اکیدر حاکم دومۃ الجندل کی جانب بھیجنا ہے۔

ارباب سیر بیان کرتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے تبوک سے حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو چار سو سواروں پر امیر بنا کے اکیدر بن عبد الملک نصرانی کی سرکوبی کے لیے بھیجا جو بڑا ملک تھا اور دومۃ کا حاکم تھا۔ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے عرض کیا ”یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! مجھے بنی کلاب کے ملک میں بھیج رہے ہیں اور تھوڑی سی جماعت میرے ساتھ کر رہے ہیں۔“ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے زبان معجز بیان سے ارشاد فرمایا وہ وقت قریب ہے کہ تم اسے پہاڑوں اور جنگلوں میں شکار کھیلتا پاؤ گے اور جنگ کی زحمت اٹھائے بغیر وہ تمہارے قابو آ جائے گا۔ پھر حضرت خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ بموجب فرمان عالی شان روانہ ہوئے۔ یہاں تک کہ دومۃ الجندل کے قلعہ کے قریب پہنچ گئے اکیدر قلعہ میں تھا چاندنی رات انتہائی روشن تھی اور اکیدر بام خانہ پر اپنی بیوی کے ساتھ شراب نوشی میں مشغول تھا چانک ایک پہاڑی گائے آئی اور قلعہ دیوار سے سر مارنے لگی اس کی بیوی نے اوپر سے دیکھا اور شوہر سے کہا کبھی اتنی روشن رات دیکھی ہے اور کبھی ایسا شکار ہاتھ میں آیا ہے؟ اس نے کہا نہیں۔ اکیدر چونکہ پہاڑی گائے کے شکار کا شوقین تھا۔ بام سے اترا اور گھوڑے پر سوار ہوا اس کا بھائی حسان بھی دیگر چند خادموں کے ساتھ سوار ہوا اور یہ سب شکار کی تلاش میں نکل آئے۔ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان کو دیکھ رہے تھے۔ گائے نے تو راہ فراغت اختیار کی اور اکیدر اس کے تعاقب میں چلا اور خود حضرت خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا شکار بن گیا۔ حضرت خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھیوں نے اسے گرفتار کر لیا۔ اکیدر کے بھائی حسان نے مقابلہ کی ٹھانی بالآخر مارا گیا اور اس کے غلام و خدام بھاگ کر قلعہ میں داخل ہو گئے اور اکیدر رنجہ، تغذیر میں اسیر ہو گیا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرما دیا تھا کہ جب اکیدر تمہارے ہاتھ آ جائے تو اسے زندہ میرے پاس لے آنا اگر وہ سرکشی کرے اور

علیہ وسلم کے پاس لے چلوں بشرطیکہ قلعہ کی کنجیاں میرے حوالے کر دے اور قلعہ کو ہمارے لیے کھول دے۔ اکیدر نے مان لیا۔ اکیدر کا

کھول دیا اور حضرت خالد بن ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اکیدر کے ساتھ دو ہزار اونٹ اور چھ سو بردے ایک روایت میں ہے آٹھ سو گھوڑے اور چار سو زہ اور چار ہزار نیزوں کے دینے پر صلح کی اور تسلیم کیا کہ قلعہ کی حکومت حسب سابق تیرے حوالہ رہے گی۔ اکیدر اور اس کا بھائی مصاد دونوں خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہمراہ بارگاہ نبوی میں حاضر ہوئے۔ تاکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی رائے عالی کا اختصاء جو بھی ان کے بارے میں ہونا فذ ہو اور حضرت خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ عمرو بن امیہ ضمری کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں روانہ کیا تاکہ وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں دو متہ الجندل کی فتح اور اکیدر کے پکڑے جانے اور اس کے بھائی حسان کے مارے جانے کی خبر پہنچائے اور زریفت کی چادر کو جو حسان کے سلب میں تھی۔ نشان کے طور پر ان کے ہمراہ بھیجی۔ جب عمرو بن امیہ ضمری رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں آئے تو بعض لوگ اس زریفت کی چادر کو ہاتھوں سے مل کر اس کی خوبی و نرمی پر تعجب کرنے لگے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ حضرت سعد بن معاذ انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا وہ رومال جو جنت میں ان کے پاس ہے اس سے زیادہ نرم و بہتر ہے غزوہ خندق کے ضمن میں حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی وفات کے ایام میں پہلے گزر چکا ہے کہ عجم کے بادشاہوں میں سے کسی نے ایک ریشمی جامہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بھیجا تھا اہل عرب آتے اسے چھوتے اور تعجب کرتے تھے اور کہتے تھے کہ یہ جامہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے آسمانی ہے۔ ستر ۱۰۱۔ ۱۰۲۔ ۱۰۳۔ ۱۰۴۔ ۱۰۵۔ ۱۰۶۔ ۱۰۷۔ ۱۰۸۔ ۱۰۹۔ ۱۱۰۔ ۱۱۱۔ ۱۱۲۔ ۱۱۳۔ ۱۱۴۔ ۱۱۵۔ ۱۱۶۔ ۱۱۷۔ ۱۱۸۔ ۱۱۹۔ ۱۲۰۔ ۱۲۱۔ ۱۲۲۔ ۱۲۳۔ ۱۲۴۔ ۱۲۵۔ ۱۲۶۔ ۱۲۷۔ ۱۲۸۔ ۱۲۹۔ ۱۳۰۔ ۱۳۱۔ ۱۳۲۔ ۱۳۳۔ ۱۳۴۔ ۱۳۵۔ ۱۳۶۔ ۱۳۷۔ ۱۳۸۔ ۱۳۹۔ ۱۴۰۔ ۱۴۱۔ ۱۴۲۔ ۱۴۳۔ ۱۴۴۔ ۱۴۵۔ ۱۴۶۔ ۱۴۷۔ ۱۴۸۔ ۱۴۹۔ ۱۵۰۔ ۱۵۱۔ ۱۵۲۔ ۱۵۳۔ ۱۵۴۔ ۱۵۵۔ ۱۵۶۔ ۱۵۷۔ ۱۵۸۔ ۱۵۹۔ ۱۶۰۔ ۱۶۱۔ ۱۶۲۔ ۱۶۳۔ ۱۶۴۔ ۱۶۵۔ ۱۶۶۔ ۱۶۷۔ ۱۶۸۔ ۱۶۹۔ ۱۷۰۔ ۱۷۱۔ ۱۷۲۔ ۱۷۳۔ ۱۷۴۔ ۱۷۵۔ ۱۷۶۔ ۱۷۷۔ ۱۷۸۔ ۱۷۹۔ ۱۸۰۔ ۱۸۱۔ ۱۸۲۔ ۱۸۳۔ ۱۸۴۔ ۱۸۵۔ ۱۸۶۔ ۱۸۷۔ ۱۸۸۔ ۱۸۹۔ ۱۹۰۔ ۱۹۱۔ ۱۹۲۔ ۱۹۳۔ ۱۹۴۔ ۱۹۵۔ ۱۹۶۔ ۱۹۷۔ ۱۹۸۔ ۱۹۹۔ ۲۰۰۔ ۲۰۱۔ ۲۰۲۔ ۲۰۳۔ ۲۰۴۔ ۲۰۵۔ ۲۰۶۔ ۲۰۷۔ ۲۰۸۔ ۲۰۹۔ ۲۱۰۔ ۲۱۱۔ ۲۱۲۔ ۲۱۳۔ ۲۱۴۔ ۲۱۵۔ ۲۱۶۔ ۲۱۷۔ ۲۱۸۔ ۲۱۹۔ ۲۲۰۔ ۲۲۱۔ ۲۲۲۔ ۲۲۳۔ ۲۲۴۔ ۲۲۵۔ ۲۲۶۔ ۲۲۷۔ ۲۲۸۔ ۲۲۹۔ ۲۳۰۔ ۲۳۱۔ ۲۳۲۔ ۲۳۳۔ ۲۳۴۔ ۲۳۵۔ ۲۳۶۔ ۲۳۷۔ ۲۳۸۔ ۲۳۹۔ ۲۴۰۔ ۲۴۱۔ ۲۴۲۔ ۲۴۳۔ ۲۴۴۔ ۲۴۵۔ ۲۴۶۔ ۲۴۷۔ ۲۴۸۔ ۲۴۹۔ ۲۵۰۔ ۲۵۱۔ ۲۵۲۔ ۲۵۳۔ ۲۵۴۔ ۲۵۵۔ ۲۵۶۔ ۲۵۷۔ ۲۵۸۔ ۲۵۹۔ ۲۶۰۔ ۲۶۱۔ ۲۶۲۔ ۲۶۳۔ ۲۶۴۔ ۲۶۵۔ ۲۶۶۔ ۲۶۷۔ ۲۶۸۔ ۲۶۹۔ ۲۷۰۔ ۲۷۱۔ ۲۷۲۔ ۲۷۳۔ ۲۷۴۔ ۲۷۵۔ ۲۷۶۔ ۲۷۷۔ ۲۷۸۔ ۲۷۹۔ ۲۸۰۔ ۲۸۱۔ ۲۸۲۔ ۲۸۳۔ ۲۸۴۔ ۲۸۵۔ ۲۸۶۔ ۲۸۷۔ ۲۸۸۔ ۲۸۹۔ ۲۹۰۔ ۲۹۱۔ ۲۹۲۔ ۲۹۳۔ ۲۹۴۔ ۲۹۵۔ ۲۹۶۔ ۲۹۷۔ ۲۹۸۔ ۲۹۹۔ ۳۰۰۔ ۳۰۱۔ ۳۰۲۔ ۳۰۳۔ ۳۰۴۔ ۳۰۵۔ ۳۰۶۔ ۳۰۷۔ ۳۰۸۔ ۳۰۹۔ ۳۱۰۔ ۳۱۱۔ ۳۱۲۔ ۳۱۳۔ ۳۱۴۔ ۳۱۵۔ ۳۱۶۔ ۳۱۷۔ ۳۱۸۔ ۳۱۹۔ ۳۲۰۔ ۳۲۱۔ ۳۲۲۔ ۳۲۳۔ ۳۲۴۔ ۳۲۵۔ ۳۲۶۔ ۳۲۷۔ ۳۲۸۔ ۳۲۹۔ ۳۳۰۔ ۳۳۱۔ ۳۳۲۔ ۳۳۳۔ ۳۳۴۔ ۳۳۵۔ ۳۳۶۔ ۳۳۷۔ ۳۳۸۔ ۳۳۹۔ ۳۴۰۔ ۳۴۱۔ ۳۴۲۔ ۳۴۳۔ ۳۴۴۔ ۳۴۵۔ ۳۴۶۔ ۳۴۷۔ ۳۴۸۔ ۳۴۹۔ ۳۵۰۔ ۳۵۱۔ ۳۵۲۔ ۳۵۳۔ ۳۵۴۔ ۳۵۵۔ ۳۵۶۔ ۳۵۷۔ ۳۵۸۔ ۳۵۹۔ ۳۶۰۔ ۳۶۱۔ ۳۶۲۔ ۳۶۳۔ ۳۶۴۔ ۳۶۵۔ ۳۶۶۔ ۳۶۷۔ ۳۶۸۔ ۳۶۹۔ ۳۷۰۔ ۳۷۱۔ ۳۷۲۔ ۳۷۳۔ ۳۷۴۔ ۳۷۵۔ ۳۷۶۔ ۳۷۷۔ ۳۷۸۔ ۳۷۹۔ ۳۸۰۔ ۳۸۱۔ ۳۸۲۔ ۳۸۳۔ ۳۸۴۔ ۳۸۵۔ ۳۸۶۔ ۳۸۷۔ ۳۸۸۔ ۳۸۹۔ ۳۹۰۔ ۳۹۱۔ ۳۹۲۔ ۳۹۳۔ ۳۹۴۔ ۳۹۵۔ ۳۹۶۔ ۳۹۷۔ ۳۹۸۔ ۳۹۹۔ ۴۰۰۔ ۴۰۱۔ ۴۰۲۔ ۴۰۳۔ ۴۰۴۔ ۴۰۵۔ ۴۰۶۔ ۴۰۷۔ ۴۰۸۔ ۴۰۹۔ ۴۱۰۔ ۴۱۱۔ ۴۱۲۔ ۴۱۳۔ ۴۱۴۔ ۴۱۵۔ ۴۱۶۔ ۴۱۷۔ ۴۱۸۔ ۴۱۹۔ ۴۲۰۔ ۴۲۱۔ ۴۲۲۔ ۴۲۳۔ ۴۲۴۔ ۴۲۵۔ ۴۲۶۔ ۴۲۷۔ ۴۲۸۔ ۴۲۹۔ ۴۳۰۔ ۴۳۱۔ ۴۳۲۔ ۴۳۳۔ ۴۳۴۔ ۴۳۵۔ ۴۳۶۔ ۴۳۷۔ ۴۳۸۔ ۴۳۹۔ ۴۴۰۔ ۴۴۱۔ ۴۴۲۔ ۴۴۳۔ ۴۴۴۔ ۴۴۵۔ ۴۴۶۔ ۴۴۷۔ ۴۴۸۔ ۴۴۹۔ ۴۵۰۔ ۴۵۱۔ ۴۵۲۔ ۴۵۳۔ ۴۵۴۔ ۴۵۵۔ ۴۵۶۔ ۴۵۷۔ ۴۵۸۔ ۴۵۹۔ ۴۶۰۔ ۴۶۱۔ ۴۶۲۔ ۴۶۳۔ ۴۶۴۔ ۴۶۵۔ ۴۶۶۔ ۴۶۷۔ ۴۶۸۔ ۴۶۹۔ ۴۷۰۔ ۴۷۱۔ ۴۷۲۔ ۴۷۳۔ ۴۷۴۔ ۴۷۵۔ ۴۷۶۔ ۴۷۷۔ ۴۷۸۔ ۴۷۹۔ ۴۸۰۔ ۴۸۱۔ ۴۸۲۔ ۴۸۳۔ ۴۸۴۔ ۴۸۵۔ ۴۸۶۔ ۴۸۷۔ ۴۸۸۔ ۴۸۹۔ ۴۹۰۔ ۴۹۱۔ ۴۹۲۔ ۴۹۳۔ ۴۹۴۔ ۴۹۵۔ ۴۹۶۔ ۴۹۷۔ ۴۹۸۔ ۴۹۹۔ ۵۰۰۔ ۵۰۱۔ ۵۰۲۔ ۵۰۳۔ ۵۰۴۔ ۵۰۵۔ ۵۰۶۔ ۵۰۷۔ ۵۰۸۔ ۵۰۹۔ ۵۱۰۔ ۵۱۱۔ ۵۱۲۔ ۵۱۳۔ ۵۱۴۔ ۵۱۵۔ ۵۱۶۔ ۵۱۷۔ ۵۱۸۔ ۵۱۹۔ ۵۲۰۔ ۵۲۱۔ ۵۲۲۔ ۵۲۳۔ ۵۲۴۔ ۵۲۵۔ ۵۲۶۔ ۵۲۷۔ ۵۲۸۔ ۵۲۹۔ ۵۳۰۔ ۵۳۱۔ ۵۳۲۔ ۵۳۳۔ ۵۳۴۔ ۵۳۵۔ ۵۳۶۔ ۵۳۷۔ ۵۳۸۔ ۵۳۹۔ ۵۴۰۔ ۵۴۱۔ ۵۴۲۔ ۵۴۳۔ ۵۴۴۔ ۵۴۵۔ ۵۴۶۔ ۵۴۷۔ ۵۴۸۔ ۵۴۹۔ ۵۵۰۔ ۵۵۱۔ ۵۵۲۔ ۵۵۳۔ ۵۵۴۔ ۵۵۵۔ ۵۵۶۔ ۵۵۷۔ ۵۵۸۔ ۵۵۹۔ ۵۶۰۔ ۵۶۱۔ ۵۶۲۔ ۵۶۳۔ ۵۶۴۔ ۵۶۵۔ ۵۶۶۔ ۵۶۷۔ ۵۶۸۔ ۵۶۹۔ ۵۷۰۔ ۵۷۱۔ ۵۷۲۔ ۵۷۳۔ ۵۷۴۔ ۵۷۵۔ ۵۷۶۔ ۵۷۷۔ ۵۷۸۔ ۵۷۹۔ ۵۸۰۔ ۵۸۱۔ ۵۸۲۔ ۵۸۳۔ ۵۸۴۔ ۵۸۵۔ ۵۸۶۔ ۵۸۷۔ ۵۸۸۔ ۵۸۹۔ ۵۹۰۔ ۵۹۱۔ ۵۹۲۔ ۵۹۳۔ ۵۹۴۔ ۵۹۵۔ ۵۹۶۔ ۵۹۷۔ ۵۹۸۔ ۵۹۹۔ ۶۰۰۔ ۶۰۱۔ ۶۰۲۔ ۶۰۳۔ ۶۰۴۔ ۶۰۵۔ ۶۰۶۔ ۶۰۷۔ ۶۰۸۔ ۶۰۹۔ ۶۱۰۔ ۶۱۱۔ ۶۱۲۔ ۶۱۳۔ ۶۱۴۔ ۶۱۵۔ ۶۱۶۔ ۶۱۷۔ ۶۱۸۔ ۶۱۹۔ ۶۲۰۔ ۶۲۱۔ ۶۲۲۔ ۶۲۳۔ ۶۲۴۔ ۶۲۵۔ ۶۲۶۔ ۶۲۷۔ ۶۲۸۔ ۶۲۹۔ ۶۳۰۔ ۶۳۱۔ ۶۳۲۔ ۶۳۳۔ ۶۳۴۔ ۶۳۵۔ ۶۳۶۔ ۶۳۷۔ ۶۳۸۔ ۶۳۹۔ ۶۴۰۔ ۶۴۱۔ ۶۴۲۔ ۶۴۳۔ ۶۴۴۔ ۶۴۵۔ ۶۴۶۔ ۶۴۷۔ ۶۴۸۔ ۶۴۹۔ ۶۵۰۔ ۶۵۱۔ ۶۵۲۔ ۶۵۳۔ ۶۵۴۔ ۶۵۵۔ ۶۵۶۔ ۶۵۷۔ ۶۵۸۔ ۶۵۹۔ ۶۶۰۔ ۶۶۱۔ ۶۶۲۔ ۶۶۳۔ ۶۶۴۔ ۶۶۵۔ ۶۶۶۔ ۶۶۷۔ ۶۶۸۔ ۶۶۹۔ ۶۷۰۔ ۶۷۱۔ ۶۷۲۔ ۶۷۳۔ ۶۷۴۔ ۶۷۵۔ ۶۷۶۔ ۶۷۷۔ ۶۷۸۔ ۶۷۹۔ ۶۸۰۔ ۶۸۱۔ ۶۸۲۔ ۶۸۳۔ ۶۸۴۔ ۶۸۵۔ ۶۸۶۔ ۶۸۷۔ ۶۸۸۔ ۶۸۹۔ ۶۹۰۔ ۶۹۱۔ ۶۹۲۔ ۶۹۳۔ ۶۹۴۔ ۶۹۵۔ ۶۹۶۔ ۶۹۷۔ ۶۹۸۔ ۶۹۹۔ ۷۰۰۔ ۷۰۱۔ ۷۰۲۔ ۷۰۳۔ ۷۰۴۔ ۷۰۵۔ ۷۰۶۔ ۷۰۷۔ ۷۰۸۔ ۷۰۹۔ ۷۱۰۔ ۷۱۱۔ ۷۱۲۔ ۷۱۳۔ ۷۱۴۔ ۷۱۵۔ ۷۱۶۔ ۷۱۷۔ ۷۱۸۔ ۷۱۹۔ ۷۲۰۔ ۷۲۱۔ ۷۲۲۔ ۷۲۳۔ ۷۲۴۔ ۷۲۵۔ ۷۲۶۔ ۷۲۷۔ ۷۲۸۔ ۷۲۹۔ ۷۳۰۔ ۷۳۱۔ ۷۳۲۔ ۷۳۳۔ ۷۳۴۔ ۷۳۵۔ ۷۳۶۔ ۷۳۷۔ ۷۳۸۔ ۷۳۹۔ ۷۴۰۔ ۷۴۱۔ ۷۴۲۔ ۷۴۳۔ ۷۴۴۔ ۷۴۵۔ ۷۴۶۔ ۷۴۷۔ ۷۴۸۔ ۷۴۹۔ ۷۵۰۔ ۷۵۱۔ ۷۵۲۔ ۷۵۳۔ ۷۵۴۔ ۷۵۵۔ ۷۵۶۔ ۷۵۷۔ ۷۵۸۔ ۷۵۹۔ ۷۶۰۔ ۷۶۱۔ ۷۶۲۔ ۷۶۳۔ ۷۶۴۔ ۷۶۵۔ ۷۶۶۔ ۷۶۷۔ ۷۶۸۔ ۷۶۹۔ ۷۷۰۔ ۷۷۱۔ ۷۷۲۔ ۷۷۳۔ ۷۷۴۔ ۷۷۵۔ ۷۷۶۔ ۷۷۷۔ ۷۷۸۔ ۷۷۹۔ ۷۸۰۔ ۷۸۱۔ ۷۸۲۔ ۷۸۳۔ ۷۸۴۔ ۷۸۵۔ ۷۸۶۔ ۷۸۷۔ ۷۸۸۔ ۷۸۹۔ ۷۹۰۔ ۷۹۱۔ ۷۹۲۔ ۷۹۳۔ ۷۹۴۔ ۷۹۵۔ ۷۹۶۔ ۷۹۷۔ ۷۹۸۔ ۷۹۹۔ ۸۰۰۔ ۸۰۱۔ ۸۰۲۔ ۸۰۳۔ ۸۰۴۔ ۸۰۵۔ ۸۰۶۔ ۸۰۷۔ ۸۰۸۔ ۸۰۹۔ ۸۱۰۔ ۸۱۱۔ ۸۱۲۔ ۸۱۳۔ ۸۱۴۔ ۸۱۵۔ ۸۱۶۔ ۸۱۷۔ ۸۱۸۔ ۸۱۹۔ ۸۲۰۔ ۸۲۱۔ ۸۲۲۔ ۸۲۳۔ ۸۲۴۔ ۸۲۵۔ ۸۲۶۔ ۸۲۷۔ ۸۲۸۔ ۸۲۹۔ ۸۳۰۔ ۸۳۱۔ ۸۳۲۔ ۸۳۳۔ ۸۳۴۔ ۸۳۵۔ ۸۳۶۔ ۸۳۷۔ ۸۳۸۔ ۸۳۹۔ ۸۴۰۔ ۸۴۱۔ ۸۴۲۔ ۸۴۳۔ ۸۴۴۔ ۸۴۵۔ ۸۴۶۔ ۸۴۷۔ ۸۴۸۔ ۸۴۹۔ ۸۵۰۔ ۸۵۱۔ ۸۵۲۔ ۸۵۳۔ ۸۵۴۔ ۸۵۵۔ ۸۵۶۔ ۸۵۷۔ ۸۵۸۔ ۸۵۹۔ ۸۶۰۔ ۸۶۱۔ ۸۶۲۔ ۸۶۳۔ ۸۶۴۔ ۸۶۵۔ ۸۶۶۔ ۸۶۷۔ ۸۶۸۔ ۸۶۹۔ ۸۷۰۔ ۸۷۱۔ ۸۷۲۔ ۸۷۳۔ ۸۷۴۔ ۸۷۵۔ ۸۷۶۔ ۸۷۷۔ ۸۷۸۔ ۸۷۹۔ ۸۸۰۔ ۸۸۱۔ ۸۸۲۔ ۸۸۳۔ ۸۸۴۔ ۸۸۵۔ ۸۸۶۔ ۸۸۷۔ ۸۸۸۔ ۸۸۹۔ ۸۹۰۔ ۸۹۱۔ ۸۹۲۔ ۸۹۳۔ ۸۹۴۔ ۸۹۵۔ ۸۹۶۔ ۸۹۷۔ ۸۹۸۔ ۸۹۹۔ ۹۰۰۔ ۹۰۱۔ ۹۰۲۔ ۹۰۳۔ ۹۰۴۔ ۹۰۵۔ ۹۰۶۔ ۹۰۷۔ ۹۰۸۔ ۹۰۹۔ ۹۱۰۔ ۹۱۱۔ ۹۱۲۔ ۹۱۳۔ ۹۱۴۔ ۹۱۵۔ ۹۱۶۔ ۹۱۷۔ ۹۱۸۔ ۹۱۹۔ ۹۲۰۔ ۹۲۱۔ ۹۲۲۔ ۹۲۳۔ ۹۲۴۔ ۹۲۵۔ ۹۲۶۔ ۹۲۷۔ ۹۲۸۔ ۹۲۹۔ ۹۳۰۔ ۹۳۱۔ ۹۳۲۔ ۹۳۳۔ ۹۳۴۔ ۹۳۵۔ ۹۳۶۔ ۹۳۷۔ ۹۳۸۔ ۹۳۹۔ ۹۴۰۔ ۹۴۱۔ ۹۴۲۔ ۹۴۳۔ ۹۴۴۔ ۹۴۵۔ ۹۴۶۔ ۹۴۷۔ ۹۴۸۔ ۹۴۹۔ ۹۵۰۔ ۹۵۱۔ ۹۵۲۔ ۹۵۳۔ ۹۵۴۔ ۹۵۵۔ ۹۵۶۔ ۹۵۷۔ ۹۵۸۔ ۹۵۹۔ ۹۶۰۔ ۹۶۱۔ ۹۶۲۔ ۹۶۳۔ ۹۶۴۔ ۹۶۵۔ ۹۶۶۔ ۹۶۷۔ ۹۶۸۔ ۹۶۹۔ ۹۷۰۔ ۹۷۱۔ ۹۷۲۔ ۹۷۳۔ ۹۷۴۔ ۹۷۵۔ ۹۷۶۔ ۹۷۷۔ ۹۷۸۔ ۹۷۹۔ ۹۸۰۔ ۹۸۱۔ ۹۸۲۔ ۹۸۳۔ ۹۸۴۔ ۹۸۵۔ ۹۸۶۔ ۹۸۷۔ ۹۸۸۔ ۹۸۹۔ ۹۹۰۔ ۹۹۱۔ ۹۹۲۔ ۹۹۳۔ ۹۹۴۔ ۹۹۵۔ ۹۹۶۔ ۹۹۷۔ ۹۹۸۔ ۹۹۹۔ ۱۰۰۰۔ ۱۰۰۱۔ ۱۰۰۲۔ ۱۰۰۳۔ ۱۰۰۴۔ ۱۰۰۵۔ ۱۰۰۶۔ ۱۰۰۷۔ ۱۰۰۸۔ ۱۰۰۹۔ ۱۰۱۰۔ ۱۰۱۱۔ ۱۰۱۲۔ ۱۰۱۳۔ ۱۰۱۴۔ ۱۰۱۵۔ ۱۰۱۶۔ ۱۰۱۷۔ ۱۰۱۸۔ ۱۰۱۹۔ ۱۰۲۰۔ ۱۰۲۱۔ ۱۰۲۲۔ ۱۰۲۳۔ ۱۰۲۴۔ ۱۰۲۵۔ ۱۰۲۶۔ ۱۰۲۷۔ ۱۰۲۸۔ ۱۰۲۹۔ ۱۰۳۰۔ ۱۰۳۱۔ ۱۰۳۲۔ ۱۰۳۳۔ ۱۰۳۴۔ ۱۰۳۵۔ ۱۰۳۶۔ ۱۰۳۷۔ ۱۰۳۸۔ ۱۰۳۹۔ ۱۰۴۰۔ ۱۰۴۱۔ ۱۰۴۲۔ ۱۰۴۳۔ ۱۰۴۴۔ ۱۰۴۵۔ ۱۰۴۶۔ ۱۰۴۷۔ ۱۰۴۸۔ ۱۰۴۹۔ ۱۰۵۰۔ ۱۰۵۱۔ ۱۰۵۲۔ ۱۰۵۳۔ ۱۰۵۴۔ ۱۰۵۵۔ ۱۰۵۶۔ ۱۰۵۷۔ ۱۰۵۸۔ ۱۰۵۹۔ ۱۰۶۰۔ ۱۰۶۱۔ ۱۰۶۲۔ ۱۰۶۳۔ ۱۰۶۴۔ ۱۰۶۵۔ ۱۰۶۶۔ ۱۰۶۷۔ ۱۰۶۸۔ ۱۰۶۹۔ ۱۰۷۰۔ ۱۰۷۱۔ ۱۰۷۲۔ ۱۰۷۳۔ ۱۰۷۴۔ ۱۰۷۵۔ ۱۰۷۶۔ ۱۰۷۷۔ ۱۰۷۸۔ ۱۰۷۹۔ ۱۰۸۰۔ ۱۰۸۱۔ ۱۰۸۲۔ ۱۰۸۳۔ ۱۰۸۴۔ ۱۰۸۵۔ ۱۰۸۶۔ ۱۰۸۷۔ ۱۰۸۸۔ ۱۰۸۹۔ ۱۰۹۰۔ ۱۰۹۱۔ ۱۰۹۲۔ ۱۰۹۳۔ ۱۰۹۴۔ ۱۰۹۵۔ ۱۰۹۶۔ ۱۰۹۷۔ ۱۰۹۸۔ ۱۰۹۹۔ ۱۱۰۰۔ ۱۱۰۱۔ ۱۱۰۲۔ ۱۱۰۳۔ ۱۱۰۴۔ ۱۱۰۵۔ ۱۱۰۶۔ ۱۱۰۷۔ ۱۱۰۸۔ ۱۱۰۹۔ ۱۱۱۰۔ ۱۱۱۱۔ ۱۱۱۲۔ ۱۱۱۳۔ ۱۱۱۴۔ ۱۱۱۵۔ ۱۱۱۶۔ ۱۱۱۷۔ ۱۱۱۸۔ ۱۱۱۹۔ ۱۱۲۰۔ ۱۱۲۱۔ ۱۱۲۲۔ ۱۱۲۳۔ ۱۱۲۴۔ ۱۱۲۵۔ ۱۱۲۶۔ ۱۱۲۷۔ ۱۱۲۸۔ ۱۱۲۹۔ ۱۱۳۰۔ ۱۱۳۱۔ ۱۱۳۲۔ ۱۱۳۳۔ ۱۱۳۴۔ ۱۱۳۵۔ ۱۱۳۶۔ ۱۱۳۷۔ ۱۱۳۸۔ ۱۱۳۹۔ ۱۱۴۰۔ ۱۱۴۱۔ ۱۱۴۲۔ ۱۱۴۳۔ ۱۱۴۴۔ ۱۱۴۵۔ ۱۱۴۶۔ ۱۱۴۷۔ ۱۱۴۸۔ ۱۱۴۹۔ ۱۱۵۰۔ ۱۱۵۱۔ ۱۱۵۲۔ ۱۱۵۳۔ ۱۱۵۴۔ ۱۱۵۵۔ ۱۱۵۶۔ ۱۱۵۷۔ ۱۱۵۸۔ ۱۱۵۹۔ ۱۱۶۰۔ ۱۱۶۱۔ ۱۱۶۲۔ ۱۱۶۳۔ ۱۱۶۴۔ ۱۱۶۵۔ ۱۱۶۶۔ ۱۱۶۷۔ ۱۱۶۸۔ ۱۱۶۹۔ ۱۱۷۰۔ ۱۱۷۱۔ ۱۱۷۲۔ ۱۱۷۳۔ ۱۱۷۴۔ ۱۱۷۵۔ ۱۱۷۶۔ ۱۱۷۷۔ ۱۱۷۸۔ ۱۱۷۹۔ ۱۱۸۰۔ ۱۱۸۱۔ ۱۱۸۲۔ ۱۱۸۳۔ ۱۱۸۴۔ ۱۱۸۵۔ ۱۱۸۶۔ ۱۱۸۷۔ ۱۱۸۸۔ ۱۱۸۹۔ ۱۱۹۰۔ ۱۱۹۱۔ ۱۱۹۲۔ ۱۱۹۳۔ ۱۱۹۴۔ ۱۱۹۵۔ ۱۱۹۶۔ ۱۱۹۷۔ ۱۱۹۸۔ ۱۱۹۹۔ ۱۲۰۰۔ ۱۲۰۱۔ ۱۲۰۲۔ ۱۲۰۳۔ ۱۲۰۴۔ ۱۲۰۵۔ ۱۲۰۶۔ ۱۲۰۷۔ ۱۲۰۸۔ ۱۲۰۹۔ ۱۲۱۰۔ ۱۲۱۱۔ ۱۲۱۲۔ ۱۲۱۳۔ ۱۲۱۴۔ ۱۲۱۵۔ ۱۲۱۶۔ ۱۲۱۷۔ ۱۲۱۸۔ ۱۲۱۹۔ ۱۲۲۰۔ ۱۲۲۱۔ ۱۲۲۲۔ ۱۲۲۳۔ ۱۲۲۴۔ ۱۲۲۵۔ ۱۲۲۶۔ ۱۲۲۷۔ ۱۲۲۸۔ ۱۲۲۹۔ ۱۲۳۰۔ ۱۲۳۱۔ ۱۲۳۲۔ ۱۲۳۳۔ ۱۲۳۴۔ ۱۲۳۵۔ ۱۲۳۶۔ ۱۲۳۷۔ ۱۲۳۸۔ ۱۲۳۹۔ ۱۲۴۰۔ ۱۲۴۱۔ ۱۲۴۲۔ ۱۲۴۳۔ ۱۲۴۴۔ ۱۲۴۵۔ ۱۲۴۶۔ ۱۲۴۷۔ ۱۲۴۸۔ ۱۲۴۹۔ ۱۲۵۰۔ ۱۲۵۱۔ ۱۲۵۲۔ ۱۲۵۳۔ ۱۲۵۴۔ ۱۲۵۵۔ ۱۲۵۶۔ ۱۲۵۷۔ ۱۲۵۸۔ ۱۲۵۹۔ ۱۲۶۰۔ ۱۲۶۱۔ ۱۲۶۲۔ ۱۲۶۳۔ ۱۲۶۴۔ ۱۲۶۵۔ ۱۲۶۶۔ ۱۲۶۷۔ ۱۲۶۸۔ ۱۲۶۹۔ ۱۲۷۰۔ ۱۲۷۱۔ ۱۲۷۲۔ ۱۲۷۳۔ ۱۲۷۴۔ ۱۲۷۵۔ ۱۲۷۶۔ ۱۲۷۷۔ ۱۲۷۸۔ ۱۲۷۹۔ ۱۲۸۰۔ ۱۲۸۱۔ ۱۲۸۲۔ ۱۲۸۳۔ ۱۲۸۴۔ ۱۲۸۵۔ ۱۲۸۶۔ ۱۲۸۷۔ ۱۲۸۸۔ ۱۲۸۹۔ ۱۲۹۰۔ ۱۲۹۱۔ ۱۲۹۲۔ ۱۲۹۳۔ ۱۲۹۴۔ ۱۲۹۵۔ ۱۲۹۶۔ ۱۲۹۷۔ ۱۲۹۸۔ ۱۲۹۹۔ ۱۳۰۰۔ ۱۳۰۱۔ ۱۳۰۲۔ ۱۳۰۳۔ ۱۳۰۴۔ ۱۳۰۵۔ ۱۳۰۶۔ ۱۳۰۷۔ ۱۳۰۸۔ ۱۳۰۹۔ ۱۳۱۰۔ ۱۳۱۱۔ ۱۳۱۲۔ ۱۳۱۳۔ ۱۳۱۴۔ ۱۳۱۵۔ ۱۳۱۶۔ ۱۳۱۷۔ ۱۳۱۸۔ ۱۳۱۹۔ ۱۳۲۰۔ ۱۳۲۱۔ ۱۳۲۲۔ ۱۳۲۳۔ ۱۳۲۴۔ ۱۳۲۵۔ ۱۳۲۶۔ ۱۳۲۷۔ ۱۳۲۸۔ ۱۳۲۹۔ ۱۳۳۰۔ ۱۳۳۱۔ ۱۳۳۲۔ ۱۳۳۳۔ ۱۳۳۴۔ ۱۳۳۵۔ ۱۳۳۶۔ ۱۳۳۷۔ ۱۳۳۸۔ ۱۳۳۹۔ ۱۳۴۰۔ ۱۳۴۱۔ ۱۳۴۲۔ ۱۳۴۳۔ ۱۳۴۴۔ ۱۳۴۵۔ ۱۳۴۶۔ ۱۳۴۷۔ ۱۳۴۸۔ ۱۳۴۹۔ ۱۳۵۰۔ ۱۳۵۱۔ ۱۳۵۲۔ ۱۳۵۳۔ ۱۳۵۴۔ ۱۳۵۵۔ ۱۳۵۶۔ ۱۳۵۷۔ ۱۳۵۸۔ ۱۳۵۹۔ ۱۳۶۰۔ ۱۳۶۱۔ ۱۳۶۲۔ ۱۳۶۳۔ ۱۳۶۴۔ ۱۳۶۵۔ ۱۳۶۶۔ ۱۳۶۷۔ ۱۳۶۸۔ ۱۳۶۹۔ ۱۳۷۰۔ ۱۳۷۱۔ ۱۳۷۲۔ ۱۳۷۳۔ ۱۳۷۴۔ ۱۳۷۵۔ ۱۳۷۶۔ ۱۳۷۷۔ ۱۳۷۸۔ ۱۳۷۹۔ ۱۳۸۰۔ ۱۳۸۱۔ ۱۳۸۲۔ ۱۳۸۳۔ ۱۳۸۴۔ ۱۳۸۵۔ ۱۳۸۶۔ ۱۳۸۷۔ ۱۳۸۸۔ ۱۳۸۹۔ ۱۳۹۰۔ ۱۳۹۱۔ ۱۳۹۲۔ ۱۳۹۳۔ ۱۳۹۴۔ ۱۳۹۵۔ ۱۳۹۶۔ ۱۳۹۷۔ ۱۳۹۸۔ ۱۳۹۹۔ ۱۴۰۰۔ ۱۴۰۱۔ ۱۴۰۲۔ ۱۴۰۳۔ ۱۴۰۴۔ ۱۴۰۵۔ ۱۴۰۶۔ ۱۴۰۷۔ ۱۴۰۸۔ ۱۴۰۹۔ ۱۴۱۰۔ ۱۴۱۱۔ ۱۴۱۲۔ ۱۴۱۳۔ ۱۴۱۴۔ ۱۴۱۵۔ ۱۴۱۶۔ ۱۴۱۷۔ ۱۴۱۸۔ ۱۴۱۹۔ ۱۴۲۰۔ ۱۴۲۱۔ ۱۴۲۲۔ ۱۴۲۳۔ ۱۴۲۴۔ ۱۴۲۵۔ ۱۴۲۶۔ ۱۴۲۷۔ ۱۴۲۸۔ ۱۴۲۹۔ ۱۴۳۰۔ ۱۴۳۱۔ ۱۴۳۲۔ ۱۴۳۳۔ ۱۴۳۴۔ ۱۴۳۵۔ ۱۴۳۶۔ ۱۴۳۷۔ ۱۴۳۸۔ ۱۴۳۹۔ ۱۴۴۰۔ ۱۴۴۱۔ ۱۴۴۲۔ ۱۴۴۳۔ ۱۴۴۴۔ ۱۴۴۵۔ ۱۴۴۶۔ ۱۴۴۷۔ ۱۴۴۸۔ ۱۴۴۹۔ ۱۴۵۰۔ ۱۴۵۱۔ ۱۴۵۲۔ ۱۴۵

لوگوں کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی متابعت سے روکنے لگا۔ لوگوں نے اس سے کہا ”کیا تو وہ نہیں ہے جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نعت و صفت ہمارے سامنے بیان کیا کرتا تھا اب کیا ہوا کہ لوگوں کو ان کی متابعت سے روکتا ہے۔ اس نے کہا یہ وہ نبی نہیں ہیں جن کی میں صفت بیان کیا کرتا تھا یہ اور کوئی ہیں جو ان کی مشابہت رکھتے ہیں جن کے بارے میں کہتا تھا وہ آئندہ ظاہر ہوں گے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے بلایا اور دعوت اسلام دی اس نے قبول نہ کیا اور سرکشی و عناد کی راہ اختیار کی۔ جب غزوہ بدر میں مسلمانوں کو عزت و شوکت حاصل ہوئی تو وہ مدینہ سے بھاگ کر مکہ مکرمہ چلا گیا اور کفار قریش کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے عناد و جنگ کرنے پر اکسانے لگا۔ غزوہ احد میں کفار کی جانب سے سب سے پہلے جس نے لشکر اسلام پر تیر پھینکا وہ یہی تھا۔ اس پر مسلمانوں نے اس کا لقب فاسق رکھا اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے لیے دعائے بد کی اور فرمایا اے خدا اسے یکہ و تنہا بے یار و مددگار ہلاک کر چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ غزوہ احد کے بعد بھاگ کر روم چلا گیا اور ایک روایت میں ہے کہ یہ خنین میں موجود تھا اور وہاں سے فرار ہو کر ہرقل کے پاس چلا گیا اور اس کا ملازم و مقرب بن گیا اور وہ چاہتا تھا کہ ہرقل سے لشکر لے کر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جنگ کرنے نکلے مگر ایسی کوئی صورت نہ بن پڑی۔ پھر اس نے وہاں سے مدینہ کے منافقوں کے نام ایک خط لکھا کہ تم مسجد قبا شریف کے مقابل اپنے محلہ میں میرے لیے مسجد بناؤ تاکہ جب میں مدینہ آؤں تو وہاں بیٹھوں اور افادہ علوم میں مشغول ہو جاؤں اور وہ مسجد میرے اور تمہارے درمیان کمین گاہ کی حیثیت رکھے گی تاکہ وقت کے مطابق اس جگہ سوچ بچار اور صلاح و مشورہ کر سکیں۔ ان منافقوں نے یہ مسجد تعمیر کر دی اور غزوہ تبوک سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی واپسی تک یہ مکمل ہو چکی تھی۔ جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم غزوہ تبوک سے واپس ہو کر تشریف لارہے تھے تو منافقوں نے آ کر جرب زبانی اور نفاق کا اظہار کرنا شروع کر دیا اور کہنے لگے یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم نے بیماروں اور کمزوروں کو سرماء بارش سے بچانے کے لیے ایک جگہ بنائی ہے ہم آرزو مند ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم وہاں قدم رنجہ ہو کر اپنی نماز سے اس مسجد کو مشرف بنائیں اور ہم پر احسان فرمائیں۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان منافقوں کے جواب میں فرمایا ”اس وقت تو ہم جہاد میں مشغول ہیں اگر میں آیا اور خدا نے چاہا تو نماز پڑھوں گا۔ پھر جب واپسی میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم موضع ذی آذان میں تشریف لائے تو وہ لوگ پھر آئے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کا وعدہ یاد دلایا۔ اس وقت جبریل علیہ السلام آئے اور یہ آیت لائے۔ وَالَّذِينَ اتَّخَذُوا مَسْجِدًا ضِرَارًا وَتَفْرِيقًا بَيْنَ الْمُؤْمِنِينَ (تاقول باری تعالیٰ) وَاللَّهُ يُحِبُّ الْمُطَهِّرِينَ اس کے بعد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مالک بن نوشم رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور مالک بن عدی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور کچھ اور لوگوں کو بلایا اور فرمایا اس مکان کو جسے ان خالموں نے بنایا ہے اکھاڑ کے پھینک دو۔ وہ چلے گئے اور جو فرمان تھا بجالائے۔ ان بارہ منافقوں کے نام جو اس کے بنانے میں شریک تھے سیر کی کتابوں میں لکھے ہوئے ہیں۔ اور وہ جگہ رفتہ رفتہ کوڑا گھر بن گئی۔ یہاں تک کہ ہر قسم کی پلیدی و نجاست اس جگہ ڈالی جانے لگی۔ اہل سیر کہتے ہیں کہ اس جگہ کو اکھاڑ پھینکنے کے بعد مدتوں اس جگہ سے دھواں نکلتا رہا۔

جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ طیبہ کے قریب پہنچے اور ارادہ فرمایا کہ مدینہ طیبہ میں داخل ہوں تو اہل مدینہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے استقبال اور پیشوائی کے لیے شہر سے باہر آ گئے اور ان کی عورتوں اور بچوں اور لڑکیوں نے گانا شروع کیا۔

طَلَعَ الْبَدْرُ عَلَيْنَا
مِنْ ثَنِيَّاتِ الْوَدَاعِ
وَجَبَّ الشُّكْرُ عَلَيْنَا
مَا دَعَا لِلَّهِ دَاعِ

بعض کہتے ہیں کہ یہ اشعار اس وقت کہے گئے جبکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ طیبہ ہجرت کر کے تشریف لائے تھے۔ صاحب مواہب لدنیہ نے فرمایا کہ یہ قول وہم خطا ہے۔ اس لیے کہ مقام ”ثنیات الوداع“ شام کے رخ پر واقع ہے۔ مکہ مکرمہ سے مدینہ طیبہ میں

داخل ہونے والا اس مقام کو نہیں دیکھ سکتا۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مدینہ میں ایک قوم ایسی ہے جو کسی وادی کی سیر نہیں کرتی۔ مگر یہ کہ وہ تمہارے ساتھ رہتی ہے۔ اور یہ بات اس حکم کے مطابق ہے کہ ”يَتَى الْمُؤْمِنِينَ خَيْرٌ مِّنْ عَمَلِهِ“ مومن کی نیت اس کے عمل سے بہتر ہے اور یہ تمہارے ساتھ ہمیشہ رہتی ہے اور ایک اور فرقہ ہے جو تم میں سے ہوتے ہوئے بھی تم سے جدا ہے۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ کے بالائی حصہ پر صعود فرمایا تو فرمایا ”هَذِهِ طَابَةٌ وَهَذَا أَحَدُ يُحَنَّا وَنُحْبَهُ“ یہ شہر پاکیزہ ہے اور یہ احد پہاڑ ہے جو ہمیں محبوب رکھتا ہے اور ہم اسے محبوب رکھتے ہیں اور جب مدینہ طیبہ میں داخل ہوئے تو حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے قصیدہ غراء میں جو نہایت فصیح و بلیغ ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مدح کی اور وہ قصیدہ مواہب میں مذکور ہے اس کے چند اشعار حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے نسب مبارک کے ضمن میں پہلے لکھے جا چکے ہیں۔

تخلف کرنے والوں کا حال: وصل: واضح رہنا چاہئے کہ متخلفین یعنی غزوہ تبوک سے پیچھے رہ جانے والے منافقین میں سے بہت ہیں جن میں معذور بعد رنج بھی ہیں اور بعد رنج بھی ہیں۔ لیکن وہ لوگ جو بغیر عذر اور بلا شک وارتیاب کے اس غزوے سے پیچھے رہ گئے وہ صحابہ میں سے پانچ افراد ہیں۔ ابوذر غفاری، ابوخیثمہ سالمی رضی اللہ تعالیٰ عنہ، کعب بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ، مرارہ بن الربیع رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور ہلال بن امیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔ ان پانچوں کی صورت یہ ہے کہ

۱۔ حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مدینہ طیبہ سے چلے لیکن ان کا اونٹ راستہ میں تھک کے رہ گیا۔ وہ اپنا ضروری سامان اپنے کندھے پر اٹھا کر منزل تک پہنچے۔ جب حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو دور سے لوگوں نے آتے دیکھا تو عرض کرنے لگے۔ ”یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! کوئی دور سے پیادہ اور تنہا آرہا ہے؟“ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ”ابو ذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں۔ جب وہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب آئے تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اٹھے اور مرجحاً کہہ کر فرمایا: رَحِمَ اللَّهُ أَبَاذَرٍّ تَمْشِي وَحْدَهُ وَتَمُوتُ وَحْدَهُ وَتُبْعَتْ. اللہ تعالیٰ ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر رحمت فرمائے تنہا کوچ کرے گا۔

تعالیٰ عنہ مشہور ہیں اور ان میں عمدہ کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ بن مالک کا قصہ اور ان کی توبہ ہے کیونکہ آیہ کریمہ: **وَعَلَى الشَّلَاقَةِ الَّذِينَ خَلِفُوا حَتَّىٰ إِذَا ضَاقَتْ عَلَيْهِمُ الْأَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ وَضَاقَتْ أَنفُسُهُمْ يَتَذَكَّرُونَ** اور یہی تینوں محل عتاب و خطاب اور غفور و درگزر کے مستحق بنے ہیں۔

۳۔ لیکن کعب بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا واقعہ ہی کچھ عجیب ہے ان کے ضمن میں ان دو صحابہ کا بھی ذکر آ جاتا ہے۔ کعب بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ خزرجی بیعت عقبہ میں موجود تھے اور عقبہ ثانیہ کے وقت ان ستر افراد میں سے ایک تھے اور ایک قول یہ ہے کہ تین افراد میں سے ایک تھے جیسا کہ پہلے ذکر ہوا۔ ان کی توبہ کا قصہ طویل ہے اس کے باوجود میں نقل کرتا ہوں جو انہیں سے مروی ہے حضرت کعب فرماتے ہیں غزوہ تبوک سے میرا رہ جانا ابتلائے محض تھا اس میں میرا ظاہری قصد و اختیار نہ تھا اور کوئی ایسا عذر بھی نہ تھا جس کی بنا پر میرا رہ جانا مناسب ہوتا۔ تمام سامان تیار تھا اور میری عمدہ سواری بھی تیار تھی کبھی کسی غزوے میں میرے پاس دواونٹ نہ تھے۔ تبوک کے سفر کے لیے میں نے دواونٹ خریدے تھے لیکن ہوا انتہائی گرم تھی مدینہ طیبہ کی کھجوریں پکی ہوئی تھیں اور طویل سفر پیش تھا اور طبعی طور پر لوگوں کے دل نہ چاہتے تھے کہ آفتاب کے سایہ سے جائیں اور میں اس بات کے موجود ہونے سے کہ اسباب و سواری تو مہیا ہے کوئی فکر نہ رکھتا تھا اور دل میں عزم تھا کہ جس دن کوچ ہوگا میں بھی نکل کے چل دوں گا جب روانگی ہوئی تو میں نے اپنے دل میں کہا آج تو مجھے کچھ کام ہے کل کو روانہ ہو جاؤں گا۔ اسی طرح دو تین دن تعویق و تاخیر میں گزر گئے۔ یہاں تک کہ لشکر اسلام دور چلا گیا اور وقت ضائع ہو گیا۔ جب معاملہ ہاتھ سے نکل گیا تو مجھے عظیم وحشت و غمگینی لاحق ہوئی یہاں تک کہ میں گھر سے نکلتا تو پیاس و غم اور زیادہ ہوتا اور اس سے دل اور پریشان ہوتا کہ مدینہ میں سوائے ان منافقین کے جنہوں نے جھوٹی عذر داری کی اور ان کمزوروں اور ضعیفوں کے جن کا عذر بجا تھا کوئی نہ رہا تھا میں شرمساری اور حسرت و اندوہ کی آگ میں جلتا تھا کہ کیوں میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اس غزوے میں نہ گیا اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے کہیں یاد نہ فرمایا۔ بجز اس غزوہ تبوک کے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے بارے میں حضرت عبد اللہ بن انیس رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو انصاری مدنی اور عقبی تھے اور بعض کہتے ہیں کہ انصاریوں کے حلیف تھے ان سے پوچھا۔ انہوں نے عرض کیا ”یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ان کے اپنے دو کپڑوں نے باز رکھا جو ان کی نظر میں بہت اچھے تھے۔ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا بری بات ہے جو تم کہہ رہے ہو۔ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! ہم بجز نیکی کے ان کے بارے میں کچھ نہیں جانتے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کچھ نہ فرمایا۔ جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی واپسی کی خبر مجھے ملی تو میں اور زیادہ غمگین ہوا یہاں تک کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم واپس تشریف لے آئے۔ میں حیران و پریشان تھا کہ کل میں کیا عذر بیان کروں گا اور کس طرح خدا اور اس کے رسول کے غصہ سے نجات پاؤں گا۔ عزیز و اقرباء طرح طرح کے بہانے بناتے کہ ایسا کرو دیا کرو۔ حتیٰ کہ وہ دن بھی آ گیا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ طیبہ رونق افروز ہو گئے۔ تمام باطل اندیشے اور جھوٹے بہانے میں نے دل سے نکال پھینکے اور میں نے خیال کیا باج کے سوا کسی میں میری نجات نہ ہوگی۔ اگرچہ منافقین جھوٹی قسمیں کھائیں گے اور باطل عذر بیان کریں گے اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم بظاہر ان کے عذر قبول فرمائیں گے اور باطن کو خدا کے سپرد فرمائیں گے۔ اس کے بعد میں حاضر ہوا اور میں نے سلام عرض کیا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے میری طرف نگاہ اٹھائی اور ایسا خشم آمیز تبسم فرمایا کہ میرے ہوش جاتے رہے۔ فرمایا: ”اے کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ! تم کیوں پیچھے رہے کیا تمہیں اسباب سفر مہیا نہ تھا؟“ میں نے عرض کیا ”یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! بلاشبہ جس قدر سامان کی ضرورت تھی سب کچھ موجود تھا۔ لیکن میرے نفس نے مجھے غافل بنا دیا اور مجھ پر کسلندی و کاہلی غالب آ گئی شیطان نے میری راہ اچک لی اور مجھے محرومی و رسوائی کے گرداب میں ڈال دیا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اٹھو اور جاؤ یہاں

تک کہ حق سبحانہ و تعالیٰ تمہارے بارے میں حکم فرمادے۔ میرے عزیز و اقارب مجھے برا بھلا کہتے کہ دوسروں کی مانند کیوں نہ تم نے کوئی عذر بیان کیا اور کوئی جھوٹ کیوں نہ بول دیا۔ میں نے کہا میں وحی کے نازل ہونے سے ڈرتا ہوں کہ کہیں وہ میرے جھوٹ کی گواہی نہ دیدے اگر میرا معاملہ کسی دنیا دار سے ہوتا تو میں جو چاہتا کہہ دیتا لیکن یہاں تو سچائی کے سوا کوئی رستہ ہی نہ تھا۔ اس کے بعد میں نے لوگوں سے پوچھا میرے اس واقعہ کی مانند کسی اور کو بھی ایسا معاملہ درپیش آیا ہے۔ لوگوں نے بتایا کہ ہلال بن امیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور مرارہ بن ابی ربیع رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بھی یہی صورت واقعہ ہے اور وہ دونوں بھی اسی بلا میں گرفتار ہیں۔ اس وقت میرے دل میں ڈھارس بندھی اور میں نے دل میں کہا یہ دونوں مسلمان صالح ہیں اب دیکھئے کیا ہوتا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے منع فرمادیا کہ ہمارے ساتھ نشست و برخاست گفت و شنید میل جول کوئی نہ کرے۔ تمام صحابہ نے ہم سے کنارہ کشی کی اور ہمارا حال دگرگوں ہو گیا۔ اسی نچ پر ہمارے اوپر پچاس دن گزر گئے یہاں تک کہ ہم اپنی جانوں سے بیزار ہو گئے اور جہاں مجھ پر تنگ ہو گیا ان پچاس دنوں میں مرارہ بن ربیع رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور ہلال بن امیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ تو گھر سے باہر نکلے ہی نہیں۔ وہ پیرانہ سالی کا ضعف بھی رکھتے تھے اور میں جوان تھا اور دلیری دکھاتا تھا نماز کے لیے نکلتا تھا اور ترساں و لرزاں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس شریف کے ایک گوشہ میں بیٹھ بھی جاتا تھا اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم دزدیدہ نگاہ مجھ کو بائیں طرف فرماتے اور میری شنگی اور پریشان حالی ملاحظہ فرماتے تھے اور جب میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب دیکھتا تو تغافل فرماتے اور اعراض فرماتے اور اگر کسی کام کے لیے باہر نکلتا تو کوئی مسلمان مجھ سے بات نہ کرتا اور نہ مجھے کوئی سلام کرتا نہ جواب یہاں تک کہ ایک دن میرا ضبط و تواں جواب دے گیا اور میرا دل بھرا آیا میں مدینہ طیبہ سے باہر نکلا چونکہ ابوقحادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ میرے چچا کے صاحبزادے تھے جو مجھے بہت چاہتے تھے ان کا مدینہ کے باہر ایک باغ تھا وہاں کوئی تعمیر کر رہے تھے۔ میں ان کے پاس گیا اور انہیں سلام کیا انہوں نے جواب نہ دیا اور مجھ سے منہ پھیر لیا۔ میں نے کہا ”اے ابوقحادہ رضی اللہ عنہ! تم جانتے ہو کہ میں خدا اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت رکھتا ہوں اور بفاق و شرک میرے دل میں نہیں ہے۔ کس لیے تم مجھ سے بات نہیں کرتے اور مجھے جواب نہیں دیتے۔ یہاں تک کہ میں نے یہ بات تین مرتبہ کہی آخر میں صرف اتنا کہا: اللہ و رَسُوْلُهُ اَعْلَمُ۔ اس کے بعد مجھے اپنے حال پر رونا آ گیا اور بہت زیادہ رویا اور مدینہ طیبہ چلا آیا۔ اچانک ایک نصرانی کو میں نے دیکھا جو شام کی جانب سے آ رہا تھا اور میرے بارے میں لوگوں سے پوچھتا پھر رہا تھا۔ جب لوگوں نے مجھے دیکھا تو اس سے کہا وہ ہے جس کی تم تلاش کر رہے تھے۔ یہ ایک قاصد تھا جو شاہ غسان کی طرف۔ سے میرے نام ایک خط لایا۔ اس خط کا مضمون یہ تھا کہ ”اے کعب رضی اللہ عنہ! واضح ہو کہ میں نے سنا ہے کہ تمہارے آقا یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا دل تم سے گرا ہے اور تم کو اپنے پاس سے نکال دیا ہے اور ان کے صحابہ تمہارے ساتھ ظلم و جفا کرتے ہیں تم ایسے شخص نہیں ہو کہ ایسی جگہ رہو جہاں تم پر ظلم و جفا ہو اور تمہیں مجبور و مظلوم کر دیا جائے۔ جب تم اس خط کے مضمون سے باخبر ہو تو بلا توقف فوراً جاؤ تاکہ تم ہماری نوازشوں اور مہربانیوں کو دیکھو جب میں نے اس خط کو پڑھا تو اپنے دل میں کہا۔ یہ بھی ان بلاؤں میں سے ایک بلا ہے جو مجھ پر نازل ہوئی ہے۔ اس سے زیادہ بری اور کیا بلا ہوگی کہ ایک کافر کی طمع مجھ پر اور میرے دین پر پڑے اور مجھے کفر کی طرف بلائے۔ میرا غم اور بڑھ گیا اور اس خط کو میں نے آگ میں ڈال کر جلا دیا اور قاصد کو اپنے سامنے سے نکال دیا اور کہا کہ جاؤ اپنے بادشاہ سے کہہ دینا میرے اپنے آقا کی مجھ پر بے عنایتی اور بے التفاتی، تیری عنایت و التفات سے لاکھ درجے بہتر و خوشتر ہے اور آپ کی مجبوری تیری نزدیکی سے بہتر ہے۔

گر وصال تو نباشد بفراق تو خوشم
ہم فراق تو مرا بہ کہ وصال دگراں

میں نے پوچھا کیا یہ حکم ہے کہ میں طلاق دیدوں؟ اس نے کہا نہیں! بلکہ حکم یہ ہے کہ اس سے صحبت نہ کرو۔ اس پر میں نے اپنی بیوی کو اس کے باپ کے گھر بھیج دیا اور وہ دو شخص یعنی ہلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ بن امیہ اور مرارہ بن ابرہج رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بھی یہی حکم فرمایا کہ وہ عورتوں سے دور رہیں اور بعض روایتوں میں آیا ہے کہ ان عورتوں نے ان سے کہا کہ وہ ہم سے دور رہیں اور ہم سے خدمت نہ لیں اور نہ ہم سے مباشرت قائم رکھیں۔ مروی ہے کہ ہلال بن امیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بیوی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں آئی اور عرض کیا ”یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میرا شوہر ضعیف و بوزہا ہے اور اس کا کوئی خدمت گار نہیں ہے مجھے اجازت دیجئے کہ میں اس کی خدمت کروں۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ”ہاں خدمت بجاؤ لیکن لازم ہے کہ مباشرت اور جماعت واقع نہ ہو۔ اس عورت نے عرض کیا ”یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! خدا کی قسم وہ تو انتہائی حزن و ملال میں بے حس و حرکت ہیں اور مسلسل گریہ و زاری میں مشغول ہیں جماعت کا محل کہاں ہے۔ حضرت کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میرے گھر کے کسی آدمی نے مجھ سے کہا۔ ”کیا خیال ہے اگر تم بھی اجازت مانگ لو کہ تمہاری بیوی تمہاری خدمت گزاری کرے؟ وہ فرماتے ہیں کہ میں نے کہا خدا کی قسم میں ایسا ہرگز نہ کروں گا اس لیے کہ میں نہیں جانتا کہ مجھے اجازت ملے یا نہ ملے اور یہ کہ میں جوان ہوں مجھے کسی دوسرے کی خدمت کی ضرورت نہیں ہے۔ حضرت کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ جب پچاس دن گزر گئے تو ایک رات میں انتہائی دلگتی و شستگی کی حالت میں چھت کے اوپر پڑا ہوا تھا کہ اس حالت میں اچانک میں نے آواز سنی۔ میں نے غور سے دیکھا تو کوئی شخص ٹیلہ پر کھڑا آواز دے رہا ہے اور کہہ رہا ہے ”اے کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ بن مالک تمہیں خوشی مبارک ہو تمہاری توبہ مقبول ہو گئی۔ ایک روایت میں ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو وہ سلع پر جو کہ کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ بن مالک کے گھر کے قریب ہے آ کر اعلان فرما رہے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے کعب بن مالک کی توبہ قبول کر لی ہے۔ اس کے بعد میرے یا دوست برابر آنے لگے اور یہ بشارت مجھے پہچانے لگے اور لوگوں میں شور مچ گیا کہ مخلصین آ رہے ہیں۔ اس کے بعد میں نے زمر کو زمین پر رکھا اور حمد و شکر بجالا دیا اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہوا حضور

مشائخ عظام میں سے حضرت ابوبکر و راق رحمۃ اللہ علیہ سے لوگوں نے پوچھا تو توبہ نصوح کی پہچان کیا ہے۔ فرمایا: کہ زمین اپنی وسعت کے باوجود توبہ کرنے والے پر تنگ ہو جائے اور اس کا سانس بھی اس پر تنگ ہو جائے۔ جس طرح کہ حضرت کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور ان کے دونوں ساتھیوں کی توبہ کا قصہ ہے۔

بعض مفسرین فرماتے ہیں کہ حق سبحانہ و تعالیٰ کے ارشاد تَبَايَاهُمَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اتَّقُوا اللّٰهَ وَكُونُوْا مَعَ الصّٰدِقِيْنَ (اے ایمان والو اللہ سے ڈرو اور صادقوں کے ساتھ ہو جاؤ) میں صادقین سے مراد یہی تینوں صحابہ کرام ہیں جنہوں نے پیچھے رہ جانے کے معاملے میں منافقوں کے برخلاف راست گوئی سے کام لیا اور مفسرین کہتے ہیں کہ اس آیت کریمہ کا نزول قبول توبہ کے بعد ان کے حق میں ہوا۔

ارباب سیر کہتے کہ غزوہ تبوک کے بعد مسلمانوں نے اپنا اسلحہ بیچنا شروع کر دیا اور وہ کہنے لگے جہاد منقطع ہو گیا۔ جب اس کی خبر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سماع مبارک میں پہنچی تو فرمایا: لَا يَزَالُ عَصَابَةٌ مِّنْ أُمَّتِيْ يُجَاهِدُونَ عَلَى الْحَقِّ حَتَّى يَخْرُجَ الْمَلَجَالُ۔ میری امت کی ایک جماعت ہمیشہ حق پر جہاد کرنے والی باقی وقائم رہے گی یہاں تک کہ دجال کا خروج ہو۔ ایک روایت میں ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا نزول ہو۔

تنبیہ: غزوہ تبوک سے تحلف یعنی رہ جانے والوں میں تین صحابہ کے نام تو یہی مشہور ہیں جن کی توبہ قبول کرنے کے بارے میں حق تعالیٰ نے اپنے کلام پاک میں خبر دی کہ: لَقَدْ تَابَ اللّٰهُ عَلَى النَّبِيِّ وَالْمُهَاجِرِيْنَ وَالْأَنْصَارِ۔ تا قول حق سبحانہ و تعالیٰ اِنَّ اللّٰهَ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ دو اور صحابی ہیں ایک حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ جن کا اونٹ راستہ میں تھک کر بیٹھ گیا اور بعد میں پیدل چل کر تبوک پہنچ کر ملے۔ دوسرے ابوخیثمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں جو مدینہ میں رہے اور چند دن کے بعد جا کے مل گئے۔ مواہب لدنیہ میں چند اور نام بھی گنائے ہیں۔ ایک حضرت ابولبابہ بن عبدالمند رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں جنہوں نے بنی قریظہ کو اپنے حلق کی طرف اشارہ کر کے انہیں بتایا تھا کہ مسلمان تمہیں ذبح کر دیں گے۔ جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی خبر پہنچی تو فرمایا اللہ تعالیٰ تمہارے اس اشارے سے جو تم اپنے حلق کی طرف اشارہ کر کے بتایا غافل ہے اور ان پر عتاب فرمایا اور جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تبوک کی جانب تشریف لے جا رہے تھے تو ابولبابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے تحلف کیا اور متخلفین کی جماعت میں قرار پائے۔ جب انہوں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہوئے سلام کیا تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا رخ انور ان سے پھیر لیا اس پر حضرت ابولبابہ ڈرے اور خود کو ستون سے باندھ لیا اور کہا یہ میری جگہ ہے میں اس وقت تک جدانہ ہوں گا جب تک کہ حق تعالیٰ یا تو مجھے دنیا سے رخصت کر دے یا میری توبہ قبول فرمائے۔

(الحديث) اور تینہی کے نزدیک حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے بھی اس آیت کریمہ کے تحت مروی ہے کہ: وَآخِرُوْنَ اغْتَرَفُوْا بِسُدْنُوْبِهِمْ خَلَطُوْا عَمَلًا صَالِحًا وَآخَرَ سَيِّئًا عَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّتُوْبَ عَلَيْهِ۔ حضرت ابن عباس نے فرمایا کہ وہ دس اشخاص تھے جنہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے غزوہ تبوک میں تحلف کیا۔ جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم واپس مدینہ طیبہ تشریف لائے تو ان میں سے سات نے مسجد شریف کے ستونوں سے اپنے آپ کو باندھ دیا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ان کے آگے سے گزر گئے۔ جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں داخل ہوئے تو فرمایا یہ کون ہیں؟ صحابہ نے عرض کیا یہ ابولبابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور ان کے

بِذُنُوبِهِمْ۔ پھر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی کو بھیجا تا کہ انہیں کھول دیں۔ اور معافی کی بشارت دے دیں۔ یہ کلام مواہب کا اس مقام میں ہے اور پہلے بنی قریظہ کے غزوہ میں بھی اس طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ مگر مشہور یہ ہے کہ حضرت ابولبابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی غلطی اور ان کا مسجد کے ستون سے باندھنا بنی قریظہ کے غزوہ قضیہ سے متعلق تھا۔ لیکن اس روایت کی ظاہر عبارت اس میں ہے کہ اس وقت تو صرف عتاب تھا اور مسجد کے ستون سے باندھنا غزوہ تبوک میں واقع ہوا۔ اس عبارت میں ان دس شخصوں کے نام نہیں گنائے گئے کہ کون کون تھے۔ سیر کی کتابوں میں یہی تین نام اور دو اور نام یعنی ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت ابوخیثمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بھی ذکر کیا گیا ہے۔ (واللہ اعلم)

مہاجر ۱۰۲ھ سے ابوامرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہر اور ام المؤمنین سیدہ ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا نام بھی متخلصین کے زمرہ میں ہے جن

نہ جتنا و بلکہ اللہ ہے جس نے تم کو ایمان کی ہدایت دے کر احسان فرمایا اگر تم اسلام لانے میں صادق ہو، ان لوگوں کا حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ احسان جتنا نا اگر غفلت، نادانی اور نا سچی کی بنا پر تھا تو اس کی کوئی وجہ نہیں کیوں کہ اسلام کا فائدہ اور اس کا نفع دنیا اور آخرت میں انہیں کی طرف راجع ہے اور خدا اور اس کا رسول صلی اللہ علیہ وسلم اس سے نفع پہنچنے سے منزہ و مستغنی ہے اور ان کے افعال سے ان کی ذات مقدس پاک و برتر ہے اور منت و احسان ایسی نعمت کا نام ہے جسے نعمت دینے والا (منعم) اس سے جسے نعمت دی ہے کسی بدلے اور جزا کے بغیر دے دے۔

تو بھی یہی حکم رکھتا ہے ممکن ہے کہ ان کا یہ کہنا 'مجرائے خدمت' حصول نوازش طلب نزول رحمت اور طلب عنایت و شفقت کے لیے ہو۔ ایسی طلب کو بھی حسن ادب نہ رکھنے کی بنا پر منت و احسان سے موموسم فرمایا گیا ہے۔ اگر حقیقت حال کو سمجھ جائے تو مستغرق نعمت توفیق ہوتے، اور سر کو اونچا نہ کر سکتے تھے۔

تو بندگی جو گدایاں بشرط مزدکن

اس تنبیہ کی جانب حق تعالیٰ نے اِن کُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ فرما کر اشارہ کیا کہ یہ بھی اس تقدیر پر ہے کہ تمہارا اسلام صحت و استقامت پیدا کر دے۔ ممکن ہے کہ اس سے یہ مراد ہو کر اگر تم اسلام کی خبر دینے میں سچے ہو تو اسلام کی قبولیت پر احسان جتلا نا بلکہ عرض حال پر زبان کھولنا اور حصول لطف و کرم کا اظہار کرنا بھی اس کے منافی ہے۔

دوسرا وفد فزارہ کا ہے جو تقریباً بیس اشخاص پر مشتمل آئے تھے اور اپنا اسلام لانا ظاہر کیا تھا۔ اس وفد میں خارجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بن حصین اور حبر بن رضی اللہ تعالیٰ عنہ قیس بن حصین فزاری بھی تھے اور یہ سب اس عینیہ بن حصین فزاری کے قبیلہ سے ہیں جو مولفۃ القلوب میں سے ہے اور اس کی تختی طبع اور ظلم و جفا کا ذکر پہلے کیا جا چکا ہے اور اس ضمن میں اس کی بہت سی حکایات ہیں خارجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس کا بھائی اور حبر بن رضی اللہ تعالیٰ عنہ قیس برادر زادہ تھا اور یہ حبر بن رضی اللہ تعالیٰ عنہ قیس امیر المومنین سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کا مقرب تھا۔ جس کا ذکر پہلے بھی گزر چکا ہے۔

بد بخت اور شقی ہے جس نے ستر قاریوں کو شہید کیا تھا اور بڑی بد بختیاں کی تھیں جیسا کہ سال چہارم کے واقعات بیہر معونہ کے ضمن میں گزر چکا ہے۔ اب اس وفد میں بھی غداری و فریب کاری کے قصد سے آیا تھا اور اس نے اردب سے طے کیا تھا کہ میں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو باتوں میں مشغول رکھوں گا اور تو پیچھے سے آکر بے درلغ تیغ کا وار کرنا اور ان کا خون بہانا تاکہ ہمارے دل ان کی طرف سے چین پا جائیں۔ جب یہ شیاطین حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہوئے تو عامر نے کہا ”اے محمد! (صلی اللہ علیہ وسلم) اگر میں مسلمان ہو جاؤں تو میرے لیے کیا ہوگا؟“ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ”جو دوسرے مسلمانوں کا حال ہوگا“۔ اس نے کہا ”مجھے اپنے بعد اپنا خلیفہ بنائیے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ”تجھے اور تیری قوم کو اس کا حق نہیں پہنچتا اس کے مستحق اور حضرات ہیں تو نہیں جانتا“۔ اس نے کہا ”مجھے اعرابیوں اور صحرائیوں پر ولایت دیدتے تھے اور آپ دیہات اور شہروں پر حاکم رہتے“۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ”میں تجھے ایک جماعت پر سردار مقرر کر دوں گا تاکہ راہ خدا میں تو جہاد کرے اور دنیا و آخرت کی سعادت تیرے نصیب میں ہو“۔ اس نے کہا ”میں قوم کا سردار ہوں خدا کی قسم میں جا کر پیادہ و سوار کا لشکر جرار آپ کے مد مقابل لاتا ہوں“۔ ایک روایت میں ہے کہ ایک ہزار گھوڑے اور ایک ہزار اونٹ پر سوار کا لشکر لاتا ہوں۔ یہ کہہ کر اردب مذکور کے ساتھ نکل آیا اور اردب سے کہا میں نے تو تجھے تاکید کی تھی تو نے عمل کیوں نہ کیا“۔ اردب نے کہا ”خدا کی قسم جب بھی میں نے ارادہ کیا کہ تلوار اٹھا کر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر وار کروں تو تجھے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان حائل دیکھتا تو کیا میں تجھے تلوار سے قتل کر دیتا“۔ جب یہ دونوں جہنمی کتے مجلس مبارک سے نکل گئے تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اَللّٰهُمَّ اَكْفِنِيْ عَامِرًا اے خدا! عامر کے شر سے محفوظ رکھنا۔ ایک روایت میں ہے کہ عامر اور اردب کے شر سے محفوظ رکھ۔ اس کے بعد آسمان سے بجلی گری جس نے اردب کو جلا ڈالا اور عامر کے گلے میں ایک گلی نکل گئی جس طرح اونٹ کی گردن میں غدود ہوتے ہیں۔ راستہ میں سلویہ عورت کے گھر گیا اور ٹھہرا۔ کہتے ہیں کہ یہ کہات اور مثل عرب میں بن گئی کہ: غُدَّةٌ كَغُدَّةِ الْبُعْبُعِ وَالْمَوْتُ فِيْ بَيْتِ سَلْوَيْتَةَ اور یہ اس وقت بولتے ہیں جب محبت کی نوع میں کوئی ناگواری پیش آئے۔ اس کے بعد عامر سلویہ کے گھر سے نکلا اور سوار ہوا اور راستہ میں ہی کچھ مدت بعد جہنم رسید ہو گیا، وہ گھوڑے کی پشت پر ہی مر گیا۔ اس وفد کا حال علماء سیر اسی قدر بیان کرتے ہیں اور عنوان میں وفد عامر اور وفد بنی عامر کہتے ہیں۔ مگر روضۃ الا حباب میں وفد عامر بن صعصعہ کہا گیا ہے۔ بنی عامر صعصعہ کی ایک شاخ ہے پھر عامر بن طفیل اور اردب علیہا اللعنة بیان کیا ہے اور اس کا ذکر نہیں کیا کہ اس وفد میں کتنے آدمی تھے اور کتنے ایمان لائے۔ ظاہر یہ ہے کہ مذکور اشتیاء کے سوا باقی سب ایمان لے آئے ہوں گے (واللہ اعلم)

ایک روایت میں ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے عامر و اردب پر مذکورہ دعا فرمایا: اَللّٰهُمَّ اِهْدِنِيْ عَامِرٍ وَاَعْنِ الْاِسْلَامَ عَنْ عَامِرٍ۔ اے خدا بنی عامر کو ہدایت دے اور عامر سے اسلام کو بے نیاز کر، یعنی عامر بن الطفیل سے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ بنی عامر ہدایت پا گئے اور اسلام میں داخل ہو گئے۔ بنی عامر میں جو عامر نام ہے وہ عامر بن طفیل کے سوا ہے۔ وہ عامر بن مالک بن جعفر ہے اور اس کی کنیت ابوالبر ہے اور وہ عامر بن طفیل کا چچا ہے جو مالک کا بیٹا ہے۔ جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا تھا اور بڑی چالوسی کی تھی اور کہا تھا کہ اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) میں آپ کے حکم کو اور آپ کے دین کو برگزیدہ جانتا ہوں۔ لیکن وہ مسلمان نہ ہوا اور قاریوں کی ایک جماعت تعلیم قرآن و احکام شریعت کے لیے لے گیا اور کہا کہ میں ان کو اپنے قرب میں رکھوں گا اور کسی قسم کا ضرر نقصان نہ پہنچے دوں گا۔ آپ کوئی اندیشہ نہ فرمائیں۔ پھر عامر بن طفیل اس کا بھتیجا شقاوت پر آتر آیا اور وہ سب کچھ کیا جو بیہر معونہ کے قصہ میں تفصیل سے معلوم ہو چکا ہے۔

آٹھواں وفد عبدالقیس کا ہے اور وفد عبدالقیس کا ذکر سال ہشتم میں تفصیل کے ساتھ گزر چکا ہے جس طرح روضۃ الاحباب میں بیان کیا گیا ہے۔ مگر مواہب لدنیہ میں وفد کے سال میں اس کا ذکر کیا گیا ہے اور کہتے ہیں کہ عبدالقیس کے دو وفد تھے ایک وفد فتح مکہ

صلی اللہ علیہ وسلم نے جب اس کو طالب دین اور آخرت کا شوقین ملاحظہ فرمایا اور اس کی بلند ہمتی مشاہدہ کی تو اس پر اور زیادہ عنان توجہ مبذول فرمائی اور دعا کی اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لَهُ وَارْحَمْهُ وَاجْعَلْ غَنَاهُ فِيْ قَلْبِهِ۔ اس کے بعد جس قدر اس وفد کے اور لوگوں پر انعام فرمایا تھا اسے بھی عطا فرمایا۔ ایک اور روایت میں ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے لیے دعاء برکت بھی فرمائی۔ پھر وہ اپنی قوم میں سب سے بہتر سب سے موقر اور ان کا سردار و امیر بن گیا۔ وہ ان کی امامت کرتا تھا۔ اس سے معلوم ہوا کہ جو آخرت کا طالب ہوتا ہے اسے دنیا بھی ملتی ہے اور آخرت بھی۔ اس کے بعد وہ سب اپنے قبیلہ کی طرف لوٹ گئے۔ آئندہ سال اس قوم کی ایک جماعت حجۃ الوداع میں منیٰ میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہنچی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس جوان کا حال ان لوگوں سے پوچھا ان لوگوں نے کہا ہم نے اس جیسا قانع و صابر شخص نہ کسی کو دیکھا اور نہ سنا اگر تمام جہان اس کے حصہ میں آ جائے تو وہ اس کی طرف التفات بھی نہ کرے

گرچہ گرد آلود فقرم شرم باد از ہم تم
گر بآب چشمہ خورشید دامن ترکم

بار ہواں وفد وارم از قبیلہ نحم آ یا۔ ان کے دس آدمی تھے اور ان کا سردار ہانی بن حبیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نامی تھا اور یہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے کئی گھوڑے اور ایک قبا زربفت کی اور ایک مشکیزہ خمر کا ہدیے میں لائے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا حق تعالیٰ نے شراب حرام قرار دیدی ہے۔ ہانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا ”میں اسے فروخت کیے دیتا ہوں۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ”جس نے شراب حرام کی ہے اس نے اس کی خرید و فروخت بھی حرام کی ہے۔ گھوڑوں اور قبا کو قبول فرمایا۔ اہل سیر کہتے ہیں کہ قبا حضرت عباس بن عبد المطلب رضی اللہ عنہ کو عطا فرمادی۔ انہوں نے عرض کیا ”یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میں اس کا کیا کروں کیوں کہ یہ مردوں پر تو حرام ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ”اس میں سے سونا علیحدہ کر کے کچھ کا اپنی بیوی کا زیور بنادو اور کچھ کو اپنے خرچ میں لے آؤ اور ریشمی کپڑے کو فروخت کردو اور اس کی قیمت سے فائدہ اٹھاؤ۔“ اس پر حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے قبا کو اٹھ ہزار درہم میں ایک یہودی کے ہاتھ فروخت کر دیا۔

روضۃ الاحباب میں اتنے ہی وفد کا ذکر کیا ہے اور یہ کہا ہے کہ اس سال اور بھی وفد آئے ہیں لیکن ان کی تفصیل فن سیر کی مبسوط کتابوں میں مذکور ہے۔ صاحب مدارج النبوة نے تو اس سے بھی بہت کم کا ذکر کیا ہے اس سال اس کثرت کے ساتھ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں وفد آئے کہ اگر ان سب کا ذکر کیا جائے تو کتاب بہت طویل ہو جائے اسی پر اکتفا کیا جاتا ہے دسویں سال میں اس کتاب میں کچھ اور وفد کا ذکر کیا جائے گا۔

بندہ مسکیر، عبدالحق، بزم، سفہ، الہ، بزم، صفہ، اللہ، بزم، العلم، والیقین، نے مواہب لدنیہ سے ان تمام وفد کو نقل کر دیا ہے جو معانی مفیدہ

پر مشتمل تھے چونکہ اس کتاب میں سنوآت کے ذکر کی قید نہیں ہے۔ اس لیے انہوں نے تمام وفد کو ایک باب کے تحت جمع کر کے بیان کر دیا ہے خواہ وہ وفد کسی سال میں آیا ہو۔ کیوں کہ ہمارا مقصود واقعات کا جاننا اور اس کا علم ہے خواہ وہ کسی سنہ میں ہو۔ ایک وفد ہوازن کا ہے جبکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم طائف سے حرا نہ تشریف لائے تھے تو انہوں نے آ کر مسلمانوں کے قبضہ میں جو ان کے غلام و باندیاں اور اموال تھے ان کی استدعا کی تھی اور ان کی استدعا اسیروں کے بارے میں قبول فرمائی تھی۔ جس کا قصہ تفصیل کے ساتھ اپنی جگہ گزر چکا ہے۔ اس کا وقوع سال ہشتم میں تھا اور دوسرا وفد ثقیف کا تھا جو تبوک سے واپسی کے بعد آیا تھا اس کا اصل قصہ یہ ہے کہ جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم طائف سے واپس تشریف لارہے تھے تو صحابہ نے عرض کیا تھا ”یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! ثقیف کے تیروں نے ہمیں چھلنی کر دیا ہے۔ ثقیف پر بددعا فرمائیے۔“ حضور اکرم نے فرمایا: اَللّٰهُمَّ اهْدِ قَبِيْلًا وَاَتِ بِهَمَّ اے خدا ثقیف کو ہدایت دے اور

ثقفی رضی اللہ تعالیٰ عنہ آیا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آ کر مسلمان ہو گیا اور درخواست کی کہ اسے اپنی قوم کی طرف بھیجا دیا جائے۔ اس پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو ان کی قوم کی طرف بھیجا اور انہوں نے اپنی قوم کو دعوت اسلام دی۔ سحری کا وقت تھا وہ اپنے مکان کی چھت پر آ کر قوم کو دعوت دے رہے تھے اور اپنے دین کا ان کے سامنے اظہار کر رہے تھے کسی نے ان پر تیر چلایا اور اس تیر نے ان کو شہید کر دیا۔ مزید احوال آخر کتاب میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے قاصدوں کے بیان میں آئے گا۔ عروہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے شہید کر دینے کے بعد ثقیف چند ماہ ٹھہرے رہے۔ اس کے بعد باہمی مشورہ کیا اور یہ طے پایا کہ ہم عربوں کے ساتھ جو ہمارے چاروں طرف ہیں جنگ کرنے کی طاقت نہیں رکھتے اور وہ سب بیعت کر کے اسلام لاپچھے ہیں لہذا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس عبدیلا کو بھیجنا چاہیے چنانچہ انہوں نے چند آدمی اس کے ساتھ کیے ان میں سے ایک عثمان بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھے۔ پھر وہ لوگ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہنچے اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے لیے مسجد شریف کے گوشہ میں ایک خیمہ نصب کرایا۔ ان لوگوں کی ایک درخواست تو یہ تھی کہ ”لات“ کے بت خانہ کو نہ توڑیں اور اسے تین سال تک باقی رکھیں۔ مگر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی یہ درخواست قبول نہ فرمائی اور ابوسفیان رضی اللہ تعالیٰ عنہ بن حرب اور مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بھیجا کہ وہ اس بت خانہ کو توڑ ڈالیں اس کے بعد انہوں نے دوسری درخواست یہ کی کہ انہیں نماز پڑھنے سے معاف رکھا جائے اور اپنے ہاتھوں سے بتوں کے توڑنے کا حکم نہ دیا جائے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ایسا ہی ہوگا مقصود ہو تو بتوں کا توڑنا ہے کوئی توڑے۔ اپنے ہاتھ سے توڑنا زیادہ بہتر ہے لیکن نماز کی معافی کی کوئی صورت نہیں ہے۔ اس لیے کہ جس دین میں نماز نہیں ہے اس میں خیر نہیں ہے۔ پھر جب وہ اسلام لے آئے تو ان پر عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ بن العاص کو امیر مقرر فرمایا وہ اگرچہ سن سال میں ان سے بہت کم عمر تھے لیکن اسلام اور تعلیم قرآن میں وہ بہت شائق تھے اس کے بعد وہ اپنے شہر کی طرف لوٹے ابوسفیان اور مغیرہ بھی ان کے ساتھ گئے اور لات کے بن خانہ کو توڑ دیا۔ عثمان بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منقول ہے وہ بیان کرتے ہیں کہ میں سورۃ بقرہ کی تلاوت کرتا تھا۔ میں نے عرض کیا ”یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! قرآن مجھ سے بھاگتا ہے اور یاد نہیں رہتا۔ اس پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا دست اقدس میرے سینہ پر رکھا اور فرمایا ”اوشیطان عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سینہ سے نکل جا“۔ اس کے بعد جتنا بھی میں نے حفظ کیا کبھی نہ بھولا۔ نیز میں نے عرض کیا ”یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! شیطان میرے اور میری نماز و قرأت کے درمیان حائل ہوتا ہے۔ حضور اکرم نے فرمایا یہ ایک شیطان ہے جس کا نام ”حزب“ ہے اس کے لغوی معنی گوشت کے لٹھڑے کے ہیں۔ فرمایا: جب تم اس کے وسوسے کا دل میں احساس کرو تو اس سے خدا کی پناہ مانگو یعنی اعوذ پڑھو اور تین مرتبہ بائیں جانب تھکا رو“۔ میں نے ایسا ہی کیا اور حق تعالیٰ نے میرے ان وسوسوں کو دور فرمادیا۔

تیسرا وفد کندہ کا ہے۔ یہ یمن کے ایک قبیلہ کا نام ہے اور یہ ثور بن عفیر کا لقب ہے جو یمن کے اس قبیلہ کا باپ تھا یہ لقب اس لیے ہوا کہ ثور بن عفیر اپنے باپ کی ناشکری کر کے اپنے ماموں کے ساتھ مل گیا۔ کندہ کنود سے بنا ہے جسکے معنی ناشکری کرنے کے ہیں چنانچہ قرآن کرم میں بھی ہے ”اِنَّ الْاِنْسَانَ لِرَبِّهِ لَكَنُودٌ“ بے شک انسان اپنے رب کا بڑا ناشکر ہے۔ یمن میں اس کی اولاد کا کندہ (ناشکر) ہی پڑ گیا اس کندہ قبیلہ کے اسی یا ستر سوار جو بالوں میں گنگھی کیے زریں پہنے ہتھیار لگائے اور یمنی چادر کے جے پہنے جس کے حاشیہ پر ریشم حریر سی ہوئی تھی آئے۔ جب وہ بارگاہ رسالت میں پہنچے تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ”کیا اسلام نہیں لائے ہو؟“ انہوں نے کہا ہاں ہم اسلام لائے ہوئے ہیں آپ نے فرمایا ”یہ تمہارے جسموں میں حریر و ریشم کیسا ہے؟ اس پر انہوں نے اپنے جسموں پر سے اسے پھاڑ کر اتار پھینکا۔

چوتھا وفد اشعر یوں اور اہل یمن کا ہے۔ مواہب میں ایسا ہی ترجمہ واقع ہے اور صاحب مواہب شیخ ابن حجر عسقلانی سے نقل کرتے

ہیں کہ اس سے مراد بعض وہ اہل یمن ہیں جو اشعریوں کے سوا ہیں اور وہ حمیر کے لوگ ہیں جو آئے۔ انہوں نے آ کر کہا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! ہم آپ کے پاس اس لیے آئے ہیں تاکہ ہم دین میں تفقہ کریں اور انہوں نے ابتداء خلقت عالم کے بارے میں پوچھا کہ اول کیا تھا اور کس طرح تھا۔ اس پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

كَانَ اللَّهُ وَلَمْ يَكُنْ مَعَهُ شَيْءٌ وَكَانَ عَرْشُهُ عَلَى الْمَاءِ وَكُنِبَ فِي الذِّكْرِ شَيْءٌ اللَّهُ تَعَالَى هِيَ تَهَا اور اس کے ساتھ کچھ نہ تھا اور اس کا عرش پانی پر تھا اور لوح محفوظ میں ہر چیز لکھی ہوئی تھی۔ یہ دونوں گروہ ایک ساتھ نہیں آئے اس لیے کہ اشعریوں کا ابو موسیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ آنا پہلے ہوا تھا اور یہ سن سات ہجری میں فتح خیبر کے وقت کی بات ہے اور حمیر کے وفد کی آمد سن نو ہجری میں ہوئی تھی جو ”سنۃ الوفود“ ہے اور یہ دونوں گروہ زبان نبوت پر محمود ہیں اور بشارت یافتہ ہیں۔ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے

دیدو۔ پھر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ انہیں لے چلے اور اپنے گھرالائے جب وہ اندر آئے تو دیکھا کہ کچھوروں کا ڈھیر لگا پڑا ہے جو سیاہ و سفید ہیں۔ پھر ان لوگوں نے اپنی ضرورت کے مطابق اس میں سے لے لیا میں ان میں آخری شخص تھا۔ اس کے بعد جو دیکھا تو اس میں سے ایک دانہ کھجور کا کم نہ معلوم ہوتا تھا۔ یہ نعمان بن مقرن مزی رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں۔ یہ اپنے سات بھائیوں کے ساتھ ہجرت کر کے آئے تھے۔ اس سے معلوم ہوا کہ اس وقت ان کا وفد میں شریک ہو کر آنا اسلام لانے کے لیے نہ تھا۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ جس طرح ایمان کے گھر ہیں نفاق کے بھی گھر ہیں مگر آل مقرن کے گھر ایمان کے گھر ہیں۔

ساتواں وفد دوس کا ہے۔ یہ ایک قبیلہ کا نام ہے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اسی قبیلہ سے تعلق رکھتے تھے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آمد خیبر میں ہوئی تھی۔ مواہب لدنیہ میں ابن اسحاق سے مروی ہے کہ دوس کے وفد میں طفیل بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہ دوس بھی تھے جنہوں نے مکہ مکرمہ میں ہجرت سے پہلے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تصدیق کی تھی۔ پھر وہ اپنی قوم کی طرف لوٹ گئے تھے اور ہجرت تک وہیں رہے تھے پھر جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم خیبر تشریف لے گئے تو وہ آئے اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی رحلت تک موجود رہے ان کا خطاب ذوالنور ہے یہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانہ میں جنگ یمامہ میں شہید ہوئے۔ بعض کہتے ہیں کہ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانہ میں یرموک میں شہید ہوئے۔ یہ شعلہ بیان شاعر تھے (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) مواہب میں ابن اسحاق سے مروی ہے وہ کہتے ہیں کہ طفیل بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنا حال بیان کرتے ہیں کہ میں مکہ مکرمہ میں آیا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مکہ مکرمہ میں رونق افروز تھے میرے پاس قریش کی ایک جماعت آئی اور انہوں نے مجھ سے کہا کہ ہمارے شہر میں ایک شخص ہے جو ہم میں سے ظاہر ہوا ہے اور ہماری جمعیت ٹکڑے ٹکڑے ہو گئی ہے اور ہمارے کام کاج تتر بتر ہو گئے ہیں۔ اس کی باتوں میں ایسا جادو ہے جس سے باپ بیٹے میاں بیوی اور بھائی بھائی کے درمیان جدائی پڑ جاتی ہے ہمیں خوف ہے کہ تم میں اور تمہاری قوم میں بھی یہی وہ بات نہ پیدا ہو جائے۔ لہذا تم نہ اس سے بات کرنا اور نہ اس کی سننا۔ اس کے بعد خدا کی قسم قریش برابر اس کی تاکید کرتے رہے اور مجھے منع کرتے رہے یہاں تک کہ میں نے مصمم ارادہ کر لیا کہ نہ میں اس سے بات کروں گا اور نہ اس کی سنوں گا اور میں نے اپنے کانوں میں روٹی ٹھوس لی تاکہ میرے کانوں میں اس کی کوئی بات نہ پڑے ہی نہیں۔ اتفاق سے میں صبح کے وقت مسجد حرام میں تھا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو میں نے دیکھا کہ کعبہ کے پاس نماز پڑھ رہے ہیں۔ میں بھی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب ہو گیا پھر حق تعالیٰ نے میرے کانوں میں آپ کے اقوال مبارک ڈالے اور میں نے انتہائی حسن و لطافت والا کلام سنا۔ پھر میں نے اپنے دل میں کہا کہ میری ماں مجھ پر روئے۔ میں خود فصیح و بلیغ شعلہ بیان شاعر ہوں اور کلام کے حسن و فصیح کو پہچانتا ہوں۔ یہ لوگ مجھے روکتے ہیں کہ میں اس شخص کی بات نہ سنوں۔ اگر یہ اچھی بات کہتا ہے تو کیوں نہ اس کی بات قبول کروں اور اگر بری ہے تو میں چھوڑ دوں گا پھر میں نے کچھ دیر انتظار کیا یہاں تک کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں نے اس کی بات سنی ہے۔

اللہ علیہ وسلم! میں ایک مرد مطاع اپنی قوم کا ہوں۔ میں اپنی قوم کی طرف جا کر انہیں اسلام کی دعوت دوں گا اور خدا کی طرف بلاؤں گا۔ تو ضروری ہے کہ میرے لیے کوئی نشانی یا کرامت ہو جسکی بنا پر وہ میری تصدیق کریں۔ اس پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا فرمائی کہ اے خدا انہیں نور عطا فرما۔ تو وہ نور میری آنکھوں کے درمیان چراغ کی مانند چمکنے لگا۔ اس پر میں نے عرض کیا اے خدا میرے اس نور کو میری دونوں آنکھوں کے درمیان کے سوا کسی اور جگہ تاباں فرماتا کہ میری قوم یہ نہ کہے کہ یہ مثلہ یعنی برص وغیرہ کا مرض لاحق ہو گیا ہے جو اپنے دین کے چھوڑنے کی وجہ سے واقع ہوا ہے۔ اس کے بعد وہ نور میری دونوں آنکھوں کے درمیان سے میرے کوڑے (تازیانہ) کی نوک پر آ گیا۔ رات میں وہ قندیل آویزاں کی مانند چمکتا تھا۔ میں اپنی قوم میں آیا اور ان کو دعوت اسلام دی۔ پھر میں نے اقامت کی۔ میرے پاس میرا بوڑھا باپ آیا۔ میں نے اپنے باپ سے کہا ”میرے پاس سے چلو جاؤ نہ میں تم سے ہوں اور نہ تم میرے ہو“۔ اس نے کہا ”اے میرے فرزند! ایسی بات کیوں کہتے ہو“۔ میں نے کہا ”میں اسلام لے آیا ہوں اور میں دین محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی متابعت کرتا ہوں“۔ باپ نے کہا ”تیرا دین میرا دین ہے اس پر میں نے کہا ”جاؤ غسل کرو اور اپنے کپڑوں کو پاک کرو پھر آؤ تاکہ میں تمہیں وہ سکھاؤں جو میں جانتا ہوں۔ پھر میرا باپ گیا، غسل لیا اور کپڑے پاک کیے اور آیا پھر میں نے اسلام پیش کیا وہ اسلام لائے۔ بعض کتابوں میں لکھا ہے کہ ان کے باپ تو اسلام لے آئے مگر ان کی والدہ نے اسلام قبول نہ کیا۔ (واللہ اعلم) اس کے بعد میری بیوی آئی اس سے بھی میں نے یہی کہا مجھ سے دور رہو نہ میں تیرا ہوں اور نہ تو میری ہے۔ اس نے کہا کیسے؟ میں نے کہا ”اسلام نے میرے اور تیرے درمیان جدائی کر دی ہے میں اسلام لے آیا ہوں۔ اس نے کہا میرا بھی وہی دین ہے جو تمہارا دین ہے۔ پھر وہ اسلام لے آئی۔ اس کے بعد میں نے قبیلہ دوس کے لوگوں کو اسلام کی دعوت دی مگر وہ اسلام لانے میں تاخیر کرتے رہے۔ اس کے بعد رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہو کر عرض کیا ”یا نبی اللہ دوس کے لوگ مجھ پر غالب رہتے ہیں۔ ان کے لیے دعا فرمائیے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا کی اے خدا دوس کو راہ راست دکھا۔ فرمایا جاؤ اپنی قوم کو خدا کی طرف دعوت دو۔ پھر میں دوس لوٹ گیا اور زمین دوس میں برابر ان کو دعوت دیتا رہا۔ اس کے بعد میں خیبر میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں پہنچ گیا اور مدینہ طیبہ میں دوس کے ستر یا اسی گھرانے آ کر رہنے لگے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کے ساتھ ہمیں بھی حصہ دیا۔

صاحب مواہب فرماتے ہیں کہ یہ حکایت دلالت کرتی ہے کہ وہ قدیم الاسلام تھے اور ابن ابی حاتم نے جزم کیا کہ وہ حضرت ابو ہریرہ کے ساتھ خیبر میں آئے۔ گویا ان کا یہ آنا دوسری مرتبہ کا ہے جو اہل سیر پر مشتبہ ہو گیا ہے۔

آٹھواں وفد بہرا کا ہے یہ یمن کے ایک قبیلہ کا نام ہے۔ یمن کے یہ تیرہ آدمی تھے جب مدینہ طیبہ آئے تو مقداد بن اسود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے گھر چلے گئے۔ انہوں نے ان کو مہربا کہا اور حبس کا ایک بڑا پیالا لائے۔ حبس ایک قسم کی غذا ہے یہ کچھوڑ گھی اور ستوسے بنایا جاتا ہے۔ ان سب نے اسے خوب سیر ہو کر کھایا۔ اس کے بعد حضرت مقداد رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک چھوٹے پیالہ میں یہ حبس حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں سیدہ ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے گھر بھیجا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے تناول فرمایا اور سب گھروالوں نے خوب سیر ہو کر نوش کیا اور اس کھانے کو مہمانوں کے لیے بھی بھیجا جو مدت تک رکھ کر کھاتے رہے اور کم نہ ہوتا تھا۔ یہاں تک کہ لوگوں نے کہا ”ابو معد رضی اللہ عنہ! یہ حضرت مقداد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی کنیت ہے۔ تم ہمیں ایسا کھانا کھلاتے ہو جو ہمیں تمام کھانا ملے۔“ سزا دہ مرغور۔۔۔ اور ہمالیہ کبھی قادر نہ ہو۔ مگر انا زمانہ میں یہیہ الومعد نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی

کی اور چند روز تک ٹھہرے رہے اس کے بعد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو رخصت فرمایا اور انہیں انعام و اکرام سے نوازا پھر وہ اپنے اہل و عیال کی طرف بڑھ گیا۔

نواں وفد عذرہ کا ہے۔ یہ علاقہ شام میں ایک مقام کا نام ہے جہاں کے لوگ عشق میں مبتلا رہتے ہیں اور اسی عشق میں جان دیتے ہیں جیسا کہ کسی نے کہا ہے

بالا نَمی فی الهوی العذر منی مَعْدِرَةً منی البک ولو اتصفت لم تلم
(اے ملامت کرنے والے عذرا کے عشق میں ایسی معذرتیں اور مجبوریاں میری طرف سے ہیں اگر تو اسے انصاف کی نظر

سے دیکھے تو تو مجھے ملامت نہ کرے)

یہ وفد نویں سال میں بارہ افراد پر مشتمل آیا تھا۔ جن میں حمزہ بن العمان رضی اللہ تعالیٰ بھی تھا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو مرحبا فرمایا پھر وہ اسلام لائے اور ان کو فتح شام کی بشارت دی اور ہرقل کے بھاگ جانے کی غیبی خبر دی۔ پھر ان کو انعام و اکرام سے نوازا اور وہ مقابلے میں ام پر لوٹ گئے۔ ظاہر ہے کہ اس فتح کی بشارت دینا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اس فتح کی بشارت دینا ہے۔ جو اس زمانہ میں واقع ہوئی۔ (واللہ اعلم)

دسواں وفد محارب کا ہے۔ یہ ایک قبیلہ کا نام ہے۔ یہ وفد حجة الوداع کے سال میں آیا عرب کے اشد ترین اور سخت ترین لوگ تھے۔ جس وقت حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم قبائل کو دعوت دیتے اور اسلام کی طرف بلاتے اس وقت اس قبیلہ کے دس آدمی آئے اور مسلمان ہو گئے پھر اپنے گھروں کی طرف لوٹ گئے۔

گیارہواں وفد صداء کا ہے یہ یمن کا ایک قبیلہ ہے۔ ۸ھ میں بحرانہ سے واپس ہوتے وقت حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے قیس بن سعد بن عبادہ کو چار سو آدمیوں کے ساتھ ان کی طرف بھیجا اتنے میں اہل صداء میں سے ایک شخص حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پہنچا اس نے کہا ”یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! کسی لشکر کو بھیجنے کی حاجت نہیں ہے میں خود اس خدمت کو بجالاؤں گا اور اپنی قوم کی میں ضمانت لیتا ہوں۔“ اس کے بعد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے قیس بن سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو واپس بلا لیا اور وہ شخص اپنی قوم کی طرف واپس گیا اور اس قوم میں اسلام پھیلایا ان میں سے سوا شخص حجة الوداع میں بھی آئے۔ واقفی نے بیان کیا ہے کہ جو شخص حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آیا اور اپنی قوم کا ضامن بنا تھا وہ زیاد بن حارث رضی اللہ تعالیٰ عنہ صدائی تھا۔ یہ زیاد بن حارث کسی سفر میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بھی رہے ہیں۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے دریافت فرمایا کیا تمہارے پاس پانی ہے انہوں نے عرض کیا ”یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میرے پاس صرف اتنا ہی پانی ہے جتنا میری اس چھاگل میں ہے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس پانی کو پیالے میں اندلیو۔“ اس کے بعد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا دست مبارک اس لکڑی کے پیالہ میں ڈال دیا میں نے دیکھا کہ آپ کی انگشتیں مبارک سے پانی چشمہ کی مانند جوش مار رہا ہے۔ یہ معجزہ متعدد مرتبہ واقع ہوا ہے۔

بارہواں وفد غسان کا ۱۰ھ ماہ رمضان میں آیا۔ یہ تین آدمی تھے۔ تیرہواں وفد بنی عیش کا تھا انہوں نے کسی کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بھیج کر کہلوا یا کہ ”یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! ہمارے دیہات کے لوگوں کی جماعتیں ہمارے پاس آئی ہیں وہ کہتی ہیں کہ اس کا اسلام نہیں ہے جس نے ہجرت نہیں کی۔ ہمارے پاس اموال و مویشی بہت ہیں لہذا اگر یہی بات ہو کہ لا اِسْلَامَ لِمَنْ لَا هَبْ حِرَّةً لَهُ تو ہم اموال و مویشی کو فروخت کر کے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آ جائیں؟ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ”جہاں چاہو ہو لیکن خدا سے تقویٰ و پرہیزگاری کرو۔ تمہارا اجر و ثواب کم نہیں ہوتا اور تمہارے کسی عمل کو اس سے باز نہیں رکھتا۔“

چودھواں وفد ازدکا ہے۔ زاء کے ساتھ ہے مگر سین کے ساتھ زیادہ فصیح ہے۔ یہ یمن کے ایک قبیلہ کے باپ کا نام تھا۔ تمام انصار و مدینہ اس کی نسل سے ہیں اور اسے ازدشنوہ بھی کہتے ہیں۔ جیسا کہ قاموس میں ہے۔ مواہب میں ابو نعیم کی کتاب معرفت الصحابہ سے بروایت ابوموسیٰ مدنی، احمد بن الجوزی کی ایک حدیث نقل کی ہے انہوں نے کہا کہ میں نے ابوسلیمان دارانی کو کہتے سنا ہے اور انہوں نے علقمہ بن یزید بن سوید ازدی کی حدیث بیان کی علقمہ نے کہا کہ میرے باپ نے میرے دادا کو فرماتے سنا کہ میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہونے والے اپنی قوم کے سات شخصوں میں سے ایک تھا۔ جب ہم نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے گفتگو کی تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہماری روش کو دیکھ کر خوش ہوئے اور فرمایا تم کون لوگ ہو؟ میں نے عرض کیا ”ہم مؤمن ہیں“۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے تبسم کناں ہو کر فرمایا ”ہر بات کی ایک حقیقت ہے تمہاری بات اور تمہارے ایمان کی کیا حقیقت ہے؟“ ہم نے عرض کیا ”پندرہ خصلتیں ہیں ان میں سے پانچ تو وہ ہیں جن کا آپ کے ان قاصدوں نے ہمیں حکم دیا تھا اور جن پر ہم ایمان لائے اور پانچ خصلتیں وہ ہیں جن کا آپ نے حکم فرمایا اور ہم ان پر عمل کرتے ہیں اور بقیہ پانچ وہ خصلتیں ہیں جن کے ہم زمانہ جاہلیت سے عادی ہیں اور وہ ہماری خوبیوں میں شامل ہو گئی ہیں مگر یہ کہ ان میں سے جسے آپ ناپسند فرمائیں“۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ”وہ کونسی خصلتیں ہیں جن کا ہمارے قاصدوں نے حکم دیا“۔ ہم نے عرض کیا انہوں نے حکم دیا کہ ہم خدا پر اس کے فرشتوں پر اس کی کتابوں پر اس کے نبیوں پر اور مرنے کے بعد اٹھائے جانے پر ایمان لائیں“۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وہ پانچ کونسی خصلتیں ہیں جن کا میں نے حکم دیا ہے کہ ان پر عمل کرو۔ ہم نے عرض کیا کہ آپ نے حکم دیا ہے کہ ہم ”لا الہ الا اللہ“ کہیں اور نماز قائم کریں، زکوٰۃ دیں، رمضان کے روزے رکھیں اور خانہ کعبہ کاج کریں اگر ہم میں اس کی استطاعت ہو“۔ اس کے بعد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ”وہ پانچ کونسی خصلتیں ہیں جن پر تم زمانہ جاہلیت سے عادی ہو؟“ ہم نے عرض کیا فراخی و کشادگی کے وقت شکر بجالانا، بلا میں صبر کرنا، قضا پر راضی رہنا، ملاقات کے اوقات میں بیچ بولنا اور دشمنوں کو ہانسنے والی بات سے احتراز کرنا۔ اس پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ”قرب تھا کہ تمہارے ایمان کی فقہ و دانائی سے تم انبیاء ہوتے۔ مطلب یہ کہ یہ تمام صفات اور خوبیاں جو تم میں ہیں وہ نبیوں کی ہیں۔ لیکن نبوت کا دروازہ بند ہو گیا ہے۔ اب تم ایسے علماء اور حکماء میں سے ہو گے جو انبیاء کے تابع اور ان کے وارث ہیں“۔ اس کے بعد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ”میں تم میں پانچ اور خوبیاں زیادہ کرتا ہوں۔ تاکہ تمہارے لیے بیس خصلتیں پوری ہو جائیں وہ یہ کہ اس کو جمع نہ کرو جو تم کھاتے ہو اور اس کو نہ بناؤ جس میں تم نہ رہو گے اور ایسی چیز کی خواہش نہ کرو جو کل کو فنا ہو جائے اور خدا کی پرہیزگاری کرو۔ کیوں کہ تم اسی کی طرف لوٹو گے اور اس کے سامنے تمہیں پیش ہونا ہے اور اس کی خواہش کرو جو تمہیں کل ملے گی اور اس میں ہمیشہ ہمیشہ رہو گے“۔ اس کے بعد وہ واپس ہوئے اور ہمیشہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وصیت کو یاد رکھا اور اس پر عمل کیا۔

پندرہواں وفد بنی المصنف کا ہے۔ یہ اس قبیلہ کے باپ کا نام تھا۔ حضرت عبداللہ بن امام احمد اپنے والد کی مسند میں روایت کرتے ہیں کہ عاصم بن القیظ بن عاصم رضی اللہ تعالیٰ عنہ وفد کے طریقہ پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں آئے۔ ان کے ساتھ ایک شخص تھا جس کو نہیک رضی اللہ تعالیٰ عنہ بن عاصم بن مالک بن المصنف کہتے تھے۔ انہوں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس حال میں پایا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نماز صبح پڑھانے کے بعد خطبہ کے لیے لوگوں کی جانب مرنے کے کھڑے ہوئے تھے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ”اے لوگو! آگاہ رہو میں نے اپنی آواز کو چار روز تک پوشیدہ رکھا ہے یہاں تک کہ آج میں تمہیں سناتا ہوں کیا تم میں کوئی قاصد ہے جس کو اس کی قوم نے بھیجا ہو؟ صحابہ نے عاصم بن القیظ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کہا ”سنو کہ رسول خدا کیا فرماتے ہیں۔ پھر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا آگاہ رہو کہ مجھ سے روز قیامت پوچھا جائے گا کہ کیا میں نے تمہیں احکام الہی پہنچا دیے؟ اب غور سے سنو“۔ اس کے بعد حضور

اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بعث و نشر اور جنت و نار کو بیان فرمایا۔ اس کے بعد عاصم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا ”یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! ہم کسی چیز پر آپ کی بیعت کریں؟“ فرمایا ”نماز قائم کرنے“ زکوٰۃ دینے اور خدا کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرانے پر“ (حدیث)

سولہواں وفد بنی النخع کا ہے یہ یمن کا ایک قبیلہ تھا موہب میں ہے کہ یہ آخری وفد تھا اور یہ نصف محرم ۱۱ھ میں آیا تھا اس وفد میں دو سو آدمی تھے یہ پہلے مہمان خانہ میں اترے اس کے بعد بارگاہ رسالت میں اسلام کا اقرار کرتے ہوئے حاضر ہوئے۔ انہوں نے یمن میں حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ذریعہ پہلے ہی بیعت کر لی تھی۔ ان میں ایک شخص زرارہ بن عمرو نامی تھا۔ اس نے عرض کیا ”یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میں نے سفر میں ایک عجیب خواب دیکھا ہے“ فرمایا: کیا دیکھا کہ میں نے دیکھا کہ گدھی نے سرخ و سیاہ رنگ کا بچہ جنا ہے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”کیا تو اپنی بیوی کو حاملہ چھوڑ کر آیا ہے؟“ اس نے کہا ”ہاں“ فرمایا اس نے تیرا بچہ جنا ہے اور یہ اس کا رنگ ہے۔“ اس نے عرض کیا ”یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! یہ سرخ و سیاہ رنگ کیا ہے؟“ فرمایا ”میرے قریب ہو“ اور فرمایا ”کیا تیرے جسم میں برص کا نشان ہے جسے تو لوگوں سے چھپاتا ہے“۔ اس نے کہا ”قسم ہے اس کی جس نے آپ کو حق کے ساتھ بھیجا۔ اس بات سے کوئی باخبر نہیں ہے اسے بجز آپ کے کوئی نہیں جانتا حقیقت یہی ہے پھر کہا یا رسول اللہ میں نے اور ایک بوڑھی سفید بالوں والی عورت کو دیکھا ہے جو زمین سے باہر آئی ہے“۔ فرمایا ”یہ بقیہ دنیا ہے جو باقی ہے“۔ پھر کہا ”میں نے ایک آگ دیکھی ہے جو زمین سے نکل کے میرے اور میرے فرزند کے درمیان حائل ہو گئی ہے“۔ فرمایا ”یہ وہ فتنہ ہے جو آخر زمانہ میں نمودار ہوگا۔“ کہا ”یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! وہ فتنہ کیا ہے؟“ فرمایا ”لوگ اپنے امام کو قتل کریں گے۔ اور اس کے دوران بدکار لوگ اپنے آپ کو نیکو کار جانیں گے۔ اور مسلمان کا خون مسلمان کے نزدیک میٹھے پانی سے زیادہ شیریں ہوگا۔ اور اگر تیرا بیٹا مر جائے تو تو اس فتنہ کو پائے گا اور اگر تو مر جائے تو تیرا بیٹا اس فتنہ کو پائے گا“۔ اس نے عرض کیا ”یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! دعا فرمائیے کہ خدا مجھے اس فتنہ سے نہ ملائے“۔ اس پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ”اے خدا وہ فتنہ اسے نہ ملے“۔ چنانچہ ان کا انتقال ہو گیا اور اس کا بیٹا باقی رہا۔ اور وہ ان میں سے ایک شخص تھا جو حضرت عثمان بن عفان ذوالنورین رضی اللہ عنہ کی خلافت کو خلع کرنا چاہتے تھے۔ یہ اور اس کی مانند دیگر قصبے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے تعبیر روایا کے ضمن میں بیان ہو چکے ہیں۔

موہب لدنیہ میں ان وفد کا ذکر سے اھ تک واقع ہوا ہے۔ دیگر وفود اور وفود و روضۃ الاحباب میں سال دہم ۱۰ھ میں بیان کیے گئے ہیں اگر ان کو بھی ان ہی مذکورہ وفود کے ساتھ جمع کر کے بیان کریں اور اس کے بعد سال نہم ۹ھ کے بقیہ واقعات کو بیان کرنے کی طرف لوٹیں اور سال نہم کے واقعات کو ختم کرنے کے بعد سال دہم ۱۰ھ کے واقعات کو بیان کریں تو مناسب ہوگا تا کہ تمام وفد کا ذکر ایک جگہ جمع ہو جائے۔

ان میں سے ایک وفد طائی کا تھا جس کا ذکر سال ہشتم کے واقعات میں پہلے ہی کیا جا چکا ہے کہ حاتم طائی کی بیٹی تو قید میں آگئی اور اس کا بھائی عدی رضی اللہ عنہ بن حاتم طائی بھاگ کر شام چلا گیا اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے حاتم کی بیٹی پر احسان فرمایا اور اسے آزاد کر دیا پھر وہ شام پہنچی اور اپنے بھائی عدی رضی اللہ عنہ وسلم بن حاتم کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سیدنا ام علیہ الصلوٰۃ والسلام کی افتیاد و اطاعت اور دین اسلام کے اختیار کرنے کا شوق دلایا۔ پھر دسویں سال جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں وفد آئے تو ان میں عدی رضی اللہ عنہ بن حاتم طائی بھی آیا اور مسلمان ہو گیا۔ عدی رضی اللہ عنہ بن حاتم طائی سے منقول ہے اس نے کہا کہ اس کے بعد جبکہ میں اپنی بہن کے مشورہ پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہوا تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا ”تم کون ہو؟“ میں نے کہا ”میں عدی رضی اللہ عنہ بن حاتم طائی ہوں“۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اٹھے اور کاشانہ اقدس کی جانب روانہ ہو گئے۔ میں بھی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے عقب میں چل دیا۔ راستہ میں ایک بوڑھی عورت سامنے آئی اور اس نے اپنی حاجت حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے

عرض کی، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اس کی عرض سننے کے لیے راستہ میں ہی کھڑے ہو گئے اور اس کی حاجت پوری فرمادی۔ میں نے دل میں کہا ”کوئی بادشاہ کسی بوڑھی عورت کے لیے ایسا نہیں کر سکتا یہی کے ہی اخلاق مبارک میں سے ہے۔ اور جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا شانہ اقدس میں داخل ہوئے تو کھجوروں کی چھال کا بھرا ہوا بچھونا اٹھایا اور میرے لیے بچھا دیا اور فرمایا اس پر بیٹھو اور خوب اصرار فرمایا۔ اور آپ خود زمین پر بیٹھ گئے۔ میں نے دل میں کہا یہ طور و طریق اور عادات و فضیلت بادشاہوں کے نہیں ہیں۔ اس کے بعد فرمایا اے عدی رضی اللہ عنہ! ممکن ہے کہ تمہیں دین اسلام میں داخل ہونے سے مال کی قلت اور مسلمانوں کے اختیار کی کثرت اور عدائے دین کی زیادتی اور حامیان دین کی کمی مانع ہو۔ خدا کی قسم! بہت جلد مسلمانوں سے مال اس کثرت سے ہوگا کہ کسی کو زیب نہ ہوگا کہ اسے قبول کرے۔ اور اگر تمہاری عمر لمبی ہوئی تو تم دیکھو گے کہ مسلمان بہت ہیں اور دشمنان دین اتنے کم کہ قادیسیہ سے کوئی عورت اپنے اونٹ پر سوار ہو کر تنہا حانہ کعبہ کی زیارت کو آئے تو اسے کوئی خوف نہ ہوگا بجز حق تعالیٰ کے۔ اور بہت جلد ایسا ہوگا کہ زمین بابل کے سفید محلات مسلمانوں کے ہاتھ پر فتح ہوں گے اس کے بعد عدی رضی اللہ عنہ شرف اسلام سے مشرف ہوا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ان پر بہت زیادہ عنایت تھی۔ حتیٰ کہ جب وہ شکار کو گئے۔ تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم وادی عقیق تک اس کی مشابعت کو تشریف لے گئے۔ عدی رضی اللہ عنہ کو شکار کا بڑا شوق تھا۔ اس باب میں ان سے بکثرت حدیثیں مروی ہیں۔

اسی سال قبیلہ طے کے گیارہ (۱۱) آدمی آئے۔ ان کا سردار زید الخلیل رضی اللہ عنہ تھا۔ حضور اکرم نے انہیں اسلام کی دعوت دی وہ مسلمان ہو گئے۔ زید رضی اللہ عنہ نے کہا ”حق تعالیٰ کا شکر و احسان ہے کہ آپ کے وجود گرامی کی بدولت ہماری تقویت و تائید فرمائی اور دین اسلام کی توفیق بخشی۔ میں نہیں جانتا کہ اس اخلاق سے بہتر کوئی اور اخلاق ہو جس کی آپ دعوت دیتے ہیں ہم اپنی عقلوں پر تعجب کرتے ہیں کہ ہم ان پتھروں کو پوجتے رہے جو اگر ہم سے گم ہو جائے تو اس کی تلاش میں گھومتے پھریں۔“ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ”تمہارا یہ علم اور حال اور زیادہ بڑھے گا۔“ اس کے بعد ان کو انعام و اکرام سے نوازا اور بعض کو اراضی کے قطعات عنایت فرمائے اور اس باب میں تحریر بھی لکھوائی زید الخلیل رضی اللہ عنہ کا نام زید الخیر رضی اللہ عنہ رکھا۔ ایک روایت میں یہ آیا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا عرب کے لوگوں کی جو فضیلتیں میرے سامنے بیان کرتے ہیں وہ اس سے کم ہیں جتنی کہ زید الخیر رضی اللہ عنہ میں پائی جاتی ہیں۔ میں نے ان میں ان سے بہت زیادہ خوبیاں پائی ہیں۔ جتنی لوگ بیان کرتے ہیں۔ یہ زید الخیر رضی اللہ عنہ کی مدح و تعریف میں انتہائی بات ہے۔ گویا کہ مراد وہ جماعتیں اور قبائل ہیں جو بارگاہ میں آتی رہی ہیں اور مراد وہ صفت خاص ہے جو ہر ایک میں بیان کی گئی ہے۔ مطلب یہ کہ زید الخیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان تمام خوبیوں میں کامل و فائق تھے جو فرداً بیان کی گئی ہیں۔ اس سے لازم نہیں آتا کہ ان کی فضیلت تمام قاصدوں پر ہے۔ بجز صفت مذکورہ میں رسوخ و کمال کی حیثیت سے۔

ایک اور وفد خولان کا آیا تھا، خولان قبیلہ کا نام تھا۔ ان کے دس آدمی تھے۔ انہوں نے عرض کیا ”یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! ہم آپ کی خدمت میں اس حال میں آئے ہیں کہ ہم خدا پر ایمان رکھتے ہیں اور آپ کی رسالت کی تصدیق کرتے ہیں اور آپ کی زیارت کی خاطر ہم نے نرم و سخت راہیں طے کی ہیں۔ ہم پر خدا کا نام اس کے رسول کا احسان ہے۔“ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ”لیکن تمہارا یہ کہنا کہ ہم نے نرم و سخت راہیں طے کی ہیں۔“ تو جان لو کہ تمہارے اونٹوں نے اس راہ میں جو بھی قدم اٹھایا ہے ہر قدم کے بدلے تمہارے لیے ایک نیکی ایک درجہ مقرر ہے اور تمہارا یہ کہنا کہ ہم آپ کی زیارت کی خاطر آئے ہیں۔ تو جان لو کہ جو میری زیارت کیلئے مدینہ آئے گا روز قیامت وہ میرے بڑوں میں ہوگا۔

بندہ مسکین حصہ اللہ بفضلہ العتین یعنی شیخ محقق رحمۃ اللہ فرماتے ہیں کہ حدیث صحیح میں وارد ہوا ہے کہ جو میری قبر کی زیارت کرے گا گویا

اس نے میری زیارت کی۔ ایک روایت میں ہے کہ جس نے میری وفات کے بعد میری زیارت کی گویا اس نے میری زندگی میں میری زیارت کی۔ لہذا قبر انور کی زیارت کرنے والا بھی انشاء اللہ تعالیٰ اس بشارت میں داخل ہوگا۔ مدینہ طیبہ میں ایک درویش کہتا تھا کہ زیارت کرنے والے کیلئے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کرنا معنوی صحبت کے درجہ میں داخل ہو جاتا ہے۔ یہ حدیث اس معنی کی مؤید وثبت ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن سے وفائے عہد کیا امانت و عہدہ ہمسائیگی کا وعدہ فرمایا اور ظلم سے منع فرمایا۔ اَلظُّلُمُ ظُلُمَاتٌ یَوْمَ الْقِیَامَةِ۔ ظلم قیامت کی تاریکیوں میں سے ہے۔ اس کے بعد اس وفد کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے انعام و اکرام دے کر رخصت فرمایا۔

ایک اور وفد زہادین کا ہے۔ زہاد بروزن صحابہؓ یہ مدح قبیلہ کا باپ تھا۔ یہ پندرہ آدمی آئے اور انہوں نے رملہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بنت الحارث کے گھر میں اقامت کی تھی۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کی ایک جماعت کے ساتھ ان کی تلاش میں تشریف لے گئے اور تنگ وقت میں ان سے گفتگو فرمائی۔ اس وفد نے اپنے زادراہ سے کچھ نکالا اور مہمانداری کے طور پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے رکھا اور عرض کیا ”یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! دست مبارک اس طرف بڑھائیے اور تناول فرمائیے“۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ”میں روزے سے ہوں“ صحابہ سے فرمایا کہ ”تم کھاؤ“ گویا کہ اس قوم کا زادراہ نکالنا اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا تناول فرمانے سے تکلف فرمانا ایک قسم کی جرأت اور سوادب تھی جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے مزاج عزت و رفعت مکان پر گراں گزری اور روزہ کا ہونا بھی اس کا مؤید و مؤکد ہوگا۔ اگر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کی خاطر داری مقصود ہوتی تو توجہ فرماتے اور نفلی روزے کی جیسا کہ متعدد مواقع اور جگہوں میں افطار کیا ہے یہاں بھی گنجائش تھی۔ بحر حال بزرگوں کا مقام عزت بہت بلند اور نازک محل ہے (واللہ اعلم) حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ سے فرمایا ”کھاؤ“ یہ بھی ایک عنایت ہے اور اشارہ ہے کہ ان کا تکلف کرنا مناسب تھا۔

ان کی جانب دوسرا التفات یہ فرمایا کہ وہ جو تحائف لائے تھے وہ سب گھوڑے تھے۔ جن کو وہ ”مراج“ کہتے تھے فرمایا ایک شخص اس پر سوار ہوتا کہ اس کی رفتار دیکھیں فرمایا میرا خیال ہے کہ یہ گھوڑا تیز رفتار اور سبک خرام ہوگا۔ ان میں سے ایک شخص نے عرض کیا یہ گھوڑا بخر ہے لیکن تھکا ہوا ہے اس سبب سے اچھا مظاہرہ نہ کرے گا۔ فرمایا: اس کی پرورش اور نگہداشت کرو پھر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارادہ فرمایا ان کی دوڑ کرائی جائے۔ وہ شخص جو تھکا لایا تھا اس نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! اجازت دیجئے کہ میں اس پر سوار ہوں۔ پھر وہ سوار ہوا اور میدان میں دوڑ لگائی اور وہ گھوڑا آگے نکل گیا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اَنتَا اَرَاہُ بِسُخْرَاہِمُ نے اسے دریا دیکھا۔ اس کے بعد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس گھوڑے کو قبول فرمایا اور اس کے عوض اس کو دوسرا گھوڑا مرحمت فرمایا۔ اور آدمیوں کو انعام دیا پھر وہ اپنے گھروں کی طرف لوٹ گئے۔

ایک اور وفد غامد کا ہے یہ قبیلہ کے باپ کا نام تھا اور اسی کی طرف نسبت کر کے غامد یہ کہتے ہیں۔ بعض کہتے ہیں کہ اس کا نام تو عمر بن عبد اللہ تھا مگر اس کا لقب غامد تھا اور یہ لقب اپنی قوم کی اصلاح اور ان کے معاملات کے درستگی کے باعث تھا۔ یہ دس آدمی تھے اور بقیہ غرقہ میں جو مدینہ طیبہ کا مقبرہ ہے قیام کیا اور ایک جوان کو جوان میں سب سے کم عمر تھا مال و اسباب کی حفاظت کیلئے چھوڑا۔ خود بارگاہ رسالت میں حاضر ہوئے اور سلام عرض کیا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص کو تم منزل میں حفاظت کیلئے چھوڑ آئے ہو وہ سو گیا ہے چور آیا اور تم میں سے ایک کی زنبیل چرا کر لے گیا۔ پھر وہ جوان اس زنبیل کو ان سے واپس لایا اور اسے اپنی جگہ پر مضبوطی سے رکھ دیا ہے۔ جب یہ لوگ قیام گاہ واپس پہنچے تو حقیقت حال کو ویسا ہی پایا جیسا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے خبر دی تھی۔ وہ کہنے لگے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں اس کی خبر دی تاکہ ہم آپ کی رسالت کی گواہی دیں۔ پھر وہ جوان بھی آگیا اور ایمان لایا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابی ابن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا کہ جب تک یہ لوگ مدینہ میں ہیں انہیں قرآن کریم پڑھائیں۔

ایک اور وفد بچیلہ کا ہے۔ جریر بن عبد اللہ بکلی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اسی قبیلہ سے منسوب ہیں۔ یہ وفد ڈیڑھ سو آدمیوں کا تھا۔ ان کے آنے سے پہلے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے خبر دی کہ تمہارے پاس ایسا شخص آئے گا جس کے چہرے کو فرشتے نے مسح کیا ہے۔ یہ جرید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حسن و جمال کی طرف اشارہ ہے۔ گویا کہ ان کے چہرے پر فرشتے نے ہاتھ پھیرا ہے اور ملا ہے۔ وہ بڑے با رعب حسین و جمیل تھے، حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا میں نے جریر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے زیادہ حسین و جمیل شخص نہیں دیکھا بجز اسکے کہ میں نے حضرت یوسف علیہ السلام کے حسن کی خبر سنی ہے۔ ان کو یوسف امت کہتے ہیں۔ غرضیکہ حضرت جریر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور ان کی قوم مسلمان ہو گئی۔ بقیہ حضرت جریر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے احوال، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے قاصدوں کے بیان میں آخر کتاب میں آئیں گے۔

ایک وفد بنی حنیفہ کا تھا جب یہ مدینہ طیبہ میں آئے تو رملہ بنت الحارث رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے مکان میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اشارے پر ٹھہرے۔ دوسرے دن شرف اسلام سے مشرف ہوئے۔ مسلمہ کذاب بھی اسی جماعت میں شامل تھا اس نے بھی شریعت محمدیہ کو اپنے ساتھیوں کے ساتھ قبول کیا تھا۔ جب وہ یمامہ لوٹے تو شیطان کے اغوا سے مرتد ہو گیا، نبوت اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم رسالت کے ساتھ شرکت کا دعویٰ کرنا شروع کر دیا۔ بقیہ اس کی شقاوت اور اس کا انجام کا حال گیارہویں سال میں مذکور ہوگا۔ بنی حنیفہ کا وفد دسویں سال میں آیا تھا۔

ایک اور وفد فیروز ویلی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نجاشی کے خواہر زادے کا آیا تھا۔ یہ آئے اور ایمان لائے۔ یہ فیروز رضی اللہ تعالیٰ عنہ وہ شخص ہے جس نے اسود عسیٰ کو جس نے دعویٰ نبوت کیا قتل کیا تھا۔ جیسا کہ اپنی جگہ انشاء اللہ مذکور ہوگا۔

اب ہم نویں سال کے بقیہ واقعات کے بیان کی طرف رجوع ہوتے ہیں جو وفد کے یکجا ذکر کرنے کی وجہ سے رہ گئے تھے۔
ابن ابی منافق کی موت: نویں سال کے ماہ شوال میں عبد اللہ بن ابی بن ابی سلول جو منافقوں کا رئیس و سردار تھا بیمار ہوا اور مرض بدنی جو مرض قلبی کا ضمیر تھا جس میں منافقین مبتلا تھے شامل حال ہوا ذیقعدہ میں مر گیا اور مر کر اسفل السافلین پہنچا۔ اس کا ایک بیٹا تھا اس کا نام عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھا وہ انتہائی مخلص و صادق مسلمان تھا۔ وہ بیماری کے زمانہ میں اس کی مزاج پر سی کیلئے گیا اور جس روز وہ مرا ہے اسی دن حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اس کے پاس گئے اور اس کے سر ہانے تشریف رکھی وہ نزع کی حالت میں تھا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں نے تجھے یہود کی دوستی سے منع کیا تھا مگر تو نے نہ سنا اور نہ مانا۔ اس نے کہا ”یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! یہ وقت عتاب و سرزنش کا نہیں ہے میں اس دنیا سے جا رہا ہوں“ معلوم نہیں کہ اس نے ہی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مخاطب کیا یا راوی نے بطریق ادب اپنی طرف سے بڑھایا۔ یہ بھی ظاہر ہے کہ یہ لفظ اپنے نفاق سے ہی کہا ہوگا، اپنی نزع کی حالت اور اپنی عاجزی و پریشانی کی حالت میں کہا ہوگا۔ اگر اس نے قصد و یقین کے ساتھ کہا ہے تو یہ ”ایمان یاس“ کی صورت بنے گی۔ (واللہ اعلم)

اس نے کہا ”جب میں مر جاؤں تو میرے جنازے پہ آنا اور اپنی قمیص مبارک مجھے دینا تاکہ اسی میں مجھے کفن دیں“۔ اہل سیر کہتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اس دن دو قمیص مبارک پہنے ہوئے تھے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اوپر کی قمیص اسے دی۔ ابن ابی نے کہا وہ قمیص مبارک دیتے جو بدن اقدس سے ملی ہوئی ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس قمیص کو جسے وہ چاہتا تھا نہ دیا۔ ایک روایت میں ہے کہ وہ قمیص مبارک جو اند تھی جسے وہ مانگتا تھا نہ دی۔ لیکن اس کے مرنے کے بعد اس کے بیٹے نے مانگی کہ وہ قمیص مبارک جو بدن اقدس سے متصل ہے عنایت فرمادیں۔ اس کے بعد التجا کی کہ نماز پڑھیں اور میرے لیے استغفار کریں۔ سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے چاہا کہ جائیں اور اس کی نماز پڑھیں تو قدوہ اصحاب حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے اپنی جگہ سے اٹھ کر عرض کیا ”یا رسول اللہ صلی اللہ

علیہ وسلم! آپ اس پر نماز پڑھیں گے حالانکہ وہ منافق تھا۔“ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے تبسم فرمایا اور کہا ”اے عمر رضی اللہ عنہ! میرا ہاتھ چھوؤ مجھے ان کیلئے ستر مرتبہ استغفار کرنے یا عدم استغفار کرنے کا اختیار دیا گیا ہے میں نے استغفار کو اختیار کیا ہے۔ اگر تم جانتے ہو کہ ستر بار سے زیادہ میرے استغفار کرنے سے وہ بخشا جاتا تو میں ہزار سے زیادہ مرتبہ استغفار کرتا۔ اس میں اس آئے کریمہ کی طرف اشارہ ہے اَسْتَغْفِرُ لَهُمْ اَوْ لَا تَسْتَغْفِرُ لَهُمْ اِنْ تَسْتَغْفِرُ لَهُمْ سَبْعِينَ مَرَّةً فَلَنْ يَغْفِرَ اللَّهُ لَهُمْ آپ ان کیلئے استغفار کریں یا ان کیلئے استغفار نہ کریں۔ اگرچہ ستر مرتبہ ان کیلئے آپ استغفار کریں اور اللہ تعالیٰ ہر گز ان کو نہ بخشے گا۔

نقل ہے کہ جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر نماز پڑھی تو یہ آیت نازل ہوئی وَلَا تُصَلِّ عَلَىٰ أَحَدٍ مِّنْهُمْ مَّتَّ أَبَدًا وَلَا تَقُمْ عَلَىٰ قَبْرِهِ إِنَّهُمْ كَفَرُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ یعنی ان منافقوں میں جو بھی مرے کسی پر آپ کبھی نماز نہ پڑھیں اور نہ ان کی قبر پر کھڑے ہوں کیونکہ انہوں نے اللہ اور اس کے رسول سے کفر کیا۔“ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ان افعال و اقوال کا صادر ہونا عجیب و غریب ہی بات ہے۔ اس کی کدہ حقیقت تک کسی کی رسائی ممکن نہیں۔ ایک عجیب و نادر بات اہل سیر یہ کہتے ہیں کہ جبکہ ابن ابی کوفن کر دیا گیا تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اس کی قبر پر گئے اور فرمایا اسے باہر نکالو۔ پھر اس کے سر کو اپنے آغوش مبارک میں لیا اور اپنا لعاب دہن شریف اس کے منہ میں ڈالا۔ ظاہر ہے یہ سب افعال اس کے بیٹے کی خاطر سے تھے چونکہ وہ محبان صادق اور مخلصان بارگاہ میں سے تھا۔ اس اظہار کیلئے تھا کہ لوگ جان لیں کہ شفاعت بغیر سرمایہ ایمان کے کوئی فائدہ نہیں دیتی اور حکم قطعی ہے کہ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُشْرَكَ بِهِ بے شک اللہ نہیں بخشتا یہ کہ اس کے ساتھ شرک کیا جائے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ جو کچھ کیا ظاہر داری میں تھا حقیقت سے اس کا کوئی تعلق نہ تھا۔ ممکن ہے کہ اس میں کوئی حکمت و مصلحت نہاں ہو جس کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا کوئی نہ جان سکتا ہو اور نہ معلوم کر سکتا ہو۔

ارباب سیر کہتے ہیں کہ ان حکمتوں میں سے ایک حکمت یہ ظاہر ہوئی کہ وہ منافقین جو ابن ابی کے تابع و موافق تھے اور غیر تھے۔ جب انہوں نے اس کے حق میں اتنا لطف و کرم اور مہربانی دیکھی تو آشنا ہو گئے اور اسلام میں داخل ہو کر انقیاد و اطاعت کا قلابہ اپنے گلے میں ڈالا۔ منقول ہے کہ ابن ابی کی موت کے دن منافقوں نے جو یہ دیکھا کہ ان کا پیشوا آخر کار حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز و دعا کا محتاج و نیاز مند بن گیا ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب سے اس کے بارے میں الطاف و اکرام کا مشاہدہ کیا تو ایک ہزار منافقین نے آ کر توبہ کی اور صدق و اخلاص کے ساتھ مسلمان ہو گئے۔

بعض علماء کرام قیص مبارک دینے کے بارے میں توجیہ و تاویل کرتے ہیں کہ روز بدر جب حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ مسلمانوں کے اسیر ہوئے تو وہ اس بنا پر برہنہ رہے تھے کہ وہ چوں کہ طویل القامت تھے کسی کی قیص ان کے جسم پر پوری نہ اتری تھی۔ اس ابن ابی نے اپنی قیص انہیں پہنائی تھی۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس وقت اس کا بدلہ چکا یا تا کہ اس کے احسان کا بوجھ اتر جائے۔ نماز اور استغفار کے ذریعہ نوازش فرمانا اس بنا پر تھا کہ روز حدیبیہ مشرکوں نے عبد اللہ ابن ابی سے کہا تھا کہ ہم محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو تو مکہ مکرمہ میں داخل نہ ہونے دیں گے لیکن تجھے ہم اجازت دیتے ہیں کہ تو عمرہ کر لے۔ اس نے جواب دیا تھا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ہمارے پیشوا ہیں میں ان پر سبقت نہیں کروں گا۔ چونکہ اس نے اس احترام کو ملحوظ رکھا تھا ہر چند کہ وہ نفاق سے تھا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا بدلہ بھی اس پر نماز پڑھنے اور استغفار کرنے سے اتار دیا۔ (کذا قیل)

یہ باتیں ضعیف سے خالی نہیں ہیں۔ نہ یہ تشفی کرتیں اور تحیر کو دور کرتی ہیں۔ نہ اعتراض کو دفع کرنے والا ہے اور نہ قطعی جواب ہے۔ چونکہ وہم میں یہ کہا جاتا ہے کہ شرک کے نہ بخشے جانے کی خبریں اور استغفار کرنے اور نہ کرنے میں اختیار دینے کی آیت جو منافقوں کے بارے میں ہے۔ ان کا نہ بخشا جانا اور اس باب میں اور بھی جو آیتیں ہیں وہ سب ابن ابی کے مرنے کے بعد واقع ہوئی ہیں۔ اس سلسلہ

میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے جو کچھ واقع ہوا وہ ان آیتوں کے نزول سے پہلے ہے۔ اگر یہ بات مکمل صحیح ہوتی تو اس وہم سے نجات کی صورت بن سکتی تھی۔

بعض علماء کہتے ہیں کہ استغفار کی ممانعت اس کیلئے ہے جو (ظاہر طور پر) شرک پر مبرا ہو۔ یہ ممانعت استغفار اس کے اوپر نہیں ہے جو اسلام کو ظاہر کرتا ہو امرا ہو۔ اس لیے کہ احتمال ہے کہ آخر کار میں باطن ظاہر کے موافق بن گیا ہو۔ اس احتمال پر ممکن ہے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے استغفار کی ہو۔ خصوصاً عین دنیا سے جاتے وقت جبکہ اس سے پشیمانی کے آثار ظاہر ہوئے۔ اس تقدیر پر ممانعت کی خبر اگر ثابت ہو تو نہایت مفید ہے کہ اس کے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے اقوال عبد اللہ کی دعوت ایمان کے قصد سے ہوئی اور اس کی

نزدیک جائز ہے۔

حج مبارک در امارت صدیق اکبر: اسی سال حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ماہ ذیقعدہ میں ایک گروہ کے نزدیک ذی الحجہ میں اور بعض کہتے ہیں کہ آخردیقعدہ میں حج کیلئے بھیجا۔ پہلے بتایا جا چکا ہے کہ جمہور کا مذہب یہ ہے کہ حج کی فرضیت چھٹے سال سے شروع کی آیتوں کا نزول اسی میں ہے اور فرمایا کہ **وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ** اللہ کی جانب سے لوگوں پر خانہ کعبہ کا حج فرض ہے اور یہ سال نہم میں واقع ہے۔ محققین کے نزدیک قول مختار یہی ہے۔ لیکن اس سال حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا تشریف لے جانا غزوات کے معاملات میں انہماک و فود کے آنے اور انہیں تعلیم دینے کے باعث ممکن نہ ہو سکا تھا۔ اس بنا پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو تین سو صحابہ پر امیر الحاج بنایا، بیس بدنہ اور پانچ بدنہ خاص حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ لے کر مکہ کی طرف روانہ ہوئے۔

چالیس آیتوں کو لوگوں کو پڑھ کر سنائیں اور اکابر صحابہ کرام میں سے مثلاً حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ، عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ، جابر بن عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین بھی اس جماعت کے ساتھ تھے۔ جب حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ مسجد والحدیفہ سے احرام باندھ کر روانہ ہوئے تو جبریل علیہ السلام حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں آئے اور کہا کہ ادائے رسالت اور پیغام نہ کرے مگر آپ یا علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔ ایک روایت میں ہے کہ یا وہ شخص جو آپ کا ماذون و مجاز ہو اس لیے کہ ثبوت عہد و نقض عہد اس شخص کا کام ہے جو صاحب معاملہ ہو۔ یا وہ شخص جو اس کے خویش و قرابت میں سے ہو اس پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پیچھے جاؤ اور ان آیتوں کو ان سے لے کر حج کے دن لوگوں پر پڑھو۔ یہ چار باتیں بھی فرمائیں کہ ان کو لوگوں پر بیان کر دیں۔ ایک یہ کہ جنت میں

جب مکہ مکرمہ پہنچے اور مناسک حج بجالاتے ہوئے ایام حج میں مقرر شدہ خطبہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے پڑھا اور مناسک حج کی تعلیم فرما چکے تو اس کے بعد حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کھڑے ہوئے اور ان آیتوں کو اور چاروں حکموں کو ان تک پہنچایا۔ اس کے بعد جب ان مہموں سے فارغ ہو گئے تو مدینہ طیبہ کی طرف مراجعت فرمائی حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ بارگاہ رسالت میں حاضر ہوئے۔ عرض کیا ”یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! مجھ سے کیا سرزد ہوا تھا جس کی وجہ سے سورہ برات کی قرات مجھ سے لیلیٰ۔“ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ”تم سے کوئی بات سرزد نہیں ہوئی ہے اور نہ کوئی نقص تمہاری طرف سے واقع ہوا ہے۔ تم میرے مصاحب غار میں رہے ہو اور میرا مصاحب حوض کوثر پر میرے ساتھ ہوگا۔ لیکن جبرائیل علیہ السلام آئے اور انہوں نے حکم الہی پہنچایا کہ ان امور کو یا تو آپ پہنچائیں یا وہ شخص جو آپ کا قریبی رشتہ دار ہو۔ اس بنا پر میں نے یہ کہا۔ یہ آیتیں مشرکین کے نقص عہد اور منافقوں کی ذلت و رسوائی پر مشتمل ہیں۔“

مجھے ایک واقعہ یاد ہے کہ ایک مجلس تھی جس میں کچھ شیعہ بیٹھے ہوئے تھے ان میں سے ایک جس پر جہل و تعصب اور اس کی طبیعت پر عناد غالب تھا۔ کہنے لگا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے امیر یعنی علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو نصب کیا اور ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو معزول کیا کسی دوسرے شیعہ جو علم و انصاف رکھتا تھا وہ اس بات کا منکر ہوا۔ کہا کیوں جھوٹ بکتا ہے اور بکواس کرتا ہے۔ لیکن اس وقت اس قضیہ کے بیان کرنے سے معلوم ہوا کہ منصب امیر الحان اور تعلیم احکام حج حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہی سپرد تھے۔ قرات آیات اور تبلیغ احکام اربعہ حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو تفویض فرمائے۔ چونکہ یہ حکم پہلے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ہی سونے گئے تھے بعد ازاں علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حوالہ ہوا اس بنا پر عزل کے تو ہم نے راہ پائی۔ لیکن کلید معزولی کا ہونا اور اس شیعہ کی غرض بھی یہی تھی۔ وہ منتفی ہے اس لیے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے پوچھا تھا کہ تم امیر ہو کے آئے ہو؟“ حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ نے جواب دیا نہیں بلکہ مامور تابع ہو کر آیا ہوں۔“

قضیہ لعان: بقول اکثر اہل سیر اسی سال لعان کا قضیہ واقع ہوا۔ مشکوٰۃ میں اس بارے میں دو حدیثیں مروی ہیں۔ ایک حدیث عویمیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بن الحارث عجلانی منسوب بجملان جو خانوادہ انصار کی ایک شاخ ہے اور ان کی بیوی جس کا نام خولہ بنت قیس رضی اللہ تعالیٰ عنہا تھا کے درمیان ہے۔ متفق علیہ حدیث میں جوہل رضی اللہ تعالیٰ عنہ بن سعد ساعدی سے مروی ہے اور وہ اکابر صحابہ اور مدینہ میں تمام صحابہ کے آخر میں وفات پانے والے ہیں۔ وہ بیان کرتے ہیں کہ عویمیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ عجلانی بارگاہ نبوت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا ”یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! اس شخص کے بارے میں حکم فرمائیے جس نے اپنی بیوی کے ساتھ کسی اور کو زنا کرتے دیکھا کیا وہ اسے قتل کروے یہاں تک کہ مقتول کے ورثاء اسے اس کے بدلے قتل کر دیں یا کیا کریں؟“ مطلب یہ کہ درگزر کر دیں اور قتل نہ کریں؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بلاشبہ تمہارے اور تمہاری بیوی کے بارے میں قرآن کریم میں حکم نازل کیا گیا ہے۔ مراد یہ آیت لعان ہے کہ وَالَّذِينَ يَرْمُونَ أَزْوَاجَهُمْ وَلَمْ يَكُنْ لَهُمْ شُهَدَاءُ (یہاں تک کہ) اِنْ كَانَ مِنَ الصَّادِقِينَ اس کے بارے میں فرمایا جاؤ اپنی بیوی کو لے کے آؤ۔ اس کے بعد عویمیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اور ان کی بیوی نے ایک دوسرے پر مسجد میں لعان کیا۔ جب اہم اہل اسلام سے فارغ ہوئے عویمیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا ”اے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! اگر میں ۳۱ عہدوں کو اپنے ۳۲ رکھوں تو میں“

شکل و صورت پر ہے۔ اگر وہ بچہ سیاہ رنگ، سیاہ آنکھیں، موٹے موٹے سرین اور پتلی ناگوں والا ہے تو میرا خیال ہے کہ عویر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سچا ہے اور اگر سرخ ہے اور جانور کے رنگ پر ہے جسے حرہ کہتے ہیں تو میرا خیال ہے کہ کو عویر رضی اللہ تعالیٰ عنہ جھوٹا ہے۔ اس عورت نے اس رنگ و صفت پر بچہ جنا جس کی صفت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عویر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی صداقت میں بیان کی تھی۔ یعنی سیاہ رنگ کا اور یہ رنگ اس مرد کے رنگ کے مشابہ تھا جس کی طرف زنا کی نسبت کی گئی ہے۔ اس کے بعد وہ بچہ اس کی ماں کی طرف منسوب کیا گیا۔ جیسا کہ ولد الزنا کیلئے حکم ہے کہ ایسے بچے کی نسبت ماں کی طرف کی جاتی ہے اور ماں کا وارث بنتا ہے نہ کہ باپ کا۔ دوسری حدیث بخاری نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ بن امیہ نے اپنی بیوی پر شریک رضی اللہ تعالیٰ عنہ بن سحاء کے ساتھ قذف یعنی تہمت رکھی۔ اس پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم گواہ لاؤ یا اپنی پشت پر حد قذف لگوانے کو قبول کرو۔ انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! کوئی شخص جب اپنی بیوی کے پاس کسی اور مرد کو دیکھتا ہے تو اتنی گنجائش اور وقت کہاں ہوتا ہے کہ جا کر گواہوں کو لائے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر یہی فرمایا کہ یا تو گواہ لاؤ یا حد لگواؤ۔ انہوں نے عرض کیا قسم ہے اس ذات کی جس نے آپ کو حق کے ساتھ بھیجا میں اپنی بات میں سچا ہوں اور امید رکھتا ہوں کہ حق تعالیٰ ضرور کوئی چیز نازل فرمائے گا جو میری پشت کو حد سے محفوظ رکھے گا۔ اس کے بعد جبرائیل علیہ السلام آئے اور یہ آیت لائے: **وَالَّذِينَ يَرْمُونَ**

نفس اسلام

WWW.NAFCEISLAM.COM

جیسا کہ فرمایا: اِنَّ اَحَدَكُمْ كَاذِبٌ وَاِنَّ عَذَابَ الدُّنْيَا اَهْوَنُ مِنْ عَذَابِ الْآخِرَةِ۔ یقیناً تم دونوں میں سے ایک جھوٹا ہے اور بلاشبہ عذاب آخرت سے دنیا کی سزا سہل و آسان ہے۔

اس کے بعد یہ بھی واضح رہنا چاہیے کہ بچہ سے باپ کا نفی کرنا اور ماں کے ساتھ ملنا جو ثبوت زنا پر مبنی ہے بسبب اس مرد کے ساتھ مشابہت کے ہے جس کے ساتھ زنا پر مہتمم و موسوم ہوئی۔ بظاہر شوافع کا حکم قیافہ کے معتبر ہونے پر اس میں تمسک و استدلال ہے۔ لیکن چونکہ لعان کی مشروعیت کی وجہ سے حد زنا ساقط ہوگئی تو حکم بدل گیا۔ یہاں تک کہ ماں کے ساتھ ملا دیا اور اسکے نسب کا ثبوت ماں کے ساتھ قائم ہو گیا۔ شوافع کے نزدیک قیافہ کے ساتھ حکم کرنا معتبر ہے مثلاً اس صورت میں کہ ایک باندی دو شخصوں میں مشترک ہے اور ہر ایک ملک یمین کی بنا پر اس سے طلی کرتا ہے۔ پھر وہ بچہ کو لاتی ہے تو امام شافعی قیافہ شناسی کا حکم دیتے ہیں وہ قیافہ سے جس کے ساتھ بھی مشابہت بتا دے اسی کا بچہ ہوگا۔ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک بحکم شرع دونوں کا بچہ ہے اگرچہ دونوں کا نہ ہو۔ لیکن احکام میں دو مردوں سے ہونے کا اعتبار کرتے ہیں۔ فرماتے ہیں کہ قیافہ کی گمان و علامت سے زیادہ حیثیت نہیں ہے احکام میں اس پر اعتبار نہیں کیا جاسکتا اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس قول میں جو فرمایا کہ ”اگر نہ ہوتی وہ بات جس کا خدا کی کتاب حکم کرتی ہے تو میں اس عورت کے ساتھ وہ نہ کرتا جو کیا۔“ ہم کہتے ہیں کہ یہ قول اس کی دلیل ہے کہ حاکم کو مظنہ علامات، قرآن اور گمان پر توجہ نہ دینی چاہیے اور حکم نہ دے مگر اس چیز کے ساتھ جو ظاہر طور پر حج و دلائل شرعیہ جس کا انھما کر کے اور یہ قیافہ مظنہ و علامات سے زیادہ کچھ نہیں ہے۔ تو اس کی بنا پر حکم نہ کیا جائے۔ بجز ان بعض مواقع کے جن میں مظنہ و علامات کفایت کریں۔

قیافہ کے معتبر ہونے میں شوافع کی ایک دلیل حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی وہ حدیث ہے کہ ”کہا میرے پاس ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بہت خوش و خرم تشریف لائے کیونکہ حضرت اسامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ دونوں باپ بیٹے مسجد میں سوئے تھے ان پر ایک مٹھی چادر پڑی ہوئی تھی ان کے دونوں کے سر ڈھکے ہوئے اور دونوں کے پاؤں کھلے ہوئے تھے تو مجھ زید لُجی نے جو کہ قیافہ میں ریگانہ روزگار تھا۔ دیکھا تو اس نے کہا کہ ان دونوں کے قدموں میں بعض اجزاء میں مشابہت ہے یعنی ان دونوں کے درمیان کل و جزئی کی نسبت ہے جو باپ اور بیٹے ہونے کا ثبوت دیتے ہیں۔ اس اجمال واقعہ کی تفصیل یہ ہے کہ حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ جنہیں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کمال شفقت سے بیٹا کہہ کر پکارتے تھے اور حضرت اسامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا جو ان کا بیٹا تھا۔ رنگ سیاہ تھا اتنے خوبصورت بھی نہ تھے اپنی ماں کے ساتھ جن کا نام امین رضی اللہ تعالیٰ عنہا تھا اور وہ کالے رنگ کی تھیں مشابہت رکھتے تھے۔ اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ان کو بہت چاہتے تھے۔ حضرت اسامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ”حب رسول اللہ“ یعنی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا محبوب کہا کرتے تھے۔ اس پر منافقین حضرت اسامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نسب میں طعن کرتے تھے کہ باپ ایسا خوبصورت و سفید قام اور بیٹا ایسا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ بات ناگوار ہوا کرتی تھی۔ جب اس قیافہ شناس مجر زید لُجی نے ان کو دیکھا اور حکم دیا کہ یہ دونوں شخص باپ بیٹے ہونے چاہئیں تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بہت خوشی کا اظہار فرمایا۔ اس بنا پر شوافع کہتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے قیافہ شناس کے حکم کو معتبر جانا اور اس کے حکم پر مسرت و خوشی کا اظہار فرمایا۔ ہم جواب میں کہتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خوشی و مسرت اس بنا پر تھی کہ قیافہ شناس کی بات اہل عرب میں بہت معتبر تھی یہ ان کے اوپر الزام تھا۔ اس سے لازم نہیں آتا کہ قیافہ شناس کا قول احکام شرعیہ میں معتبر ہو۔ احناف کا مذہب یہ ہے۔

تنبیہ: علماء کا اس شخص کے بارے میں اختلاف ہے کہ جس نے ایسے شخص کو قتل کر دیا جو اس کی بیوی کے ساتھ زنا کر رہا تھا۔ جمہور کا مذہب یہ ہے کہ قصاص میں اسے قتل کیا جائے مگر یہ کہ اس پر چار گواہ گزرے یا مقتول کے ورثاء زنا کا اقرار کریں۔ اس صورت میں اس

کے اور خدا کے درمیان کوئی مواخذہ نہیں ہے بشرطیکہ صادق ہو۔ (کذا قیل)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث میں ہے کہ حضرت سعد بن عبادہ بن الصامت رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو انصار میں اکابر صحابہ سے ہیں۔ انہوں نے سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ اگر میں کسی شخص کو اپنی بیوی کے ساتھ پاؤں تو کیا میں اسے قتل کر دوں یا میں چار گواہ لاؤں؟ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ”ہاں چار گواہ لاؤ۔“ حضرت سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا ”اس خدا کی قسم جس نے آپ کو حق کے ساتھ بھیجا میں اس سے پہلے اس کا علاج تلوار سے کروں گا۔“ علماء فرماتے ہیں کہ ان کا یہ عرض کرنا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے قول کو رد کرنے کے سلسلے میں نہیں ہے اور نہ اس میں آپ کے حکم کی مخالفت ہے۔ بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ انہوں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو مطلع کیا کہ مجھ میں عزت اور غضب اس حد تک موجود ہے۔ لیکن شرع یہی ہے جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اس پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ”اے انصار یو! سنو اور غور کرو کہ تمہارا سردار کیا کہتا ہے؟ بلاشبہ وہ غیرت مند شخص ہیں اور میں اس سے زیادہ غیرت مند ہوں اور خدا مجھ سے بھی زیادہ غیور ہے۔ یہ حق تعالیٰ کی غیرت کی ہی وجہ تو ہے کہ بندوں پر گناہوں کے اظہار کو حرام قرار دیا ہے خواہ گناہ ظاہری ہوں یا مخفی طور سے“ مقصود حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا حد ذات میں غیرت کی صفت کی تعریف فرمانا ہے اور اس طرف اشارہ ہے کہ یہ عزت داروں کی صفات اور سرداروں کی عادات میں سے ہے۔ اگرچہ شریعت میں اس کا حکم اور ہے۔ غیرت کے معنی رشک کھانے کے ہیں اور یہ غیرت محبوب پر ہوتا ہے تاکہ دوسرا اس میں دخل انداز نہ ہو۔ کسی ایسی ناپسندیدہ چیز کے دیکھنے سے جو اس سے متعلق ہو تکلیف پہنچتی ہے اور حق تعالیٰ کی غیرت بندوں کو ارتکاب معاصی و محرکات سے چھڑکنے اور منع کرنے میں ہے۔ تاکہ وہ بارگاہ قرب و رضا سے دور نہ ہو جائے۔ یہ بات اس کی محبت و عنایت کی بنا پر ہے جو اسے اپنے بندوں کے ساتھ ہے۔ جس طرح دیکھتے ہی اس مرد کا قتل کرنا جائز نہیں ہے اسی طرح عورت کو قتل کرنا یا سنگسار کرنا بغیر اثبات شرعی کے جائز نہیں ہے۔

سال دہم ہجری کے واقعات

دسویں سال کے واقعات میں بکثرت وفود وغیرہ ہیں لیکن ہم نے وفود کے ذکر کو ایک جگہ جمع کر دیا ہے خواہ وہ کسی بھی سال میں ہوں اس جگہ اب ہم وفود کے ماسوا واقعات بیان کرتے ہیں۔

سریہ خالد بن ولید: دسویں سال کے واقعات میں سے حضرت خالد بن ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ایک جماعت کے ساتھ بنی الحارث بن کعب کی جانب بھیجنا ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت خالد بن ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو نصیحت فرمائی کہ تین مرتبہ ان کو دعوت اسلام دینا۔ اگر قبول کر لیں تو ان میں رہنا، انہیں قرآن و سنت کی تعلیم دینا اور اگر وہ قبول نہ کریں تو مقابلہ کرنا۔ چنانچہ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ وہاں پہنچے اور دعوت اسلام دی وہ مسلمان ہو گئے اور بموجب فرمان نبوی حضرت خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے وہاں اقامت فرمائی۔ قرآن کریم اور احکام شرعیہ انہیں سکھائے۔ اس کے بعد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک عریضہ بھیجا اور کیفیت احوال ظاہر کی۔ حکم ہوا کہ ان کی ایک جماعت کو اپنے ساتھ لے کر آ جاؤ۔ چنانچہ حضرت خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان کی ایک جماعت کے ساتھ مدینہ طیبہ آ گئے۔ بارگاہ رسالت میں پہنچ کر سلام عرض کیا اور کہنے لگے ”اَشْهَدُ اَنْ لَا اِلَهَ اِلَّا اللّٰهُ وَ اَنَّكَ رَسُوْلُ اللّٰهِ“ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں بھی حق تعالیٰ کی وحدانیت اور اپنی رسالت کی گواہی دیتا ہوں۔ پھر ان میں سے ایک شخص کو جس کا نام قیس رضی اللہ تعالیٰ عنہ بن حصین تھا ان پر امیر بنایا اور اپنے وطن مالوف واپس ہونے کی اجازت دی۔ اس کے بعد عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہ بن حزم کو ان کی طرف عامل بنا کے بھیجا تاکہ ان کے صدقات جمع کریں۔ یہ عمر بن حزم رضی اللہ تعالیٰ عنہ ابھی وہیں مقیم تھے

کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس جہاں سے کوچ فرمایا۔ عمر بن حزم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حالات میں مرقوم ہے کہ وہ قبیلہ نجار کے انصاری شخص تھے اور ان کی رکنیت ابوشحاک بعض کے نزدیک ابو محمد صلی اللہ علیہ وسلم تھی۔ ان کا سب سے پہلا جہاد خندق ہے انہیں پندرہ سال کی عمر میں نجران کی طرف عامل بنا کر بھیجا اور سترہ سال کی عمر میں ان کو یمن کی طرف بھیجا گیا۔ ایک مکتوب گرامی ان کے ساتھ تھا جس میں فرائض و سنن اور دیات تحریر تھے۔

اسی سال ایک مکتوب گرامی نجران کے نصاریٰ کی طرف ارسال فرمایا نجران یمن کے ایک موضع کا نام ہے۔ جو نجران بن زید بن سبا سے منسوب ہے۔ ان کو دعوت اسلام دی گئی۔ ان لوگوں نے باہمی مشورہ کیا اس کے بعد اپنے میں سے چودہ افراد کو چن کر مدینہ طیبہ روانہ کیا تا کہ وہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے احوال کی تحقیق کریں اور انہیں حالات سے باخبر کریں۔ روضۃ الاحباب میں اسی طرح مرقوم ہے۔ مواہب لدنیہ میں ہے کہ وہ ساٹھ سوار تھے، بیس مردان کے سرداروں میں سے تھے اور ان میں سے تین شخص ایسے تھے جن کے ہاتھ میں زمام کار تھی۔ ایک کا نام عاقب تھا جو امیر قوم صاحب مشورہ اور ان کا رئیس و سردار تھا۔ ایک کا نام عبدالمسح تھا۔ دوسرا ”اسہم“ تھا اور اس کا لقب سید تھا۔ وہ سامان اور ان کی جمعیت کا محافظ تھا۔ تیسرا ابو الحارث بن علقمہ تھا جو نہایت دانشمند اور ان کی قوم کا مدرس تھا اور وہ اپنی ہی کتابوں کا درس دیتا تھا۔ ان کی قوم کے سلاطین اس کا اعزاز و اکرام کرتے اور اسے مقبول گردانتے تھے۔ وہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے احوال و صفات کا عارف اور کتب متقدمہ سے ان کو پڑھا ہوا تھا۔ لیکن اس کو نصرانیت پر دنیا کی محبت اور ان میں اپنی عزت و وجاہت نے اسے باقی رکھا۔

ارباب سیر بیان کرتے ہیں کہ اس ابو الحارث بن علقمہ کا ایک بھائی بھی تھا جس کا نام کرز بن علقمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھا۔ وہ بھی اس وفد میں شامل تھا۔ اہل سیر کہتے ہیں کہ اثنائے راہ میں ابو الحارث بن علقمہ کا اونٹ سر کے بل گر پڑا۔ کرز نے کہا ”وہ سر کے بل گرے جو بہت دور ہے۔ یعنی محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)“ ابو الحارث نے کہا ”بلکہ تو سر کے بل گرے۔“ کرز رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا ”اے بھائی ایسا کیوں کہتے ہو؟“ ابو الحارث نے کہا ”خدا کی قسم محمد اللہ کے رسول ہیں اور وہی ہیں جن کا ہم انتظار کر رہے تھے۔ کرز رضی اللہ عنہ نے کہا ”پھر کس بنا پر دین محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو قبول نہیں کرتا اور ان کی پیروی سے کوئی چیز تجھے روکتی ہے؟ ابو الحارث نے کہا ”حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ موافقت اپنی قوم کی مخالفت کو مستلزم ہے۔ اگر یہ بات ہم سے رو پذیر ہو جائے تو نصاریٰ میں جو ہماری قدر و منزلت اور اعتبار ہے۔ ہم سے جاتی رہے اور جو مال و منال اور سامان و تحائف ہمیں ملے ہیں وہ ہم سے چھین لیں۔ اس بات سے اسلام کی محبت کرز رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دل میں پیدا ہو گئی اور اس نے اپنے اونٹ کو تیز ہانکنا شروع کر دیا۔ جب وہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی دست بوسی سے شرف یاب ہوا تو ایمان لے آیا۔ منقول ہے کہ نجران کے نصاریٰ جب مدینہ طیبہ پہنچے تو راستے کے کپڑے اتار کر ریشمی جوڑے پہنے، ان کے دامنوں کو زمین پر گھسیٹتے ہاتھوں میں انگوٹھیاں پہنے مسجد نبوی میں داخل ہوئے اور سلام کیا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے سلام کا جواب نہ دیا اور ان کی طرف سے رُخ انور پھیر لیا۔ جب ان کی نماز کا وقت آیا تو وہ کھڑے ہوئے تاکہ نماز پڑھیں اور مشرق کی طرف منہ کیا ان کا قبلہ اس رُخ پر ہے۔ جب صحابہ نے چاہا کہ انہیں اس سے باز رکھیں تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ان کو ان کے حال پر چھوڑ دو تا کہ جس طرح چاہیں نماز پڑھیں۔ جب نماز پڑھ چکے تو پھر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے ہر چند باتیں کیں مگر جواب نہ ملا۔ پھر جب وہ مسجد سے نکلے تو حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو تلاش کر کے ان سے ملے چونکہ ان حضرات سے ان کی پہلے سے جان پہچان تھی۔ انہوں نے کہا تمہارے نبی نے ہماری طرف ایک مکتوب گرامی لکھا تھا اور ہمیں دعوت دی تھی۔ جب ہم ان کے پاس آئے سلام کیا باتیں کیں تو انہوں نے ہمیں نہ سلام

کا جواب دیا اور نہ ہم سے باتیں کیں۔ اب تم دونوں کی کیا رائے ہے آیا ہم اپنے شہروں کی طرف لوٹ جائیں یا توقف کریں؟ اس پر حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت عبدالرحمن رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے کہا ”اے ابوالحسن تمہاری رائے کیا ہے“۔ حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے فرمایا ”میری رائے یہ ہے کہ یہ ریشمی کپڑے اور سونے کی انگشتریاں جدا کر کے راہوں جیسا لباس پہن کر مجلس شریف میں آئیں۔“ پھر جب وہ اس وضع سے آئے اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو سلام کیا تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے سلام کا جواب دیا۔ فرمایا: قسم ہے اس خدا کی جس نے مجھے حق کے ساتھ مبعوث فرمایا یہ لوگ پہلی مرتبہ مجلس میں آئے تو ان کے ساتھ شیطان تھا۔ اس کے بعد ان کو اسلام کی دعوت دی مگر انہوں نے انکار کیا انہوں نے بڑی بیہودہ اور لالچنی باتیں کیں۔ با

آخ۔ ا۔ ر۔ ا۔ س۔ ک۔ بچھو، انہو، نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ ”آپ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں کیا فرماتے



Nafse Islam

نفس اسلام

WWW.NAFSEISLAM.COM

اسی سال حجۃ الوداع سے پہلے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو یمن کے ہر ایک مخالف کو طرف بھیجا۔ مخالف کے معنی شہر و ملک کے گوشے اور جانب کو کہتے ہیں۔ یمن کے دو مخالف تھے۔ حضرت معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مخالف بلندی پر صوبہ عدن کی جانب تھا اور وہ مضافات مقام ”خبر“ سے تھا اور حضرت معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی وہاں مسجد مشہور ہے۔ حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مخالف نشیب میں تھا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو وصیت فرمائی کہ لوگوں سے نرمی سے کام لینا اور سخت گیری نہ کرنا۔ نرمی و بھلائی کی بشارت دینا اور ان کو اپنے سے دور نہ بھگانا۔ حضرت معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو نصیحت فرمائی کہ تم ایسی قوم میں جا رہے ہو جو اہل کتاب ہیں۔ جب وہ تمہارے پاس آئیں تو ان کو ”لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ“ کی شہادت کی طرف دعوت دینا۔ اگر وہ تمہاری اطاعت و فرمانبرداری اختیار کریں تو ان کو بتانا کہ حق تعالیٰ نے تم پر زکوٰۃ و صدقات فرض کیے ہیں کہ تم سے لے کر تمہارے فقیروں پر صرف کر دیئے جائیں۔ پھر اگر وہ اس میں تمہاری اطاعت کریں تو خود کو دور رکھنا۔ ان کے عمدہ نفیس مال لینے سے پرہیز کرنا مطلب یہ کہ ایسا نہ کرنا کہ صدقات کے اونٹ گائے اور بکریوں میں سے نفیس ترین چیدہ چیدہ جانور چن لو اور کمتر و کمزور جانوروں کو چھوڑ دو۔ مظلوموں کی آہ و بددعا سے ڈرنا، چنانچہ اس لیے کہ مظلوموں کی آہ اور بارگاہ حق تعالیٰ کے درمیان کوئی حجاب نہیں ہے۔ (رواہ البخاری) اس کے بعد حضرت خالد بن ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بھی حجۃ الوداع سے پہلے ۱۰ھ کے ماہ ربیع الاول یا ربیع الآخر یا جمادی الاولیٰ میں عبدالمدان کی جانب جو کہ بخران کا قبیلہ ہے بھیجا وہ اسلام لائے۔ اس کے بعد حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کو یمن کی طرف ماہ رمضان مبارک ۱۰ھ میں تین سو سواروں کے ساتھ بھیجا۔ ایک علم ان کیلئے تیار فرمایا اور اپنے دست مبارک سے ان کے سر پر دستار مبارک باندھی۔ اہل سیر کہتے ہیں کہ اس دستار کے تین بیچ تھے اور آگے کی جانب تقریباً ایک گز شرعی کا شملہ چھوڑا۔ ایک کنارہ کندھوں کی جانب ایک بالشت کا چھوڑا۔ فرمایا: اے علی رضی اللہ عنہ میں تم کو بھیجتا ہوں اور تمہاری جدائی پر افسوس کرتا ہوں۔ فرمایا: جب تم ان کے میدان میں پہنچو تو قتال میں پہل نہ کرنا جب تک کہ وہ جنگ کی ابتدا نہ کریں۔ ان کو ”لا الہ الا اللہ“ کی طرف بلانا۔ اگر وہ ایمان لے آئیں تو اقامت صلوٰۃ کا حکم دینا۔ اگر وہ اس میں تمہاری اطاعت کر لیں تو زکوٰۃ کا حکم دینا کہ وہ اپنے صدقات کو اپنے فقراء میں خرچ کریں۔ اگر وہ اسے مان لیں تو کسی معاملہ میں ان سے تعرض نہ کرنا۔

ممکن ہے کہ صلوٰۃ و زکوٰۃ کے درمیان اس طرح ترتیب قائم فرمانا اس کی فضیلت اور تمام عبادات پر اس کے مقدم ہونے کی وجہ سے ہو۔ یہ مطلب نہیں ہے کہ زکوٰۃ کی فرضیت نماز کی فرضیت کے قبول پر موقوف ہے۔ تعجب ہے کہ اس حدیث میں روزہ اور حج کا ذکر نہیں ہے۔ شاید اس کی وجہ یہ ہو کہ نماز دائمی فرض ہے اور صدقات کا اہتمام فرمانا اس بنا پر ہو کہ اس میں مخلوق کا حق ہے اور روزہ سال میں ایک مرتبہ ہے اور حج عمر میں ایک مرتبہ ہے۔ اسی لیے قرآن کریم میں اَقِمْ الصَّلٰوةَ وَآتِ الزَّكٰوةَ۔ ساتھ ساتھ ذکر فرمایا ہے۔ بہر حال اس جگہ انہیں دو فرضوں کا اہتمام واقع ہوا ہے اور حضرت معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قصہ میں فریضہ زکوٰۃ پر اہتمام کرنا مقصود ہے۔

منقول ہے کہ حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ نے یمن جاتے وقت عرض کیا ”یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! آپ مجھے ایسی قوم کی طرف بھیج رہے ہیں جو اہل کتاب ہیں اور میں جو ان کو علم و نوحہ ہوں اور علم قضا و احکام شریعت پر اتنی اطلاع و مہارت نہیں رکھتا۔“ اس پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا دست مبارک حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کے سینہ پر رکھا اور فرمایا اَللّٰهُمَّ ثَبِّتْ لِسَانَهُ وَاهْدِ قَلْبَهُ۔ بلاشبہ آپ علم قضا میں اس مرتبہ تک پہنچے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زبان معجز بیان سے آپ کی منقبت میں یہ ناطق ہوا کہ اَقْضَاكُمْ عَلٰی تَمِّمِ عَلٰی مَرْتَضٰی رَضٰی اللہ تعالیٰ عنہ سب سے زیادہ بہترین فیصلہ کرنے والے ہیں۔ آپ کی ہدایت و حقانیت کے باب میں یہ بہت عظیم منقبت ہے۔

نیز مروی ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر حق تعالیٰ تمہارے ہاتھ سے کسی کو ہدایت دیدے تو یہ عمل ہر اس چیز سے بہتر ہے جس پر آفتاب طلوع و غروب کرے، مطلب یہ کہ تمام دنیا اور جو کچھ دنیا میں ہے سب سے بہتر ہے۔ اس طرح مرتبہ ہدایت کی فضیلت اور علو شان کی جانب اشارہ فرمایا۔ اس کے بعد حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ نے ان شہروں میں دعوت اسلام کا پھر یرا لہرایا، جہاد و محاربہ میں ثابت قدم رہ کر جماعت کثیرہ کی ہدایت فرمائی اور انہیں دائرہ اسلام میں داخل کیا۔ خصوصاً اہل یمن کے قبیلہ ہمدان کو یہ یک بارگی سب کے سب مسلمان ہو گئے۔ اس کے بعد انہوں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عریضہ بھیجا اور ان کے اسلام کا اظہار کیا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اس سے بہت خوش ہوئے اور سجدہ شکر بجالائے۔ اس کے بعد جب سر مبارک سجدہ سے اٹھایا تو فرمایا ”السلام علی ہمدان“۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمدان کے لوگوں کو اسلام کی دعوت دی اور انہیں اسلام میں لایا۔

رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو یمن بھیجا تھا بعد ازاں حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کو ان کی جگہ بھیجا۔ ایک روایت میں ہے کہ حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کو اس لیے بھیجا تا کہ جو مال غنیمت حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ ولید نے جمع کیا ہے اس کا خنس لے کر پہنچائیں۔

حضرت بریدہ اسلمی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ہی مروی ہے کہ میں اس لشکر میں تھا جب پانچواں حصہ جدا ہوا تو ان میں باندیاں بھی تھیں۔ حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ نے ان باندیوں میں سے سب سے بہتر باندی کو پسند فرما کے اس سے ہم بستری کی۔ اس بات سے مجھے خاص کدورت اور اعتراض پیدا ہوا اور میں نے حضرت خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کہا ”تم اس شخص کو دیکھ رہے ہو کیا کر رہے ہیں“ اور میں نے کہا ”اے ابوالحسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ! یہ کیا بات ہے؟“ آپ نے فرمایا ”تم نہیں دیکھتے یہ باندی ہے جو خنس کی باندیوں میں سے بہتر ہے۔“

روضۃ الاحباب میں بعض ارباب سیر سے منقول ہے کہ یمن کی جانب حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا بھیجنا دو مرتبہ ہوا تھا۔ ایک دسویں سال مذکورہ مرتبہ میں اور دوسرے کا انہوں نے ذکر نہیں کیا ممکن ہے کہ دوسری مرتبہ بھی اسی سال میں جانا ہوا ہو۔ یہ بات مسلم ہے کہ علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ یمن میں ہی تھے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حج کا احرام باندھا اور حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ یمن سے آکر شامل ہوئے۔

حجۃ الوداع

دسویں سال کے اعظم ترین واقعات میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا حج کرنا ہے۔ پہلے معلوم ہو چکا ہے کہ حج کی فرضیت چھٹے سال میں یا نویں سال میں ہوئی ہے دوسرا حج و مختار ہے اس بنا پر اس کی دلیل قوی ہے۔ بہر تقدیر نویں سال میں دعوت اسلام تعلیم احکام دین اسلام کی بنیادوں کے استحکام میں مشغولیت کی وجہ سے تشریف نہ لے جاسکے۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو مکہ مکرمہ بھیجا تا کہ لوگوں کو حج ادا کرائیں اور ہجری میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم خود حج کے لیے متوجہ ہوئے اس حج کو حجۃ الاسلام اور حجۃ الوداع بھی کہتے ہیں اس بنا پر کہ اس میں لوگوں کو حج کے مسائل و احکام سکھائے اور سفر آخرت کے ساتھ رخصت فرمایا۔ جیسا کہ فرمایا مجھ سے اپنے مناسک حج معلوم کرو ممکن ہے کہ آئندہ سال میں حج ادا نہ کروں اور زندہ نہ رہوں۔ اسی بنا پر حجۃ الوداع کا اطلاق احادیث اور کتب سیر میں واقع ہے۔ مواہب میں کہتے ہیں کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما حجۃ الوداع کہنے کو مکہ وہ جانتے تھے مگر اس کی وجہ بیان نہیں فرمائی۔ شاید اس کی وجہ یہ ہو کہ اس نام سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا وداع و رخصت فرمانا یاد آ جاتا ہو اور یہ یاد حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کیلئے انتہائی درودالم کا موجب تھی (واللہ اعلم)

جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم غزوات اور وفود کے امور سے فارغ ہوئے تو حج کیلئے تشریف لیجانے کا ارادہ فرمایا۔ اعلان کرایا

حضرت اکرم صلی اللہ علیہ وسلم حج کیلئے تشریف لیجانے کا ارادہ فرمایا۔ اعلان کرایا

شَرِيكَ لَكَ.

بخاری و مسلم میں تلبیہ کے الفاظ اس طرح مروی ہیں کہ لَبَّيْكَ اَللّٰهُمَّ لَبَّيْكَ وَسَعْدَيْكَ وَالْخَيْرُ كُلُّهُ فَيُذَكِّرُكَ لَبَّيْكَ وَالرَّغْبَاءُ اِلَيْكَ وَالْعَمَلُ.

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم آواز بلند تلبیہ کہتے تھے یہاں تک کہ تمام صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سن لیتے تھے اور حکم دیا کہ بلند آوازی سے تلبیہ کہو کیونکہ جبرائیل علیہ السلام میرے پاس آئے ہیں اور وہ حکم دے رہے ہیں کہ اپنے صحابہ سے احرام میں بلند آوازی سے تلبیہ کہنے کا حکم دیں۔

تلبیہ فرمانے کے بعد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا مانگی جس میں خدا کی رضا داخلہ جنت اور جہنم کی آگ سے پناہ میں رہنے کی دعا فرمائی۔ آپ کی سواری میں اونٹ تھا جس پر پرانا کجاوہ تھا اونٹ پر نہ شغف تھا نہ تحمل نہ ہودج نہ محضہ اور جب منزل ”عرج“ میں پہنچے یہاں ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ایک غلام تھا جو پیچھے رہ گیا تھا جس کے پاس وہ اونٹ تھا جس پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا سامان لدا ہوا تھا۔ وہ اس کی تحویل میں تھا حضرت صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس کے پہنچنے کا بہت انتظار کیا۔ جب وہ غلام پہنچا تو اس کے ساتھ اونٹ نہ تھا۔ حضرت صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے دریافت فرمایا اونٹ کہاں ہے اس نے کہا وہ مجھ سے گم ہو گیا ہے۔ اس پر حضرت صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ اٹھے اور تادیب کے طور پر اسے مارنے لگے ممکن ہے کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا سامان لدا ہوا تھا۔ اس کا گمشدہ ہو جانا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا سامان لدا ہوا تھا اور اسے گمشدہ ہو جانا۔

کودور کرنے کیلئے ہو جوان سے غلام کی بدولت ہوئی۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے تبسم فرمایا اور کہا کہ محرم کو دیکھو کیا کر رہا ہے: اَنْظُرُوا اِلَى هَذَا الْمُحْرِمِ مَا يَصْنَعُ اس سے زیادہ زبردست و تخیخ فساد احرام اور وجوب جزائیں کچھ نہ فرمایا۔ اس لیے کہ اتنی مقدار کی جنابت سے جزا واجب نہیں ہوتی۔

روضۃ الاحباب سے معلوم ہوتا ہے کہ جب ابواء میں پہنچے تو سامان سفر بھی مل گیا۔ ابواء اور ودان دو مقامات کے نام ہیں۔ صعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ بن جشمہ حمار لشی وحشی کو ہدیہ میں لائے۔ یہ حدیث بخاری و مسلم کی ہے۔ مسلم کی ایک روایت میں ہے کہ ہدیہ لائے عجز حمار وحشی کو جس سے خون نپک رہا تھا۔ ایک روایت میں ہے کہ حمار وحشی کے گوشت کا ایک ٹکڑا لائے۔ ایک روایت میں ہے کہ شکار کے گوشت کا ایک ٹکڑا لائے۔ ایک روایت میں ہے کہ حمار وحشی کا پاؤں لائے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے قبول نہ فرمایا اور کہا کہ ہم محرم ہیں ہم شکار کا گوشت نہیں کھائیں گے۔ محرم کا شکار کے گوشت کے کھانے میں متعدد روایات اور مختلف اقوال مروی ہیں۔ اس کی تفصیل شرح سفر السعادة میں کردی گئی ہے۔

جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم وادی عسفان میں پہنچے تو فرمایا کہ حضرت ہود اور صالح علیہما السلام اس وادی سے گزر رہے ہیں۔ ان کی سواری میں دوسرخ اونٹ ہیں اور کھجوروں کے پتوں کی لگام ہے۔ ان کے تہنہ اونٹ عبا کے ہیں اور ان کی چادریں اونٹنی ہیں اور حج کا تلبیہ پڑھتے جا رہے۔ یہ روایت مسند امام احمد کی ہے۔ مسلم کی روایت میں مروی ہے کہ جب وادی اریزق میں پہنچے تو فرمایا میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کو گزرتا دیکھ رہا ہوں اپنی دونوں انگلیوں کو اپنے کانوں میں رکھے بلند آواز سے تلبیہ کہہ رہے ہیں۔ بخاری میں بھی یہ

اَللّٰهُمَّ صَلِّ وَسَلِّمْ عَلٰى سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَعَلٰى اٰلِهِٖ وَسَلِّمْ اِنَّكَ فَاعِلٌ بِمَا تُشَاءُ وَتُخْفِيْ غَيْبًا ۝

وَمَهَابَةً. اور اس کے آخر میں فرمایا: مَنْ حَجَّهٗ وَاعْتَمَرَ تَكْرِيْمًا وَتَشْرِيفًا وَتَعْظِيْمًا وَبَرًّا.

جب مسجد حرام میں داخل ہوئے تو سیدھے کعبہ کی طرف روانہ ہوئے۔ ”تحیۃ المسجد“ ادا کرنے میں مشغول نہ ہوئے اور طواف کیا۔ اس لیے کہ مسجد حرام کی تحیت طواف ہے جس طرح دیگر مسجدوں کیلئے نماز تحیت ہے اور طواف نماز کا حکم رکھتا ہے۔ جب حجر اسود کے مقابل ہوئے تو استلام کیا اور اسے بوسہ دیا اور رفع یدین نہ کیا اور افتتاح نہ کیا جیسا کہ جہال کرتے ہیں۔ سفر السعادة میں اسی طرح کہا گیا ہے فقہ حنفیہ میں تکبیر و تہلیل اور رفع یدین بتایا گیا ہے۔ اس ضمن میں ایک حدیث بھی نقل کرتے ہیں۔ استلام حجر کے بعد طواف شروع کیا اور خانہ کعبہ کو اپنے بائیں ہاتھ رکھا۔ یہ طواف طواف قدوم ہے اور اسے طواف تحیۃ بھی کہتے ہیں اور کسی مکان کیلئے کوئی مخصوص دعا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی وثابت شدہ نہیں ہے مگر ہر دور کن یمنی و حجر اسود کے درمیان کہ اس جگہ فرماتے: رَبَّنَا اِنَّا فِی الدُّنْیَا حَسَنَةٌ وَفِی الْآخِرَةِ حَسَنَةٌ وَقَدْ آتٰنَا عَذَابَ النَّارِ. اور ابن ماجہ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اس آیت کے شروع میں اس دعا کو بھی زیادہ بیان کیا ہے اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْأَلُكَ الْعَفْوَ وَالْعَافِیَةَ فِی الدُّنْیَا وَالْآخِرَةِ اور امام محمد رحمۃ اللہ مشاہرج میں کسی مخصوص دعا کا تعین نہیں کرتے۔ وہ فرماتے ہیں کہ متعین دعا رقت قلب کو زائل کر دیتی ہے اس کے باوجود اگر وہ منقول و ماثور سے تبرک و یمین کر لے تو حسن ہے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے تین پھیروں میں تعیل فرمائی اور چھوٹے چھوٹے قدم رکھے جس طرح پہلوان چلتے ہیں۔ اس فعل کو رمل کہتے ہیں اور ردائے مبارک کو داہنے بغل سے نکال کر بائیں کندھے پر ڈالا اس کو اصطباغ کہتے ہیں۔ یہ عمل بھی پہلے تین پھیروں پر کرتے تھے اور آخر کے چار پھیروں میں آیت حطّہ مرتبہ حجر اسود کے مقابلہ میں تکرار فرماتے تھے۔

WWW.NAFSEISLAM.COM

نے یہ آئے کریم پڑھی وَاَتَّخِذُوا مِن مَّقَامِ اِبْرٰهِيْمَ مُصَلًّی (مقام ابراہیم کو سجدہ گاہ بناؤ) اس جگہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دو رکعت نماز پڑھی۔ مقام ابراہیم رضی اللہ عنہ کو اپنے اور بیت اللہ کے درمیان رکھا۔ طواف کے بعد دو رکعت نماز پڑھنا ہمارے نزدیک واجب ہے اور مسجد حرام میں جس جگہ چاہے ادا کرے جائز ہے۔ لیکن افضل یہ ہے کہ مقام ابراہیم علیہ السلام میں پڑھے اور پہلی رکعت میں سورۃ فاتحہ کے بعد قُلْ يٰٓاَيُّهَا الْكٰفِرُوْنَ اور دوسری رکعت میں قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ۔ پڑھے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب فارغ ہوئے تو پھر حجر اسود کو استلام کیا اور درمیان سے باہر نکل کر کوہ صفا پر تشریف لے گئے۔ جب کوہ صفا کے قریب پہنچے تو یہ آیت کریمہ تلاوت فرمائی۔ ان الصفا والمروة من شعائر اللہ۔ (بیشک کوہ صفا اور کوہ مروہ اللہ کے شعائر میں سے ہیں) اور فرمایا میں شروع کرتا ہوں جس طرح اللہ نے بیان فرمایا ہے۔ اس کے بعد صفا پر چڑھے اس طرح کہ کعبہ معظمہ کو دیکھا جاسکے اور بالائے صفا پر کھڑے ہو کر کعبہ کی طرف رخ فرما کر تکبیر کہی اور فرمایا: لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَحْدَهُ وَصَدَقَ وَعْدُهُ وَهَزَمَ الْأَحْزَابَ وَحْدَهُ۔ ایک روایت میں ”أَنْجَحَ وَعْدَهُ“ زیادہ آیا ہے اور دعا مانگی فرمایا: اَللّٰهُمَّ اِنَّا نَسْئَلُكَ مَوْجِبَاتِ رَحْمَتِكَ وَعِزَّتِكَ وَمَغْفِرَتِكَ وَالْعِصْمَةَ مِنْ كُلِّ بَرٍّ وَالسَّلَامَةَ مِنْ كُلِّ اِنْسٍ اَللّٰهُمَّ لَا تَدْعُ لَنَا ذُنُوبَنَا اَلَّا غُفِرَتْهُ وَلَا هَمًّا اَلَّا فُرِجَتْهُ وَلَا كَرْبًا اَلَّا كُشِفَتْهُ وَلَا حَاجَةً مِّنْ حَوَائِجِ الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ اَلَّا قُضِيَتْهَا۔ اس کے بعد مذکورہ تحلیل تین مرتبہ کہی اور اس کے درمیان دعا مانگتے تھے۔ اس کے بعد نیچے اتر آئے۔ موطا میں حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے کوہ صفا پر یہ دعا بھی مروی ہے اَللّٰهُمَّ اِنَّكَ قُلْتَ اُدْعُونِيْ اَسْتَجِبْ لَكُمْ وَاَنَّكَ لَا تُخَلِّفُ الْمِيْعَادَ وَاَسْئَلُكَ كَمَا هَدَيْتَنِيْ لِلْاِسْلَامِ اَنْ تَنْزِعَ عَنِيْ حَتّٰى يَتَوَقَّأْنِيْ وَاَنَا مُسْلِمٌ۔ اس کے بعد نیچے اتر کر مروہ کی جانب روانہ ہوئے مروی ہے کہ صفا و مروہ کے درمیان فرماتے رَبِّ اغْفِرْ وَاَرْحَمْ اِنَّكَ لَا غَفَرَ الْاَكْثَرُ۔ نیز صفا سے اتر کر سعی فرمائی۔ جب وادی سے اترے تو آہستہ چلے اور آج بھی محل سعی کے منہا کیلئے دیوار حرم مسجد میں ایک نشان ہے جسے بین المیلین لا اخضرین۔ کہتے ہیں اور صفا سے مروہ تک سعی فرمائی اور مروہ سے صفا تک آئے اسی طرح سات پھیرے کہے اور سعی کو مروہ پر ختم کیا۔ ہر

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہی حکم فرمایا ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدہ فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی تصدیق فرمائی اور امہات المؤمنین میں سے جو ہدیٰ ساتھ نہ رکھتی تھیں، بجز عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کیلئے حلال ہو گئیں۔ جب صحابہ کرام حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کے بموجب احرام سے باہر آئے تو بعضوں نے حلق کرایا یعنی سرمٹا دیا اور بعضوں نے قصر کرایا یعنی بال ترشوائے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مخلّقین یعنی سرمٹانے والوں کیلئے دعا فرمائی: اللھم ارحم المحلقین۔ تین مرتبہ ایسی ہی دعا کی جب مقصرین نے الحاج وزاری زیادہ کی تو ایک مرتبہ فرمایا ”والمقصرین“ اسی کی مانند حدیبیہ میں بھی واقع ہوا ہے۔ مگر حجۃ الوداع میں حدیثیں زیادہ واضح ہیں۔ امام نووی فرماتے ہیں کہ ”ھو الصحیح والمشھور“ اور فرمایا کہ بعدین ہیں کہ دونوں جگہ ایسا ہی واقع ہوا ہو۔ ابن قتیبہ رحمہ اللہ نے کہا کہ ”ففتح اللہ علیہ“ کے بعد متعدّد جگہ مذکور ہے۔

جب مکہ مکرمہ میں تشریف لائے ہوئے آپ کو چار دن یعنی اتوار، پیر، منگل اور بدھ گزر گئے تو جمعرات کے دن آفتاب کے بلند ہونے کے بعد چاشت کے وقت منیٰ کی طرف روانہ ہوئے۔ اس وقت تمام صحابہ اور وہ جو حلال ہو چکے تھے اور اس دن انہوں نے حج کا احرام باندھ لیا تھا آپ کے ساتھ تھے۔ جب منیٰ پہنچے تو اقامت فرما کر نماز ظہر و عصر ادا کی اور رات وہیں گزاری۔ دوسرے دن طلوع آفتاب کے بعد منیٰ سے عرفات کی طرف روانہ ہو گئے۔ بعض صحابہ تکبیر کہتے اور بعض تلبیہ کہتے تھے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی پر اعتراض نہ فرمایا۔ اس لیے کہ مقصود ذکر و تسبیح اور تحمید تھا لیکن تلبیہ کے الفاظ افضل و اولیٰ ہیں اور جب نمرہ پہنچے جو عرفات کے قریب ایک جگہ کا نام ہے یہاں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے خیمہ نصب کیا گیا، آپ نے اقامت فرمائی اور جمعہ کے دن صبح کی نماز وہاں ادا فرمائی۔ جب آفتاب ڈھل گیا تو فرمایا سواری پر زین رکھیں۔ پھر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سوار ہوئے اور وادی میں تشریف لائے اور نہایت بلیغ خطبہ دیا اور اس خطبہ میں مسلمانوں کیلئے احکام و قواعد بیان فرمائے۔ اگرچہ یہ پہلے سے معلوم تھے مگر انہیں موکد و برقرار کرنا اور شرک و جاہلیت کی بنیادوں کو کلی طور پر برباد کرنا مقصود تھا۔ تمام جاہلیت کی رسوم کو فنا و ناپید کرنا تھا۔ فرمایا: تمہاری جانیں اور تمہاری اموال اس دن اس مہینہ اور اس شہر کی حرمت کی مانند تم پر حرام ہیں۔ مراد روز عرفہ ماہ ذی الحجہ اور شہر مکہ معظمہ سے ہے اور فرمایا ”جو چیزیں جاہلیت کی مقرر کردہ ہیں میرے قدموں میں پامال ہیں مطلب یہ ہے کہ جاہلیت کی تمام رسمیں اور طور طریقے میں باطل کر کے ”کان لم یکن“ (گویا کہ وہ تھی ہی نہیں) بنانا ہوں۔ اہل عرب کی عادت ہے کہ جس امر کو وہ باطل و نابود کرتے ہیں پھر دوبارہ اسے نہیں کرتے اور نہ اس کی طرف رجوع کرتے ہیں۔ اسی لیے فرمایا کہ میں انہیں پامال کرتا ہوں اور فرمایا جاہلیت کے تمام خون موضوع و بدر ہیں۔ مطلب یہ کہ جس کسی پر خون کا دعویٰ ہے جو کہ زمانہ جاہلیت میں واقع ہوا ہے اب میں اس دعویٰ کو برطرف کر کے ضائع قرار دیتا ہوں اور

عنه بن عبد المطلب کا سود ہے اور اس خطبہ میں امت کو وصیت فرمائی کہ وہ اپنی عورتوں کے ساتھ مراعات، ملاطفت اور حسن سلوک کریں اور ان کے حقوق میں احسان کریں اور وہ حقوق جو عورتوں کے شوہروں پر اور شوہروں کے عورتوں پر ہیں بیان فرمائے۔ فرمایا: عورتوں کے حقوق کے بارے میں خدا سے خوف کرو و تقویٰ و پرہیزگاری اختیار کرو۔ ان حقوق کا لحاظ رکھو جو مرد نے اپنے پر لازم کر کے انہیں حلال بنایا اور جس کلمہ سے ان کی شرم گاہوں کو اپنے تصرف میں لیا۔ خدا کے حکم اور اس کے عہد سے تم ان کو نکاح میں لائے اور فرمایا تمہارے حقوق عورتوں پر یہ ہیں کہ وہ تمہارے بستر کو کسی ایسے شخص سے پامال نہ کریں جن کو تم مکروہ و ناگوار جانتے ہو۔ مطلب یہ کہ غیر مرد کو اپنے قریب جگہ نہ دیں۔ اگر وہ ایسا کریں تو انہیں مارو لیکن ایسی مار نہیں جو سخت تکلیف دہ ہو اور عورتوں کا تم پر نان و نفقہ اور عادات کے مطابق لباس اور انصاف فرض ہے۔ فرمایا: بلاشبہ میں تمہارے درمیان ایسی چیز چھوڑے جا رہا ہوں کہ اگر تم اسے مضبوطی سے پکڑے رہے تو کبھی گمراہ نہ ہو گے۔ یہ چیز خدائے عزوجل کی کتاب مجید ہے۔ خطبہ دینے اور وصیت فرمانے کے بعد صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے پوچھا اور فرمایا کمال بروز قیامت تم سے میرے بارے میں پوچھا جائے گا کہ میں نے تمہارے ساتھ کیا معاملہ کیا اور میں نے تم میں کس طرح زندگانی گزاری تو تم کیا جواب دو گے، کیا کہو گے اور کیسی گواہی دو گے۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا ہم گواہی دیں گے کہ آپ نے خدا کے فرمان و احکام ہمیں پہنچائے اور امت کو خوب عمدہ نصیحت فرمائی۔ آپ پر ادائے رسالت کے جو حقوق تھے وہ خوب ادا کیے اور دعوت دی اور جو امانتیں آپ کے پاس تھیں انہیں ادا فرمایا اور راہ خدا میں جہاد کیا۔ اس پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی انگشت شہادت کو آسمان کی طرف اٹھا کر اشارہ فرمایا اور سر مبارک اٹھا کر کہا ”اَللّٰهُمَّ اَشْهَدُ اَللّٰهُمَّ اَشْهَدُ“ اے خدا تو گواہ ہوا خدا تو گواہ ہوا اور فرمایا اے مسلمانو! جان لو کہ تین چیزیں سینہ کو پاک و صاف کرتی ہیں ایک عمل میں اخلاص، دوسرا مسلمان بھائیوں کے ساتھ خیر خواہی، تیسرا لزوم جماعت مسلمین اور حاضرین کو چاہیے کہ جو کچھ میں نے فرمایا ہے وہ غائبوں اور غیر موجود لوگوں کو پہنچائیں۔ اسی اثنا میں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم عرفات میں ایستادہ تھے ام الفضل بنت الحارث رضی اللہ عنہا والدہ ماجدہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے دودھ کا ایک پیالہ بھیجا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پیالہ کو لے کر اس کا دودھ اس طرح نوش فرمایا کہ تمام لوگوں نے دیکھا اور جان لیا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم روزے سے نہیں ہیں۔ علماء فرماتے ہیں کہ عرفہ کا روزہ سنت ہے۔ مگر عرفات میں ٹھہرنے والوں کیلئے نہیں تاکہ ذکر و اذکار سے روکنے والی کمزوری نہ ہو۔

خطبہ کے بعد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سواری سے نیچے اترے اور حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اذان دینے کا حکم فرمایا۔ پھر اقامت کہی نماز ظہر و عصر ایک ساتھ قصر سے ایک اذان اور دو اقامت سے پڑھیں اور دونوں نمازوں کے درمیان کوئی نماز سنت و نفل نہ پڑھی۔ یہ بات وقوف میں عجلت اور دعا میں زیادہ وقت گزارنے کے قصد کی وجہ سے تھی۔ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ کے نزدیک یہ بین الصلّٰتین کی یکجائی صرف اس دن کے ساتھ مخصوص ہے۔ شوافع کی ایک جماعت کا بھی یہی مذہب ہے اور اکثر شوافع اس کی وجہ سفر قرار دیتے ہیں۔ حالانکہ اہل مکہ اور وہ غیر اہل مکہ جو مسافر نہ تھے سب ہی جمع تھے اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اس سے منع نہ فرمایا بلکہ اسے برقرار رکھا تھا۔ یہ بات اس کی دلیل ہے کہ یہ جمع صلوٰتیں لہیک کی بنا پر تھیں نہ کہ سفر کی وجہ سے۔ شاید کہ وہ یہ کہیں کہ یہ جمع حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت اور متابعت کی وجہ سے تھی ورنہ یہ واقعہ اپنی جگہ سفر کی ہی جہت سے تھا۔ البتہ حدیث میں آیا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دو رکعت قصر کی پڑھنے کے بعد فرمایا اے اہل مکہ تم اپنی نمازوں کو پورا کر لو ہم مسافر ہیں۔“

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب نماز سے فارغ ہوئے تو سوار ہو کر دامن کوہ عرفات میں جسے جبل رحمت کہتے ہیں تشریف لائے اور وہاں کالے کالے بڑے بڑے پتھروں کے قریب جہاں ریت میں ایک عمارت نمودار رہے جسے لوگ مطبخ آدم علیہ السلام کہتے ہیں

استادہ ہوئے۔ علماء فرماتے ہیں کہ متعین طور پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے وقوف کی جگہ کسی کو معلوم نہیں ہے۔ لیکن اگر ان پتھروں کے قریب کھڑا ہو جائے اور کچھ ویران جگہوں میں ٹھہرے تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے وقوف مبارک کی جگہ پائے گا۔ اس پہاڑ پر چڑھنے کے بارے میں کوئی چیز معتبر نہیں ہے اور نہ کوئی ثواب ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں پتھروں کے قریب قبلہ رو ہو کر اونٹ کی پشت پر دعا تضرع اور ابہتال شروع فرمایا اس مقام میں تضرع و ابہتال بہت مطلوب ہے۔ اگر دل بھر کر رونا میسر آ جائے تو قبول و اجابت کی علامت ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا کے دوران اپنے مبارک ہاتھوں کو سینہ اقدس کے مقابل رکھا تھا جس طرح مسکین مانگتے میں رکھتے ہیں۔

عرفات کے دن کثرت کے ساتھ دعا ہائے ماثورہ مروی ہیں۔ ان میں سے جس قدر سفر السعادة میں مذکور ہیں کافی ہیں۔ ایک اور طویل دعا بھی ہے جو ادب میں مذکور ہے۔ فرمایا: افضل دعا جو میرے اور مجھ سے پہلے تمام نبیوں کے نزدیک اس روز پڑھنے کے سلسلہ میں ہے یہ کہ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ۔ جب تک کہ آفتاب غروب نہ ہو روانہ نہیں ہونا چاہیے۔

عرفہ کے روزہ یہ آیت کریمہ نازل ہوئی اَلْيَوْمَ اكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ وَاتَّمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِي وَرَضِيتُ لَكُمُ الْإِسْلَامَ دِينًا آج میں نے تمہارے لیے تمہارا دین مکمل کر دیا اور تم پر اپنی نعمتیں تمام فرمادیں اور میں تمہارے لیے دین اسلام سے راضی ہوا۔ حدیث شریف میں ہے کہ اس دن سے زیادہ شیطان کو ذلیل و خوار و غم و غصہ میں مبتلا کسی اور دن دیکھا نہ گیا۔ جیسا کہ وہ عرفہ کے دن بنی آدم پر نزول رحمت اور مغفرت کو دیکھ کر ہوا تھا۔ البتہ ایک دن اور ہے وہ روز بدر کا ہے جبکہ اس نے دیکھا کہ جبرائیل علیہ السلام فرشتوں کی صفوں کو ترتیب دے رہے ہیں۔ اس دن بھی شیطان بہت ذلیل و خوار ہوا تھا۔ علماء فرماتے ہیں کہ وہ کتابد بخت ہے کہ اس موقف میں کھڑا ہو اور پھر وہ گمان کرے کہ بخشا نہیں گیا ہے۔ حدیث میں آیا ہے کہ حق تبارک تعالیٰ فرشتوں کے ساتھ مباہات فرماتا ہے اور ارشاد فرماتا ہے کہ یہ کیا مانگتے ہیں جو کہ اپنا گھریا اہل و عیال میری خاطر چھوڑ کر میری درگاہ میں سر برہنہ گرد آلود آئے ہیں اور مجھے یاد کرتے ہیں میں انہیں آتش دوزخ سے آزاد کر کے ان کے تمام گناہوں کو بخشا ہوں اداے فرض کیلئے ایک گھڑی عرفات میں وقوف کرنا کافی ہے۔ مگر سنت یہ ہے کہ غروب آفتاب تک ٹھہرا رہے۔ اس لیے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے غروب آفتاب تک قیام فرمایا تھا اور عرفات میں یہ آیت کریمہ نازل ہوئی اَلْيَوْمَ اكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ۔ اگرچہ اس آیت کریمہ کا نزول ذوق و سرور اور مسلمانوں کی عید کا موجب ہے لیکن بعض دانا و مرزن شناس صحابہ نے اس سے قرب زمانہ رحلت اور حلول مدت فرقت سمجھا اور ان کے دل دہل گئے اور شکستہ خاطر ہو گئے جس طرح سورہ اِذَا جَاءَ نَصْرُ اللَّهِ وَالْفَتْحُ کے نزول کے وقت حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے رونگٹے کھڑے ہو گئے تھے اور آپ رونے لگے تھے۔ یہی صورت اس وقت بھی ہوئی۔

جب غروب آفتاب کے بعد عرفات سے روانگی فرمائی تو حضرت اسامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اپنا ردیف بنایا اور اونٹ کی مہار کھینچے رکھے۔ فرمایا: ”اے لوگو! آرام سے چلو اطمینان سے رہو تیز چلنے میں نیکی نہیں ہے اور عجلت میں پرہیز گاری نہیں ہے۔ درحقیقت اطمینان و وقار موجب سکون اعضاء و جوارح اور علامت استقامت حال و جمعیت مآل ہے اور حرکت و اضطراب موجب تشویش قلب، تفرقہ باطن اور پریشانی خیالی ہے۔ دوڑنے اور اضطراب دکھانے سے منع کرنے کا سبب نماز کی جماعت پانے کیلئے تھا۔ کیونکہ بعض نا فہموں اور نادانوں کی طرف سے اس کا اظہار ہوا تھا۔

فارنین (ایک جگہ کا نام) عرفہ و مزدلفہ سے مکہ کا در سر راستہ ہے اور ایک راستہ منی اور مکہ کے درمیان کا ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ

اور وہاں سے جانے میں بھی یہی صورت اختیار کی اور واپسی میں فارنین کا راستہ اختیار فرمایا۔ راستہ میں اونٹ کی مہار کو قدرے چھوڑے رکھا کہ وہ تیز و سست کے درمیان رفتار رکھے۔ جب کشادہ اور فراخ راستہ میں ہوتے قدرے تیز چلتے اور جب بلندی پر چڑھتے تو اونٹ کی مہار بالکل چھوڑ دیتے تاکہ آسانی سے چڑھ سکے تمام راستہ تلبیہ کہتے رہے۔ راہ میں ایک گھاٹی میں رغبت فرمائی اور اتر کر وضو کیا اس طرح کہ پانی کو بہایا بھی نہیں اور کامل وضو بھی ہو گیا۔ حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا یا رسول اللہ! کیا نماز مغرب ادا فرمانے کا ارادہ ہے؟ فرمایا نماز آگے ہے یعنی مزدلفہ میں عشاء کی نماز کے ساتھ ادا کریں گے۔ اس کے بعد سوار ہوئے اور مزدلفہ میں رونق افروز ہوئے۔

عذرا ان کے تمام مرحمتیہ اعمال کے بعد ان کے دل میں یہ خیال آیا کہ میں اس حج کو ختم کرنا چاہتا ہوں۔

کی روایت کی مانند بیان کیا ہے۔ کہا کہ اس سے شواہد بہت ہیں اگر صحیح ہے تو حجت ہے ورنہ حق تبارک و تعالیٰ کا ارشاد وَ يَغْفِرُ مَا دُونَ ذَلِكَ کافی ہے اور ظلم بھی مادون شرک ہے۔ خلاصہ کلام یہ کہ حجاج سے حقوق اللہ تو مغفور ہیں اور حقوق العباد میں اختلاف ہے۔ مگر حق تعالیٰ کا فضل وسیع ہے اور ظاہر حدیث عام ہے (واللہ اعلم) آپ مزولفہ میں ذکر و تکبیر اور تہلیل میں مشغول رہے یہاں تک کہ جب طلوع آفتاب قریب ہوا تو منیٰ کی طرف روانہ ہو گئے۔ اس مرتبہ حضرت فضل بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو اپنا ردیف بنایا اور حضرت اسامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بن زید قریش کے ساتھ پیدل روانہ ہوئے اور اس راہ میں حضرت فضل بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا کہ رمی جمار کیلئے کنکریاں چن لو جو چنے سے بڑی ہوں اور بادام سے چھوٹی ہوں۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی روایت میں بکریوں کی مینگنی کے برابر آیا ہے۔ ان کو ”حصى خذف“ یعنی پھینکنے والی کنکریاں کہتے ہیں اور اگر ان سے کچھ بڑی ہوں تب بھی جائز ہے لیکن خلاف سنت ہے۔ حضرت فضل بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سات کنکریاں زمین سے چن کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیں یہ سات کنکریاں آج کیلئے جو عید کا دن ہے حجرۃ العقبہ کی رمی کیلئے کافی ہیں۔ اگر کوئی تین دن کیلئے اٹھائے اور اُسے ستر اٹھانی چاہیں۔ سات عید کے دن کے لیے اور تریسٹھ ایام تشریق کیلئے ہر روز اکیس اکیس۔ بعض علماء کہتے ہیں یہ بہتر ہے اور اس زمانہ میں یہی عادت ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ اگر اس سے زیادہ اٹھاتے تو بہتر ہے ممکن ہے کہ کوئی کہیں گر پڑے اور کم ہو جائے۔ لیکن حدیث میں سات ہی واقع ہوا ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ہتھیلیوں سے ان کنکریوں سے غبار صاف کیا۔ بعض کے نزدیک اگر دھولیا جائے تو بہتر ہے۔

اسی راہ میں ایک خیمہ خوبصورت عورت سامنے آئی اور اس نے سوال کیا کہ میرا باپ بہت بوڑھا ہے وہ اونٹ کی پیٹھ پر نہیں بیٹھ سکتا کیا میں اس کی طرف سے حج کر لوں؟ فرمایا ”ہاں“ حضرت فضل بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ردیف تھے اس عورت کی طرف دیکھ رہے تھے۔ فضل بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی خوش رو خوش جمال سرخ و سفید صاحب حسن تھے۔ اس پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دست مبارک کا فضل رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سامنے حجاب بنالیا تاکہ دونوں ایک دوسرے کو نہ دیکھ سکیں۔ ایک روایت میں ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فضل رضی اللہ عنہ کی گردن کو گھما دیا۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے عرض کیا ”یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! اپنے عمر ادا کی گردن کیوں موڑی؟“ فرمایا ”میں نے ایک جوان مرد اور ایک جوان عورت کو دیکھا تو میں نے ان دونوں کو شیطان و وسوسہ سے محفوظ نہ پایا۔“

اسی راستہ میں ایک بوڑھی عورت سامنے آئی اور اس نے اپنی ماں کی بابت کہا کہ وہ بہت لاچار و ناتواں ہو گئی۔ اگر اسے اونٹ پر باندھوں تو اس کے مرنے کا خطرہ ہے کیا میں اس کے بدلے میں حج کر سکتی ہوں؟ فرمایا اگر تیری ماں پر قرض ہوتا تو تو کیا اس کا قرض اتارتی؟ اس نے کہا ”میں ضرور قرض اتارتی۔“ پھر تو اپنی ماں کی طرف سے حج ادا کر کہ یہ خدا کا قرض ہے اس کا ادا کرنا اولیٰ ہے۔ اس حدیث میں حج بدل ادا کرنے پر جواز کی دلیل ہے۔ اس مسئلہ میں بہت تفصیل ہے جو کتب فقہ میں مذکور ہے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب بطن محسر میں پہنچے (یہ وادی منیٰ کے شروع میں ہے) تو اونٹ کو تیز دوڑایا اور بگلت کے ساتھ اس وادی سے باہر آ گئے۔ یہ سوار کیلئے سنت ہے اور اگر پیدل ہے تب بھی تیزی سے گزرتا سنت ہے۔ یہ وہی وادی ہے جہاں اصحاب فیل ٹھہرے تھے جن کا ذکر قرآن کریم میں ہے۔ اس بنا پر اس کو محسر کہتے ہیں کہ اس جگہ سے ہاتھی نے جنبش نہ کی تھی اور عاجز ہو کر بیٹھ گیا تھا تحسر کے لغوی معنی عاجز رہے لاچار ہونے اور بے بس ہو جانے کے ہیں۔ اس وادی میں ہاتھی عاجز و بے بس اور فیل بان لاچار ہو گیا تھا اور اصحاب فیل مکہ مکرمہ میں داخل ہونے سے روک دیئے گئے تھے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت کریمہ تھی کہ جس جگہ کسی دشمن خدا پر کوئی عذاب یا بلا نازل ہوئی ہوتی اس جگہ سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تیزی و بگلت کے ساتھ گزرتے تھے جس طرح کہ غزوہ تبوک کے سفر میں جب قوم

اس طرح منیٰ کے اسفل وادی میں چاشت کے وقت تشریف لائے اور حجرۃ العقبہ کے مقابل استاذہ ہوئے۔ حجرہ کے اصل معنی سنگریزہ اور کنکری کے ہیں اس کے بعد یہ نام اسی جگہ پر غالب آ گیا جہاں رمی جمار ہوتی ہے۔ یہ تین جگہیں ہیں۔ حجرۃ اولیٰ جو مسجد خیف کی جانب ہے کہ جب مزدلفہ سے درمیانی راہ سے آئیں تو یہ پہلے پڑتا ہے۔ اس کے بعد حجرۃ وسطیٰ ہے۔ اس کے بعد حجرۃ عقبہ ہے۔ عقبہ پہاڑ سے نکلنے کے بعد ہے اور حجرۃ پہاڑ کے دامن میں واقع ہے اور یہ مکہ کی جانب ہے تو پہلے دن جب مزدلفہ سے وادی حمر کی راہ سے آئے تو حجرۃ اولیٰ اور حجرۃ وسطیٰ کو چھوڑ کر حجرۃ عقبہ پر آئے اور استاذہ ہوئے اور کعبہ معظمہ کو بائیں جانب اور منیٰ کو داہنی جانب رکھ کر ان ساتوں کنکریوں کو ایک ایک کر کے ماریں۔ درآ خالیہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سوار تھے۔ آپ ہر کنکری کے ساتھ تکبیر کہتے اور حجرہ پر مارتے جاتے تھے۔ بقیہ ایام تشریق میں تینوں حمرات پر پیدل رمی حمرات کیں اگرچہ سوار ہو کر بھی جائز ہے لیکن افضل واویلی پیدل ہے۔ جیسا کہ سنت میں آیا ہے۔ رمی جمار کے بعد بلیہ کو ترک کر دیا اس کے بعد اپنی قیام گاہ مسجد خیف کے قریب واپس تشریف لے آئے خیف اس بلند و مرتفع جگہ کو کہتے ہیں جو پانی کے سیلاب سے محفوظ ہو۔ منیٰ میں اس جگہ بہت بڑی مسجد ہے اور اس کے صحن میں ایک گنبد ہے جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سیلاب سے محفوظ ہو۔ منیٰ میں اس جگہ بہت بڑی مسجد ہے اور اس کے صحن میں ایک گنبد ہے جو نبی

اور گوشت کو اور ان کی جھولوں کو مساکین و غرباء پر تقسیم کر دیں اور قصابوں کو اس میں کچھ نہ دیں ان کی اجرت اپنے پاس سے دیں۔ مسلم میں بروایت حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ازواج مطہرات کی طرف سے گائیں ذبح فرمائیں۔ ایک روایت میں ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی طرف سے گائے ذبح فرمائی۔

اہل سیر کہتے ہیں کہ اس دن حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بکریوں کو بھی ذبح فرمایا۔ جب قربانی سے فارغ ہوئے تو اعلان کرایا کہ منیٰ کی تمام زمین قربان گاہ ہے اور منحر یعنی قربان گاہ کسی جگہ کے ساتھ مخصوص نہیں ہے۔

اس کے بعد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حلاق کو طلب کیا اور حلق کیا جب حلاق جن کا نام معمر بن عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قرشی رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہے اور قدیم الاسلام ہیں وہ استراہاتھ میں لے کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سر مبارک کے قریب کھڑے ہوئے تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی طرف نظر فرمائی۔ فرمایا: ”اے معمر رضی اللہ عنہ! اللہ تعالیٰ نے تمہیں رسول خدا کے نرمہ گوش پر قادر بنایا حالانکہ تمہارے ہاتھ میں استراہ ہے۔ مطلب یہ ہے کہ ہوشیار رہو اور اس نعمت کی قدر جانو۔ اس پر معمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا ”یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میرا یہاں کھڑا ہونا اور اس مقام کی قدرت پانا یقیناً مجھ پر خدا کی نعمت ہے اور مجھ پر اللہ عز و جل کا احسان و کرم ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ٹھیک کہتے ہو۔ یہ اس کی عظیم نعمتوں میں سے ہے اس کے بعد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اشارہ فرمایا کہ داہنی جانب سے سر مونڈنے کی ابتداء کریں۔ ظاہر مراد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی داہنی جانب ہے اور مشکوٰۃ میں متفق علیہ حدیث میں صراحت کے ساتھ منقول ہے۔ بعض نے حلاق کی داہنی جانب کا اعتبار کیا ہے۔ جب داہنی جانب حلق سے فارغ ہوئے تو ان کو حاضر آنے پر تفسیر فرمائی اور اشارہ فرمایا کہ ان کے بھی حلق کرنا اور ان کو حاضر آنے کا حکم۔ لفظ

زیادتی کی وجہ سے بیٹھنے کی جگہ نہ تھی۔ یا کسی اور ضرورت و حاجت کی بنا پر (واللہ اعلم) بعض کہتے ہیں کہ کھڑے ہو کر پانی پینا آب زمزم اور وضو کے بچے ہوئے پانی کے ساتھ مخصوص ہے۔

اس طواف میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سواری پر تھے۔ سوار ہونے کی سبب میں بعض کہتے ہیں کہ یا تو اڑدھام زیادہ تھا یا مقصود تھا کہ تمام لوگ آپ کا مشاہدہ کرتے رہیں اور طواف کی کیفیت سیکھتے رہیں اور اس کے آداب و احکام معلوم کرتے رہیں۔ بعض کہتے ہیں کہ رویائے رحمت موجب تھا اور آپ ضرورت سے سوار ہو کر طواف کر رہے تھے اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ناقہ مسجد کو آلودہ کرنے سے مامون تھا۔ آپ اسی وقت منیٰ واپس ہو گئے اور ظہر کی نماز منیٰ میں ادا فرمائی۔ صحیحین میں حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے ایسا ہی مروی ہے۔ مسلم میں ایک روایت حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ نماز ظہر مکہ میں گزاری۔ بعض علماء اس روایت کو ترجیح دیتے ہیں کیونکہ روایت کے راوی دو ہیں۔ ایک حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ دوسری حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی حدیث میں زیادہ معروف ہیں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اخص ہیں۔ بعض علماء حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی حدیث کو ترجیح دیتے ہیں کہ وہ متفق علیہ ہے اور اس کے تمام راوی اعظم و اجل ہیں۔ شیخ ابن الہمام فرماتے ہیں اگر ہم دونوں حدیثوں کے جمع کرنے کا تکلف کریں تو ہم یہ کہیں گے کہ ظہر کی نماز مکہ میں گزاری اور منیٰ میں پڑھنے کو اس کے اعادہ پر محمول کریں گے۔ اس بنا پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ معلوم ہوا تھا کہ مکہ میں پہلے جو نماز پڑھی تھی اس میں نقصان تھا۔

اس کے بعد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مراجعت فرمائی تو رات منیٰ میں گزاری قربانی کے بعد کے دن انتظار فرمایا۔ یہاں تک کہ آفتاب ڈھل گیا تو نماز ظہر سے قبل پیدل جمرہ اولیٰ پر آئے یہ وہ جمرہ ہے جو مسجد خیف سے بہت نزدیک ہے یہاں سات کنکریاں ماریں اور ہر کنکری پر تکبیر فرماتے جاتے۔ جب رمی سے فارغ ہوئے تو چند قدم اپنی جگہ سے آگے بڑھ کر قبلہ رو کھڑے ہو کر دعا فرمائی اور اتنی دیر تک دعائیں مشغول رہے کہ کوئی دوسرا سورۃ بقرہ کی تلاوت کر لے۔ پھر جب دعا سے فارغ ہوئے تو جمرہ وسطیٰ آئے اور اسی طریق پر رمی جمار فرمائی۔ وہاں سے چند قدم درمیان وادی کے چلے اور اس جگہ کھڑے ہو کر دعا فرمائی اور طویل دعا مانگی۔ اس کے بعد روانہ ہوئے یہاں تک کہ جمرہ عقبہ کے سامنے آئے اور کعبہ کو داہنے ہاتھ اور منیٰ کو بائیں رکھ کر کھڑے ہوئے۔ رمی جمار کی اور اسی ساعت بغیر توقف کے لوٹ آئے اور اس جگہ دعا نہ فرمائی۔ اس کی حکمت، علم نبوت کے ساتھ موقوف ہے۔ علماء اس جگہ پر دو وجہ بیان کرتے ہیں ایک یہ کہ یہ جمرہ راستہ میں ہے۔ اڑدھام بہت تھا اور کھڑے ہونے کی جگہ نہ تھی۔ دوسری وجہ یہ کہ دعا عبادت کے درمیان میں ہوتی جس طرح کہ جمرہ اولیٰ اور جمرہ وسطیٰ میں تھی اس سے افضل ہے کہ بعد عبادت ہو۔ جیسا کہ اس جمرہ عقبہ میں ہے (کہ یہاں عبادت ختم ہو گئی) (واللہ اعلم)

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے منیٰ سے کوچ کرنے میں تعیل نہ فرمائی اور یوم النفر (یعنی کوچ کرنے کا دن) عید الاضحیٰ کے تیسرے دن کو کہتے ہیں۔ لیلۃ النفر وہ رات ہے جب حجاج کرام منیٰ سے لوٹتے ہیں۔ عرفات سے روانہ ہونے کو اقامہ کہتے ہیں اور مزدلفہ سے روانگی کو دفع۔ منیٰ سے کوچ کرنے کو نفر کہتے ہیں بلکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مکمل تین روزا قیامت فرمائی۔ بعض چوتھا روز بھی کہتے ہیں جو ذی الحجہ تیرہ اور آخری ایام تشریق کا دن ہے۔ بعد زوال رمی کر کے روانہ ہوئے اور وادی محصب میں نزول فرمایا۔ یہ ایک جگہ کا نام

تعالیٰ عنہ کو مقرر فرمایا تھا اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا سامان وغیرہ انہیں کے سپرد تھا۔ اتفاق سے انہوں نے خیمہ وہاں نصب کر دیا پھر جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے تو اسی جگہ قیام کر لیا ”بعض علماء کہتے ہیں کہ یہ حج کے سنن اور اس کے مناسک کے تمام کرنے میں سے ہے۔“ اس لیے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے منیٰ میں فرمایا ”میں کل انشاء اللہ خیف بنی کنانہ میں قیام کروں گا جہاں کافروں نے قسم کھائی تھی اور عہد باندھا تھا کہ بنی ہاشم اور بنی عبدالمطلب سے میل جول نہ رکھیں گے۔ ان سے مناکحت اور خرید و فروخت نہ کریں گے جب تک کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کے سپرد نہ کریں۔ اس لیے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے محصب میں ارادۂ قیام فرمایا تا کہ شعار اسلام اس جگہ ظاہر ہو جہاں شعار کفر نمودار ہوا تھا۔ حق تعالیٰ کی نعمت کا شکر بجالائیں اور غالب وجہ یہ ہے کہ (واللہ اعلم) حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا عشاء تک توقف و قیام فرمانا حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے عمرہ کرنے کے سبب سے ہو۔ اگر یہ وجہ نہ ہوتی تو ممکن ہے کہ اس سے بھی کمتر توقف فرماتے۔

جب یہ بندہ ضعیف صاحب این تالیف (شیخ محقق رحمۃ اللہ) شیخ اجل اکرم عبدالوہاب متقی شاذلی قادری رحمۃ اللہ کی خدمت میں

کافی ہے۔ یہ بات اہل عرب کے اسلوب میں فرمائی۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے رات کا کچھ حصہ اس جگہ آرام فرمایا اور جب بیدار ہوئے تو سوار ہو کر مکہ مکرمہ تشریف لائے اور طواف وداع فرمایا۔ غیر اہل مکہ پر یہ طواف واجب ہے اور اس طواف میں رتل نہ کیا مگر دو رکعت طواف کی پڑھیں۔ اس لیے کہ طواف کے بعد مطلقاً یہ واجب ہے۔ خواہ طواف واجب کا ہو یا نفل کا۔

ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے اسی رات اجازت چاہی کہ عمرہ ادا کریں تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اجازت مرحمت فرمائی اور ان کے بھائی عبدالرحمن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ان کے ساتھ بھیجنا تا کہ مقام تنعیم میں جو بیرون حرم ہے جا کر

آپ کون ہیں؟ فرمایا میں خدا کا رسول ہوں۔ اس کے بعد ایک عورت آئی اور اپنے بچہ کو لکھ سے نکال کر سامنے لائی۔ عرض کیا ”یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! کیا اس بچہ کا حج درست ہوگا؟“ فرمایا ”ہاں اس کا حج ہوگا اور تجھے بھی ثواب ہوگا۔ جب ذوالحلیفہ پہنچے تو رات وہاں قیام فرمایا اور صبح کو مدینہ روانہ ہوئے۔ آپ کی عادت شریفہ تھی کہ مدینہ طیبہ میں چاشت کے وقت داخل ہوتے تھے اور سفر سے رات کے وقت گھر میں داخل ہونے سے منع فرمایا کرتے تھے۔ اسے پسند فرمایا کرتے تھے کہ آنے والا پہلے کچھ چیز گھر بچھوئے تاکہ اس کے گھر والے اس کے آنے کی تیاری کریں۔ جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ طیبہ کو دیکھا تو بہ تصور عظمت و کبریائے باری تعالیٰ و ظہور آثار قدرت نامتناہی حق تعالیٰ عز و جلا اور اس بلند طیبہ کے انوار و اسرار کے مشاہدے اور اس مقام عالی کی بزرگی و شرافت کے ملاحظہ سے تین مرتبہ تکبیر بلند فرمائی۔ اس کے بعد اپنی سنت مستمرہ کے مطابق جو اس شہر مقدس میں داخل ہونے کے وقت تھی اعانت و نصرت، تکمیل دین، اتمام نعمت، رجوع بخیر و عافیت اور امن و سلامتی کے ساتھ اپنے مکان میں پہنچنے پر شکرانہ ادا فرمایا۔ کہا:

لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ اَيُّونَ تَائِبُونَ عَابِدُونَ سَاجِدُونَ لِرَبِّنَا حَامِدُونَ صَدَقَ اللَّهُ وَعْدُهُ وَنَصَرَ عَبْدَهُ وَهَزَمَ الْأَحْزَابَ وَحْدَهُ وَاعَزَّهُ فَلَاشَيْءَ بَعْدَهُ.

پھر مدینہ طیبہ میں داخل ہوئے۔ (والحمد لله على اتمام النعمة والا تمام)

غدير خم: واپسی کے وقت اثنائے راہ میں جب منزل غدير خم میں پہنچے جو کہ جھ کے نواح میں مکہ معظمہ اور مدینہ طیبہ کے درمیان واقع ہے تو روئے انور صحابہ کی طرف کر کے فرمایا: اَلَسْتُمْ تَعْمَلُونَ اَيُّ اَوَّلِيِّ بِالْمُؤْمِنِينَ. کیا تم نہیں جانتے کہ میں مسلمانوں میں ان کی جانوں سے زیادہ قریب و محبوب ہوں۔ جیسا کہ قرآن کریم میں مکرور ہے کہ اَلنَّبِيُّ اَوَّلِيٌّ بِالْمُؤْمِنِينَ مِنْ اَنْفُسِهِمْ. نبی مسلمانوں میں ان کی جانوں سے زیادہ قریب و محبوب ہیں۔ ایک روایت میں آیا ہے کہ اس لفظ کو تین مرتبہ فرمایا۔ مطلب یہ کہ میں مسلمانوں کو حکم نہیں دیتا مگر اسی چیز کا جس میں ان کی صلاح و نجات اور ان کی دنیا و آخرت کی بھلائی مضمر ہے۔ بخلاف ان کے نفوس کے کہ وہ کبھی شر و فساد کو بھی چاہتے ہیں تمام صحابہ نے عرض کیا بلی یعنی درست ہے کیوں نہیں۔ بلاشبہ آپ تمام مسلمانوں کی جانوں سے قریب اور محبوب تر ہیں۔ ایک روایت میں ہے کہ فرمایا گویا مجھے اس جہاں میں بلایا اور میں نے اسے قبول فرمایا۔ آگاہ ہو جاؤں میں تم میں دو عظیم چیزیں چھوڑے جا رہا ہوں۔ جو ایک دوسرے سے بزرگ تر ہے۔ ایک قرآن کریم ہے دوسری میری اہل بیت دیکھو میرے بعد ان دونوں چیزوں میں احتیاط کرنا کہ کس طرح تم ان سے سلوک کرتے ہو اور کیسے ان کے حقوق ادا کرتے ہو۔ یہ دونوں چیزیں میرے بعد ایک دوسرے سے کبھی جدا نہ ہوں گی۔ یہاں تک کہ تم حوض کوثر کے کنارے مجھ سے ملو۔ اس کے بعد فرمایا حق تبارک و تعالیٰ میرا مولیٰ ہے اور میں تمام مسلمانوں کا مولیٰ ہوں۔ اس کے بعد حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کا ہاتھ پکڑ کر فرمایا اَللّٰهُمَّ مَنْ كُنْتُ مَوْلَاہُ فَعَلَيْ مَوْلَاہُ. اے خدا جس کا میں مولیٰ ہوں یہ علی رضی اللہ عنہ بھی اس کے مولیٰ ہیں اَللّٰهُمَّ وَالِ مَنْ وَالَاہُ اے خدا تو بھی اسے دوست رکھ جو ان کو دوست رکھے۔ عادمین عادادہ۔ اور دشمن رکھ اُسے جو علی رضی اللہ عنہ دشمن رکھے۔ ایک روایت میں اتنا زیادہ آیا ہے وَاَنْصُرُ مَنْ نَصَرَا وَآخِذُ مَنْ خَذَلَا. مدد کر اس کی جس نے علی رضی اللہ عنہ کی مدد کی اور ذلیل کر اسے جس نے علی رضی اللہ عنہ کو چھوڑا واد الحق حیث دار اور حق کو علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ لازم کر جس طرف علی رضی اللہ عنہ ہوں۔ مروی ہے کہ اس واقعہ کے بعد حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے ملاقات کی اور فرمایا ”اے ابن ابی طالب مبارک ہو اور خوشی ہو کہ صبح و شام اس حال میں تم کرتے ہو کہ ہر مردوزن مومن کے تم مولیٰ ہو۔ اس حدیث کو امام احمد نے حضرت براء رضی اللہ عنہ ابن عازب اور زید بن رضی اللہ عنہ ارقم سے روایت کیا۔ (کذا فی مشکوٰۃ)

ترغیب و تحریص اور ان کے ساتھ بغض و عداوت سے اعتراض و اجتناب میں ہے۔ جیسا کہ دوسری حدیث میں ہے کہ علی رضی اللہ عنہ سے وہی محبت کرے گا جو مومن ہوگا اور ان سے وہی دشمنی کرے گا جو منافق ہوگا۔ لیکن اس حدیث سے حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کو خلیفہ بنانے اور ان کو امامت پر نصب کرنے پر دلیل بنانے میں اہل سنت کے نزدیک کلام ہے۔ اور شیعہ امامت علی رضی اللہ عنہ میں نص قطعی کے اوعا کے ساتھ تمسک کرتے ہیں اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد سے دلیل لانا کہ فرمایا: اَلْکُسْتُ اَوَّلٰی بِحُکْمِ کَیَا مِیْن تَمَّهَارَا مَوَّلٰی نَہِیْن اَوْرَاوَلٰی کُوَامَا مَت کَعَمٰی دِیْنَا دَرَسْت نَہِیْن ہِے اَس کَعَمٰی نَاصِرُو مَحْبُوْب کَے ہِیْن۔ اگر یہ معنی نہ ہوں تو تمام صحابہ کو جمع کر کے ان سے خطاب فرمانے اور اس میں مبالغہ کرنے اور علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کیلئے دعا کرنے کی ضرورت نہ ہوتی۔ اس لیے کہ ہر صحابی خوب جانتا اور پہچانتا تھا کہ وہ صحابہ میں سے ایک فرد ہیں۔ یہ حدیث صحیح ہے اسے ایک جماعت کثیرہ نے روایت کیا ہے۔ انہوں نے علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے روایت کیا ہے۔ اس کی سندیں بہت ہیں اور اسے صحابہ کی ایک جماعت کثیرہ نے روایت کیا ہے۔ انہوں نے علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے حق میں اس وقت گواہی دی جس وقت کہ ان کی خلافت کے زمانہ میں ان کے ساتھ نزاع واقع ہوا تھا اور اس کی بہت سی سندیں صحاح و حسان ہیں۔ جس نے اس کی صحت میں کلام کیا ہے اس کی طرف کوئی التفات نہیں ہے اور نہ اس قول کی طرف جو بعضوں نے زیادتی میں کہا ہے کہ وَالْاَوَّلٰی مَنْ وَالَہُ کہ یہ موضوع ہے اور مذکورہ حدیث متعدد طریقوں سے وارد ہے جس کی امام ذہبی اور ان کے سوا بہت ساروں نے تصحیح کی ہے۔ جیسا کہ شیخ ابن حجر نے الصواعق المحرقة میں بیان کیا ہے۔ حضرت شیخ ابن حجر فرماتے ہیں کہ ہم شیعہ سے بطریق الزام کہتے ہیں کہ انہوں نے بھی دلیل امامت میں تواثر کے معتبر ہونے پر اتفاق کیا ہے اور شیعہ کہتے ہیں کہ جب تک حدیث متواتر نہ ہو اس سے صحت امامت پر استدلال نہیں کر سکتے اور یہ یقینی بات ہے کہ یہ حدیث متواتر نہیں ہے۔ باوجود خلاف اس کی صحت میں اگرچہ وہ خلاف ... اختلاف ... بعض راوی ... طبع ... کہ اگرچہ ... زعم ... کہ ہو ... کہ ...

اور باوجود علم کے اس واقعہ کو انہوں نے چھپایا تھا۔ یہ باتیں اس قبیل سے ہیں جس کو عقل جائز نہیں رکھتی۔

یہ کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے غدیر خم کے دن خطبہ دیا اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے حق کو آشکار فرمایا کہ اَقْتَدُوا بِالَّذِينَ مِنْ بَعْدِي أَبِي بَكْرٍ وَعُمَرُ یعنی میرے بعد دین میں تم سب ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی اقتداء کرنا۔ بلاشبہ یہ ثابت شدہ ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی اہل بیت کی مودت اور ان کی محبت و اتباع پر لوگوں کو شوق دلایا اور محبت اور خلافت کے درمیان فرق ہے۔ شیعہ کہتے ہیں کہ صحابہ اس نص کو جانتے تھے لیکن انہوں نے اس کی پیروی نہ کی۔ اور امیر المومنین کے ساتھ ظلم و عناد اور مکابرہ کا اظہار کیا اور اطاعت نہ کی اور امیر المومنین نے جو ترک طلب اور احتجاج کیا وہ تقیہ کی بنا پر تھا۔ حضرت شیخ ابن حجر رحمۃ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ کذب و افتراء ہے اس لیے کہ حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ پوری قوت رکھتے تھے اور بے اندازہ کثرت رکھتے تھے اور ان کی شجاعت و بسالت کا تو کیا کہنا۔ ان تمام حقائق کے باوجود اگر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے نص سنی ہوتی پھر اس سے وہ حجت نہ لائیں اور اس پر عمل نہ کریں یہ محالات میں سے ہے۔ جب حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حدیث ”الایمۃ من قریش“ سے استدلال فرمایا تو کیوں نہ فرمایا کہ ہاں بات یوں ہے۔ لیکن اگر حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کی خصوصیت پر نص واقع ہوتی تو اس حدیث سے استدلال کرنا مفید نہ رہتا۔ یہی نتیجہ امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے نقل کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا کہ روافض کا بنیادی عقیدہ گمراہ کرنا ہے اور روافض صحابہ کی تکفیر کے قائل ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ گنیہ چند آدمیوں کے سوا تمام صحابہ کافر ہو کر دنیا

غلاموں کو آزاد کر دیا۔ دوسرے دن جب امیر المومنین کی مجلس شریف میں آیا تو حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا ”غلاموں کے بارے میں تیری رائے کیا قرار پائی اس نے کہا ”حق تعالیٰ نے ان کیلئے جو بہتر کیا تھا میں نے اس کو اختیار کیا۔“ دریافت فرمایا ”کیا حق تعالیٰ نے اس کو آزاد کر دیا“ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے اس کی تحسین و تصویب فرمائی۔ اس

ہے؟“ اس نے کہا ”ایک دن ایک جماعت میری پرستش کر رہی تھی۔ میں چھپ گیا۔ اس کے بعد اپنے آپ کو ایک جگہ انہیں دکھایا جب انہوں نے مجھے دیکھا تو قریب ایک لاکھ آدمیوں نے مجھے سجدہ کیا۔ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے فرمایا ”خالص توبۃ النصوح اور بارگاہ حق کی طرف انابت اور دل سے گناہ کو نکال پھینکا“ حق تعالیٰ سے مغفرت کی امید کا سبب ہے۔ اگرچہ گناہ کتنا ہی بڑا اور کثرت سے ہوں۔ ارباب سیر کہتے ہیں کہ جب وہ مسلمان ہوا تو لوگوں نے دیکھا کہ اس نے حکومت چھوڑ دی ہے اور ایک درہم تھوڑا سا گوشت اپنے گھوڑے کی جھول میں لٹکا رہا ہے۔ یہ اشعار پڑھتا جاتا ہے۔

صورت بشری میں جبرائیل علیہ السلام کی آمد: اسی سال حضرت جبرائیل علیہ السلام خوبصورت انسان، سیاہ بالوں والے، سفید لباس پہنے نہایت حسین و جمیل شکل میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس شریف میں نمودار ہوئے۔ اس طرح کہ تمام حاضرین مجلس حیرت و تعجب میں رہ گئے۔ آ کر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے دوزانوں ہو کے بیٹھے اور اپنے دونوں ہاتھ نکال کر یا تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دونوں زانوئے اقدس پہ یا اپنے دونوں زانوں پر رکھے۔ حدیث میں دونوں معنی کا احتمال ہے اور انہوں نے اسلام، ایمان، احسان، قیامت اور اس کی نشانیوں کے بارے میں سوال کیا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے سب کا جواب عنایت فرمایا۔ اس کے بعد وہ مجلس شریف سے چلے گئے۔ سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جاؤ اسے تلاش کرو۔ صحابہ باہر نکلے اور بہت تلاش کیا مگر نہ پایا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ”یہ جبرائیل علیہ السلام تھے جو تمہیں سکھانے کیلئے آئے تھے۔ اس حدیث کو حدیث جبرائیل علیہ السلام بھی کہتے ہیں اور کتب احادیث میں مذکور و مسطور ہے اور اول کتاب مشکوٰۃ المصابیح میں بھی مذکور ہے۔ اس جگہ اس کی شرح کی ضرورت نہیں ہے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آیا تو جواب میں تحریر فرمایا: مِنْ رَّسُولِ اللَّهِ إِلَى مُسَيَّلِمَةِ الْكَذَّابِ أَمَّا بَعْدُ فَإِنَّ الْأَرْضَ لِلَّهِ يُورِثُهَا مَنْ يَشَاءُ مِنْ عِبَادِهِ وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِينَ۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب سے مسیلمہ کذاب کے نام۔ اما بعد جان لے کہ بلاشبہ زمین کا بعد کو جسے خدا چاہے گا وارث ہوگا اور عاقبت متقوں کے کیلئے ہے۔ اس کے بعد مسیلمہ کذاب کفر پر اصرار کرتا رہا۔

شعبدے، عجیب و غریب کارنامے دکھاتا رہا اور جو کچھ بھی وہ دکھاتا خوارق و معجزات کے عکس برس اور اس کے مدعا کے برخلاف ہوتا۔ چنانچہ وہ اگر کسی کیلئے درازی عمر کی دعا کرتا تو وہ اسی وقت مر جاتا اور اگر کسی کیلئے آنکھوں میں روشنی کی دعا کرتا تو وہ اسی وقت اندھا ہو جاتا۔ جب اس نے یہ سنا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مضمضہ فرما کر اس پانی کو کنوئیں میں ڈالتے ہیں جس سے وہ پانی زیادہ اور شیریں ہو جاتا ہے۔ جب اس نے بھی ایسا کیا تو کنوئیں کا پانی زمین میں اتر جاتا اور وہ کنواں کھارا اور کڑوا ہو جاتا۔ لوگ ایک بچہ اس کے پاس لائے اس نے اپنا ہاتھ اس کے سر پر پھیرا وہ گنجا ہو گیا۔ ایک بچہ کے حلق میں اس نے انگلی ٹھونسی تو اس کی زبان پھٹ گئی۔ ایک مرتبہ کسی باغ میں اس نے

بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو مرحمت فرمایا۔ جیسا کہ گزر چکا ہے پھر اسوہ غسی نے خروج کیا اور نبوت کا مدعی بنا۔ اپنے لشکر کے ساتھ اہل صنعا پر غالب آیا اور وہ مملکت اپنے قبضہ تصرف میں لے آیا۔ شہر بن باذان کو قتل کر دیا اور مرزبانہ کی جو شہر بن باذان کی بیوی تھی اس کی خواستگاری کی۔ فردہ بن مسیک نے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب سے وہاں کے عامل تھے اور قبیلہ مراد سے تعلق رکھتے تھے۔ انہوں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک خط لکھا جس میں تمام حالات اور واقعات کو بیان کیا۔ حضرت معاذ بن جبل اور ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہما جو اس نواح میں تھے باہمی اتفاق رائے سے حضرت موت چلے گئے۔ جب یہ خبر بارگاہ رسالت میں پہنچی تو اس جماعت کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے لکھا کہ متفقہ طور سے جس طرح بھی ممکن ہو اسوہ غسی کے شرفساد کے دفع کرنے کی کوشش کریں اور مادہ فساد کا استیصال کریں۔ اس پر تمام فرمانبرداران نبوت ایک جگہ جمع ہو گئے اور مرزبانہ کو پیغام بھیجا کہ یہ یعنی غسی وہ شخص ہے جس نے تیرے باپ اور تیرے شوہر کو قتل کیا ہے اس کے ساتھ تیری زندگی کیسے گزرے گی؟ اس نے کہا ”میرے نزدیک یہ شخص دشمن ترین مخلوق خدا ہے“ اس پر مسلمانوں کی جماعت نے پیغام بھیجا کہ جس طرح تمہاری سمجھ میں آئے اور جیسے بھی ممکن ہو اس ملعون کے استیصال کی تدبیر کرو۔ چنانچہ مرزبانہ نے فیروز ویلمی کو جو مرزبانہ کے چچا کا بیٹا اور نجاشی کا بھانجا تھا اور وہ دسویں سال میں آ کر مسلمان ہو گیا تھا۔ ایک اور شخص کو جس کا نام دادو یہ تھا آمادہ کیا کہ رات کے وقت دیوار میں نقب لگا کے اسود کی خواب گاہ میں داخل ہو کر اسے قتل کر دیں جب وہ مقررہ رات آئی تو مرزبانہ نے اسود کو خالص شراب بہت زیادہ پلا دی یہاں تک کہ وہ مدہوش ہو کر سو گیا۔ وہ اپنے دروازہ پر ایک ہزار پھرے دار رکھتا تھا۔ فیروز ویلمی نے ایک جماعت کے ساتھ دیوان خانہ میں نقب لگائی اور اس بد بخت کے سر کو تن سے جدا کر دیا اسے ذبح کرنے کے دوران بڑی شدید آواز گائے کے ڈکارنے کی مانند اس کے منہ سے نکلی پہریداروں نے جو یہ آواز سنی تو اس کی طرف دوڑے مرزبانہ گھر سے نکل کے ان کے سامنے آگئی اور کہا خاموش رہو۔ کیونکہ تمہارے نبی پر وحی آئی ہوئی ہے۔

جب صبح ہوئی اور مؤذن کو اس حالت کی اطلاع ملی تو اس نے اذان میں ”اشہد ان محمد الرسول اللہ“ کے بعد ”واشهد ان عیلة کذاب“ بڑھا کر کہا، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے عمال نے اس کی خبر بارگاہ رسالت میں بھیجی۔ مگر یہ خبر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی رحلت فرمانے کے بعد مدینہ منورہ میں پہنچی۔ لیکن رحلت فرمانے سے ایک شبانہ روز پہلے واقعہ کی کیفیت وحی کے ذریعہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو معلوم ہو گئی تھی اور فرمادیا تھا کہ آج رات اسوہ غسی مارا گیا ہے اور ایک مرد مبارک نے اس کی اہل بیت میں سے اسے قتل کیا ہے۔ اس کا نام فیروز ہے اور فرمایا ”فاز فیروز“ فیروز کا میاب ہوا۔

بعض ارباب سیر نے بیان کیا ہے کہ اس ملعون کا قتل حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانہ خلافت میں ہوا ہے۔ جبکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ بن ابی جہل کو مسلمانوں کی ایک فوج پر امیر مقرر کر کے بھیجا تھا۔ اس واقعہ میں بھی اسود کا قتل فیروز رضی اللہ عنہ کے ہاتھ سے ہے۔ لیکن اکثر محدثین اور علماء سیر کا خیال وہی ہے جو پہلے مذکور ہوا۔

طلیحہ خویلد اسدی مدعی نبوت: طلیحہ بن خویلد قبیلہ بنی اسد سے تھا اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رحلت کے بعد خروج کیا اور عروج پایا۔ عیینہ بن حصین فرازی جس کا ذکر پہلے غزوہ حنین و ہوازن میں آچکا ہے اور وہ قبیلہ قرازہ سے تھا مرتد ہو کر اسلام سے منحرف ہو کر طلیحہ کا گرویدہ بن گیا۔ طلیحہ دعویٰ کرتا تھا کہ جبرائیل علیہ السلام اس پر آتے ہیں اور وحی لاتے ہیں۔ پہلا استدراج جو اس سے صادر ہوا اور جس کے سبب لوگ گمراہ ہوئے یہ تھا کہ ایک روز یہ اپنی قوم کے ساتھ سفر میں تھا۔ ان کے ساتھ پانی نہ تھا تشنگی ہو گئی اس نے کہا: اِرْكَبُوا اَغْلًا لَا وَاٰخِرُ بُوَا اَمَيًا لَا تَعِجْدُوا بَلَا لَا سوار ہو گھوڑوں پر اور چند میل سفر کرو تو قوم پانی کو پالے گی، قوم نے ایسا کیا اور پانی پالیا۔ اس وجہ میں بدوی لوگ فتنہ میں پڑ گئے۔ جب یہ خبر حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو پہنچی تو ایک لشکر تیار کر کے حضرت

خالد بن ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو امیر مقرر کر کے طلحہ کی جانب بھیجا۔ حضرت خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ روانہ ہوئے یہاں تک کہ قبیلہ طلی پہنچے اور دو پہاڑوں کے درمیان کوہ سلمیٰ اور اجاہ کے درمیان لشکر کو ٹھہرایا اور وہ قبائل جو گردنواح میں اسلام پر قائم تھے ان کے ساتھ آ کے شامل ہو گئے اور سب نے مل کر دشمنوں سے جنگ کی۔ لشکر فزادہ نے راہ فرار دکھائی اور عیینہ بن حصین فزازی کو اس کا کذاب معلوم ہوا۔ وہ بھی فزادہ کے ساتھ بھاگ گیا اور طلحہ بھی واپس آیا اور مسلمان ہو گیا اور نہادند کی جنگ میں شہادت حاصل کی۔ (رضی اللہ تعالیٰ عنہ)

سجاح بنت الحارث مدعیہ نبوت: چوتھی مدعیہ نبوت سجاح بنت الحارث بن موید بن یربوع کی ایک عورت تھی جو بنی تغلب میں نبوت کا دعویٰ کرتی تھی۔ ایک جماعت اس کی گرویدہ ہو گئی تھی اس کا زمانہ مسکن مسیلہ کذاب کے قریب تھا اور ایک گروہ اس کے موافق بن گیا تھا۔ مسیلہ ڈرتا تھا کہ اگر اس سے معترض ہوا تو مبادا وہ قبائل جو اس کے گردنواح میں ہیں اور اس سے متفق ہیں تمام یمامہ پر غالب نہ آ جائیں۔ اس بنا پر تحفے اور ہدایا سجاح کے پاس روانہ کیے۔ اس سے ملاقات کی استدعا کی اور کہا کہ کچھ مخفی باتیں ہیں جو آ منے سامنے کہی جائیں گی۔ سجاح نے حکم دیا کہ خیمہ لگایا جائے چنانچہ خیمہ لگایا گیا طرح طرح کے عطریات خوشبویات، فرش و فرش اور برتنوں سے خیمہ سجایا گیا۔ پھر مسیلہ اس جگہ پہنچا اور دونوں خیمہ میں داخل ہوئے۔ ہر باب میں باہمی گفتگو ہوئی، مسیلہ نے اپنے ہدیات اور مخرجات کو اس کے سامنے رکھا اور کہا کہ بہتر ہوگا کہ ہم میں مناکحت کی نسبت پیدا ہو جائے۔ جو کچھ مسیلہ نے کہا ”سجاح نے یقین جانا اور اس کی نبوت کو برقرار رکھا اور تین روز دونوں ایک ساتھ رہے اور تعجب نہیں کہ ان تین دنوں میں ایک دوسرے سے زنا کیا ہو۔ بعد عقد مناکحت سجاح اپنی قوم میں چلی گئی اور مسیلہ اپنی ٹولی میں جا ملا۔ سجاح کی قوم نے پوچھا ”تیرا قصہ کیا ہوا؟“ اس نے کہا ”کہ اس کی نبوت کی حقیقت مجھ پر ظاہر ہوئی اور میں اس کے نکاح میں داخل ہو گئی لوگوں نے پوچھا مہر کیا قرار پایا ہے؟“ اس نے کہا ”مہر کے تعین کی فرصت نہ ملی“ لوگوں نے کہا ”بغیر مہر کے تو نکاح نہیں ہوتا۔ جاؤ مہر معین کرو“ اس پر سجاح مسیلہ کے پاس آئی اور طلب تعین مہر کیا، اس نے کہا ”یمامہ کا نصف غلہ تجھے سونپنا ہوگا اور اس پر مزید یہ کہ صبح کی اور عشاء کی نماز تیری امت پر تخفیف کرتا ہوں اور ایک جماعت کو مذکورہ غلہ حاصل کرنے کیلئے کہا۔ یہ لوگ انہیں معاملات میں مصروف تھے کہ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا غلغلہ ایک لشکر عظیم کے ساتھ پہنچا اور سجاح کے عاملوں کو ان کے عمل سے معزول کیا۔ اس سلسلے میں دو روایتیں ہیں ایک یہ کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانہ امارت میں وہ اور اس کی امت مسلمان ہو گئی۔ ان کا اسلام نیک و مقبول ہوا اور دوسری روایت یہ ہے کہ مسیلہ جزیرہ میں رہتا تھا وہاں وہ چھپ گئی اور وہیں ہلاک ہو گئی۔ پھر کسی نے اس کا نام و نشان تک نہ سنا (واللہ اعلم)

سریہ زید بن اسامہ: غزوہ سرایا میں آخری سریہ جیش اسامہ رضی اللہ عنہ بن زید حارثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ہے۔ اس لشکر کو پیر کے دن ۲۶ ماہ صفر ۱۱ھ ہجری انہی کی جانب جو دیا روم میں سے ہے اور حضرت زید رضی اللہ عنہ کے والد کی شہادت کا گاہ لشکر موتہ میں تھی۔ امیر بنایا تا کہ وہ وہاں کے لوگوں پر تاخت کریں اور ان کے گھروں کو آگ لگائیں۔ جانے میں جلدی کریں تا کہ ان کی خبر پہنچنے سے پہلے خود ان کے سروں پر پہنچ جائیں۔ روانگی سے پہلے جاسوسوں اور اطلاع کو بھیجا جائے اور رہروں کو ساتھ لیا جائے اسی فکر میں تھے کہ بدھ کے دن ۲۸ صفر کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم علیل ہو گئے۔ بخار و درد سر عارض ہوا۔ دوسرے دن علیل ہونے کے باوجود اپنے دست مبارک سے علم تیار کر کے دیا اور فرمایا اَغْزُ بِسْمِ اللّٰهِ وَفِي سَبِيلِ اللّٰهِ فَقَاتِلْ مَنْ كَفَرَ بِاللّٰهِ۔ بسم اللہ کر کے اللہ کی راہ میں جہاد کرو اور خدا کے کافروں سے قتال کرو، حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ نے علم لیا ہر روانہ ہو گئے اور نہ علم انہوں نے برمدہ رضی اللہ عنہ بن

انصار مثلاً حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ، حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ، عثمان رضی اللہ عنہ ذوالنورین، سعد بن ابی وقاص، ابوعبیدہ بن الجراح رضی اللہ عنہ وغیرہ بجز علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کے حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ کے ہمراہ جائیں اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ہمراہ نہ کیا۔ بعض لوگوں کے دلوں میں بات کھٹکتی تھی کہ ایک غلام کو اکابر مہاجرین و انصار پر امیر مقرر فرمایا۔ اس قسم کی گفتگو ذاتی مجلسوں میں ان سے ظہور و درود میں آئیں۔ جب یہ خبریں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سمع شریف میں پہنچیں تو یہ باتیں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خاطر مبارک پر گراں گزریں اور غصہ آیا۔ تب و درود سر کے باوجود پیشانی مبارک پر پٹی باندھ کر باہر تشریف لائے ممبر شریف پہ کھڑے ہو کر خطبہ دیا۔ فرمایا: ”اے لوگو! تم اسامہ رضی اللہ عنہ کو اپنے اوپر امیر بنائے جانے سے انحراف کے کسی چہ میگوئیاں کرتے ہو۔ تم نے غزوہ موتہ میں ان کے والد کے امیر بنائے جانے پر بھی باتیں بنائی تھیں۔ خدا کی قسم وہ امارت کے سزاوار و مستحق ہیں اور ان کے والد بھی امارت کے سزاوار و مستحق تھے۔ میرے نزدیک زید رضی اللہ عنہ لوگوں میں بہت محبوب تھے اور ان کے فرزند اسامہ رضی اللہ عنہ بھی ان کے بعد لوگوں میں مجھے زیادہ محبوب ہیں۔ دونوں کے ساتھ اچھا گمان ہے۔ اب میری وصیت ان کی شان میں بخوبی قبول کرو وہ یہ کہ وہ تم میں اختیار میں سے ہیں“ اس کے بعد ممبر شریف سے اتر کر کاشانہ اقدس میں تشریف لے گئے۔ حضرت اسامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے کچھ فضائل غزوہ موتہ کے ضمن میں بیان کیے جا چکے ہیں۔

مروی ہے کہ جب حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنی خلافت کے زمانہ میں حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ کو دیکھتے تو فرماتے ”السلام علیک ایہا الامو“ حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ عرض کرتے ہیں ”غفرَ اللہُ لکَ یا امیرَ المؤمنین“ آپ مجھے امیر فرماتے ہیں۔ وہ فرماتے ہیں جب تک زندہ ہوں ہمیشہ تمہیں امیر کہہ کر مخاطب کرتا رہوں گا اور فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس

www.nafseislam.com

وسلم کی رحلت کے وقت اٹھارہ یا انیس سال تھی۔ بعض بیس سال بتاتے ہیں۔ اہل سیر بتاتے ہیں کہ یہ واقعہ دسویں ربیع الاول کا تھا اور اس دن وہ جماعتیں جو حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ جانے پر مامور تھیں۔ فوج در فوج آ کر اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے رخصت ہو کر لشکر گاہ میں پہنچ رہی تھیں۔ اس دن حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا مرض بہ نسبت اور دنوں کے زیادہ تھا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے کہ جیش اسامہ رضی اللہ عنہ کو روانہ کرو۔ گیارہ ربیع الاول کو حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ اپنے لشکر کے ساتھ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے رخصت ہونے کے ارادہ سے آئے اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سر ہانے کھڑے ہو گئے اپنے سر کو جھکا کر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سر مبارک اور دست مبارک کو بوسہ دیا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر مرض کی شدت کا اتنا غلبہ تھا کہ بولنے کی طاقت نہ تھی، لیکن حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دست مبارک کو آسمان کی جانب اٹھا کر حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ پر اتارا۔ حضرت

وسلم کے دفن سے صحابہ فارغ ہوئے اور امیر المومنین حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خلافت قرار پائی تو حکم دیا کہ حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ کے گھر کے دروازہ پر علم نصب کر دو۔ تاکہ جو لشکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مقرر فرمایا ہے روانہ ہو اور جو حکم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جاری فرمایا ہے نافذ ہو۔ اس کے بعد حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ باہر نکلے اور منزل جرف میں قیام کیا تاکہ جمع ہوں اسی اثنا میں مدینہ منورہ میں قبائل عرب کے مرتد ہونے کی خبریں پہنچیں۔ بعض لوگوں نے رائے دی کہ جب تک مرتدین کے قصہ سے اطمینان نہ ہو جائے اس وقت تک لشکر اسامہ رضی اللہ عنہ کو موقوف رکھنا بہتر ہوگا۔ مبادا کہ جب وہ یہ سنیں کہ لشکر قوی تو اپنی منورہ سے باہر گیا ہوا ہے وہ دلیر ہو کر مدینہ پر حملہ آور ہو جائیں اور اہل مدینہ سے جنگ کریں۔ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کی یہ رائے قبول نہ کی۔ بلکہ فرمایا: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ حکم دیا تھا کہ تم اسامہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ جاؤ اور اس کی حفاظت کرو۔ اس لئے میں اس کو روکنا نہیں چاہتا۔

باب اول

قسم چہارم

(اس کتاب کے چوتھے حصہ میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا اس دنیا سے رخصت ہونے کے سلسلہ میں ذکرِ حدوثِ مرضِ مدتِ امتدادِ ایامِ مرض کے واقعات، روزِ وفات، ذکرِ غسل و تکفین، نمازِ جنازہ اور اثباتِ حیاتِ انبیاء علیہ السلام کا بیان ہے)

ذکرِ وفاتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم از ابتدائے مرض تا وقتِ رحلت

پہلے معلوم ہو گیا ہوگا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جو آخرت حج فرمایا۔ احکامِ دینِ تعلیم فرمانے کے بعد اس جہاں سے اپنی رحلت کی جانب اشارہ کرتے ہوئے مسلمانوں کو وداع کیا تھا اور فرمایا تھا کہ شاید آئندہ سال میں تم میں نہ ہوں۔ اسی بنا پر اس حج کو حجۃ الوداع سے موسوم کیا گیا اور اس آیتِ کریمہ کا نزول بھی اسی طرف مشیر ہے کہ اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَ اَتَمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِی۔ جیسا کہ گزرا۔ نیز حجۃ الوداع کے وقت منی کے دنوں میں سورۃ اذاجاء نصر اللہ والفتح نازل ہوئی۔ جب یہ سورۃ نازل ہو رہی تھی تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جبرائیل علیہ السلام سے فرمایا گویا تم مجھے خبر دے رہے ہو کہ مجھے اس جہاں سے جانا چاہیے۔ جبرائیل علیہ السلام نے عرض کیا ”غم نہ کیجئے وللآخرۃ خیر لک من الاولیٰ اور یقیناً آپ کیلئے آخرت پہلی سے بہتر ہے اس کے بعد سید عالم سرور کائنات علیہ افضل الصلوٰۃ اکمل التسلیمات آخرت کے کاموں میں بہت جدوجہد فرمانے لگے۔ اس سورۃ مبارکہ کے نازل ہونے کے بعد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا اکثر ذکر بحکم امر الہی تعالیٰ وحدہ تقدس تھا فرمایا فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّکَ وَ اسْتَغْفِرْهُ اِنَّہٗ کَانَ تَوَّابًا۔ یہ کلمات مبارک تھے کہ سُبْحَانَکَ اللّٰهُمَّ وَ بِحَمْدِکَ اللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِیْ اِنَّکَ اَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِیْمُ۔ صحابہ نے عرض کیا ”یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! کیا وجہ ہے کہ یہ کلمات مبارکہ آپ کی زبانِ اقدس پر بہت جاری ہیں“ فرمایا ”جان لو اور آگاہ ہو جاؤ کہ مجھے عالم بقا کی طرف بلایا گیا ہے“ تسبیح و تحمید استغفار کا حکم دیا گیا ہے اور گریہ کنناں ہو گئے“ صحابہ نے عرض کیا ”یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! آپ موت سے گریہ کنناں ہیں حالانکہ حق تعالیٰ نے آپ کو گزشتہ و آئندہ سب سے مغفور فرمادیا ہے“۔ فرمایا: فَتَیْنِ اَوَّلِ الْمَطْلَعِ وَ اَتَيْنِ صَبَیْقَ الْقَبْرِ وَ ظُلْمَةَ اللَّحْدِ وَ اَتَيْنِ الْقَبِيْمَةَ وَ اَلَا هُوَالُ۔ یہ فرمانا امت کیلئے تنبیہ ہے کہ انہیں ان بلاؤں اور مشقتوں سے گزرنا ہوگا۔ وگرنہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا حال اس سے ارفع و اعلیٰ ہے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی وفات سے ایک مہینہ پہلے ہمیں اپنی وفات کی خبر سنائی اور خواص اصحاب کو سندہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے گھ گھاملا اور جب آپ کی نظر مبارک ہم پر پڑی تو گھر

حقیقت میں راجع تمام امت پر ہے اور اس دعا میں سب کو ہی شامل فرمایا گیا ہے اور شریعت کے تمام خطابات کا بھی یہی حکم ہے کہ اس میں تغلیب حاضر بر غائب ہے اور فرمایا ”میں تمہیں تقویٰ، خوف خدا کی وصیت کرتا ہوں، تم سب کو خدا کے سپرد کرتا ہوں، اپنا خلیفہ بناتا ہوں اور میں تمہیں خدا کے غضب سے ڈراتا ہوں۔ کیونکہ میں تم میں ”نذیر مبین“ ہوں یعنی خوب ظاہر طور پر ڈرانے والا اور چاہیے کہ علو و عتو اور تکبر حق تعالیٰ اور اس کے بندوں اور شہروں پر نہ کرو۔ اس لیے کہ حق تعالیٰ نے فرمایا کہ تِلْكَ الدَّارُ الْآخِرَةُ نَجْعَلُهَا لِلَّذِينَ لَا يُرِيدُونَ عُلُوًّا فِي الْأَرْضِ وَلَا فَسَادًا وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِينَ۔ وہ دار آخرت ہم نے ان لوگوں کیلئے بنایا ہے جو زمین میں نہ علو و تکبر کرتے ہیں نہ فساد پھیلاتے ہیں اور آخرت متقیوں کیلئے ہے۔

دار ۲۔ نہ رواست کیا ہے کہ جب سورۃ اِذَا حَسَاءُ نَصَبُ اللّٰهُ الْفَتْحُ نازل ہوئی اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدہ فاطمہ

الزہرہ رضی اللہ عنہا کے سامنے پڑھا تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ”مجھے رحلت کی خبر دی گئی ہے اس پر سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا رونے لگیں۔ پھر فرمایا ”رو نہیں اہل بیت میں تم سب سے پہلے مجھ سے ملو گی۔ پھر سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا ہنسنے لگیں۔ صحیح یہ ہے کہ یہ قصہ ایام مرض کا ہے۔ جیسا کہ آگے آ رہا ہے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت کریمہ تھی کہ جبرائیل علیہ السلام کے ساتھ قرآن کریم کا برابر ہر سال دور فرمایا کرتے تھے لیکن اس سال دومرتبہ جبرائیل علیہ السلام نے دور کیا۔ یہ بھی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس جہان سے رحلت فرمانے کی ایک علامت تھی۔ بعض روایتوں میں سیدہ فاطمہ الزہرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے رونے اور ہنسنے کا قصہ اسی کے تحت ذکر کیا گیا ہے۔ ہر سال حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم رمضان مبارک میں عشرہ اخیرہ کا اعتکاف فرمایا کرتے تھے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دو آخری عشرہ کا یعنی دسویں رمضان سے چاند رات تک کا اعتکاف فرمایا اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے شہداء احد پر ان کی شہادت کے آٹھ سال بعد نماز پڑھی۔ جس طرح کہ بطریق وداع کرنے کیلئے ہوتا ہے۔ اس کے بعد ممبر پر تشریف لائے اور فرمایا ”میں تمہارا پیشرو ہوں، تم پر شہید ہوں، تمہاری شہادت کا امانت دار ہوں اور میں تمہیں اپنے حوض پر بھی دیکھ رہا ہوں جہاں کہ میں کھڑا ہوں گا۔ بلاشبہ مجھے زمین کے خزانوں کی کنجیاں مرحمت فرمائی گئی ہیں۔ یہ روئے زمین کے ممالک کی فتح اور ان کے خزانوں کے قبضہ میں آنے کی بشارت ہے اسی لیے فرمایا: ”میں اس سے خوف نہیں رکھتا کہ تم میرے بعد شرک میں مبتلا ہو گے۔ لیکن میں خوف رکھتا ہوں کہ تم پر دنیا غالب آئے گی اور تم اس کے شائق ہو گے۔ فتنہ میں پڑو گے اور ہلاک ہو گے۔ جس طرح کہ وہ لوگ ہلاک ہوئے جو تم سے پہلے تھے۔“

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ممبر شریف پر تشریف فرما ہو کر فرمایا ”اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں میں سے ایک بندہ کو دو باتوں میں سے ایک کو پسند کرنے کا اختیار دیا وہ یا تو دنیاوی زندگی، اس کی زیب و زینت اور عیش آسائش اختیار کرے یا وہ جو حق تعالیٰ کے پاس آخرت کا اجر و ثواب ہے۔ تو اس بندے نے اس چیز کو اختیار کیا جو حق تعالیٰ کے پاس ہے اور دنیا کی طرف رغبت نہ کی“ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس خبر کے سنتے ہی رونے لگے اور عرض کرنے لگے ”یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! ہمارے ماں باپ آپ پر قربان ہوں۔ لوگوں نے کہا ”اس شیخ کو دیکھو۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تو کسی کا حال بیان فرما رہے ہیں اور یہ روتے ہیں۔ کہتے ہیں کہ ہمارے ماں باپ آپ پر قربان ہوں یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! حالانکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے حال مبارک کی خبر دے رہے تھے اور حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس حال سے ان سے سب سے زیادہ دانا و فہمیدہ تھے۔ اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ”تم لوگوں میں سب سے زیادہ مجھ پر احسان کرنے والا اور نیکی کرنے والا اپنے مال اور صحبت و رفاقت سے ساتھ دینے والا وہ ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ ہیں۔ اگر میں خدا کے سوا کسی کو اپنا خلیل بنانے والا ہوتا تو میں صدیق رضی اللہ عنہ کو اپنا خلیل بناتا لیکن خدا کے سوا میرا کوئی خلیل نہیں۔ اخوت اسلامی باقی ہے۔“ خلیل جگری دوست کو کہتے

مدارج النبوت کرام، رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خلافت کی طرف اشارہ ہے اور

عنہ کے در پیچہ کے۔

ارباب سیر کہتے ہیں کہ اس کلام میں خصوصیت کے ساتھ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خلافت کی طرف اشارہ ہے اور یہ ارشاد عالی مرض وفات سے پانچ دن پہلے فرمایا تھا۔ دیگر روایتوں میں اختیار دینے کا قصہ ایام مرض میں آیا ہے۔ صحابہ نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ ”یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! آپ کی اجل کب ہے؟“ فرمایا ”خدا کی طرف لوٹنے جنت الماویٰ، سدرۃ المنتہی پہنچنے رفیقِ اعلیٰ سے ملنے کا میں اونی یعنی جامِ طہور پینے اور دائمی عیش پانے کا وقت بہت نزدیک آ گیا ہے۔

ماہ صفر کا آخری ہفتہ: اسی سال کے آخر ماہ صفر میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم ہوا کہ بقیع کے قبرستان والوں کیلئے استغفار فرمائیں۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے کہ ایک رات حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم میرے یہاں تشریف فرما تھے اور میں سو رہی تھی۔ جب میری آنکھ کھلی تو میں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو بسترِ استراحت پر آرام فرمانہ پایا میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے عقب میں چلی میں نے دیکھا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بقیع میں داخل ہوئے اور فرمایا: اَلسَّلَامُ عَلَیْكُمْ دَارَ قَوْمٍ مُؤْمِنِينَ وَ اَنَا اِنْشَاءَ اللّٰهِ بِكُمْ لَا حِقْوَنَ۔ ایک روایت میں ہے فرمایا: اَنْتُمْ لَنَا قَرُطٌ وَ اَنَا بِكُمْ لَا حِقْوَنَ۔ اَللّٰهُمَّ لَا تَحْرِمْنَا اَجْرَهُمْ وَلَا تَفْتِنَا بَعْدَهُمْ اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لاهْلِ بَقِيعِ الْغَرْقَدِ۔

سیدہ عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی دوسری روایت میں ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ ”رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرے گھر سے روانہ ہوئے میں بھی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے عقب میں چلی گئی۔ اس غیرت کی بناء پر کہ شاید حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی کسی اور زوجہ کے ساتھ ہوں۔“

اَنْتُمْ لَنَا سَلَفٌ وَنَحْنُ بِالْاَثَرِ۔ یہ قصہ پندرہویں شعبان میں بھی مروی ہے کہ اس رات میں زیارت قبور میں مسنون ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے غلام حضرت ابو موہبہ سے مروی ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے آدھی رات کو مجھے بیدار کیا۔ فرمایا: ”مجھے حکم ہوا ہے کہ اہل بقیع کے پاس جاؤں اور ان کیلئے استغفار کروں۔ پھر مجھے ہمراہ لیا اور بقیع تشریف لا کر بہت دیر تک کھڑے استغفار فرماتے رہے۔ اور ان کیلئے ایسی دعا فرمائی کہ میں تمنا کرنے لگا کہ میں بھی ان اہل قبور میں سے ہوتا اور اس دعا سے مشرف ہوتا۔ اس کے بعد فرمایا ”اَلْسَلَامُ عَلَیْكُمْ يَا اَهْلَ الْقُبُورِ“ تمہیں وہ نعمتیں مبارک ہوں جن میں تم صبح کرتے ہو جن میں تم رہتے ہو، تم ان فتنوں سے دور ہو جن میں لوگ مبتلا ہیں، حق تعالیٰ نے تم کو ان سے نجات دیدی ہے اور خلاصی فرمادی ہے۔ بلاشبہ ان پر سیاہ رات کی مانند فتنے امند امند کرائیں گے، اس کا آخری کنارہ اول کے ساتھ ملا ہوگا اور پے درپے آئیں گے۔ ان فتنوں کا آخری کنارہ پہلے سرے سے بدتر ہے۔ اس کے بعد فرمایا ”اے موہبہ دنیا کے خزانوں کی کنجاش مجھے پیش کی گئیں اور مجھے اس کے درمیان خیر کہا گیا کہ

اگر میں چاہوں تو دنیا میں ہمیشہ ہمیشہ رہوں یہاں تک کہ جنت میں مراتب و درجات پاؤں یا پھر یہ کہ اپنے رب تعالیٰ سے ملاقات کروں اور اس کی طرف جانے میں جلدی کروں۔ میں نے اپنے رب کی ملاقات کو ہی اختیار کیا۔ موہبہ کہتے ہیں کہ میں نے عرض کیا ”یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! کچھ عرصہ دنیا میں اور اقامت فرمائیے اس کے بعد جنت میں جائیے تاکہ آپ کی بدولت ہم بھی آسودہ رہیں“ فرمایا ”اے موہبہ! نہیں۔ میں نے اپنے رب کی ملاقات کو اختیار کر لیا ہے“ ایک روایت میں ہے کہ اس کے بعد ان صحابہ کی طرف متوجہ ہوئے جو موجود تھے اور فرمایا ”دنیا سے گزر جانے والے تم سے بہتر ہیں“ صحابہ نے عرض کیا ”یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! وہ ہمارے بھائی ہیں جس طرح وہ ایمان لائے ہیں اسی طرح ہم بھی ایمان لائے ہیں“ انہوں نے بھی اتفاق کیا ہے ہم بھی کرتے ہیں وہ بھی چلے گئے ہم بھی چلے جائیں گے۔ ان کو ہم پر فوقیت کیسے ہے؟ فرمایا وہ دنیا سے گزر گئے ہیں اور دنیا میں اپنے اجر سے کچھ نہ کھایا اور میں نہیں جانتا کہ تم میرے بعد کیا کرو گے اور تمہارے درمیان کتنے فتنے سر اٹھائیں گے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے انہوں نے فرمایا کہ ایک دن حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بقیع تشریف لے گئے اور فرمایا ”اے کاش! ہم اپنے بھائیوں کو دیکھتے“ صحابہ نے عرض کیا ”یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! کیا ہم آپ کے بھائی نہیں ہیں؟“ فرمایا ”تم میرے اصحاب ہو میرے بھائی وہ ہیں جو میرے بعد آئیں گے اور وہ ابھی پیدا نہیں ہوئے ہیں“ میں حوض پران کا فرط یعنی پیش رو ہوں گا۔ صحابہ نے عرض کیا ”یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! آپ کی امت میں جو آپ کے بعد پیدا ہوں گے اور آپ نے ان کو دیکھا نہیں ہے آپ روز قیامت ان کو کس طرح پہچانیں گے؟“ فرمایا تم میں سے کسی کے پاس بہت سے گھوڑے ہوں۔ کچھ سفید ہوں اور کچھ سیاہ کیا تم اپنے گھوڑوں کو دوسروں سے نہ پہچانو گے اور فرمایا ”روز قیامت میرے امتی اس حال میں انھیں گے کہ ان کے چہرے اور منہ آثار وضو سے تاباں ہوں گے۔ جس طرح کہ زیارت بقیع اور ان کے استغفار کے بارے میں مامور ہونا بیان کیا گیا ہے اسی طرح شہدائے احد کی زیارت اور ان کیلئے دعا کرنے کے بارے میں مامور ہونا بیان کیا گیا ہے۔

ایک روایت میں آیا ہے کہ ایک رات حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم ہوا کہ بقیع تشریف لے جا کر ان کیلئے دعا فرمائیں تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے گئے اور استغفار کر کے واپس تشریف لے آئے اور خواب استراحت فرمائی۔ پھر حکم ہوا تشریف لے جا کر بقیع والوں کیلئے استغفار فرمائیں پھر تشریف لے گئے۔ استغفار کر کے واپس آئے خواب استراحت فرمائی پھر حکم ہوا تشریف لے جا کر بقیع والوں کیلئے استغفار فرمائیں۔ پھر تشریف لے گئے اور استغفار کر کے واپس آئے خواب استراحت فرمائی۔ پھر حکم ہوا کہ جاؤ شہدائے احد کیلئے دعا فرمائیے۔ اس کے بعد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم احد تشریف لے گئے اور شہدائے احد کے حق میں دعائے خیر فرمائی۔ جب

وہاں سے واپس تشریف لائے اور احیاء و اموات کے حق میں دعا و وداع سے فارغ ہوئے تو در دس لاحق ہوا اور علیہ ہو گئے۔

نکتہ اس جگہ ایک نکتہ دل میں پیدا ہوا ہے وہ یہ کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس وقت اہل بیعت اور شہدائے احد کی زیارت اور ان کیلئے دعا و استغفار اور ان کو اس طرح وداع کرنے کا حکم ہوا جیسے کہ کسی سفر میں جاتے وقت رخصت کیا جاتا ہے۔ اس میں حکمت یہ تھی کہ چونکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو سفر آخرت درپیش تھا اس بنا پر ایک مناسبت اس عالم کی جانب رجوع اور اس جہان والوں سے خاص لگاؤ پیدا ہو جائے اور جبکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے زندوں کیلئے دعا و نصیحت فرمائی ہے اور ان کو پند و نصائح سے نوازا ہے تو اموات کو بھی دعا و استغفار اور تودیع سے سرفراز فرمایا جائے۔

اگر کوئی یہ کہے کہ گزرے ہوئے حضرات تو عالم برزخ میں ہیں اور حضور اکرم بھی اس عالم میں تشریف لے جانے والے ہیں لہذا ان کو اپنے اس ارشاد سے بشارت دی کہ **وَإِنَّا بِكُمْ لَاحِقُونَ** میں بھی تمہارے ساتھ ملنے والا ہوں تو وداع کا کیا مطلب ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ صورت میں وداع تھی۔ جیسا کہ بیان کے ضمن میں اس کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ ورنہ حقیقی وداع کیسے ممکن ہے اس لیے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا مقام اعلیٰ و رافع ہے کسی اور کو مرافقت و مصاحبت کی کہاں تاب و توان ہوگا۔ جس طرح کہ جنت میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا مخصوص مقام ہے عالم برزخ میں بھی یہی حکم رکھتا ہے۔ (واللہ اعلم)

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے کہ جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بیعت سے واپس تشریف لائے تو مجھے درد سر لاحق ہو گیا اور میں نے **”وَإِنَّا سَاءُ“** ہائے میرا سر کہنا شروع کر دیا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے میری تسلی کیلئے بطریق مزاح فرمایا **”اے عائشہ رضی اللہ عنہا! تمہیں کیا نقصان ہو گیا اگر مجھ سے پہلے تم اس جہاں سے چلی جاؤ اور میں تمہارے سر ہانے کھڑا ہوں اور تمہاری تجہیز و تکفین کا انتظام کروں۔ تم پر نماز پڑھوں اور تمہیں دفن کر کے تمہارے لیے دعا و استغفار کروں“**۔ اس پر حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے بھی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے بطور مزاح عرض کیا۔ **”میرا خیال ہے کہ آپ میرا مرنا پسند کرتے ہیں۔ اگر میری موت واقع ہو جائے تو اسی دن کسی اور عورت کو دہن بنا کے میرے گھر لے آئیں گے؟“** اس پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے تبسم فرمایا۔ فرمایا: **”اے عائشہ رضی اللہ عنہا! تمہارا درد سر تو جاتا رہے گا لیکن یہ درد سر جو مجھے لاحق ہے مشکل ہے کہ میں اس سے خلاصی پاؤں“** گویا اس طرف اشارہ فرمایا کہ اسی مرض میں میں اس جہان سے رحلت فرماؤں گا اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا (گویا کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے خوش کرنے کیلئے فرمایا) کہ میں چاہتا ہوں کہ کسی کو ابو بکر رضی اللہ عنہ اور ان کے فرزند عبد الرحمن کی طرف بھیجوں کہ وہ میرے پاس آئیں اور میں ان کے ساتھ عہد کروں یعنی عہد خلافت تاکہ کوئی کہنے والا دعوں نہ رہے اور کوئی تمنا رکھنے والا تمنا نہ کرے۔ مطلب یہ کہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے سوا کوئی دوسرا مدعی خلافت نہ بنے اور اس کی آرزو نہ کرے اس کے بعد میں نے کہا **”اس سے اللہ تعالیٰ اور مسلمان باز رکھے“**

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے مرض کی ابتداء حضرت میمونہ رضی اللہ عنہ کے گھر ان کی باری کے دن میں ہوئی تھی۔ جب مرض نے

روایت میں ہے کہ سیدہ فاطمہ الزہرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا کہ یہ بات حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر شاق ہوگی کہ آپ ہر ایک گھر کا دورہ فرمائیں۔ اس پر تمام ازواج مطہرات راضی ہو گئیں کہ آپ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے گھر اقامت فرمائیں۔ (رضی اللہ عنہا)

اس کے بعد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کے گھر سے اہل بیت میں سے دو شخصوں کے کندھوں پر اپنا دست مبارک رکھ کر اس طرح تشریف لائے کہ آپ کے قدمہائے مبارک زمین پر خط کھینچتے جاتے تھے اور آپ کے سر مبارک پر کیڑا بندھا ہوا تھا۔ آپ اس حالت میں حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے گھر تشریف لائے۔ ایک روایت میں ہے کہ چند روز تک تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ازواج مطہرات کے گھروں کا دورہ فرمایا اور ان کی باری کی رعایت فرمائی۔ یہاں تک کہ ایک دن حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کے گھر رونق افروز تھے سخت درد سراخا ہوا۔ اس پر فرمایا اب ممکن نہ رہا کہ علالت کے دوران تمہارے گھروں کا دورہ کروں تو سب نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے گھر میں اقامت فرمانے پر اتفاق کر لیا۔ ایک روایت میں ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا ”یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میری خواہش ہے کہ میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تیمارداری کا شرف پاؤں اور خدمت گزاری کا موقع مجھے ملے۔“ فرمایا ”اے ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ اگر میں بغیر اہل بیت کے تیمارداری کراؤں تو ان کی مصیبت زیادہ ہو جائے۔ بلاشبہ تمہارا اجر حق تعالیٰ پر ہے اس نیت کے سبب جو تم نے کی۔“

اس کے بعد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی علالت نے بہت شدت اختیار کر لی چنانچہ اباب سیر بیان کرتے ہیں کہ آپ اپنے بستر مبارک پر ایک پہلو سے دوسرے پہلو پر بار بار مصطر بانہ طور پر منقلب ہوتے تھے۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے عرض کیا ”یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! اگر ایسی حالت ہم میں سے کسی اور سے رونما ہوتی تو برا محسوس فرماتے اور غصہ میں آ جاتے“ فرمایا ”اے عائشہ رضی اللہ عنہا! میرا مرض انتہائی سخت ہے۔ حق تعالیٰ انبیاء و صلحاء پر ابتلا انتہائی سخت و شدید بھیجتا ہے اور کوئی مومن ایسا نہیں ہے جسے کوئی مصیبت و ایذا پہنچے حتیٰ کہ پاؤں میں کانٹا چبھے مگر یہ کہ حق تعالیٰ اس کے سبب اس کا درجہ بلند فرمائے۔ اور اس کے گناہوں کو محو فرمائے اور فرمایا ”روئے زمین پر کوئی ایسا نہیں ہے جسے مرض وغیرہ کی تکلیف پہنچے مگر یہ کہ وہ اس کے گناہوں کو اس کا جھاڑ

شدت مرض اور اس کی سختی سے جو اضطراب و بے چینی عارض ہو یہ اور بات ہے۔ یہ چیز جزع و فزع اور بلا سے ناگواری و فراری اور شکوہ و شکایت میں داخل نہیں ہے۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی حدیث جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حالت بیان میں مذکور ہوئی اس کے اثبات میں کافی ہے۔ البتہ آہ و نالہ اگر عدم رضا و تسلیم سے ہو تو مکروہ اور داخل شکوہ و شکایت ہے۔ علماء و مشائخ نے جو کراہت و شکایت کا اس پر اطلاق فرمایا ہے وہ مطلق نہیں ہے۔ بلکہ وہ بے صبری و بے رضائی سے مقید ہے۔ حضرت شیخ محی الدین نووی رحمۃ اللہ نے اگرچہ اس قول کی تضعیف و ابطال میں صراحت فرمائی ہے لیکن ساتھ ہی یہ بھی فرمایا ہے کہ ممکن ہے ان کی کراہت سے مراد خلاف اولیٰ ہو۔ اس لیے کہ اولیٰ یہ ہے کہ ذکر الہی میں مشغول ہو اور نووی کے کلام۔ اس لیے محل نظر ہے جبکہ بارگاہ نبوت علی مصدرہا الصلوٰۃ و الخیر سے یہ بات ثابت ہونے کے بعد خلاف اولیٰ کا کہنا ترک ادب ہے تو یہ بھی ذکر کی ہی ایک قسم ہے۔ البتہ یہ بات از روئے غفلت اور غلبہ طبیعت کے جوش سے ہو جیسا کہ عام لوگوں اور مبتدیان راہ کے احوال سے رونما ہوتا ہے۔ جو ضعف یقین اور قضاء سے ناگواری کے وہم کی جانب اشارہ کرتا ہے اس کو مکروہ و خلاف اولیٰ کہیں تو جائز ہے۔ لیکن اگر جبلی اور طبعی درد و الم کی خبر دینے کے طریقہ پر ہو تو کوئی مضائقہ نہیں ہے۔ اس میں سب کا اتفاق ہے۔ لہذا درد کے ذکر سے شکایت مراد نہیں ہے۔ بہت سے ایسے لوگ ہیں جو بظاہر خاموش بلب ہیں مگر دل میں شاکي ہیں۔ بہت سے ایسے حضرات ہیں جو ظاہر میں گویا ہیں اور باطن میں راضی برضا ہیں۔ لہذا معتمد و مشغول عمل قلب ہے۔ نہ کہ فعل انسان (واللہ اعلم)

احادیث صحیحہ میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بیمار کی ان کلمات کے ساتھ تعویذ واستعاذہ فرماتے کہ اَذْهَبِ الْبَاسَ رَبَّ النَّاسِ وَاَشْفِ اَنْتَ الشَّافِی لَا شِفَاءَ اِلَّا شِفَاؤُكَ لَا یُعَادِرُ سَقَمًا۔ ایک روایت میں ہے کہ جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم خود علیل ہوئے تو اپنے لیے بھی انہیں کلمات سے تعویذ فرمایا اور اپنے دست اقدس کو تمام بدن اطہر پر پھیرا اور جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے مرض و وفات میں علیل ہوئے تو میں نے یہی دعا پڑھی اور چاہا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ کو آپ کے بدن اقدس پر پھیروں تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دست مبارک مجھ سے کھینچ لیا اور فرمایا: رَبِّ اغْفِرْ لِي وَالْحَقِیْقِي بِالرَّفِیْقِ الْاَعْلٰی۔ اے رب اپنی رحمت میں لے کر مجھے رفیق اعلیٰ سے ملادے۔ ایک روایت میں یہ ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ تعویذ مجھے اس سے پہلے نفع پہنچاتا تھا اب یہ کوئی فائدہ نہ دے گا۔

مروی ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے تمام مرضوں میں رب تعالیٰ سے صحت و شفا کی دعا مانگا کرتے تھے مگر اس مرض میں جس میں آپ کی وفات ہوئی کوئی دعا نہ فرمائی بلکہ آپ اپنے آپ پر سختی فرماتے اور فرماتے ”اے نفس تجھے کیا ہو گیا ہے کہ جو تو ہر جائے پناہ و آسائش میں پناہ تلاش کرتا ہے۔ ارباب سیر نے ایسا ہی بیان کیا ہے۔ لیکن ایک اور حدیث میں سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سوتے وقت قُلْ هُوَ اللهُ اَحَدٌ، قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ، قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ پڑھا کرتے، دونوں ہاتھوں پر دم فرماتے اور پھر دونوں ہاتھوں سے جہاں تک وہ جسم اقدس میں پہنچ سکتے مسح فرماتے۔ (الحدیث) مسح بدن اقدس میں اپنے سر اقدس اور اپنے سینہ منورہ سے ابتداء فرماتے تھے۔ ایک روایت میں آیا ہے کہ جب بھی علیل ہوتے تو ایسا ہی فرماتے اور جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اس بیماری سے جس میں آپ نے وفات پائی علیل ہوئے تو میں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت شریفہ کے بر مطابق معوذتین کو پڑھ کر آپ پر دم کیا اور اپنے ہاتھوں پر دم کیا۔ ایک روایت میں ہے کہ میں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دست اقدس پر دم کیا اس امید کے ساتھ کہ آپ کا دست اقدس حصول برکت میں عظیم تر ہے اور اس کی برکت میرے ہاتھ سے زیادہ ہے۔ یہ پڑھنا اور دم کرنا حصول شفا کی غرض سے نہ تھا بلکہ بر طریقہ و رد تھا۔ جسے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بہ نیت

شفا پڑھا کرتے تھے۔ یا یہ ابتدائے مرض میں ہوگا قبل اس کے کہ آپ کو اس عالم میں رہنے یا اس جہان سے جانے کے درمیان اختیار دیا گیا اور آپ نے عالم آخرت کو اختیار فرمایا۔ جیسا کہ حدیث صحیح میں آیا ہے کہ جبرائیل علیہ السلام اس علالت کے زمانہ میں بارگاہ حق سبحانہ تعالیٰ کے پاس سے آئے اور پیغام پہنچایا کہ ”اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) حق تعالیٰ آپ پر سلام بھیجتا ہے اور فرماتا ہے کہ اگر آپ چاہیں تو میں شفا دیدوں اور اس مرض سے نجات دلا دوں۔ اگر آپ چاہیں تو آپ کو اس میں وفات دیدوں اور مستغرق دریائے رحمت فرما دوں تو میں نے یہی چاہا کہ رفیق اعلیٰ سے ملوں اور ان میں سے ہو جاؤں جن کیلئے حق تعالیٰ نے فرمایا: مَعَ الَّذِينَ أَنْعَمَ اللَّهُ عَلَيْهِمْ مِنَ النَّبِيِّينَ وَالصِّدِّيقِينَ وَالشُّهَدَاءِ وَالصَّالِحِينَ وَحَسُنَ أُولَٰئِكَ رَفِيقًا۔ ایک روایت میں آیا ہے کہ جبرائیل علیہ السلام سے فرمایا ”اے جبرائیل علیہ السلام! میں نے آج اپنے آپ کو اپنے رب کے سپرد کر دیا ہے وہ جو چاہے میرے ساتھ کرے۔“

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی علالت کی ابتداء اور آخر صفر میں تھی ماہ صفر کی دو راتیں باقی تھیں۔ ایک روایت میں ہے کہ بدھ (چار شنبہ) کا دن تھا اور ایک روایت میں شروع ماہ ربیع الاول آیا ہے۔ کتاب الوفاء میں کہا گیا ہے کہ ماہ صفر کی دو راتیں باقی تھی جب مرض کی ابتداء ہوئی۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مدت علالت میں اہل سیر کا اختلاف ہے۔ اکثر کا مذہب یہ ہے کہ یہ تیرہ روز تھے۔ ایک اور روایت میں چودہ روز ہے اور بعض نے بارہ روز بیان کیا ہے۔ ایک گروہ کا مذہب یہ ہے کہ یہ دس روز ہیں اور یہ اختلاف ابتدائے مرض اور روز وفات میں اختلاف کا شاخسانہ ہے۔

نفس اسلام

WWW.NAFSEISLAM.COM

باب دوم

ان واقعات کے بیان میں جو ایام مرض میں واقع ہوئے

افاقہ ہوا تو فرمایا کہ یہ کام کس نے میرے ساتھ کیا ہے؟ غالباً ان عورتوں نے کیا ہے جو جوشہ سے آئی ہوئی ہیں۔ پھر ام سلمہ رضی اللہ عنہا اور اسماء بنت عمیس کی طرف اشارہ کر کے فرمایا ”اے عورتو! تم نے میرے ساتھ ایسا عمل کیوں کیا باوجودیکہ میں تم میں اس سے منع کرتا رہا۔ انہوں نے عرض کیا ہمارا خیال ہے کہ آپ کو ذات الجنب ہے اور آپ کا منع فرمانا مریضوں کی عادت کی بنا پر ہے کہ وہ دوا کو ناپسند کرتے ہیں۔ اس کے بعد ان عورتوں نے عذر خواہی میں کہا کہ حضرت بھی موجود تھے۔ پھر فرمایا ”کس چیز سے دوا تیار کی؟ انہوں نے کہا کہ عود ہندی، کچھ درس اور چند قطرے زیتون کے تیل سے دوا تیار کی تھی۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ”ذات الجنب شیطان سے ہے اور حق تعالیٰ نے شیطان کو قدرت نہیں دی کہ وہ مجھ پر غالب آ سکے۔ اس کے بعد حکم فرمایا کہ ”گھر میں کوئی باقی نہ رہے مگر یہ کہ اس کے منہ میں یہ دوا چپائی جائے۔ بجز میرے چچا عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے کہ وہ اس میں شریک نہیں تھے۔ اس کے بعد ان سب کے منہ میں وہ دوا چپائی گئی حتیٰ کے میمونہ کے بھی باوجودیکہ وہ روزے سے تھیں۔ ان عورتوں کے منہ میں اس دوا کا ٹپکانا از قبیل قصاص و سزا کا تھا۔ جو احکام شریعت میں سے ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے چاہا کہ امت کو آخری وقت میں بھی دائرہ سیاست سے باہر نہ کریں احکام شریعت جاری فرمائیں اور جو کوئی کسی کی رضا مندی کے بغیر غلط گمان سے اس کے ساتھ عمل کرے خصوصاً ناواقفی سے کوئی علاج کرے اس پر اس کا قصاص واجب ہے اور یہ اختیار ہے کہ چاہے تو قصاص لیلے یا اسے معاف کر دے۔

شریعت مطہرہ میں حکم ہے کہ اگر کوئی طب نہیں جانتا اور اس میں مہارت نہیں رکھتا۔ وہ جاہل ہے جہالت کے ساتھ دوسروں کا علاج کرتا ہے اور اس سے نقصان پہنچتا ہو تو اس پر قصاص لازم ہے۔ حدیث میں مروی ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مَنْ تَطَيَّبَ وَكَمْ يَعْلَمُ مِنْهُ الطَّبُّ قَبْلَ ذَلِكَ فَهُوَ ضَامِنٌ جو معالج کرتا ہے اور وہ پہلے سے طب نہیں جانتا تو وہ ضامن ہے۔ اگرچہ یہ تمام عورتیں اس فعل میں شریک وہم مشورہ نہ تھیں۔ لیکن سب کو اس بنا پر سزا دی کہ وہ اس عمل میں رضا مند تھیں۔ یہاں تک کہ منع کرنے کے باوجود وہ باز نہ آئیں۔ بعض علماء فرماتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے پسند نہ فرمایا کہ کل قیامت میں یہ عورتیں اس حال میں آئیں کہ ان پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ایذا رسائی کا جرم عظیم ہو اور بے ادبی و جرات پر ان سے مواخذہ ہو۔ اس بنا پر ان کو قصاص لے کر پاک و صاف فرمایا۔ اگرچہ معاف فرمادینے کی بھی گنجائش تھی اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت کریمہ تھی کہ اپنے لیے قصاص نہیں لیتے تھے۔ لیکن مقصود ادب سکھانا تھا نہ کہ انتقام لینا اور علاج کرنا۔ اگرچہ مشروع ہے اور جس دوا سے ان عورتوں نے علاج کیا ذات الجنب کا علاج تھا۔ جیسا کہ طب نبوی اور احادیث میں آیا ہے لیکن اس مرض میں مرضی مبارک نے یہ طے کیا تھا کہ علاج نہ کیا جائے جیسا کہ گزر اور واقعی آپ کو ذات الجنب نہ تھا۔

تنبیہ: طب کی کتابوں میں بتایا گیا ہے کہ ذات الجنب ورم حار ہے۔ جو سینہ کے نواح میں عضلات باطنہ اور حجاب داخل یا حجاب حاجز آلات غذا اور آلات نفس کے درمیان ہوتا ہے اس مرض کا نام حایلض ہے۔ یہ بہت زیادہ خطرناک اور تشویشناک مرض ہے یا یہ ورم عضلات خارجہ ظاہرہ میں حجاب خارج کے ساتھ بمشارکت جلد ہو۔ ذات الجنب کے اعراض حمی حادہ، کھانسی، سانس کی تنگی، درد سے ابھرتا، سار، اور ذہن، کا اختلاط ہر، الغرض۔ مرض، امراض، شد مدہ اور مملکہ میڑ، سے۔ اس کے لئے کہ۔ دل، اور جگر کے درمیان، پیدا ہوتا

معنا ۳۱۔ اگر ۱۰۰۰ روپیہ کا صفا ہو تو اس کا علاج اس سے زیادہ سخت کرنا چاہیے جیسا کہ طب کی کتابوں میں مذکور ہے۔



خیال میں کیا تھا۔ یعنی کوئی چیز حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات کے آخری وقت میں تھی اور کوئی ایسی وصیت عالم وجود میں آتی جس سے رفع اختلاف و نزاع کا سبب بنتا۔ زیادہ تر وہ بات جو لوگوں کے سمجھ میں آتی ہے اور اس طرف ان کا خیال جاتا ہے یہ ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا مقصد تعین خلافت تھا کہ آپ کے بعد کون خلیفہ ہو۔ لیکن حدیث کے لفظوں میں اس حالت پر کوئی دلیل نہیں ہے خدا ہی جانتا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا کیا ارادہ تھا۔ ظاہر یہ ہے کہ احکام و شرائع، فرائض، اس کے ضروریات کی تجدید و بیان فرماتے اور ان کی یادداشت کیلئے کچھ مواظظ و نصائح مناسب حال بیان فرماتے۔ جیسا کہ ان کا ذکر مذکورہ وصیت میں ہوا ظاہر فرماتے۔ معلوم ہوا کہ وحی نازل تھی اور اس کا حکم نہیں دیا گیا تھا ورنہ اس سے عدول و سکوت کی کوئی صورت نہ ہوتی اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے وزیر تھے اور مصالح وقت اور صلاح کار کو خوب جاننے والے تھے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی ان کو اس سے منع نہ فرمایا جیسا کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث میں آیا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ اعلان کر دو جو کوئی صدق دل سے لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ کہے گا اس پر آتش دوزخ حرام ہے۔ اس پر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو روک دیا اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا ”یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! لوگوں کو عمل کرنے کیلئے چھوڑ دیجئے اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی عرض کو قبول فرمایا۔ جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ سنا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ”حَسْبُنَا كِتَابُ اللَّهِ“ ہمیں خدا کی کتاب کافی ہے تو سکوت فرمایا اور اطمینان خاطر حاصل ہو گیا اور جان لیا کہ یہ حضرات دین پر راسخ و ثابت ہیں۔ مزید کسی چیز کی ضرورت نہیں ہے اور بلند آوازی چونکہ اچھا معلوم نہ ہوا تو فرمایا ”اٹھ جاؤ اور چلے جاؤ“ ممکن ہے اہل تشیع کے ذہن میں یہ سمایا ہو کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو نصب فرمانا چاہتے تھے

ابوبکر رضی اللہ عنہ نہ تھے۔ پھر انہوں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے کہا کہ لوگوں کو نماز پڑھائیں۔ پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے تکبیر کہی چونکہ وہ بلند آواز تھے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے انکی آواز سن لی۔ اس پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ”حق تعالیٰ منع فرماتا ہے کہ تم میری آواز نہ سناؤ۔“



کھڑے ہوں گے تو لوگوں کو قرآن نہ سناسکیں گے۔ اگر عرضی اللہ تعالیٰ عنہ کو فرمائیں تو ہو سکتا ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کہو کہ لوگوں کو نماز پڑھائیں۔ پھر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا سے کہا کہ ”تم حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کرو کہ ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نرم دل شخص ہیں جب وہ آپ کے مصلے پر کھڑے ہوں گے تو لوگوں کو قرآن نہ سناسکیں گے۔ اس پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ”اے عورتو! تم یوسف کی صواحب ہو۔ مطلب یہ کہ تم زبان سے کچھ کہتی ہو اور دل میں کچھ اور ہے ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کہو کہ نماز پڑھائیں۔“ پھر جب حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے نماز شروع فرمائی تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے آپ میں کچھ افتادہ محسوس فرمایا اٹھے اور اس حال میں تشریف لے چلے کہ دو آدمیوں کا سہارا لیے ہوئے تھے اور آپ کا قدم اقدس زمین پر نقش کھینچتا جاتا تھا۔ یہاں تک کہ مسجد شریف میں تشریف لائے جب حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے محسوس کیا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لا رہے ہیں تو چاہا کہ پیچھے ہٹ آئیں۔ مگر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اشارہ فرمایا کہ ”اپنی جگہ کھڑے رہو۔“ اس کے بعد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بائیں جانب آ کے بیٹھ گئے۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کھڑے رہے۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نماز میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتداء کر رہے تھے اور لوگ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اقتداء کر رہے تھے۔ مطلب یہ کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تکبیر کے ذریعہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے انتقالات اور افعال پر مطلع ہو رہے تھے۔ بعض روایتوں میں آیا ہے کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ امام تھے اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مقتدی۔ علماء فرماتے ہیں کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی امامت پر روایتیں متعدد ہیں جب نماز سے فارغ ہوئے تو حضرت صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں خدا کے فضل و نعمت کے ساتھ صبح کو بارگاہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم میں حاضری دوں گا۔ اس کے بعد حضرت صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ اجازت لے کر اپنے گھر چلے گئے۔ آپ کا گھر مقام خ میں تھا یہ جگہ مدینہ طیبہ کے بالائی حصہ میں ہے۔

حضرت صدیق اکبر اور حضرت عبدالرحمن بن عوف کی اقتدا میں نماز پڑھنا

حضرت صدیق اکبر اور حضرت عبدالرحمن بن عوف کی اقتدا میں نماز پڑھنا

مخفی نہ رہنا چاہیے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو امامت کے لیے خاص فرمانے اور اس میں مبالغہ و اصرار فرمانے میں اہل سنت و جماعت کیلئے آپ کی تقدیم خلافت پر واضح دلیل ہے باوجودیکہ صحابہ قریش اور حضرت علی مرتضیٰ رضوان اللہ علیہم اجمعین بھی موجود تھے مگر ان کو خاص کیا اور آگے بڑھایا۔ اسی بنا پر حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا: قَدْ مَلَكَ رَسُولُ اللَّهِ فَمَنْ أَلَذَى يُؤَخَّرُكَ. اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو آگے بڑھایا اور مقدم فرمایا تو کون ہے جو آپ کو موخر کرے۔ اسد الفابہ میں بروایت حسن بصری، حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ سے مروی ہے کہ فرمایا ”اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تقدیم فرمائی اور انہوں نے لوگوں کو نماز پڑھائی۔ میں موجود تھا غائب نہ تھا، تندرست تھا بیمار نہ تھا۔ اگر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم چاہیں تو مجھے آگے بڑھا سکتے تھے۔ لہذا ہم اپنی دنیا کیلئے اس شخص پر راضی ہو گئے۔ جس پر خدا اور اس کا رسول ہمارے دین کیلئے راضی ہوا۔

ربا خلافت سے دنیا کو موسوم فرمانا تو یہ ظاہری اعتبار سے ہے۔ جس میں دین اور دنیا کے امور دونوں شامل ہیں اور نماز خالص دین ہے۔ نیز ایک مرتبہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی حیات طیبہ کے زمانہ میں قبائش شریف کی جانب بنی عمر کے قصبے اور نزاع کو طے کرنے کیلئے جو وہاں کے رہنے والوں سے تھے تشریف لے گئے۔ جب نماز کا وقت آیا تو حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کہا ”کیا رائے ہے نماز کا وقت ہو گیا ہے اذان کہہ دوں شاید کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بھی تشریف لے آئیں۔ جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے آنے میں تاخیر ہو گئی تو تمام صحابہ نے متفقہ طور پر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو نماز کیلئے آگے بڑھا دیا۔ اچانک حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بھی تشریف لے آئے تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے چاہا کہ اپنی جگہ سے پیچھے آئیں۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم آگے تشریف لائیں اور لوگوں کو نماز پڑھائیں۔ اس پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اشارہ فرمایا کہ اپنی جگہ رہو۔ پھر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے پیچھے نماز پڑھی۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ تمام صحابہ پر مقدم و متعین تھے۔

قبر کے سامنے سجدہ کرنے کی ممانعت: ان میں سے ایک واقعہ یہ ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے وفات سے پانچ دن پہلے فرمایا ”جان لو اور آگاہ ہو جاؤ کہ تم سے پہلے ایسے لوگ گزرے ہیں۔ جنہوں نے اپنے انبیاء و صلحا کی قبروں کو مساجد یعنی سجدہ گاہ بنالیا تھا۔ تمہیں لازم ہے کہ ایسا نہ کرنا۔ ایک روایت میں آیا ہے کہ فرمایا لَعَنَ اللَّهُ الْيَهُودَ وَالنَّصَارَى اتَّخَذُوا قُبُورَ أَنْبِيَائِهِمْ مَسَاجِدَ. اللہ کی لعنت ہو یہود و نصاریٰ پر کہ انہوں نے اپنے نبیوں کی قبروں کو مسجد بنالیا۔ ایک روایت میں ہے کہ فرمایا ”اے خدا میری قبر کو میرے بعد بت نہ بنانا۔ خدا کا غضب اور اس کا قہر ان لوگوں پر زیادہ ہو جنہوں نے اپنے نبیوں کی قبروں کو سجدہ گاہ بنالیا۔ بلاشبہ اے مسلمانو! میں تمہیں اس سے منع فرماتا ہوں اور فرمایا: أَلَا هَلْ بَلَغْتُ اللَّهُمَّ أَشْهَدُ اللَّهُمَّ أَشْهَدُ. خبردار میں نے تمہیں خبردار کر دیا، اے خدا گواہ رہ، اے خدا گواہ رہ، یہ مخالفت میں مبالغہ و تاکید ہے۔ تاکہ جان لیں کہ یہ بات بہت شنیع و بری ہے۔ اس کلام کی تفصیل یہ ہے کہ قبروں کو مساجد بنانے سے مراد قبر کی جانب سجدہ کرنا ہے۔ یہ دو طرح پر مقصود ہیں ایک یہ کہ قبروں کو سجدہ کریں اور مقصود ان کی پرستش ہو جس طرح کہ بت پرست کرتے ہیں۔ دوسرا یہ کہ منظور مقصود تو حق تعالیٰ کی ہی عبادت ہو لیکن اعتقاد یہ کریں کہ نماز و عبادت کے حق میں ان قبروں کی طرف رخ کرنا موجب قرب حق باعث رضائے الہی ہے اور حق تعالیٰ کے نزدیک موقع عظیم ہے۔ بر بنائے ان کی عبادت کے ساتھ شامل ہونے کے اور یہ بات کہ یہ اپنے نبی کی تعظیم مبالغہ ہے۔ یہ دونوں صورتیں نامقبول اور غیر مشروع ہیں۔ پہلی صورت تو خود شرک جلی اور کفر صریح ہے۔ دوسری صورت بھی حرام و ممنوع ہے کیونکہ یہ شرک خفی پر مشتمل ہے۔ دونوں صورتوں پر لعنت متوجہ ہے اور کسی

مرد صالح یا کسی نبی کی قبر کی جانب تبرک و تعظیم کی قصد سے نماز پڑھنا حرام ہے۔ علماء میں سے کسی کا اس میں اختلاف نہیں ہے۔ اب رہی یہ بات کہ ان کے قرب و جوار میں کوئی مسجد بنانا اور قبر کی طرف رخ کیے بغیر نماز پڑھنا تا کہ اس جگہ کی مجاورت و مسابغی حاصل ہو جائے۔ جہاں جد مطہرہ انسانی ہے اور ان کی روحانیت و نورانیت کی امداد سے عبادت کامل و مقبول ہو جائے تو اس شکل میں یہ حکم لازم نہیں آتا۔ اس میں کوئی مضائقہ نہیں ہے ان سب شیخ ابن حجر نے شرح مشکوٰۃ میں بیان فرمایا ہے۔

ایک اور بات یہ ہے کہ بعض لوگ قبرستان و مقبرہ میں نماز پڑھنے سے منع کرتے ہیں اور اس باب میں ایک حدیث بیان کرتے ہیں تو ان کا یہ منع کرنا مطلقاً ظاہر حدیث پر نظر کے ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ اگر زمین اس پیپ و خون اور نجاستوں سے پاک و صاف ہو جو اموات سے نکلتی ہیں تو جائز ہے اور مذہب مختار ہے۔

قبر کو بوسہ دینا اسے سجدہ کرنا اور پیشانی رکھنا حرام و ممنوع ہے۔ والدین کی قبر کو بوسہ دینے میں فقہی روایت نقل کرتے ہیں مگر صحیح یہ ہے کہ جائز نہیں ہے۔

رحلت کی رات چراغ میں تیل تک نہ تھا: زمانہ علالت کے واقعات میں سے ایک واقعہ یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے کاشانہ اقدس میں سات دینار تھے۔ ظاہر ہے یہ دینار کہیں سے لائے گئے ہوں گے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سب کو فقراء پر تقسیم کر دیا۔ بجز چھ سات درہم کے جو گھر میں باقی رہے اس کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم دنیا سے اس وقت تک تشریف نہ لے گئے جب تک کہ ان سب کو خرچ نہ فرمادیا۔ حضرت سہل بن بعدی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس سات دینار تھے جو حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس رکھے تھے۔ جب علیل ہوئے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ان سونے کے پتھروں کو بھیج دو تا کہ خرچ ہو جائیں۔ اس کے بعد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بیہوش ہو گئے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت گزاری کی مشغولیت نے اس سے باز رکھا۔ یہاں تک کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تین مرتبہ فرمایا اور ہر بار بیہوشی عارض ہوتی رہی اور حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا عمل نہ کر سکیں۔ اس کے بعد ان کو حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے پاس بھیجا کہ وہ انہیں صدقہ کر دیں۔ ایک روایت میں ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حال میں کہ آپ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے سینہ سے ٹیک لگائے ہوئے تھے۔ فرمایا: ”اے عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا! وہ دنیا پر کہاں ہیں؟“ عرض کیا ”میرے پاس ہیں“ فرمایا ”ان کو خرچ کر دو“ اور بے ہوش ہو گئے۔ جب ہوش آیا تو فرمایا ”کیا تم نے ان کو خرچ کر دیا؟“ عرض کیا میں ابھی نہیں کر سکی پھر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے طلب فرمایا اور ان دنیا پر کو اپنے دست میں رکھ کر فرمایا ”اے دنیا پر! کیا تیرا خیال یہ ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اپنے رب سے اس حال میں ملے گا کہ تو میرے پاس موجود ہو؟“ اسے پہنچتی نے روایت کیا۔

جب دوشنبہ (پیر) کی شام ہوئی تو حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے کسی انصاری عورت کے یہاں کسی کو چراغ لے کر بھیجا اگر تمہارے گھر تیل ہو تو اس میں چند قطرے ڈال دیں کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نزع کے عالم میں ہیں۔ سبحان اللہ! ابھی ابھی سات دینار صدقہ فرمائے گئے ہیں اور گھر میں چراغ کے اندر تیل تک موجود نہیں ہے۔ اس میں مدعیان طریقہ اتباع کیلئے نصیحت ہے کہ دیکھیں کہ گھر میں کچھ نہیں رکھتے اور جو مال ہوتا بھی ہے اسے خرچ کر دیتے ہیں۔ جو خدا اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت اور اتباع کا دعویٰ رکھتے ہیں وہ اس کی پیروی کریں۔

انصار کے حق میں وصیت: ان واقعات میں سے ایک واقعہ انصار کے حق میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا وصیت فرمانا ہے۔ ارباب سیر بیان کرتے ہیں کہ زمانہ علالت میں ایک دن حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو کچھ آفاقہ تھا۔ باہر تشریف لائے اور جماعت

کے ساتھ نماز پڑھی اور خطبہ دیا۔ فرمایا: اِنَّ الْاَنْصَارَ عَجَبَتْنِي۔ بے شک انصار بمنزلہ غیبی، یعنی بچہ و صندوق کے ہیں جس میں کپڑے اور قیمتی سامان رکھا جاتا ہے۔ ایک روایت میں ہے ”کَوْنُ شَيْءٍ وَعَجَبَتْنِي“ کتنی معجزے کو کہتے ہیں یعنی پیٹ۔ انصار کو کرش وغیب سے تعبیر فرمایا۔ گویا وہ میرے خاص اور میرے محل اسرار ہیں“ فرمایا ”میں نے ان کی طرف ہجرت کی اور انہوں نے مجھے جگہ دی“ میرے ساتھ محبت و اخلاص اور دوستی و مروت کا برتاؤ کیا۔ تمہارے ساتھ بھی اس طرح پیش آئے۔ قسم ہے اس خدائے عزوجل کی جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے میں ان سے محبت رکھتا ہوں۔“

ارباب سیر بیان کرتے ہیں کہ جب انصار نے دیکھا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم روز بروز زیادہ علیل ہوتے جاتے ہیں تو وہ اپنے گھروں میں صبر و قرار سے نہ رہ سکے اور حیران و پریشان مسجد کے گرد گھومنے لگے۔ کہتے ہیں کہ ہمیں اندیشہ ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم دنیا سے تشریف نہ لے جائیں اور ہم نہیں جانتے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے تشریف لے جانے کے بعد ہمارا کیا حال ہوگا۔ جب انصار کی حالت کی کیفیت حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کی گئی تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اٹھے اور ایک دست مبارک حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے کندھے پر رکھا اور دوسرا دست مبارک حضرت فضل بن عباس رضی اللہ عنہ کے کندھے پر رکھا۔ قدم اقدس سے زمین پر نقش فرماتے ہوئے باہر تشریف لائے۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہ آگے چلتے تھے یہاں تک کہ مسجد شریف میں آگئے اور منبر شریف کے پہلے درجہ پر نشست فرمائی۔ سر مبارک پہ پٹی بندھی ہوئی تھی۔ اس کے بعد صحابہ جمع ہونے لگے۔ بعد از حمد و ثنائے الہی فرمایا۔ ”اے لوگو! مجھے معلوم ہوا ہے کہ تم میری وفات سے ڈرتے ہو گویا تم موت کے منکر ہو اور کس طرح تم نبی برحق کی وفات کا انکار کر سکتے ہو حالانکہ تمہیں میری وفات سے اور تمہارے مرنے سے خبردار کر دیا گیا ہے کیونکہ حق تعالیٰ فرماتا ہے: اِنَّكَ مَيِّتٌ وَّ اَنْتُمْ مَيِّتُونَ۔ اے محبوب تمہیں بھی موت آنی ہے اور ان لوگوں کو بھی مرنا ہے۔“ فرمایا: ”کوئی نبی بھی اپنی قوم میں ہمیشہ ہمیشہ نہیں رہا۔“

وصیت کرتا ہوں کہ انصار کے ساتھ حسن سلوک کا برتاؤ کرنا اور میں مہاجرین کو بھی وصیت کرتا ہوں کہ ایک دوسرے کے ساتھ خیر خواہی سے رہنا۔ اس کے بعد سورۃ العصر آخرتک پڑھی اور اس آیت کریمہ کو پڑھا۔ فَهَلْ عَسَيْتُمْ اِنْ تَوَلَّيْتُمْ اَنْ تُفْسِدُوا فِي الْاَرْضِ وَ تَقَطَّعُوا اَرْحَامَكُمْ۔ تو کیا تمہارے یہ لہجھن نظر آتے ہیں کہ اگر تمہیں حکومت ملے تو زمین میں فساد پھیلاؤ اور اپنے رشتہ کاٹ دو۔ اس آیت کریمہ میں ان بادشاہوں اور امراء مروانیہ و عباسیہ کی طرف اشارہ ہے جنہوں نے اہل بیت نبوت کے ساتھ ظلم و ستم کیا۔ اور فرمایا: ”میں تمہیں انصار کے حق میں وصیت کرتا ہوں“ فرمایا ”اے انصار! میرے بعد ایک جماعت تم سے ایثار و اختیار چاہے گی اور وہ تم سے خیر خواہی کرے گی۔“

گئے۔ حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو بلایا اور فرمایا کہ لوگوں میں اعلان کر دو تا کہ سب جمع ہو جائیں کیونکہ میں چاہتا ہوں انہیں بھی وصیت کر دوں اور کہو کہ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی آخری وصیت ہے۔ حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے حکم کے بموجب عمل کیا اور مدینہ طیبہ کے بازاروں میں منادی دی۔ تمام لوگ چھوٹے بڑے جنہوں نے اعلان سنا۔ اپنے گھروں اور دوکانوں کو یونہی کھلا چھوڑ کر نکل آئے اور اتنے لوگ حاضر ہو گئے کہ مسجد میں ان کی گنجائش نہ رہی۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اَوْسِعُوا لِمَنْ وَرَاءَكُمْ۔ اپنے پیچھے والوں کیلئے جگہ دو۔ اس کے بعد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے خطبہ بلیغ و طویل ارشاد فرمایا اور تمام احکام و شرائع وقت کے مناسب پند و نصائح اور آداب تعلیم فرمائے اور خبردار کرتے ہوئے فرمایا: ”اے لوگو! تم سے میرے جدا ہونے کا وقت قریب آ گیا ہے جس کسی کا کوئی حق مجھ پر ہو وہ مجھ سے اپنا حق لے لے اور جان و مال اور سامان جس سے چاہے اس کا قصاص لے لے۔“ ایک شخص کھڑا ہوا اور عرض کیا ”یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میرے آپ پر دو تین درہم ہیں“ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ”میں کسی کو نہیں جھٹلاتا اور نہ قسم کسی کو دیتا ہوں یہ تین درہم کس سلسلہ کے ہیں؟“ اس نے کہا ”ایک دن ایک فقیر آپ کے پاس آیا تھا آپ نے مجھ سے فرمایا کہ اسے تین درہم دیدو“ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ”اے فضل رضی اللہ عنہ اسے تین درہم دیدو اور فرمایا ”اے لوگو! جس کسی پر جو حق ہو اس پر چاہیے کہ وہ آج اپنی گردن سے اتار لے اور یہ خیال نہ کرے کہ میں فضیحت سے ڈرتا ہوں۔ جان لو اور آگاہ ہو جاؤ کہ دنیا کی فضیحت آخرت کی فضیحت سے آسان ہے“ اس پر ایک شخص کھڑا ہوا اور کہا کہ میں نے تین درہم کی مال غنیمت سے خیانت کی تھی جو میری گردن پر ہے“ فرمایا ”تو نے کیوں خیانت کی تھی“ اس نے کہا ”یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میں اس کا ضرورت مند تھا“۔ فرمایا: ”اے فضل رضی اللہ عنہ! اسے اس کی طرف سے اتار دو“ اس کے بعد فرمایا ”اے لوگو! جس کسی میں کوئی ایسی صفت ہو جو وہ دے جاتا ہو چاہیے کہ وہ کھڑا ہو جائے تا کہ میں اس کیلئے دعا کروں“۔ ایک شخص کھڑا ہوا اور کہنے لگا ”یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میں کذاب، فحش گویا اور بہت سوتا ہوں“ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا فرمائی۔ ”اے خدا! اسے سچائی نصیب فرما اور اس کی نیند کو اس سے دور فرما جبکہ یہ بیداری چاہتا ہو“ ایک اور شخص کھڑا ہوا اور کہنے لگا ”یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میں کذاب، منافق ہوں اور کوئی برائی ایسی نہیں ہے جو مجھ سے وجود میں نہ آئی ہو“ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے کہا ”اے شخص تو اپنے آپ کو رسوا کرتا ہے“ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ”دنیا کی رسوائی آخرت کی رسوائی سے آسان ہے“ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا فرمائی ”اے خدا! اسے صدق و راستی اور ایمان نصیب فرما اور اس کے دل کو برائی سے دور رکھ۔ نیکی کی طرف مائل فرما“ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کوئی بات ایسی کہی جس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہنس پڑے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ”عمر رضی اللہ عنہ میرے ساتھ ہے اور میں عمر رضی اللہ عنہ کے ساتھ ہوں اور حق عمر رضی اللہ عنہ کے ساتھ ہوگا جس طرف بھی وہ ہوں گے۔ اس کے بعد اسی قسم کے وعظ و نصیحت و تذکیر فرمائی۔ کاشانہ اقدس میں تشریف لے آئے۔ اسی طرح حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام صحابہ کے حق میں فرمایا۔ فرمایا: ”میں تمہارے کفر و شرک میں مبتلا ہونے سے بے خوف ہوں (کہ تم میرے بعد کفر و شرک میں تو مبتلا نہیں ہو گے) لیکن دنیا سے مامون نہیں ہوں کہ تم اس طرف رغبت نہ کرو گے۔ ایک دوسرے کے ساتھ تغافل کرو گے اور اپنی ازواج مطہرات کو نصیحت فرمائی۔ فرمایا: تم پر لازم ہے کہ تم اپنے گھر کے گوشہ میں محفوظ رہو اور خود کو ناحرم سے مصون و مستور رکھو اور اس آیت کریمہ کو پڑھا۔ وَقَرْنَ فِي بُيُوتِكُنَّ وَلَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاهِلِيَّةِ الْأُولَى۔

مسواک فرمانا: منجملہ واقعات ایک واقعہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا وفات سے قبل مسواک فرمانا ہے۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم میری آغوش اور سینہ سے ٹیک لگائے ہوئے تھے۔ اچانک حضرت عبدالرحمن بن ابی بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہما داخل ہوئے ان کے ہاتھ میں سبز مسواک تھی۔ تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی نظر مبارک

مسواک کی طرف دراز فرمائی۔ میں نے جان لیا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ان کی مسواک کو پسند فرما رہے ہیں اور اس کی ضرورت محسوس فرما رہے ہیں۔ پھر میں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا۔ کیا میں اسے آپ کیلئے لے لوں؟ ”حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے سر مبارک سے اشارہ فرمایا کہ ہاں لے لو“ میں نے لے کر اسے نرم کیا پھر مسواک حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دست مبارک میں دیدی۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے خوب مسواک فرمائی اور اس سے زیادہ فرمائی جتنی آپ کی عادت کریمہ تھی۔ اس کے بعد مجھے واپس کی تو حق تعالیٰ نے اس دنیا کے آخری دن میں میرے لعاب دہن کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے لعاب دہن میں ملا دیا۔ جو کہ روز آخرت کا پہلا دن تھا۔ اس سے معلوم ہوا کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تمام ازواج مطہرات پر اس سے فخر کا اظہار کرتی تھیں اور فرماتی تھیں کہ مجھ پر اللہ تعالیٰ کی یہ نعمتوں میں سے ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے گھر میں میری باری کے دن میں میرے آغوش میں اور میرے حجرے میں میرے سحر و نحر میں وفات پائی اور میرا لعاب دہن آپ کے لعاب دہن میں رحلت کے وقت شامل تھا۔

مواہب لدنیہ میں ایک حدیث ہے جسے عقلی نے بیان کیا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے فرمایا کہ میرے لیے تر مسواک لاؤ اور اسے نرم کرو پھر مجھے دو کہ میں اسے چپاؤں تاکہ میرا لعاب تمہارے لعاب کے ساتھ مل جائے اور یہ مجھ پر موت آسان کر دے۔

(شیخ محقق رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں) حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی چپائی ہوئی مسواک کو استعمال کرنا۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے ایک فعل کا بدلہ ہے۔ وہ یہ کہ ایک مرتبہ صحت کی حالت میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مسواک فرما رہے تھے اس کے بعد وہ مسواک حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو دی کہ اسے پانی سے دھو دیں تو حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے پہلے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مسواک کو اپنے منہ میں لے کر چوسا اس کے بعد دھو کر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو پیش کر دی۔ (حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے اس دن کے عمل کا بدلہ اب آخر وقت میں عطا فرمایا) لیکن اس روایت میں غربت و ندرت یہ ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ”مسواک کو چبا کر مجھے دو کہ میں چپاؤں تاکہ مجھ پر موت آسان ہو جائے“ اس میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کیلئے انتہائی اعزاز و اکرام اور ان کے ساتھ محبت کا اظہار ہے۔ صاحب مواہب لدنیہ اس بات کی شرح میں اور اس معنی کے بیان میں حضرت حسن بصری رضی اللہ عنہ سے نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا چونکہ انسان طبعی طور پر موت کو ناگوار جانتا ہے لیکن حق تبارک و تعالیٰ نے انبیاء علیہم السلام اور اپنے محبوبوں پر اپنے دیدار کے ذریعہ اور ہر اس چیز کے ذریعہ جس کو وہ تحائف و کرامات امدادات و اعانات میں سے پسند کرتے ہیں موجود کر کے آسان فرمادیا۔ یہاں تک کہ ان کی جان ان کے دو پہلوؤں کے درمیان سے قبض کی جاتی ہے۔ مسلمانوں کی روحیں اس حال میں قبض کی جاتی ہیں کہ وہ اللہ تبارک و تعالیٰ کی حمد و ثناء میں مشغول ہوتے ہیں۔ جبکہ یہ صورت مسلمانوں کی ہے تو انبیاء علیہم السلام اور خاص کر سید انبیاء علیہ الصلوٰۃ والتسلیمات کا کیا مقام ہوگا۔ انبیاء علیہم السلام کو موت و بقا میں سے کسی کو اختیار کرنے کے بارے میں جو حق تعالیٰ کی سنت جاری ہے۔ اس کی مصلحت بھی یہی ہے۔ بلاشبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے اس وقت بہت خوش ہوئے اور استعانت فرمائی یہ اسی محبت کا ثمرہ ہے جو حضور

اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو ان سے تھی۔ اس لیے کہ محبت الم کو گھلا دیتی ہے۔ بیت۔

یقین میدان کہ شیران شکاری دریں رہ خواستند از مور یاری

مسند میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ”مجھ پر موت کو آسان کر دیا

گیا ہے اس لیے کہ میں نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی ہتھیلی کی سفیدی کو جنت میں دیکھا ہے۔ ایک اور حدیث میں حضرت ابن سعد رضی اللہ عنہ وغیرہ سے مسئلہ مروی ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ”بلاشبہ میں نے ان کو جنت میں دیکھا ہے حتیٰ کہ مجھ پر موت ان کے سبب آسان کر دی گئی“ گویا کہ میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی دونوں ہتھیلیوں کو جنت میں دیکھ رہا ہوں۔ معلوم ہوا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے کمال درجہ کی انتہائی محبت تھی یہاں تک کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کیلئے جنت میں متمثل کی گئیں تاکہ آپ کیلئے اس طرح موت آسان ہو۔

نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت بھی کیا تھا کہ آپ کو لوگوں میں کون سب سے زیادہ محبوب ہے۔ فرمایا: ”عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا“ اس نے کہا ”مردوں میں کون ہے؟“ فرمایا ”ان کے والد“ اس بنا پر ابتدائے مرض میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے کہا ”ہائے میرا سر“ تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ”نہیں بلکہ میرا سر“ اور فرمایا ”تم رحلت کر جاؤ اے عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا مجھ سے پہلے اور میں زندہ رہوں تو میں نماز پڑھوں گا اور تمہیں دفن کروں گا۔“ یہ بات حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے کہا کہ ”اے اللہ! اگر وہ میرا سر نہ لے لیتا تو میرا سر نہ لے لیتا“ حالانکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا مقصود یہ تھا کہ چونکہ اس جہاں سے میرا

ہے کہ فرمایا ”اے جبرائیل میں غم و اندوہ محسوس کرتا ہوں“ دوسرے دن جبرائیل علیہ السلام پھر آئے اور اسی طرح مزاج پرسی کی اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہی جواب مرحمت فرمایا۔ وہ تیسرے دن آئے ان کے ہمراہ ملک الموت اور ایک اور فرشتہ جس کا نام اسمعیل ہے جو اپنے ستر ہزار (ایک روایت میں ہے ایک لاکھ) فرشتوں پر حاکم ہے۔ جن میں ہر ایک فرشتہ ستر ہزار یا ایک لاکھ فرشتوں پر حاکم ہے۔ وہ بھی جبرائیل علیہ السلام کے ساتھ تھے۔ عرض کیا ”اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم حق تعالیٰ آپ پر سلام بھیجتا ہے اور دریافت فرماتا ہے کہ خود کو کیسا پاتے ہیں“ فرمایا ”درد و الم محسوس کرتا ہوں“ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ”اے جبرائیل علیہ السلام تمہارے ساتھ یہ کون ہیں؟“ جبرائیل علیہ السلام نے عرض کیا ”یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! یہ ملک الموت ہیں اور آپ کے بعد میرا عہد دنیا میں آخری ہے۔ اور دنیا میں یہ عہد آپ کا آخری ہے۔ آپ کے بعد میں کسی بنی آدم کے پاس نہیں آؤں گا اور آپ کے بعد میں زمین پر نہیں اتروں گا“ اس کے بعد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے سکرات موت اور اس کی سختی و شدت محسوس فرمائی۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پانی کا بھرا ہوا پیالہ رکھا ہوا تھا بار بار حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنا دست مبارک اس میں ڈالتے اور اپنے چہرہ انور پر پھیرتے تھے۔ فرماتے جاتے: اَللّٰهُمَّ اَعِنِّيْ عَلٰی سَكْرَاتِ الْمَوْتِ۔ ایک روایت میں آیا ہے کہ فرماتے: لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ اِنَّ لِلْمَوْتِ سَكْرَاتٍ۔ اہل سیر کہتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر سکرات موت اتنی دشوار تھی کہ کبھی سرخ اور کبھی زرد ہو جاتے تھے اور کبھی داہنے دست اقدس سے اور کبھی بائیں دست اقدس سے اپنے رخسار پر انوار سے پسینہ پونچھتے جاتے تھے۔ مسواک کا قصہ جو پہلے لکھا گیا ہے اسی وقت میں تھا۔ جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اس جہان سے تشریف لے گئے تو یہ کلمہ فرماتے تھے: اَللّٰهُمَّ رَبِّ اَعْفِرْ لِيْ وَالْحَفِيْظِيْ بِالرَّفِيْقِيْ الْاَعْلٰی۔ سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ یہ آخری کلمہ ہے جسے میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا۔ مواہب میں سہیلی سے منقول ہے۔ انہوں نے کہا کہ میں نے واقفی کی بعض کتابوں میں دیکھا ہے کہ سب سے پہلا کلمہ جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حلیہ سعدیہ کے یہاں زمانہ رضاعت میں فرمایا ”وہ اللہ اکبر“ ہے اور آخری کلمہ جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وہ الرّفیق الّاعلیٰ تھا۔

حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیادہ تر وصیت علالت کے نہانہ میں نماز کے بارے میں اور غلاموں کے ساتھ حسن سلوک کرنے کے بارے میں تھی۔ یہاں تک کہ اس وقت بھی جبکہ آپ کا سینہ انور رنج کر رہا تھا اور آپ کی زبان مبارک کام نہیں کر رہی تھی۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وصیت اس وقت جبکہ سکرات کا عالم طاری تھا یہ تھی کہ الصَّلٰوۃُ وَمَا مَلَكَتْ اَیْمَانُکُمْ یہاں تک کہ اسی کلمہ کے ساتھ آپ کا سینہ انور تفرغ کر رہا تھا اور آپ کی زبان مبارک آپ کی مدد نہیں کر رہی تھی۔

مروی ہے کہ ملک الموت نے حاضر ہونے کی اجازت مانگی پھر وہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور آپ کے سامنے کھڑے ہو گئے۔ عرض کرنے لگے ”یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یا احمد! حق تعالیٰ نے مجھے آپ کی طرف بھیجا ہے اور حکم دیا ہے کہ میں آپ کی اطاعت کروں جو کچھ بھی آپ فرمائیں کہ میں آپ کی روح قبض کروں۔ اگر آپ اجازت دیں اور اگر فرمائیں تو قبض نہ کروں۔ اس میں حق تعالیٰ نے آپ کو اختیار مرحمت فرمایا ہے۔ پھر جبرائیل علیہ السلام نے آپ کو عرض کیا ”اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم حق تعالیٰ آپ کا مشتاق ہے اور آپ کو بلاتا ہے“ اس پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ”اے ملک الموت! جو تمہیں حکم دیا گیا ہے اپنے اس کام میں مشغول ہو جاؤ“ جبرائیل علیہ السلام نے عرض کیا ”زمین پر میرا نایہ آخری ہے اور دنیا میں میرے آنے کی ضرورت آپ کا وجود گرامی تھا میں آپ کیلئے دنیا میں آتا تھا۔ بیت۔

رفت بر بوئے سر زلف تو حقی بچمن ورنہ کے بوئے نسیم سحری بود غرض
اس کے بعد حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سر مبارک کو بالیں پر رکھا اور اپنا روئے انور پیشانی کھڑی ہو گئیں۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے منقول ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے دن حق تعالیٰ نے ملک الموت کو حکم فرمایا کہ زمین پر میرے حبیب محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور حاضر ہو۔ خبردار! بغیر اجازت کے داخل نہ ہونا اور بغیر اجازت آپ کی اجازت کے روح قبض نہ کرنا، تو قابض ارواح نے دروازے کے باہر اعرابی کی صورت میں کھڑے ہو عرض کیا اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ اَهْلَ بَيْتِ النَّبِيِّ صَلَّوْا عَلَیْہِ وَسَلِّمْ اِنَّہٗ بِہِ سَآءٌ مُّجَدَّدٌ مُحَمَّدًا لَا یَمُوتُ وَیَحْیَا کُلَّمَا رَفَعُوا رُءُوسَہُمُ ارْتَجَوْا حَتّٰی یَاۤئِذَا رَفَعُوْا رُءُوسَہُمُ ارْتَجَوْا حَتّٰی یَاۤئِذَا رَفَعُوْا رُءُوسَہُمُ ارْتَجَوْا حَتّٰی یَاۤئِذَا رَفَعُوْا رُءُوسَہُمُ ارْتَجَوْا حَتّٰی

الزہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بایں پر موجود تھیں۔ انہوں نے جواب دیا کہ نبی کریم اپنے حال میں مشغول ہیں اس وقت ملاقات نہیں فرما سکتے۔ دوسری مرتبہ اجازت مانگی۔ یہی جواب سنا، تیسرا مرتبہ اجازت مانگی اور آواز بلند اجازت مانگی۔ چنانچہ جتنے صاحبان اس وقت گھر میں موجود تھے اس آواز کی ہیبت سے ان پر لرزہ طاری ہو گیا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہوش میں آئے اور چشمان مبارک کو کھول کر فرمایا کیا بات ہے۔ صورت حال عرض خدمت کی گئی۔ فرمایا: ”اے فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا تمہیں معلوم ہے کہ یہ کون ہے؟ یہ لذتوں کو توڑنے والا، خواہشوں اور تمناؤں کو کچلنے والا، اجتماعی بندھنوں کو کھولنے والا بیویوں کو بیوہ کرنے والا، بچوں اور بچیوں کو یتیم بنانے والا ہے۔ سیدہ فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے جب یہ سنا تو رونے لگیں۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ”اے میری بیٹی! روؤ نہیں کیونکہ تمہارے رونے سے حاملین عرش روتے ہیں اور اپنے دست مبارک سے فاطمہ الزہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے چہرہ انور سے اشکوں کو پونچھا اور ولداری و بشارت فرمائی۔ بعض روایتوں میں آیا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کی خبر اور سیدہ فاطمہ الزہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے رونے اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ان کو تسلی فرماتے۔ یہ کہ تم سب سے پہلے مجھ سے ملو گی اس کی بشارت دینے اور یہ کہ تم جتنی پیسوں کی سردار ہو گی کی حدیث اسی ایک وقت میں واقع ہوئی ہیں۔ وہ فرمایا ”اے خدا انہیں میری جدائی پر صبر نصیب فرما“ فاطمہ الزہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے پکارا ”واکرباہ“ ہائے مصیبت! حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ”تمہارے والد پر آج کے بعد کوئی کرب و اندوہ نہیں ہے۔ مطلب یہ کہ کرب و اندوہ شدت الم اور درد کی صعوبت کی وجہ سے ہے۔ بواسطہ علاقہ جسمانی اور بشری لوازمات کے تعلقات کی بنا پر ہوتی ہے۔ اس کے بعد سیدہ فاطمہ الزہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے فرمایا ”اپنے بچوں کو لاؤ“ وہ امام حسن اور امام حسین علیہم التحیۃ والرضوان کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے لائیں۔ جب ان صاحبزادگان نے سب کو اس حال میں دیکھا تو رونے لگے اور اتنی گریہ و زاری کی کہ ان کے گریہ سے گھر کا ہر فرد رونے لگا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو بوسہ دیا، ان کی تعظیم و توقیر اور ان سے محبت کے بارے میں صحابہ کرام اور تمام امت کو وصیت فرمائی۔ ایک روایت میں آیا ہے کہ وہ دونوں حضور اکرم

تعالیٰ کی جانب سے ایک خبر لایا ہوں وہ یہ کہ داروغہ دوزخ کو حکم دیدیا گیا ہے کہ میرے حبیب کی روح مطہر آسمان پر آ رہی ہے آتش دوزخ کو سرد کر دو۔ حور عین کو وحی فرمائی ہے کہ خود کو آ راستہ و پیراستہ کریں اور فرشتوں کو حکم دیا کہ اٹھو صف در صف کھڑے ہو کر روح محمدی کا استقبال کرو اور مجھے حکم ہوا ہے کہ زمین پر جاؤ اور میرے حبیب کو بتاؤ کہ حق تعالیٰ فرماتا ہے کہ تمام انبیاء علیہم السلام اور ان کی امتوں پر جنت اس وقت تک حرام ہے جب تک کہ آپ اور آپ کی امت اس میں داخل نہ ہو جائے اور کل قیامت کے دن آپ کی امت آپ کو اتنی دی جائے گی کہ آپ راضی ہو جائیں گے۔ اس کے بعد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ”اے ملک الموت! آؤ جو تمہیں حکم دیا گیا ہے اس پر عمل کرو“ پھر ملک الموت حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی روح اطہر کو قبض کر کے اعلیٰ علیین لے گئے اور کہا ”یا محمد! یا رسول رب العالمین“ حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے منقول ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ میں آسمان کی جانب سے فرشتوں کی ”وامحمد“ کی آواز سنتا تھا۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے منقول ہے کہ جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی روح اطہر و مطیب جدا ہوئی تو میں نے آپ سے ایسی خوشبو سونگھی کہ اس سے پہلے ایسی خوشبو میں نے کہیں اور نہ سونگھی تھی۔ اس کے بعد میں نے آپ کے جسم اقدس کو چادر سے ڈھانپ دیا۔ بعض روایتوں میں آیا ہے کہ فرشتوں نے چادر اڑھائی تھی۔

حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ ”جس دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہوئی۔ میں نے اپنا ہاتھ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سینہ مبارک پر رکھ دیا تھا۔ اس کے بعد کئی جمعہ گزر گئے، میں کھانا کھاتی، وضو کرتی مگر میرے ہاتھ سے اس دن کی خوشبو نہ گئی۔

یہ بات صحت کو پہنچی ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رحلت فرمائی تو سیدہ فاطمہ زہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے از حد گریہ وزاری فرمائی۔ وہ کہتیں ”یا اَبَتَا یا اَبَتَا“ آپ نے حق تعالیٰ کے بلاوے کو قبول فرمایا۔ وَاَبَتَاہُ آپ نے جنت الفردوس میں اقامت فرمائی۔ وَاَبَتَاہُ۔“ آپ کی رحلت کی خبر جبرائیل علیہ السلام کو کون پہنچائے۔ وَاَبَتَاہُ آپ کے بعد وہ وحی کس پر لائیں گے۔ اے خدا فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی روح کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی روح سے ملا۔ اے خدا مجھ اپنے رسول کا دیدار نصیب فرما، اے خدا اپنے حبیب کے ثواب سے دور نہ فرما اور روز قیامت حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت سے محروم نہ کرنا“ اہل سیر کہتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی رحلت فرمانے کے بعد سیدہ فاطمہ زہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو کبھی کسی نے ہشتے نہ دیکھا۔

سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بھی گریہ وزاری کرتی اور کہتی تھیں۔ ”ہائے افسوس! اس نبی محترم نے فقر کو تو نگری پر اور درویشی کو مالدار پر اختیار فرمایا“ افسوس! اس دین پروری پر کہ ایک رات بھی امت کے معاصی کے غم و فکر سے بے نیاز ہو کر بستر استراحت پر آرام سے نہ سوئے اور ہمیشہ قدم ثبات و قرار کے ساتھ محاربہ نفس کے مقام صبر و استقامت پر گامزن رہے۔ اسے ترک نہ فرمایا اور کبھی بھی کافروں کے ایذا و تسم سے آپ کے ضمیر منیر کے دامن پر ناگواری و ملامت کا غبار نہ آیا۔ ارباب فقر و احتیاج کے اوپر احسان اور فضل و امتنان کے دروازوں کو بند نہ فرمایا۔ دشمنوں کی سنگباری سے دندان مبارک اور رخسار مبارک مجروح ہوئے۔ حوادث زمانہ

ہے۔ لہذا اللہ عزوجل پر اعتماد و اثق رکھو اور وہ تمہیں اس کی طرف لوٹائے گا۔ آہ و فغان نہ کرو اور حقیقت یہ ہے کہ وہی مصیبت زدہ ہے جو ثواب سے محروم رہا۔ والسلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ یہ آواز تعزیت کرنے والے فرشتہ کی تھی۔

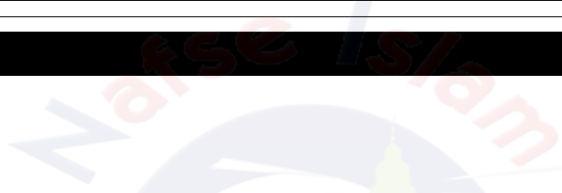
حضرت خضر کی آمد: ایک جیسیم و صبیح اور گھنی داڑھی شخص آیا۔ یہ مردوں کے پاس جا کر رویا۔ اس کے بعد اس نے صحابہ کرام کی ط: متہ مدکر کا اشارہ۔ مصد یہ عرض کیا کہ رالاک وہ نہ قائم کیا۔ رالاک ہذا لک ط: رحمہ ع کرت

چلا گیا۔ حضرت ابو بکر صدیق اور علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا ”یہ خضر علیہ السلام تھے جو تمہاری تعزیت کیلئے آئے تھے۔“
ارباب سیر بیان کرتے ہیں کہ صحابہ کرام حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد سراپہ اور پریشان ہو گئے جیسے ان کی عقلیں سلب کر لی گئی ہوں۔ ان کے حواس معطل ہو گئے۔ بعض حضرات کی زبان بند ہو گئی، ان کے ہوش و حواس اور قوت گویائی جاتی

حیات میں بھی اور وفات میں بھی۔ کہا: لَا يَجْمَعُ اللَّهُ عَلَيْكَ مَوْتَيْنِ أَمَّا الْمَوْتُ الَّتِي كُتِبَتْ عَلَيْكَ فَقَدْ وَجَدَتْهَا۔ اللہ تعالیٰ آپ پر دو موتیں جمع نہ کرے گا لیکن وہ موت جو آپ پر لازم کی گئی تھی بلاشبہ اسے آپ نے پالیا۔ آپ اس سے کہیں بزرگ تر ہیں جتنی آپ کی صفات بیان کی جائیں اور آپ اس سے بالاتر ہیں جتنا آپ پر رویا جائے۔ اگر اختیار کی لگام ہمارے ہاتھ میں ہوتی تو ہم اپنی جانوں کو آپ پر قربان کر دیتے اور اگر یہ بات نہ ہوتی کہ آپ نے ہمیں میت پر بین کرنے سے منع فرمایا ہے تو ہم اتنا روتے کہ آنکھوں سے چشمے جاری ہو جاتے۔ اے خدا! ہماری طرف سے سلام پہنچا اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں اپنے رب کے پاس یاد رکھنا۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے قول لَا يَجْمَعُ اللَّهُ عَلَيْكَ مَوْتَيْنِ میں۔ بعض میں اختلاف کرتے ہیں۔ وہ پوچھتے ہیں کہ

بعض کہتے ہیں کہ: لَا يَجْمَعُ اللَّهُ عَلَيْكَ مَوْتَيْنِ میں۔ بعض میں اختلاف کرتے ہیں۔ وہ پوچھتے ہیں کہ



www.nafseislam.com

میں) ہمیشہ رہنا نہ بنایا تو اگر آپ انتقال فرما جائیں تو یہ کیا ہمیشہ رہیں گے۔

اس کے بعد حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ منبر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر آئے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو چھوڑ کر تمام لوگ حضرت صدیق اکرم رضی اللہ عنہ کی طرف متوجہ ہو گئے۔ حضرت صدیق رضی اللہ عنہ نے خطبہ دیا۔ جو حمد و ثنائے الہی اور درود و بر رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم پر مشتمل تھا اس کے بعد فرمایا جو کوئی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی پرستش کرتا تھا تو وہ جان لے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم وفات پا گئے اور جو کوئی حق تعالیٰ کی پرستش کرتا تھا وہ اب بھی موجود زندہ ہیں۔ اس پر کبھی موت نہ آئے گی اور یہ آیہ کریمہ تلاوت کی۔ وَمَا مُحَمَّدٌ إِلَّا رَسُولٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ أَفَإِنْ مَاتَ أَوْ قُتِلَ انْفَلَيْتُمْ عَلَىٰ آعْقَابِكُمْ۔ اور نہیں ہیں محمد صلی اللہ علیہ وسلم مگر اللہ کے رسول، بیشک آپ سے پہلے رسول گزرے تو کیا اگر وہ فوت ہو جائیں یا شہید ہو جائیں تو تم اپنی ایزدوں کے بل پلٹ جاؤ گے، تلاوت فرمائی: إِنَّكَ مَيِّتٌ وَرَأْتَهُم مَّيِّتُونَ۔ اے حبیب! آپ کو بھی موت آنی ہے اور ان کو بھی مرنا ہے، اس کے بعد لوگوں کو یہ دونوں آیتیں یاد آ گئیں اور ایسا خیال کیا کہ گویا یہ دونوں آیتیں آج ہی نازل ہوئی ہیں۔ چنانچہ وہ دن آیتوں کو ہر گلی کو چپے میں پڑھتے پھرتے تھے۔

اس کے بعد حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے بھی خطبہ دیا اور فرمایا: اے لوگو! وہ بات جو میں نے پہلے کہی تھی وہ ویسی نہیں ہے جیسی کہ میں نے کہی۔ خدا کی قسم! میں نے وہ بات نہ کتاب الہی میں دیکھی اور نہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد یعنی سنت میں دیکھی۔ لیکن ہماری آرزو تو یہ تھی کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہم میں زندہ رہتے اور ہمارے معاملات کی تدبیر فرماتے۔ ہمارے بعد دنیا سے تشریف لے جاتے مگر حق تعالیٰ نے اپنے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیلئے وہی اختیار فرمایا جو اس کی مرضی تھی اور جو تمہاری تمناؤں کے خلاف ہے۔ یہ کتاب الہی ہے جس کے ذریعہ اپنے رسول کی ہدایت کی گئی ہے لہذا اسے تمہارا سیدھی راہ پر قائم رہو۔ جس طرح کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہدایت کی گئی۔

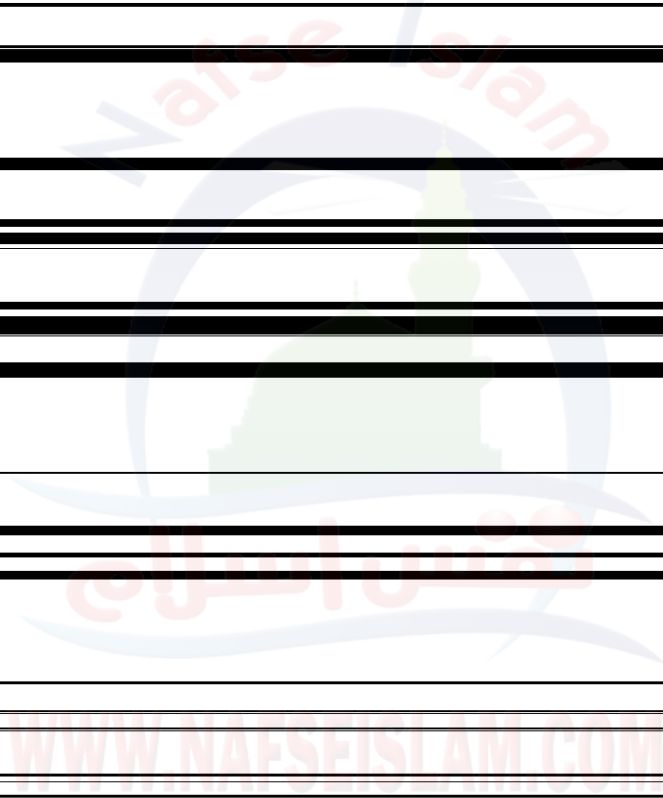
ابونصر نے فرمایا کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا پہلی مات کہنا ان کا حال ایسا ہو جانا عظیم فتنہ کے خوف اور منافقوں کی شوریدہ

سری کے رونما ہونے کے سبب سے تھا۔ پھر جب انہوں نے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے یقین کی قوت کا مشاہدہ کیا تو اس سے تسکین پائی۔ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ سے منقول ہے انہوں نے فرمایا گویا میں نے یہ آیت سنی ہی نہ تھی۔ یہاں تک کہ جب حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے میں نے سنی تو مجھ پر لرزہ اور کچپی طاری ہو گئی اور میں گر پڑا۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ گویا ہمارے چہروں پر پردہ پڑا ہوا تھا جسے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے خطبہ نے اٹھا دیا۔ اس کے بعد مدینہ طیبہ کے رہنے والے اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا دل حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات پر جم گیا۔ وہ استرجاع کرنے لگے اور کہنے لگے: إِنَّا لِلّٰهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ۔

اس کے بعد حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ اہل بیت اطہار رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کی تعزیت و تسلی بجالائے۔ فرمایا: ”تم اہل بیت رسول ہو غسل اور تجہیز و تکفین کا تعلق تم سے وابستہ ہے اس کا تم انتظام کرو۔ خود کار بہا جرین اور اشراف انصار کو لے کر سقیفہ بنی ساعدہ میں امر خلافت کو طے کرنے میں مشغول ہو گئے۔ چونکہ امر خلافت اہم دینی معاملہ اور وقوع خلاف و نزاع اور موجب انتظام و انصرام مہام اسلام کا واقعہ تھا۔ اس سلسلہ کی تفصیلی بحث اپنے محل میں مذکور ہے۔ اس کا خلاصہ یہ ہے کہ بہا جرین و انصار میں اختلاف رونما ہو گیا تھا۔ دونوں کہنے لگے تھے کہ ہم میں سے امیر ہو یا تم میں سے۔ اس کے بعد حدیث مبارک الانصۃ من قریبش۔ سے امامت کو قریش کے حق میں ہونا ثابت ہو گیا۔ چوں کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہ کے ذہنوں میں حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کا تقدم و رجحان

بیٹھا ہوا تھا خصوصاً حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ علالت میں نماز کیلئے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو آگے بڑھانے سے یہ خیال بچتے ہو گیا تھا۔ چنانچہ دینی و اسلامی معاملات کیلئے بھی حضرت صدیق رضی اللہ عنہ پر اتفاق ہوا اور اس پر اجماع منعقد ہوا۔

تنبیہ: پہلے گزر چکا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو مرض موت میں سکرۃ موت کی سختی و شدت پیش آئی۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اَللّٰهُمَّ اَعِزِّيْ عَلٰی سَكْرَاتِ الْمَوْتِ۔ ”اے خدا! سکرۃ موت پر میری مدد فرما“ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے کہ جب میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر موت کی شدت دیکھی ہے۔ میں اس شخص کی موت پر رشک کرتی ہوں جو آسانی سے مر جاتا ہے۔ اگرچہ میں جانتی ہوں کہ شدت سے مرنا بہتر ہے اس لیے کہ آسانی سے مرنا ہوتا تو حق تعالیٰ اپنے حبیب کا ارہام کو ہوتا۔ ”مکہ اللعینہ شیخ محققہ“۔



1 - _____

نافسه اسلام

فہم اسلام

WWW.NAFSEISLAM.COM

کرتا ہوں کہ ایک دن بھوکا رہوں اور ایک دن کھاؤں۔ کھانا اس طرح کھاؤں جس طرح غلام کھاتے ہیں، بیٹھوں اس طرح جس طرح غلام بیٹھتے ہیں، مقتضائے مزاج عبودیت، اوامر و احکام شرعیہ کے پہلو میں آرام و راحت نہ پانا اور شدائد و تکالیف کا نازل ہونا ہے۔ بلاشبہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم میں حصہ بشریت کے احکام ظاہر ہوتے تھے اور انسانوں کی ہی مانند بچے کے گم ہونے پر روتے اور فرماتے تھے کہ اِنَّ الْعَيْنَ تَدْمَعُ وَاِنَّ الْقَلْبَ تَحْزَنُ۔ ”بے شک آنکھیں آنسو بہاتی ہیں اور دل غمگین ہوتا ہے“ لہذا اس حصہ بشریت



باب سوم

غسل، تجہیز و تکفین اور نماز گزارنے کے بیان میں

چونکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے زمانہ علالت میں فرمایا تھا کہ مجھے میری اہل بیت کے مرد حضرات غسل دیں اور حضرت ابو بکر

ایک روایت میں آیا ہے کہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے سینہ پر لیا اور ہاتھوں میں دستانے پہن کر ہاتھوں کو پیرہن مبارک کے اندر داخل کیا۔ اسامہ رضی اللہ عنہ اور شقران رضی اللہ عنہ، فیص مبارک کے اوپر سے پانی ڈالتے تھے۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہ وشم رضی اللہ عنہ ایک پہلو سے دوسرے پہلو پر لے جانے پر حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی اعانت و امداد کرتے تھے اور غیب سے بھی غسل میں اعانت واقع ہوئی۔ چنانچہ انہیں ایسا معلوم ہوتا تھا کہ کوئی اور ہاتھ اپنے ہاتھ سے ملائی ہوتا ہے۔ ان سب کی آنکھوں پر پٹیاں بندھی ہوئی تھیں۔ غیب سے اور پردہ کے پیچھے سے ایک آواز آئی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نرمی برتو۔ حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو وصیت تھی کہ تمہارے سوا کوئی اور غسل نہ دے اور نہ کوئی میرا ستر دیکھے۔ اگر خلاف ورزی ہوئی تو اس کی بینائی جاتی رہے گی۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے جسم اقدس سے کوئی شے برآمد نہ ہوئی جس طرح کہ دوسرے لوگوں کے شکم وغیرہ سے خارج ہوتی ہے۔ اس پر حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ نے عرض کیا ”یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں کتنی صفائی اور کتنی خوشبو ہے حیات میں بھی اور ممات میں بھی“۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو تین مرتبہ پاک و صاف پانی پیری کے پتے اور کافور کے پانی سے غسل دیا گیا۔ ابن ماجہ نے بسند جید حضرت علی رضی اللہ عنہ سے نقل کیا فرمایا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ جب مجھے غسل دو تو بیرغرس کے پانی کے ساتھ مشکیزے سے دینا۔ بیرغرس (بفتح غین و سکون را) یہ ایک کنواں ہے جو مدینہ طیبہ سے شمال کی جانب نصف میل کی مسافت پر واقع ہے۔ یہ بہت بڑا کنواں ہے اور اس میں دہ دہ سے زیادہ پانی ہے۔ یہ مدینہ طیبہ کے ان سات کنوؤں میں سے ایک کنواں ہے جو زمانہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے آج تک باقی ہیں۔ اس کے پانی پر سبزی غالب ہے۔ اس میں میٹھیاں ہیں جس کے ذریعہ کنویں میں داخل ہوتے ہیں۔ یہ بات پائیدہ ثبوت کو پہنچی ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کنویں کا پانی پیا تھا اس سے وضو کیا تھا اور وضو کے بقیہ پانی کو اسی میں ڈال دیا تھا۔ ابن حبان نے ثقہ راویوں سے نقل کیا ہے کہ انس بن مالک بیرغرس سے پانی کھینچ رہے تھے۔ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپ نے اس کا پانی پیا اور وضو فرمایا۔ ابن میرین بیان کرتے ہیں کہ ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ آج کی رات میں نے خواب میں دیکھا کہ میں نے بہشت کے ایک کنویں پر صبح کی ہے تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بیرغرس پر صبح کی اور وضو فرما کر اپنا لعاب دہن اس میں ڈالا۔ اس وقت بطور ہدیہ کہیں سے شہد آیا ہوا تھا اسے بھی اس کنویں میں ڈال دیا۔ ابن ماجہ بسند جید روایت کرتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے وصیت فرمائی تھی کہ بعد از وفات مجھے میرے کنویں کے پانی سے یعنی بیرغرس کے سات مشکیزوں سے غسل دینا۔ نیز مروی ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے فرمایا جب میں اس عالم سے سفر کروں تو بیرغرس، کربلا، مشکیزہ، الان، حرمہ

پر لٹا دیا گیا۔ مروی ہے کہ حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے کسی قدر مشک اور عطر اپنے فرزندوں کے سپرد کیا۔ وصیت کی کہ اس کو میرے کفن میں لگانا کیوں کہ یہ خوشبو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حنوط سے بچائی ہوئی ہے۔

تکفین کی کیفیت: وصل: حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو تین سفید حولی کپڑوں کا کفن دیا گیا۔ حولی منسوب بہ حول بمعنی قطار ہے اور یہ روایت کپڑے کے سفید اور دھلے ہونے میں زیادہ مشہور و معروف ہے۔ محل سفید دھلے ہوئے کپڑے کو کہتے ہیں۔

ابن سیرین کہتے ہیں کہ محل، حولی کی طرف منسوب ہے جو یمن کے ایک قریہ کا نام ہے۔ نیز منسوب بہ حول جمع محل بمعنی جامعہ سعید بھی مروی ہے۔ یہ کپڑا روئی کا ہوتا ہے۔ ایک اور حدیث میں ”من کرسف“ آیا ہے۔ کرسف پنہ یعنی روئی کو کہتے ہیں اور ایک قریہ کا نام بھی بتاتے ہیں۔ ایک روایت میں آیا ہے کہ دو سفید کپڑے تھے اور ایک یمنی چادر۔ ترمذی نے کہا کہ ”حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے کفن میں روایتیں مختلف مروی ہیں اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی حدیث، اصح احادیث ہے۔ اکثر اہل علم صحابہ کرام وغیرہ کا اس پر عمل ہے۔

بیہقی نے حاکم سے نقل کر کے کہا کہ حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا، حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما، حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ اور حضرت عبد اللہ بن مغفل رضی اللہ عنہ سے حدیثیں حدیث اتر کو پہنچ گئی ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے کفن میں تین کپڑے تھے۔ ان میں قمیص اور عمامہ نہیں ہے۔ ”قمیص عمامہ کے ان میں نہ ہونے کے قول کے مفہوم میں اختلاف کیا ہے اس عبارت کا ظاہری مفہوم تو یہ ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے کفن میں قمیص اور عمامہ سرے سے تھے ہی نہیں۔ دوسرا مفہوم یہ لیتے ہیں کہ تین کپڑوں میں کفن دیا گیا اور قمیص و عمامہ ان تین کپڑوں سے زیادہ تھا۔ یہ مفہوم عبارت کے صریح خلاف واقع ہے اس لیے کہ یہ ثابت شدہ نہیں ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے کفن میں قمیص اور عمامہ بھی شامل تھے۔ اسی بنا پر کفن میں قمیص و عمامہ شامل ہونے کے بارے میں ائمہ کا اختلاف مترتب ہے کہ آیا یہ مستحب ہے یا نہیں لہذا امام مالک و امام احمد رحمہما اللہ فرماتے ہیں کہ مستحب یہ ہے کہ تین کپڑے ہونے چاہئیں۔ ان میں قمیص اور عمامہ نہ ہو۔ چنانچہ وہ قمیص و عمامہ وغیرہ کی زیادتی کو جو کہ تین لفافوں کے سوا ہو مکروہ کہتے ہیں۔ امام شافعی فرماتے ہیں کہ جائز اور غیر مستحب ہے۔ احناف کہتے ہیں کہ تین کپڑے ہیں ازار قمیص اور لفافہ۔ متاخرین علماء احناف علماء اہل سنت کیلئے عمامہ جائز رکھتے ہیں اور کفن ہمارے مذہب میں تین کپڑے ہیں۔ دو بھی کافی ہیں اور ضرورت کے وقت جو بھی میسر ہو۔ ایک اور روایت میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے کفن میں سات کپڑے بھی آئے ہیں۔ یہ روایت ضعیف ہے بلکہ کہتے ہیں کہ بعض روایتوں سے یہ وہم لاحق ہوتا ہے۔ (واللہ اعلم)

جس قدر بیان کیا گیا ہے اس سے معلوم ہو گیا ہوگا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے جسم اقدس پر قمیص تھی اور اس میں ہی غسل دیا گیا تھا۔ وہ کفن میں داخل نہ تھا لہذا وہ حدیث جو سنن ابوداؤد میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو تین کپڑوں کا کفن دیا گیا، دو کپڑے اور ایک وہ قمیص مبارک جو وقت وفات آپ کے جسم اقدس پر تھی۔ اس روایت میں ضعف ہے صحیح نہیں ہے۔ صحیح وہی ہے جو مذکور ہوئی۔ اس لیے کہ یزید بن زیاد اس حدیث میں ایک راوی ہیں جس کے ضعف پر سب کا اتفاق ہے۔ خصوصاً اس حدیث میں جہاں اس کے برخلاف ثقہ راویں سے حدیث موجود ہو البتہ سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے کہ میں اپنے والد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے مرض وفات میں گئی تو میں نے ان کے لباس پر نظر ڈالی جس میں وہ علیل ہوئے تھے تو وہ زعفران سے رنگا ہوا تھا۔ آپ نے فرمایا ”اس لباس کو دھو دینا اور دو کپڑے اور بڑھا کر ان تین کپڑوں میں مجھے کفن دے دینا۔“ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں ”میں نے عرض کیا یہ کپڑا جو آپ زیب تن کیے ہوئے ہیں پرانا ہے۔“ زندہ زیادہ لائق

وسزاوار ہے نئے کپڑے کا بہ نسبت مردے کے۔ (رواہ البخاری)

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز ادا کرنا: وصل: لیکن حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز ادا کرنا جماعت کے ساتھ نہ تھا بلکہ ایک جماعت آپ کے قریب آتی اور بغیر جماعت کے نماز پڑھتی اور نکل جاتی۔ پھر دوسری جماعت آتی اور پڑھتی تھی۔ آپ کا جسد اقدس اسی حجرہ مبارک میں تھا جہاں آپ کو غسل دیا گیا۔ سب سے پہلے مرد داخل ہوئے جب مرد فارغ ہو گئے تو عورتیں داخل ہوئیں اور عورتوں کے بعد بچے آئے۔ جماعت میں صفوں کی ترتیب ہے اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے نماز جنازہ کی کسی نے امامت نہ کی۔

امیر المومنین سیدنا علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ سے منقول ہے۔ فرمایا: کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جنازہ شریف پر کسی نے امامت نہ کی اس لیے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ایام حیات و حیات میں تمہارے امام ہیں اور یہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیات سے ہے کہ متعدد نمازیں ہوئیں اور تنہا لوگوں نے پڑھیں۔ ایک روایت میں ہے کہ سب سے پہلے جنہوں نے جنازہ شریف کی نماز پڑھی وہ اہل بیت نبوت تھے۔ حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ، حضرت عباس رضی اللہ عنہ اور بنو ہاشم رضی اللہ عنہ۔ اس کے بعد مہاجرین اور ان کے بعد انصار آئے۔ پھر اور لوگ جماعت کی جماعت داخل ہوتی اور نماز ادا کرتی جاتی تھی۔

روایتوں میں آیا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی علالت سے پہلے لوگوں کو اپنی وفات کی خبر دیدی تھی۔ لوگوں نے آپ سے پوچھا کہ آپ کو کون غسل دے گا۔ فرمایا: ”میرے اہل بیت میں سے وہ جو مجھ سے زیادہ نزدیکی رکھتا ہے“۔ لوگوں نے دریافت کیا کن کپڑوں میں ہم تکفین کریں۔ فرمایا: ”ان کپڑوں میں جو میں زیب تن کیے ہوئے ہوں یا مصری کپڑوں میں یا یمنی چادروں میں یا سفید کپڑوں میں“۔ مطلب یہ کہ جو بھی میسر ہو۔ لوگوں نے دریافت کیا کہ آپ پر کون نماز پڑھے۔ یہ کہہ کر سب رونے لگے اور خود حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر بھی گریہ طاری ہو گیا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ”صبر کرو، جزع و فزع نہ کرو۔ اللہ تعالیٰ تم پر رحمت فرمائے تمہارے گناہوں کو بخشے اور میری جانب سے تمہیں جزائے خیر دے۔“ فرمایا: ”جب تم مجھے غسل دے چکو کفن پہنا دو تو مجھے میری قبر کے پاس اس حجرے میں چھوڑ دینا اور کچھ عرصہ کیلئے میرے پاس سے باہر چلے جانا۔ سب سے پہلے جو میری نماز جنازہ پڑھے گا وہ میرے دوست جبرائیل علیہ السلام ہوں گے پھر میکائیل پھر اسرافیل پھر ملک الموت گروہ ملائکہ کے ساتھ علیہم السلام اک۔ ۱۰۰۔ ۱۱۔ ۱۲۔

حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے پوچھا۔ آپ نے فرمایا:

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز کی دعا

إِنَّ اللَّهَ وَمَلَائِكَتَهُ يُصَلُّونَ عَلَى النَّبِيِّ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا صَلُّوا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوا تَسْلِيمًا
اَللّٰهُمَّ رَبَّنَا لَيْتَكَ وَسَعْدَيْكَ صَلَوَاتُ اللَّهِ الْبَرِّ الرَّحِيمِ وَالْمَلَائِكَةِ الْمُقَرَّبِينَ وَالنَّبِيِّينَ وَالصَّادِقِينَ
وَالشُّهَدَاءَ وَالصَّالِحِينَ وَمَا سُبَّحَ لَكَ مِنْ شَيْءٍ يَا رَبَّ الْعَالَمِينَ عَلَى مُحَمَّدٍ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ خَاتَمِ النَّبِيِّينَ
وَسَيِّدِ الْمُرْسَلِينَ وَإِمَامِ الْمُتَّقِينَ وَرَسُولِ رَبِّ الْعَالَمِينَ الشَّاهِدِ الْبَشِيرِ الدَّاعِي يَازُنُّكَ السِّرَاجُ الْمُنِيرُ
وَعَلَيْهِ السَّلَامُ.

اس دعا کو شیخ زین الدین مراعی نے اپنی کتاب النضرہ میں بیان کیا ہے اور روایت کرتے ہیں کہ حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے جنازہ کی جانب کھڑے ہوئے۔ عرض کیا ”اے نبی گرامی آپ پر حق تعالیٰ کی رحمت و برکت نازل ہو۔ اے خدا ہم گواہی دیتے ہیں کہ آپ نے وہ سب کچھ پہنچایا جو آپ پر نازل ہوا۔ اور اپنی امت کے ساتھ نصیحت کے تمام حقوق ادا فرمائے۔ اور راہ خدا میں جہاد کیا یہاں تک کہ حق تعالیٰ نے اپنے دین کو غالب فرمایا۔“ اے خدا! ہمیں ان لوگوں میں بنا کہ ہم اس کی پیروی کریں جو آپ پر نازل ہوا۔ ہم کو ع اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو قیامت کے دن جمع فرما۔ لوگوں نے آمین کہی۔

تدفین کی کیفیت: اصل: اب رہا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا دفن کرنا تو اس میں بھی اختلاف واقع ہوا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو کہاں دفن کریں۔ ایک جماعت نے کہا کہ اس حجرہ میں جہاں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مقبوض ہوئے ہیں اور ایک جماعت نے کہا مسجد شریف میں ایک گروہ نے کہا بقیع کے مقبرہ میں اور کچھ لوگوں نے کہا ”قدس“ میں کیونکہ تمام نبیوں کی قبریں وہاں ہیں۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا ”میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ فرمایا کوئی نبی دفن نہیں کیا گیا مگر اسی جگہ جہاں کہ اس کی روح قبض کی گئی۔ ایک روایت میں حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ فرمایا روئے زمین پر کوئی خطہ خدا کے نزدیک اس خطہ سے گرامی تر نہیں ہے جس میں نبی کی روح کو قبض کیا گیا۔ اس کے بعد آپ کے بستر مبارک کو اٹھایا گیا اور اسی خاص جگہ قبر کھودنا طے پایا۔

مدینہ طیبہ میں دو شخص قبر کھودنے والے تھے۔ ایک حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ بن الجراح جو بطریق شق جسے شامی بھی کہتے ہیں قبر کھودتے تھے اور دوسرے حضرت ابوطحہ رضی اللہ عنہ انصاری جو بطریق لحد قبر کھودتے تھے۔ اس پر حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا ”اے خدا! اپنے حبیب کیلئے وہ چیز اختیار فرما جو محبوب و مختار ہو۔ دو آدمی بھیجے ایک کو حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ کو بلانے کیلئے اور دوسرے کو حضرت ابوطحہ رضی اللہ عنہ کے بلانے کیلئے۔ فرمایا: جو پہلے آجائے وہی اپنے طریقہ پر کام کرے۔ حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ اس شخص کو نہ ملے جو انہیں بلانے گیا تھا اور حضرت ابوطحہ رضی اللہ عنہ آگئے۔ اس کے بعد بطریق لحد قبر تیار کی گئی۔

حدیث شریف میں مروی ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اَللّٰهُمَّ خُذْ لَنَا وَاشْقُ لِعِیْرِنَا۔ ہمارے لیے لحد ہے اور دوسروں کیلئے شق ہے۔ ”لنا“ سے مراد مدینہ طیبہ والے ہیں اور ”عیرنا“ سے مراد غیر اہل مدینہ ہیں۔ یعنی مکہ مکرمہ وغیرہ کے لوگ۔ اس کی توجہ میں علماء فرماتے ہیں کہ مدینہ طیبہ کی زمین سخت ہے وہ لحد کی صلاحیت رکھتی ہے بلکہ اپنی اپنی پسند و رواج کا معاملہ ہے اور مسنون بھی نہیں ہے۔ اس کے باوجود اس میں شک نہیں کہ جو کچھ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کیلئے کیا گیا افضل ہوگا۔ بعض علماء کہتے ہیں کہ اگر زمین

سخت ہو تو لحد افضل ہے اور اگر زمین نرم و کمزور ہو تو شق افضل ہے۔ افضل علماء ”لنا“ سے ملت اسلامیہ کے لوگ اور ”لغیرنا“ سے اہل کتاب مراد لیتے ہیں۔ شق قبر کے درمیان میں کھودنے کو کہتے ہیں اور اس وقت ہمارے شہروں میں قبر کے درمیان میں دیواریں نکالتے ہیں مگر حکم و مسطر قبر میں کھودنے کا دیتے ہیں۔ (واللہ اعلم)

شب چہار شبہ سحر کا وقت تھا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو قدم اقدس کی جانب سے قبر انور میں داخل کیا۔ اصح یہ ہے کہ حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ، حضرت عباس، حضرت فضل، اور قسم رضی اللہ تعالیٰ عنہم حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر میں داخل ہوئے۔ حضرت قسم رضی اللہ عنہ آخری شخص تھے جو آپ کی قبر انور سے باہر آئے۔ انہوں نے فرمایا کہ آخری شخص جس نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا روئے انور قبر اطہر میں دیکھا، میں تھا۔ میں نے قبر میں دیکھا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے لب ہائے مبارک کو جنبش فرما رہے تھے۔ میں نے کانوں کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دہن مبارک کے قریب کیا، میں نے سنا کہ آپ فرماتے تھے۔ ”رب امتی امتی“ بحرین کی سرخ نمحلی چادر جو خیر کے روز حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو پہنچی تھی اور اسے آپ اوڑھتے تھے۔ اسے بچھایا گیا۔ کہتے ہیں کہ اس کا بچھانے والا شقران رضی اللہ عنہ تھا۔ اس نے کہا میں نہیں پسند کرتا کہ آپ کے بعد اسے کوئی دوسرا اوڑھے۔ امام نووی شافعی، تمام اصحاب شوافع اور دیگر علماء رحمہم اللہ بطور اعزاز قبر میں میت کے نیچے کپڑا یا بچھونا بچھانے کے مکروہ ہونے پر تنبیہ کرتے ہیں۔ امام بغوی شافعی فرماتے ہیں کہ ”لاباس بہ“ اس میں کوئی مضائقہ نہیں ہے کیونکہ یہ اس حدیث سے ثابت ہے اور درست کراہت ہی ہے چنانچہ جہور کا مذہب یہی ہے۔ جواب دیتے ہیں کہ یہ فعل شقران کا تھا اور وہ اپنے فعل میں منفرد ہیں۔ کوئی صحابی ان سے متفق نہ تھا وہ اس کام کے عالم نہ تھے۔ شقران رضی اللہ عنہ نے یہ کام اپنی طرف سے کیا تھا اور اس نے اس کو مکروہ جانا کہ اسے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا کوئی اور اوڑھے یا بچھائے۔ ابن عبد البر نے کہا کہ آخر میں اسے قبر شریف سے باہر نکالا۔ اس روایت کو ابن زیانہ نے بیان کیا ہے۔ جیسا کہ سیرت مغلطائی میں مذکور ہے۔ اگر یہ بات ہو بھی تو یہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے خصائص میں سے ہے۔ یہ دوسروں کیلئے مکروہ ہے کہ ایسا نہ کریں۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر شریف، خشت خام سے بنائی گئی۔ اس کے بعد لحد مبارک پر مٹی ڈالی گئی۔ حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے قبر شریف پر ایک مشکیزہ پانی چھڑکا اور سر ہانے کی طرف سے چھڑکنا شروع کیا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر شریف زمین سے ایک بالشت جتنی اونچی کی گئی۔ ایک روایت میں چار انگلی آیا ہے اور قبر انور پر سرخ و سفید سنگریزے جمائے گئے۔

دفن کے بعد جب صحابہ کرام سیّدہ فاطمہ زہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس آئے تو انہوں نے فرمایا ”تمہارے دلوں نے کیسے گوارا کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر مٹی ڈالو۔ صحابہ نے عرض کیا ٹھیک فرمایا اے بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اے زہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا! ہم نے بھی یہی خیال کیا تھا اور اسی غم میں مبتلا تھے لیکن کیا کر سکتے حکم شرع سے چارہ نہیں ہے۔ اس کے بعد سیّدہ فاطمہ الزہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا والد ماجد کی قبر کے سر ہانے آئیں، قبر انور سے مٹی اٹھا کر اپنی دونوں چشم گریاں پہ ڈالی اور کہنے لگیں۔ شعر۔

مَاذَا عَلَيَّ مَنِ شِمَّ تَرْبَةً أَحْمَدُ أَنْ لَا يَشُمَّ مَدَى الزَّمَانِ غَوَايَا
صَبَّتْ عَلَيَّ مَصَائِبُ لَوْ أَنَّهَا صَبَّتْ عَلَيَّ الْآيَامِ صِرْنَ كَيَايَا

مختلف روایتوں میں آیا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر شریف مسنم یعنی مرتفع و بلند (کوہان نما) ہے یا مسطح، ”یعنی ہموار و برابر“ اکثر کا مذہب یہی ہے کہ مسنم و مرتفع ہے۔

صحیح بخاری میں ابو بکر بن عباس سے مروی ہے کہ انہوں نے قبر شریف کو مسنم دیکھا۔ ابو نعیم نے مستخرج میں اتنا زیادہ کیا ہے کہ

حضرت ابو بکر صدیق اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی قبریں بھی مسنم یعنی مرتفع ہیں۔ اس حدیث سے استدلال کیا گیا ہے کہ قبروں کو مسنم رکھنا مستحب ہے۔ امام ابو حنیفہ، امام مالک، امام احمد، مزنی اور بکھرت شوافع رحمہم اللہ کا قول یہی ہے۔ قاضی حسین نے اصحاب شوافع کا اس پر اتفاق کا ادعا کیا ہے لیکن قدامت شوافع کی ایک جماعت سطح یعنی ہمواری کو مستحب قرار دیتی ہے۔ اسی پر ماوردی اور دیگر

حاکم نے بروایت قاسم بن محمد بن ابی بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہم نقل کیا ہے انہوں نے کہا کہ میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی خدمت میں آیا اور عرض کیا ”اے میری والدہ محترمہ! میرے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر انور پر سے چادر شریف اٹھائیے۔“ انہوں نے اٹھایا۔ میں نے دیکھا کہ قبر شریف زمین سے نہ بہت بلند تھی اور نہ ہموار تھی۔ اس کے فرش پر سنگریزے جمے ہوئے تھے۔

خلاصہ یہ ہے کہ تسبیح و تنوین دونوں جائز ہیں۔ اختلاف اس میں ہے کہ ان میں کون سا افضل ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ پہلے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر انور مسطح تھی اور حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خلافت کے زمانہ میں سسم و مرتفع کر دی گئی۔ وہ جو سفیان انمار کی حدیث میں آیا ہے کہ میں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر انور کو دیکھا تو وہ سسم و مرتفع تھی۔ وہ اسی پر محمول ہے اور ہمارے شہروں میں ایسا طریقہ رائج ہے جو تسبیح و تنوین دونوں کا جامع ہے۔ معلوم نہیں کہ اس کی ایجاد کہاں سے ہے۔ (واللہ اعلم)

ارباب سیر بیان کرتے ہیں کہ حجرہ شریف میں حضرات شیخین کے مدفون ہونے کے بعد ایک جگہ اور باقی ہے۔ خبروں میں آیا ہے کہ اس جگہ میں حضرت عیسیٰ بن مریم علیہا السلام مدفون ہوں گے۔ جب امام حسن مجتبیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ شہید ہوئے تو حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے التماس کیا گیا کہ یہ حجرہ چونکہ آپ کا ہے اگر آپ اجازت دیں تو امام حسن رضی اللہ عنہ کو اپنے نانا کے پہلو میں دفن کر دیا جائے۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے قبول فرمایا اور کہا مر حبا بہت عمدہ بات ہے لیکن اس زمانہ میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی جانب سے مدینہ طیبہ میں مروان حاکم تھا۔ اس نے مہلت نہ دی کہ امام حسن رضی اللہ عنہ مجتبیٰ اس جگہ مدفون ہوئے۔ اس کے بعد حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بھی اجازت دیدی کہ وہ مدفون ہو جائیں یہ بھی میسر نہ ہوا۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ حضرت عیسیٰ بن مریم علیہا السلام نزول فرمائیں گے اور نکاح کریں گے۔ ان کی اولاد دھوگی وہ روئے زمین پر پینتالیس سال قیام فرمائیں گے۔ پھر ان کا انتقال ہوگا اور وہ میری قبر کے پاس دفن کیے جائیں گے۔ پھر میں اور عیسیٰ رضی اللہ عنہ و عمر رضی اللہ عنہ ایک قبر سے اٹھیں گے۔ اس جگہ قبر سے مراد مقبرہ ہے۔

حضرت اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کہ فرمایا: سرحد غزوہ رتہ صحارا کہ امہ خاک کہ جس رتہ وندامت آنے وقت و حال کے سر پر ڈالنے

شب و بچور کی مانند ہو گیا تھا۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ کوئی دن مدینہ طیبہ میں اس دن سے زیادہ بہتر و نورانی تر نہ تھا جس دن کہ سیدنا عالم صلی اللہ علیہ وسلم یہاں تشریف لائے تھے۔ کوئی دن بدتر و تاریک تر اس دن سے زیادہ نہیں جس دن کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس جہان سے پردہ فرمایا۔ ابھی ہم حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دفن سے فارغ نہیں ہوئے تھے کہ ہمارے دل متغیر ہو گئے ہم پر پردہ پڑ گیا ایسا کہ ہمارے دل ہمارے قابو میں نہ رہے

وہ نہ ایم حہ روقت از نظر صورت دوست بیجو چشمے کہ چراغش ز مقبلہ برد

دراز گوش جس میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بسا اوقات سوار ہوا کرتے تھے اس نے مفارقت کا اتار نچ و ملال کیا کہ اس نے اپنے آپ کو کنویں میں ڈال دیا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خاص اونٹنی نے کھانا پینا چھوڑ دیا اور اسی طرح اس نے جان دیدی۔ ان خبروں کا ظاہر ہونا جن کے بارے میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے خبر دی تھی کہ میرے بعد ظاہر ہوں گے بہت ہیں اور حد و شمار سے باہر ہیں۔

مسلم میں حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب اللہ تعالیٰ کسی امت پر بھلائی کا ارادہ فرماتا ہے تو حق تعالیٰ پہلے ان کے نبی کی روح کو قبض فرماتا ہے۔ اس کے بعد ان کو پیشرو اور سلف قرار دیتا ہے اور جب حق تعالیٰ کسی امت کو ہلاک کرنا چاہتا ہے تو ان پر اس حال میں عذاب نازل کرتا ہے کہ ان کے نبی ان میں زندہ ہوتے ہیں اور نبی کی نگرانی میں امت کو ہلاک کر دیتا ہے۔ اس طرح نبی کی آنکھ کو ان لوگوں کی ہلاکت سے روشن و ٹھنڈی کرتا ہے جنہوں نے ان کو جھٹلایا اور ان کی نافرمانیاں کیں۔

قبر انور اور مسجد شریف کی زیارت: حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے روضہ اقدس اور مسجد نبوی شریف کی زیارت کرنا اعظم عبادت اور اعلیٰ درجات میں سے ہے۔ بعض کا مذہب یہ ہے کہ ہر وہ شخص جو استطاعت رکھتا ہے اس پر یہ واجب ہے جیسا کہ امام عبدالحق جو کہ اعظم محدثین میں سے ہیں نے بیان کیا ہے۔ علماء فرماتے ہیں کہ واجب سے ان کی مراد سنت موکدہ ہے جو کہ واجب کے مرتبہ میں ہے۔ یہ حکم پایہ نبوت کو پہنچ چکا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مَنْ زَارَ قَبْرِي وَجَبَتْ لَهُ شَفَاعَتِي۔ جس نے میرے روضہ کی زیارت کی اس کیلئے میری شفاعت واجب ہے۔ فرمایا: مَنْ وَجَدَ سَعَةً وَلَمْ يَعُدَّ إِلَيَّ فَقَدْ جَفَانِي۔ جس نے استطاعت پائی اور میری طرف وہ نہ آیا۔ اس نے یقیناً مجھ پر ظلم کیا۔ صاحب مواہب فرماتے ہیں کہ یہ حدیث مبارک ترک زیارت کے حرام ہونے میں

فرمایا کہ جب آپ انتقال فرمائیں گے تو کون آپ کا وارث ہوگا۔ فرمایا: میری اہل واولاد۔ اس پر فرمایا ”پھر کیا بات ہے کہ میں اپنے والد کی میراث کی وارث نہ ہوں“ حضرت صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ فرمایا ہماری میراث نہ ہوگی لیکن میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا خلیفہ ہوں اور ہر اس شخص کی میں عیال داری کروں گا جس کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عیال داری فرماتے تھے۔ میں ان اموال کو جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے چھوڑا ہے اس جگہ پر خرچ کروں گا جہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے عیال اور مسلمانوں کے حوائج و ضروریات وغیرہ پر خرچ کرتے تھے۔ نیز میں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ فرمایا اللہ تعالیٰ جب کسی نبی کو عطا فرماتا ہے تو وہ عطا اس لیے ہے جو نبی کے بعد نبی کے معاملات کو قائم کرتا ہے۔ چنانچہ بہت سے لوگ ایسے تھے جن سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے وعدہ فرمایا تھا کہ میں تمہیں کچھ دوں گا۔ پھر وہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کے پاس آئے اور حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے ان کو وعدہ کے مطابق شے موعودہ مرحمت فرمائی۔ یہ بات نہیں کہ یہ حکم حضرت فاطمہ الزہراء رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے ساتھ مخصوص تھا۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بھی فرماتی ہیں کہ میں نے بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ترکہ میں سے جو خیر فداک اور وہ مال جو مدینہ طیبہ میں تھا یعنی بنی نضیر کی زمین وغیرہ سے اپنی میراث مانگی۔ مگر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ان میں سے کچھ عطا نہ فرمایا اور وہی جواب دیا جو سیدہ فاطمہ الزہراء رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو دیا۔ یہی حال تمام دیگر ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کا تھا۔ یہ بات بھی نہیں کہ یہ روایت حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ساتھ مخصوص تھی بلکہ تمام صحابہ نے گواہی دی اور اس پر اتفاق کیا تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے سیدہ فاطمہ الزہراء رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو اس مال میں سے بطریق میراث کچھ نہ دیا بلکہ یہ فرمایا کہ آل محمد اس مال کو خرچ کریں جس طرح کہ وہ سب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے خرچ کرتے تھے۔ میں اس عمل کو نہیں بدلوں گا جس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کرتے تھے اور خدا کی قسم میرے نزدیک رسول خدا کی قرابت اپنی قرابت سے زیادہ محبوب ہے۔

اس مطالبہ میں عجیب و غریب بات یہ ہے۔ کہتے ہیں کہ سیدہ فاطمہ الزہراء رضی اللہ تعالیٰ عنہا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی بات سے دل گیر ہوئیں اور ان پر غصہ فرمایا۔ اپنے وقت وفات تک ان سے کنارہ کش رہیں ان کا غصہ فرمانا اور کنارہ کش ہونا کس بنا پر تھا۔ اگر فرض کیا جائے کہ یہ حدیث حضرت فاطمہ الزہراء رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو نہیں پہنچی تھی تو پہنچنے اور سننے کے بعد کیوں قبول نہ کیا۔ مورخین کہتے ہیں کہ آپ کا رنجیدہ ہونا بحکم طبیعت تھا لیکن اس کا دوام و استمرار غرابت و ندرت میں سے ہی ہے۔ یہ بات ثابت شدہ ہے کہ حضرت فاطمہ الزہراء رضی اللہ تعالیٰ عنہا اپنے مرض وفات میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے راضی ہو گئی تھیں۔ بیہقی نے شععی سے روایت کیا ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی علالت کے زمانہ میں عیادت کیلئے گئے اور ان کے

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سخت دھوپ میں حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے دروازہ پر آئے اور کہا کہ میں یہاں سے نہیں جاؤں گا جب تک کہ بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مجھ سے راضی نہ ہو جائیں۔ اس پر حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ ان کے پاس آئے اور سیدہ فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو راضی ہو جانے کی انہوں نے قسم دی۔ حضرت فاطمہ الزہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا راضی ہو گئیں۔ اسے شیخین نے کتاب الموافقة میں روایت کیا ہے۔

مشہور یہ ہے کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سیدہ فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے جنازہ پر موجود نہ تھے اور نہ ان پر نماز جنازہ پڑھی۔ اس کا سبب یہ تھا کہ سیدہ فاطمہ الزہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا جنازہ رات میں اٹھا تھا اور حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے حضرت

اسے خدا کے مال کی جگہ دیتے، اسے اسلحہ، مسلمانوں کی صلاح و ضروریات اور حوائج پر خرچ فرماتے تھے۔ اس کے بعد رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے وفات پائی تو آپ کے خلیفہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ مقرر ہوئے۔ اس مال پر قبضہ کر کے ویسا ہی عمل کرتے رہے جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عمل کرتے تھے۔ خدا جانتا ہے کہ حضرت صدیق رضی اللہ عنہ اس قول و عمل میں صادق یا ررشد اور اپنا اتباع کرانے والے تھے۔ اس کے بعد حضرت صدیق رضی اللہ عنہ نے وفات پائی اور میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کا خلیفہ مقرر ہوا تو میں نے اس اس میں دو سال تک وہی عمل کیا جیسا کہ رسول اللہ اور حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ عمل کرتے تھے۔ اس کے بعد تم دونوں آئے اور تم دونوں ایک تھے تمہارا کام مشرک تھا۔ اس پر میں نے اس کو تمہارے سپرد کر دیا کہ ویسا ہی عمل کرو جیسا کہ دستور ہے۔ میں نے تم سے خدا کا عہد لیا کہ ویسا ہی کرنا جیسا کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا۔ تو تم نے لے لیا اور خدا کا عہد کیا کہ ہم ایسا ہی کریں گے۔ اب تم کہتے ہو کہ میں تم میں تقسیم کر دوں۔ ایسا ہرگز نہ ہوگا اور نہ میں اس پر تقسیم کا نام دوں گا۔ اب اگر تم خوش نہیں رہتے اور ایسا عمل نہیں کر سکتے تو مجھے لوٹا دو کہ میں اس میں ویسا ہی کروں جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت

بیہقی نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کر کے اسے صحیح کہا ہے کہ انبیاء علیہم السلام چالیس روز کے بعد قبروں میں اپنے حال میں نہیں رہتے بلکہ خدا کے حضور میں نماز پڑھتے ہیں۔ یہاں تک کہ اسی حال میں نفلہ صور واقع ہوگا۔ نیز امام بیہقی فرماتے ہیں کہ انبیاء علیہم السلام کی حیات طیبہ پر بکثرت احادیث صحیحہ سے دلائل و شواہد موجود ہیں۔ اس کے بعد انہوں نے اس حدیث کا ذکر کیا جس میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا گزر حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قبر انور پر ہوا تو ملاحظہ فرمایا کہ وہ اپنی قبر شریف میں نماز پڑھ رہے ہیں۔ دوسری وہ حدیثیں بیان کی ہیں جن میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ملاقات کیلئے انبیاء کرام علیہم السلام کا آنا واقع ہوا ہے۔

نیز امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اللہ احادیث کا بنی اس پر ہے کہ حق سبحانہ و تعالیٰ انبیاء علیہم السلام پر ان کی وفات کے بعد ان کی ارواح مقدسہ کو ان پر لوٹا دیتا ہے اور بعد ازاں بحکم نص فصِیْق مَنْ فِی السَّمَوَاتِ وَمَنْ فِی الْأَرْضِ۔ آسمانوں اور زمین میں جو بھی ہے وہ بے ہوش ہو جائے۔ یہ صق انہیں بھی لاحق ہوتا ہے لیکن اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ یہ صق بہمہ وجوہ اور موت کے معانی میں ہو بلکہ اس حالت میں زیادہ سے زیادہ ذہاب شعور کے حق میں ہوگا۔ یہ بھی ممکن ہے کہ حق تبارک و تعالیٰ کے اس قول کے ماتحت ہو کے اس نے فرمایا لَا مَآ شَاءَ اللہ مگر وہ جسے اللہ چاہے تو انبیاء کرام علیہم السلام اس حکم صق سے مستثنیٰ ہوں۔

نیز حدیث صحیح میں آیا ہے کہ جمعہ کے دن میرے حضور زیادہ سے زیادہ صلوٰۃ و سلام بھیجا کرو۔ اس لیے کہ تمہارا صلوٰۃ و سلام میرے حضور پیش کیا جاتا ہے۔ صحابہ کرام نے عرض کیا ”یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! آپ کے حضور ہمارا صلوٰۃ و سلام کس طرح پیش ہوگا جبکہ آپ ہماری آنکھوں سے روپوش ہوں گے؟“ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ”حق تبارک و تعالیٰ نے زمین پر حرام کر دیا ہے کہ وہ انبیاء علیہم السلام کے اجساد مقدسہ کو کھائے۔ اس فرمان والا سے معلوم ہوا کہ انبیاء علیہم السلام کی حیات مقدسہ حسیٰ اور دنیاوی ہے۔ محض بقاء ارواح کے ساتھ نہیں ہے جس طرح کہ شہداء کی روحوں کو ہنر پرندوں کے قالب میں رکھا جاتا ہے۔

صاحب تلخیص شافعی نے فرمایا کہ جو مال حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ملک میں رہا ہے آج بھی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی ملک میں باقی ہے جس طرح کہ ظاہری حیات میں تھا اور وہ وارثوں کی ملکیت میں منتقل نہیں ہوتا۔ جس طرح دیگر اموات میں ہوتا ہے۔ امام الحرمین نے اس قول کی تصحیح کر کے فرمایا یہ قول حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی سیرت مقدسہ کے موافق ہے جس پر انہوں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی الماک کے بارے میں عمل کیا۔ (انتہی)

صاحب تلخیص نے فرمایا کہ ”امام الحرمین سے تعجب ہے کہ خود تو یہ تحریر فرماتے ہیں کہ مَاتَ رَسُولُ اللہ صَلَّی اللہ عَلَیْہِ وَسَلَّم عَنْ کَذَا نِسْوَةٍ وَمَاتَ وَهُوَ اَرْضٍ عَنِ الْعَشِيرَةِ۔ گویا وہ خود رسول محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف موت کی نسبت کرتے ہیں۔ اس کے بعد حیات النبی کا بھی اثبات کرتے ہیں۔ ایک شخص سے دو باتیں کیسی ہیں؟ جواب میں فرماتے ہیں کہ کوئی تعجب کا مقام نہیں ہے وفات پائی پھر حق تعالیٰ نے آپ کو حیات دیدی۔

علامہ سبکی رحمہ اللہ ”شفاء السقام“ میں فرماتے ہیں کہ جسم کی طرف روح کا لوٹنا تو تمام اموات کیلئے ثابت ہے۔ مثلاً قبر میں، لیکن گفتگو تو بدن انسانی میں روح کے دائمی مستقر رہنے میں اس حیثیت کے ساتھ ہے کہ روح بدن کے ساتھ زندہ ہو جائے جس طرح کہ دنیا میں تھی۔ (انتہی)

وہ دلائل جو حیات انبیاء علیہم السلام پر دلالت کرتے ہیں ان کا اقتضاء حیات بدنی ہے جس طرح کہ دنیا میں تھے۔ اس کے باوجود غذا سے بے نیاز اور عالم کے ان اسباب مادی سے مستغنیٰ ہیں جن پر دنیاوی حیات کا دار و مدار ہے۔ بایں ہمہ حق تبارک و تعالیٰ قادر ہے کہ بغیر اسباب مادی

لیے استغفار کرتا ہوں۔

بیہقی نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کر کے اسے صحیح کہا ہے کہ انبیاء علیہم السلام چالیس روز کے بعد قبروں میں اپنے حال میں نہیں رہتے بلکہ خدا کے حضور میں نماز پڑھتے ہیں۔ یہاں تک کہ اسی حال میں فجر صور واقع ہوگا۔ نیز امام بیہقی فرماتے ہیں کہ انبیاء علیہم السلام کی حیات طیبہ پر بکثرت احادیث صحیحہ سے دلائل و شواہد موجود ہیں۔ اس کے بعد انہوں نے اس حدیث کا ذکر کیا جس میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا گزر حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قبر انور پر ہوا تو ملاحظہ فرمایا کہ وہ اپنی قبر شریف میں نماز پڑھ رہے ہیں۔ دوسری وہ حدیثیں بیان کی ہیں جن میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ملاقات کیلئے انبیاء کرام علیہم السلام کا آنا واقع ہوا ہے۔

نیز امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اللہ احادیث کا مبنی اس پر ہے کہ حق سبحانہ و تعالیٰ انبیاء علیہم السلام پر ان کی وفات کے بعد ان کی ارواح مقدسہ کو ان پر لوٹا دیتا ہے اور بعد ازاں بحکم نص قَصِصُ مَنْ فِي السَّمَوَاتِ وَمَنْ فِي الْأَرْضِ۔ آسمانوں اور زمین میں جو بھی ہے وہ بے ہوش ہو جائے۔ یہ صق انہیں بھی لاحق ہوتا ہے لیکن اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ یہ صق ہمہ وجوہ اور موت کے معانی میں ہو بلکہ اس حالت میں زیادہ سے زیادہ ذہاب شعور کے حق میں ہوگا۔ یہ بھی ممکن ہے کہ حق تبارک و تعالیٰ کے اس قول کے ماتحت ہو کے اس نے فرمایا اَلَمْ نَشَاءَ اللّٰهُ مگر وہ جسے اللہ چاہے تو انبیاء کرام علیہم السلام اس حکم صق سے مستثنیٰ ہوں۔

نیز حدیث صحیح میں آیا ہے کہ جمعہ کے دن میرے حضور زیادہ سے زیادہ صلوٰۃ و سلام بھیجا کرو۔ اس لیے کہ تمہارا صلوٰۃ و سلام میرے حضور پیش کیا جاتا ہے۔ صحابہ کرام نے عرض کیا ”یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! آپ کے حضور ہمارا صلوٰۃ و سلام کس طرح پیش ہوگا جبکہ آپ ہماری آنکھوں سے روپوش ہوں گے؟“ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ”حق تبارک و تعالیٰ نے زمین پر حرام کر دیا ہے کہ وہ انبیاء علیہم السلام کے اجساد مقدسہ کو کھائے۔ اس فرمان والا سے معلوم ہوا کہ انبیاء علیہم السلام کی حیات مقدسہ حتیٰ اور دنیاوی ہے۔ محض بقاء ارواح کے ساتھ نہیں ہے جس طرح کہ شہداء کی روحوں کو پیر پرندوں کے قالب میں رکھا جاتا ہے۔

صاحب تلخیص شافعی نے فرمایا کہ جو مال حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ملک میں رہا ہے آج بھی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی ملک میں باقی ہے جس طرح کہ ظاہری حیات میں تھا اور وہ وارثوں کی ملکیت میں منتقل نہیں ہوتا۔ جس طرح دیگر اموات میں ہوتا ہے۔ امام الحرمین نے اس قول کی تصحیح کر کے فرمایا یہ قول حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی سیرت مقدسہ کے موافق ہے جس پر انہوں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی الماک کے بارے میں عمل کیا۔ (اتہنی)

صاحب تلخیص نے فرمایا کہ ”امام الحرمین سے تعجب ہے کہ خود تو یہ تحریر فرماتے ہیں کہ مَاتَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ عَنْ كَذَا نِسْوَةٍ وَمَاتَ وَهُوَ اَرْضٍ عَنِ الْعَشِيرَةِ۔ گویا وہ خود رسول محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف موت کی نسبت کرتے ہیں۔ اس کے بعد حیات النبی کا بھی اثبات کرتے ہیں۔ ایک شخص سے دو باتیں کیسی ہیں؟ جواب میں فرماتے ہیں کہ کوئی تعجب کا مقام نہیں ہے وفات پائی پھر حق تعالیٰ نے آپ کو حیات دیدی۔

علامہ سبکی رحمہ اللہ ”شفاء السقام“ میں فرماتے ہیں کہ جسم کی طرف روح کا لوٹنا تو تمام اموات کیلئے ثابت ہے۔ مثلاً قبر میں، لیکن گفتگو تو بدن انسانی میں روح کے دائمی مستقر رہنے میں اس حیثیت کے ساتھ ہے کہ روح بدن کے ساتھ زندہ ہو جائے جس طرح کہ دنیا میں تھی۔ (اتہنی)

وہ دلائل جو حیات انبیاء علیہم السلام پر دلالت کرتے ہیں ان کا اقتضاء حیات بدنی ہے جس طرح کہ دنیا میں تھے۔ اس کے باوجود غذا سے بے نیاز اور عالم کے ان اسباب مادی سے مستغنی ہیں جن پر دنیاوی حیات کا دار و مدار ہے۔ بایں ہمہ حق تبارک و تعالیٰ قادر ہے کہ بغیر اسباب مادی

کے بھی زندہ رکھے اور بدن میں بعض احوال و اعراض کا احداث و ایجاد فرما دے کہ بعد امر ان کی طرف احتیاج و التفات باقی نہ رہے۔ جس طرح بعض اوقات عنایت فرح و سرور یا انتہائی رنج و غم کی حالت میں عرصہ تک کھانے پینے کی احتیاج نہیں پڑتی بلکہ یاد تک نہیں آتا۔

شیخ محقق شاہ عبدالحق محدیث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ صوم وصال کے سلسلہ میں حدیث مبارک اَنَا عِنْدَ رَبِّي يُطْعِمُنِي وَيَسْقِيُنِي۔ میں اپنے رب کے پاس ہوتا ہوں وہی مجھے کھلاتا اور وہی مجھے پلاتا ہے۔ حیات النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اثبات میں کافی ہے۔ خواہ اس ارشاد سے مراد حقیقت کھانا اور پلانا ہو کہ جنت سے اس عالم میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو پہنچتا ہو یا وہ ذوق و حضور مراد ہو جو اس حالت میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو حاصل ہوتا ہو۔

واضح رہنا چاہیے کہ حیات انبیاء علیہم السلام اور ان کیلئے اس صفت کے ثبوت اور اس پر مرتب ہونے والے احکام و آثار میں علماء میں سے کسی ایک کا اختلاف نہیں ہے۔ بجز اس بات کے کہ انبیاء کرام کا وجود گرامی قبروں میں ہو اور مخصوص اس بقعہ طاہرہ ان کا تمکن و استقرار ہو۔ اس بات میں بعض علماء کلام کرتے ہیں۔ چنانچہ شیخ علاؤ الدین قونوسی جو کہ شافعی علماء اور ارباب تصوف میں سے ہیں فرماتے ہیں کہ ہمارا اعتقاد یہ ہے کہ انبیاء کرام علیہم السلام اللہ تعالیٰ جل جلالہ کے حضور میں حیات ہیں۔ یہ حیات ایسی ہے جو اس ظاہری معروف حیات سے اشرف و اکمل ہے۔ ہم اعتقاد رکھتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم رفیق اعلیٰ کے ساتھ سموات علیٰ میں سورۃ النہملی کے پاس جنت المادوی کے قریب موجود ہیں اور یہ حالت اس سے افضل و اکمل ہے کہ آپ قبر انور میں مقیم ہوں۔ اگرچہ حدیث نبوی کے مقتضائے بموجب عام مومن کی قبر میں وسعت و کشادگی منتہائے نظر تک ہوتی ہے تو سرور انبیاء سید اہل صفا صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر انور شریف کی جگہ کا کیا اندازہ لیکن حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا اس جنت اعلیٰ میں ہونا جس کا عرض آسمان و زمین کے درمیان ہے۔ اکمل و اعلیٰ ہے اور یہ جو حدیث مبارک میں آیا ہے کہ انبیاء علیہم السلام کو چالیس دن کے بعد مجھے قبر انور میں رکھے۔ تو اس سے ظاہر ہوا کہ انبیاء علیہم السلام آیا ہے کہ حق تعالیٰ کے نزدیک اس سے بزرگ تر ہوں کہ تین دن کے بعد مجھے قبر انور میں رکھے۔ تو اس سے ظاہر ہوا کہ انبیاء علیہم السلام اپنی قبر انور میں اس حیات کے ساتھ مذکورہ مدت کے بعد قطعی طور پر اقامت گزیریں نہ ہو سکیں گے۔ یہ قونوسی کا کلام ہے اور ان کے کلام سے واضح طور پر ظاہر ہوا کہ ان کا تردد استمرار حیات اور قبروں میں ان کا استقرار ہے۔ لیکن اصل مدعا جو ثبوت حیات حقیقی ہے وہ ان کے نزدیک مسلم و مقرر ہے۔ یہی قونوسی اس تردد کے بیان کرنے کے بعد فرماتے ہیں کہ میرے اس کلام سے کوئی یہ گمان نہ کرے کہ انبیاء علیہم السلام کا اپنی قبروں سے التفات منقطع اور ان کا اس سے تعلق مرتفع ہو گیا ہے بلکہ ان کے اور ان کی قبروں کے درمیان خاص علاقہ جو مسترد غیر منقطع ہے۔ ثابت و برقرار ہے کہ وہ اس جگہ کے ساتھ منسوب ہوتے ہیں اور دوسری نئی جگہ کا ثبوت نہیں رکھتے۔

یہی حالت تمام مسلمانوں کی قبروں اور ان کی روحوں کے درمیان ہے کہ ایک خاص نسبت موجود رہتی ہے جس سے وہ زائروں کو پہنچاتے ہیں۔ اس کی دلیل وہ حکم ہے جس میں تمام اوقات میں زیارت کرنے کا استحباب بیان کیا گیا ہے۔

اس کے بعد امام بیہقی بکثرت احادیث بیان کرتے ہیں۔ فرماتے ہیں کہ ”یہ تمام حدیثیں اس پر دلالت کرتی ہیں کہ اہل قبور کیلئے ادراک و سماع حاصل ہے اور شک نہیں ہے کہ صفت سمع عرضی ہے جو حیات کے ساتھ مشروط ہے۔ لہذا تمام مسلمان زندہ ہیں لیکن عام مسلمانوں کی حیات مرتبہ میں شہداء کی حیات سے کمتر ہے اور انبیاء علیہم السلام کی حیات مقدسہ شہداء کی حیات سے کامل تر ہے۔ (انتہی)“

محققہ: اس کے بعد اگر کوئی کہے کہ حق تبارک و تعالیٰ نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے جسد

جیسے کہ جب حضرت عثمان بن عفان ذوالنورین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو باغیوں نے گھیرے میں لے لیا تو بعض اصحاب رضوان اللہ علیہم اجمعین نے ان سے کہا کہ مصلحت اور مناسب یہی ہے کہ اہل شام کے ساتھ مل جائیے تاکہ اس بلا و محنت سے آپ نجات پائیں۔ آپ نے فرمایا میں جائز نہیں رکھتا کہ اپنے دار ہجرت (مدینہ طیبہ) سے مفارقت کروں اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی مجاورت و ہمسائیگی کو چھوڑوں یا جیسے حضرت سعید بن مسیب کا واقعہ حرہ کے زمانہ میں جبکہ تمام لوگ مسجد نبوی کو چھوڑ کر چلے گئے تھے تین دن تک حجرہ مقدسہ کے اندر سے اذان کے سننے کا مشہور واقعہ ہے۔ اسی ثبوت میں کہ سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا وجود گرامی قبر انور میں ہونے پر دلالت کرتا ہے۔ سلطان سعید نور الدین شہید کا واقعہ ہے جو ۵۵۷ھ میں پیش آیا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا خواب میں تین مرتبہ دیکھنا سلطان کو خیر دار فرمانا ہے کہ یہ دونوں نصرانی شرکاء ارادہ رکھتے ہیں جسے قبر انور کے ساتھ نسبت ہے اور ان خبیثوں کی صورت خواب میں سلطان کو دکھائی گئی۔ پھر سلطان ہزار آدمیوں کے ساتھ مدینہ طیبہ پہنچا ان دونوں ملعونوں کو پایا اور ان کو آگ میں ڈال کر جلا دیا۔ اس کے بعد سلطان نے حجرہ شریفہ کے چاروں طرف خندق کھود کر اسے سیسہ سے بھر دیا۔ اس قصہ کو مدینہ منورہ کے تمام مورخوں نے مثلاً جمال الدین مطری مجدد الدین فیروز آبادی اور ان کے سوا بکثرت علماء اعلام نے بیان کر کے تصریح فرمائی ہے۔ اب رہی قونوی کی وہ تفصیل و ترجیح جو انہوں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کیلئے قبر شریف میں اقامت گزیر ہونے پر بہشت اعلیٰ میں استمرار پردی ہے تو ان سب کے جواب میں علماء فرماتے ہیں کہ ہر مسلمان کی قبر جنت کے باغوں کا ایک باغ ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر شریف افضل ریاض جنت ہے اور ممکن ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اپنی قبر شریف میں سے ہی ایسے تصرف و نفوذ کی حالت ہوتی ہو کہ آسمان و زمین اور جنت ہر جگہ سے حجاب مرتفع ہو گئے ہوں۔ بغیر تجاوز و انتقال کے تصرف و نفوذ فرماتے ہوں اس لیے کہ امور آخرت اور احوال برزخ کو دنیا کے احوال پر جو کہ حدود و جہات سے مقید و تنگ ہے قیاس نہیں کر سکتے (واللہ اعلم بحقیقۃ الحال علی وجہ الکمال)

امام تاج الدین سبکی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جنت کا کون سا حصہ ایسا ہے جسے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے قبر شریف پر افضل قرار دیں۔ قبر شریف ہی تمام اماکن مقدسہ اور مقامات رفیعہ سے افضل ہے خواہ جنت ہو یا کوئی اور جگہ۔ اس کے بعد فرمایا اگر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے قبر انور کو عرش عظیم پر فضیلت دیں تو ہم نہیں جانتے کہ کسی مومن صادق کو اس میں توقف ہوگا کیونکہ وہ سب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا طفیل شریف ہے۔ (واللہ اعلم)

باب اول

قسم پنجم

مدارج النبوة کے اس پانچویں حصہ میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اولاد اطہار از واج مطہرات غلامان بارگاہ رسالت اعمام و عمت جدات خرم موالی و امراء رسل و کتاب عمال و شعرا خطباء و موزنین آلات حرب و دواب اور اسباب وغیرہ کا بیان ہے۔ اس قسم میں گیارہ باب ہیں۔

در ذکر اولاد کرام

واضح رہنا چاہیے کہ جن اولاد کرام صلوات اللہ وسلامہ علیہم اجمعین پر تمام کا اتفاق بیان کیا گیا ہے۔ وہ چھ رسول زادے ہیں۔ دو فرزند ہیں حضرت قاسم حضرت ابراہیم اور چار صاحبزادیاں ہیں۔ سیدہ زینب سیدہ رقیہ سیدہ ام کلثوم اور سیدہ فاطمہ الزہراء رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین۔ ان کے سواء میں اختلاف ہے اور بعض علماء طیب و طاہر کو بھی شمار کرتے ہیں لہذا کل آٹھ رسول زادے ہوئے۔ چار فرزند اور چار صاحبزادیاں۔ بعض کہتے ہیں کہ حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ و قاسم رضی اللہ عنہ کے سوا ایک فرزند عبد اللہ ہیں جو کہ مکہ مکرمہ میں صغیر سنی کے عالم میں جہان سے رخصت ہو گئے۔ طیب و طاہران کا لقب ہے چونکہ یہ فرزند عبد اسلام میں متولد ہوئے اور اکثر علماء انساب کا مذہب یہی ہے اور دارقطنی نے کہا کہ یہ قول اثبت ہے لہذا کل سات رسول زادے ہوئے۔ تین فرزند اور چار صاحبزادیاں: اس مقام میں جو کچھ کہ مشہور ہے اور زبان زد عام ہے باتیں ہی باتیں ہیں۔

مواہب لدنیہ نے دارقطنی سے نقل کیا ہے کہ طیب و طاہر عبد اللہ کے سواء ہیں۔ اس بنا پر صاحبزادگان کی تعداد پانچ ہو جاتی ہے اور کل تعداد نو ہوتی ہے۔ بعض لوگوں نے نقل کیا ہے کہ طیب و مطیب ایک حمل سے اور طیب و طاہر دوسرے حمل سے متولد ہوئے۔ اس قول کو صاحب صفوة نے بیان کیا ہے۔ اس لحاظ سے کل تعداد گیارہ بن جاتی ہے اور بعض سے منقول ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے قبل ایک فرزند رسول متولد ہوا تھا اور اس کا نام عبد مناف رکھا گیا تھا۔ اس طرح کل تعداد بارہ ہو جاتی ہے۔ بجز عبد مناف کے سب کے سب عبد اسلام میں پیدا ہوئے اور ابن اسحق نے کہا کہ حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ کے سوا سب کے سب فرزند ان عبد اسلام سے پہلے پیدا ہوئے اور سب نے شیر خوارگی کے زمانہ میں وفات پائی۔

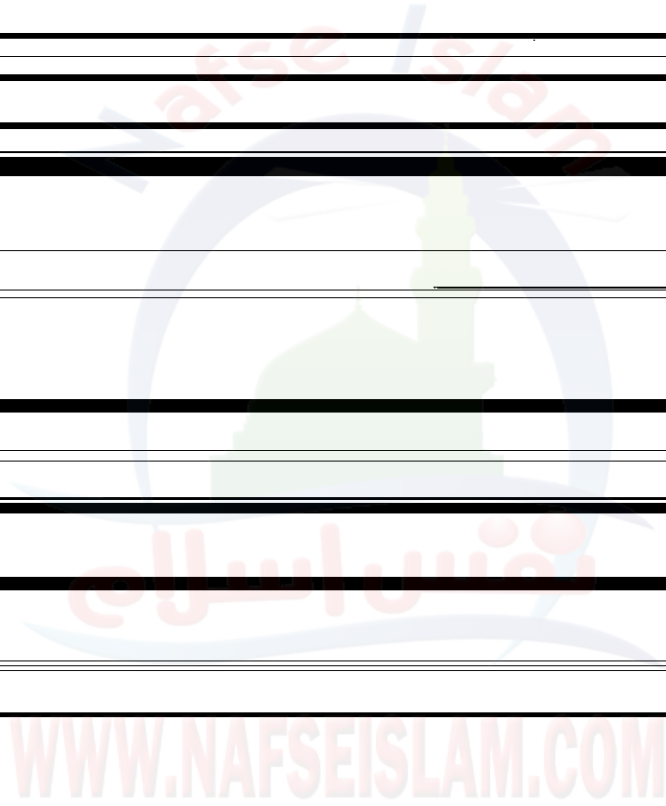
ایک دوسرے شخص کا قول گزر چکا ہے کہ عبد اللہ بعد از نبوت پیدا ہوئے۔ اسی بنا پر ان کا نام طیب و طاہر رکھا گیا۔ تمام اقوال سے آٹھ فرزند ان رسول کی تعداد حاصل ہوئی جن میں سے دو فرزند حضرت قاسم و ابراہیم متفق علیہ ہیں۔ چھ مختلف فیہ عبد مناف عبد اللہ طیب مطیب طاہر مطہر۔ اس یہ ہے کہ تین فرزند ہیں قاسم ابراہیم عبد اللہ اور چار صاحبزادیاں ہیں۔ یہ تمام اولاد کرام بجز حضرت ابراہیم کے سیدہ خدیجہ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے متولد ہوئے۔ ہذا کُلُّہُ فی الْمَوَہِبِّ وَلَا یَخْلُوْا عَنْ غَوَابَةِ۔

علماء نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے فرزند اکبر اور ان کی ترتیب میں اختلاف کیا ہے چنانچہ بعض کہتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے فرزند اکبر حضرت قاسم رضی اللہ عنہ تھے۔ ان کے بعد زینب رضی اللہ عنہ ان کے بعد رقیہ رضی اللہ عنہا ان کے بعد ابراہیم ابن عبد اللہ کہتے ہیں۔ کہ صحیح یہی ہے۔ ولادت کی ترتیب بیان کر دینے کے بعد اگر فرزندوں کو جدا اور صاحبزادیوں کو جدا جدا بیان کریں تو مناسب رہے گا۔

حضرت قاسم بن رسول: حضرت قاسم، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سب سے پہلے فرزند ہیں جو قبل اظہار نبوت متولد ہوئے اور انہیں سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی کنیت ”ابوالقاسم“ مشہور ہوئی۔ یہ پاؤں چلنے کی عمر تک حیات رہے۔ بعض کہتے ہیں کہ سواری پر سوار ہونے کی عمر تک حیات رہے۔ بعض کہتے ہیں کہ دو سال کی عمر تک زندہ رہے اور بعض نے سترہ مہینہ کہا ہے۔

اگر اسے کہتے ہیں ایک اور سترہ سال کا، مگر یہ بھی قیلاً ملاحظہ فرمائیے۔

فرمایا ”آج رات ایک فرزند پیدا ہوا ہے اس کا نام اپنے جد امجد کے نام پر ابراہیم رکھا ہے“ سر کے بالوں کے برابر چاندی وزن کر کے
مکنا: کر الہ اکو فرما کر الہ اکو ۳۱ کے بعد حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ کو دودھ پلانے کیلئے ام سیف رضی



وسلم! میں نے حضور کو بھی تو گریہ کننا دیکھا ہے؟ فرمایا: اَلْبَغَاہُ مِنَ الرَّحْمَةِ وَالصُّرَا ح مِنَ الشَّيْطَانِ رونا رحمت ہے اور چیخنا چلانا شیطانی عمل ہے۔

اہل سیر کہتے ہیں کہ حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ کو ان کی دایہ نے غسل دیا اور ایک قول میں ہے کہ حضرت فضل رضی اللہ عنہ بن عباس نے غسل دیا۔ عبدالرحمن رضی اللہ عنہ بن عوف نے پانی ڈالا اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بھی تشریف فرما تھے اس کے بعد حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ کو چھوٹے تخت پر اٹھایا گیا۔ صحیح یہ ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی نماز جنازہ پڑھی اور یہ جو حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی روایت ہے کہ ان کی نماز جنازہ نہیں پڑھی گئی۔ علماء اس کی اس طرح تاویل کرتے ہیں کہ ممکن ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے خود نہ پڑھی ہو اور صحابہ کو حکم فرمایا ہو کہ وہ نماز پڑھ لیں۔ یا یہ مراد ہو کہ جماعت کے ساتھ نماز نہ ہوئی ہو۔

حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ کو بقیع شریف میں دفن کیا گیا اور فرمایا کہ ”میں نے ان کو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ بن مظعون کے پاس دفن کیا اور ان کی قبر پر پانی چھڑکا۔ اہل سیر کہتے ہیں کہ یہ پہلی قبر ہے جس پر پانی چھڑکا گیا اور ان کی قبر پر نشان لگایا گیا۔ جس طرح کہ حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ کی قبر پر نشان لگا ہوا تھا۔ چنانچہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بنفس نفیس خود پتھر اٹھا کر لائے اور ان کی قبر پر رکھا۔ (المحدث)

حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ کی وفات کے روز سورج کو گہن لگا تھا اور ان کی وفات دسویں محرم یا دسویں ربیع الاول کو ہوئی تھی۔ لوگوں نے کہا کہ یہ گہن حضرت ابراہیم بن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کی وجہ سے لگا ہے چونکہ لوگ عام گمان رکھتے تھے کہ چاند و سورج کا گہن کسی عظیم موت یا حادثہ سے لگتا ہے۔ اس پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ”چاند سورج خدا کی دونشائیاں ہیں۔ ان کو کسی کے مرنے یا جینے سے گہن نہیں لگتا ہے“۔ ایک روایت میں ہے کہ یہ دو ایسی نشانیاں ہیں جن سے حق تبارک و تعالیٰ اپنے بندوں کو ڈراتا ہے تاکہ وہ اس سے عبرت و نصیحت حاصل کریں۔ وہ صدقہ و خیرات دیں اور غلاموں کو آزاد کریں اور گناہوں سے توبہ کریں چونکہ یہ گہن چاند کی دسویں کو واقع ہوا تھا حالانکہ عام طور پر چاند کی اٹھائیس یا اٹیس تاریخ کو گہن لگتا ہے۔ اس بنا پر ان لوگوں کا گمان اس طرف ہوا کہ یہ ان کی وفات کی بنا پر لگا۔ اس حدیث میں منجھوں کے قول کے بطلان پر دلیل ہے کیونکہ ان کے حساب کی رو سے آفتاب کو گہن چاند کو اٹھائیس یا اٹیس تاریخ سے پہلے ممکن نہیں ہے۔

منقول ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ کے وفات کے دن فرمایا ”اگر وہ جیتا تو میں اس کی ماں کے تمام اقربا کو آزاد کر دیتا اور تمام قبیلوں سے جزیہ موقوف کر دیتا“ صحاح میں حدیثیں ثبوت کو پہنچی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ابراہیم رضی اللہ عنہ میرے فرزند کی وفات مدت رضاعت پوری کیے بغیر دنیا سے ہوئی ہے اور ان کیلئے ایک دودھ پلانے والی مقرر کی گئی ہے۔ ایک روایت میں ہے کہ جنت میں ہے تاکہ مدت رضاعت پوری کرے۔ ممکن ہے کہ جنت سے مراد عالم برزخ ہو یا وہ فوراً اس وقت جنت میں لے جائے گئے ہوں۔ مہرۃ کی تخلیق اور اتمام مدت رضاعت میں حکمت، علم رسالت کے ساتھ موقوف ہے۔ بعض مشائخ جو اس کے قائل ہیں کہ ”مرنے کے بعد بھی ترقی ہوتی ہے“ ان کا تمسک اسی حدیث کے ساتھ ہے جو کسی کو پورا کرنے پر دلالت کرتی ہے۔ یہ بندہ یعنی شیخ محقق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ بھی اسی کا قائل ہے اور اسی حدیث سے تمسک کرتا ہے۔ ایک اور حدیث میں آیا ہے کہ جو قرآن کریم کے حفظ میں کوشش کرتا ہے اور وہ تکمیل سے پہلے ہی دنیا سے گزر جاتا ہے تو حق سبحانہ و تعالیٰ اس کی قبر میں ایک فرشیت مقرر فرماتا ہے جو اس کے حفظ کو مکمل کراتا ہے۔ یہ حدیث پہلی حدیث سے زیادہ ظاہر ہے اور سمجھنا چاہیے کہ مرنے کے بعد کتنے پردے اٹھتے ہیں اور کیسی کچھ نعمتیں منکشف و مشہود ہوتی ہیں۔ ان سے بڑھ کر اور کیا ترقی ہوگی۔ سالک کو اگر عالم غیب سے کوئی چیز منکشف ہوتی ہے تو وہ کتنا

خوش اور مسرور ہوتا ہے اور اس وقت تو سراسر تمام انوار و اسرار ہی ظاہر و روشن ہو جانے ہیں تو اس خوشی کا کیا حال ہوگا اگر کوئی کہے کہ اس جگہ ترقی سرمراد سلوک کا تمام کرنا مراد ہے جو زوال ظلمات اور صفات بشریہ کی فنا سے تعبیر ہے اور یہ بات تو دنیا میں حاصل نہیں ہوئی اور متحقق نہ ہوا؟ تعجب ہے کہ عالم غیب کے ظہور انوار اور بروز اسرار کے باوجود بھی وہ ظلمات اور صفات بشریہ زائل نہ ہوں اور ان سے پاک نہ ہو اور اگر کوئی یہ کہے کہ سلوک کو دنیا میں ہی مکمل کرنا چاہیے اور وہاں بغیر سلوک کی تکمیل کے جانا فائدہ نہیں دیتا؟ اگر یہ بات درست بھی ہو تو یہ عالم آخرت سے متعلق ہوگی حالانکہ عالم برزخ کا حکم اور ہے۔ حضرت شیخ ابن عربی اپنے بعض رسائل میں اس مدعا کے اثبات میں فرماتے ہیں کہ حضرت سہیل تستری قدس سرہ کو میں نے پایا کہ وہ کسی مسئلہ میں ایسا حکم و اعتقاد رکھتے تھے جو میرے علم کے خلاف تھا۔ اس کے بعد میں نے ان کو اس کی تعلیم و تلقین کی اور حضرت سہیل تستری قدس سرہ کیلئے اس علم کا حصول داخل ترقی ہوا۔ (واللہ اعلم بحقیقۃ الحال)

كَانَ نَبِيًّا اِذَا بَرَأْتُم مِّنْهُ مَتَّعْتُمُوهُ اَيَّامًا مَّعْدُودَةً ۚ

روضۃ الاحباب میں اسے اسی طرح نقل کر کے کہا ہے کہ یہ جو سلف سے منقول ہے کہ حضرت ابراہیم بن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حالت صغر میں وفات پائی اور اگر جیتے رہتے تو نبی ہوتے، صحت کو نہیں پہنچتی ہے اور اس کا کوئی اعتبار نہیں ہے۔ یہ علم غیب پر جرات و دلیری ہے۔

طریقہ یہ ہے کہ ابراہیم شدوی نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایات کیا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ابراہیم نے آغوش میں وفات پائی اگر زندہ رہتے تو نبی ہوتے (الحديث) تیسرا طریقہ یہ ہے کہ بخاری تک جو اس کی سند ہے یہ ہے کہ محمد بن بشیر نے اسمعیل بن ابی خالد سے کہا کہ میں نے عبد اللہ بن ابی اولی رضی اللہ عنہ سے کہا کہ تم نے حضرت ابراہیم بن النبی صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا ہے؟ انہوں نے فرمایا کہ وہ صغریٰ میں فوت ہوئے اگر یہ بات مقدر کی گئی ہوئی کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد نبی ہوتا تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرزند فوت نہ ہوتا لہذا معلوم ہوا کہ اس حدیث کی کئی سندیں ہیں اگرچہ ضعیف و غریب ہوں اور ایسا نہیں ہے کہ یوں کہا جائے کہ ”بعض سلف سے کہا گیا ہے اور یہ کہ بعض متقدمین نے اسکا کہا ہے اور مائل، اور یہ جسارت اور علم غیب رجرات ہے۔“ البتہ اس



WWW.NAFSEISLAM.COM

اگر ابراہیم جیتے تو نبی ہوتے تو اس کا جواب یہ ہے کہ قضیہ شرطیہ، صدق طرفین اور ان کے وقوع کو مستلزم نہیں ہے جس طرح کہ کہتے ہیں کہ اگر عقدا موجود ہوتا تو ایسا ایسا ہوتا اور اگر زید گدھا ہوتا تو ناحق ہوتا۔ اسی طرح اگر زندہ ہوتے تو نبی ہوتے لیکن زندہ نہ رہے تو نبی نہ ہوئے اور دوسرا اشکال ملازمت کا ہے تو اس کی وجہ یہ ہے کہ مقصود حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ کے شان کی مدح و برتری اور ان کے استعداد

وسلم نے ابوالعاص رضی اللہ عنہ سے عہد لیا کہ سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کو حضور اکرم کی طرف بھیج دیں گے۔ ابوالعاص رضی اللہ عنہ نے اسے مان لیا۔ اس کے بعد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے زید بن حارثہ اور ایک اور انصاری شخص کو مکہ مکرمہ بھیجا تا کہ سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کو لے آئیں اور فرمایا مکہ کے اندر نہ جانا بلکہ وادی ناعج کے کھن میں ٹھہرنا۔ یہ ایک موضع کا نام ہے جو مکہ کے باہر ہے مسجد عائشہ رضی اللہ عنہا کے سامنے ہے جہاں انہوں نے عمرہ کا احرام باندھا تھا جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے آپ نے فرمایا جب وہ سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کو تمہارے حوالہ کر دیں تو ان کے ساتھ لے کر مدینہ منورہ آ جانا اس واقعہ کے ڈھائی سال بعد ابوالعاص رضی اللہ عنہ ایک تجارت کی غرض سے مکہ سے باہر آئے۔ ان کے ساتھ مکہ والوں کا مال تجارت تھا۔ اس تجارتی قافلہ کی واپسی کے وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب اس کی تلاش میں گئے ہوئے تھے جب انہوں نے قافلہ پر قابو پا لیا تو چاہا کہ ابوالعاص رضی اللہ عنہ کے مال پر قبضہ کر کے انہیں قتل کر دیں۔ یہ خبر جب سیدہ زینب سلام اللہ علیہا کو پہنچی تو انہوں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! کیا کسی مسلمان کو کسی عہدہ و آمان میں لینے کا حق نہیں ہے؟ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ”ہاں ہے۔“ سیدہ زینب رضی اللہ عنہا نے عرض کیا ”یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! آپ گواہ رہیں کہ میں نے ابوالعاص رضی اللہ عنہ کو امان دیدی ہے جب صحابہ کرام اس صورت حال سے باخبر ہوئے تو ابوالعاص رضی اللہ عنہ اور ان کے مال سے دست تعرض کھینچ لیا اور ابوالعاص رضی اللہ عنہ سے کہنے لگے تم مسلمان

ابو العاص رضی اللہ عنہ کا قتل نہ کرو۔ لکنتم منہ عنہ ابوالعاص رضی اللہ عنہ۔ نہ کہ امیر بشم کہتا تھا کہ اس نے اس کا قتل کر دیا۔

سر مبارک اٹھا کر قیام کی طرف جاتے تو اسے اٹھا کر دوش مبارک پر بٹھا لیتے..... شارحین حدیث اس جگہ کلام کرتے ہیں کہ یہ اٹھانا اور زمین پر اتارنا فعل کثیر تھا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے کیسے جائز رکھا جواب میں فرماتے ہیں کہ امامہ رضی اللہ عنہا خود آ کر بیٹھیں اور خود ہی اتر جاتی تھیں اور یہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا فعل واختیار نہ تھا۔

حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ نے سیدہ فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا کی رحلت کے بعد سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کی وصیت کے بموجب امامہ رضی اللہ عنہا سے نکاح کیا اور ان سے حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے فرزند ”محمد اوسط“ پیدا ہوئے اور محمد اکبر اور محمد اصغر بھی اولاد علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ میں سے ہیں اور محمد اکبر محمد بن حنفیہ ہیں اور محمد اصغر ان کی والدہ ام ولد ہیں جو کہ سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ کے ساتھ کربلا میں شہید ہوئے۔

سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کی وفات حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ حیات ظاہری میں ۸ھ میں واقع ہوئی اور سودہ رضی اللہ عنہا بنت زمعہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا اور ام ایمن رضی اللہ عنہا اور ام عطیہ رضی اللہ عنہا انصاریہ نے ان کو غسل دیا۔ ام عطیہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے پاس اس حال میں تشریف لائے کہ ہم آپ کی صاحبزادی کو غسل دے رہے تھے۔ محدثین فرماتے ہیں کہ یا تو مراد سیدہ زینب رضی اللہ عنہا زوجہ ابوالعاص رضی اللہ عنہ ہیں جیسا کہ مسلم میں حضرت ام عطیہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ کہا جس وقت سیدہ زینب رضی اللہ عنہا بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رحلت فرمائی تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم سے فرمایا ان کو غسل دو (الحديث) یا اس سے مراد سیدہ ام کلثوم زوجہ حضرت عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ ہیں جیسا کہ ابن ماجہ میں باسناد بر شرط شیعین مروی ہے۔ (واللہ اعلم)

متفق علیہ حدیث میں آیا ہے کہ حضرت ام عطیہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے پاس اس حال میں تشریف لائے کہ ہم آپ کی صاحبزادی کو غسل دے رہے تھے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ان کو تین مرتبہ غسل دو یا اس سے زیادہ ایک روایت میں سات مرتبہ آیا ہے اس سے مقصود اختیار دینا نہیں ہے بلکہ اس سے مقصود یہ ہے کہ اگر تین مرتبہ سے نفاخت و پاکیزگی حاصل ہو جائے تو یہی مشروع ہے ورنہ اس سے زیادہ مرتبہ کریں یہاں تک کہ نفاخت حاصل ہو جائے۔ واجب ایک مرتبہ ہے اور روایت جو یہ ہے کہ ”یا اس سے زیادہ“ اسی معنی کی تائید میں ہے مگر یہ کہ کسی خاص رعایت کی طرف اشارہ ہو نیز حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ”خالص پانی اور پیری کے پتے ملے ہوئے پانی سے غسل دو اور آخری مرتبہ میں کا فور ملو۔ ایک روایت میں مشک بھی آیا ہے تو جب تم غسل سے فارغ ہو جاؤ تو اسے غور تو! مجھے خبر کرا دینا۔ ام عطیہ رضی اللہ عنہا جو اس حدیث کی راوی ہیں فرماتی ہیں کہ جب ہم غسل سے فارغ ہوئے تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع دی اس کے بعد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا تہہ بند بھیجا کہ اس سے ان کو کفن دو جو جسم سے پوست ہو۔ اس حدیث سے صالحین کے تبرکات سے تبرک لینے کا استحباب ثابت ہے۔

ایک روایت میں آیا ہے کہ فرمایا ان کو تین مرتبہ غسل دو یا پانچ مرتبہ یا سات مرتبہ اور دہنی جانب اور موضع وضو سے ابتدا کرو۔ ام

جماعت نے کی ہے مگر اصح وہی ہے جس پر اکثر اہل سیر ہیں وہ یہ کہ سیدہ زینب سب سے بڑی صاحبزادی ہیں۔ سیدہ رقیہ رضی اللہ عنہا عہد نبوت سے پہلے عتبہ بن ابی الہب کی زوجیت میں تھیں اور ان کی بہن سیدہ ام کلثوم اس عتبہ کے بھائی عتبہ کی زوجیت میں تھیں ایسا ہی مدارج میں اس کا ذکر ہے اور جمع الصحاح میں اس کا ذکر ہے بصرہ بکسرہ اور ہاء معتد لفظ مصغّر ہے اور وہ صحت احادیث میں اس کا ذکر ہے۔

کے برعکس مروی ہے اور حاشیہ میں لکھا ہے کہ یہی اکثر کتابوں میں ہے اس لیے کہ عتبہ کا مسلمان ہو کر مقبول الاسلام بن کر صحابہ کی گنتی میں شمار ہوا ہے اور وہ جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بددعا کا قصہ ہے جس کے بارے میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بدعا مستجاب ہوئی اور اسے شیر نے پھاڑ کر قتل کیا وہ اس کا بھائی عتبہ (باتفاق) بہر حال جب سورہ قسٹ یَذَا اَبْنٰی لَهَبٍ نازل ہوئی تو ابولہب نے عتبہ سے کہا او عتبہ تیرا سر حرام ہے۔ مطلب یہ کہ تجھ سے بیزار ہوں اگر تو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی بیٹی کو اپنے سے جدا نہ کرے۔ اس پر اس نے جدائی کر لی اور علیحدہ ہو گیا۔

اہل سیر کہتے ہیں کہ قریش نے حضرت ابوالعاص رضی اللہ عنہ کو بھی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی سیدہ زینب کو جدا کر دینے پر ابھارا۔ انہوں نے فرمایا خدا کی قسم میں ہرگز حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی کو جدا نہ کروں گا اور نہ میں یہ پسند کرتا ہوں کہ ان کے عوض قریش کی کوئی اور عورت ہو۔

اس کے بعد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدہ رقیہ رضی اللہ عنہا کا نکاح حضرت عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ کے ساتھ مکہ مکرمہ میں کر دیا اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے ان کے ساتھ دو ہجرتیں فرمائیں۔ ایک حبشہ کی طرف دوسری حبشہ سے مدینہ طیبہ کی طرف۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی شان میں فرمایا حضرت لوط علیہ السلام کے بعد یہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے خدا کی طرف ہجرت کی اور حضرت عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ حسن رفیع اور جمال کریم کے مالک تھے دولابی نے بیان کیا ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا سیدہ رقیہ کے ساتھ نکاح زمانہ جاہلیت میں ہوا تھا مگر اور تمام اہل سیر نے بعد اسلام بیان کیا ہے۔

منقول ہے کہ جب سیدہ رقیہ رضی اللہ عنہا نے وفات پائی تو عورتیں روتی تھیں مگر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ان کو اس سے منع نہ فرماتے تھے۔ سیدہ فاطمہ زہرا سیدہ رقیہ کی قبر کے سر ہانے رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کے پہلو میں بیٹھی ہوئی روتی تھیں اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی چادر مبارک کے کنارہ سے ان کی چشم پوشی مبارک سے آنسو پوچھتے تھے اس کے باوجود حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے سیدہ رقیہ کی تعزیت کی گئی تو فرمایا: اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ ذَقْنِ الْبَسَاتِ مِنَ الْمَسْكُومَاتِ اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ میت پر رونارحمت و رقت کی بنا پر ہوتا ہے نہ کہ میت کے فقدان یعنی رخصت ہو جانے کی وجہ سے کیونکہ یہ تو تقدیر الہی سے واقع ہوتا ہے۔ یہ سب روایتیں اس تقدیر پر ہیں جبکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سیدہ رقیہ کی وفات کے وقت موجود ہوں لیکن صورت یہ ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ان کی وفات کے وقت بدر میں تشریف فرما تھے جیسا کہ مشہور ہے لہذا غالب گمان یہ ہے کہ یہ واقعات سیدہ زینب یا سیدہ ام کلثوم رضی اللہ عنہما سے متعلق ہوں گے اور راوی نے وہم کی بنا پر سیدہ رقیہ کا نام لے

ہے کہ عتبہ نے جب سیدہ ام کلثوم رضی اللہ عنہا سے جدائی کی تو وہ بارگاہ رسالت میں آیا اور کہنے لگا میں کافر ہوا آپ کے دین سے اور نہ آپ کا دین مجھے محبوب ہے اور نہ آپ ہی مجھے پیارے ہیں اور اس بد بخت نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادتی کی اور آپ کی قمیض مبارک کو چاک کر دیا۔ ایک روایت میں آیا ہے کہ میں نے کہا: هُوَ يَكْفُرُ بِالَّذِي دَنَى فَتَدَلِّي فَكَانَ قَابَ قَوْسَيْنِ أَوْ أَدْنَى ظاہر ہے کہ اس نے یہ الفاظ سورہ وانجم سے حاصل کیے چونکہ مکہ مکرمہ میں ان دنوں یہ سورہ مبارکہ نازل ہو گئی تھی۔ اہل سیر کہتے ہیں کہ اس ملعون نے اتنی گستاخی کی کہ اس نے اس ناپاک منہ کا تھوک حضور اکرم کی جانب پھینکا کہا کہ میں نے رقیہ کو طلاق دیدی۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اَللّٰهُمَّ سَلِّطْ عَلَيْهِ كَلْبًا مِنْ كِلَابِكَ اے خدا اس ملعون پر اپنے کتوں میں سے ایک کتا مسلط کر دے اہل سیر کہتے ہیں کہ حضرت ابوطالب اس وقت مجلس میں حاضر تھے انہوں نے فرمایا میں نہیں جانتا کہ تجھے کوئی چیز حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا کے تحت سے بچا سکے گا۔۔۔ ملعون، تجارت کا غرض، سے شام کا اطف حار ماتھاراہ میں، جب اس نے ایک لکڑی منزلہ پر بیٹھ کر اذیلا

سیدہ فاطمہ الزہرا بنت رسول اللہ: حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی چوتھی صاحبزادی سیدہ فاطمہ الزہرا ہیں۔ سیدہ فاطمہ کی پیدائش ولادت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے اکتالیسویں سال میں ہوئی۔ اہل سیر کہتے ہیں کہ یہ قول ابو بکر رازی کا ہے اور یہ قول اس کے مخالف ہے جسے ابن اسحاق نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اولاد کے بارے میں بیان کیا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تمام اولاد اظہار نبوت سے قبل پیدا ہوئی ہیں۔ بجز حضرت ابراہیم کے۔ اس لیے کہ اس قول کے بموجب سیدہ فاطمہ کی ولادت بعد از نبوت ایک سال بعد ہوئی ہے۔ ابن جوزی نے کہا کہ سیدہ فاطمہ کی ولادت اظہار نبوت سے پانچ سال پہلے ہے۔ مشہور تر روایت یہی ہے ایک قول کے بموجب سیدہ فاطمہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادیوں میں سب سے چھوٹی صاحبزادی ہیں اور ایک قول سے سیدہ رقیہ اور ایک قول سے ام کلثوم سب سے چھوٹی تھیں۔

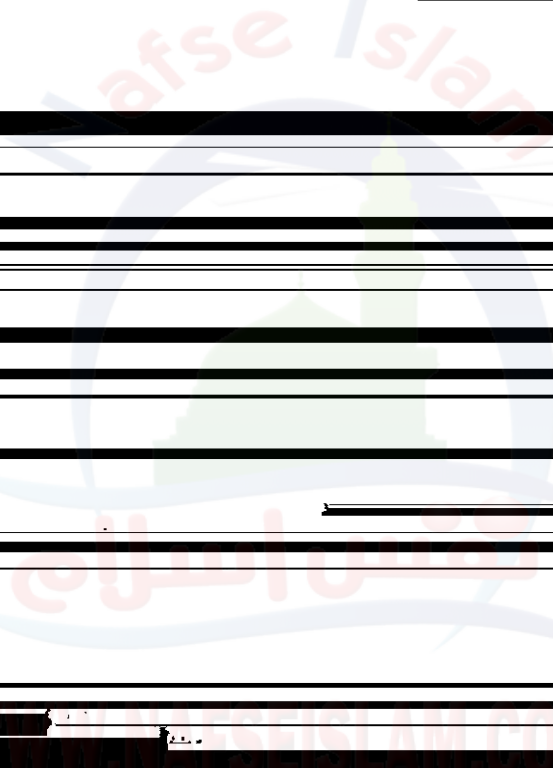
سیدہ زہرا سیدۃ النساء العالمین اور سیدۃ نساء اہل الجنۃ ہیں اور فاطمہ اس بنا پر نام رکھا گیا کہ حق تعالیٰ نے ان کو اور ان کے محبین کو آتش و دوزخ سے محفوظ رکھا ہے اور بتول اس بنا پر نام رکھا گیا کہ آپ اپنے زمانہ کی تمام عورتوں سے فضیلت، دین اور حسن و جمال میں جدا ہیں اور ماسوی اللہ سے بے نیاز ہیں اور زہرا اس بنا پر کہ زہرت بہجت اور جمال میں کمال و مرتبہ میں ہیں اور زکیہ و راضیہ بھی آپ کا لقب ہے سیدہ زہرا تمام لوگوں میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے راہ و روش اور صورت و سیرت اور کلام میں سب سے زیادہ مشابہ تھیں اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت کریمہ تھی جب سیدہ فاطمہ آتیں تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ان کیلئے کھڑے ہو جاتے اور ان کا ہاتھ تھام لیتے اور ان کی پیشانی کو بوسہ دیتے اور اپنی جگہ پر ان کو بٹھاتے تھے۔ اسی طرح جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ان کے پاس تشریف لے جاتے تو یہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کیلئے کھڑی ہو جاتیں اور آگے بڑھ کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا دست مبارک تھام لیتیں اور اپنی جگہ حضور کو بٹھاتیں۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا عقد حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ سے ہجرت کے دوسرے سال رمضان مبارک میں غزوہ بدر کی واپسی پر فرمایا بعض غزوہ احد کے بعد کہتے ہیں اور ماہ ذی الحجہ میں شب عروسی واقع ہوئی۔ ایک قول یہ ہے کہ ماہ ربیع میں نکاح ہوا اور ایک قول سے ماہ صفر میں۔ انعقاد نکاح بحکم الہی اور اس کی وحی سے تھا اور سیدہ کی عمر شریف پندرہ سال ساڑھے پانچ ماہ کی تھی اور حضرت علی مرتضیٰ کی عمر شریف اکیس سال پانچ ماہ تھی۔ دیگر اقوال بھی ہیں۔ نکاح کا قصہ ہجرت کے دوسرے سال کے واقعات میں بیان ہو چکا ہے۔ سیدہ فاطمہ سے امام حسن، امام حسین، محسن، زینب، ام کلثوم اور رقیہ پیدا ہوئے۔ محسن اور رقیہ عہد طفولیت میں ہی وفات پا گئے اور سیدہ زینب، حضرت عبد اللہ بن جعفر سے اور سیدہ ام کلثوم حضرت عمر بن الخطاب کی زوجیت میں آئیں واران کی اولاد باقی نہ رہی اگرچہ سیدہ ام کلثوم کا حضرت فاروق اعظم سے ایک فرزند پیدا ہوا اور اس کا نام زید تھا۔

صحیح حدیث میں آیا ہے کہ فَاطِمَةُ سَيِّدَةُ نِسَاءِ أَهْلِ الْجَنَّةِ الْحَسَنِ وَالْحُسَيْنِ سَيِّدَتَا شَبَابِ أَهْلِ الْجَنَّةِ اور یہ روایت درجہ صحت کو پہنچ چکی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: فَاطِمَةُ بَضْعَةٌ مِنِّي مَنْ أَذَاهَا فَقَدْ أَذَانِي وَمَنْ أَبْغَضَهَا فَقَدْ أَبْغَضَنِي فاطمہ میرا جگر گوشہ ہے جس نے انہیں تکلیف دی اس نے مجھے تکلیف دی اور جس نے ان سے بغض رکھا بلاشبہ اس نے مجھ سے بغض رکھا۔ نیز فرمایا: إِنَّ اللَّهَ يَغْضِبُ بِغَضَبِ فَاطِمَةَ وَيَرْضَانِي بِرِضَاهَا بے شک اللہ فاطمہ کے غصہ سے غضب فرماتا اور ان کی رضا سے خوش ہوتا ہے۔

اہل سیر کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی المرتضیٰ اور فاطمہ کو ایک فرش پر بٹھا کر دونوں کی دلجوئی فرمائی۔ حضرت علی مرتضیٰ نے عرض کیا ”یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ کو وہ مجھ سے زیادہ پیاری ہیں یا میں؟“ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”وہ مجھے تم سے زیادہ پیاری ہیں اور تم ان سے زیادہ مجھے پیارے ہو۔“

سیدہ عائشہ کی یہ روایت صحت کو پہنچی ہے کہ فرمایا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم باہر تشریف فرما تھے اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بدن اقدس پر اونی چادر شریف تھی۔ حسن بن علی آئے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اپنی چادر شریف میں لے لیا ان کے بعد حسین



ہے وہیں دیکھنا چاہیے۔ (وباللہ التوفیق)

وفات سیدہ زہرا رضی اللہ عنہا: فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا کی وفات شب سہ شنبہ تیسری ماہ رمضان ۱۱ھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے چھ ماہ بعد واقع ہوئی یہی قول مشہور صحیح ہے اور بھی کئی قول ہیں لیکن وہ درجہ صحت سے دور ہیں اور یقین شریف میں رات میں مدفون ہوئیں۔ ان کی نماز جنازہ ایک قول سے حضرت علی اور ایک قول سے حضرت عباس نے پڑھی کہتے ہیں کہ دوسرے دن حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر فاروق اور دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین نے حضرت علی مرتضیٰ سے شکایت کی کہ ہمیں کیوں نہ خبر کی ہم بھی نماز کا شرف پاتے۔ حضرت علی مرتضیٰ نے عذر خواہی میں فرمایا میں نے فاطمہ کی وصیت کی بنا پر ایسا کیا کہ جب میں دنیا سے رخصت ہو جاؤں۔ تو رات میں دفن کرنا تا کہ ناخرموں کی آنکھیں میرے جنازہ پر نہ پڑیں لوگوں میں یہی مشہور ہے مگر روضۃ الاحباب وغیرہ میں یہ ہے اور روایتوں سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ آئے اور ان کے جنازہ کی نماز پڑھائی اور حضرت عثمان بن عفان و عبدالرحمن بن عوف اور زبیر بن العوام رضی اللہ عنہم بھی آئے اور یہ ذکر پہلے بھی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے ضمن میں آخر میں کیا جا چکا ہے۔

سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کے محل دفن میں اختلاف ہے بعض کا خیال ہے کہ آٹھ قدم قد یقین میرا حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے قدم پر

ہے جہاں تمام اہل بیت نبوت آسودہ ہیں (اور یقین کے تمام مزارات اور قبوں کو ملعون نجدیوں نے اپنے دور استبداد ۱۳۴۳ھ میں شہید کر دیا ہے) (مترجم) اور بعض کا خیال یہ ہے کہ ان کا مدفن ان کے گھر میں ہی ہے جو کہ مسجد نبوی شریف میں ہے ان کا جنازہ گھر سے باہر نہ نکالا گیا آج بھی ان کی زیارت وہیں مشہور ہے اور دوسرا قول یہ ہے کہ ان کا مزار شریف یقین کی مسجد میں ہے جو قبۃ عباسی کے نام سے منسوب ہے اور شرقی کی جانب ہے۔ امام غزالی نے یقین کی زیارت میں اس مسجد کا ذکر کیا ہے اور اس میں نماز پڑھنے کی وصیت کی ہے بعض اور حضرات نے بھی اس مسجد شریف کا ذکر کیا ہے اور کہتے ہیں کہ وہ ”بیت الحزن“ کے نام سے معروف ہے کیونکہ سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھیں۔

باب دوم

درذکرا مہات المؤمنین از وراج مطہرات رضی اللہ عنہم

واضح رہنا چاہیے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں دنیاوی امور کی جو چیزیں زیادہ محبوب تھیں ان میں از وراج مطہرات رضی اللہ عنہم تھیں اور ان کے ساتھ خوش ہوتے تھے۔

اہل سیر بیان کرتے ہیں کہ قوت مباشرت آپ کو تمیں تا چالیس مردوں کی ودیعت ہوئی تھی لامحالہ آپ کیلئے مباح ہوا کہ اپنے نکاح میں جتنی از وراج مطہرات چاہیں رکھیں۔ واضح رہنا چاہیے کہ نکاح کے فوائد میں سے حفظ نسل اور بقائے نوع انسانی کے بعد حصول لذت، تمتع نعت اور حفظ صحت ہے۔ اس لیے کہ منی کا روکنا اور اسے نکالنے سے بچنا شدید امراض کا مورد متوجہ ہے اور ضعف قوی اور انسداد اعضائے مجاری کا موجب ہے اور قوت باہ و شہوت جماع کے ساتھ تفاخر و مہابات اور تمادح اور اس کے برعکس میں تنقیص و تحقیر مقررہ امر معروف اور عادت مستمر و مستقر ہے جو لوگوں کے درمیان عام ہے اور عورتوں سے محبت اور متعدد نکاح کرنا نوع انسانی کے کمال اور افراد انسانی کے کامل ترین ہونے کی دلیل ہے تمام انبیاء کرام علیہم السلام صاحبان از وراج و اولاد ہوئے ہیں بجز حضرت عیسیٰ اور حضرت یحییٰ علیہما السلام کے روایتوں میں آیا ہے کہ حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام روزانہ اپنے براق پر سوار ہو کر شوق صحبت میں شام سے مکہ مکرمہ سیدہ ہاجرہ والدہ حضرت اسمعیل علیہ السلام کے پاس تشریف لایا کرتے تھے اور یہ ان کے ساتھ کمال شغف اور ان سے قلت صبر کی بنا پر واقع ہوتا تھا اور حضرت داؤد نبی علیہ السلام کے نانوائے از وراج مطہرات تھیں۔ اس کے باوجود وہ ایک اور سے نکاح کرنا چاہتے تھے تاکہ سوپوری ہو جائیں۔ حضرت سلیمان علیہ السلام کے تین سو منکوہ از وراج اور ہزار باندیاں تھیں اور ایک رات میں سو پروردہ فرماتے تھے۔

بخاری میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ایک رات میں اپنی تمام از وراج پر دورہ فرماتے تھے اور وہ گیارہ تھیں ایک روایت میں ہے کہ نو تھیں اور تحدیث نعت میں فرماتے کہ آپ کو تمیں مردوں کی طاقت عطا کی گئی ہے۔ طاؤس اور مجاہد سے مروی ہے کہ چالیس مردوں کی قوت دی گئی۔ ایک روایت میں مجاہد سے مروی ہے کہ چالیس جنتی جوانوں کی قوت دی گئی اور صحیح روایت میں آیا ہے کہ ہر جنتی جوان کی سو مردوں کی قوت کھانے پینے اور جماع میں ہوتی ہے لہذا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو مباح تھا کہ جتنی تعداد میں چاہیں عورتوں کو نکاح میں لائیں اس میں کمال فضل و شرف اور تمام مردوں سے آپ کا امتیاز ہے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کیلئے از وراج کی زیادتی میں حکمت یہ تھی کہ اندرونی اور خلوت کے احکام مردوں تک ان کے ذریعہ سکھائے جاسکیں اور وہ امت میں نقل کریں اور قیام حقوق اور حسن معاشرت میں تکلیف کی زیادتی اور ان کی صحبت پر صبر فرمانا باوجود بار رسالت کو برداشت فرمانے اور عبادت شاقہ کے ساتھ اس پر قائم رہنے کے آپ کا یہ عالم تھا یہ بھی نکاح کے فوائد میں سے ہے۔

اور یہ جو نقل کیا گیا اس سے حضرت سلیمان علیہ السلام کی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر تفصیل لازم نہیں آتی اس لیے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے کمالات و فضائل اتنے کثیر ہیں کہ اگر تمام انبیاء علیہم السلام کے فضائل کو ایک پہلو میں رکھیں تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے فضائل ان سب پر غالب ہوں گے حقیقت حال یہ ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے حق سبحانہ و تعالیٰ سے ایسی بادشاہت مانگی تھی

جو کسی دوسرے کو میسر نہ ہو۔ تو حق تعالیٰ نے ان کی دعا قبول فرمائی اور ان کو کوئی چیزیں مثلاً تسخیر ریح، جن وغیرہ ان کے ساتھ مخصوص فرمائیں کسی دوسرے کو وہ میسر نہ ہوئیں۔ حضرت سلیمان علیہ السلام ایک نبی بادشاہ تھے اور یہ سب ان کے معجزات میں سے تھے۔

حدیث مبارک میں آیا ہے کہ ہمارے نبی کریم علیہ السلام کو اختیار دیا گیا کہ آپ چاہیں تو نبی بادشاہ ہوں یا نبی بندے؟ اس پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے نبی بندے کو اختیار فرمایا اور نبی بادشاہ کو اختیار نہ فرمایا مطلب یہ کہ بندگی بادشاہت سے بہتر ہے لہذا حق تعالیٰ نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو حد بشریت اور فقر و عبودیت پر قائم رکھا اور حضرت سلیمان علیہ السلام کو سلطنت بادشاہت ازواج کی کثرت، تخت کا ہوا پر اڑنے اور تسخیر جنات وغیرہ کے ضافہ کے ساتھ نبی بنایا اور یہ سب چیزیں ظاہر میں تھیں لیکن ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی قدرت و قوت تصرف کائنات سے اور قربت و عزت بارگاہِ صمدیت میں ان سے زیادہ تھی اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ قدرت و قوت اور شکر نعمت ان سے کامل تر تھی لیکن ظاہر میں ان کا وجود حضرت سلیمان کے ساتھ مخصوص تھا اور اسی مفہوم و مطلب پر وہ حدیث صحیح دلالت کرتی ہے کہ ایک عفریت جنات میں سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز میں آیا کہ وسواس اور خلل ڈالے پھر حضرت اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں نے ارادہ کیا کہ پکڑ کر مسجد کے ستونوں سے باندھ دوں تاکہ مدینہ طیبہ کے بچے اور اطفال اس سے کھیلیں لیکن اپنے بھائی سلیمان علیہ السلام کی ایک دعا یاد آگئی اور میں نے اسے چھوڑ دیا مطلب یہ کہ مجھے جنات پر قوت و تصرف حاصل ہے لیکن چونکہ یہ تصرف بحکم الہی حضرت سلیمان علیہ السلام کے ساتھ مخصوص رکھا گیا ہے اس بنا پر میں نے اس سے اعراض کیا۔ (فافہم و باللہ التوفیق)

صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے فوت ہوئیں اور جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد فوت ہوئیں اور وہ جن سے دخول ہوا اور وہ جن سے دخول نہ ہوا اور وہ جن کو پیام نکاح دیا اور نکاح نہ ہوا اور وہ جنہوں نے خود کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کیا ان سب میں اختلاف ہے ان میں سے متفق علیہ گیارہ ازواج مطہرات ہیں چھ قریش میں سے یعنی سیدہ خدیجہ الکبریٰ سیدہ عائشہ صدیقہ بنت ابی بکر صدیق سیدہ حفصہ بنت عمر فاروق سیدہ ام حبیبہ بنت ابوجنین سیدہ ام سلمہ بنت ابی امیہ سیدہ سودہ بنت زمعہ اور چار عربیہ غیر قریشیہ ہیں یعنی سیدہ زینب بنت جحش سیدہ میمونہ بنت الحارث ہلالیہ سیدہ زینب بنت خزیمہ ہلالیہ ام المساکین سیدہ جویریہ بنت الحارث اور ایک غیر عربیہ بنی اسرائیل سے ہیں وہ سیدہ صفیہ بنت حی بن نقیر سے ہیں اور وہ ازواج حضور اکرم کے سامنے فوت ہوئیں دو ہیں ایک سیدہ خدیجہ الکبریٰ اور دوسری زینب ام المساکین رضی اللہ عنہما ہیں اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی رحلت کے وقت بلا اختلاف نو ازواج مطہرات وجود تھیں۔

ام المؤمنین خدیجہ الکبریٰ رضی اللہ عنہا: سب سے پہلے جن سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے تزوج فرمایا وہ سیدہ خدیجہ الکبریٰ ہیں اور جب تک وہ حیات رہیں ان کی موجودگی میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی عورت سے نکاح نہ فرمایا ترتیب میں ان کے ذکر کی ابتدا میں یہ بیان ہے۔ ام المؤمنین کا نسب نامہ یہ ہے۔ خدیجہ رضی اللہ عنہا بنت خویلد بن اسد بن عبد العزیٰ بن قصی بن کلاب بن مرہ بن کعب بن لوی۔ سیدہ کا نسب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے نسب شریف سے قصی میں مل جاتا ہے اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے قصی کی اولاد سے بجز خدیجہ رضی اللہ عنہا اور ام حبیبہ کے کسی کی خواستگاری نہ فرمائی۔ ان کی کنیت ام ہند ہے اور ان کی والدہ فاطمہ بنت زابدہ بن الاصم بنی عامر بن لوی سے تھیں وہ پہلے ابوالہ بن نیاس بن زرارہ کی زوجیت میں تھیں اور اس سے ان کے دو فرزند ہوئے ایک ہند اور دوسرا ہالہ اور ابوالہ کا نام مالک تھا اور ایک قول سے زرارہ اور دوسرے قول سے ہند تھا۔ اس کے بعد انہوں نے عتیق بن عایذ مخزومی سے نکاح کیا اس سے ان کی ایک لڑکی پیدا ہوئی جس کا نام ہند رضی اللہ عنہا تھا (کنانی الموابہ) روضۃ الاحباب میں کہا گیا ہے کہ ایک لڑکا ایک لڑکی ہے اور ہند ایسا نام ہے جو مرد و عورت دونوں کیلئے رکھے جاتے ہیں جس طرح جویریہ ہے اور بعض نے عتیق کو ابوالہ پر مقدم بیان کیا ہے اس کے بعد انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے نکاح کیا اور ہند رضی اللہ عنہا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ربیبہ تھی۔ اس وقت حضرت خدیجہ الکبریٰ رضی اللہ عنہ کی عمر شریف چالیس برس کی تھی اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر شریف پچیس سال کی تھی اور ایک قول کے بموجب اکیس سال کی تھی۔ پہلا قول زیادہ صحیح ہے بعض نے تیس سال بھی کہا (واللہ اعلم)

سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا عاقلہ فاضلہ اور فرزانہ عورت تھیں زمانہ جاہلیت میں ان کو طاہرہ کہتے تھے۔ عالی نسب اور بڑی مالدار تھیں۔ ابوالہ عتیق کے بعد بہت سے صنادید و اشراف قریش خواستگاری رکھتے تھے کہ وہ ان سے نکاح کر لیں مگر انہوں نے قبول نہ کیا اور انہوں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کیلئے اپنے آپ کو خود پیش کیا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا تذکرہ اپنے چچاؤں سے فرمایا اس کے بعد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ خویلد بن اسد کے پاس تشریف لائے اور ان کو پیام دیا۔ اس کی پوری تفصیل ولادت کے پچیسویں سال میں جبکہ شام کے سفر سے واپس تشریف لائے تھے اور سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ نکاح فرمایا تھا گزر چکی ہے اور سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کا مہر انتیس جوان اونٹ تھے اور ایک روایت میں ہے کہ بارہ اوقیہ سونا تھا۔

اہل سیر بیان کرتے ہیں کہ سیدہ خدیجہ الکبریٰ رضی اللہ عنہ نے خواب میں دیکھا تھا کہ آسمانی آفتاب ان کے گھر اتر آیا ہے اور اس کا نور ان کے گھر سے پھیل رہا ہے یہاں تک کہ مکہ مکرمہ کا کوئی گھر ایسا نہیں جو اس نور سے روشن نہ ہوا ہو۔ جب وہ بیدار ہوئیں تو یہ خواب اپنے چچا کے لڑکے کے ورقہ بن نوفل سے بیان کیا۔ اس نے اس خواب کی یہ تعبیر دی کہ نبی آخر الزمان تم سے نکاح کریں گے۔

سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا وہ پہلی عورت ہیں جن پر اسلام کی حقیقت سب سے پہلے روشن ہوئی اور انہوں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تصدیق کی اور اپنا تمام مال و زر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی رضا میں خرچ کیا اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تمام اولاد خواہ فرزند ہوں یا دختر سب انہیں سے پیدا ہوئے بجز حضرت ابراہیم کے جو سیدہ ماریہ رضی اللہ عنہا قبلیہ سے پیدا ہوئے تھے اور یہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی پچیس یا چوبیس سال شریک حیات رہیں ان کی وفات ہجرت سے پانچ سال یا تین سال پہلے ہوئی۔ اس وقت ان کی عمر شریف پینسٹھ سال تھی ان کی وفات بعثت کے دسویں سال ماہ رمضان میں ہوئی ہے اور مقبرہ حجون میں مدفون ہوئیں۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم خود ان کی قبر میں داخل ہوئے اور دعائے خیر فرمائی۔ نماز جنازہ اس وقت تک مشروع نہ ہوئی تھی۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ان کی وفات سے بہت طویل و محزون ہوئے تھے۔ ان کی وفات کے سال کا نام ”عام الحزن“ ہے ان کے فضائل و مناقب بہت ہیں۔ سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کی فضیلت میں بس اتنا کافی ہے سیدہ فاطمہ زہرا جیسی صاحبزادی ان کے لطن سے پیدا ہوئیں۔

اہل سیر بیان کرتے ہیں کہ کفار قریش کی تکذیب سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جو غم و اندوہ اور تکلیفیں اٹھاتے تھے وہ سب سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کو دیکھتے ہی جاتا رہتا تھا اور آپ خوش ہو جاتے تھے اور جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کے پاس تشریف لاتے تو وہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی پاس خاطر فرماتیں جس سے ہر مشکل آسان ہو جاتی۔

صحیحین میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ بارگاہ رسالت میں جبریل علیہ السلام نے حاضر ہو کر عرض کیا اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم آپ کے پاس حضرت خدیجہ دسترخوان لارہی ہیں جس میں کھانا پانی ہے جب وہ لائیں ان سے ان کے رب کا سلام فرمانا اور میری طرف سے انہیں بشارت دینا کہ ان کیلئے جنت میں قصب کا ایک ایسا گھر ہے جس میں نہ شور و غل ہوگا اور نہ رنج و مشقت۔ قصب گول موتی کو کہتے ہیں جنت میں ایک ایک موتیوں کے گھر ہوں گے۔

عبدالرحمن بن زید رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام نے فرمایا بلاشبہ میں نوع بشری کا روز قیامت سردار ہوں مگر انبیاء میں سے میری نسل میں ایک شخص ہے جن کا نام اقدس احمد ہے ان کو مجھ پر دو باتوں میں فضیلت دی گئی ہے ایک یہ کہ ان کی بیوی بھلائی میں ان کی مددگار و معاون ہوگی اور میری بیوی مرے لیے خطا پر برا بیچنے کرنے میں معاون ہوئی کہ درخت کا پھل کھلایا دوسرے یہ کہ حق تعالیٰ نے ان کو ان کے شیطان (ہمزاد) پر اعانت فرمائی کہ وہ مسلمان ہو گیا مگر میرا شیطان (ہمزاد) کافر ہوا اسے ذلالی نے بیان کیا ہے جیسا کہ طبری اس کا ذکر کرتے ہیں اور ایسی حدیث خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی مروی ہے کہ فرمایا حضرت آدم علیہ السلام کے بارے میں پوچھا تو ایسا ہی فرمایا (اللہ اعلم) ہر تقدیر حاصل یہی ہوتا ہے کہ مرد و زوجہ سے سیدہ خدیجہ الکبریٰ رضی اللہ عنہا ہیں۔ مسند امام احمد میں سیدنا ابن عباس سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جنتی عورتوں میں سب سے افضل سیدہ خدیجہ بنت خویلد سیدہ فاطمہ بنت محمد اور حضرت مریم بنت عمران اور آسیہ امراۃ فرعون رضی اللہ عنہن ہیں۔

ولی الدین بن العراقی نے فرمایا کہ سیدہ خدیجہ الکبریٰ امہات المؤمنین میں بہر قول صحیح و معتبر افضل ہیں بعض کہتے ہیں کہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا افضل ہیں (اتہی)

شیخ الاسلام ذکریا انصاری نے ”لجہ“ میں فرمایا کہ ازواجِ مطہرات میں افضل سیدہ خدیجہ اور سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہما ہیں اور ان دونوں کے درمیان افضلیت میں اختلاف ہے۔

ابن عماد نے تصریح کی ہے کہ سیدہ خدیجہ اس بنا پر افضل ہیں کہ یہ ثابت شدہ ہے کہ جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے حضرت عائشہ صدیقہ نے عرض کیا کہ بلاشبہ حق تعالیٰ نے آپ کیلئے سیدہ خدیجہ سے بہتر زوجہ مرحمت فرمائی انہوں نے اس سے اپنے آپ کو مراد لیا

اور خود سیدہ خدیجہ پر فضیلت دی۔ اس پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نہیں خدا کی قسم اللہ تعالیٰ نے آپ کیلئے سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا سے بہتر مجھے زوجہ مرحمت نہ فرمائی کیونکہ سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا مجھ پر اس وقت ایمان لائیں جبکہ لوگ میرے تکذیب کرتے تھے اور انہوں نے اپنے مال سے میری ایسے وقت میں مدد کی جبکہ لوگوں نے مجھے محروم کر رکھا تھا۔

ابن داؤد سے پوچھا گیا کہ ان دونوں میں سے کون افضل ہے فرمایا ”سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا“ اس لیے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اپنا سلام حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے جبریل علیہ السلام کی معرفت کہلوا یا حضرت خدیجہ کو رب تعالیٰ نے سلام جبریل علیہ السلام کی معرفت حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان سے کہلوا یا اس بنا پر سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا افضل ہوئیں اس کے بعد ابن داؤد سے پوچھا گیا کہ کون افضل ہیں حضرت عائشہ یا سیدہ فاطمہ الزہراء رضی اللہ عنہما؟ ابن داؤد نے فرمایا بلاشبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا فاطمہ میرا جگر گوشہ ہیں اس بنا پر کوئی بھی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پارہ گوشت کے برابر نہیں ہے میری اس بات کی گواہی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ قول مبارک دیتا ہے جو سیدہ فاطمہ زہراء رضی اللہ عنہا سے فرمایا کہ کیا تم اس سے راضی نہیں کہ سیدہ نساء اہل جنت ہو بجز مریم رضی اللہ عنہ کے وہ حضرات جو سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو فضیلت دیتے ہیں انہوں نے اس سے استدلال کیا ہے کہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا آخرت میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہوں گی اور سیدہ فاطمہ زہراء حضرت علی مرتضیٰ کے ساتھ ان کے درجہ میں ہوں گی۔

حضرت شیخ تاج الدین سبکی سے اس مسئلہ میں پوچھا گیا تو فرمایا جو کچھ کہ ہم نے اختیار کیا ہے اور جو کچھ کہ خدا کے نزدیک ہم نے اخذ کیا یہ ہے کہ سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا بنت محمد صلی اللہ علیہ وسلم افضل ہیں ان کے بعد ان کی والدہ ماجدہ سیدہ خدیجہ الکبریٰ ان کے بعد حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا اور اس سے استدلال کیا جو کہ پہلے گزرا لیکن طبرانی میں ایک حدیث ہے کہ جہان کی عورتوں میں سب سے بہتر مریم بنت عمران پھر سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا بنت خویلد پھر فاطمہ رضی اللہ عنہا بنت محمد پھر آسیہ فرعون کی بیوی۔ ابن عماد نے اس کا جواب یہ دیا ہے کہ حضرت خدیجہ کو جو فضیلت دی گئی ہے وہ باعتبار ماں ہونے کے ہے نہ کہ باعتبار سیادت اور سبکی نے یہ اختیار کیا ہے کہ مریم افضل ہیں اس حدیث کی بنا پر اور ان کی نبوت میں اختلاف کی بنا پر (انتہی)

ابو امامہ بن النخاش نے فرمایا کہ سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کی سبقت اول اسلام میں ان کی تاثیر اور دین خدا کے قیام و نصرت اور اس کی تقویت میں اپنے مال کو خرچ کرنے میں ہے کوئی ایک بھی اس میں ان کا شریک نہیں ہے نہ سیدہ عائشہ صدیقہ اور نہ امہات المؤمنین میں کوئی اور اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا آخر اسلام میں ان کا اثر اور امت کے ساتھ حمل دین اور تبلیغ اسلام میں ان کی تلقین اور امت کا ان سے اسلام کے مسائل و احکام حاصل کرنا یہ سب ایسی خوبیاں ہیں جن میں کوئی ان کا شریک نہیں ہے نہ سیدہ خدیجہ اور نہ کوئی اور امہات المؤمنین میں سے۔ یہ ان کی امتیازی شان ہے جو ان کے سوا کسی میں نہیں ہے ہذا کلمہ فی المذہب الحاصل یہ وجہ باعتبار اختلاف حیثیات ہیں۔ (واللہ اعلم)

سیدہ سودہ بنت زمعہ رضی اللہ عنہا: ام المؤمنین سیدہ سودہ رضی اللہ عنہا بنت زمعہ بن قیس بن عبد شمس بن عبد ود قرشیہ عامریہ ہیں ان کا نسب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے نسب شریف سے لوی میں مل جاتا ہے۔ ان کی کنیت ام الاسود ہے اور ان کی ماں شمس بنت قیس ہے۔ اوائل بعثت میں ہی مکہ مکرمہ میں اسلام لائیں اور یہ اپنے ابن عم جن کا نام سکران رضی اللہ عنہ بن عمرو بن عبد القیس ہے اور وہ سمیل بن عمرو کی بھائی ہیں ان کی زوجیت میں تھیں ان کے شوہر بھی ان کے ساتھ ہی اسلام لائے ان سے ایک لڑکا تھا جس کا نام عبد الرحمن ہے۔ سیدہ سودہ رضی اللہ عنہا نے سکران رضی اللہ عنہ کے ساتھ حبشہ کا سفر کیا۔ ان کے ساتھ ایک کتا بھی تھا۔ ان کے شوہر کا مکہ پہنچنے کا

بعد فوت ہوئے ایک روایت میں ہے کہ حبشہ میں ہی فوت ہوئے اس کے بعد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ مکرمہ میں سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کے فوت ہونے کے بعد ان سے تزوج فرمایا قبل اس کے کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے عقد ہو یہ قول قتادہ اور ابو عبیدہ کا ہے۔ ابن قتیہ نے بجز اس قضیہ کے ذکر نہیں کیا ہے بعض کہتے ہیں کہ اس سے قبل حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے عقد ہو گیا تھا ان دونوں قوموں کو اس طرح جمع کرتے ہیں کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے عقد سیدہ سودہ رضی اللہ عنہا سے پہلے ہوا تھا اور دخول حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے پہلے کیوں کہ تزوج اور نکاح کے الفاظ دونوں معنی پر بولے جاتے ہیں مگر عام ذہنوں میں عقد ہی سمجھا جاتا ہے نہ کہ دخول۔ اہل سیر بیان کرتے ہیں کہ سیدہ سودہ رضی اللہ عنہا جب حبشہ سے مکہ مکرمہ آئیں تو خواب میں دیکھا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ان کے پاس تشریف لائے ہیں اور قدم اقدس ان کی گردن پر رکھا ہے یہ خواب اپنے شوہر سکران رضی اللہ عنہ سے بیان کیا انہوں نے کہا اگر تم سچ کہتی ہو تو میں جلد مردوں کا اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تمہیں چاہیں گے پھر انہوں نے ایک خواب دیکھا کہ وہ ٹیک لگائے ہوئے ہیں آسمان سے چاند ان پر آ پڑا ہے اس خواب کو بھی اپنے شوہر سے بیان کیا ان کے شعر نے کہا کہ اگر تم سچ کہتی ہو تو عنقریب میں فوت ہو جاؤں گا اور نبی کریم تمہیں چاہیں گے۔ اسی دن سے سکران رضی اللہ عنہ خستہ ہو گئے اور چند دن کے اندر وہ وفات پا گئے اور سودہ رضی اللہ عنہا تہی دامن ہو گئیں یہاں تک کہ نبوت کے دسویں سال سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کی وفات کے بعد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے نکاح فرمایا۔

ہے لہذا وہ پہلی ہستی ہیں جن کیلئے نعش بنائی گئی ہو۔

ام المؤمنین سیدہ عائشہ صدیقہ: سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی صاحبزادی ہیں ان کی کنیت ام عبد اللہ اپنے بھانجے عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ اسماء بنت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی نسبت سے ہے۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے درخواست کی ان کی کنیت مقرر فرمائیں۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اپنی بہن کے صاحبزادے سے اپنی کنیت رکھ لو یعنی عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ سے۔ ایک روایت میں آیا ہے کہ جب عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ پیدا ہوئے تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے تحسین فرمائی اور لعاب دہن مبارک ان کے منہ میں ڈالا اور سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا یہ عبد اللہ ہیں اور تم ام عبد اللہ ہو۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی والدہ رومان رضی اللہ عنہ بنت عامر بن عویمر قبیلہ بنی کنانہ سے تھیں پہلے جبر بن مطعم سے نامزد ہوئی تھیں اسکے بعد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا پیام نکاح دیا تو ان کا نکاح حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ چھ سال کی عمر میں ہو گیا تھا اور مدینہ طیبہ آ کر ۲ ہجری میں اٹھارہویں مہینہ کے آخر میں نو سال کی عمر میں زفاف ہوا تھا تزوج و زفاف کی تفصیل پہلے گزر چکی ہے۔

سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا شوال میں نکاح کرنے کو پسند فرماتی تھیں۔ برخلاف اس کے جاہلیت میں اسے ناپسند جانا جاتا تھا آپ نے فرمایا میرا نکاح اور زفاف شوال میں ہوا ہے اور کون سی عورت ہے جو مجھ سے زیادہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو محبوب تر تھی۔ بعض سفروں میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ان کو یاد فرماتے اور کہتے تھے کہ ”واعز و ساء“ اسے امام احمد نے روایت کیا۔

حضرت عائشہ اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مدت صحبت و معاشرت نو سال تھی اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی رحلت کے وقت ان کی عمر شریف اٹھارہ سال تھی اور ان کی وفات ۵۷ھ میں ہوئی تھی۔ واقعہ یہ کہ منگل کے دن سترہ ماہ رمضان مبارک ۵۸ھ میں ہوئی تھی۔ اس وقت ان کی عمر شریف چھیاسٹھ سال کی تھی اور وصیت فرمائی تھی کہ رات کے وقت بقیع شریف میں دفن کیا جائے۔ ان کی نماز جنازہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے پڑھائی تھی۔ اس زمانہ میں مدینہ طیبہ پر امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں مروان حاکم تھا اور ان کے متولی قاسم بن محمد بن ابوبکر اور عبداللہ بن عبدالرحمن بن ابی بکر رضی اللہ عنہم تھے اور سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی وفات طبعی تھی یہ جو کہتے ہیں کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے ایک کنواں کھود کر اوپر سے منہ بند کر دیا اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو ضیافت کیلئے بلایا تو وہ اس کنویں میں گر پڑیں اور رحلت فرما گئیں یہ روافض کا جھوٹا اور افترا ہے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے علاوہ کسی باکرہ سے نکاح نہ فرمایا ان سے کوئی فرزند تو لد نہ ہوا۔ مروی ہے کہ ان سے ایک بچہ کا اسقاط ہوا اور جس کی وجہ سے ان کی کنیت ام عبد اللہ ہے یہ ثابت نہیں ہے۔ صحیح یہ ہے کہ یہ کنیت عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کی نسبت سے ہے۔ سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے فضائل و مناقب حد و شمار سے باہر ہیں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فقہاء و علماء و فضاء و بلغاء اکابر صحابہ میں سے تھیں۔ بعض سلف سے منقول ہے کہ احکام شریعہ کا رفع یعنی فیصلہ کرنے کیلئے ان کی طرف رجوع ہونا معلوم ہوا ہے اور حدیثوں میں آیا ہے کہ خُذُوا ثَلَاثِي دِينَكُمْ مِنْ هَذِهِ الْحُمَيْرِ اَتَمَّ اُپنے دو تہائی دین کو ان حمیر یعنی عائشہ صدیقہ سے حاصل کرو صحابہ و تابعین کی جماعت کثیرہ نے ان سے روایتیں لی ہیں۔ عروہ بن زبیر سے مروی ہے انہوں نے فرمایا کہ میں نے کسی کو معافی قرآن احکام حلال و حرام اشعار عرب اور علم انساب میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے زیادہ عالم نہیں دیکھا۔ حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا کے یہ دو شعر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مدح میں مروی ہیں۔

لَمَّا بَدَّلُوا فِي سَوْمِ يَوْسُفَ مِنْ نَقْدٍ

لو سمعوا في مصر اوصاف خده

لوامی زلیخا لوراین حبیبہ
لاثرن بالقطع القلوب علی الایدی
حضرت صدیقہ کے اعظم فضائل و مناقب میں سے ان کیلئے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا بہت زیادہ محبت فرمانا ہے۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے انہوں نے فرمایا کہ اسلام میں سب سے پہلی محبت جو پیدا ہوئی وہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے صحابہ نے پوچھا آپ کے نزدیک سب سے زیادہ محبوب کون ہے؟ فرمایا عائشہ رضی اللہ عنہا! پھر پوچھا مردوں میں سے؟ فرمایا ان کے والد۔ پھر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ ان سے پوچھا گیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو آدمیوں میں سے کون محبوب تر تھا فرمایا فاطمہ زہرا پھر لوگوں نے پوچھا مردوں میں سے کون؟ فرمایا ان کے شوہر! اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے کہ ان میں تطبیق اس طرح ممکن ہے کہ ازواج میں محبوب تر سیدہ صدیقہ اور اولاد میں محبوب تر سیدہ فاطمہ زہرا اور اہل بیت میں سے محبوب تر حضرت علی مرتضیٰ اور اصحاب میں سے محبوب تر حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ ازید محبت کے وجوہ حیثیات مختلف ہیں۔

سیدہ صدیقہ سے مروی ہے وہ فرماتی ہیں کہ ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی نعلین مبارک میں پیوند لگا رہے تھے حالانکہ میں چرخہ کات رہی تھی میں نے حضور اکرم کے روئے انور کا مشاہدہ کیا تو آپ کی جبین مبارک سے پسینہ بہہ رہا تھا اور اس پسینہ سے آپ کے جمال میں ایسی تابانی تھی کہ میں حیران تھی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے میری طرف نگاہ کرم اٹھا کر فرمایا کیا بات ہے تم کیوں حیران ہو؟ سیدہ صدیقہ فرماتی ہیں کہ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ آپ کے بشرہ نورانی اور آپ کی پیشانی کے پسینہ نے مجھے حیران کر دیا ہے اس پر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہوئے اور میرے پاس آئے اور میری دونوں آنکھوں کے درمیان بوسہ دیا اور فرمایا: جَسَّاءَ الْاَلَلَّہِ یَا عَآئِشَۃُ خَیْرًا مَّا سَرَدَتْ یَتِیْ کُتُوبِیْ مِنْکِ اے عائشہ اللہ تعالیٰ تمہیں جزا دے خیر دے تم اتنا مجھ سے مسرور نہیں ہوئیں جتنا تم نے مجھے مسرور کر دیا۔ مطلب یہ کہ میرا ذوق و سرور تمہارے ذوق و سرور سے جو مجھ سے ہوا زیادہ ہے اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ان کے دونوں آنکھوں کے درمیان بوسہ دینے میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ انصاف و شامشی ہے کہ محبت و معرفت کی آنکھ سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھ سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے جمال باکمال دیکھا مصرعہ:
نازم ہچشم خود کہ جمال تو دیدہ است بیت

اے خنک چشمے کہ او حیران اوست
وی ہمایوں دل کہ آن بریان اوست
حضرت مسروق رضی اللہ عنہ جو اکابر تابعین میں سے ہیں جس وقت سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کرتے تو فرمایا کرتے:
اے عائشہ! اللہ تعالیٰ تمہیں جزا دے خیر دے تم اتنا مجھ سے مسرور نہیں ہوئیں جتنا تم نے مجھے مسرور کر دیا۔

میں مروی ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا میں نے تمہیں خواب میں تین راتیں دیکھا ہے جس کو فرشتہ نے ریشمی پارچہ میں منقش کیا تھا اس حدیث میں مطلقاً ریشمی پارچہ آیا ہے اور اسی پر محمول کرنا بہتر ہوگا اس لیے کہ ایک اور حدیث میں ہے کہ جبریل علیہ السلام سبز ریشمی پارچہ پر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی تصویر لائے (واللہ اعلم) تو اس فرشتہ نے کہا کہ یہ آپ کی زوجہ مطہرہ ہے جو اس شکل و شبابت کی ہے اس کے بعد میں نے اپنے سامنے سے پارچہ کو دور کر دیا تو اب وہی صورت خواب میں میں نے دیکھی تھی وہ تم نکلیں۔ مقصود صورت میں موافقت ہے جو دکھائی گئی تھی میں نے خواب میں کہا اگر یہ خواب خدا کی جانب سے ہے تو ضرور یہ پورا ہو گا یعنی اللہ تعالیٰ ایسی زوجہ ضرور مرحمت فرمائے گا اس سے مطلب اثبات و اظہار اور اس میں شوق و رغبت کا بیان ہے اور یہ حضرت صدیقہ کیلئے بہت بڑی منقبت ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کے آنے سے پہلے ان کے جمال پر انوار کا محبت و مشتاق بنایا۔

زیلخانے ایک مرتبہ خواب میں حضرت یوسف علیہ السلام کو دیکھا تھا اور وہ عاشق و فریفتہ ہو گئی تھیں اور اس جگہ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کو تین مرتبہ دکھایا گیا یہ حالت بھی زیادتی انس و محبت کی موجب ہے۔ سیدہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بارگاہ رسالت میں اپنی موانست و فضل کے اظہار میں فرماتی ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نماز پڑھتے تو میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے آگے سیدھی لیٹی رہتی تھی اور یہ سلوک میرے ساتھ ہی خاص تھا اور رات کی نماز میں جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم قیام فرماتے اور سیدہ صدیقہ رضی اللہ عنہا اپنی جگہ سوئی ہوتی تھیں تو سجدہ کے وقت پائے مبارک ان کے سر شریف سے بدن عائشہ رضی اللہ عنہا صدیقہ پہنچتا تھا یہ بات اس کو مستلزم نہیں ہے کہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے مواجہ اور متصل نماز پڑھتے تھے بلکہ ان کے پاؤں کی جانب کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وہابی جانب سوئی ہوتی تھیں۔ اگرچہ ظاہر لفظ حدیث اس جگہ ایسے ہی واقع ہوئے ہیں کہ **وَأَنَا مُعْتَرِضٌ بَيْنَ يَدَيْ رَسُولِ اللَّهِ مِثْلَ الْجَنَازَةِ** یعنی میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے آگے جنازہ کی مانند لیٹی ہوتی تھی یہ ایک مزید فضیلت ہے اور اگر ایسا نہ ہو تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی اس حالت کے ساتھ باعتبار اختصاص ان کی فضیلت کا موجب ہے اور اس معنی کا ان کے ساتھ اختصاص یہ ہے کہ اس کا وقوع اتفاقاً حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے گھر میں ان کی باری کے دن ہوتا تھا اور یہ معنی نہیں ہیں کہ ان کے ساتھ جائز تھا اور نہ کسی اور زوجہ مطہرہ کے یہاں ایسا ہوتا تھا کہ ان کے ساتھ بھی جائز ہوتا آخر حدیث میں آیا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے دست اقدس کو میرے پاؤں سے چھواتے تو میں اپنے پاؤں کو کھینچ لیٹی تھی گویا کہ سجدہ کرنے کی جگہ پاؤں کے قریب تھی۔ جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سجدہ سے سر مبارک اٹھاتے تو سیدہ صدیقہ اپنے پاؤں کو دراز کر لیتی تھیں یہ بات یا تو نیند کے غلبہ سے تھی یا کسی اور وجہ سے (واللہ اعلم) اور عذر یہ تھا کہ اس رات گھر میں چراغ روشن نہ تھا علمائے احناف کی اس میں یہ دلیل ہے کہ عورت کو چھونے سے وضو نہیں ٹوٹتا (فتاویٰ)

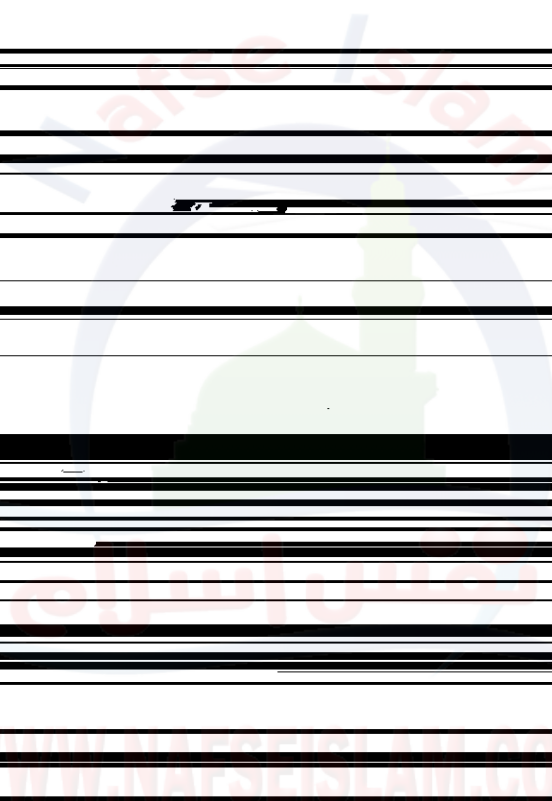
سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی ایک اور فضیلت یہ تھی وہ فرماتی ہیں کہ میں اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ایک برتن سے غسل کرتے تھے اور آپ کسی اور زوجہ مطہرہ کے ساتھ ایسا نہ کرتے تھے۔ مشکوٰۃ میں معاذہ عدویہ نے سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے کہ میں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک برتن سے غسل کرتے تھے جو صرف میرے اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان تھا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مجھ سے سبقت و جلدی فرماتے یہاں تک کہ میں عرض کرتی کہ میرے لیے تو پانی یا برتن چھوڑیے تاکہ میں بھی پانی لوں حالانکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور وہ دونوں جنبی ہوتے۔ یہ روایت بھی کمال اتحاد و اختلاف اور الفت و محبت پر دلالت کرتی ہے۔

ایک اور فضیلت یہ ہے کہ کسی زوجہ مطہرہ کے جامہ خواب میں حضور اکرم پر وحی نہیں آئی بجز میرے جامہ خواب کے۔ اس میں صدیقہ رضی اللہ عنہا کیلئے کمال فضل اور غایت امتیاز و مزیت ہے جس کے شرح و بیان کی حاجت نہیں ہے کیسے کچھ ان پر انوار و اسرار سرایت کرتے ہوں گے۔ حدیث صحیح میں آیا ہے سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے بارے میں کوئی بات

علیہ وسلم نے اس کے جواب میں فرمایا یہ پیشی ہے حساب نہیں ہے مراد حساب میں مناقشہ ہے۔ ایک اور مرتبہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو خدا کے لقا کو محبوب رکھتا ہے حق تعالیٰ بھی اس کے لقا کو پسند فرماتا ہے اور جو اس کے لقا کو برا جانتا ہے حق تعالیٰ بھی اس کی لقا کو برا جانتا ہے۔ لقا سے مراد موت لیتے ہیں۔ حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا ہم تو ناپسند کرتے ہیں مطلب یہ کہ نفس وطبع کے اعتبار سے موت کو برا سمجھتے ہیں۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دیا کہ یہ بات ایسی نہیں ہے جیسی تم نے سمجھی ہے بلکہ حق تعالیٰ اپنے بندوں میں سے جسے چاہتا ہے موت کی محبت پیدا کر دیتا ہے اگرچہ قریب ایام موت ہو اور ایک مرتبہ کا ذکر ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کوئی شخص جنت میں داخل نہ ہوگا مگر حق تعالیٰ کی رحمت اور اس کے فضل سے۔ سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیا آپ بھی جنت میں داخل نہ ہوں گے مگر خدا کی رحمت سے؟ فرمایا ہاں میں بھی داخل نہ ہوں گا مگر یہ کہ مجھے حق تعالیٰ نے اپنی رحمت میں چھپا لیا ہے ایک اور مرتبہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا جس کا بیان ان کے درمیان پہلے گزر چکا ہے کہ تمہارے قرین شیطان نے تمہیں اس پر آمادہ کیا۔ سیدہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا آدمی کے ساتھ شیطان بھی ہوتا ہے؟ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہر آدمی کے ساتھ قرین (ہمزاد) شیطان ہوتا ہے۔ سیدہ نے عرض کیا آپ کا بھی ہے یا رسول اللہ! حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہاں میرا شیطان میرا مطیع ہو گیا اور مسلمان ہو گیا اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ ایسا ناز و نیاز تھا جیسا کہ محبت و محبوب کے درمیان ہوتا ہے اور وہ جو چاہتیں بلا جھجک عرض کر دیتی تھیں۔ انہیں سے منقول ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے عائشہ رضی اللہ عنہا! میں جانتا ہوں کہ تم کبھی مجھ سے خوش ہوتی ہو اور کبھی مجھ سے ناراض میں نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! آپ اسے کیسے جانتے ہیں؟ فرمایا جب تم خوش ہو تو کہتی ہو "لَا وَرَبِّ مُحَمَّدٍ" نہیں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے رب کی قسم اور جب تم ناراض ہوتی ہو تو کہتی ہو "لَا وَرَبِّ اِبْرَاهِيمَ" نہیں ابراہیم کے رب کی قسم۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ نے درست صحیح فرمایا "وَلٰكِنْ مَا اَهْجُرُ اِلَّا اِسْمَكَ" لیکن میں نہیں چھوڑتی مگر صرف آپ کے نام کو مطلب یہ کہ ناخوشی کی حالت میں صرف آپ کا نام نہیں لیتی لیکن آپ کی ذات گرامی اور آپ کی یاد میرے دل میں ہے اور میری جان آپ کی محبت میں مستغرق ہے اس محبت میں کوئی تغیر واقع نہیں ہوتا اور یہ بھی انہیں سے منقول ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا "اے عائشہ رضی اللہ عنہا! اگر تم چاہتی ہو کہ جنت میں میرے ساتھ رہو تو تمہیں چاہیے کہ دنیا میں اس طرح رہو جس طرح کہ راہ چلتا مسافر ہوتا ہے کہ وہ کسی کپڑے کو پرانا نہیں سمجھتا جب تک کہ وہ پیوند کے قابل ہے اور وہ اس میں پیوند لگاتا ہے۔ ایک روایت میں ہے کہ حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا نے حضرت اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میرے لیے دعا فرمائیے کہ حق تعالیٰ مجھے جنت میں آپ کی ازواج مطہرات میں سے رکھے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر تم اس مرتبہ کو چاہتی ہو تو کل کیلئے کھانا بچا کے نہ رکھو اور کسی کپڑے کو جب تک کہ اس میں پیوند لگ سکتا ہے بیکار نہ کرو۔ سیدہ صدیقہ رضی اللہ عنہا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اس وصیت و نصیحت پر جو فقر کی تو نگرانی پر ایثار کرنے میں ہے اتنی کاربند رہیں کہ کبھی آج کا کھانا کل کیلئے بچا کے نہ رکھا۔ حضرت عروہ بن زبیر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے وہ فرماتے ہیں کہ میں نے سیدہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو ستر ہزار درہم راہ خدا میں صدقہ کرتے دیکھا ہے حالانکہ ان کی قمیض مبارک کے دامن میں پیوند لگا ہوا تھا ایک مرتبہ حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ نے ان کیلئے ایک لاکھ درہم بھیجے تو انہوں نے اسی دن سب انفاق کر دیئے اور اقارب و فقراء پر تقسیم فرما دیئے۔ اس دن وہ روزے سے تھیں۔ شام کے کھانے کیلئے ان میں سے کچھ نہ بچایا باندی نے عرض کیا کہ اگر ایک درہم روٹی خریدنے کیلئے بچا لیتیں تو اچھا ہوتا فرمایا یا نہیں آیا اگر یاد آ جاتا تو میں بچا لیتی۔

سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے کتب معتبرہ میں دو ہزار دو سو حدیثیں مروی ہیں۔ ان میں سے بخاری و مسلم میں ایک سو چوہتر متفق علیہ ہیں اور صرف بخاری میں چون اور صرف مسلم میں سڑسٹھ ہیں بقیہ تمام کتابوں میں ہیں۔ صحابہ و تابعین میں سے خلق کثیر نے ان سے روایتیں لی ہیں۔

اللہ عنہ نے حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کی پیشکش حضرت صدیق رضی اللہ عنہ سے بھی کی مگر انہوں نے جواب نہ دیا تھا اور وہ ناراض ہو کر چلے گئے تھے اس کے بعد ان سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پیام بھیجا اور حضرت عمرؓ نے حضور کے ساتھ ان کا نکاح ہجرت کے تیسرے سال میں کر دیا۔ ایک قول میں ہے کہ ہجرت کے دوسرے سال میں ہوا۔ صحیح بخاری میں حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے مروی ہے فرمایا کہ جب حفصہ بنت عمرؓ تیس بن خذافہؓ سے بیوہ ہوئیں وہ اصحاب رسولؐ میں سے تھے انہوں نے مدینہ طیبہ میں وفات پائی تھی تو حضرت عمر فاروقؓ، حضرت عثمان بن عفانؓ کے پاس آئے اور حفصہ کی پیشکش کی۔ حضرت عثمانؓ نے فرمایا مجھے مہلت دو کہ اپنا معاملہ سوچ سمجھ لوں پھر انہوں نے چند راتیں توقف میں گزاریں۔ اس کے بعد حضرت عثمانؓ رضی اللہ عنہ سے ملاقات کی حضرت عثمانؓ رضی اللہ عنہ نے فرمایا میری رائے یہ قائم ہوئی ہے کہ چند روز نکاح نہ کروں اس کے بعد حضرت عمرؓ رضی اللہ عنہ نے حضرت ابوبکر صدیقؓ رضی اللہ عنہ سے ملاقات کی اور فرمایا کہ اگر آپؓ کی خواہش ہو تو حفصہ رضی اللہ عنہا کا نکاح تمہارے ساتھ کر دوں اس پر حضرت ابوبکر صدیقؓ رضی اللہ عنہ نے



اور تمہارے یتیموں کی پرورش خدا اور رسول خدا کے ذمہ ہے ایک روایت میں ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تمہارے بچے میرے بچے ہیں اور یہ جو تم کہتی ہو کہ میں بہت غیرت مند ہوں میں دعا کرتا ہوں کہ حق تعالیٰ اس بات کو تم سے دور فرمائے ان سے تزوج ماہ شوال ۴ھ میں ہوا اور ان کا مہر ایسا سامان جو دس درہم کی قیمت تھا مقرر ہوا۔ امہات المؤمنین میں انہوں نے سب کے آخر میں وفات پائی۔ سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی وفات ۵۹ھ میں ہوئی ہے اور بعض ۶۲ھ میں زمانہ یزید بن معاویہ میں حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد بتاتے ہیں مگر اول قول اصح ہے (کذا فیل) لیکن دوسرے قول کی موید وہ روایت ہے جو ترمذی نے ایک انصار کی بیوی سلمیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے وہ کہتی ہیں کہ میں ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے پاس گئی میں نے دیکھا کہ آپ رورہی ہیں میں نے کہا کس بات نے آپ کو رولایا ہے اسے ام سلمہ! انہوں نے فرمایا میں نے ابھی ابھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا ہے کہ آپ کا سر مبارک اور آپ کے محاسن شریف گرد آلود ہیں اور گریہ فرما رہے ہیں میں نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! کیا بات ہے کیوں گریہ فرما رہے ہیں؟ فرمایا کہ جہاں حسین کو شہید کیا گیا ہے میں وہاں موجود تھا ظاہر حدیث یہ ہے کہ امام حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت کے وقت زندہ تھیں نیز اہل سیر کہتے ہیں کہ جب امام حسین کی شہادت کی خبر ان کو پہنچی تو انہوں نے ان اہل عراق پر لعنت بھیجی جنہوں نے انہیں شہید کیا تھا۔ (واللہ اعلم)

سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا کو قبیح میں دفن کیا گیا اور ان کی نماز جنازہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے پڑھی اور بعض کہتے ہیں کہ سعید رضی اللہ عنہ بن زید نے پڑھی اور ان کی عمر شریف چوراسی سال کی ہوئی ازواج مطہرات کے دو گروہ تھے ایک گروہ سیدہ عائشہؓ حفصہؓ سودہؓ اور صفیہؓ رضی اللہ عنہا کا تھا اور دوسرا گروہ سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا اور دیگر ازواج مطہرات کا اور سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا اس گروہ کی سردار تھیں۔

ما۔ کہتے ہیں۔ کہ۔ ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم۔ سے۔ فرمایا۔ کہ۔ میں۔ تمہارے۔ بچے۔ ہوں۔

صلی اللہ علیہ وسلم! میں زید کو پسند نہیں کرتی اس لیے کہ وہ آزاد کردہ غلام ہیں اور سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کے بھائی حضرت عبداللہ بن جحش نے بھی عدم قبولیت میں اپنی بہن کے ساتھ اتفاق کیا چونکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زید رضی اللہ عنہ کو اظہار نبوت سے پہلے آزاد فرما کر فرزندگی میں قبول فرمایا تھا اور ان پر بے اندازہ لطف و عنایت مبذول فرماتے تھے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا عدم قبولیت کی گنجائش نہیں ہے ماننا ہی چاہیے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! مجھے اس بارے میں غور و فکر کرنے کی مہلت عنایت فرمائیے ایسی ہی باتیں جاری تھیں کہ یہ آئیہ کریمہ نازل ہو گئی کہ

مَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَلَا لِمُؤْمِنَةٍ إِذَا قَضَى اللَّهُ وَرَسُولُهُ

بشئ من أمرهم ولا عورت کو حق نہیں کہ جب اللہ اور اس کا رسول فیصلہ

فرمایا جاؤ اور زینب رضی اللہ عنہا کو میرے لیے پیام دو۔ حضرت زید رضی اللہ عنہ کی اس کام کیلئے تخصیص میں حکمت یہ تھی کہ لوگ یہ گمان نہ کریں کہ یہ عقد بغیر رضا مندی زید کے برائیل قہر و جبر واقع ہوا ہے اور انہیں یہ معلوم ہو جائے کہ زید رضی اللہ عنہ کے ول میں زینب رضی اللہ عنہا کی کوئی خواہش نہیں ہے اور وہ اس بات سے راضی و خوش ہیں نیز حضرت زید کو فرمان خدا اور رسول خدا کی اطاعت پر ثابت قدم رکھنا اور بحکم الہی حضرت زینب رضی اللہ عنہا کو راضی رکھنا بھی ثابت و موکدہ فرمانا مقصود تھا کیونکہ یہ مکمل نازک سے القصہ حضرت زید رضی اللہ عنہ

ارشاد کے بموجب سر صدق و اخلاص سے روانہ ہوئے۔ حضرت زید رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب میں زینب رضی اللہ عنہا کے گھر پہنچا تو وہ میری آنکھوں میں ایسی بزرگ معلوم ہوئیں کہ میں ان کی طرف نظر نہ اٹھا سکا پھر میں گھر کی طرف پشت کر کے اٹھے قدم ان کے پاس گیا اور میں نے کہا تمہیں خوشی ہو کہ رسول خدا نے مجھے تمہارے پاس بھیجا ہے کہ میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کیلئے تمہیں پیام دوں زینب رضی اللہ عنہا نے کہا میں اس بات کا کوئی جواب نہیں دے سکتی جب تک کہ میں اپنے رب عزوجل سے مشورہ نہ کر لوں اس کے بعد وہ اٹھیں اور مصلیٰ پر پہنچیں اور سر کو سجدہ میں رکھا بارگاہ بے نیاز میں عرض نیاز کی بعض روایتوں میں آیا ہے دو رکعت نماز پڑھ کے سجدے میں گئیں یہ مناجات کی کہ اے خدا تیرا نبی میری خواستگاری فرماتا ہے اگر میں ان کی زوجیت کے لائق ہوں تو مجھے ان کی زوجیت میں دے دے اسی وقت ان کی دعا مقبول ہوئی اس سے معلوم ہوتا ہے کہ سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کو بارگاہ صمدیت میں خاص قریب و اختصاص حاصل تھا اور یہ آئیہ کریمہ نازل ہوئی۔

فَلَمَّا قَضَى زَيْدٌ مِّنْهَا وَطَرًا زَوَّجْنَاهَا لِكُنَى لَا يَكُونُ
عَلَى الْمُؤْمِنِينَ حَرَجٌ فِي أَزْوَاجِ أَدْعِيَائِهِمْ إِذَا قَضَوْا
مِنْهُنَّ وَطَرًا۔

پھر جب زید کی غرض اس سے نکل گئی تو ہم نے وہ تمہارے نکاح میں دیدی کہ مسلمانوں پر کچھ حرج نہ رہے ان کیلئے لے پا لکوں کی بیبیوں میں جب ان سے ان کا کام ختم ہو جائے۔

اور آپ پر آثار روحی ظاہر ہوئے چند لحظہ کے بعد متجلی ہوئے تو سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے متبسم ہو کے فرمایا کون ہے جو زینب رضی اللہ عنہا کے پاس جائے اور انہیں بشارت دے کہ حق تعالیٰ نے ان کو میری زوجیت میں دے دیا ہے اور یہ نازل شدہ آیت تلاوت فرمائی۔ سلمیٰ جو کہ حضور کی خادمہ تھیں دوڑیں اور سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کو بشارت دی اور اس خوشخبری سنانے پر وہ زیورات جو سیدہ زینب رضی اللہ عنہا پہنے ہوئے تھیں اتار کر سلمیٰ رضی اللہ عنہ کو عطا فرمادیئے اور سجدہ شکر بجالائیں اور نذرمانی کے دو مہینے روزہ دار رہوں گی۔ مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کے گھر تشریف لے گئے درآ نکھالیکہ وہ سر برہنہ تھیں انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بے خطبہ اور بے گواہ فرمایا: اللہ الْمُرْزُوجُ وَ جِبْرِيلُ الشَّاهِدُ اللہ نکاح کرنے والا ہے اور جبریل علیہ السلام گواہ ہیں۔ اس کے بعد ولیمہ کا کھانا تیار کیا اور لوگوں کو نان و گوشت سے سیر فرمایا اس طرح کسی بی بی کیلئے نہ کیا تھا اور آپ کے طعام میں کئی معجزے ظاہر ہوئے اور نکاح زینب رضی اللہ عنہا میں لوگوں کو جاہلیت کی عادت سے نکالا اور خاص شریعت وضع فرمائی جیسا کہ حق تعالیٰ نے فرمایا: لِكَيْلَا يَكُونُ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ حَرَجٌ فِي أَزْوَاجِ أَدْعِيَائِهِمْ تاکہ مسلمانوں پر ان کیلئے پا لکوں کی بیبیوں میں ان کیلئے کچھ حرج نہ رہے اور حجاب یعنی پردے کی مشروعیت بھی اسی قصہ میں وارد ہوئی یہ قصہ اسی طریقہ پر جو کہ مذکور ہوا محققین اہل سیر کے نزدیک معتبر و ثابت ہے بعض اہل سیر و اہل تفسیر و تواتر نے یہ قصہ اس طرح بیان کرتے ہیں جو نہ واقع کے مطابق ہے اور نہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی شان عالی کے مناسب ہے۔ محققین اس کو مفسرین کی زلات یعنی غلطیوں میں شمار کرتے ہیں یہ قصہ اور حضرت یوسف علیہ السلام کا قصہ کہ زلیخا کے ساتھ خلوت میں گئے اسی طرح حضرت داؤد علیہ السلام کا اور یاکے ساتھ کا قصہ اور حضرت سلیمان علیہ السلام کا انکشتری گم ہونے کا قصہ یہ تمام قصے محققین کے نزدیک متروک و منظر اور طریقہ صدق و سداد

اور ادب سے دور ہیں۔

سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کے فضائل بہت ہیں اہل سیر بیان کرتے ہیں کہ ایک دن حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان کے ساتھ اس بنا پر کہ انہوں نے کوئی سخت بات باوجود حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے کہی تھی درشت کلامی کی اور کہا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے کس طرح بات کرتی ہو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”اے عمر رضی اللہ عنہ! کچھ نہ کہو کیونکہ یہ اواہہ یعنی بہت خشیت رکھنے والی ہیں ایک مرد موجود تھا اس نے پوچھا ”اواہ“ کیا ہے؟ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اَلْخَاشِعُ فِی الدُّعَاءِ وَالتَّضَرُّعِ اِلٰی اللّٰهِ دَعَائِیْ خُشُوعٍ اور خدا کے حضور گرگڑانا ہے۔ اس کے بعد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے آیت پڑھی: اِنَّا اِبْرَاهِیْمَ لَا وَاہَ حَلِیْمٌ گویا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اس صفت میں مرتبہ خلیل کے ساتھ مخصوص فرمایا۔

سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ میں نے حضرت زینب رضی اللہ عنہا سے زیادہ کسی عورت کو بہت زیادہ نیک اعمال کرنے والی زیادہ صدقہ و خیرات کرنے والی رحمی رشتہ داروں کو زیادہ ملانے والی اور اپنے نفس کو ہر عبادت و تقرب کے کام میں مشغول رکھنے والی نہ دیکھا۔

سیدہ زینب رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے مجھے چند فضیلتیں ایسی حاصل ہیں جو کسی اور زوجہ میں نہیں ہیں ایک یہ کہ میرے جدا ورتہ بارے جدا ایک ہیں دوسرے میرا نکاح آسمان میں ہوا تیسرے یہ کہ اس قصہ میں جبریل سفیر و گواہ تھے۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے صحت کے ساتھ مروی ہے کہ ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ازواج مطہرات سے فرمایا: اَطْلُوْا لَکُنَّ یَدًا مَّسْرُوعًا یعنی تم میں سے جس کے ہاتھ دراز ہیں وہ مجھ سے ملنے میں تم سب سے پہلے سبقت کرنے والی ہے مطلب یہ کہ اس دنیا سے میرے جانے کے بعد تم سب سے پہلے وفات پائے گی اس کے بعد ازواج مطہرات نے بانس کا گلزار لے کر اپنے اپنے ہاتھوں کو ناپنا شروع کر دیا تاکہ جانیں کہ کس کے ہاتھ سب سے زیادہ دراز ہیں۔ انہوں نے جانا کہ سیدہ سودہ رضی اللہ عنہا بنت زمعہ کے ہاتھ زیادہ دراز ہیں اور جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی رحلت فرمانے کے بعد سیدہ زینب رضی اللہ عنہا نے وفات پائی تو انہوں نے جانا کہ درازی سے مراد صدقہ و خیرات کی کثرت تھی اس لیے کہ سیدہ زینب اپنے ہاتھ سے دستکاری کرتیں اور صدقہ دیتی تھیں۔

مروی ہے کہ ان کی وفات کی خبر جب حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو پہنچی تو فرمایا: ذَهَبَتْ حَمِیْدَةٌ مُّفِیْدَةٌ مَفْرُوعَةٌ اَلِیْتَامٰی

حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے ان کی نماز جنازہ پڑھائی اور اعلان کرایا کہ اہل مدینہ اپنی ماں کی نماز میں حاضر ہوں یہ بقیع میں مدفون ہوں۔ مشہور یہ ہے کہ ان کی وفات ہجرت کے بیسویں سال میں تھی بعض کہتے ہیں کہ اکیسویں سال تھی اور ان کی عمر شریف تریس سال کی ہوئی ان سے گیارہ حدیثیں مروی ہیں ان میں سے متفق علیہ دو حدیثیں ہیں اور بقیہ نو تمام دیگر کتابوں میں ہیں۔

ام المؤمنین سیدہ جویریہ رضی اللہ عنہا بنت الحارث: ازواج مطہرات میں سے سیدہ جویریہ رضی اللہ عنہا بنت الحارث بن ابی ضرار تھیں ان کا بھی اصلی نام برہ رضی اللہ عنہا تھا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا نام تبدیل کر کے جویریہ رضی اللہ عنہا رکھا۔

سیدہ جویریہ رضی اللہ عنہا بڑی عبادت گزار اور ذاکرہ تھیں اہل سیر بیان کرتے ہیں کہ ایک دن حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نماز صبح کے بعد سیدہ جویریہ رضی اللہ عنہا کے پاس سے باہر تشریف لائے وہ اپنے مصلیٰ پر ہی بیٹھی مشغول عبادت تھیں۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم چاشت کے وقت ان کے پاس تشریف لائے فرمایا جب سے میں باہر گیا ہوں تم اسی جگہ یونہی بیٹھی ہو عرض کیا ہاں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس وقت سے میں تمہارے پاس سے گیا ہوں اب تک چار کلمے میں نے پڑھے ہیں اگر ان کو ان کے ساتھ موازنہ کیا جائے جو تم نے اب تک پڑھے ہیں تو یقیناً وہ چار کلمے وزنی ہوں گے وہ یہ ہیں: سُبْحَانَ اللَّهِ وَبِحَمْدِهِ عَدَدَ خَلْقِهِ وَنَفْسِهِ وَزِنَةَ عَرْشِهِ وَمِدَادَ كَلِمَاتِهِ گویا مقصود مصلیٰ اس کیفیت کی تعلیم فرمانا تھا تاکہ وہ اپنے ذکر میں اسے بھی شامل کر لیں اور اس پر خبردار کرنا تھا کہ ان کلمات کی کیفیت یہ ہے کہ اس کسیت پر ان کا مدلول زیادہ ہے جو جویریہ نے اب تک پڑھا ہے ورنہ اس میں شک نہیں ہے کہ عمل کا ثواب بقدر مشقت ہے مثلاً اگر کوئی کہے کہ اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰی سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ اَلْفَ مَرَّةٍ اور دوسرا شخص ہزار مرتبہ اللھم صل علی سیدنا محمد پڑھے تو بلاشبہ اس کا ثواب اس سے زیادہ ہوگا البتہ اگر کوئی خاص کامل کیفیت ہو اور غایت مبالغہ میں شامل ہو اور قائل پر اس کی حقیقت ظاہر ہوگئی ہو اور وہ حقیقت کے اعتبار سے کہے جیسا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تو یہ بات دوسری ہے چنانچہ حدیث میں آیا ہے کہ سُبْحَانَ اللَّهِ وَالْحَمْدُ لِلَّهِ يَمْلَأَنَّ مَا بَيْنَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ کیونکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر حق تعالیٰ کی تزیینہ و تقدیس اور تحمید کی حقیقت منکشف ہوگئی کہ ان کلمات نے آسمان و زمین کے درمیان کو بھر دیا یہ محض زبان اظہار و بیان نہیں ہے۔ خدا کا فضل بھی وسیع ہے اگر محض ان لفظوں سے ہی اتنا ثواب بخش دے تو وہ قادر ہے۔ (فانہم واللہ اعلم)

منقول ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے روز جمعہ سیدہ جویریہ رضی اللہ عنہا سے زفاف فرمایا وہ روزہ دار تھیں فرمایا کل روزہ رکھا تھا انہوں نے کہا نہیں فرمایا آئندہ کل روزہ رکھنے کا ارادہ تھا انہوں نے کہا نہیں فرمایا پھر تو روزہ افطار کر لو اس سے معلوم ہوا کہ صرف تنہا جمعہ کے دن کا روزہ رکھنا مکروہ ہے اور یہی علماء کا مذہب ہے۔ بخاری و مسلم میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث ہے کہ لَا يَصُومُ أَحَدُكُمْ يَوْمَ الْجُمُعَةِ إِلَّا أَنْ يَصُومَ قَبْلَهُ وَبَعْدَهُ صرف جمعہ کے دن کا روزہ تم میں سے کوئی نہ رکھے مگر یہ کہ اس سے پہلے یا اس کے بعد کے دن بھی روزہ رکھے۔ بعض علماء اس کی توجیہ میں فرماتے ہیں تاکہ روزہ رکھنے سے بدن کمزور اور قوت زائل نہ ہو اور وہ جمعہ کے اور وظائف سے باز نہ رکھے جس طرح کہ وضعاء کلبہ ع کے دن رکھنا مکروہ ہے۔

توجیہ ضعیف ہے اور پہلے یا بعد کے ساتھ روزہ رکھنے میں کوئی مناسبت نہیں رکھتا اس لیے کہ مسلسل دو دن روزہ رکھنا تو اور زیادہ کمزور کرنے اور قوت کو فنا کرنے کا موجب ہے فرماتے ہیں کہ یہ حکم تلافی اور جبر نقصان کیلئے ہے جو وظائف و اوراد میں واقع ہوا اور دیگر اعمال خیر کے ساتھ بھی اس کی تلافی ہو جاتی ہے بعض علماء فرماتے ہیں کہ اگرچہ جمعہ کے دن کو بہت عظمت و فضیلت والا قرار دیا گیا ہے باوجود ان عظمتوں کے محتاج رہنے کے لازم ہے کہ شریعت میں جتنا واقع ہوا ہو اس پر اپنی طرف سے زیادتی میں مبالغہ نہ کرنا چاہیے تاکہ ہمہ وجہ فضیلت سے محروم نہ رہ جائے اور حد سے تجاوز ہونے کا سبب نہ بنے اور یہود و نصاریٰ کے ساتھ مشابہت کا موجب نہ ہو جائے کیونکہ وہ معین دن کی تعظیم کرتے ہیں یہ معین دن ہفتہ اور اتوار ہیں نیز روز جمعہ روز عید ہے جیسا کہ حدیث میں واقع ہوا ہے لہذا اس دن روزہ مناسب نہ ہوگا اور تخصیص نامناسب تر ہے۔

شیخ محقق رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس ممانعت میں اس طرف اشارہ ہے کہ بندہ کو ہمیشہ مولیٰ کی عبادت میں مشغول رہنا چاہیے اور شب جمعہ کے قیام کو خاص کر لینے کے مثل کوئی چیز نہیں ہے۔ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ میں نے فرمایا

وہ تمہیں نہیں پہنچیں تو ہم کیا کریں اس کی نفی و ممانعت میں صحیح حدیث پائے جانے کے باوجود اعتبار نہیں رکھتے (واللہ اعلم) ام المؤمنین جویریہ رضی اللہ عنہا کے احوال کے ضمن میں یہ بات طول پکڑ گئی پھر اسی طرف رجوع کرتے ہیں۔

واضح رہنا چاہیے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ام المؤمنین جویریہ رضی اللہ عنہا کا خواستگاری فرمانا غزوہ مرہ سے پہلے تھا جو ماہ شعبان ۵ھ میں ہوا۔ اس غزوہ سے واپسی کے وقت خواستگاری فرمائی۔ سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے منقول ہے کہ سیدہ جویریہ رضی اللہ عنہا بنت الحارث بڑی شیریں ملیح اور صاحب حسن و جمال عورت تھیں جو کوئی اسے دیکھتا فریفتہ ہو جاتا تھا جنگ اور تقسیم غنائم و مہایا کے بعد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ایک چشمہ کے کنارے میرے پاس تشریف فرما تھے کہ اچانک جویریہ رضی اللہ عنہ نمودار ہوئیں مجھ پر آتش غیرت نے غلبہ کیا کہ مبادا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ان کی طرف توجہ خاص مبذول فرمائیں اور اپنے حوالہ عقد میں لے آئیں جب جویریہ رضی اللہ عنہا آئیں تو انہوں نے سب سے پہلی بات یہ کہی کہ یا رسول اللہ میں مسلمان ہو کر حاضر ہوئی ہوں۔ اَشْهَدُ اَنْ لَا اِلَهَ اِلَّا اللهُ وَ اَنَّكَ رَسُوْلُهُ اور میں حارث بن ابی ضرار کی بیٹی ہوں جو اس قبیلہ کا سردار اور پیشوا تھا اب لشکر اسلام کے ہاتھوں میں قید ہوں اور ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ کے حصہ میں آ گئی ہوں اور اس نے مجھے اتنے مال پر مکاتب بنایا ہے کہ میں اسے ادا نہیں کر سکتی میں امید رکھتی ہوں کہ میری اعانت فرمائی جائے تاکہ کتابت کی رقم ادا کر سکوں فرمایا میں ادا کروں گا اور اس سے بھی بہتر تمہارے ساتھ سلوک کروں گا انہوں نے کہا کہ اس سے بہتر کیا ہوگا۔ فرمایا کتابت کی رقم ادا کر کے تمہیں حوالہ عقد میں لا کر زوجیت کا شرف بخشوں گا۔ اس کے بعد کسی کو ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ کے پاس بھیجا کہ وہ کتابت کی رقم ادا کرے اس کے بعد ان کو آزاد کر کے حوالہ عقد میں لے آئے اور چار سو درہم مہر کا مقرر فرمایا ایک قول یہ ہے کہ ان کا مہر بنی المصطلق کے قیدیوں کی آزادی کو بنایا اس وقت سیدہ جویریہ رضی اللہ عنہا بیس سال کی تھیں۔

سیدہ ام حبیبہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے خواب میں دیکھا کہ ایک شخص مجھے یا ام المؤمنین کہہ کر مخاطب کر رہا ہے میں نے اس خواب کی تعبیر یہ لی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مجھے حبالہ عقد میں لائیں گے اس کے بعد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے عمرو بن امیہ ضمری رضی اللہ عنہ کو نجاشی کے پاس بھیجا کہ ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کیلئے پیام دیں اور نکاح کریں اس کے بعد سیدہ ام حبیبہ رضی اللہ عنہا نے خالد بن سعید بن العاص کو جو کہ حبشہ میں تھے وکیل بنایا اور حضرت جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ اور وہ تمام مسلمان جو حبشہ میں موجود تھے حاضر ہوئے اور نجاشی نے یہ خطبہ پڑھا:

الْحَمْدُ لِلَّهِ الْمَلِكِ الْقُدُّوسِ السَّلَامِ الْمُؤْمِنِ الْمُهَيِّمِ الْعَزِيزِ الْجَبَّارِ أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَأَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُولُهُ أَرْسَلَهُ بِالْهُدَى وَدِينِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهُ عَلَى الدِّينِ كُلِّهِ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُونَ أَمَّا بَعْدُ فَقَدْ أَجَبْتُ إِلَى مَا دَعَى إِلَيْهِ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَقَدْ أَصْدَقْتُهَا أَرْبَعَمِائَةِ دِينَارًا ذَهَبًا

اس کے بعد دیناروں کو حاضرین کے سامنے ڈال دیا پھر خالد بن سعید نے جو سیدہ ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کے وکیل تھے فرمایا:

الْحَمْدُ لِلَّهِ أَحْمَدُهُ وَاسْتَعَيْنُهُ وَاسْتَغْفَرُ اللَّهَ وَأَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ أَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُولُهُ أَرْسَلَهُ بِالْهُدَى وَدِينِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهُ عَلَى الدِّينِ كُلِّهِ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُونَ أَمَّا بَعْدُ فَقَدْ أَجَبْتُ إِلَى مَا دَعَى رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَرَوَّجْتُهُ أُمِّ حَبِيبَةَ بِنْتُ أَبِي سُفْيَانَ فَتَبَارَكَ اللَّهُ لِرَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

اس کے بعد نجاشی نے دیناروں کو خالد بن سعید رضی اللہ عنہ کے سپرد کیا انہوں نے انہیں لے لیا اس کے بعد چاہا کہ کھڑے ہو جائیں نجاشی نے کہا بیٹھو اس لیے کہ انبیاء علیہم السلام کی سنت ہے کہ مجلس نکاح میں کھانا کھلایا جائے اس کے بعد نجاشی نے کھانا منگایا اور سب نے کھایا اور رخصت ہو گئے (کذا فی الموابہ) اور ابوسفیان سیدہ ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کے باپ ان کے نکاح کے وقت مکہ مکرمہ میں مشرک اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے محارب تھا اور ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کا اپنے باپ ابوسفیان کے ساتھ وہ سلوک مشہور ہے جبکہ حالت کفر میں صلح حدیبیہ کے بعد تجدید صلح کیلئے یہ مدینہ طیبہ میں آیا تھا اور سیدہ ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کے پاس پہنچ کر اس نے یہ چاہا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بستر مبارک پر بیٹھے سیدہ ام حبیبہ رضی اللہ عنہا نے جائز نہ جانا اور کہا کہ یہ بستر طاہر و مطہر ہے اور تم نجاست شرک سے آلودہ ہو

پھر کنانہ بن الربیع بن ابی الحقیق کی زوجیت میں آ گئیں۔ کنانہ غزوہ خیبر میں قتل ہو گیا اس کے بعد جب فتح خیبر میں صفیہ رضی اللہ عنہا اسیران جنگ کے ساتھ قبضہ میں آئیں تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اپنے لیے خاص فرمایا اور آزاد کر کے اپنے حوالہ عقد میں لے آئے یہ قصہ پوری تفصیل کے ساتھ غزوہ خیبر میں گزر چکا ہے۔

اہل سیر بیان کرتے ہیں کہ جب صفیہ رضی اللہ عنہا کو بارگاہ رسالت میں لایا گیا تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا انہیں خیمہ میں لے جاؤ اس کے بعد خود حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم خیمہ میں تشریف لائے جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو انہوں نے تشریف لاتے دیکھا تو کھڑی ہو گئیں اور وہ بستر مبارک جو وہاں طے کیا رکھا تھا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کیلئے بچھایا اور خود زمین پر بیٹھ گئیں۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”اے صفیہ رضی اللہ عنہا! تمہارے باپ نے میرے ساتھ ہمیشہ دشمنی و عداوت رکھی یہاں تک کہ حق تعالیٰ نے اور وہ فیصلہ کر دیا۔“ انہوں نے عرض کیا ”حق تعالیٰ کسی بندے کے گناہ کے بدلے کسی دوسرے کو نہیں پکڑتا سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں اس کا اختیار دیا کہ چاہے تو آزاد ہو کر اپنی قوم کے ساتھ مل جائے یا اسلام لے آئے اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حوالہ عقد میں آ کر سرفرازی پائے۔ صفیہ بڑی حلیمہ اور عاقلہ تھیں عرض کرنے لگیں یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میں اسلام کی آرزو رکھتی تھی اور میں نے آپ کی تصدیق آپ کی دعوت سے پہلے کی ہے اب جبکہ میں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دربار گہر بار میں حاضر ہونے کا شرف پایا ہے تو مجھے کفر و اسلام کے درمیان اختیار دیا جاتا ہے خدا کی قسم! خدا اور اس کا رسول مجھے اپنی آزادی اور اپنی قوم کے ساتھ ملنے سے زیادہ محبوب ہے ممکن ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا مقصد ان کے حال کا امتحان اور اختیار عقل اور اس کا صدق طلب مقصود ہونہ کہ حقیقتاً کفر و اسلام کے درمیان اختیار دینا ہو اس کے بعد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں آزاد کر دیا اور عقد فرمایا اور ان کی صداقت کو ان کی آزادی کا سبب بنایا جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کوچ فرمایا اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سواری لائی گئی تاکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اس پر سوار ہوں تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے پائے مبارک راہلہ پر رکھاتا کہ صفیہ رضی اللہ عنہا اپنے پاؤں کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ران پر رکھ کر سوار ہو جائیں۔ صفیہ رضی اللہ عنہا نے ادب ملحوظ رکھا اور وہ اپنے زانو کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ران پر رکھ کر سوار ہو گئیں۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اپنا ردیف بنایا اور پردہ باندھا۔ اہل سیر کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اونٹ نے ٹھوکر کھائی اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور صفیہ رضی اللہ عنہا دونوں زمین پر آ رہے لیکن کسی ایک شخص کی نظر نہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر پڑی اور نہ سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا پر..... اس کے بعد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہوئے اور صفیہ رضی اللہ عنہا کو مستور فرمایا۔

سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا کے تمام حالات غزوہ خیبر میں گزر چکے ہیں جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا سے زفاف فرمایا تو صحابہ سے فرمایا جس کے پاس جو توشہ موجود ہو لائے پھر سب نے حیس تیار کیا اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی برکت اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اعجاز سے تمام لوگ شکم سیر ہو گئے حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کا ولیمہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک بڑی عزت و شان والا تھا اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ان کے ساتھ بڑی عنایت اور کرم گتری فرماتے تھے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ان پر غبطہ کرتی تھیں منقول ہے کہ ایک دن سیدہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا کی مذمت میں کہا کہ آپ کو تو صفیہ رضی اللہ عنہا ہی کافی ہیں کہ وہ ایسی ہیں ویسی ہیں مطلب یہ کہ پستہ قد و قامت رکھتی ہیں۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”اے عائشہ رضی اللہ عنہا! تم نے ایسی بات کہی ہے کہ اگر اسے دریا میں ڈالیں تو اس کا رنگ بدل جائے۔ مروی ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا کی باری کے دن ان کے پاس تشریف لائے

ملاحظہ فرمایا کہ وہ رورہی ہیں۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے رونے کا سبب پوچھا کہ کیا ہے؟ عرض کیا میرے پاس حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا آ کر مجھے ایذا دیتی ہیں اور کہتی ہیں کہ ہم صفیہ رضی اللہ عنہا سے بہتر ہیں کیونکہ ہمیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے نسب مبارک کی شرافت حاصل ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم نے کیوں نہ کہا کہ تم کیوں کر مجھ سے بہتر ہو حالانکہ میرے باپ ہارون ہیں اور میرے چچا موسیٰ علیہ السلام ہیں۔

سند و عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا ۱۰۹۰ م اکرم - نہ کہ یہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اتر ہے بلکہ یہ اس کا

حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی زوجیت میں آئیں اور حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کے انتقال کے بعد حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کی زوجیت میں آئیں۔ حضرت اسماء رضی اللہ عنہا کے اپنے تمام شوہروں سے اولاد تھی حضرت جعفر رضی اللہ عنہ سے حضرت عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے حضرت محمد بن ابی بکر اور حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے حضرت عون بن علی رضی اللہ عنہ پیدا ہوئے۔ حضرت اسماء رضی اللہ عنہ کی دوسری بہن حضرت زینب رضی اللہ عنہا بنت عمیس ہیں جو حضرت حمزہ بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ کی زوجیت میں تھیں اور عمارہ بنت حمزہ رضی اللہ عنہ انہیں سے پیدا ہوئی تھیں جن

کرنے کے بارے میں اختلاف ہے چنانچہ قتادہ اور ابو عبیدہ فرماتے ہیں کہ جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ات اپنے قرب سے نوازا نا چاہا اور اس سے فرمایا کہ قریب آ تو اس عورت نے انکار کیا اور سرکشی کی۔ بعض کہتے ہیں کہ اس عورت نے کہا میں آپ سے خدا کی پناہ مانگتی ہوں۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تو پناہ تلاش کرتی ہے اور بہت بڑی پناہ مانگتی ہے۔ بلاشبہ حق تعالیٰ نے تجھے پناہ دے دی السحقی باہلک جا تو اپنے گھر والوں سے مل جائیہ کلمہ ایسا ہے جو طلاق کی نیت سے بولا جاتا ہے۔ جامع الاصول میں اسی بنت الجون کے قصہ کو اس طرح بیان کرتے ہیں جسے ام المؤمنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا کہ ابنتہ الجون رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئی اور اس نے کہا: اَعْمُوذُ بِاللّٰهِ مِنْكَ اس پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تو نے بہت بڑی پناہ تلاش کی ہے جا اپنی اہل کے ساتھ مل جا اسے بخاری نے روایت کیا ہے۔ نسائی میں اس طرح مروی ہے کہ کلابیہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئی تو (الحديث) سیدہ صدیقہ سے اتنا ہی روایت کرتے ہیں کہ اس نے کہا مطلب یہ کہ کسی دوسرے نے اس کو شہدہ کا نام لیا کہ اس نے خطہ سے کہا کہ میں نے اس سے کلمہ لیا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے اس کا نام

فوراً اس کے پاس سے دور ہو گئے اور فرمایا تو نے بڑی پناہ گاہ سے پناہ مانگی ہے اٹھ اور اپنے لوگوں میں چلی جا اور ابواسید رضی اللہ عنہ سے فرمایا اسے اس کے قبیلہ میں پہنچا دو بعد ازاں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر دی گئی کہ عورتوں نے اس کے ساتھ ایسا کر کیا تھا اور اسے اس پر برا سمجھتے کیا تھا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: **إِنَّهُمْ صَوَاحِبُ يُوسُفَ وَإِنَّ كَيْدَهُنَّ عَظِيمٌ** بے شک یہ عورتیں یوسف والیاں ہیں اور بے شک ان کا مکر بڑا ہے۔

اب ہم اس طرف آتے ہیں کہ یہ جو مکر و فریب ہے اور اس میں ان کے حق میں جنہوں نے کوئی گناہ خطا اور خلاف ورزی نہیں کی ہے زیاں کاری اور بد اندیشی ہے اس کے جواب میں کہتے ہیں کہ یہ بشری طبع کی فضیلت اور محبت کا مقتضائے غیرت ہے اور یہ بات حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ انتہائی محبت کی دلیل ہے کہ وہ نہیں چاہتی تھیں کہ کوئی دوسرا بھی اس میں شریک ہو اور غیرت و رشک کا مطلب ہی یہ ہے کہ وہ اپنے سے محبوب کی جدائی دوسرے کیلئے گواہ نہیں کرتیں مثلاً کسی کے پاس مال ہے یا کسی کا کوئی خاص حال ہے اور چند شخص اس میں شریک ہیں وہ پسند نہیں کرے گا کہ کوئی اور اس میں شریک ہو یا اس سے وہ مال چھینے کی صورت یہاں لازم آتی ہے اور یہ بات بھی ہے کہ بیویوں نے اس پر جبر و اکراہ نہیں کیا تھا اس سے صرف زبانی کہا تھا اس نے کیوں کہا اور یہ بات بھی ممکن ہے کہ شوہر کی محبت کی خواہش میں عورتوں کیلئے اتنی بات جائز ہو اسی وجہ سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں سخت و ست نہ فرمایا اور نہ جزا و سزا دی اور نہ زجر و توبخ فرمائی۔ فرمایا تو صرف اتنا فرمایا کہ عورتوں کے مکر و فریب ہوتے ہیں اور ان کا مکر بہت بڑا ہے جس طرح کہ قرآن کریم میں زنان یوسف علیہ السلام کی شان میں آیا ہے کہ ان کید کن عظیم بے شک تم عورتوں کے بڑے مکر ہیں۔ (فافہم واللہ اعلم)

ایک اور عورت تھی جس کا نام ملیکہ بنت کعب تھا ایک قول ہے کہ قبیلہ لیث کی لڑکی تھی قبل از دخول حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے مفارقت فرمائی بعض کہتے ہیں اسی عورت نے استعاذہ کیا تھا بعض کہتے ہیں کہ اس سے دخول ہوا اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہی کے پاس وفات پائی لیکن پہلا قول زیادہ صحیح ہے بعض کہتے ہیں کہ نکاح بھی نہ کیا تھا صرف خوشگاری فرمائی تھی جیسا کہ مواہب میں ہے۔ روضۃ الاحباب میں ہے کہ جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے ساتھ خلوت فرمائی جب اس سے پوشش دور ہوئی تو

اس کے جسم میں سفیدی نظر آئی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم علیحدہ ہو گئے اور فرمایا اپنے کپڑے پہن لو اور اپنے لوگوں میں چلی جاؤ۔ مواہب میں اس طرح ہے کہ قبیلہ غفار کی ایک عورت تھی اس کے بعد آخر تک یہی حکایت بیان کی ہے۔

ایک اور عورت شراف رضی اللہ عنہا بنت خلیفہ کلبیہ تھی جو حضرت دجیہ کلبی رضی اللہ عنہ کی بہن تھی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے نکاح فرمایا اور وہ دخول سے پہلے ہی فوت ہو گئیں۔

ایک اور عورت لیلیٰ بنت الخطیم قیس کی بہن تھی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے نکاح فرمایا یہ بڑی غیور عورت تھی پھر اس نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے اقالہ یعنی فسخ نکاح چاہا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے اقالہ کیا اس کے بعد اسے بھیڑیے نے کھالیا بعض کہتے ہیں کہ یہی وہ عورت ہے جس نے اپنے آپ کو بہہ کیا۔ مواہب میں اتنا ہی مذکور ہے۔

اہل سیر بیان کرتے ہیں کہ ایک دن حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پشت بر آفتاب تشریف فرما تھے تو لیلیٰ بنت خطیم حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی پشت مبارک کی طرف سے آئی اور آپ کی پشت مبارک پر ایک مکہ مارا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کہا کون ہے یہ ”اکلہ الذئب“ یعنی جسے بھیڑیا کھائے گا اس نے کہا میں خطیم کی بیٹی ہوں اور پھر اپنے باپ کی تعریفیں کرنے لگی۔ اس نے کہا میں آئی ہوں تاکہ اپنے نفس کو آپ پر بہہ کروں۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں تجھے اپنی زوجیت کیلئے پسند کرتا ہوں لیکن اس کے بعد وہ اپنی قوم کی طرف گئی اور ان کو اس سے باخبر کیا۔ قبیلہ کے لوگوں نے کہا تو نے برا کیا تو ایک غیور عورت ہے اور وہ بہت سی بیویاں رکھتے ہیں تو

غیرت میں جلتی رہے گی اور باتیں کرے گی تو وہ تجھ پر غضب فرمائیں گے اور دعائے بد کریں گے ان کی دعا مستجاب و مقبول ہے جا اور فسخ نکاح کا مطالبہ کر پھر وہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئی اور فسخ کا مطالبہ کیا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے نکاح فسخ فرما دیا اس عورت نے دوسرا شوہر کر لیا اور اس سے کئی بچے پیدا ہوئے ایک دن مدینہ طیبہ کے کسی باغ میں نہا رہی تھی اچانک بھیڑیے نے اس پر جست کی اور اس کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیئے۔

ایک اور عورت سنا یا سہا یا اسماء بنت صلت سلمیہ تھی اہل سیر کہتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے پیام دیا تو وہ اس خبر کے سنتے ہی خوشی سے مر گئی۔

ایک روایت میں ہے کہ بنی سلیم کا ایک شخص حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں آیا اس نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک لڑکی ہے جو بڑی حسین و جمیل ہے آپ کے سوا کسی اور کیلئے وہ مناسب نہیں ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی خواستگاری فرمائی یا خواستگاری کا قصد فرمایا اس شخص نے لڑکی کی تعریف کے قصد سے کہا وہ ایک اور صفت بھی رکھتی ہے کہ وہ نہ تو کبھی بیمار ہوئی اور نہ کوئی اسے تکلیف پہنچی ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہمیں تیری لڑکی کی ضرورت نہیں ہے لَا خَيْرَ لَهَا مَسَالٍ يَرَوْنَ مِنْهُ وَلَا يَحْسَدُ لَا يَنَالُ مِنْهُ۔

ایک اور عورت قبیلہ مرد بن عوف بن سعد کی تھی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے باپ کو پیام بھیجا اس نے کہا یہ لڑکی برص رکھتی ہے یہ بات اس نے جھوٹ کہی تھی تاکہ اسے پیش نہ کرنا پڑے جب وہ گھر لوٹ کر آیا تو وہ برص میں مبتلا ہو چکی تھی اہل سیر کہتے ہیں کہ اس کے باپ نے اس کو اپنے بھتیجے کے ساتھ بیاہ دیا اس سے ایک لڑکا ہوا جس کا نام شیب بن مرطبہ تھا کہتے ہیں کہ وہ شاعر تھا۔ (ذکرہ الطبری)

ایک اور عورت امامہ بنت حمزہ عبدالمطلب پیش کی گئی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وہ میرے رضاعی بھائی کی بیٹی ہے کہ ابولہب کی باندی ثویبہ نے ان کو دودھ پلایا تھا۔

ایک اور عورت غزوہ بنت ابوسفیان جوام حبیبہ رضی اللہ عنہا کی بہن تھی پیش کی گئی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وہ میرے لیے حلال نہیں ہے کیونکہ ان کی بہن ام حبیبہ رضی اللہ عنہا موجود ہے یہ چند عورتیں ہیں جن سے قبل از نکاح یا بعد از نکاح قبل از دخول مفارقت واقع ہوئی سیر کی کتابوں میں اس سے زیادہ بیان کیا گیا ہے۔ ان اختلافات کے ساتھ جواہر کے ناموں میں واقع ہیں۔

انہیں عورتوں میں سے کچھ وہ ہیں جن کو پیام نکاح دیا لیکن نکاح واقعی نہ ہوا ام ہانی رضی اللہ عنہا بنت ابی طالب جن کا نام فاخستہ ہے بعض عاتکہ بتاتے ہیں اور بعض ہند پہلا قول زیادہ مشہور اور صحیح ہے۔ اس پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوطالب سے فرمایا: اے میرے چچا! اپنی بیٹی ہمیرہ بن وہب کو دے دی اور مجھے ندی ابوطالب نے عرض کیا: اے میرے بھتیجے ان کے ساتھ میری مصاہرت یعنی سسرالی رشتہ ہے میں نے ان سے بیٹی مانگی تھی طریقہ کرم میں نے اسی میں دیکھا کہ میں ان کا بدلہ اتار دوں اس کے بعد ام ہانی کے ہمیرہ سے جعدہ عمرو یوسف اور ہانی پیدا ہوئے اسی ہانی کی وجہ سے ان کی کنیت مشہور ہوئی اس کے بعد ام ہانی مسلمان ہو گئیں اور ان کا اسلام لانا عام الفتح میں تھا پھر ان کے اور ہمیرہ کے درمیان اسلام نے جدائی کر دی اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو پیام دیا اس پر ام ہانی رضی اللہ عنہا نے کہا: خدا کی قسم میں آپ کو زمانہ جاہلیت میں بھی پسند کرتی تھی اب جبکہ میں اسلام سے بھی محبت رکھتی ہوں آپ کو کیسے نہ پسند کروں بلاشبہ آپ میری آنکھ اور کان سے زیادہ محبوب ہیں لیکن میں ایک ایسی عورت ہوں جو کوئی یتیم بچے رکھتی ہے اور میں ڈرتی ہوں کہ اگر میں بچوں کی دیکھ بھال میں مشغول ہوئی تو آپ کا حق بجانہ لاسکوں گی اور اگر جیسا کہ آپ کا حق اور آپ کی خدمت

حضرت عباس رضی اللہ عنہ: حضرت عباس رضی اللہ عنہ کی کنیت ابو الفضل رضی اللہ عنہ ہے کیونکہ ان کے سب سے بڑے فرزند کا نام فضل تھا ان کی نسبت سے یہ کنیت ہے اور وہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما ہے جن کا نام عبد اللہ ہے بڑے تھے لیکن حضرت عبد اللہ ہی ابن عباس سے مشہور ہوئے اور یہی ان کے نام پر غالب آ گیا۔ (رضی اللہ عنہما اجمعین)

حضرت عباس رضی اللہ عنہ کی والدہ کا نام تیلہ بنت حباب بن کلب ہے بیان کرتے ہیں کہ یہ سب سے پہلی عرب عورت ہیں جنہوں نے بیت الحرام پر دیا کا غلاف چڑھایا اس لیے کہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ بچپن میں گم ہو گئے تھے تو ان کی والدہ نے نذرمانی تھی کہ وہ آ جائیں تو بیت اللہ پر غلاف چڑھائیں گی۔ حضرت عباس بڑے حسین و جمیل دو گیسو والے اور طویل القامت تھے چنانچہ منقول ہے کہ لوگوں کا قد حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے کندھوں تک پہنچتا تھا اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قد حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے کندھوں تک پہنچتا تھا اور حضرت عباس رضی اللہ عنہ کا قد حضرت عبد المطلب رضی اللہ عنہ کے کندھوں تک بعض روایتوں میں ان کے وصف میں معتدل بھی لکھا ہوا ہے۔ ظاہر ہے کہ مراد معتدل القامت ہے لیکن یہ اعتدال تمام اعضاء جوارح میں مراد ہوگا۔ (واللہ اعلم)

ان کی ولادت عام الفیل سے تین سال پہلے ہے یہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے دو یا تین سال عمر میں زیادہ تھے اور وہ قریش میں سردار تھے اور عمارت بیت الحرام ان کے سپرد تھی ظاہر ہے کہ تعمیر مسجد اور اس کی دیکھ بھال مراد ہوگی اور منصب ستاقیۃ یعنی حاجیوں کو پانی پلانا بھی ان کے ہاتھ میں تھا۔

حضرت عباس رضی اللہ عنہ عقبہ کی رات جس میں انصار نے عقد بیعت کی تھی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے اس مجلس میں انہوں نے فرمایا اے گروہ انصار تمہیں معلوم ہونا چاہیے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں میں بزرگ و عظیم ہیں۔ مبادا اس وقت جو تم عہد و پیمان باندھ رہے ہو تم توڑ دو۔ خوب اچھی طرح سوچ سمجھ لو جیسا کہ پہلے بیان کیا جا چکا ہے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ان پر تمام امور میں اعتماد فرماتے تھے جب بدر کے قیدیوں میں ان کے بند سخت ہو گئے تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ان کے آہ و نالہ اور ان کی حالت کے تصور سے سونہ سکے۔ صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! نیند نہ آنے کی وجہ کیا ہے؟ فرمایا عباس کی وجہ سے۔ اس کے بعد ایک شخص اٹھا اور ان کی بندشوں کو ڈھیلا کر دیا اس کے بعد آپ نے حکم دیا کہ تمام قیدیوں کی بندشیں ڈھیلی کر دی جائیں اسی طرح صاحب صفوہ ابو عمرو نے بیان کیا ہے اور یہ کہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ اپنے اسلام کو پوشیدہ رکھتے تھے اور مشرکوں کے جبر و قہر کی بنا پر ساتھ آئے تھے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دے دیا تھا تھا کہ جس کسی کو حضرت عباس رضی اللہ عنہ ملیں وہ ان کو قتل نہ کرے اس لیے کہ انہیں جبراً لایا گیا ہے یعنی ناگواری اور عدم رضا سے ساتھ آئے ہیں کیونکہ ابو جہل اور کافروں نے انہیں چھوڑا کہ وہ مکہ میں رہیں اور بدر میں نہ جائیں۔

جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فتح مکہ کیلئے تشریف لے جا رہے تھے تو حضرت عباس رضی اللہ عنہ مکہ سے ہجرت کر کے راہ میں حضور کے ساتھ شامل ہو گئے تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے عیال کو مدینہ طیبہ بھیج دیا اور حضرت عباس رضی اللہ عنہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ رہے وہ فتح مکہ میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہی تھے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا تمہارے ساتھ اب ہجرت ختم ہو گئی جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا ہے بعض بیان کرتے ہیں کہ وہ فتح خیبر سے پہلے اسلام لے آئے تھے مگر انہوں نے اپنے اسلام کو پوشیدہ رکھا تھا اور حق تعالیٰ نے جو مسلمانوں کو فتح و نصرت عطا فرمائی اس سے وہ بہت خوش و مسرور ہوئے اور اپنے اسلام کو روز فتح ظاہر فرما دیا۔ غزوہ حنین طائف اور تبوک میں شریک ہوئے۔

اہل سیر کہتے ہیں کہ بدر سے پہلے بھی وہ مسلمان تھے اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو مشرکوں کے حالات اور ان کی خبریں لکھ کر بھیجا

کرتے تھے اور مکہ مکرمہ میں باقی مسلمانوں کی اطلاعیں دیا کرتے تھے اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ان کی اطلاع پر اعتماد فرماتے تھے اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آنے سے پہلے ہی سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ان سے محبت فرماتے تھے اسی بنا پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو لکھا کہ میرے لیے تمہارا مکہ مکرمہ میں رہنا بہتر ہے۔ سہل بن سعدی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے انہوں نے کہا کہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ہجرت کی اجازت مانگی اس پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو لکھا کہ اے چچا تم اپنی جگہ رہو اللہ تعالیٰ تم پر ہجرت کو ختم فرمائے گا جس طرح کہ مجھ پر نبوت کو ختم فرمایا ہے چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ عام الفتح میں انہوں نے ہجرت کی اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے آکے مل گئے جیسا کہ معلوم ہوا۔

سہمی کتاب الفضائل میں نقل کرتے ہیں کہ ابورافع رضی اللہ عنہ نے جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے اسلام کی خوشخبری سنائی تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ابورافع رضی اللہ عنہ کو اسی وقت آزاد کر دیا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے اسلام لانے کے بعد ان کا بڑا اعزاز و اکرام فرماتے تھے اور ان کی بہت تعریفیں کرتے تھے کہ وہ لوگوں میں سخی ترین اور مہربان ترین ہیں اور فرمایا میرے چچا عباس رضی اللہ عنہ بمنزلہ میرے والد کے ہیں جس نے انہیں ایذا پہنچائی یقیناً اس نے مجھے ایذا دی یہ اس وقت فرمایا جبکہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آکر لوگوں کی شکایت کی اور کہا کہ ان لوگوں کو کیا ہوا ہے جب بھی میں ان کے پاس جاتا ہوں تو انہیں ناگوار ہوتا ہے اور اپنی ان باتوں کو ہم سے چھپا لیتے ہیں جو وہ باہم کرتے ہوتے ہیں اور ہماری طرف محبت کی آنکھ نہیں اٹھاتے۔

منقول ہے کہ ایک دن حضرت عباس رضی اللہ عنہ بارگاہ رسالت میں آئے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب انہیں آتے دیکھا تو ان کی طرف کھڑے ہو کر بڑھے اور ان کی دونوں آنکھوں کے درمیان بوسہ دیا اور اپنے دہنی جانب ان کو بٹھایا اور فرمایا یہ میرے چچا ہیں ہر ایک کی خواہش ہوتی ہے کہ اپنے چچا پر فخر کرے اس پر حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! آپ کتنی خوش آئند بات فرما رہے ہیں۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیوں نہ کہوں حالانکہ تم میرے چچا ہو اور بمنزلہ والد کے ہو اور میرے اجداد کے بقیہ اور میرے وارث ہو اور بہترین شخص جو جسے میں اپنے اہل میں سے چھوڑے جاتا ہوں ایک اور مرتبہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے فرمایا: اے میرے چچا! اپنے گھر رہنا اور اپنے بچوں کو بھی باہر نہ بھیجنا میں کل تمہارے یہاں آؤں گا مجھے تم سے کام ہے۔ پھر جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ان کے یہاں رونق افروز ہوئے اپنی چادر مبارک ان سب پر ڈالی ایک روایت میں ہے کہ ان سب کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی چادر شریف میں ڈھانپا اور فرمایا اے خدا! یہ میرے چچا اور میرے والد کے قائم مقام ہیں اور ان کے یہ فرزند ایں میری اہل بیت ہیں ان سب کو آتش دوزخ سے ایسا ہی چھپالے جس طرح میں نے انہیں اپنی چادر میں چھپا لیا ہے اس پر ان سب نے آمین کہی اور گھر کے در و دیوار نے بھی آمین آمین کہی۔

ایک روایت میں آیا ہے کہ گھر کا کوئی پتھر اور ڈھیلہ ایسا نہ تھا جس نے آمین نہ کہی ہو ترمذی میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے انہوں نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم سب کو اپنی چادر شریف میں چھپا لیا اس کے بعد فرمایا: اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِّلْعَبَّاسِ وَوَلَدِهِ مَغْفِرَةً ظَاهِرَةً وَبَاطِنَةً لَا تُعَادِرُ ذَنْبًا اَللّٰهُمَّ احْفَظْهُ فِیْ وَلَدِهِ وَکَلِدِهِ ترمذی نے اس حدیث کو حسن غریب کہا ہے۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہ اور ان کے فرزند ان شریف اور ان کی اولاد کے بارے میں کہ وہ ان کے بعد ہیں گے اور ان کے خلافت کی خبریں اور ان کی مدح چادر شریف کا اوڑھنا دین کا اعزاز ملت کی تقویت اور ان سے محبت رکھنے پر ترغیب وغیرہ امور کی خبریں اور حدیثیں نقل کی گئی ہیں ان میں سے بہت سے راوی ضعیف و مطلوب ہیں بلکہ کذب و وضع کا ان پر گمان ہے اس قسم کی خبریں حدیثیں

اور آثار ان کی خلافت کے زمانہ میں ظاہر ہوئیں۔ (واللہ اعلم)

حضرت عباس رضی اللہ عنہ کی وفات حضرت عثمان رضی اللہ عنہ ذوالنورین کے عہد خلافت میں ان کی شہادت سے دو سال پہلے بارہ یا چودہ ماہ رجب یا ماہ رمضان ۳۲ھ یا ۳۳ھ میں ہوئی اس وقت ان کی عمر شریف اٹھاسی یا نواسی سال کی تھی۔ وہ بیس سال زمانہ اسلام میں رہے۔ بقیع شریف میں وہ مدفون ہوئے اور ان کو ان کے فرزند حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ بن عباس نے قبر میں اتارا۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بھی عظیم و جلیل اور ترجمان القرآن اور ابوالخلفاء کے لقب سے موسوم ہوئے۔ منقول ہے کہ ان کی والدہ حضرت ام الفضل رضی اللہ عنہا نے جب ابن عباس رضی اللہ عنہما کو پیدا کیا تو وہ انہیں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں لائیں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے داہنے کان میں اذان اور بائیں کان میں اقامت کہی اور فرمایا ابوالخلفاء کو لے جاؤ رواہ ابن حبان وغیرہ اہل سیر بیان کرتے ہیں کہ ان کی اولاد و احفاد زمین میں اتنی پھیلی کہ خلیفہ مامون رشید کے زمانہ میں آٹھ ہزار تک پہنچ گئی اس خبر اور اس کثرت کو محال اور بعید جانا گیا ہے مگر یہ کہ لواحقین اور متبعین مراد لیں تو درست ہے۔ (واللہ اعلم)

حضرت عباس رضی اللہ عنہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام چچاؤں میں سب سے کم عمر تھے۔

جدات یعنی دادا اور نانی: جدات کی دو قسمیں ہیں ایک وہ جو باپ کا بالائی نسب ہو دوسرا وہ جو ماں کا بالائی نسب ہو مواہب لدنیہ میں سب کو شمار کیا گیا ہے ان کے تمام احوال حدیث کی کتابوں میں بیان نہیں کیے گئے صرف ان کے اسماء ہی بیان ہوئے ہیں۔

رضاعی بھائی: حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے رضاعی یعنی دودھ شریک بھائیوں میں سے ایک تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ ہیں اور دوسرے ابوسلمہ بن عبدالاسد شہرام سلمہ ان کی والدہ برہ بنت عبدالمطلب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی چھوٹی بھئی ہیں ان کو اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو ثویبہ ابولہب کی باندی نے اپنے بیٹے مسروح بن ثویبہ کا دودھ چار برس کے فرق سے پلایا پہلے حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کو ان کے بعد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ان کے بعد عبداللہ رضی اللہ عنہ بن عبدالاسد کو۔

ابوسفیان رضی اللہ عنہ بن الحارث جو کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا حارث کے بیٹے ہیں یہ بھی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے رضاعی بھائی ہیں ان کو اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو سیدہ دایہ حلیمہ سعدیہ نے دودھ پلایا اور حلیمہ سعدیہ کی اولاد بھی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے رضاعی بہن بھائی ہیں ایک مرتبہ جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا لشکر ہوازن پر تاخت کر رہا تھا تو ان میں ایک عورت قید ہو کر آئی اس نے کہا میں تمہارے آقا کی بہن ہوں جب اسے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے پیش کیا گیا تو اس نے کہا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں آپ کی رضاعی بہن ہوں اس پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے مرحبا فرمایا اور اپنی چادر مبارک بچھا کر اس پر اسے بٹھایا اور گزشتہ حالات کی یاد سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی چشم مبارک میں آنسو آ گئے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے فرمایا اگر تم چاہو تو میرے پاس رہو عزت و احترام اور محبت کے ساتھ رہو گی اور اگر تم چاہو تو تمہیں تمہارے لوگوں کی طرف لوٹا دوں اور حلہ اور انعام و اکرام تمہیں عطا فرما دوں؟ اس نے کہا: ”میں اپنی قوم کی طرف جانا چاہتی ہوں۔“ پھر وہ مسلمان ہو گئی اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے تین غلام و باندی اور بہت سے اونٹ و بکریاں مرحمت فرمائیں۔

مروی ہے کہ بی بی حلیمہ سعدیہ بھی بارگاہ رسالت میں آئیں اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا بھی بہت ادب و احترام اور اکرام و انعام فرمایا اور ابولہب کی باندی ثویبہ کو بھی اکرام و انعام سے نوازا۔ ان کے اسلام لانے میں علماء اختلاف کرتے ہیں جس طرح کہ بی بی حلیمہ سعدیہ کے اسلام میں اختلاف کرتے ہیں بقیع میں ان کا چھوٹا سا قبہ تھا جسے قبر حلیمہ سعدیہ کہتے تھے (مگر اب نجدی ملعونوں نے اسے بھی شہید کر دیا) کہتے ہیں کہ ان کی قبر پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بغرض زیارت تشریف لے جاتے تھے اور بی بی حلیمہ کے شوہر

کے اسلام میں بھی اختلاف ہے ظاہر ان کا اسلام لانا ہے اور ثویہ باندی کو ابولہب نے اس وقت آزاد کیا جبکہ اس نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت شریفہ کا مژدہ لا کر اسے سنایا تھا اسی بنا پر مروی ہے کہ روزِ دو شنبہ یعنی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی پیدائش کے دن ابولہب سے عذاب اٹھا دیا جاتا ہے اور ثویہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے نکاح کے بعد آئی تو سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا اس کا احترام فرماتیں اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ طیبہ سے مکہ مکرمہ اس کیلئے حلد اور کپڑے بھیجا کرتے تھے یہاں تک کہ وہ فتح خیبر کے بعد فوت ہو گئی۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک خاصہ تھی یعنی وہ دایہ جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی گود میں لے کر پرورش کرتی تھی وہ ام ایمن رضی اللہ عنہا حبشی ہے ان کا نام برکت ہے ان کے نام پر ان کی کنیت غالب آ گئی۔ ام ایمن رضی اللہ عنہا نے حبشہ کی دونوں ہجرتیں کیں پھر مدینہ آ گئیں یہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی باندی تھیں جو اپنے والد ماجد حضرت عبد اللہ بن عبد المطلب رضی اللہ عنہ کی میراث میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو ملی تھیں۔ بعض کہتے ہیں کہ حضرت آمنہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی والدہ ماجدہ سے ملی تھیں اس کے بعد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے نکاح کے وقت آزاد کر دیا اور ان کا نکاح عبید بن زید بن عمر بنی الحارث سے کر دیا۔ ان سے ام ایمن فرزند پیدا ہوا اسی نسبت سے ان کی کنیت ام ایمن رضی اللہ عنہ قائم ہوئی۔ عبید کے بعد ان کا نکاح

باب چہارم

در ذکر خدام بارگاہ رسالت صلی اللہ علیہ وسلم

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ

مردوں میں سب سے زیادہ مشہور اور پابندی سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت کرنے والے حضرت انس بن مالک بن نضیر انصاری خزرجی رضی اللہ عنہ ہیں ان کی کنیت ابو حمزہ ہے حمزہ ایک بقلہ دو انہ ہے جس میں تیزی ہوتی ہے فارسی میں اسے تیرہ تیز کہتے ہیں۔ مروی ہے کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ اسے لارہے تھے اسی حالت میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو دیکھا اور انہیں ابو حمزہ کنیت کے ساتھ یاد کیا انہوں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی دس سال خدمت کی ہے جس وقت ہجرت کر کے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منیبہ میں رونق افروز ہوئے تو ان کی والدہ ان کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں لائیں اور عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرا یہ لڑکا انس حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں رہے گا چنانچہ انہوں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اس سال تک خدمت کی اور سفر و حضر میں حاضر رہے حضرت انس فرماتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے کبھی یہ نہ فرمایا کہ یہ کام کیوں نہ کیا اور فلاں کام کیوں کیا اور ایسا کیوں نہ کیا حضرت انس تمام غزوات میں حاضر ہوئے اور خلافت فاروقی میں بصرہ میں انتقال فرمایا اور بہت سے لوگوں کو فقیہ بنایا بصرے میں انتقال کرنے والے یہ آخری صحابی تھے جن کا ۹۳ھ یا ۹۱ھ یا ۹۹ھ میں انتقال ہوا اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کیلئے ان کی والدہ کی درخواست پر جبکہ وہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لائیں دنیا و آخرت کی بھلائی کی دعا فرمائی ان کی والدہ نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ انس حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا خادم ہے اس کیلئے دعا کیجئے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا فرمائی: اَللّٰهُمَّ اَخْخِرْ مَآلَهُ وَوَلَدَهُ وَادْخِلْهُ الْجَنَّةَ وَہ فرماتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا کا اثر کثرت مال و اولاد میں تو دیکھ ہی لیا ہے مجھے امید ہے کہ تیسری دعا دخول جنت کی ضرور پوری ہوگی اور فرمایا کہ میرے مال میں زیادتی اس حد تک ہوئی کہ میرا انگوروں کا باغ سال میں دو مرتبہ پھل دیتا تھا ان کی عمر سو سال سے متجاوز ہوئی ان کے صلب سے ایک سو چھ بچے پیدا ہوئے جن میں ۷۰ ستر لڑکے اور باقی لڑکیاں تھیں اور ان سے دو ہزار دو سو چھیالیس حدیثیں روایت کی گئی ہیں ان سے کثیر جماعت صحابہ نے روایت لی ہے اور پھر ان کے لڑکے پوتے پڑپوتے وغیرہ سے خلق کثیر نے روایت لیں۔ انہوں نے ولید بن عبد الملک بن مروان کے زمانہ میں وفات پائی اور محمد بن سیریں نے ان کو غسل دیا سیریں ان کے غلاموں میں سے تھے ان کے گردان کی ایک سو بیس اولاد جمع ہوئی اور ان کو دفن کر دیا اور حجاج کا انتظار نہ کیا کیونکہ حضرت انس رضی اللہ عنہ کی حجاج کے ساتھ سخت کلامی ہو گئی تھی حجاج ان پر ایذا رسانی کی طاقت نہیں رکھتا تھا اس بنا پر جو ان کو صلابت اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت کی فضیلت حاصل تھی اور دعاء کا اثر تھا جو انہوں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے سیکھی تھی اس دعا کی قوت سے وہ حجاج پر غالب رہتے تھے وہ دعا مشہور ہے اور فارسی رسالوں میں اس کی شرح کی گئی ہے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے زیادہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز سے مشابہ نماز پڑھتا ہوں۔

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ: حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک خادم حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ

غافل ہڈی تھے یہ سادس الاسلام صاحب نعلین و مسواک و تکیہ اور عصا والے تھے مواہب میں دسادہ یعنی بچھونے کا ذکر کیا ہے تکیہ کا ذکر نہیں کیا یہ تمام چیزیں ان کے سپرد تھیں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہوتے تو یہ نعلین مبارک حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو پہناتے جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نسبت فرماتے تو پائے اقدس سے نعلین مبارک اتارتے اور اپنی آستین میں محفوظ رکھتے تھے آپ مقروان بارگاہ اور حاضرین مجلس مبارک میں سے تھے چنانچہ آنے والے لوگ آپ کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اہل میں سے خیال کرتے تھے آپ کے مناقب و فضائل بہت زیادہ ہیں اس سلسلہ میں صرف اتنا بتا دینا کافی ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: رَضِيْتُ لَأُمِّیْ مَآرِضِیْ بِہِ اِنَّ اُمَّ عُبَیْدَ وَ سَخَطْتُ لَهَا مَا سَخَطْتُ (میں اپنی امت میں سے اس سے راضی ہوں جس سے حضرت ابن مسعود راضی ہیں اور میں اس سے ناراض ہوں جس سے وہ راضی نہیں ہیں آپ نے مدینہ طیبہ میں ایک قول ہے کوفہ میں ۳۱ یا ۳۲ھ یا ۳۳ھ میں وفات پائی ان کی عمر شریف باسٹھ سال کی ہوئی آپ سے خلفاء اربعہ اور دیگر صحابہ و تابعین رضی اللہ عنہم اجمعین نے روایتیں لی ہیں۔

ایمن ابن ام ایمن رضی اللہ عنہ: حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک خادم ایمن ابن ام ایمن رضی اللہ عنہ تھے یہ پانی کی چھاگل اٹھانے والے تھے یہ روزِ حنین شہید ہو گئے۔

ربیعہ بن کعب السلمی رضی اللہ عنہ: ایک خادم ربیعہ رضی اللہ عنہ بن کعب السلمی تھے جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کیلئے وضو کا پانی مہیا کرتے تھے اور اصحاب صفہ میں سے تھے اور صحبت قدیم رکھتے تھے اور سفر و حضر میں خدمت میں حاضر رہتے تھے انہوں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایتیں بیان کی ہیں اور ان سے تابعین کی جماعت نے روایت لی ہیں بخاری نے ان کی ایک حدیث نقل کی ہے انہوں نے واقعہ حرہ کے بعد ۶۳ھ میں وفات پائی۔

حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ: ایک خادم حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ تھے جو دوران سفر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا اونٹ کھینچتے تھے امام ذہبی نے کاشف میں ان کی تعریف اس طرح بیان کی ہے کہ وہ میر کبیر، شریف، فصیح، مقرر، فرضی شاعر صحابی تھے غور و فکر ۲۰۲ کاہ المارنا اگر اور انہما زعمہ من وفاتہ المارحہ الامام عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما کے واسطے سے

نے دیکھ لیا مطلب یہ کہ تم نے دیکھا میں نے انہیں دونوں سورتوں کی خیریت اور افضلیت، استعاذہ کے باب میں ہے جو جسمانی و روحانی تمام آفتوں اور بلاؤں کے دفعیہ کو شامل ہیں سفر میں نماز صبح میں پڑھنا بھی اسی بنا پر ہے اسے امام احمد ابوداؤد اور انسائی نے روایت کیا ہے امام احمد کی روایت میں ہے کہ فرمایا میں تمہیں تین سورتیں بتاؤں جو توریت وانجیل اور فرقان میں ہیں میں نے عرض کیا ”ضرور یا رسول اللہ“ فرمایا تم قلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ، قلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ اور قلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ پڑھا کرو۔

حرف الهمزة على الألف والواو والياء في غير ما ذكر من هذه الأقسام لا يفتح على شيء من هذه الأقسام ولا يفتح على شيء من هذه الأقسام ولا يفتح على شيء من هذه الأقسام

تھے۔ اور ان پر بہت دیر تک روتے رہے اور فرمایا: "أَخِي وَخَلِيلِي عَاشَ وَحَدَهُ وَقَاتَ وَحَدَهُ وَيَبِعْتُ وَحَدَهُ وَطَوَيْتُ لَهُ"، یعنی اے میرے بھائی اور میرے دوست تنہا زندگی گزاری تنہا رحلت پائی اور تنہا اٹھو گے خوشی ہو ان کے لیے حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ بن مسعود کے ساتھ کئی انصاری اشخاص بھی تھے ان کے ساتھ چادریں تھیں ان کے آنے کے دس دن بعد رحلت فرما گئے اصحابہ میں ہے کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے ان کی نمازہ جنازہ ربذہ میں پڑھی اس کے بعد وہ مدینہ طیبہ آ گئے اس کے کچھ عرصہ بعد وہ بھی رحلت فرما گئے اور حضرت ابن مسعود کو بھی حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے ساتھ وہی اختلاف لاحق ہوا جو حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کو تھا۔

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کا مکہ سے آنے اور ان کے اسلام لانے کا قصہ عجیب و غریب ہے حدیث میں آیا ہے کہ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے زیادہ راست گوشخص پر آسمان نے کسی پر سایہ نہ کیا اور نہ زمین نے کوئی بوجھ اٹھایا مروی ہے کہ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ اپنی عبادت میں حضرت عیسیٰ کے ساتھ مساوات رکھتے ہیں ایک روایت میں آیا ہے کہ جسے اچھا معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے زہد کو دیکھے تو اسے چاہیے کہ وہ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کی طرف دیکھے ایک روایت میں آیا ہے کہ جو یہ چاہتا ہے کہ ہدایت زہد نیکی اور عبادت میں حضرت عیسیٰ ابن مریم علیہ السلام سے زیادہ مشابہ لوگوں میں دیکھے تو وہ ابوذر رضی اللہ عنہ کو دیکھے ایک روایت میں برو صدق نیکی یعنی و راست گوئی ایک روایت میں خلق و خلق یعنی خصلت و پیدائش آیا ہے ابن عبد البر استیعاب میں نقل کرتے ہیں کہ جب حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ پر عالم نزع طاری ہوا تو ان کی والدہ اور ان کی بیوی رونے لگیں حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کس چیز نے تم کو رونے پر مجبور کیا؟ انہوں نے کہا ہم کیوں کر آپ پر نہ روئیں جبکہ آپ ایک بیابان افتادہ زمین میں سکونت پذیر ہیں اور ہمارے پاس کپڑا بھر بندہ ہر مدہ ہر کفہ ہر شے ہر صلیب ہر

ان کا نام اباد ہے اور نبی کے خادم ہیں ابوذر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ نہ میں ان کو پہچانتا ہوں اور نہ ان کا نام جانتا ہوں البتہ ان کی حدیث معلوم ہوئی ہے جسے ابن خزیمہ ابو داؤد نسائی ابن ماجہ اور بغوی نے بطریق یحییٰ بن ولید بیان کیا ہے وہ یہ کہ ہم سے محل بن خلیفہ نے حدیث بیان کی انہوں نے کہا کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت کرتا تھا اور جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم غسل کا ارادہ فرماتے تو اپنی پشت مبارک مجھ سے ملواتے تھے براز نے کہا ابواسح کی اس حدیث کو اس سند کے سوا میں نہیں جانتا لوگ کہتے ہیں کہ وہ شہید ہوئے اور معلوم نہ ہوا کہ کیا ہوا یہ تیرہ اصحاب ہیں جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے خدام میں سے ہیں جسے مواہب لدنیہ میں بیان کیا گیا ہے

بارگاہ نبوت کی خدمت گزار عورتیں

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت گزاری کرنے والی عورتیں بھی تھیں ان میں سے ایک ام ایمن رضی اللہ عنہا: ام ایمن ہیں جو حبشی ہیں اور ان کا نام برکت ہے اور حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ کی والدہ ماجدہ ہیں۔ ان کا تذکرہ اعمام و عمات کے آخر میں تقریباً گزر چکا ہے اب اس کی اعادہ کی حاجت نہیں ہے۔ حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ کے جلد

کے بعد اس کا تذکرہ کیا جائے گا۔

نے ایک دن سخت رنج و غم میں صبح کی فرمایا مجھ سے جبریل علیہ السلام نے آج رات میرے پاس آنے کا وعدہ کیا تھا مگر وہ نہیں آئے تھے میں خبردار رہنا چاہیے کہ جبریل علیہ السلام نے خدا کی قسم کبھی مجھ سے وعدہ خلافی نہیں کی یعنی بغیر عذر اور بغیر سبب کے تو وہ عذر کیا ہوگا جو وہ نہیں آئے اس کے بعد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دل میں خود بخود القا ہوا کہ آپ کے خیمہ میں ایک کتے کا بچہ پڑا ہوا ہے اور حکم دیا کہ اس کو خیمہ سے نکال باہر پھینکو اس کے بعد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دست مبارک میں پانی لیا اور اس جگہ چھڑکا پھر جب رات آئی تو جبریل علیہ السلام سے ملاقات ہوئی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے جبریل علیہ السلام تم نے مجھ سے کل رات آنے کا حتمی وعدہ کیا تھا؟ جبریل علیہ السلام نے عرض کیا بے شک میں نے وعدہ کیا تھا لیکن ہم اس گھر میں داخل نہیں ہو سکتے جس میں کتا اور تصویر ہو اس کے بعد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے چھوٹے باغوں کے کتوں کو مارنے اور بڑے باغوں کے کتوں کو ان کی محافظت کی خاطر کہ وہ باغ کی رکھوالی کرے چھوڑنے کا حکم دیا۔ شکار اور حویل کی حفاظت اور کھیت اور باغ کی رکھوالی کیلئے کتا رکھنا جائز ہے۔ (رواہ مسلم)

ام رافع رضی اللہ عنہا: ایک اور خادمہ سلمیٰ ام رافع زوجہ ابورافع رضی اللہ عنہا مولیٰ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صحابیہ ہیں۔ یہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی باندی اور خادمہ ہیں اور اسد الغابہ میں کہا گیا ہے کہ سلمیٰ صفیہ بنت عبدالمطلب کی باندی اور ابورافع کی زوجہ ہیں۔ اہل سیر کہتے ہیں کہ یہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خادمہ تھیں اور بنی فاطمہ رضی اللہ عنہا کی دایہ اور حضرت ابراہیم بن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دایہ تھیں اور انہوں نے ہی سیدہ فاطمہ الزہرا کو ان کے شوہر حضرت علی مرتضیٰ کے ساتھ غسل دیا (رضی اللہ عنہا) اور خیبر میں شریک تھیں ان سے ان کے حنفیہ عبداللہ بن علی نے حدیث عبدبت امرأۃ فی ہرۃ کو روایت کیا ہے۔ سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ ابورافع مولانا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیوی ابورافع کی شکایت کرتی ہوئی آئیں کہ وہ اسے مارتے ہیں اس پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ابورافع سے فرمایا: اے ابورافع اس کے ساتھ کیا سلوک کرتے ہو اور کیوں تم اسے مارتے ہو۔ انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! یہ مجھے ایذا پہنچاتی ہے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے سلمیٰ رضی اللہ عنہا تم کیوں انہیں ایذا پہنچاتی ہو انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میں انہیں کچھ ایذا نہیں پہنچاتی لیکن انہوں نے نماز کی حالت میں حدت کیا یعنی بے وضو ہو گئے اس پر میں نے کہا اے ابورافع اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کو حکم دیا ہے کہ جب ان کے جسم سے کوئی ہوا وغیرہ نکلے تو وہ وضو کرے اس پر یہ کھڑے ہو کر مجھے مارنے لگے یہ سن کر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تبسم فرمانے لگے اور فرمایا اے ابورافع سلمیٰ نے تمہیں بھلائی اور خیر کا ہی حکم دیا ہے تم اسے نہ مارو ان سے یہ حکایت عجیب ہے ممکن ہے کہ انہوں نے حدت سے وضو ٹوٹنے کا حکم نہ سنا ہو اور سلمیٰ نے اپنے قول میں اس طرف اشارہ کیا کہ اللہ کے نبی نے مسلمانوں کو حدت کے بعد وضو کرنے کا حکم دیا ہے اور ابورافع سے بھی بعید ہے چونکہ وہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے غلام اور خادم ہیں اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سفری ساز و سامان ان کے سپرد رہتا تھا بعض کہتے ہیں کہ وہ پہلے حضرت عباس رضی اللہ عنہ بن عبدالمطلب کے غلام تھے پھر انہوں نے ان کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کر دیا اور جب انہوں نے حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے اسلام لانے کی خوشخبری حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو سنائی تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو آزاد کر دیا ان کا نام ثابت یا یزید ہے ان پر ان کی کنیت غالب آگئی وہ غزوہ احد اور خندق میں شریک تھے بعض کہتے ہیں کہ ابورافع کا اسلام غزوہ بدر سے پہلے کا ہے مگر وہ بدر میں شریک نہ تھے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی باندی سے ان کا نکاح کر دیا تھا اور ان سے رافع پیدا ہوئے۔ (رضی اللہ عنہا)

میمونہ بنت سعد رضی اللہ عنہا: ایک اور خادمہ میمونہ بنت سعد رضی اللہ عنہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی باندی ہیں ان سے

حدیث روایت کی گئی ہے اور جماعت کثیرہ نے ان سے حدیث اخذ کی ہے ان کی حدیث شام والوں کیلئے اور بیت المقدس کے فضائل اور سخن چینی اور پیشاب کے چھینٹوں سے نہ بچنے پر عذاب قبر ہونے اور لباس وغیرہ کے بارے میں ہے۔

ام عیاش رضی اللہ عنہا: ام عیاش سیدہ رقیہ بنت النبی صلی اللہ علیہ وسلم کو وضو کرایا کرتی تھی اس طرح کہ میں کھڑی ہوتی اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بیٹھے ہوتے تھے اور وہ فرماتی ہیں کہ میں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا ہے کہ میں نے سیدہ ام کلثوم رضی اللہ عنہا کا نکاح نہیں کیا مگر آسمانی وحی کے ذریعہ۔

یہ ہیں وہ اسماء ان مردوں اور عورتوں کے جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت بجالاتے تھے جن کو مواہب لدنیہ میں بیان کیا گیا ہے صاحب روضۃ الاحباب نے کہا ہے کہ اہل سیر کی کتابوں میں اکیس مرد اور گیارہ عورتیں خدام بارگاہ سے نظر سے گزری ہیں ان میں سے جو باقی ہیں ان کو بھی ہم بیان کرتے ہیں اور جس قدر ان کے احوال معلوم ہو سکے ان کو بھی لاتے ہیں (وہ اللہ التوفیق)

حضرت بلال حبشی رضی اللہ عنہ: ایک صحابی خادم حضرت بلال رضی اللہ عنہ ہیں جو مؤذن تھے ان کے فضائل و مناقب بہت زیادہ ہیں ان کی منقبت میں صرف یہی روایت کافی ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: **أَنَا سَابِقُ الْعَرَبِ وَبِلَالٌ سَابِقُ الْحَبَشَةِ** (الحدیث) اور حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے فرمایا: **”أَبُو بَكْرٍ سَيِّدُنَا أَعْتَقَ سَيِّدَنَا يَعْنِي بِلَالًا“** رواہ البخاری وہ دمشق میں ۲۰ھ میں فوت ہوئے ایک قول ہے کہ ۸ھ میں فوت ہوئے ان کی عمر شریف کچھ اوپر ساٹھ سال کی ہوئی ایک روایت ستر کی بھی ہے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے نفقات کی خدمت ان کے سپرد تھی مؤذنون کے بیان میں بھی ان کا ذکر شریف آئے گا۔

ذو جحر رضی اللہ عنہ: ایک صحابی خادم ذو جحر ہیں (بکسر میم وسکون خا وفتح میم ثانی) اور ذو جحر باء کے ساتھ بجائے میم کے بتاتے ہیں جو نجاشی شاہ حبشہ کے بھانجے تھے روضۃ الاحباب میں ایسا ہی کہا ہے اور صاحب استیعاب نے ذو جحر بنایا ہے مگر ان کو ذو جحر ہی کہا جاتا تھا اور کہا کہ اوزاعی نے ان کے نام میں انکار کیا ہے مگر ذو جحر میم کے ساتھ ہے اس کے سوانحیں اور کہا کہ نجاشی کا بھتیجا ہے ان سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بہت سی حدیثیں مروی ہیں اور ان کو اخذ کرنے والے شامی حضرات ہیں اور وہ انہیں میں شمار کیے گئے ہیں (انتہی) صاحب قاموس نے بھی نجاشی کا برادر زادہ کہا ہے ”کاشف“ میں بھی ایسا ہی کہا ہے اور کہا کہ وہ صحابی ہیں یہ شام منتقل ہو گئے تھے اور وہیں وفات پائی ان سے حضرت جبیر بن نفیر اور خالد بن معدان وغیرہ بہت سے لوگوں نے روایت کی ہیں جامع الاصول میں کہا گیا ہے کہ ذو جحر (بکسر میم وسکون خا وفتح باء) نجاشی کے برادر زادہ اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے خادم تھے ایک قول ہے ذو جحر میم کے ساتھ بجائے باء کے ہے وہ شامیوں میں شمار کیے گئے ہیں اور انہیں میں ان کی حدیثیں ہیں اور یہ جو کچھ بیان کیا گیا ہے اس سے پتہ چلتا ہے کہ صاحب روضۃ الاحباب کا یہ قول کہ وہ نجاشی کا خواہر زادہ یعنی بھانجے ہیں سہو ہے۔

بکیر بن شدخ لیثی رضی اللہ عنہ: ایک صحابی خادم بکیر رضی اللہ عنہ (بکسر باء، یصغیر) بن شدخ (بشین معجم و تشدید وال) روضۃ الاحباب میں ایسا ہی ہے اور اصحابہ میں بکیر بن شدخ رضی اللہ عنہ بیان کیا ہے اور بکسر بھی کہتے ہیں یہ ان اصحاب میں سے تھے جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت کیا کرتے تھے ان کا ایک قصہ ہے جسے اشعث انصاری رضی اللہ عنہ کے ترجمہ میں بطریق ابی بکر ہذلی عبد الملک یعلیٰ لیثی سے بیان کیا گیا ہے کہ بکیر بن شدخ رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے عہد معدلت گستر میں ایک یہودی کو قتل کر دیا اس پر حضرت عمر فاروق منبر پر تشریف لائے اور فرمایا میں تمہیں خدا کی یاد دلاتا ہوں مجھے اس شخص کی تلاش ہے جس کے علم میں ہر مات ہو کہ وہ مجھے اورے واقعہ کی خبر دے اسے اسے بکیر بن شدخ رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے اور کہا کہ میں اس مات کو

سابق بن حاطب رضی اللہ عنہ: ابن عبد البر سے استیعاب میں نقل کیا ہے کہ حضرت سابق بن حاطب رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے خادم ہیں اور ان سے ایک حدیث روایت کی گئی ہے اور ان کی صحابیت میں بھی اختلاف کیا گیا ہے کہ یہ صحت کو نہیں پہنچا ہے کہ یہ سابق صحابہ میں سے ہیں

سَلَمٰی رَضِی اللہ عنہ: سَلَمٰی رَضِی اللہ عنہ اسماء میں ظاہر نہیں ہوا ممکن ہے کہ سلمہ ہو اور سلمہ نام کے بہت ہیں (واللہ اعلم)

ابوسلام رضی اللہ عنہ: کاشف میں کہا گیا ہے کہ ابوسلام حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے خادم اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے غلام ہیں تہذیب میں ان سے ابن ناجیہ نے روایت کیا ہے اور کہا کہ ”خليفة“ نے انہیں صحابہ میں ذکر کیا ہے اور ان سے ابن ماجہ نے بروایت سابق ابوسلام رضی اللہ عنہ خادم النبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا ہے اس کے بعد ایک حدیث روایت کی جو ابوداؤد کے نزدیک ذکر میں واقع ہوا ہے کہ سابق نے ناجیہ سے انہوں نے ابوسلام سے روایت کیا ہے اس کے بعد ایک حدیث روایت کی کہ وہ مسجد دمشق میں تھے لوگوں نے کہا کہ انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت کی ہے اور استیعاب میں منقول ہے کہ ابوسلام ہاشمی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خادم اور غلام ہیں ان کو خلیفہ نے صحابہ میں موالیٰ بنی ہاشم بن عبد مناف میں سے بیان کیا ہے اور ابو عقیل نے سابق بن ناجیہ سے انہوں نے ابوسلام خادم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے انہوں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے کہ فرمایا کوئی بندہ ایسا نہیں جو تین مرتبہ یہ پڑھے کہ: رَضِیْتُ بِاللهِ رَبًّا وَبِالْاِسْلَامِ دِیْنًا وَبِمُحَمَّدٍ نَبِیًّا مگر یہ کہ حق تعالیٰ کے ذمہ اس کے کرم پر ہے کہ اسے روز قیامت راضی فرمائے نیز ابن عبد البر نے فرمایا کہ جس نے ابوسلام کو ابوسلامہ کہا ہے خطا کی ہے (انتہی) اور یہ جو روضۃ الاحباب میں ابوسلام کو سالم کہا ہے ان کا تذکرہ نہیں پایا جاتا (واللہ اعلم بالصواب)

ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ مولائے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: ایک خادم و غلام ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ ہیں مروی ہے کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیلئے کھانا پکایا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا دست کا گوشت مجھے دو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو دست کا گوشت بہت پسند تھا (الحديث) قتادہ نے اس حدیث کو شہر بن جوشب سے انہوں نے ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا جیسا کہ ابن عبد البر نے استیعاب میں بیان کیا ہے اور فرمایا کہ میں ابوعبیدہ کے نام سے واقف نہیں ہوں (اتنی) ترمذی نے بھی شامل النبوه میں روایت کیا ہے کہ: حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ حَدَّثَنَا آدَانُ بْنُ يَزِيدَ عَنْ حَوْشَبِ بْنِ أَبِي عُيَيْدَةَ قَالَ لَبِخْتُ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَدْرًا وَكَانَ يُعْجِبُهُ الدِّرَاعُ۔ اور مشکوٰۃ میں مندا مام احمد سے ابو رافع رضی اللہ عنہ سے مروی ہے اور آخر میں کہا گیا ۔۔۔ اہ الدمام عن اب عبد اور اصلا میں کہا گیا ہے کہ ابوعبدہ مولانا صلی اللہ علیہ وسلم ان اصحاب میں سے ہیں جن کے نام

نہیں معلوم ہو سکے اور ان سے ترمذی نے شامل میں اور دارمی نے بروایت شہر بن حوشب روایت کیا ہے اور اس کے تمام راوی صحیح ہیں۔ مجز شہر بن حوشب کے بغوی نے کہا کہ ان کو صحبت ملی ہے اور انہوں نے کہا کہ عباس نے یحییٰ بن معین سے نقل کیا ہے کہ ابو عبیدہ جن سے شہر نے (جو صحابہ میں سے ہیں) روایت کی (آپ ہی) اکابر کی ان عبارتوں سے ظاہر ہوتا ہے کہ ان کے حال میں ایک قسم کی پوشیدگی اور خفا ہے کہ ان کا نام معلوم نہیں ہے بخلاف ابورافع رضی اللہ عنہ کے کہ وہ مشہور و معروف ہیں (واللہ اعلم)

ہند اور اسماء رضی اللہ عنہما: ہند اور اسماء حارثہ رضی اللہ عنہما کے لڑکے ہیں استیعاب میں مذکور ہے کہ حارثہ اسلمی کے آٹھ لڑکے تھے اور یہ سب بیعت رضوان میں موجود تھے ہند، اسماء، خراش، ذویب، فضالہ، سلمہ، مالک اور عمران رضی اللہ عنہ اور ان سب بھائیوں میں سے

حرمہ نے روایت کی ہے ”کاشف“ میں کہا گیا ہے کہ عبدالرحمن بن حرمہ تابعی کوئی ہیں جو حضرت ابن مسعود سے روایت کرتے ہیں اور ان سے قاسم بن حسان نے روایت کی ہے اور ان سے ابو داؤد و نسائی نے روایت کی ہے اور بخاری نے کہا ہے کہ ان کی حدیث صحیح نہیں ہے اور اصحابہ میں وہ حدیث جو کہ عبدالرحمن بن حرمہ نے یحییٰ بن ہند سے روایت کی ہے یہ کہ منقول ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اسلم کی ایک جماعت کے پاس سے گزرے جو تیر اندازی کر رہی تھی ان سے فرمایا اے اسماعیل کے فرزندو! تیر اندازی کرو اس لیے کہ تمہارے جد امجد حضرت اسماعیل علیہ السلام بھی تیر اندازی کرتے تھے (الحديث) پوری حدیث مشکوٰۃ میں سلمہ بن اکوع سے از حدیث بخاری کتاب الجہاد میں جہاد کے ساز و سامان کے ضمن میں مذکور ہے۔

ایک انصاری جو ان خادم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں جن کی عمر حضرت انس رضی اللہ عنہ کی عمر کے قریب ہے اس جوان کا نام پانا اشکال سے خالی نہیں ہے ان کا نام ہی جب مذکور نہیں تو اسماء الرجال میں کس طرح تلاش کریں جامع الاصول میں مبہم ناموں کو بیان کیا گیا ہے لیکن اس جگہ بھی نہیں پایا گیا ممکن ہے کہ کسی حدیث میں اسی ابہام کے ساتھ کوئی متعین نام پایا جائے (واللہ اعلم) خدمت کرنے والی عورتوں کے نام گیارہ منقول ہیں ان میں سے پانچ تو مواہب لدنیہ میں لکھے ہوئے ہیں جن کو پہلے لکھ دیا گیا ہے باقی نام یہ ہیں۔

ایک خادمہ امتہ اللہ بنت زریۃ بنضم راء و سکون را و سربا تشدید لون و تا در آخر ہیں دوسری خادمہ صفیہ رضی اللہ عنہا ہیں ان سے امتہ اللہ بنت زریۃ بنسوف میں روایت کی ہے یہ دونوں حضور کرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خادمہ ہیں تیسری خادمہ خضرہ رضی اللہ عنہا ہیں اسلمی ام رافع سے مروی ہے کہ اور خضرہ دونوں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر میں خدمت کرتی تھیں اور چوتھی میمونہ رضی اللہ عنہا بنت سعد خادمہ ہیں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سب کو آزاد فرمایا یا نجویں زریہ رضی اللہ عنہا ام عتبہ ہیں طاہریہ ہے کہ یہ زریہ امتہ اللہ مذکور کی ماں ہیں (واللہ اعلم) چھٹی خادمہ ماریہ ام الرباب رضی اللہ عنہا ہیں ان کی کنیت ام الرباب ہے اہل بصرہ نے ان سے حدیث روایت کی ہے کہ انہوں نے اپنے سر کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے جھکایا تا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم دیوار پھاند کر باہر تشریف لے جائیں جس رات کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مشرکوں سے مخفی ہو کر تشریف لے جا رہے تھے مخفی نہ رہنا چاہیے کہ ہجرت کی رات حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے گھر اس درپچہ سے جوان کی دیوار میں تھا تشریف لے جانا ہوا تھا یہ قصہ اس جگہ کا ہوگا یا کسی اور جگہ کا (واللہ اعلم)

ساتویں خادمہ ماریہ رضی اللہ عنہا دادی ثنیٰ بن صالح ہیں یہ بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خادمہ ہیں سے ہیں جو کہ ثنیٰ بن صالح بن مہران مولیٰ عمرو بن رضی اللہ عنہ بن حریش کی دادی تھیں ان سے اہل کوفہ نے ایک حدیث روایت کی ہے جسے ابو بکر بن عباس نے ثنیٰ بن صالح سے انہوں نے اپنی دادی ماریہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی ہے انہوں نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ سے مصافحہ کیا ہے اور میں نے کسی کی ہتھیلی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہتھیلی سے زیادہ نرم نہ دیکھی۔

آٹھویں خادمہ سیدہ ماریہ رضی اللہ عنہا قبطیہ ام حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ بن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اگر ان کو اس جگہ شمار کرتے تو ہو سکتا تھا لیکن صاحب استیعاب نے ان کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی باندی کہا ہے خادمہ نہیں کہا ہے خادمہ نہیں کہا ہے ان کے احوال سراری رسول کے ضمن میں مذکور ہو چکے ہیں بلکہ اس سے پہلے بھی سلاطین و امراء کے نام خطوط بھیجنے کے ضمن میں بھی ان کا ذکر گزر چکا ہے اس جگہ استیعاب میں ایک نادر حکایت بیان کی ہے جسے میں لکھتا ہوں وہ ثابت بن انس رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ یہ شخصہ ...



باب پنجم

در ذکر موالی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم

موالی مولیٰ کی جمع ہے اور مولیٰ کے معنی بہت ہیں محبت دوست مددگار مالک غلام معتق صاحب اور قریب اور ابن عم وغیرہ کے ہیں اور ہمسایہ ہم قسم حلیف ابن عم و دامن (ذیل) شریک ابن اخت اب ناصر منعم علیہ تابع اور صہر کے بھی ہیں (کذا فی القاموس) ظاہر ہے کہ اس جگہ معنی معتق یعنی آزاد کردہ غلام کے ہیں جیسا کہ ان کے احوال کے ضمن میں معلوم ہوگا ان کے نام یہ ہیں زید رضی اللہ عنہ بن حارث بن شرامیل بن کعب کلبی اور ان کا نسب عمرو بن خشب بن یعر ب بن قحطان پر منتہی ہوتا ہے۔

حضرت ابواسامہ رضی اللہ عنہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی اور غلام سابقین اولین میں سے ہیں اور ان کی والدہ سعدی بنت ثعلبہ قبیلہ معن بن طے سے تھیں منقول ہے کہ ایک دن ان کی والدہ اپنی قوم سے ملنے کیلئے گئیں اور بنی المعن بن جریر کے ایک گروہ نے جاہلیت میں کسی قوم کو لوٹا تھا اس کے بعد اس گروہ کا گزر بنی معن کی اس بستی پر ہوا جس قوم سے حضرت زید رضی اللہ عنہ کی والدہ تھیں اس گروہ نے حضرت زید کو اٹھالیا وہ اس زمانہ میں تقریباً سات آٹھ سال کے تھے اٹھا کر ان کو عکاظر کے بازار میں لائے یہ اس کے نواح میں ایک بازار کا نام تھا جہاں غلاموں کی خرید و فروخت ہوتی تھی یہاں ان کو حکیم بن خرام بن خولید نے اپنی پچھلی سیدہ خدیجہ بنت خولید کیلئے چار سو درہم میں خرید لیا جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدہ خدیجہ الکبریٰ رضی اللہ عنہا سے تزویج فرمایا تو سیدہ خدیجہ نے حضرت زید کو حضور اکرم کو بہہ کر دیا جب اس کی خبر ان کی قوم کو ملی تو ان کے والد حارث اور ان کے چچا کعب حاضر ہوئے یہ فدیہ لے کر آئے تھے تاکہ ان کو غلامی سے چھڑائیں اس پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زید رضی اللہ عنہ کو اختیار دیا کہ وہ اپنے والد کے ساتھ اپنی قوم میں جانا پسند کرتے ہیں یا وہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ اقدس کو اپنی قوم پر ترجیح دیتے ہیں چونکہ انہوں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا احسان و کرم اور آپ کی رحمت و شفقت دیکھی تھی اس لیے انہوں نے عرض کیا کہ میں آپ کے اوپر کسی کو ترجیح نہیں دیتا اس کے بعد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ان کو لوگوں کے سامنے لائے اور فرمایا اے لوگو تم گواہ رہو میں نے زید رضی اللہ عنہ کو اپنا بیٹا بنا لیا ہے وہ میرا متہنی ہے وہ میرا وارث ہے اور میں اس کا وارث ہوں اس کے بعد لوگ ان کو زید بن محمد کہہ کر پکارنے لگے یہاں تک کہ اسلام کا دور آیا اور حق تعالیٰ نے یہ آیت کریمہ نازل فرمائی: اُدْعُوهُمْ بِهٖ اَقْسَطُ عِنْدَ اللّٰهِ مِنْهُ بُولے بیٹوں کو ان کے اصلی باپ کے نام سے پکارو یہ اللہ کے نزدیک زیادہ صحیح ہے پھر ان کو زید بن حارثہ کہہ کر بلایا جانے لگا یہ پہلے شخص ہیں جو مردوں میں سب سے پہلے ایک قول کے بموجب اسلام لائے یہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ عمر میں دس سال زیادہ تھے اور ایک قول سے بیس سال اور یہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خط و کتابت کے فرائض انجام دیتے تھے (کذا اقل) حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا نکاح اپنی باندی ام ایمن رضی اللہ عنہ کے ساتھ کر دیا تو ان سے ان کا فرزند حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ پیدا ہوا اس کے بعد ان کا نکاح حضرت زینب بنت جحش سے کر دیا جیسا کہ گزر چکا ہے۔

حضرت زید رضی اللہ عنہ غزوہ بدر و خندق اور حدیبیہ و خیبر میں شریک رہے ہیں اور حضرت زید تیرا انداز صحابہ میں معروف تھے اور

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اپنا خلیفہ بنایا جبکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم غزوہ مریسج کیلئے تشریف لے گئے تھے اور ان کو سات لشکروں پر امیر مقرر کیا گیا قرآن پاک میں کسی صحابی کا نام ذکر نہیں کیا گیا بجز حضرت زید رضی اللہ عنہ کے چنانچہ آئیہ کریمہ میں ہے:

فَلَمَّا قَضَى زَيْدٌ مِّنْهَا وَطَرًا زَوَّجْنَاهَا. الخ

البتہ بعض تفسیروں میں یہ آیا ہے کہ آئیہ کریمہ: كَطَيِّ السَّجْلِ لِلْكُتُبِ میں محل ایک صحابی شخص کا نام ہے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زید کی مواخات اپنے چچا حضرت حمزہ بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہما کے ساتھ قائم فرمائی تھی ان سے حضرت اسامہ بن زید اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے روایت کیا ہے یہ جنگ موتہ میں شہید ہو گئے اس روز وہ لشکر کے امیر تھے جیسا کہ گزر چکا ہے انہوں نے حکم کیا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہیں۔

آئے گا۔

حضرت اسامہ بن زید بن حارثہ رضی اللہ عنہما: حضرت اسامہ بن زید بن حارثہ رضی اللہ عنہما کے فضائل بہت ہیں ان کی فضیلت میں اتنا بیان کر دینا کافی ہے کہ لوگ ان کو ”حب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم“ کہا کرتے تھے اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی آغوش مبارک میں ایک جانب حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کو اور دوسری جانب حضرت اسامہ بن زید کو لیتے تھے اور دعا فرمایا کرتے تھے کہ اے خدا یہ دونوں میرے محبوب ہیں تو بھی ان سے محبت فرما حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو خدا اور اس کے رسول سے محبت رکھتا ہے اسے لازم ہے وہ حضرت اسامہ سے محبت رکھے ان کے حالات اس کتاب میں کئی مقامات پر بیان ہو چکے ہیں اور یہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی رحلت کے وقت انیس یا بیس سال کے تھے اور انہوں نے پچھتر سال کی عمر پائی ان کے سن وفات میں اختلاف ہے ابن صفی نے کہا ہے کہ میرے نزدیک اصح یہ ہے کہ ان کی وفات ۵۱ھ میں بزمانہ مارت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ ہوئی اور بعض کے نزدیک حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد ہے اور بعض حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کی شہادت کے بعد بتاتے ہیں ان سے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما عروہ بن زبیر ابو عثمان انصاری اور بہت سے لوگوں نے روایت کی ہیں۔

ثومان بن یحییٰ ومہ رضی اللہ عنہما بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے غلام تھے ان کا کشتہ العبدہ مراور اکہ قول ہے

بتاوا کہ نام اوس سے بعض نے کہا کہ سلمہ ہے جس دن حضرت فاروق اعظم عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ خلیفہ منتخب ہوئے وہی دن ان کی

وفات کا ہے ۱۳ھ میں انہوں نے وفات پائی۔

واضح رہنا چاہیے کہ کفار قریش حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو ابن ابی کبشہ کہتے تھے اس کی وجہ میں بعض کہتے ہیں کہ ابوکبشہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اجداد میں سے تھے والدہ مطہرہ کی جانب سے کیونکہ ان کو ابوکبشہ کہتے تھے اور شعری کی عبادت کرتے تھے اور کوئی عرب ان کے سوا شعری کی عبادت نہیں کرتا تھا عرب اس میں ان سے اختلاف رکھتے تھے جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ظہور فرمایا تو عرب مخالفت میں کہنے لگے کہ وہ ابن ابی کبشہ ہیں جو کہ ان کے طریقہ پر چلتے ہیں بعض نے کہا کہ آپ کے جد کی طرف نسب کر کے ہے کیونکہ سیدہ آمنہ رضی اللہ عنہ بنت وہب کے دادا کا نام ہے وہ اس نسبت سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو ابن ابی کبشہ کہتے تھے بعض کہتے ہیں کہ عمرو بن زید بن اسد بخاری جو کہ سلمیٰ ام عبدالمطلب کے والد ہیں ان کو ابوکبشہ کہتے تھے اس لیے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس نسبت سے یہ کہتے تھے بعض کہتے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے رضاعی والد یعنی حارث بن زید عبدالغری بن رفاعہ سعدی شواہر حضرت حلیمہ سعدیہ کو ابوکبشہ کہتے تھے اس لیے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس سے نسبت ابن ابوکبشہ کہتے تھے یہ سب اقوال و توہیات استیعاب میں مذکور ہیں۔

ایک آنسہ رضی اللہ عنہ مولائے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: ہیں بعض نے ابو آنسہ کہا ہے اور ایک قول ابو مسروح رضی اللہ عنہ بھی ہے مصعب زبیری نے کہا کہ ان کی کنیت ابو مسروح ہے اور وہ سراقہ کے رہنے والے تھے انہوں نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خلافت میں وفات پائی تھی خطیب نے کہا ہے کہ میں انہیں نہیں جانتا کہ انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی چیز روایت کی ہے نہ ابو مسروح نہ مصعب زبیری۔ سہل اکسا سے کہ وہ مدثر بن اشجک تھے یا بدر بن ہاشم؟ شہد ہوئے تھے۔ ابو عمر نے کہا کہ اتنا ہی ہے جو محفوظ

نفس اسلام

ہے اور اتنا ہی ابن اسحق نے بھی ذکر کیا ہے واقعی نے کہا کہ میں نے اہل علم کو دیکھا ہے کہ وہ اثبات کرتے ہیں کہ وہ احد میں حاضر ہوئے ہیں اور اس کے بعد بھی زندہ رہے ہیں اور بعض علماء کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد خلافت صدیقی میں حضرت آنسہ رضی اللہ عنہ نے وفات پائی (واللہ اعلم) مروی ہے کہ حضرت آنسہ رضی اللہ عنہ لوگوں کیلئے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے حاضر ہونے کی اجازت لیتے تھے جبکہ لوگ اجازت چاہتے تھے اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم انہیں فرماتے کہ آنے کی اجازت دے دو یہ سب اصابع میں مذکور ہے۔

ایک صالح ملقب بہ شتران رضی اللہ عنہ مولائے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں: ان کا تذکرہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تدفین کے ضمن میں گزر چکا ہے کہ قطیفہ یعنی حضور اکرم کی محلی چادر شریف کو قبر انور میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے نیچے بچھا دیا تھا اور نہ چاہا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی دوسرا اسے اوڑھے یا بچھائے جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے اور ان کو عبد الرحمن رضی اللہ عنہ بن عوف نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو پیش کیا تھا اور بعض کہتے ہیں ان کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے خود خریدا تھا اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو بدر کے بعد آزاد کر دیا تھا بعض کہتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے والد ماجد سے ام ایمن کے ساتھ ان کے وارث ہوئے تھے اسے امام بغوی نے ذکر کیا اور ابو مشعر نے کہا کہ وہ بدر میں حاضر ہوئے اور انہیں سہم نہ دیا گیا اور اس وقت وہ غلام تھے لیکن وہ بدر کے قیدیوں پر محافظ تھے اور جو کوئی فدیہ نہ دیتا اس میں سے کچھ انہیں مرحمت فرمادیتے تھے اس طرح ان کو اتنا

ایک رباح مولائے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں: صحیحین میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی حدیث سے (جواز وارج مطہرات سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی کنارہ کشی کے قصہ میں ہے مروی ہے) ثابت ہو گیا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس کا شانہ اقدس میں حاضر ہوا جہاں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف فرما تھے میں نے کہا کہ اے رباح رضی اللہ عنہ میرے لیے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے اجازت لو یہ حبشی غلام تھے اور یہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے لوگوں کے حاضر ہونے کی اجازت لیا کرتے تھے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کیلئے یسار کے دفن ہونے کے بعد ان کے مکان کو مقرر کیا کیونکہ یسار کو عربین نے شہید کیا تھا جبکہ وہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی آراضی پر مقرر تھے اور یہ کبھی کبھی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کیلئے اذان بھی دیتے تھے۔

ایک یسار مولائے رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہیں استیعاب میں ہے کہ

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے غلام رافع میں ہی پائے جاتے ہیں شیخ نے کہا کہ یہ اضافہ جو مذکور ہوا ابن ماجہ میں نہیں ہے بلکہ حکیم ترمذی نے نوادر الاصول میں اس حدیث کو تمام وکمال بیان کیا ہے بعض اس حدیث کو ابو رافع سے مروی بتاتے ہیں اور بعض رافع بن خدیج سے لیکن درست یہی ہے کہ رافع سے مروی ہے۔

ایک مدغم رضی اللہ عنہ: (بکسریم و سکون دال و فتح عین) حبشی غلام ہیں جن کو رفاعہ بن زید بن جذامی رضی اللہ عنہ نے بارگاہ رسالت میں پیش خدمت کیا اس میں اختلاف کیا گیا ہے کہ آیا ان کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے آزاد کر دیا تھا یا انہوں نے اسی غلامی میں وفات پائی اور ان کی یہ خبر مشہور ہے کہ خیبر میں انہوں نے چھوٹی سی چادر مالی غنیمت میں سے بغیر اجازت لے لی تھی خیبر میں ان کے تیر لگا تھا جس سے وہ فوت ہوئے جیسا کہ اصحاب میں ہے بعض کہتے ہیں کہ وہ حبشی غلام مدغم کے سوا تھا مشکوٰۃ میں ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے انہوں نے کہا کہ ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک حبشی غلام پیش کیا جن کو مدغم کہا جاتا ہے اس

ایک سفینہ رضی اللہ عنہ بروزن سیکندرا ابو عبد الرحمن ہیں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے غلام ہیں بعض کہتے ہیں کہ سیدہ ام سلمہ امیر المؤمنین رضی اللہ عنہا کے غلام ہیں اور ان کو اس شرط پر آزادی دی تھی کہ وہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت بجالایا کریں سفینہ رضی اللہ عنہ ان کا لقب ہے ان کے نام میں اختلاف ہے مہربان یا ملہمان یا رومان یا کیسان یا فروخ ہے وہ اعراب کے باشندے تھے بعض ابنائے فارس سے بتاتے ہیں۔

سفینہ ان کا لقب قرار پانے کا سبب یہ ہے کہ ایک سفر میں یہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ تھے مسلمانوں میں سے جو بھی کسی چیز کو اٹھانے سے مجبور ہو جاتا تھا وہ چیز ان کے حوالہ کر دی جاتی تھی اس طرح انہوں نے بہت سے لوگوں کی چیزیں سنبھال رکھی تھیں اس بنا پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو سفینہ یعنی کشتی سے تشبیہ دی اور بعد میں یہی نام ان کا باقی رہا جب ان سے لوگ ان کا نام پوچھتے تو وہ یہی کہتے کہ میرا نام سفینہ ہے کیونکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے میرا یہی نام رکھا اور میں پسند نہیں کرتا کہ اس کے سوا میرا کوئی اور نام ہو اور یہی اس حدیث کے راوی ہیں کہ اَلْخِلَافَةُ بَعْدِي ثَلَاثُونَ سَنَةً میرے بعد خلافت راشدہ متواتر تیس سال تک رہے گی اور ان سے کہا گیا کہ بنو امیہ گمان کرتے ہیں کہ خلافت ان میں ہے انہوں نے فرمایا بنو الزرقا جھوٹ بولتے ہیں بلکہ وہ ملوک ہیں بلکہ شرمیلو ک ہیں ایسا ہی اسد الغابہ میں ہے اور یہ بھی اسی کتاب میں ہے کہ محمد بن المنکدر نے ان سے روایت کیا ہے انہوں نے فرمایا میں ایک مرتبہ کشتی میں سوار تھا کشتی ٹوٹ گئی اور میں اس کے ایک تختہ پر سوار ہو گیا اور اس تختہ نے مجھے کسی ساحل پہ ڈالا اللہ وق بیابان تھا میں نے راہ کو گم پایا اتنے میں ایک شیر میرے سامنے آیا میں نے اس سے کہا اے ابو الحارث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا غلام سفینہ ہوں اس پر شیر نے اپنا سر جھکا دیا اور اپنے پہلو اور اپنے کندھوں سے مجھے اشارہ کیا کہ میں اس کے ساتھ چلوں یہاں تک کہ وہ میرے ساتھ چلنے لگا اور مجھے راستہ پر ڈال دیا اور ہمہ کیا میں نے سمجھا کہ وہ رخصت کی اجازت مجھ سے مانگتا ہے اور ان سے ان کے فرزند ان عبد الرحمن محمد زیاد وغیرہ روایت کرتے ہیں۔

ایک مابور قبضی ہیں یہ خواجہ سرا ہیں جو حضرت ماریہ قبطیہ رضی اللہ عنہا ام ولد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عزیز ہیں انہیں مقوقس شاہ اسکندریہ نے سیدہ ماریہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ بدیہ میں بھیجا تھا جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے ایک شخص نے ان کو سیدہ ماریہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ ہتم کیا اس پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ انہیں قتل کر دو۔ حضرت ماریہ قبطیہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ ہتم کیا اس پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ انہیں قتل کر دو۔ حضرت ماریہ قبطیہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ ہتم کیا اس پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ انہیں قتل کر دو۔

حق تعالیٰ نے حضرت ماریہ اور ان کے عزیز کو تہمت سے بری کر دیا ہے اور خبر دی کہ حضرت ماریہ کے بطن شریف میں ایک بچہ ہے جو تمام لوگوں میں مجھ سے زیادہ مشابہ ہے اور مجھے حکم دیا ہے کہ میں اس بچہ کا نام ابراہیم رکھوں صاحب اصابہ نے کہا کہ وہ اماریہ کے ساتھ آئے اور انہیں کے ساتھ رہے اسلام لائے اور ان کا اسلام نیک ہوا (انتہا) اس کے بعد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو آزادی دی اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے آزاد شدہ غلاموں میں داخل ہوئے مابور کو میم کے بدلے ہاکے ساتھ اور میم کے ساتھ بھی کہا گیا ہے۔

ایک واقعہ ابو اقد رضی اللہ عنہ ہیں ابن مندہ نے بیان کیا کہ واقعہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے غلام ہیں اور کہا کہ اس سے زاد ان نے روایت کیا ہے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے خدا کی اطاعت کی بلاشبہ اس نے خدا کا ذکر کیا اگرچہ نماز روزہ اور تلاوت قرآن کم ہو اور جس نے خدا کی نافرمانی کی اس نے خدا کا ذکر نہ کیا اگرچہ نماز روزہ اور اس کی تلاوت بہت ہو استیعاب میں ”واقہ“ بغیہ لفظ کبت کے لئے ہیں۔

ایک ہشام رضی اللہ عنہ ہیں استیعاب میں منقول ہے کہ ہشام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے غلام ہیں ان سے ابو الزبیر نے روایت کیا ہے اس سے منقول ہے کہ وہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! اس کی بیوی کسی چھونے والے کے ہاتھ کو روک کر نہیں مطلب یہ کہ اپنے نفس کو اس شخص سے جو برائی کا ارادہ کرے روک کر نہیں ہے اس پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اسے طلاق دیدو اس نے کہا وہ عورت مجھے پیاری لگتی ہے میں اس کی جدائی برداشت نہیں کر سکتا تو فرمایا پھر اس سے فائدہ اٹھاؤ اسے ابن عبد البر نے استیعاب میں روایت کیا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ سائل یہی ہشام ہیں کفایہ میں ہے کہ ابو الزبیر نے ہشام مولائے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا ہے ہے انہوں نے کہا کہ ایک شخص حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اس نے کہا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کی بیوی کسی چھونے والے کے ہاتھ کو روک نہیں کرتی۔ (آخر حدیث تک) دونوں روایتوں میں فاسْتَمْتَعَ بَہَا تو اس سے فائدہ اٹھاؤ آیا ہے اس حدیث کو مشکوٰۃ میں لائے ہیں جو روایت ابن عباس رضی اللہ عنہما ابو داؤد سے مروی ہے اور نسائی نے اس طرح تخریج کی ہے کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ ایک شخص حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اس نے کہا کہ اس کی بیوی ہے جو کسی چھونے والے کے ہاتھ کو روک نہیں کرتی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا طلاق دیدو اس نے کہا میں اس سے محبت کرتا ہوں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تو اسے روک رکھ اس روایت میں فاسْتَمْتَعَ بَہَا نہیں ہے علماء فرماتے ہیں کہ ”اسے روک رکھ“ کا مطلب یہ ہے کہ اس کی حفاظت کرو کہ وہ برائی نہ کرے اور زنا میں نہ پڑے صاحب مشکوٰۃ فرماتے ہیں کہ نسائی نے کہا اس حدیث کو بعض نے روایت رفع کرتے ہیں اور بعض نہیں کرتے اور یہ حدیث صحیح اور ثابت نہیں ہے (واللہ اعلم) بعض شراح کہتے ہیں کہ مراد یہ ہے کہ وہ کسی سائل کے ہاتھ کو روک نہیں کرتی اور میرے اموال میں سے جو وہ مانگتا ہے دیدیتی ہے اور منع نہیں کرتی یہ مطلب ظاہر عبارت کے خلاف ہے میں خدا کی توفیق سے کہتا ہوں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ کلام بطریق غضب فرمایا تھا اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا مقصد اس مرد کے انکار پر رجرو تو بخ فرمانا تھا مطلب یہ کہ اس کی شنج حالت کی شکایت بھی کرتا ہے اور اسے طلاق بھی نہیں دیتا جب تو اسے چاہتا ہے اور اسے رکھنا چاہتا ہے تو تو جان اور شجاعت اور یہ مقصود حقیقت میں نہیں ہے بلکہ اس پر سختی فرماتا ہے۔ (فانہم واللہ اعلم)۔

ابو ضمیرہ رضی اللہ عنہ (بضم ضا دو فتح میم سکون یاء) ہیں ان کا نام سود ہے بعض کہتے ہیں کہ ان کا نام روح ہے (راء کے زبر سے) اور سند کے بیٹے ہیں یا روح ابن شیر زاد ضمیری کے ہیں روضۃ الاحباب میں ایسا ہی مذکور ہے اور اتنا ہی لکھا ہے استیعاب میں ہے کہ ابو ضمیرہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے غلام تھے اس غنیمت میں آئے جسے حق تعالیٰ نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر حلال فرمایا تھا

بعض کہتے ہیں ابو ضمیرہ کا نام سعد حمیری ہے اور بخاری نے ان کو ذی یزن کی اولاد میں سے کہا ہے اسی طرح بو حاتم نے بیان کر کے کہا کہ سعد ضمیری ہے بعض کہتے ہیں کہ ابو ضمیرہ رضی اللہ عنہ کا نام روح بن سندر ہے اور بعض روح بن شیر زاد بتاتے ہیں۔ انشاء اللہ اول زیادہ صحیح ہے اور وہ حسین بن عبد اللہ بن ضمیرہ بن ابی ضمیرہ کے دادا ہیں اس سے ان کے بیٹے نے حدیث لی ہے ان کا اور ان بیٹے کا شمار اہل مدینہ میں ہے وہ عربی النسل تھے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو آزادی بخشی اور ایک وصیت نامہ ان کیلئے لکھا وہ وصیت نامہ ان کی والدہ کے پاس ہے حسین بن عبد اللہ بن ضمیرہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے وصیت نامہ کو جو ابو ضمیرہ کیلئے لکھا تھا مہدی کے پاس لائے مہدی نے اس مکتوب گرامی کو اپنی دونوں آنکھوں پر رکھا اور بہت سامال دیا بعض تین سو اشرفیاں بتاتے ہیں اصابہ میں بھی سی کی مانند مذکور ہے اور کہا کہ ابو ضمیرہ حمیری ضمیرہ کے والد ہیں اور کہا کہ ابن ابو ضمیرہ ابو ضمیرہ حضرت علی مرتضیٰ کے غلام کے سوا ہیں مہدی کی حکایت کے آخر میں لکھا ہوا ہے کہ جب حسین بن عبد اللہ ان دیناروں کو لیکر جو مہدی نے انعام میں دیئے تھے روانہ ہوئے تو راستہ میں چوروں نے ان پر حملہ کیا اور وہ مال ان سے چھین لیا اس وقت انہوں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا گرامی نامہ چوروں کو دکھایا ان چوروں نے جب اسے پڑھا تو چھیننا ہوا روپیہ واپس دے دیا اور کوئی تعرض نہ کیا۔

ایک حسین ہیں یہ نام خدام بارگاہ رسالت کے بیان میں مواہب لدنیہ سے گزر چکا ہے کیونکہ انہوں نے خادموں کے بیان میں لکھا ہے یہاں اس کے اعادہ کی ضرورت نہیں ہے۔ ایک ابو عسیب رضی اللہ عنہ ہیں ان کا نام احمر یا مرہ ہے استیعاب میں کہا گیا ہے کہ ابو عسیب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے غلام ہیں انہیں صحبت حاصل ہوئی اور دو روایتوں کی اسناد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف کی ہے ایک حدیث نجار میں اور دوسری طاعون میں ہے اور قاسم بن حمزہ نے کہا کہ میں نے ابو عسیب خادم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو نہیں دیکھا کہ وہ سر اور داڑھی میں خضاب کرتے ہوں کہتے ہیں کہ ابو عسیب کا نام احمر ہے اصابہ میں ہے کہ ابو عسیب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے غلام ہیں جو کنیت کے ساتھ مشہور ہیں ان کا احمر ہے اور ان سے ایک حدیث سجدے میں تخانی کے بارے میں روایت کی گئی ہے ابو داؤد ابن ماجہ احمد اور طحاوی نے بطریق حسین بصری روایت کیا ہے کہ حَدَّثَنِي أَحْمَرُ مَوْلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔

ایک ابو عبید رضی اللہ عنہ ہیں استیعاب میں ابو عبید کا ذکر خادموں کے بیان میں اس عبادت کے ساتھ ہے کہ ابو عبید رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے غلام ہیں استیعاب و اصابہ میں بھی اسی عنوان کے ساتھ مذکور ہے ان کا تذکرہ بھی پہلے گزر چکا ہے روضۃ الاحباب میں ابو عبید کو موالی میں بیان کیا گیا ہے ان دونوں صفتوں میں ایک دوسرے کے ساتھ منافات نہیں رکھتی ہیں البتہ خادم عام تر مولیٰ سے ہے۔

ایک اسلم رضی اللہ عنہ بن عبید ہیں روضۃ الاحباب میں اس طرح ہے واضح رہنا چاہیے کہ اسلم کا نام ابو رافع رضی اللہ عنہ مولیٰ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہے ان اختلافات کے باوجود ان کے نام کے بارے میں ہیں جیسا کہ گزر چکا ہے صحیح و مشہور تر ہے کہ

علیہ وسلم کے مولیٰ تھے اور امام بغوی نے مولیٰ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم میں ان کا تذکرہ کیا ہے اور ابن عساکر نے ان کی تبعیت کی ہے۔
ایک حاتم ہیں ان کا ذکر استیعاب میں نہیں پایا گیا اصابہ میں کہا گیا ہے کہ حاتم غیر منسوب دروغ ہیں لیکن جھوٹوں نے ان کو جھوٹا بتایا ہے چنانچہ ابوالحسن سلجوقی اور ابو موسیٰ نے روایت کیا انہوں نے نصر بن سفیان بن احمد بن نصر سے سنا ہے کہ وہ کہتے تھے کہ میں نے حاتم سے سنا ہے وہ کہتے تھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے اسی دینار میں خریدا اور آزاد کیا اس کے بعد میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں چالیس سال رہا۔ سلجوقی نے کہا کہ نصر نے کہا حاتم کی عمر ایک سو پینسٹھ برس کی ہوئی ہے شیخ کہتے ہیں کہ ان کو گمان ہوگا کہ حاتم کی عمر دوسو برس تک ہوئی ہوگی مگر یہ بعید ہے اور یہ حکایت ندرت سے خالی نہیں ہے اور اس کا مضمون بھی ظاہر نہیں ایسا ہی اصابہ میں ذکر کیا گیا ہے۔

ایک بدر رخی اللہ عنہ (ہلفظ ماہ تمام) ابو عبد اللہ مولیٰ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں میں نے اتنا ہی پایا ہے۔

ایک روایت رضی اللہ عنہ ہیں استیعاب میں ہے کہ روایت حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے غلام تھے اور میں ان کا کوئی تذکرہ نہیں جانتا اصابعہ میں ہے کہ روایت حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے مولیٰ تھے ابواحمد عسکری نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے مولیٰ میں ان کا ذکر کے کہا کہ روایت حضرت عمرو بن عبدالغریز رضی اللہ عنہ کے پاس آئے اس کے بعد ان کے عقب میں وہ آئے ابن عساکر نے اسے بیان کیا ہے اور کہا کہ میں نہیں جانتا کسی نے ان کا تذکرہ کیا ہوا اور ابو عمرو نے کہا میں نہیں جانتا کہ ان کی کوئی روایت ہے۔

ایک زید بن ہلال رضی اللہ عنہ ہیں روضۃ الاحباب کی عبارت سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ زید بن ہلال، ہلال بن یسار کے دادا زید رضی اللہ عنہ کے سوا ہیں اسما الرجال کی کتابوں سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ وہی جد ہلال بن یسار ہیں جیسا کہ گزر چکا ہے اصابہ میں ہے کہ زید بن ہلال رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے غلام ہیں اس سے ابو داؤد اور ترمذی کے نزدیک ہلال بن زید کے پوتے سے ایک حدیث ہے اور انہوں نے کہا کہ حدیثی ابی عن جدی حضور اکرم نے ان کو ایک غزوے میں قید خانہ میں دیکھا تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو حضرت زید بن حارثہ کی مانند آزادی بخشی۔

ایک سعید بن زید رضی اللہ عنہ ہیں حضرت سعید بن زید مشہور صحابی ہیں جو حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کی بہن کے شوہر ہیں اور عشرہ مبشرہ میں سے ہیں قرشی ہیں کفار میں سے سابقین بالاسلام ہیں حضرت عمر کا اسلام لانا انہیں کے گھر ہوا تھا لہذا یہ سعید بن زید جو موالی میں سے ہیں کوئی دوسرے ہوں گے اصحابہ میں جو کچھ بیان کیا گیا ہے یہ ہے کہ سعید رضی اللہ عنہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے غلام ہیں اور کہا گیا کہ ان کا نام مہران یا طہمان یا حمر یا ریاح یہاں تک کہ اکیس قول ان کے نام میں بیان کیے ہیں اور کہا کہ ان کی اصل فارسی ہے سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے ان کو خرید کر اس شرط پر آزادی بخشی کہ وہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں رہیں اور انہوں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے اور ام سلمہ سے اور حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت بیان کی ہے اور ان سے ان کے دونوں بیٹے عبدالرحمن عمر سالم بن عبداللہ بن عمر وغیرہ نے روایت کی ہے حماد بن سلمہ نے سعید سے روایت کی انہوں نے کہا کہ میں ایک سفر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھا تو جن مسلمانوں کو اپنا بوجھ اٹھانا دشوار ہوتا وہ مجھ پر ڈال دیتے تھے یہاں تک کہ میں نے ان کی بہت سی چیزیں اٹھائیں اس پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مَا أَنْتَ إِلَّا سَفِينَةٌ مِثْلُ بَرَقٍ مِثْلُ بَرَقٍ مِثْلُ بَرَقٍ یہ حکایت سفینہ مولانا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں ہے ان کے نام میں بھی اختلاف واقع ہوا ہے اور یہ سعید نام بھی تو انہیں کا ہے یا کسی اور کا اور گمان ایسا ہوتا ہے کہ موالی کے ناموں کے بیان کرنے میں تکرار واقع ہوگئی ہے یا تو ان کے نفوس بھی کئی ہیں یا ہر نام کیلئے علیحدہ ذات خیال کر لیا ہے۔ (واللہ اعلم بالصواب)۔

ایک سعید بن کندیہ رضی اللہ عنہ ہیں ان کا تذکرہ میں نے نہیں پایا بجز اس کے کہ استیعاب میں سعید بغیر نسبت کے لائے ہیں اور کہا سعید رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے غلام ہیں اور ان سے ابو عثمان نہدی نے روایت کی ہے اور لفظ کندیہ بھی مشخص نہیں ہوا بجز اس کے کہ قاموس میں ہے کہ کندیہ بالکسر فریبہ گدھا ہے اور اسے اس نام سے اس لیے پکارا جاتا ہے وہ فریبہ جسم اور موٹا ہوتا ہے۔

ایک سلمان فارسی رضی اللہ عنہ ہیں یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مولیٰ ہیں اور جلیل القدر اصحاب میں سے عباد اللہ ہیں اگر ان سے پوچھا جاتا تھا ہمارے والد کون ہیں اور تمہارا نسب کیا ہے؟ تو فرماتے میرا نسب اسلام ہے اور میرا باپ اسلام ہے اور میں سلمان بن اسلام ہوں حضرت سلمان فارسی النسل ہر مز کے رہنے والے تھے بعض اصفہان کے بتاتے ہیں اور یہ اس قوم سے تھے جو اہل بق گھوڑوں کو پوجتے تھے دین حق کی جستجو میں گھر سے نکلے اور مدت تک جہاں نور دی کی بالا آخر جمال سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کا مشاہدہ کیا اور مسلمان ہو گئے کئی دینوں میں داخل ہوئے اور متعدد جگہوں میں فروخت ہوتے رہے یہاں تک کہ مدنیہ طیبہ کے ایک یہودی کے قبضہ میں آئے پھر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے خرید کر ان کو آزادی بخشی ان کی عمر میں کئی قول ہیں ایک قول سے تین سو ساٹھ سال اور بقول اکثر دو سو پچاس ان کی عمر تھی بعض کہتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ اسلام کو انہوں نے پایا تھا۔ (واللہ اعلم)

ان کا پہلا غزوہ خندق ہے اور خندق انہیں کی رائے و تدبیر اور مشورے سے بنائی گئی جیسا کہ گزرا غزوہ خندق کھودنے کے دوران نزاع واقع ہو مہاجرین کہتے کہ حضرت سلمان ہمارے ساتھ ہوں انصار کہتے کہ ہمارے ساتھ ہوں اس پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا **يَا سَلْمَانَ مِمَّا أَهْلُ النَّبِيِّ** سلمان میرے اہل بیت میں سے ہیں وہ قوی ہیکل طویل القامت اور عظیم الجثہ شخص تھے اور وہ خندوموں محبوبوں اور مقربان بارگاہ میں سے ہیں یہاں تک کہ بغیر بلائے بارگاہ میں حاضر ہوتے تھے امام سیوطی جمع الجوامع میں نقل کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا السابق یعنی سبقت کرنے والے چار ہیں میں سابق العرب ہوں اور سلمان سابق الفرس ہیں اور بلال سابق الحبشہ ہیں اور صہیب سابق الروم ہیں۔ (رضی اللہ عنہم اجمعین)

یہ ان حضرات قدس میں سے ایک ہیں جن کے داخلہ کی جنت مشتاق ہے اور وہ حضرت علی مرتضیٰ اور حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہما ہیں اور حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے سلمان فارسی کو مدائن پر والی مقرر فرمایا تھا جو نو شیر واں کا شہر اور اس کا تعمیر کردہ تھا اور حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ اپنے ہاتھ کی کمائی کھاتے تھے اور اپنے عطایا و غنائف کو تصدق کر دیتے تھے اور فقر سے محبت رکھتے تھے وہ اہل صفہ میں سے تھے اور ان کی صرف ایک عبا تھی اسی کو وہ پہنتے اور اسی کو اوڑھتے تھے اور کسی ۱۰۰۰ یادرخت کے سایہ میں سوتے تھے نہ گھر تھا اور نہ رہنے کی کوئی جگہ تھی ان کے ایک دوست نے چاہا کہ ان کیلئے ایک گھر بنائیں حضرت سلمان نے فرمایا ایسا گھر بناؤ جو کھڑے ہوتے وقت سر کو نہ لگے اور چوڑائی اتنی ہو کہ پاؤں پھیلا کر سو سکیں اور ۳۵ یا ۳۶ء میں حضرت عثمان کی خلافت کے آخر زمانہ میں وفات پائی اور بعض کہتے ہیں کہ عہد خلافت فاروقی میں وفات ہوئی اور اول زیادہ صحیح و اکثر ہے ان سے حضرت ابو ہریرہ حضرت انس بن مالک اور ابو عثمان نہدی رضی اللہ عنہم نے روایت کی یہ بڑے خوش طبع تھے جیسے کہ عجمی لوگ ہوتے ہیں کبھی حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مزاح و خوش طبعی فرماتے تھے اس پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اس سے منع فرمایا اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی تائید و تقویت فرمائی۔

ارباب سیر بیان کرتے ہیں کہ ایک دن حضرت سلمان اور حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہما کے درمیان اس پر گفتگو ہوئی کہ کسی شخص نے حضرت سعد رضی اللہ عنہ سے کہا آپ اپنا نسب بیان کیجئے اسی طرح ہر ایک نے اپنا اپنا نسب بیان کیا یہاں تک کہ جب حضرت سلمان رضی اللہ عنہ کے بیان کرنے کی باری آئی تو فرمایا اپنے لیے اسلام میں کوئی باپ نہیں رکھتا میرا باپ اسلام ہے اور میں

اسلام کا بیٹا مسلمان ہوں حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ فرماتے تھے کہ جاہلیت کے زمانہ میں لوگ خوب جانتے تھے کہ خطاب لوگوں میں بہت عزت دار تھا اور میں اسلام کا بیٹا عمر ہوں اور سلمان بن اسلام کا بھائی ہوں منقول ہے کہ حضرت سلمان رضی اللہ عنہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس آئے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے لوگوں سے فرمایا چلو ہم ان کا استقبال کریں اور تمام مسلمان باہر نکل کر ان سے پہلے ملاقات کریں حضرت سلمان رضی اللہ عنہ سے مروی ہے وہ فرماتے ہیں کہ میں اپنے گھر والوں میں شہر ہرمز میں تھا اور مکتب میں پڑھنے کے بعد آتا جاتا تھا راستہ میں ایک راہب تھا میں جب اس کے پاس بیٹھتا تو وہ آسمانوں اور زمین کی خبریں دیتا تھا یہاں تک کہ میں مکتب سے بے پرواہ ہو گیا اور اس راہب کی صحبت کو لازم کر لیا مکتب کے استادوں نے میرے گھر کے لوگوں کو بتایا کہ فلاں راہب نے تمہارے لڑکے کو تباہ کر دیا ہے تو ان لوگوں نے اپنے شہر سے اس راہب کو نکال دیا اس کے بعد میں بھی چھپ کر گھر سے نکلا اور اس راہب کے پاس پہنچ گیا قصہ طویل ہے خلاصہ یہ کہ ہم بیت المقدس پہنچے تو ایک لاچار سائل نے اس سے کوئی سوال کیا اور میں نہیں جان سکا کہ اس نے کیا کہا اس کے بعد آپ نے اس سے کہا تو کھڑا ہونا چاہتا ہے؟ اس نے کہا ہاں تو راہب نے دعا کی اور وہ اسی وقت کھڑا ہو گیا اور تندرست ہو گیا راہب چلا گیا میں نے چاہا کہ میں اس کا پیچھا کر کے اس سے مل جاؤں مگر میں اس کو نہ پاسکا اور راستہ گم کر دیا میں بھٹک گیا اس کے

ہے؟ انہوں نے کہا یہ بھاگا ہوا غلام ہے اسے پکڑ لو تو انہوں نے مجھے اپنا ردیف بنالیا اور اپنی سواری کے پیچھے مجھے بٹھالیا اور مدینہ طیبہ لے

آئے اس کے بعد مجھے ایک باغ میں چھوڑ دیا کہ میں یہاں کام کروں تو میں پانی سینچتا تھا اور اپنی روزی کما تا تھا بلاشبہ مجھے راہب نے اس جگہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ظاہر ہونے کی خبر دی تھی اور آپ کی نبوت کی نشانیاں اور علامتیں بتائی تھیں اور وصیت کی تھی کہ جب تم انہیں پاؤ تو ان کی تصدیق کر کے ایمان لے آنا تو میں نے وہ نشانیاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں پائیں اور ان پر ایمان لے آیا

کی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی کو زبناغ کے پاس بھیجا اور کہلوایا کہ جس کو مثلہ کیا جائے یا اسے آک سے جلایا جائے اس کا عذاب اس کے ذمہ ہے اس کے بعد زبناغ آئے اور عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ آپ کا غلام ہے اسے آزاد فرما کے مجھ سے اسے راضی کر دیجئے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے سندر سے فرمایا میں ہر مسلمان کو نصیحت کرتا ہوں کہ وہ تیرے ساتھ بھلائی کرے۔

حضرت اکرم صلی اللہ علیہ وسلم وصال بحق ہوئے تو سندر حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے پاس آئے اور عرض کیا میرے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وصیت کا لحاظ فرمائیے حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے اس سے فرمایا اگر تمہاری خواہش ہو تو تم ہمارے پاس رہو میں تمہارا وظیفہ مقرر کر دوں گا ورنہ جہاں تم رہنا پسند کرو میں تمہارے لیے ہدایت لکھ دوں سندر نے مصر میں رہنا پسند کیا۔

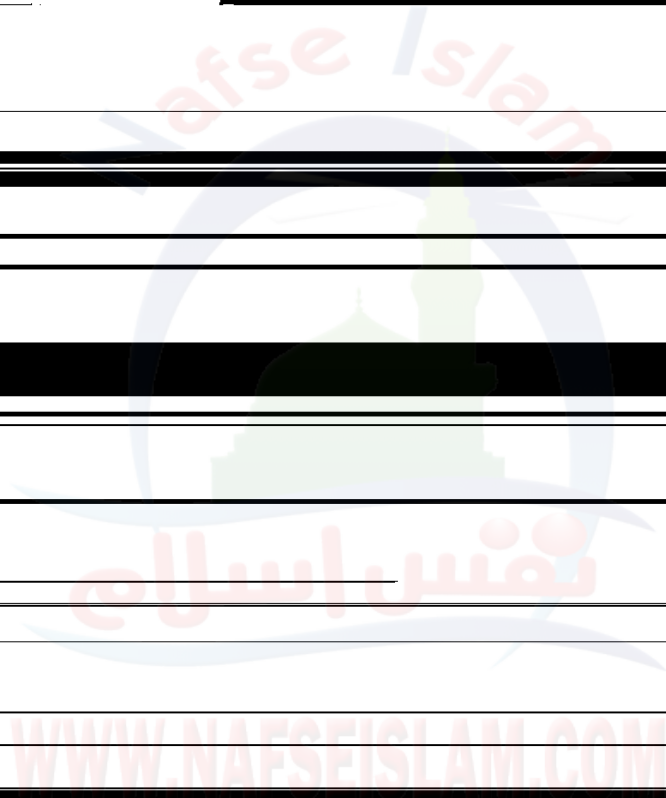
سے نواز بعض کہتے ہیں کہ آزاد کر کے ان سے نکاح فرمایا یہ ظاہر نہیں ہوتا کہ یہی ریحانہ رضی اللہ عنہا قیدیوں میں سے تھیں یا ان کے باب بھی تھے جب شمعون کو قرظی بیان کرتے ہیں تو ظاہر ہے کہ وہ بنی قریظہ کے قیدیوں میں سے ہوں گے۔ (واللہ اعلم بالصواب)

الک ضمیر ۱۰ رضی اللہ عنہ ۱۱، ضمیر ۱۲ تصغیر الوضمیر ۱۳ کے فرزند ۱۴۔ استعاب ۱۵۔ ۱۶ کے ضمیر ۱۷ بن ابی ضمیر ۱۸ رضی اللہ عنہ

الملک بن ضمیرہ کے دادا ہیں ان کو اہل مدینہ میں شمار کیا جاتا ہے اور ابن ابی وہب نے حسین بن عبد الملک بن ضمیرہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ضمیرہ رضی اللہ عنہ کی والدہ کے پاس سے گزرے تو وہ رورہی تھیں۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا کہ کس چیز نے تم کو رلایا ہے؟ کیا تم بھوکے ہو یا تنگی ہو؟ انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میرا بیٹا مجھ سے جدا کر دیا گیا ہے اس پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ماں اور اس کے بچے کے درمیان جدائی نہ کی جائے اس کے بعد کسی کو اس کے پاس بھیجا جس

(اصابہ میں) نفیر بن نجب شامی ویمانی ہیں کہا جاتا ہے کہ انہیں صحبت حاصل ہے تو روئے فرہیں لیکن یہ نہیں کہا جاسکتا کہ ان میں سے کون سے نفر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے غلام ہیں۔ (واللہ اعلم)

ایک کریب رضی اللہ عنہ بصیغہ القصیر ہیں اصابہ میں ہے کہ کریب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے غلام ہیں اور عیدان مروزی



میں سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم پر غشی طاری ہوئی اور حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نماز کیلئے کھڑے ہوئے تو اتفاقاً پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے چاہا کہ مسجد شریف میں تشریف لے جائیں اس وقت ایک حبشی غلام نے (جو ہمارے پاس تھا) حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو سہارا دیا۔ اصابہ کے کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ اس حبشی غلام سے مراد یہی نہیک بن الاسود رضی اللہ عنہ ہیں۔ (واللہ اعلم)

ایک نفیع رضی اللہ عنہ (بنون وفا بصیغہ تصغیر) ابوبکرہ (فتح بادی سکون کاف و دراحتا) ہیں ان کا نام نفیع رضی اللہ عنہ بن الحارث بن کلدہ ثقفی ہیں اور بعض نے نفیع بن مسروح اور بعض نے مسروح بن کلدہ ان کا نام بتایا ہے اور بعض کہتے ہیں کہ یہ حارث بن کلدہ ثقفی کے غلام تھے اور انہوں نے ان کو اپنا بیٹا بنالیا تھا۔ ابوبکرہ کی ماں شہ حارث کی باندی تھی اور وہ زیاد بن ابوسفیان کی ماں تھی اس نے زمانہ جاہلیت میں اس سے زنا کیا تھا اور ان پر ان کی کنیت غالب آ گئی تھی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی کنیت رکھی تھی۔ اس لیے کہ انہوں نے اپنے سامان کو کنویں کے ڈول میں رکھ کر طائف کے روز اتارا تھا۔ اہل سیر کہتے ہیں کہ جس زمانہ میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم طائف کے قلعہ کا محاصرہ کیے ہوئے تھے یہ نفیع رضی اللہ عنہ اسلام لائے اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دیدار مبارک کے شوق میں خود کو ڈول میں ڈال کر نیچے اترے تھے اس بنا پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی کنیت ابوبکرہ رکھی تھی۔ (بکرہ کے معنی ڈول کے ہیں) چنانچہ وہ اسی کنیت سے مشہور ہو گئے۔ منقول ہے کہ جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے قلعہ طائف کا محاصرہ کیا ہوا تھا تو منادی کو حکم ہوا کہ وہ اعلان کر دے جو کوئی غلام اتر کے ہماری طرف آئے گا اسے آزادی بخش جائے گی اس وقت دس غلام اتر کے آئے ان میں سے ایک یہ نفیع رضی اللہ عنہ بھی تھے۔ مغلطائی کے نزدیک اس روز تیس غلام اتر کر آئے تھے اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر آنے والے کو آزاد کر کے صحابہ کرام کو ایک ایک کر کے سپرد فرما دیا تھا کہ وہ ان کی نگہداشت و خیال رکھیں یہ بات طائف والوں پر بہت دشوار معلوم ہوئی جب طائف کے کچھ لوگ حاضر بارگاہ ہوئے اور اسلام قبول کیا تو انہوں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے اسے

غلاموں کو طلب کیا کہ وہ انہیں لوٹا دیئے جائیں اس پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وہ سب اللہ کے آزاد کردہ ہیں یہ حکایت پہلے غزوہ طائف میں گزر چکی ہے یہ قول اس کی تائید کرتا ہے کہ ابوبکرہ رضی اللہ عنہ حارث کے غلام تھے اگر نہ بھی ہوں تو وہ خود اپنے آپ کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا آزاد کردہ غلام کہتے تھے اور مسلمانوں سے کہتے ہیں تمہارا دینی بھائی ہوں اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا غلام اگر اس بات کا انکار کرو تو میں نفیع رضی اللہ عنہ بن مسروح ہوں یہ نفیع رضی اللہ عنہ فضلاء صحابہ اور اخبار صحابہ میں سے تھے وہ بصرے میں آ کر سکونت پذیر ہو گئے تھے۔ بصرے میں ان کی اولاد کا بدو اشراف ہوئی۔ حضرت حسن بصری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ بصرے میں حضرت عمران بن حصین اور ابی بکرہ رضی اللہ عنہما سے زیادہ افضل صحابی سکونت پذیر نہ ہوا اور انہوں نے روزِ جمل گوشہ نشینی اختیار کی اور کسی جانب میلان کا اظہار نہ کیا اور نہ کسی فریق کے ساتھ قتال کیا۔ حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ کے ۴۹ھ یا ۵۱ھ یا ۵۲ھ میں بصرے میں وفات پائی اور وصیت کی کہ حضرت ابو بردہ رضی اللہ عنہ اسلمی نماز جنازہ پڑھائیں۔

ایک ہرمز ابو کیسان رضی اللہ عنہ ہیں اصابہ میں ہے کہ کیسان رضی اللہ عنہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے موالی میں سے ہیں اور ان کو ہرمز بھی کہا گیا ہے۔ استیعاب میں ہے کہ کیسان رضی اللہ عنہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے موالی میں سے ہیں اور ان کا نام ہرمز کہا جاتا ہے ان کی کنیت ابو کیسان رضی اللہ عنہ ہے ان کے نام میں اختلاف کیا گیا ہے یا تو کیسان ہے یا مہران یا طہمان یا ذکوان ہے یہ سب اقوال اس حدیث میں ہیں جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر تحریم صدقہ کے بارے میں ہے۔

ایک وردان رضی اللہ عنہ ہیں (بہ فتح واؤ و سکون راء) اصابہ میں ہے کہ وردان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے موالی ہیں۔ ابو نعیم نے صحابہ میں ذکر کیا ہے اور حضرت عکرمہ از ابن عباس رضی اللہ عنہم سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے غلام کھجور کی

ٹہنی سے گر کر فوت ہوئے اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس کی اولاد کو تلاش کرو اور اس کا ترکہ اسے دے دو تو ایک شخص کو پایا اور اسے اس کی میراث دے دی۔

ایک یسار رضی اللہ عنہ ہیں یسار کا تذکرہ پہلے رباح کے حالات میں بیان ہو چکا ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اونٹوں کے جزو اے تھے جن کو عربیوں نے شہید کیا تھا اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یسار رضی اللہ عنہ کے قصاص میں ان بد بختوں کو واصل

جہنم کیا تھا اور رباح رضی اللہ عنہ کو ان کی جگہ مقرر فرمایا تھا اس جگہ جو یسار رضی اللہ عنہ مذکور ہوا ہے یا تو مکرر واقع ہوا ہے یا یہ کوئی دوسرے یسار رضی اللہ عنہ ہیں یسار نام کے بہت سے لوگ بیان کیے گئے ہیں گمان ہوتا ہے کہ ان میں سے بعض حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے موالی بھی ہوں گے ایک یسار رضی اللہ عنہ حبشی غلام ہیں جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے جزو اے تھے جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بنی ثعلبہ کے غطفان کی جماعت پر تاخت فرمائی تھی تو اس راہ میں ایک غلام ملا تھا جس کا نام یسار رضی اللہ عنہ تھا دوسرے یساران لوگوں میں ہیں جو طائف کے قلعہ میں سے اتر کے آئے تھے اور وہ مسلمان ہو گئے تھے اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سب کو آزاد کر دیا تھا لیکن اس جگہ جو یسار رضی اللہ عنہ مذکور ہے اصحابہ میں کہا گیا ہے کہ وہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے غلام تھے۔ اس کا ظاہر مفہوم یہ ہے کہ طائف میں جتنے غلام اتر کے آئے تھے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو ایک ایک صحابی کے سپرد کر دیا تھا کہ وہ ان کی نگہداشت کریں ان یسار رضی اللہ عنہ کو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے سپرد کر دیا ہو گا بالآخر سب کو آزادی بخشی اور فرمایا **هَمُّ عُنُقَاءِ اللَّهِ** یہ اللہ کے آزاد کردہ ہیں تو اگر ان یسار کو حضرت عثمان کا غلام کہا گیا تب بھی درست ہے اور اگر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا غلام کہیں تب بھی جائز ہو گا اور ابو بکر رضی اللہ عنہ بھی خود کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا غلام جانتے تھے ان سب کو اگر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا موالی کہیں تو بھی ممکن ہے۔ (واللہ اعلم)

ایک ابواہیلہ رضی اللہ عنہ ہیں (بصیغہ تصغیر و بے تصغیر دونوں ہیں) ابن جوزی نے تاج میں ذکر کیا ہے اور ان کی تعریف اس طرح کی ہے کہ یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے غلام ہیں اس جگہ ابواہیلہ رضی اللہ عنہ دوسرے ہیں ان کا نام راشد ہے۔ منقول ہے کہ زمانہ جاہلیت میں ان کا نام ظالم تھا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: **انت راشد تم راشد ہو** راشد نام کے دو شخص ہیں ایک راشد بن حفص بن عمرو بن عبد الرحمن بن عوف دوسرے راشد بن عبد ربیع اسلمی۔ اصحابہ میں ہے کہ راشد بن عبد ربیع کا نام غوث تھا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا نام راشد کر دیا ان دونوں کی کنیت ابواہیلہ ہے۔ وہ ابواہیلہ جن کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا غلام کہتے ہیں ان کا نام مذکور نہیں ہے یہ تمام باتیں اصحابہ میں بیان کی گئی ہیں۔ اصحابہ میں یہ نام اور یہ کنیت کچھ مذکور نہیں ہے۔

ایک ابوالبشیر رضی اللہ عنہ ہیں استیعاب اور اصحابہ میں ایک ابوالبشیر صحابہ میں سے انصاری بیان کیے گئے ہیں۔ جن سے طلوع آفتاب کے وقت نماز پڑھنے کی حدیث مروی ہے۔ انہوں نے طویل عمر پائی تھی کہتے ہیں کہ ایک کے سوا دوسرے ابوالبشیر صحابہ میں نہیں ہیں لیکن کسی نے ان کا غلام ہونا بیان نہیں کیا ہے۔ (واللہ اعلم)

ایک ابوصفیہ رضی اللہ عنہ ہیں اصحابہ میں ہے کہ ابوصفیہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے غلام ہیں اور کہا کہ بخاری نے ان کو مہاجرین میں شمار کیا ہے۔ یونس بن عبیدہ اپنی والدہ سے روایت کرتے ہیں انہوں نے کہا کہ میں نے ابوصفیہ رضی اللہ عنہ کو دیکھا ہے جو مہاجرین میں سے تھے اور کھجوروں کی گھٹلیوں پر تنبیج پڑھتے تھے اسے بغوی نے روایت کیا دوسری سندیں ابی ابن کعب رضی اللہ عنہ نے ابوصفیہ مولیٰ النبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا ہے کہ ان کے آگے کنکریاں رکھی جاتیں تو وہ شام سے آدی رات تک اور ظہر سے شام تک اس سے تنبیج کرتے تھے۔ استیعاب میں بھی مروی ہے کہ ابوصفیہ رضی اللہ عنہ مولائے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مہاجرین میں سے

تھے اور ٹھلیوں پر تسبیح کرتے تھے۔

ایک ابوقبیلہ ہیں ابوقبیلہ کا تذکرہ پایا نہیں گیا البتہ ابوقبیلہ کا نام مرشد ہے اور اس میں اختلاف ہے کہ وہ صحابی ہیں یا تابعی بہر تقدیر مولا اور صحابی ہونا ثابت نہیں۔ (واللہ اعلم)

ایک ابولبابہ رضی اللہ عنہ ہیں اصابعہ میں ہے کہ ابولبابہ رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے غلام ہیں اسے محمد بن حبیب نے اپنی کتاب محرز نامی میں بیان کیا ہے اور بلاذری نے بیان کیا ہے کہ وہ بنو قریظہ سے ہیں اور وہ مکاتبت تھے جب وہ مدائن کتابت ادا

عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ کو اسیر کیا تھا۔ مدینہ طیبہ میں ۵۵ھ میں وفات پائی ان کے سوائی کوئی اور ابوالیسر مذکور نہیں ہے خدا ہی جانتا ہے کہ سیرت لکھنے والوں نے ان کا مولیٰ ہونا کہاں سے نقل کیا ہے۔

ایک ذکوان رضی اللہ عنہ ہیں یہ بھی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے موالی میں سے ہیں استیعاب اور اصابعہ میں بیان کیا گیا ہے اور کہا کہ ان کے

کا مال نہ میرے لیے حلال ہے اور نہ میری اہل بیت کیلئے اور قوم کے غلام ان کے ساتھ ہیں بعض نے طہمان کہا ہے اور بعض نے شک کیا ہے۔ (واللہ اعلم)

اب رہا باندیوں کا تذکرہ تو ان کے نام یہ ہے ایک ام رافع رضی اللہ عنہا زوجہ ابورافع رضی اللہ عنہ مولائے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضور اکرم کی خادمہ ہیں کہتے ہیں کہ وہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی پھوپھی صفیہ بنت عبدالمطلب رضی اللہ عنہا کی باندی تھیں مگر ان کو مولائے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کہتے ہیں ان کا تذکرہ خدام بارگاہ کے ضمن میں گزر چکا ہے روضۃ الاحباب میں سلمیٰ وام رافع رضی اللہ عنہما

باب ششم

در ذکر محافظین بارگاہ رسالت صلی اللہ علیہ وسلم

حراست کے لغوی معنی حفاظت و نگہبانی کرنے کے ہیں۔ حارس کے معنی پاسبان و پہریدار اور خراس اس کی جمع ہے اور احترا اس کے معنی اپنی آپ نگہبانی کرنے یا کسی کو اپنی نگہبانی کیلئے مقرر کرنے کے ہیں جس طرح کہ بعض صحابہ کرتے تھے ان کی نگہبانی اس معنی میں نہیں ہے کہ اپنی نگہبانی کیلئے ان کو مقرر کیا تھا بلکہ صحابہ کرام کے کچھ حضرات از خود اس کام میں مشغول ہوتے اور اس سعادت سے مشرف ہوتے تھے۔ محدثین نے ایسے محافظین صحابہ کو ضبط کیا ہے ممکن ہے کہ ان میں کچھ حضرات اس سعادت پر ہمیشہ قائم رہے ہوں اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم باتباع سنت الہی عزوجل ایسے اسباب کی رعایت بطور رکھتے تھے جب آیہ کریمہ وَاللّٰهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ نازل ہوئی تو آپ نے اسے ترک فرمادیا ان پہریداروں میں سے ایک حضرت سعد بن معاذ انصاری رضی اللہ عنہ ہیں جو شبیل اویسی ہیں اور اکابر و اجلہ اصحاب میں سے ہیں اور مدینہ طیبہ میں عقیقہ الیاء اور عقیقہ حارثہ کے نام سے اللہ جل جلالہ نے ان کو محفوظ رکھا ہے۔

اللہ علیہ وسلم کے حکم سے فتنہ سے بچنے کیلئے گوشہ نشین ہو گئے تھے حمل و صفین میں شریک نہ ہوئے اصابہ میں منقول ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں اس شخص کو پہچانتا ہوں جسے فتنہ ضرر نہ پہنچائے گا اور محمد بن مسلمہ کو یاد کیا اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے اس بات کے سننے کی صراحت کی ہے اسے بغوی وغیرہ نے روایت کیا ہے اور یہ حدیث مشکوٰۃ میں بھی بروایت ابوداؤد منقول ہے محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے انہوں نے فرمایا مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک تلوار دے کر فرمایا اس تلوار سے مشرکوں کے ساتھ قتال کرو جب تک کہ قتال کیا جائے اور جب امت کا یہ حال ہو کہ وہ ایک دوسرے کی گردن زدنی کریں تو اس تلوار کو پتھر پر مار کر توڑ دینا اور اپنے گھر میں بیٹھ جانا اہل سیر بیان کرتے ہیں کہ جو حضرات فتنہ کے زمانہ میں گھروں میں بیٹھے رہے ان میں حضرت سعد بن ابی وقاص عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما محمد بن مسلمہ اور اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما تھے حضرت محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہما کے دس بیٹے اور چھ لڑکیاں اسلام لائیں یہ حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کے ہاتھ اول وقت میں قبل از ہجرت اسلام لائے اور ان کی تمام اولاد اسلام لائی ان سے مشکوٰۃ میں بروایت نسائی حدیث مروی ہے کہ فرمایا جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نفل نماز کیلئے قیام فرماتے تو پڑھتے: **اللَّهُ أَكْبَرُ إِنِّي وَجَّهْتُ وَجْهِيَ لِلَّذِي فَطَرَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ حَنِيفًا وَمَا أَنَا مِنَ الْمُشْرِكِينَ**

ان کی رحلت ۴۶ھ یا ۴۷ھ میں ستر سال کی عمر میں ہوئی حضرت محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہما کی نگہبانی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کیلئے روز احدثی۔ (کذا فی المواہب)۔

ایک ذکوان بن عبد اللہ بن قیس رضی اللہ عنہ ہیں ان کو مواہب میں ذکر نہیں کیا گیا ہے روضۃ الاحباب میں مروی ہے کہ محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ اور ذکوان بن عبد اللہ بن قیس رضی اللہ عنہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے روز احد پہریدار تھے لیکن غزوۃ احد کے قضیہ میں پہلے بیان کیا جا چکا ہے کہ روز احد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس چودہ اصحاب باقی رہ گئے تھے سات مہاجرین میں سے اور سات انصار میں سے ان دونوں زمروں کے اشخاص کو بیان کرنے کے بعد آخر میں کہا کہ اہل سیر بتاتے ہیں کہ محمد بن مسلمہ بھی انہیں میں سے ایک تھے اور ان میں ذکوان بن عبد اللہ بن قیس کا تذکرہ بالکل کیا ہی نہیں اور استیعاب و اصابہ میں بھی ذکوان بن قیس کہا ہے اور ذکوان بن عبد اللہ بن قیس نہیں کہا اور وہ غزوۃ احد کے شہداء میں سے ہیں اصابہ میں منقول ہے کہ جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم احد کیلئے باہر تشریف لائے تو فرمایا جو شخص پسند کرتا ہے کہ ایسے شخص کو دیکھے جس کے پاؤں کل کو جنت کے سبزہ زاروں کو روندیں گے وہ اس شخص کو دیکھ لے الفاظ مبارک یہ ہیں مَنْ أَحَبَّ أَنْ يَنْظُرَ إِلَى رَجُلٍ يَطَأُ قَدَمُهُ غَدًا خُصْرَةَ الْجَنَّةِ فَلْيَنْظُرْ إِلَى هَذَا الْحَدِيثِ بطول اور دیکھ لے کہ اس کے بعد ذکوان بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ اور ثعلبہ بن احضر ہوئے اس کے بعد مدینہ طیبہ سے چل کر رسول خدا صلی

لانے کے بعد ان کے چچا نے ان پر بہت سختیاں کیں ان کو چٹائی میں لیٹ کر دھواں پہنچاتے تھے تاکہ یہ اسلام کو چھوڑ دیں مگر انہوں نے دامن اسلام نہ چھوڑا اور حبشہ ہجرت کر کے چلے گئے بدر اور اس کے بعد غزوات میں شریک ہوئے اور روزِ اُحد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ثابت قدم رہے اور غزوہ خندق میں وہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نگہبانی کرتے تھے جیسا کہ گزر چکا ہے اور ان دس اشخاص میں سے ایک ہیں جن کے لیے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جنت کی بشارت دی ہے اور وہ اُن چھ اشخاص میں سے ایک ہیں جن کی رائے پر امر خلافت کا مشورہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے سپرد کیا تھا کہ ان میں سے کسی ایک پر اتفاق کر کے خلیفہ چن لیں وہ طویل القامت دبلے اور گندی رنگ کے تھے ان کے بال اتنے طویل تھے کہ جب سوار ہوتے تو ان کے بال زمین میں لٹک جاتے تھے ان کے ہزار غلام تھے جو خراج دیتے تھے اور وہ اس میں سے کچھ گھر نہ لاتے تھے سب کو صدقہ کر دیتے تھے لوگوں نے ان سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیثیں کم روایت کرنے کا سبب پوچھا تو فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے میری قرابت اور میرا قرب جو تھا وہ میں جانتا ہوں لیکن میں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا ہے کہ: مَنْ كَذَبَ عَلَيَّ فَلْيَبْئُتْهُ مَقْعَدُهُ مِنَ النَّارِ جس نے مجھ پر جھوٹ ماندھا تو اسے جاسے کہ اس کا گھانا جہنم میں رہنا ہے تو میرا رخہ ہے۔ اور یہ کہ سارے اہل کفر و کفر کے لیے میرا رخہ ہے۔



کی عمر اس وقت سترہ سال یا انیس سال کی تھی وہ تمام غزوات میں شریک ہوئے اور ان کے ہاتھ پر مدائن اور ممالک عجم مفتوح ہوئے اکا سرہ یعنی شاہان فارس کی بنیادیں انہوں نے منہدم کیں۔

ترمذی نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ حضرت سعد رضی اللہ عنہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہوئے تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ میرے ماموں ہیں کون ہے جو میرے ماں کو میرے پاس لائے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ان کو ماموں فرمانا اس اعتبار سے ہے کہ وہ عبد مناف کی اولاد میں سے زہرہ کے فرزند ہیں اور سیدہ آمنہ والدہ ماجدہ سیدہ عالم صلی اللہ علیہ وسلم بھی عبد مناف کی اولاد سے ہیں اور زہرہ کی اولاد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بھائی، بیٹا، سر، اس کے چچا کا کچھ

بن مالک اور عبدالرحمن بن ثابت نے روایت لی ہے یہ جنگ یمامہ میں شہید ہوئے ان کی عمر شریف پچپن سال کی ہوئی۔

ایک حضرت ابویوب انصاری رضی اللہ عنہ ہیں ان کا نام خالد بن زید ہے قبیلہ بنی نجار ہے ہیں عقبہ بدر احد خندق اور تمام غزوات میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حاضر رہے زمین روم میں قسطنطنیہ میں ۵۰ھ یا ۵۱ھ میں امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی امارت کے زمانہ میں یزید کے علم کے تحت وفات پائی۔

اہل سیر بیان کرتے ہیں کہ اہل روم نے ان مسلمانوں سے جو حضرت ابویوب انصاری رضی اللہ عنہ کی تدفین کے وقت موجود تھے کہا ان کی بڑی شان تھی اس پر مسلمانوں نے کہا یہ ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اکابر صحابہ میں سے تھے اور ہم سے پہلے اسلام لانے والوں میں سے تھے اور ہم نے ان کو اس جگہ دفن کیا ہے جہاں تم دیکھ رہے ہو۔ خدا کی قسم اگر تم نے ان کی قبر انور کی بھرتی کی تو جب تک ہماری سلطنت ہے کبھی تم ناقوس نہ پھونک سکو گے اس کے ہم معنی مجاہد سے مروی ہے کہ انہوں نے فرمایا جب بھی ان رومیوں نے چاہا کہ ان کی قبر انور کی بھرتی کریں اور اسے کھولیں تو ان پر اس قدر میخ برستا کہ وہ ایسا نہ کر سکتے اور بیان کیا کہ ابن قاسم نے مالک سے روایت کی ہے انہوں نے کہا کہ مجھے معلوم ہوا کہ اہل روم ان کی قبر انور کے پاس بیٹھتے ہیں اور حضرت ابویوب انصاری رضی اللہ عنہ کی قبر سے بارش کی دعا مانگتے ہیں اور اس کی زیارت کرتے اور برکت حاصل کرتے ہیں شعبہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابویوب انصاری رضی اللہ عنہ جنگ صفین میں حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کے ساتھ شریک تھے اور نہروان کے روزان کے مقدمہ پر متعین تھے محمد بن سیرین سے مروی ہے انہوں نے کہا کہ ہمیں معلوم ہوا ہے کہ حضرت ابویوب انصاری رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بدر میں موجود تھے اور کسی غزوے میں کسی وقت بھی بیٹھے نہ رہے یہاں تک کہ انہوں نے ارض روم میں وفات پائی جب امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے قسطنطنیہ کے لشکر پر یزید پلید کو سردار بنایا تو حضرت ابویوب انصاری رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہمیں کیا ہوا ہے کہ ہم پر جوانوں کو امیر بنایا گیا ہے انہوں نے کہا کہ حق تعالیٰ فرماتا ہے: **انْفِرُوا خِفَافًا وَثِقَالًا** اس جنگ میں وہ بیمار ہو گئے یزید بن معاویہ عیادت کیلئے آیا اور کہا کہ میرے لیے وصیت فرمائیے حضرت ابویوب انصاری نے فرمایا جب میں دینا سے رخصت ہو جاؤں تو مجھے کفن دینا اس کے بعد لوگوں کو حکم دینا کہ دشمن کی سرزمین میں چلیں جہاں تک پہنچنے کی طاقت ہو پہنچ کر وہیں مجھے دفن کر دینا۔

چنانچہ یزید نے ان کی وصیت کے مطابق عمل کیا مروی ہے کہ یزید نے لوگوں کو حکم دیا کہ آتے جاتے گھوڑوں کو دوڑاؤ تا کہ ان کی قبر کا نشان معلوم نہ ہوا سے مجاہد نے روایت کیا ہے ظاہر ہے کہ یہ اس لیے کیا گیا ہوگا تا کہ دشمن ان کی قبر کے ساتھ دست درازی نہ کریں اور اسے کھود نہ ڈالیں یا یہ بات بھی اس کی خباثت اور اس کے اعمال شنیعہ میں سے ہوگی اور وہ پہلے سے ان کے عداوت رکھتا ہوگا (واللہ اعلم) اس کو ابن عبدالبر نے استیعاب میں بیان کیا ہے۔

حضرت ابویوب انصاری رضی اللہ عنہ کے مناقب و فضائل بہت زیادہ ہیں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجرت کے بعد مسجد نبوی شریف کی تعمیر تک ان کے گھر میں قیام فرمایا اور یہ مشہور ہے اور انہوں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور ابی ابن کعب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے اور ان سے براء بن عازب رضی اللہ عنہ انس ابن عباس رضی اللہ عنہما جابر بن سرہ رضی اللہ عنہ اور ان کے سوا بہت حضرت نے روایت لی ہے اور حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ نے ان کو اپنا خلیفہ مقرر فرمایا جبکہ حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ عراق کی طرف تشریف لے گئے تھے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی پاسبانی انہوں نے غزوہ خیبر میں کی تھی جب حضرت صفیہ ام المومنین رضی اللہ عنہا کی عروسی کی رات تھی کیوں کہ اس وقت یہودیوں کی شرارت کا بہت خطرہ تھا۔ (رضی اللہ عنہ)

ایک حضرت بلال حبشی رضی اللہ عنہ ہیں

جو مقرب بارگاہ اور خاصان درگاہ میں سے تھے وہ وادی القری میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بان تھے ان کا مفصل تذکرہ مؤذنون کے بیان میں انشاء اللہ آئے گا۔

ایک حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ ہیں

مواہب لدنیہ میں کہا گیا ہے کہ حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ روز حدیبیہ پر ہنہ شمشیر لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پاسبانی میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سر ہانے کھڑے ہوئے تھے۔ (رضی اللہ عنہم اجمعین)



باب ہفتم

در ذکر کاتبان بارگاہ رسالت صلی اللہ علیہ وسلم

واضح رہنا چاہیے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے کئی کاتب تھے بعض وحی کی کتابت کرتے تھے اور بعض سلاطین و امراء وغیرہ کے نام خطوط لکھا کرتے تھے اور بعض صدقات کے اموال کی کتابت کرتے تھے اور بعض مدانیات معاملات اور شروط وغیرہ لکھا کرتے تھے چونکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم خط و کتابت سے پاک و منزہ تھے اور اکثر صحابہ بھی عرب کی عادت کے مطابق اس ہنر سے عاری تھے تو لامحالہ ان اصحاب میں سے جو خط و کتابت کے ہنر سے متصف تھے انہیں اس خدمت پر مقرر کیا جاتا تھا۔

روضۃ الاحباب میں فرماتے ہیں کہ کاتبوں کا تقرر اس طرح تھا کہ حضرت عثمان بن عفان اور حضرت علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہما وحی کی کتابت کرتے تھے اگر یہ دونوں موجود نہ ہوتے تو حضرت ابی بن کعب اور زید بن ثابت لکھا کرتے تھے اگر ان چاروں صحابہ میں سے کوئی موجود نہ ہوتا تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے کاتبوں میں سے جو موجود ہوتا اس سے لکھواتے تھے۔ (انتہی)

پوشیدہ نہ رہنا چاہیے کہ اس ترتیب پر دوام و استمرار محلِ سخن ہے بلکہ حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ اور ابی بن کعب اکثر وحی لکھنے پر ہیں بلکہ وہ اس کام پر متعین ہی تھے آخر میں تمام اسماء بیان کرنے کے بعد اس پر استیعاب سے ایسی بحث نقل کروں گا جو انشاء اللہ اس باب میں نافع ہوگی اور سیر کی تمام کتابوں میں اور ہر وہ کتاب جو اس سلسلہ میں ہے اسی سے مذکور و منقول ہے۔

روضۃ الاحباب میں کاتبوں کی تعداد چالیس بیان کی گئی ہے خلفاء اربعہ انہیں میں شمار کیے گئے ہیں ان کے فضائل و امناقب مشہور و معروف ہیں اس کے باوجود اگر ان کے اسماء مبارک جدا جدا لکھے جائیں اور ان کے بعض ضروری احوال مثلاً تاریخ وفات و مدت خلافت وغیرہ بیان کر دیئے جائیں تو مناسب ہوگا۔

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ: ایک حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ ہر ایہ کا نام جاہلیت میں عبد الکعبہ تھا اور بعض عبد رب الکعبہ نام بتاتے ہیں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا نام عبد اللہ رضی اللہ عنہ رکھا ایک قول ہے کہ عتیق رکھا اس بنا پر کہ وہ آتش دوزخ سے آزاد ہیں بعض کہتے ہیں کہ ان کی والدہ کا کوئی بچہ زندہ نہ رہتا تھا جب یہ پیدا ہوئے تو ان کو قبلہ رو کھڑا کر کے کہا اے خدا ان کو موت سے رہنمائی دے اور ان کو میرے لیے بخش دے بعض کہتے ہیں کہ عبد اللہ بھی ان کا قدیمی نام ہے درست و صواب یہ ہے کہ یہ نام اور لقب دونوں اسلامی ہیں ترمذی میں مروی ہے کہ مَنْ أَرَادَ أَنْ يَنْظُرَ إِلَى الْعَتِيقِ مِنَ النَّارِ فَيَنْظُرْ إِلَى أَبِي بَكْرٍ جَوْا جَاءَ کہ ایسے شخص کو دیکھ جو جہنم سے آزاد ہے تو اسے چاہیے کہ وہ ابو بکر رضی اللہ عنہ کی طرف دیکھے ایک قول یہ ہے کہ لَقَبَ لَقَبَ بِهِ لِعَتَاقِهِ اَحَى حُسْنِهِ وَجَمَالِهِ اور بعض کہتے ہیں کہ عتیق اس بنا پر لقب تھا کہ ان کے نسب میں کوئی بات ایسی نہ تھی جس سے ان پر عیب لگایا جاتا کیونکہ وہ پہلے سے ہی خیر پر تھے قاموس میں سے العتق اکرم والحبال والنجا بته والشرف والعتیق لقب الصدیق اوسمیتہ بامتہ اور تمام امت کا آپ کے صدیق نام ہونے میں اتفاق ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تصدیق میں انہوں نے سبقت و پہل کی اور تمام احوال میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت پر انہوں نے تصدیق کو لازم جانا۔ دارقطنی اور حاکم نے ابویحییٰ سے روایت کی

ہے انہوں نے کہا کہ میں شمار نہیں کر سکتا کہ حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کو منبر شریف پر فرماتے کتنی مرتبہ میں نے سنا ہے کہ حق تعالیٰ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان پر ابوبکر کا نام صدیق رضی اللہ عنہ رکھا حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کی پیدائش حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت مبارکہ سے دو سال اور چند ماہ بعد ہے اور اتنی ہی مدت ان کی خلافت کی ہے جو حضرت صدیق رضی اللہ عنہ نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد پوری کر کے وفات پائی ہے ان کی عمر شریف تریسٹھ سال کی ہوئی ان کے فضائل و مناقب بے شمار ہیں۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ: دوسرے کا تب اور خلیفہ راشد حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ ہیں عام الفیل کے تیرہ سال بعد محرم کی چاند رات کو آپ کی ولادت ہے وہ اشراف قریش میں سے تھے جاہلیت میں ان کے سپرد سفارت تھی جب قریش میں ان کے درمیان جنگ ہوتی تو ان کو سفیر و قاصد بنا کر بھیجتے تھے اور وہ لوگوں میں طول قامت میں فائق رہتے تھے گویا کہ خود سوار ہیں لوگ پیدل ہیں وہب ابن منہر فرماتے ہیں کہ ان کی صفت توریت میں ہے: قَرْنٌ جَدِيدٌ شَدِيدٌ أَمِينٌ وَالْقُرْنُ الْجَبَلُ الصَّغِيرُ وَسُمِّيَ الْفَارُوقُ بِفُرْقَةٍ بَيْنَ الْحَقِّ وَالْبَاطِلِ۔ جب وہ اسلام لائے تو جبریل علیہ السلام نے آ کے عرض کیا یا رسول اللہ آسمان والے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اسلام لانے پر خوشیاں منا رہے ہیں اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر یہ آئیہ کریمہ نازل ہوئی: يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ حَسْبُكَ اللَّهُ وَمَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ ۝

ان کی خلافت کے زمانہ میں ایک ہزار چھتیس شہر ان کے قصبات و دیہات کے ساتھ مفتوح ہوئے چار ہزار مسجدیں تعمیر ہوئیں اور چار ہزار مندر بت کدے اور آتش کدے منہدم ہوئے اور ایک ہزار نو سو منبر جوامع میں رکھے گئے ان کے مناقب و فضائل میں بکثرت حدیثیں مروی ہیں اور سب سے بڑی فضیلت جو وار ہوئی یہ ہے کہ: إَنَّ اللَّهَ جَعَلَ الْحَقَّ عَلَى لِسَانِ عُمَرَ بِلاشبہ اللہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی زبان پر حق رکھا صحیح بخاری میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: لَقَدْ كَانَ فِيْمَنْ قَبْلَكُمْ مُحَدِّثُونَ فَإِنَّ بَكَ فِي أُمَّتِي أَحَدٌ فَإِنَّهُ عُمَرُو۔ یعنی بلاشبہ تم سے پہلوں میں محدثین ہوتے تھے اور بلاشبہ میری امت میں اگر کوئی ہے تو وہ عمر ہیں۔ اور حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: كُنَّا أَصْحَابَ مُحَمَّدٍ لَا نُنْشِكُ أَنَّ السَّكِينَةَ يَنْطِقُ عَلَى لِسَانِ عُمَرَ ہم اصحاب محمد صلی اللہ علیہ وسلم شک نہیں رکھتے کہ سکینے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی زبان پر گویا ہے ان کے فضائل اتنے زیادہ ہیں کہ ان کا شمار نہیں کیا جاسکتا ان کی مدت خلافت دس سال اور چھ مہینہ ہے ان کی وفات حج سے واپسی کے بعد ہے حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ دعا کرتے تھے کہ: اَللّٰهُمَّ ارْزُقْنِيْ شَهَادَةً فِيْ سَبِيْلِكَ وَاجْعَلْ مَوْتِيْ بِلَادِ رَسُوْلِكَ اَخْرَجَهُ الْبُخَارِيُّ اے خدا اپنی راہ میں مجھے شہادۃ نصیب فرما اور اپنے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے شہر مبارک میری وفات کو مقرر فرما کعب احبار کہا کرتے تھے کہ میں آپ کو توریت میں شہید پاتا ہوں۔ (رضی اللہ عنہ)

حضرت عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ: تیسرے کا تب اور تیسرے خلیفہ راشد حضرت عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ ہیں ان کی ولادت عام الفیل سے چھ سال میں ہے اور آپ قدیم الاسلام ہیں دار ارقم میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے داخل ہونے سے پہلے اسلام لائے یہ چوتھے مسلمان تھے سب سے پہلے اسلام لانے والے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ حضرت علی مرتضیٰ اور زید بن حارثہ رضی اللہ عنہم ہیں حضرت عثمان ذوالنورین ۲۰ھ حضرت ابوبکر صدیق ۳۰ھ حضرت عمر فاروق ۴۰ھ حضرت عثمان غنی ۴۵ھ

عنه سے روایت کیا ہے کہ انہوں نے فرمایا میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت عثمان صلی اللہ علیہ وسلم کیلئے فرماتے سنا ہے کہ اگر میری چالیس بیٹیاں ہوتیں تو میں یکے بعد دیگرے ان کو دیتا جاتا اور جب سیدہ ام کلثوم رضی اللہ عنہا کا نکاح ان کے ساتھ فرمایا تو ان سے فرمایا تمہارے شوہر تمہارے جد اعلیٰ حضرت ابراہیم علیہ السلام اور تمہارے والد ماجد محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے لوگوں میں سب سے زیادہ مشابہ ہیں اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ سے فرمایا کیا تم نے ان دوزوج سے بہتر کسی زوجین کو دیکھا ہے انہوں نے کہا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نہیں حضرت عثمان ذوالنورین کی فضیلت میں بکثرت حدیثیں وارد ہیں ان میں سب سے زیادہ مشہور حیا کرنے کی حدیث ہے ابن عساکر نے حضرت زید رضی اللہ عنہ بن ثابت سے روایت کیا ہے کہ انہوں نے فرمایا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ ایک مرتبہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شان میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میرے پاس فرشتہ خدا کے فرشتوں میں سے تھا وہ کہتا تھا: **شَهِيدٌ يَقْتُلُهُ قَوْمُهُ فَإِنَّا نَسْتَحْيِي مِنْهُ** یہ شہید ہیں ان کو ان کی قوم کے لوگ قتل کریں گے ہم ان سے حیا کرتے ہیں اسے ترندی و حاکم نے بیان کیا اور اس کو صحیح کہا ہے ابن ماجہ مرہ بن کعب سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک فتنہ کا ذکر کیا اور اس کو بہت نزدیک بتایا اتنے میں ایک شخص سر سے چادر لپیٹے گزر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ شخص اس دن راہ راست پر ہو گا پھر میں کھڑا ہوا کہ دیکھو وہ کون ہے تو میں نے دیکھا کہ وہ حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ ہیں ان کے قتل کا قصہ مشہور ہے یہ پہلا فتنہ ہے جو اسلام میں نمودار ہوا حضرت ذوالنورین کی مدت خلافت بارہ سال ہے اور ان کی وفات ۳۵ھ کے ایام تشریق کے وسط میں روز جمعہ ہے اور شب شنبہ کو مغرب و ریشاء کے مابین دفن کیے گئے عمر شریف بیاسی سال کی ہوئی بعض چھپاسی اور اٹھاسی اور نواسی بھی بتاتے ہیں۔ (واللہ اعلم)

مولائے کائنات علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ: چوتھے کا تب اور چوتھے خلیفہ راشد حضرت امیر المومنین مولائے کائنات علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ ہیں۔ علی ان کا نام ہے اور ابوالحسن و ابوتراب ان کی کنیت ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بیچا ابوطالب کے فرزند اور برادر موخات ہیں فاطمہ بتول سیدہ نساء رب العالمین کے شوہر اور بسطین سعیدین حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ و حسین رضی اللہ عنہ سیدی شباب اہل الجنۃ کے والد نامدار ہیں زمانہ جاہلیت اور عبد اسلام میں ان کا نام علی رضی اللہ عنہ ہے۔

اہل سیر کہتے ہیں کہ ان کی والدہ فاطمہ بنت اسد نے اپنے باپ کے نام پر جو اسد تھا ان کا نام حیدر رکھا جب ابوطالب تشریف لائے تو انہوں نے یہ نام ناپسند کیا اور علی رضی اللہ عنہ نام رکھا اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا نام صدیق رکھا جیسا کہ ریاض النظرۃ میں ہے اور ان کی کنیت ابوالریمانین رکھی گئی اور آپ کا لقب بضۃ البلد امین شریف ہادی مہدی ذی الاذن الزریعہ یعسوب اللامۃ تھا۔

اہل سیر کہتے ہیں کہ ان کی ولادت جوف کعبہ میں ہوئی تھی یہ قدیم الاسلام تھے حضرت ابن عباس زید بن ارقم سلمان فارسی مقداد بن اسود رضی اللہ عنہم اور بکثرت صحابہ کرام اس پر ہیں کہ وہ اول الاسلام ہیں۔ شیخ ابن حجر نے اصابتی معرفۃ الصحابہ میں کہا ہے کہ اکثر اہل علم کا قول یہی ہے ابویعلیٰ نے حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے انہوں نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دو شنبہ کے دن مبعوث ہوئے اور میں دو شنبہ کے دن ہی اسلام لایا ابن عبدالبر نے استیعاب میں فرمایا کہ حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ اسلام لائے اور اپنے والد سے انہوں نے اسلام کو چھپایا اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ایمان لائے اور اس کا اظہار کیا (واللہ اعلم) جس وقت حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ اسلام لائے ان کی عمر دس سال یا آٹھ سال کی تھی جیسا کہ علامہ سیوطی نے نقل کیا ہے جامع الاصول میں ہے کہ اس دن ان کی عمر میں اختلاف کیا گیا ہے بعض کا خیال ہے پندرہ سال تھی بعض کا چودہ سال مگر صحیح یہ ہے کہ صغریٰ میں قبل از بلوغ

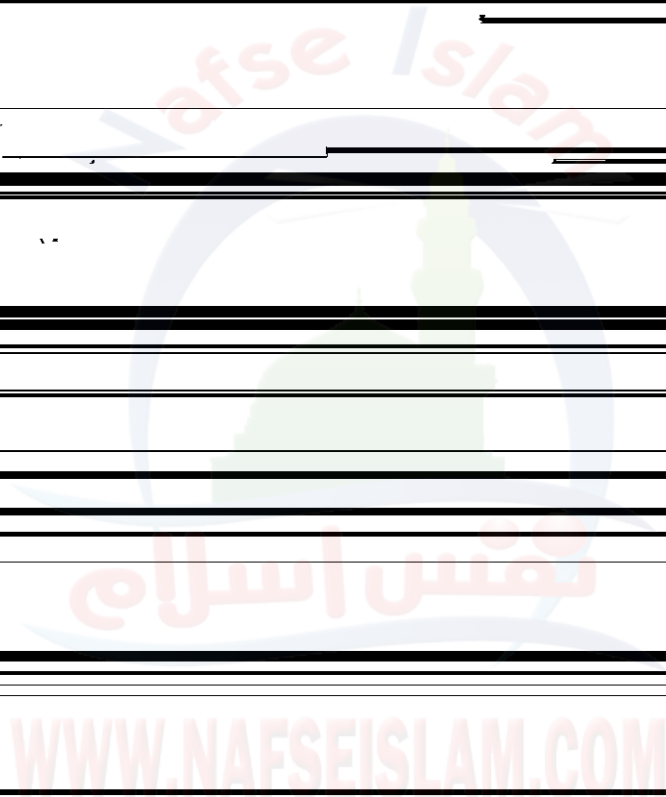
ایمان لائے۔ انہوں نے کبھی بتوں کی پرستش نہ کی تھی ان کی داڑھی بہت بڑی اور طویل تھی ”فصل الخطاب“ میں تاج الاسلام کی اربعین سے منقول ہے کہ حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ چودہویں رات کی مانند حسین البوجہ تھے تمام غزوات میں شریک ہوئے بجز غزوہ تبوک کے کیونکہ اس وقت حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اہل بیت کے پاس چھوڑ دیا تھا ان کے فضائل مذکور اور ان کے آثار شجاعت مشہور ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو روز خیر علم دیا اور فرمایا آج میں اسے علم دوں گا جو خدا اور اس کے رسول سے محبت رکھتا ہے اور خدا اور اس کا رسول اس سے محبت رکھتا ہے جیسا کہ گزرا اور فرمایا جس نے حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو ایذا دی اس نے مجھے ایذا دی جس نے علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو گالی دی اس نے مجھے گالی دی اور علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے مومن و مسلمان ہی محبت رکھیں گے اور حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے منافق ہی بغض و عداوت رکھیں گے۔ خلافت راشدہ کی تیس سالہ مدت کی تکمیل کے ابتدائی سال میں ان کو شہید کیا گیا ان کی خلافت کی مدت چار سال سات مہینہ اور چھ روز یا بارہ روز ہے بعض چار سال نو مہینے بتاتے ہیں اور پانچویں سال کو ان کے فرزند ارجمند امام حسن مجتبیٰ حسن بن علی مرتضیٰ سلام اللہ علیہم نے پورا فرمایا۔

حضرت طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہ: پانچویں کا تب حضرت طلحہ بن عبید اللہ بن عثمان رضی اللہ عنہ ہیں۔ عثمان حضرت ابو قحافہ کا نام ہے جو حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے والد ماجد ہیں لہذا حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے برادر زادہ ہیں اور حضرت ابو بکر اور عبید اللہ رضی اللہ عنہما دونوں حضرت عثمان ابو قحافہ کے بیٹے ہیں۔ حضرت طلحہ کے والد کا نام عبید اللہ بن عثمان ہے۔ حضرت طلحہ کی کنیت ابو محمد ہے یہ ان آٹھ افراد میں سے ایک ہیں جنہوں نے اسلام لانے میں سبقت کی ہے اور یہ ان پانچ افراد میں سے ایک ہیں جو حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر اسلام لائے اور یہ ان چھ اصحاب شوریٰ میں سے ایک ہیں جن سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم راضی تھے اور یہ ان دس اصحاب میں سے ایک ہیں جن کیلئے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جنت کی بشارت دی ہے یہ تمام غزوات میں شریک بجز بدر کے کیونکہ اس دن ان کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس قافلہ کی خبر لانے کیلئے (جو ابوسفیان اور قریش کا قافلہ تھا) سعید بن زید کے پاس بھیجا تھا۔ روز احد حضرت طلحہ نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خوب حفاظت و پاسبانی کی اور اتنی زیادہ مدافعت کی کہ ان کی انگلیاں شل ہو گئیں اس دن انہوں نے چوبیس زخم کھائے تھے۔

اہل سیر کہتے ہیں کہ اس دن ان کے جسم پر تیر و نیزے کے پچھتر زخم آئے تھے اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اس دن دوزرہ نہ بنے ہوئے تھے اور اس دن حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو بہت کوفت پہنچی تھی پھر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے چاہا کہ ایک پتھر پر چڑھ جائیں مگر چڑھ نہ سکے اور پھر حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کو اپنے لیے بٹھا کر قدم رکھ کر پتھر پر چڑھے اس پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کو مشرودہ دیا کہ ”اوجب طلحہ“ یعنی طلحہ رضی اللہ عنہ نے اپنے لیے اس عمل سے جنت واجب کر لی اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم

نہیں طلحہ رضی اللہ عنہ کو مشرودہ دیا کہ ”اوجب طلحہ“ یعنی طلحہ رضی اللہ عنہ نے اپنے لیے اس عمل سے جنت واجب کر لی اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم

رضی اللہ عنہ کیلئے تھا وہ جنگ جمل میں جمعرات کے دن جمادی الاخریٰ ۳۶ھ میں شہید ہوئے انہوں نے ساٹھ سال کی عمر پائی بعض نے
باسٹھ سال بعض نے چونسٹھ سال بتایا ہے اور کہا کہ ان کو مروان بن الحکم نے اپنے اس کینہ پر شہید کیا جو اسے ان سے پہلے سے تھا۔ اس نے
"ات اہل البیت" سے کھل کر کہا: "جملہ امم جمعہ گراہم" جملہ امم جمعہ... طلبہ رضی اللہ عنہم... ارجو انہوں نے اس کے ساتھ ساتھ صدقہ رضی اللہ عنہما کے



کا خطیب کہا جاتا تھا پہلے بیان ہو چکا ہے کہ بنو تمیم فخر کرتے اور اتراتے ہوئے آئے اور انہوں نے خطبے دیئے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ثابت رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ وہ ان کے خطبوں کا جواب دیں انہوں نے فی البدیہہ بلیغ خطبہ دیا اور تمام لوگ حیران و شرمندہ ہوئے۔

احوال اور ان کی شہادت ”خطباء رسول“ کے ضمن میں انشاء اللہ آئیں گے ان سے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ اور ان کے فرزندوں نے روایت لی ہے اور ان کی روایتیں بخاری ابوداؤد اور نسائی میں مذکور ہیں جنگ یمامہ میں حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کے ساتھ میلہ کذاب سے شدید جنگ لڑی اور شہادت پائی ان کی شہادت ۱۶ھ میں حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی خلافت کے زمانہ میں ہے۔

جب آسیہ کریمہ: یَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَرْفَعُوا أَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ نازل ہوئی تو حضرت ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ اپنے گھر میں بیٹھ رہے اور اپنے اوپر دروازے بند کر لیے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس شریف کی حاضری ترک کر دی چونکہ وہ جہیر الصورت یعنی بلند آواز والے تھے تا کہ ان سے بلند آوازی کا ارتکاب نہ ہو جس کی بنا پر اعمال رائیگاں ہو جائیں جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی مجلس مبارک میں ان کو ملاحظہ نہ فرمایا تو دریافت فرمایا کہ ثابت رضی اللہ عنہ نہیں آتے کیا حال ہے اور کیا بات ہوئی اور کہاں ہیں؟ پھر ایک شخص کو ان کے پاس بھیجا اس نے دیکھا کہ سر ڈالے بیٹھے ہیں اس شخص نے کہا تمہارا کیا حال ہے؟ حضرت ثابت رضی اللہ عنہ نے فرمایا میں بلند آواز والا آدمی ہوں میں ڈرتا ہوں کہ میری بلند آوازی سے میرے عمل ضائع نہ ہو جائیں پھر وہ شخص حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں آیا اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی خبر دی اور حقیقت حال عرض کی کہ وہ ایسا کہتے ہیں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جاؤ ان سے کہو کہ وہ ان لوگوں میں سے نہیں تم خیر کے ساتھ زندہ رہو گے اور خیر کے ساتھ وفات پاؤ

خدا کی قسم میں تم سے پہلے اسلام لایا ہوں اور خدا کی قسم میں تم سے خدا کے حضور جھگڑوں گا لیکن میں باپ کے ڈر سے اپنے اسلام کو چھپایا اور تم نے نہیں، جھماکا اسے ابن عساکر نے بیان کیا ہے اسی طرح اسی کی مانند حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ

Nafse Islam

WWW.NAFSEISLAM.COM

بھی یعنی عمرو سعید اور حکم جن کا عبداللہ نام رکھا گیا اسماء الرجال کی کتابوں میں مذکور ہیں استیعاب میں حضرت عبداللہ بن سعید العاص کا تذکرہ کرتے ہوئے کہا ہے کہ جاہلیت میں ان کا نام حکم تھا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا نام عبداللہ رکھا اور ان کو حکم فرمایا کہ وہ کتابت سیکھیں چنانچہ وہ خوشنویس ہوئے وہ بدر میں شہید ہوئے بعض کہتے ہیں کہ موتہ میں شہید ہوئے بعض نے کہا کہ جنگ یمامہ میں شہید ہوئے سعید بن العاص کے بعد جزی عاص کے جو کہ ان کے بیٹے تھے کوئی نہ رہا اور عاص کے ایک بیٹے ہیں جن کو سعید بن العاص اصغر کہتے ہیں اور سعید بن العاص الاکبر ان کے داد ہیں جو امیہ کا بیٹا ہے اور یہ سعید بن العاص الاصغر رضی اللہ عنہ ہیں جو ہجرت کے سال یا ہجرت کے ایک سال پہلے پیدا ہوئے اشراف قریش میں سے ہیں فصاحت و بلاغت اور سخاوت کے جامع تھے ان کو عکۃ العسل کہتے ہیں اور یہ اس جماعت کے ایک فرد ہیں جنہوں نے بحکم امیر المؤمنین سیدنا عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ قرآن کریم کے مصاحف لکھے۔

اہل سیر کہتے ہیں کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لہجہ میں زیادہ مشابہ تھے اور قرآن کی عربیت ان کی زبان پر خوب بخوبی تھی حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے ان کو کوفہ پر عامل بنایا اور طبرستان پر جہاد کیا اور اسے فتح کیا اور جرجان پر جہاد کیا اور فتح کیا اور آذربائیجان کو ۲۹ھ یا ۳۰ھ میں فتح کیا حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے بعد جب فتنے برپا ہوئے تو وہ گوشہ نشین ہو گئے اور جب حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی امارت مضبوط ہو گئی تو ان کو مدینہ طیبہ پر حاکم مقرر کیا گیا اس کے بعد ان کو معزول کر کے مروان کو حاکم بنایا پھر مروان کو معزول کر کے حضرت سعید رضی اللہ عنہ کو حاکم بنایا۔ اس کے بعد ان دونوں کے درمیان ولایت الہدی بدلتی رہی کبھی مروان کو لکھتے کہ سعید رضی اللہ عنہ کے گھربار کو تباہ کر دو اور کبھی سعید کو لکھتے کہ مروان کی املاک و جائیداد کو تباہ کر دو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے ان افعال پر دونوں حیرت و تعجب کرتے اور دونوں اس سلوک سے عاجز آ گئے تھے یہ سعید بن العاص الاصغر رسول اللہ رضی اللہ عنہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں دس مانوسال کے تھے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے آخر عہد ۵۷ھ یا ۵۹ھ میں وفات پائی۔

عنه بن الربیع کاتب اور ہیں اور غنیل ملائکہ حظلہ ورا بن ابی عامر راہب اور ہیں۔ (قندبر)

اہل سیر بتاتے ہیں کہ حضرت حظلہ رضی اللہ عنہ کاتب اکثم ضعیف منسوب بہ صیف کے برادر زادہ ہیں اور اکثم عرب کے دیہات میں سے سن رسیدہ تھے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کا زمانہ انہوں نے پایا ہے ان کی عمر ایک سو نوے سال کی تھی اور وہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری کی اپنی قوم کو بشارت و وصیت کیا کرتے تھے اور جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہوئے تو انہوں نے اپنی قوم کو جمع کیا اور ان کو بارگاہ رسالت میں ایمان لانے کیلئے بھیجا پھر مالک بن نویرہ یربوعی آگے آیا اور اس جماعت کو منتشر کر دیا۔ پھر اکثم نے اپنے بیٹے کو ایسے لوگوں کے ساتھ جو اس کی اطاعت کرتی تھی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بھیجا وہ قریش میں سے تھے۔ وہ راستہ میں ہی اختلاف کرنے لگے اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تک نہ پہنچے اکثم حکیم و دانائے شخص تھا ان کے کلمات میں سے ہے کہ جس شخص میں خیر نہیں ہے وہ کسی سے خیر کی توقع نہ رکھے اور یہ بھی ان کے کلمات میں سے ہے کہ جو شخص صاحب اقبال و دولت ہو جاتا ہے تو اس کی عقل اور اس کی تمنائیں اس کی خدمت کرتی ہیں اور جس پر ادا بار آتا ہے اور دولت جاتی رہتی ہے تو اس کی عقل دوسروں کی خدمت کرت ہے۔ حضرت حظلہ رضی اللہ عنہ اہل بصرہ کے ساتھ جنگ کرنے میں جنگ جمل میں حضرت علی مرتضیٰ سے تحلف کے اور ان کے ہمراہ نہ گئے ان کی حدیث اہل کوفہ میں ہے اور ان سے ابو عثمان نہدی اور زید بن اشجر نے روایت کی ہے اور اوائل عبد امیر معاویہ رضی اللہ عنہ میں فوت ہوئے۔

ابوسفیان بن حرب رضی اللہ عنہ: انہیں کاتبوں میں سے ابوسفیان بن حرب ہے ان کے دو بیٹے ہیں یزید رضی اللہ عنہ و معاویہ لیکن ابوسفیان اور ابو حظلہ بھی ان کی کنیت ہے یہ حرب بن امیہ بن عبد شمس بن عبد مناف کے بیٹے ہیں عام الفیل سے دس سال پہلے پیدا ہوئے اور جاہلیت میں اعیان قریش میں سے تھے اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ انتہائی عداوت اور حسد و عناد رکھتے تھے فتح مکہ کے دن اسلام لائے اور یہ حنین و طائف میں حاضر ہوئے یہ تمام حالات اپنی جگہ پہلے بھی گزر چکے ہیں ان کے حسن اسلام میں اختلاف کیا گیا ہے اور آثار و اخبار بھی مختلف مروی ہیں بعض حسن اسلام پر دلالت کرتے ہیں بعض عدم حسن اسلام پر چنانچہ مروی ہے کہ جب غزوہ حنین میں مسلمانوں پر انتشار و ہزیمت نے غلبہ کیا تو اس نے کہا ”بَطَلَ السَّحَرُ“ جادوؤں کا بارے میں جو کچھ علماء نے بیان کیا ہے ہم انہیں نقل کرتے ہیں شیخ ابو عمر بن عبد البر نے استیعاب میں دونوں خبریں کی خبریں نقل کی ہیں وہ فرماتے ہیں کہ ایک گروہ بیان کرتا ہے کہ جب ابوسفیان رضی اللہ عنہ اسلام لائے تو ان کا اسلام حسن ہو گیا حضرت سعید بن المسیب جو اکابر و قدما تبیین میں سے ہیں اپنے والد ماجد مسیب سے (جو صحابی ہیں) روایت کرتے ہیں انہوں نے کہا میں نے یرموک میں ابوسفیان رضی اللہ عنہ کو ان کے بیٹے یزید بن ابوسفیان رضی اللہ عنہما کے جھنڈے تلے دیکھا ہے چونکہ امیر المؤمنین سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے یزید کو امیر بنا کر علم سپرد کیا تھا اور ابوسفیان رضی اللہ عنہ کو ان کے ہمراہ کر دیا تھا تو میں نے کسی شخص کی آواز سنی جوڑتا جاتا ہے اور یَا نَصْرَ اللّٰہِ اَقْرُبْ اے اللہ کی مدد قریب ہو کہتا جاتا ہے پھر میں نے اسے غور سے دیکھا تو وہ ابوسفیان رضی اللہ عنہ تھے قال کر رہے تھے اور ”یَا نَصْرَ اللّٰہِ اَقْرُبْ“ کہتے جاتے تھے مروی ہے کہ ابوسفیان رضی اللہ عنہ جنگ یرموک میں گھوڑے سواروں کی جماعت پر کھڑے تھے اور کہہ رہے تھے اللہ اللہ تم عرب سوار ہو اور انصار اسلام ہو اور وہ رومی سوار ہیں نصرانی مشرک ہیں اے خدا! یہ دن تیرے دنوں میں سے ایک ہے اپنی مدد اپنے بندوں پر بھیج۔

شیخ ابن حجر رحمۃ اللہ اصابہ میں ایسی روایتیں بیان کرتے ہیں اور ساتھ ہی ایسی روایتیں بھی لاتے ہیں جو مخالف و بعید ہیں لیکن آخر میں فرماتے ہیں ”وَالْأَوَّلُ هُوَ الْأَصَحُّ“ پہلی روایتیں ہی زیادہ صحیح ہیں (واللہ اعلم)۔

استیعاب میں کہتے ہیں کہ ایک گروہ اس قسم کی روایتیں لاتا ہے جس سے منافقوں کی پشت پناہی اور اسلام سے دوری ثابت ہوتی ہے جاہلیت میں زندقہ سے منسوب تھے حسن سے روایت کی گئی ہے کہ ابوسفیان امیر المؤمنین سیدنا عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ کے پاس اس وقت آئے جبکہ وہ مسند خلافت پر جلوہ آرا تھے اور ابوسفیان رضی اللہ عنہ نابینا تھے اس نے کہا نیم وعدے کے بعد خلافت تماری طرف لوٹ کے آئی ہے لہذا بنی امیہ کو زیادہ سے زیادہ حکام بناؤ اور یہ حکومت ہی ہے اور میں جنت و دوزخ کچھ نہیں جانتا اس پر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اے ابوسفیان! یہ جو حکام بتا رہے ہیں ان سے بچنا۔

فرماتے ہیں کہ اس قسم کی ردی و شنیع باتیں ابوسفیان رضی اللہ عنہ کے مارے میں اور بھی مروی ہیں جن کو اہل اخبار نے بیان کیا ہے اور میں

ایسی کوئی وجہ نہیں پاتا کہ انہیں بیان کروں اس لیے کہ ان خبروں میں ایسی چیزیں ہیں جو دلالت کرتی ہیں کہ اس کا اسلام محفوظ و حسن نہیں تھا حالانکہ حضرت سعید بن المسیب کی حدیث اس کے اسلام پر دلالت کرتی ہے اصابہ میں کہا گیا ہے کہ وہ مؤلفۃ القلوب میں سے تھے اور اس سے پہلے احواد احزاب میں مشرکوں کے سربراہ تھے اور کہتے تھے اور کہتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو بحرین کا عامل بنایا تھا مگر یہ ثابت نہیں ہوا۔ اور ابن اسحاق نے کہا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو منات کے بت خانہ پر بھیجا یہاں تک کہ اسے منہدم جگر دیا ابن سعد نے بروایت ابوالسفر نقل کیا کہ انہوں نے کہا جب ابوسفیان نے روز فتح مکہ لوگوں کو دیکھا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے پیچھے چل رہے ہیں تو اس نے حسد کیا اور کہا کاش کہ یہ لوگ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر اپٹ پڑیں اس پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے سینہ پر ہاتھ مار کر فرمایا: اللہ تعالیٰ اب تجھے رسوا کرے اس پر ابوسفیان رضی اللہ عنہ نے کہا ”اَسْتَغْفِرُ اللہَ وَاتُوبُ اِلَیْہِ“ جو بات یا خیال میرے دل میں آیا تھا اسے میں اپنی زبان پر تو نہیں لایا تھا اور جب روز فتح حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جبکہ وہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے ساتھ تھے فرمایا کیا ابھی تیرے لیے وقت نہیں آیا ہے کہ تو گواہی دے کہ لَا اِلَہَ اِلَّا اللہُ تو وہ خاموش رہا پھر جب کہا کیا ابھی تیرے لیے وقت نہیں آیا ہے کہ تو گواہی دے ”محمد رسول اللہ“ تو اس نے کہا ابھی مجھے اس پر یقین نہیں آیا ہے اور میں ابھی شبہ میں ہوں ایک روایت میں آیا ہے کہ ابوسفیان رضی اللہ عنہ نے اپنے دل میں کہا کس چیز سے محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہم پر غالب آتے ہیں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا خدا کی مدد سے غالب آتے ہیں اس وقت اس نے کہا میں گواہی دیتا ہوں کہ بلاشبہ آپ اللہ کے رسول ہیں۔

اہل سیر بیان کرتے ہیں کہ طائف کے روز ابوسفیان رضی اللہ عنہ کی آنکھ میں ایک تیرگا تو اس نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ ان کی نماز جنازہ پڑھی ایک قول یہ ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے ان کی نماز جنازہ پڑھی اور بقیع میں مدفون ہوئے ان کی عمر اٹھاسی سال کی تھی ایک قول یہ ہے کہ اوپر نوے سال کی تھی اور بھی کئی قول ہیں۔

یزید بن ابوسفیان رضی اللہ عنہما: انہیں کا تان بارگاہ رسالت میں سے یزید بن ابوسفیان رضی اللہ عنہ تھے یہ روز فتح مکہ اسلام لائے اور حنین میں حاضر ہوئے کہتے ہیں کہ ابوسفیان رضی اللہ عنہ کے فرزندوں میں یہ بہترین شخص تھے ان کو یزید الحرمی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں ان کو رسول اللہ نے بنی اعراس کے صدقات کا عامل بنایا اور یہ قوم ان کی احوال میں سے تھی اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ان کو ۱۲ھ میں عامل بنایا اور عمرو بن العاص ابوعبیدہ بن الجراح اور شرجیل بن حسنہ رضی اللہ عنہم کو فلسطین کی طرف بھیجا اور ان کو حکم دیا کہ وہ بلقاء پر جائیں ہر ایک کا ان میں جدا جدا معاملہ تھا بعض گمان کرتے ہیں کہ عمرو بن العاص رضی اللہ عنہم ان سب پر امیر تھے اس کے بعد حق تعالیٰ نے اعدائے دین کو ۱۳ھ میں شکست دی جب حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ خلیفہ راشد بنائے گئے تو انہوں نے حضرت ابوعبیدہ بن الجراح رضی اللہ عنہ کو امیر بنایا تو حق تعالیٰ نے شامیوں پر فتح عطا فرمائی اور یزید بن ابوسفیان بن الجراح کو فلسطین اور اس سے گرد و نواح پر حاکم مقرر فرمایا اور جب حضرت ابوعبیدہ بن الجراح رضی اللہ عنہ نے وفات پائی تو حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو قائم مقام بنایا اور جب حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ نے وفات پائی تو ابوسفیان رضی اللہ عنہ کو حاکم بنایا جب وہ بھی وفات پا گئے تو یزید بن ابی سفیان کو حاکم بنایا جب انہوں نے بھی وفات پائی تو ان کے بھائی امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو والی بنایا۔ ان سبھوں نے طاعون کی وبا سے وفات پائی جو ۱۸ھ میں پھیلی تھی۔

ارباب سیر بیان کرتے ہیں کہ یزید بن ابوسفیان رضی اللہ عنہ نے ایک دن اپنے پیٹ کی طرف نظر ڈالی دیکھا کہ اس کی سطح بلند ہو گئی ہے اس پر درہ اٹھا کر فرمایا کہ او میری کھال تو کافر ہو گئی ہے؟ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ ۱۹ھ اور ۲۰ھ سے حضرت عبداللہ اشعری اور عمار اشعری نے روایت کی ہے یزید بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ نے ۷۱ھ

میں وفات پائی ہے۔

امیر معاویہ بن ابوسفیان رضی اللہ عنہما: انہیں کا تان بارگاہ رسالت میں سے ایک حضرت امیر معاویہ بن ابوسفیان رضی اللہ عنہ ہیں ان کی کنیت ابوعبدالرحمن تھی وہ اور ان کے والد اور ان کے بھائی فتح مکہ کے مسلمانوں میں سے مولفۃ القلوب میں سے ہیں۔ اہل سیر بتاتے ہیں کہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا اسلام لانا قبل از فتح مکہ اور قبل از تشریف آوری سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم برائے فتح مکہ ہے وہ بدر سے پہلے گئے اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا طریقہ معلوم کیا اور اسلام لائے مروی ہے فرمایا کہ میں عمرۃ القضاء کے دن اسلام لایا اور میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مسلمان ہونے کی حالت میں ملاقات کی اور یہ ان اصحاب میں سے ایک ہیں جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خط و کتابت کیا کرتے تھے اور بعض کہتے ہیں کہ وحی لکھا کرتے تھے بلکہ وہ خطوط و فرامین کی کتابت کرتے تھے اور ملک شام کے والی اپنے بھائی یزید بن ابوسفیان رضی اللہ عنہما کے بعد حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں حاکم بنائے گئے اور ملک شام کی حکومت ۱۰۱ھ کے قضا میں جو اسی سال ربیع الثانی میں سے چار سال دور فاروقی میں اور خلافت عثمانی اور خلافت

میں نقوہ کا عارضہ لاحق ہو گیا تھا وہ آخر عمر میں کہا کرتے تھے کہ کاش میں وادی ذی طوی میں پڑا ہوا قریش کا ایک شخص ہوتا ذی طوی قبرستان معلیٰ کے قریب مکہ کے باہر ایک جگہ کا نام ہے۔

اہل سیر کہتے ہیں کہ ان کے پاس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی چادر مبارک اور قمیص مبارک اور چند موہبائے شریف اور ناخن ہائے شریف تھے انہوں نے وصیت کی کہ مجھے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی قمیص مبارک پہنا کر چادر شریف میں لپیٹ کر اور آپ کی ازار مبارک دے کر کفننا اور میری ناک منہ اور مواضع جود میں موہبائے مبارک اور تراشہائے ناخن شریف رکھ کر رحم الرحیمین کے سپرد کر دینا دیگر ان کے احوال معلوم و مشہور اور مذکور و مسطور ہیں علامہ سیوطی رحمۃ اللہ کا ایک رسالہ ہے جس کا نام ”ادائل“ ہے اس میں انہوں نے ان چیزوں کا بیان کیا ہے جو امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے ایجاد کیں انہیں ان سے پہلے خلفاء میں سے کسی نے نہ کیا تھا حضرت علی مرتضیٰ اور امیر معاویہ رضی اللہ عنہما کے درمیان اختلاف کی بنیاد حضرت عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ کی شہادت تھی امیر معاویہ کہتے اور ام المؤمنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا بھی ان کی موافقت میں کہتیں کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے قاتلوں سے قصاص لینے میں عجلت کرنی چاہیے تاکہ لوگوں کو خلفاء و رجرات نہ ہو مگر حضرت علی مرتضیٰ نے در اور تاخیر میں مصلحت دیکھی تاکہ ام خلافت میں خلل واقع نہ ہو اور اختلاف

کی بنیاد یہ بات ہے جس کے بارے میں علماء یہ فرماتے ہیں کہ اختلاف کی بنیاد اجتہاد کی غلطی تھی اس کے بعد حضرت علی مرتضیٰ نے امیر معاویہ کو معزول کر دیا اور روز بروز مخالفت بڑھتی گئی یہاں تک کہ جو کچھ نہ ہونا چاہیے تھا وہ ”إِنَّا لِلّٰهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ“ علامہ سیوطی نے مسند امام احمد سے عرابض رضی اللہ عنہ بن ساریہ کی روایت نقل کی ہے کہ انہوں نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اَللّٰهُمَّ عَلِّمْنَا مَعَاوِيَةَ الْكِتَابَ وَالْحِسَابَ وَفِيهِ الْعَذَابُ اے خدا معاویہ کو کتاب اور حساب کا علم سکھا اور اسے عذاب سے محفوظ رکھ۔

ابن ابی شیبہ اور طبرانی نے ملک بن عمیر سے روایت کی ہے انہوں نے کہا کہ امیر معاویہ کہتے ہیں میں ہمیشہ امارت کا خواہشمند رہا اس کے بعد مجھ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اِذَا مَلَكَتْ فَاْخِصْنِ ”جب تم حاکم بنائے جاؤ تو حسن سلوک کرنا ایک روایت میں آیا ہے ”واسمہ چشم پوش اور غفور و درگزر کرنا“ محدثین فرماتے ہیں کہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی فضیلت میں کوئی حدیث ثابت نہیں ہوئی ہے (واللہ اعلم)۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے منقول ہے کہ آپ نے فرمایا معاویہ رضی اللہ عنہ کی امارت کو ناپسند و مکروہ نہ جانو اگر وہ نہ ہوں تو بہت سے لوگوں کے سران کے جسموں سے اتر جائیں اس سے ان وقائع و شائع کی طرف اشارہ کیا ہے جو ان کے بیٹے یزید یلید کے زمانہ سے تعلق رکھتے ہیں۔

حضرت زید بن ثابت انصاری: انہیں کاتبان بارگاہ رسالت میں سے حضرت زید بن ثابت بن خضاک انصاری بخاری رضی اللہ عنہ ہیں ان کی کنیت ابوسعید یا ابو ثابت ہے یہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی وحی لکھا کرتے تھے اور وہ اجلہ فقہائے صحابہ سے اور عالم یہ فرائض تھے جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت کر کے تشریف لائے تو گیارہ سال کے تھے غزوہ بدر میں (غالباً کم سنی کی بنا پر) حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو شامل نہ کیا احد اور اس کے بعد تمام غزوات میں حاضر شریک رہے بعض کہتے ہیں کہ ان کا سب سے پہلا جہاد خندق ہے انہوں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ابو بکر عثمان رضی اللہ عنہما سے حدیث بیان کی ہے اور ان سے صحابہ کی جماعت کثیرہ نے حدیث لی مثلاً حضرت ابو ہریرہ ابوسعید انس سہیل بن سعد وغیرہ رضی اللہ عنہم تابعین میں سے حضرت سعد بن المسیب ان کے فرزند خارجہ و سلمان و قاسم محمد وغیرہ نے روایت کی اور یہ ان اصحاب میں سے ہیں جنہوں نے عہد خلافت صدیقی میں جمع قرآن کیا اور عہد خلافت عثمانی میں مصاحفہ بنوائی۔

قرآن سے معذوری ظاہر کی کہ تم نو جوان اور عقلمند ہو میں تم پر اتہام نہ رکھوں گا ان کے فرزند خارجہ بن زید اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ طیبہ میں ورنق افروز ہوئے تو مجھے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں لایا گیا اور کہا گیا کہ یہ بنی نجار کا لڑکا ہے اس نے قرآن کی ستر سورتیں یاد کی ہیں میں نے ان کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے آگے پڑھا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم میری قرأت سے خوش ہوئے اور فرمایا اے زید رضی اللہ عنہ یہود کی خط و کتابت سیکھ لو کیوں کہ مجھے یہود کی کتابت پر اعتماد نہیں ہے ممکن ہے کہ وہ کم و زیادہ کر دیں پھر میں نے سریانی زبان کو سیکھا اور پندرہ دن نہ گزرے تھے کہ میں اس میں ماہر ہو گیا اس کے بعد میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خط و کتابت لکھا کرتا جب ان کی طرف کوئی خط یا فرمان بھیجنا ہوتا یا ان کی طرف سے کوئی مراسلہ آتا تو میں ہی اسے پڑھ کر سناتا تھا۔

سلیمان بن یسار سے مروی ہے وہ فرماتے ہیں کہ حضرت عمر اور حضرت عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہما کسی کو حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ پر قضا فتویٰ فرائض اور قرأت میں ترجیح نہ دیتے تھے قاسم بن محمد روایت کرتے ہیں کہ حضرت عمر فاروق اللہ عنہ اپنے سفر میں حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کو اپنا قاسم مقام خلیفہ مقرر کرتے تھے اور فرماتے مجھ پر زید رضی اللہ عنہ کا مقام ساقط نہیں ہے لیکن اہل شہر ان کے محتاج ہیں نیز ان کے پاس علم قضا اور فتویٰ اتنا وافر ہے کہ کسی دوسرے میں اتنا نہ ہوگا۔

سالم بن عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہم سے منقول ہے کہ انہوں نے اس دن جس روز زید بن ثابت رضی اللہ عنہ نے وفات پائی فرمایا

ہیں اور ان کی نسبت ان پر غالب ہو گئی ہے ابن ماجہ نے ان سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک حدیث روایت کی ہے جو نماز میں ترک طہانیت کی وعید پر ہے اور اس کا ذکر اس حدیث میں ہے جس میں نجاشی نے سیدہ ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کا عقد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کیا تھا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اپنا سفیر بنا کے مصر بھیجا ابھی وہ مصر میں ہی تھے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے رحلت فرمائی انہوں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے حدیث بیان کی اور ان سے ان کے بیٹے ربیعہ نے روایت لی ان کی کتابت کا کوئی تذکرہ معلوم نہ ہوا ممکن ہے کہ اسی سفارت مصر کے ضمن میں ہی کتابت کیلئے ان سے فرمایا ہو۔ (واللہ اعلم)

حضرت علاء الحضر می رضی اللہ عنہ: انہیں کا تان بارگاہ رسالت میں سے ایک حضرت العلا الحضر می ہیں یہ مشہور صحابی ہیں یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے بحرین پر عامل مقرر ہوئے تھے اور حضرت ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما نے بھی ان کو برقرار رکھا تھا یہاں تک کہ ۱۴ھ میں انہوں نے وفات پائی بعض کہتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان کو ارض بصرہ کا حکم بنایا اور ارض بنی تمیم میں اس سن میں وفات پائی بعض کہتے ہیں ۱۱ھ بحرین میں وفات پائی ان کے بعد ان کی جگہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو حاکم مقرر کیا۔

ان کے نام اور ان کے نسب میں علماء بہت زیادہ اختلاف رکھتے ہیں لیکن اس پر سب کا اتفاق ہے کہ وہ حضرموت کے رہنے والے تھے جیسا کہ جامع الاصول میں ہے اور کاشف میں ہے کہ وہ بنی امیہ کے حلیف تھے اور ان کے دس بھائی تھے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ اور ان کے سوا اور حضرات بھی بیان کرتے ہیں کہ علاء الحضر می رضی اللہ عنہ چند کلمات پڑھ کر دریا میں داخل ہوئے اور پار نکل گئے ان کی یہ حکایت بہت مشہور ہے وہ کلمات یہ تھے ”یا حلیم یا حلیم“ وہ مستجاب الدعوات تھے۔

حضرت خالد بن ولید: انہیں کا تان بارگاہ رسالت میں سے حضرت خالد بن ولید بن مغیرہ بن عبد اللہ بن عمرو بن مخزوم قرشی سیف اللہ ابوسلیمان رضی اللہ عنہ ہیں ان کی والدہ لبابہ رضی اللہ عنہا صغری بنت الحارث الہمالیہ بہن لبابہ رضی اللہ عنہا کبریٰ زوجہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ بن عبد المطلب ہیں یہ دونوں بہنیں ام المومنین حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کی بہنیں تھیں حضرت خالد رضی اللہ عنہ اشرف داعیان قریش میں سے جاہلیت کے زمانہ میں تھے اور دور جاہلیت میں گھوڑوں کی عنان ان کے ہاتھ میں تھی یہ کافروں کے ساتھ عمرہ حدیبیہ تک رہے خصوصاً غزوہ احد میں مشرکوں کے لشکر کے مقدمہ آگیش تھے ۷ھ میں خیبر کے بعد غزوہ موتہ سے دو ماہ پہلے اسلام لائے اور غزوہ موتہ کی فتح انہیں کے ہاتھ پر واقع ہوئی خدا کے دین میں ان کی مساعی جمیلہ اور ان کی تقویت و تائید رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات ظاہرہ اور بعد وفات بہت ہیں ان کے اسلام لانے کا قصہ اور ان کے لشکر و غزوات پہلے ہی اپنے اپنے مقامات میں ۷ھ میں بیان کیے جا چکے ہیں۔

ترمذی میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے وہ فرماتے ہیں کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک منزل میں ٹھہرے ہوئے تھے اس کے بعد لوگ ایک ایک کر کے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے سے گزرے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم دریافت کرتے یہ کون ہے یہ کون ہے؟ جواب دیا جاتا کہ یہ فلاں ہے یہ فلاں ہے یہاں تک کہ حضرت خالد رضی اللہ عنہ گزرے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا یہ کون ہیں میں نے عرض کیا یہ خالد بن ولید رضی اللہ عنہ ہیں؟ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ خدا کا نیک بندہ ہے اور اللہ کی تلواروں سے ایک تلوار ہے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے جب مرتدین کی سرکوبی کیلئے حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو بھیجا اور انہیں علم عطا فرمایا تو فرمایا میں نے رسول اللہ رضی اللہ عنہ کو فرماتے سنا ہے کہ: **لَنْ نَعْمَ عَبْدًا لِلَّهِ وَأَخُو الْعَشْرَةِ خَالِدُ بْنُ الْوَلِيدِ سَيْفٌ مِّنْ سُبُوفِ اللَّهِ** اور انہوں نے اس تلوار کو کافروں پر کھینچا ہے۔

مروی ہے کہ حضرت بن ولید رضی اللہ عنہ نے اپنی ٹوپی کو جنگ یرموک میں گم کر دیا پھر انہوں نے حکم دیا کہ اسی ٹوپی کو ڈھونڈ اور خوب تلاش کرو انہوں نے اسے بہت تلاش کیا مگر یہ نہ ملی اس کے اس بعد اس کی تلاش میں بہت زیادہ کوشش کی بالآخر وہ ٹوپی مل گئی لوگوں نے دیکھا کہ وہ تو بہت پرانی اور بوسیدہ ہے اس پر لوگوں نے کہا یہ ہے وہ ٹوپی جس کی اتنی جستجو تھی اس کیلئے اتنی کدو کاوش اٹھانے کی کیا وجہ ہے؟ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عمرہ کیا تھا اور اپنے سر مبارک کا حلق فرمایا تھا اس پر لوگوں نے مویہائے مبارک لینے میں عجلت کی اور میں نے پیشانی مبارک کے موثریف کے لینے میں سبقت کی پھر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان مویہائے مبارک کو اس ٹوپی میں محفوظ کر کے مجھے عنایت فرمادیا اس کے بعد میں جس جنگ میں بھی شریک ہوا یہ ٹوپی میرے ساتھ رہی اور حق تعالیٰ نے مجھے اس کی برکت سے بے جگہ فتح و نصرت عطا فرمائی مروی ہے کہ حضرت خالد رضی اللہ عنہ جب جرہ کے پاس پہنچے تو ان کے سامنے زہر لایا گیا آپ نے اسے اپنی ہتھیلی پر رکھا اور پی گئے اس زہر نے کوئی ضرر نہ پہنچا یا نیز مروی ہے کہ حضرت خالد رضی اللہ عنہ کے پاس ایک شخص آیا جس کے پاس شراب کا بھرا ہوا مشکیزہ تھا انہوں نے اس سے پوچھا اس مشکیزے میں کیا ہے اس نے کہا کہ سرکہ ہے انہوں نے کہا اے خدا

عنہ فرمایا کرتے کوئی رات میرے نزر یک مہاجرین کے لشکر میں سخت تاریک رات سے زیادہ محبوب نہیں ہے ایک روایت میں ہے کہ فرمایا کوئی رات ایسی نہیں ہے جس میں مجھے اس رات کوئی دہن دی جائے یا کسی بچے کی ولادت کا مژدہ سنایا جائے اور وہ مجھے اس شب تاریک سے زیادہ محبوب ہو جو لشکر میں آئے وہ فرمایا کرتے مجھے قرآن کریم کی زیادہ تعلیم نے جہاد سے باز رکھا جب بھی حضرت خالد رضی اللہ عنہ کے پاس مال آتا وہ فوراً اسے تقسیم کر دیتے تھے اور اس کا کچھ حساب حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کو نہ بھیجتے تھے اس پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت صدیق رضی اللہ عنہ سے کہا کہ آپ حضرت خالد رضی اللہ عنہ کو لکھ بھیجے کہ بغیر اجازت کسی کو کچھ نہ دیجئے حضرت صدیق رضی اللہ عنہ نے خالد رضی اللہ عنہ کو ایسا ہی لکھ دیا حضرت خالد رضی اللہ عنہ نے ان کو اس کا یہ جواب لکھا کہ یا تو مجھے میرے حال پر چھوڑ دیجئے میں جو چاہوں کروں اور جس کو چاہوں دوں ورنہ تم جانو اور تمہارا کام چوں کہ ان کے مزاج میں تندہی و تیزی و برتری اور خلق سے یکسوئی تھی جیسا کہ بہادر وں میں ہوتا ہے چنانچہ ایک مرتبہ کا واقعہ ہے انہوں نے حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ کو سخت و ست کہا حضرت عمار رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں نے قصد کیا ہے کہ تم سے بات نہیں کروں گا اس کے بعد حضرت عمار رضی اللہ عنہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور حضرت خالد رضی اللہ عنہ کی شکایت کی اس پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے خالد! تمہیں عمار

موقعہ مل گیا چونکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور ان کے مابین بہت دنوں سے کوئی چیز تھی انہوں نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے کہا خالد رضی اللہ عنہ کو معزول کرو، اے کویتے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا کون سے جو حاکم میری طرف سے حضرت خالد کو نہ خیر

WWW.NAFSEISLAM.COM

باہر جائیں پھر صحابہ کرام حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پاس آئے انہوں نے کہا کیا بات ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ آپ کے پاس سے باہر جا رہے ہیں حالانکہ آپ کو ان کی ضرورت ہے اور کیا بات ہے کہ آپ خالد رضی اللہ عنہ کو معزول کر رہے ہیں۔ حالانکہ وہ عظیم کارہائے نمایاں سرانجام دے رہے ہیں اس پر حضرت صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا بتاؤ میں کیا کروں انہوں نے کہا آپ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو حکم دیجئے کہ باہر نہ جائیں یہیں ٹھہرے رہیں اور حضرت خالد رضی اللہ عنہ کو لکھ دیجئے کہ اپنے عمل پر مستقیم رہو چنانچہ حضرت صدیق رضی اللہ عنہ نے ایسا ہی کیا پھر جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ فاروق خلیفہ ہوئے تو حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے حضرت خالد رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ باہر نہ جاؤ اور یہاں رہو۔

تلوار میں منہ ہے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ظاہر میں اس کی تاویل کی اور کہا کہ اس نے خطا کی ہے اس کی کشیدہ تلوار پر کوئی گناہ نہیں ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے مشرکوں پر کھینچا ہے اس بعد حضرت صدیق رضی اللہ عنہ نے حضرت خالد کو اپنے پاس بلایا جب وہ مدینہ میں آئے تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو دیکھا کہ تنہا ہیں اور حضرت عمرو بن لاہق نہیں ہیں پھر حضرت خالد سے مالک کے قتل کا سبب پوچھا۔ حضرت خالد رضی اللہ عنہ نے اس کا سبب بیان کیا پھر حضرت صدیق رضی اللہ عنہ نے پوچھا اس کی بیوی سے کیوں نکاح کیا انہوں نے کہا وہ بغیر شوہر کی عورت تھی میں نے اس کو پیام بھیجا پھر حضرت خالد رضی اللہ عنہ نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے کہا کیا تم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد نہیں سنا ہے کہ فرمایا: خَالِدٌ سَيِّفٌ مِّنْ سَيِّفِ اللَّهِ وَهَلْ يَجْرِي سَيْفُ اللَّهِ إِلَّا عَلَى الْحَقِّ خالد رضی اللہ عنہ اللہ کی تلواروں میں سے ایک تلوار ہے اور وہ حق کے سوا کسی پر نہیں چلتی یہ کہا اور باہر نکل آئے جب وہ باہر نکل رہے تھے تو سامنے سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ پہنچ گئے انہوں نے ان کا حال پوچھا حضرت خالد رضی اللہ عنہ نے کہا مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلیفہ نے رخصت کر دیا ہے اور مجھے وہیں بھیج دیا ہے جہاں میں تھا اس وقت حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے دل کی بات خالد رضی اللہ عنہ سے مخفی رکھی جب خلیفہ ہوئے تو حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے حضرت خالد رضی اللہ عنہ کو بلایا اور زبرد شدت فرمائی وہی عذر جو انہوں نے حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کے سامنے بیان کیا تھا حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ سے بیان کر دیا حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا تمہت کے مقام پر تقویٰ کو اختیار کیوں نہ کیا بہر حال معاف کیا اور شفقت فرمائی اور کہا کہ رحم اللہ خالد اللہ تعالیٰ پر رحم فرمائے اور فرمایا میں حضرت خالد رضی اللہ عنہ پر عتاب نہ کرتا مگر اس کی وجہ یہ تھی کہ انہوں نے حال پر زیادتی کی بعض روایتوں میں آیا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا حضرت خالد رضی اللہ عنہ نے عظیم کا کارنامہ سرانجام دیئے ہیں میں ڈرتا ہوں کہ ان کے دل میں عجب اپنا سرانہ اٹھائے۔

جب حضرت خالد رضی اللہ عنہ کی وفات کا وقت قریب آیا تو انہوں نے کہا سبحان اللہ میں سو یا سو سے زیادہ جنگوں میں شریک رہا ہوں اور میرے جسم میں ایک بالشت برابر بھی ایسا حصہ نہیں ہے جہاں نیزہ و تلوار اور تیر کے زخم نہ لگے ہوں مگر آج میں اس حال میں جان دے رہا ہوں جیسے اونٹ مرتا ہے حضرت خالد رضی اللہ عنہ کی وفات حمص میں ہوئی اور بعض مدینہ طیبہ میں ۲۱ھ یا ۲۳ھ میں بزمانہ خلافت فاروقی بتاتے ہیں حضرت خالد رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ سے وصیت کی کہ ان کا تمام اسلحہ اور گھوڑے خدا کی راہ میں کام آئیں پھر حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ حضرت خالد رضی اللہ عنہ کے جنازہ پر آئے۔ حسب: حضرت عمر رضی اللہ عنہ یہاں پہنچے تو دیکھا کہ ان کے گھر میں بنی مغیرہ کی عورتیں جمع ہیں اور حضرت خالد رضی اللہ عنہ بن ولید پرور رہی ہیں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کوئی مضا ثقہ نہیں ہے ان پر کہ وہ حضرت خالد رضی اللہ عنہ کیلئے روئیں بجز اس بات کے کہ اس میں فریاد اور نو حد نہ ہو یہ روایت دلالت کرتی ہے کہ حضرت خالد رضی اللہ عنہ کی وفات مدینہ طیبہ میں ہوئی۔

محمد بن سلام نے کہا ہے کہ بنی مغیرہ کی کوئی عورت ایسی باقی نہ رہی جس نے حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کی قبر کے پاس اپنے سر کے بال نہ ترشوائے اور یہ زمانہ جاہلیت کے قریب ہونے کی وجہ سے تھا اور بنی مغیرہ میں زمانہ جاہلیت کی رسوں کا بہت غلبہ تھا اور خود ولید بن مغیرہ جو حضرت خالد رضی اللہ عنہ کے باپ ہیں شدید کافر اور قریش کے جاہل ترین آدمی تھے اور ان میں حضرت خالد رضی اللہ عنہ ہی ایسے تھے جنہوں نے اسلام کی توفیق پائی اور اس مرتبہ پر فائز ہوئے۔ (رضی اللہ عنہ)

حضرت خالد رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی ہے اور ان سے ابن خالد ابن عباس رضی اللہ عنہ علقمہ اور جبیر بن نفیر رضی اللہ عنہ نے روایت لی ہے۔

محمد رضی اللہ عنہ بن مسلمہ: انہیں کا تباہ بارگاہ رسالت میں سے حضرت محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہا ہیں ان کا تذکرہ پاسبان رسالت کے ضمن میں گزر چکا ہے ظاہر ہے کہ یہ دونوں طبقوں سے تعلق رکھتے تھے۔

عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ: انہیں کا تباہ بارگاہ رسالت میں سے عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ ہیں ان کی کنیت ابو محمد ہے یہ انصاری خزرجی سابقین اولین میں سے اور انصار کے نقباء میں سے ایک ہیں بعض حضرت ان کی کنیت ابو محمد اور ابو رواحہ بتاتے ہیں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے اور حضرت مقداد رضی اللہ عنہ کے درمیان مواخاۃ فرمائی تھی وہ جاہلیت میں عظیم المرتبت تھے عقبہ بدر احد خندق اور تمام غزوات میں شریک ہوئے بجز فتح مکہ اور اس کے بعد کے غزوات کے اس بنا پر کہ وہ غزوہ موتہ میں ۸ھ میں شہید ہو گئے تھے منقول ہے کہ رسول اللہ نے جب مسلمانوں کو موتہ کیلئے رخصت فرمایا تو مسلمان دعا کرتے اور ندا کرتے تھے کہ سلامتی کے ساتھ جاؤ اور سلامتی کے ساتھ واپس آؤ لیکن ان حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ نے کہل

لکنی اسأل الرحمن مغفرة و ضربہ ذات فرع تقذف الزند

یہ شہادت طالب اور اس کے مشاق بن کر نکلے تھے جیسا کہ پہلے بیان میں گزر چکا ہے یہ شعرائے اسلام میں سے تھے اور کفار کی ایذاؤں کو رسول اللہ کی جانب سے ان کی طرف لوٹاتے تھے اور جواب دیتے تھے ان کے اور ان دونوں صحابہ حضرت حسان بن ثابت اور کعب بن مالک رضی اللہ عنہم کے بارے میں یہ آیت کریمہ نازل ہوئی۔

إِلَّا الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ وَذَكَرُوا اللَّهَ كَثِيرًا وَانْتَصَرُوا مِنْ بَعْدِ مَا ظَلَمُوا.

”مگر وہ لوگ جو ایمان لائے اور نیک عمل کیے اور اللہ کا بہت زیادہ ذکر کیا اور بدلہ لیا اس کا جو ان پر ظلم ہوا۔“

حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ سے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ اور انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں اور ان سے تابعین کی ایک جماعت نے مثلاً ابوسلمہ بن عبد الرحمن اور عکرمہ وغیرہ نے روایت لی ہے وہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی کتابت کیا کرتے تھے اور وہی فتح بدر کی بشارت مدینہ لے کر آئے تھے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو تیس سواروں کے ساتھ اسید بن ازام یہودی کی طرف خیبر بھیجا انہوں نے ہی اسے قتل کیا تھا حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا عبداللہ بن رواحہ بہت اچھے آدمی ہیں یہ حدیث طویل ہے اور حضرت انس سے مروی ہے انہوں نے کہا کہ حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ جب کسی صحابی سے ملے تو ان سے کہتے بیٹھو تا کہ میں اپنے رب تبارک و تعالیٰ کی کچھ دیر یاد کروں (الحديث) اور بیہقی نے بسند صحیح بروایت ثابت از ابویعلیٰ روایت کیا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم خطبہ دے رہے تھے کہ حضرت عبداللہ بن رواحہ داخل ہوئے اس وقت حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فرما رہے تھے کہ بیٹھ جاؤ۔ حضرت عبداللہ بن رواحہ وہیں بیٹھ گئے حالانکہ وہ مسجد کے باہر ہی تھے پھر جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم خطبہ سے فارغ ہوئے تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا اللہ تعالیٰ تمہیں اسے رسول کی فرمانبرداری کی اور زیادہ توفیق بخشے ایک شخص نے حضرت عبداللہ بن رواحہ کی

لو لم یکن فیہ آیات مینہ کانت بدہیۃ بینک بالخیر
اس شعر میں ایک قسم کی تبلیغ ہے جو اس آیت کریمہ میں حق تعالیٰ کا ارشاد ہے یَسْكَادُ زَيَّتُهَا يُضِيءُ وَلَوْ لَمْ تَمْسَسْهُ نَارٌ جِیسا کہ ایک رسالہ میں آیت کریمہ اَللّٰهُ نُورُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ کی تفسیر میں وضاحت کی گئی ہے۔

حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ: انہیں کا تباں بارگاہ رسالت میں سے حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ مشہور صحابی ہیں ان کو کاتبوں کے ضمن میں بھی بیان کیا گیا ہے اور مواہب لدنیہ میں پاسبان بارگاہ رسالت میں بھی شمار کیا گیا ہے۔ مروی ہے کہ حدیبیہ کے روز وہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سر ہانے شمشیر برہنہ لیے کھڑے تھے جیسا کہ مذکور ہو چکا ہے اور تقریباً اسی جگہ عروہ بن مسعود ثقفی کے ساتھ مغیرہ کے ابتدائے اسلام کی حکایت بھی مذکور ہے نیز معلوم ہوا ہے کہ یہ ان صحابہ کرام میں سے تھے جن کے بارے میں اہل سنت و جماعت برا کہنے اور زبان طعن دراز کرنے سے ان کی فضیلت اور صحابیت کے حق کی بنا پر روکتے ہیں اور جو کچھ کہ اہل سیر نے بیان کیا ہے ہم اسے بیان کرتے ہیں۔

مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ وہ ابو عبد اللہ ہیں اور کہا گیا ہے کہ ان کی کنیت ابو عیسیٰ بھی ہے یہ مغیرہ بن شعبہ بن ابی عاثق بن مدینہ طیبہ میں آ کر عام الحندق میں اسلام لائے اور بعض کہتے ہیں کہ ان کا سب سے پہلا واقعہ حدیبیہ ہے ان کی کنیت ابو عیسیٰ بھی ہے ان سے ان کی اولاد عروہ حمزہ اور ان کے غلام حررا اور ابو بردہ بن ابی موسیٰ اشعری و شععی وغیرہ جماعت کثیرہ نے روایت کیا ہے۔ اصاحبہ میں ہے کہ وہ حدیبیہ سے پہلے اسلام لائے اور بیعتہ الرضوان میں حاضر ہوئے اس جگہ ان کا تذکرہ ہے اور وہ عرب سے تھے یعنی سخت محنت و مشقت کا

کہ حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ ۸ھ میں نجاشی کے پاس سے مسلمان آئے تھے اور وہ اسلام نجاشی کے پاس ہی قبول کر چکے تھے اور دین اسلام کے معتقد ہو گئے تھے اس لیے کہ نجاشی نے ان سے کہا۔

اے عمرو رضی اللہ عنہ! تمہارے ابن عم کا دین تم پر کیسے مخفی ہے خدا کی قسم وہ سچے خدا کے رسول ہیں انہوں نے ان سے کہا کیا تم یہ بات حق و صداقت اور یقین سے کہتے ہو۔ نجاشی نے کہا خدا کی قسم میں یقین سے کہتا ہوں اس کے بعد وہ نجاشی کے پاس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور حاضری کے قصد سے فتح مکہ سے چھ ماہ قبل نکلے بقیہ احوال سرایا کے ضمن میں پہلے ہی گزر چکا ہے یہاں اس کے اعادہ کی ضرورت نہیں ہے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد یہ حضرت عمر فاروق عثمان ذوالنورین اور امیر معاویہ رضی اللہ عنہم کے عامل رہے۔ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے ان کو مصر کی طرف بھیجا اور انہوں نے مصر کو فتح کیا اور وہاں کے حاکم رہے جب حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ شہید ہوئے تو حضرت عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ نے تقریباً چار سال برقرار رکھا اس کے بعد ان کو معزول کر کے حضرت عبداللہ بن ابی سرح رضی اللہ عنہ کو حاکم مقرر کیا یہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے رضاعی بھائی تھے اور حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کو اسکندریہ کی طرف بھیجا انہوں نے اسے فتح کیا جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے صفین میں امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ تھے اور اس میں حکم بنانے کا قصہ پاس جا کر ان سے مل گئے اور ان کے مدارالمہام بن گئے وہ صفین میں امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ تھے اور اس میں حکم بنانے کا قصہ پیش آیا تھا جیسا کہ معلوم و مشہور ہے اس کے بعد امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے اپنے زمانہ امارت میں مصر کو ان کی جاگیر میں دے دیا اور ۳۳ھ یا ۴۱ھ میں عید الفطر کے دن مصر میں وفات پائی۔ ۴۳ھ زیادہ صحیح ہے اور ایک قول ہے کہ ۴۱ھ ہے ان کے بعد امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے ان کے بیٹے عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ کو مصر کا گورنر بنایا ان کی عمر نوے سال کی ہوئی بعض ننانوے سال بتاتے ہیں ان کی نماز جنازہ ان کے بیٹے نے پڑھی اس کے بعد عید گاہ آ کے لوگوں کے ساتھ عید کی نماز پڑھی پھر امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے عبداللہ کو معزول کر دیا اور اپنے بھائی عتبہ بن ابوسفیان کو وہاں کا گورنر بنایا۔

منقول ہے کہ عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ عرب کے دانشوروں اور ان کے روسا میں سے تھے اور وہ صاحب فہم و فراست ذہن رسا اور پستہ قامت کے تھے۔ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ جب وہ کسی شخص کو بات کرنے اور بات سمجھنے میں عاجز دیکھتے تھے تو کہتے تھے کہ سئل: انہی المۃ ہذا عمدہ و احسنہ۔ کہ انہی فہمہ و فراستہ۔ کہنے کے اور جو حصے ہیں علم و تقویٰ رضی اللہ عنہ

علاء کا ریشہ نامدار، زاختار کا اور انکار، تمہ کو ادا ہاںم زبھی، الہ کا امتاعت، موافقت میں، حلیم کے سوا کوئی حارہ نہ دیکھا جب وہ لوگ

جڑ پکڑ لی اور اسے قریش نے بھی میری طرف سے جان لیا اس کے بعد میں ان کا معین و مددگار اس بات میں ہو گیا کہ وہ دائرہ اسلام میں داخل ہوں پھر انہوں نے ایک شخص کو میرے پاس بھیجا کہ وہ اس بارے میں مجھ سے مناظرہ کرے تو میں نے اس شخص کو کہا میں تجھ سے اس خدا کی قسم دیتا ہوں جو تیرا رب ہے اور تجھ سے پہلے اور تجھ سے بعد والوں کا رب ہے بتا کہ ہم راہ راست پر زیادہ ہیں یا فارس و روم کے لوگ؟ اس نے کہا ہم راہ راست پر زیادہ ہیں۔ میں نے کہا: بتاؤ ہم فراخی اور عیش و عشرت میں زیادہ ہیں یا وہ اس نے کہا وہ زیادہ ہیں میں نے کہا ان پر ہماری فضیلت کا کیا فائدہ ہے جبکہ اسی دنیا میں وہ ہیں اور اسی دنیا میں ہم ہیں حالانکہ وہ لوگ اسی دنیا میں ہم سے عظیم تر اور بالاتر ہیں اب میرے دل میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ بات جاگزیں ہو گئی ہے کہ آپ فرماتے ہیں کہ مرنے کے بعد اٹھنا ہوگا

میں اس حالت میں مرتا تو جہنمیوں میں سے ہوتا اس کے بعد میں مسلمان ہوا اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت میں رہا اور ایسا ہو گیا کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے بڑھ کر کوئی مجھے محبوب نہ تھا یہاں تک کہ انتہائی ادب و احترام اور عزت و اکرام کے تحت حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف نگاہ نہیں اٹھا سکتا تھا اگر کوئی مجھ سے کہتا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حلیہ شریف کو بیان کر دو تو میں بیان نہیں کر سکتا تھا اس لئے کہ مجھ میں اتنی طاقت ہی نہ تھی کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف دیکھ سکتا اگر میں اس حالت میں اس جہان سے جاتا تو میں امید رکھتا میں اہل جنت میں سے ہوں اس کے بعد میں امارت و ولایت میں رہا اور اس میں بھی گھل مل گیا اور مجھ پر دنیا کی شاہراہوں میں سے جو کچھ پہنچا وہ پہنچا۔ اب میں نہیں جانتا کہ میرا کیا انجام ہوگا پھر جب میں مر جاؤں تو رونے والوں کو میرے ساتھ نہ کرنا اور جب مجھے دفن کر دو تو آہستہ سے مجھ پر مٹی ڈالنا اور میری قبر کے پاس اتنی دیر کھڑے رہنا جتنی دیر اونٹ ذبح کو کر اس کے گوشت کو تقسیم کیا جاتا ہے تاکہ میں تم سے انسیت پکڑوں اور میں دیکھوں کہ میں کیا جواب دیتا ہوں اپنے رب کے فرستادوں کے سوالات کا۔ جامع الاصول میں مسلم سے اسی طرح مروی ہے۔

اہل سیر بیان کرتے ہیں کہ جب حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ جنگ صفین میں شہید ہوئے تو حضرت عمرو بن العاص نے امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس آ کر حسرت و ندامت کا اظہار کیا اور کہا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمار رضی اللہ عنہ سے فرمایا: **يَا عَمْرُو بْنَ الْيَاسِرِ قَتَلْتَ الْبَاغِيَّ تَمَّ كُوبَاغِي جَمَاعَتُ قَتْلٍ كَرَّ عَ لِي** چونکہ حضرت عمار رضی اللہ عنہ ہمارے ہاتھ سے قتل ہوئے تو اس لئے ہم باغی جماعت سے ہوئے امیر معاویہ نے کہا تم عجیب آدمی ہو کہ اپنے پیشاب میں آپ ہی لتھرتے ہو۔ درحقیقت عمار کو علی نے ہی قتل کیا ہے کیونکہ وہ ان کو جنگ میں لائے لوگوں نے کہا یہ تاویل باطل ہے ورنہ لازم آتا ہے کہ حضرت حمزہ سید الشہداء رضی اللہ عنہ کے قاتل (معاذ اللہ) حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہوں۔ اس قصہ سے معلوم ہوتا ہے کہ عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کے دل میں خوف اور حق بنی موجود تھا۔ صحیح بخاری میں امام حسن مجتبیٰ کی صلح کے قصہ میں مذکور ہے: **وَكُنَّا نَحْيَرُ الْمُرْجَلَيْنِ** "وہ اچھے آدمیوں میں سے تھے۔ (واللہ اعلم)

عبداللہ بن عبداللہ رضی اللہ عنہ: انہیں کا تباں بارگاہ رسالت میں سے حضرت عبداللہ بن عبداللہ بن ابی سلول رضی اللہ عنہ ہیں۔ عبداللہ بن ابی مشہور مناقب تھا اسے راس المنافقین کہتے ہیں کیونکہ اقلک عائشہ رضی اللہ عنہا کی جڑ بنیاد یہی تھا اور اس کی دیگر شاعتیں حدو شمار سے باہر ہیں وہ خزرج کے سربراہ و دروہ لوگوں میں سے تھا اور خزرج کے لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری سے قبل چاہتے تھے کہ اس کے سر پر تاج رکھ کر اس کو اپنا امیر بنالیں لیکن جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے آئے تو اس نے نفاق و حسد اور بغاوت کی روش اختیار کر لی اس کی موت و زندگی کے حالات ہجرت کے سالوں کے ضمن میں گزر چکے ہیں۔ اس غبیث کا ایک بیٹا تھا جس کا نام عبداللہ بن عبداللہ تھا وہ مومنوں، مخلصوں اور صدیقیوں میں سے تھا ان کا نام حباب رضی اللہ عنہ تھا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا نام عبداللہ رکھ دیا اور وہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بدر اور تمام غزوات میں حاضر و شریک رہے۔ یہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مرسلت کو لکھا پڑھا کرتے تھے۔ جنگ یمامہ میں بزمانہ خلافت صدیقی ۱۲ھ میں شہید ہوئے ان سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور جہم بن سعد نے روایت کی ہے۔ اصابعہ میں جہم بن سعد اسلمی لکھا ہے۔ قضاعی نے ان کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا شہادہ

مناف قرشی مطلبی رضی اللہ عنہ ہیں۔ استیعاب میں ہے کہ وہ خیبر کے زمانہ میں اسلام لائے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں خیبر کی



عنه نے پڑھائی۔ حاکم نے کہا کہ صحیح یہ ہے کہ وہ احد میں شہید ہوئے تھے اور وہ دلیل میں نقل کرتے ہیں کہ عبد اللہ بن زید کی بیٹی حضرت عمر بن عبد العزیز کے پاس آئی اور کہا کہ میں عبد اللہ بن زید کی بیٹی ہوں جو بدر میں حاضر ہوئے اور احد میں شہید ہوئے۔ اس کے بعد حضرت عمر بن عبد العزیز نے ان سے فرمایا اپنی جو حاجت ہو مجھ سے کہو تو انہوں نے کچھ حاجت بیان کی اور حضرت عمر بن عبد العزیز نے ان کی حاجت پوری فرمادی۔

واضح رہنا چاہئے کہ عبد اللہ بن زید ایک اور صحابی بھی ہیں جن کو صاحب و ضرور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کہتے ہیں۔ تشریح یہ ہے کہ وہ عبد اللہ بن زید بن عاصم انصاری مازنی ہیں یہ بنی مازن بنی نجار کے قبیلے سے ہیں ان کی کنیت بھی ابو محمد ہے یہ احد میں حاضر ہوئے

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کے والد کا نام حسل (بکسر جاء وسکون سین) اور بعض حسیل برصیغہ تصغیر بتاتے ہیں وہ جابر بن اسید عسی کے بیٹے ہیں۔ عسی قبیلہ عسی بن بغض کی طرف سے منسوب ہے اور ایمان حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کے والد کا لقب ہے۔ اس لئے کہ انہوں نے اپنی قوم میں سے کسی کو قتل کر دیا تھا پھر وہ بھاگ کر مدینہ طیبہ آ گئے اور انصار کے قبیلہ بنی نہشل کے حلیف بن گئے پھر قوم نے ان کا نام یمان رکھ دیا کہ حلیف یمان (قسم) ہو گئے یعنی انصار سے ہو گئے۔

یمان، یمن (قسم) سے بنا ہے۔ حضرت حذیفہ اور ان کے والد احد میں حاضر ہوئے اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ نے ان کے والد کو شبہ میں شہید کر دیا کیونکہ وہ مشرکوں سے جنگ کرتے ہوئے باہر نکل گئے تھے وہ دھوکے سے قتل ہو گئے تھے باوجودیکہ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ پکار پکار کر کہتے رہے کہ اے خدا کے بندو یہ میرے والد ہیں مگر انہوں نے نہ چھوڑا یہاں تک کہ انہیں قتل کر دیا اس پر حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: **يَغْفِرُ اللَّهُ لَكُمْ** ”اللہ تمہیں معاف کرے“ حضرت عروہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ اس کے بعد اپنے والد ماجد کے قاتلوں کے حق میں ہمیشہ دعا و استغفار کرتے رہے جب تک کہ وہ دنیا میں زندہ رہے اور اس جہان سے رخصت ہو کر وصال باری تعالیٰ انہیں حاصل ہوا ان کو ان کے باپ نے بدر میں حاضر ہونے سے روک دیا تھا کیونکہ مشرکوں نے ان کے باپ کو پیچھے چھوڑا تھا اس وجہ سے وہ باز رہے تھے اور غزوہ خندق میں حاضر ہوئے ان کا ذکر جمیل اسی طرح ہے حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ تمام مشاہد و غزوات میں حاضر ہوئے اور وہ ۲۲ھ میں فوت ہوئے۔ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے استفسار کیا گیا کہ کون سا فتنہ سب سے زیادہ سخت ہے انہوں نے فرمایا جب تمہارے سامنے خیر و شر دونوں پیش کئے جائیں اور تم ان دونوں میں سے کسی ایک کو دریافت نہ کر سکو۔ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ قیامت اس وقت تک قائم نہ ہوگی جب تک کہ ہر قبیلہ کے اوپر منافق سردار قائم نہ ہوں۔ انہیں سے مروی ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ہر شخص خیر کی باتیں پوچھا کرتا تھا لیکن میں شر کی باتیں پوچھا کرتا تھا تاکہ میں اس سے اجتناب کروں۔ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے حضرت عمر بن الخطاب، حضرت علی ابن ابی طالب اور حضرت ابوالدرداء وغیرہ صحابہ و تابعین رضی اللہ عنہم نے روایت بیان کی ہے انہوں نے مدائن میں وفات پائی اور ان کی قبر وہیں ہے سن وفات ۳۵ھ ہے ایک قول ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کے چند راتوں کے بعد ۳۶ھ میں حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کی ابتداء خلافت میں وفات پائی اور ان کی قبر وہیں سن وفات ۳۵ھ ہے اور جنگ جمل کا زمانہ نہیں پایا۔ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کے دونوں فرزند ان صفوان اور سعید جنگ صفین میں شہید ہوئے تھے۔ انہوں نے حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کی متابعت اپنے والد ماجد کی وصیت کے مطابق کی تھی۔

بریدہ بن الحصیب رضی اللہ عنہ: انہیں کا تاجان بارگاہ رسالت میں سے حضرت بریدہ بن الحصیب رضی اللہ عنہ (دونوں نام برصیغہ تصغیر ہیں) اور مشہور بریدہ اسلمی رضی اللہ عنہ کے نام سے ہیں ان کی کنیت ابو عبد اللہ ہے ایک قول سے ابوہل ہے ایک اور قول سے ابو ساسان ہے بعض کہتے ہیں کہ ان کا نام ابو عامر ہے اور بریدہ ان کا لقب ہے۔ وہ بدر سے پہلے اسلام لائے اور بدر میں حاضر ہوئے جس وقت حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت کر کے تشریف لے چلے اور ”کراع الغیم“ میں پہنچے یہ دونوں حرموں کے درمیان ایک وادی کا نام اور مکہ مکرمہ سے دو منزل کے فاصلہ پر ہے اس وقت قریش نے بریدہ کو آمادہ کیا کہ یا تو محمد صلی اللہ علیہ وسلم لوٹا لائیں یا (معاذ اللہ) شہید کر دیں اور اس معاوضہ میں ان کو سوانٹ دینا قرار پائے تھے تو وہ ستر سواروں کے ساتھ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے پہنچے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا تیرا نام کیا ہے اور تو کون ہے؟ انہوں نے کہا میں بریدہ ہوں۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کی طرف رخ انور کر کے فرمایا: بردا مرنا ہمارے کام نے خوشی و شغندک پائی پوچھا تو کسی قبیلہ سے ہے؟

کسی ندانست کہ آخر بچہ حالت گذر د

استعیاب میں فرماتے ہیں کہ عبداللہ بن سعد نے توبہ کی اور اسلام لائے اور ان کا اسلام نیک ہوا اور خلافت اسلام ان سے اس کے بعد کچھ ظاہر نہ ہوا اور وہ قریش کے نجباء اور عقلا میں سے تھے۔

ابوسلمۃ بن عبدالاسد رضی اللہ عنہ: انہیں کاتبوں میں سے ابوسلمۃ بن عبدالاسد قرشی ہیں ان کا نام عبداللہ رضی اللہ عنہ تھا مگر یہ اپنی کنیت سے مشہور ہوئے یہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت حمزہ بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ کے رضاعی بھائی ہیں۔ ان سب کو ابولہب کی باندی ثویبہ نے چار چار سال کے وقفہ سے دودھ پلایا تھا پہلے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو پلایا اس کے بعد حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کو اس کے بعد ابوسلمہ رضی اللہ عنہ کو۔ یہ اسلام میں دس سابقین اولین میں سے ایک ہیں اور یہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی پھوپھی برہ بنت عبدالمطلب کے بیٹے ہیں۔ انہوں نے مدینہ طیبہ میں بدر سے واپس آنے کے بعد وفات پائی جیسا کہ ابن مندہ نے بیان کیا ہے۔ ابن اسحاق کہتے ہیں کہ وہ احد کے بعد فوت ہوئے اور یہی صحیح ہے۔ احد میں زخمی ہو کر آئے ان کے زخم ٹھیک ہوئے اس کے بعد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو بنی سعد کی جانب ماہ صفر ۴ھ کو لشکر کا امیر بنانا کے بھیجا وہاں ان کے زخم کھل کر ہرے ہو گئے اور وفات پائی۔ ابن عبدالبر نے جمادی الاخریٰ ۳ھ کہا ہے مگر قول اول راجح ہے اور یہ ہجرت کر کے سب سے پہلے مدینہ طیبہ اپنی بیوی ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ حبشہ کی دونوں ہجرتوں کے بعد آنے والے ہیں۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے نکاح فرمانا ازواج مطہرات امہات المؤمنین کے ضمن میں گزر چکا ہے اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوسلمہ رضی اللہ عنہا کی رحلت کے وقت یہ دعا مانگی:

اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لابی سَلَمَةَ وَاَرْقِعْ دَرَجَتَهُ فِی الْمَهْدِیْنِ وَاَخْلِفْهُ فِی عَقِبِهِ فِی الْغَابِرِیْنَ وَاغْفِرْ لَنَا وَلَكَ یَارَبِّ الْعَالَمِیْنَ ۝ وَاَفْتَحْ لَهُ فِی قَبْرِہٖ وَتَوَرَّ لَهُ فِیہٗ۔

حویطب بن عبدالعزیٰ رضی اللہ عنہ: انہیں کاتبوں میں سے حویطب بن عبدالعزیٰ قرشی عامری ہیں ان کی کنیت ابو محمد یا ابوالاصح ہے یہ فتح مکہ کے بعد کے مسلمانوں اور مؤلفۃ القلوب میں سے ہیں۔ انہوں نے اسلام پایا ہے اور وہ تقریباً ساٹھ سال تک زندہ رہے۔ یہ حنین و طائف میں حاضر ہوئے۔ حنین کے غنائم سے انہیں سواونٹ ملے تھے یہ ان میں سے ایک ہیں جن کیلئے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے تحدید حرم کا حکم دیا تھا اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو شہادت کے بعد دفن کرنے والوں میں سے ہیں۔ انہوں نے ایک سو بیس سال عمر پائی ہے۔ امام بخاری نے اپنی تاریخ میں ایسا ہی بیان کیا ہے لیکن واقدی نے کہا ہے کہ امیر معاویہ کے زمانہ میں ۵۴ھ میں فوت ہوئے بعض ان کی وفات آخرا مارت کے زمانہ میں بتاتے ہیں ان سے ابونجیح کئی سبب بن یزید ان کے بیٹے ابوسفیان اور عبداللہ بن بریدہ وغیرہ نے روایت کی ہے۔ ابن معین کہتے ہیں کہ مجھے معلوم نہیں ان کی کوئی حدیث حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ہو۔

واقدی نے عبداللہ بن ابی بکر بن حزم سے نقل کیا ہے وہ کہتے ہیں کہ حویطب کہا کرتے تھے کہ میں صلح حدیبیہ سے لوٹ کر آیا میں سہل بن عمرو کے ساتھ قریش کی طرف سے مصالحت کیلئے آیا تھا تو مجھے یقین تھا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم غالب آئیں گے اور پھر طویل تذکرہ بیان کیا انہیں سے مروی ہے وہ کہتے ہیں کہ میں مشرکوں کے ساتھ بدر میں موجود تھا میں نے فرشتوں کو آسمان سے اترتے اور جنگ کرتے دیکھا ہے۔ میں نے یہ بات قریش کے کسی شخص سے نہ کہی۔

ایک دن مروان بن الحکم نے حویطب سے کہا کیا وجہ ہے کہ تمہارا اسلام لانا چھوٹوں اور ہم عمروں کے بعد ہے حویطب نے

جواب دیا کہ ”اَللّٰهُ الْمُسْتَعَانُ“ خدا کی قسم میں نے بار بار ارادہ کیا کہ اسلام میں سبقت کروں ہر بار تیرے باپ نے مجھے روکے رکھا اور یہی کہتا رہا کہ کیوں اپنے درجہ شرافت سے گرتے ہو اور نئے دین کی خاطر اپنے باپ دادا کے دین اور اپنے دین سے پھرتے ہو اور ایک شخص کے تابع و فرمانبردار بننے ہو۔ اس پر مروان خاموش اور شرمندہ ہو گیا۔ حویطب کی یہ بات سننے کے بعد مروان اپنے باپ کے آخر انجام کا تصور کر کے بہت زیادہ غمگین ہوا اس کے بعد حویطب نے کہا قریش کے بڑوں میں اپنے دین پر باقی رہنے والا اور اسلام کو ناپسند کرنے والا کوئی مجھ سے زیادہ نہ تھا۔ یہاں تک کہ مکہ مکرمہ فتح ہوا اور جو کچھ تقدیر میں تھا واقع ہوا۔

طبقات ابن سعد میں بروایت ابن المنذر وغیرہ حویطب سے منقول ہے انہوں نے کہا کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مکہ مکرمہ میں داخل ہوئے تو مجھے انتہائی خوف و ڈر محسوس ہوا اور پھر طویل قصہ بیان کیا اور کہا کہ میں عوف کے گھر چلا آیا اور وہاں ٹھہر گیا اچانک مجھے حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ ملے۔ میری ان سے شناسائی تھی میں نے ان کو سلام کیا اور اپنا حال ان سے بیان کیا۔ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ نے مجھ سے فرمایا اپنے اہل و عیال میں جاؤ اور بے خوف ہو کے رہو اس کے بعد حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دربار میں حاضر ہوئے اور میری معافی کی درخواست کی۔ پھر وہ میرے پاس آئے اور فرمایا ”اَوْرُفَیْکَ“ اور فرمایا ”وَرَحِمَہُ اللّٰہُ“ چنانچہ میں نے اسی طرح عرض کیا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”وَعَلَیْکَ السَّلَامُ“ اس کے بعد میں نے دین اسلام کی شہادت دی اس سے حضور اکرم بہت خوش ہوئے اور فرمایا: ”اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَہَذَاکَ“ اس کے بعد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے قرض طلب فرمایا تو میں نے آپ کو چالیس ہزار درہم قرض پیش کئے اور آپ کے ساتھ میں حنین و طائف میں حاضر ہوا اور مجھے ان کے غنائم سے عنایت فرمایا پھر حویطب رضی اللہ عنہ مدینہ طیبہ چلے آئے اور وہیں رہنے لگے یہاں تک کہ وہیں وفات پائی۔ انہوں نے مکہ مکرمہ میں اپنے مکان کو امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے ہاتھ چالیس ہزار دینار میں فروخت کر دیا لوگوں نے کہا اب تو تم بڑے مالدار ہو گئے انہوں نے کہا یہ مال اس کیلئے کیا چیز ہے جس کیلئے کوئی چیز وقت نہیں رکھتی ان کے ان کلمات سے واضح ہوتا ہے کہ یہ ان مؤلفۃ القلوب میں سے ہیں جن کا اسلام حسن ہے۔

حاطب بن عمرو رضی اللہ عنہ: انہیں کاتبوں میں سے حاطب بن عمرو ہیں۔ استیعاب و اصباہ میں ان کے سوا حاطب بن ابی طبقہ بھی بیان کیا ہے کیونکہ دو حاطب مشہور ہیں ایک حاطب بن عمرو بن عبد اللہ بن عبد القیس بن عبد ود اس کے بعد صاحب استیعاب نے کہا کہ ان کو ابن عقبہ نے ان لوگوں میں شمار کرایا ہے جو بدر میں بنی عامر سے حاضر ہوئے تھے وہ دار ارقم میں داخل ہونے سے پہلے اسلام لائے اور حبشہ کی طرف دونوں ہجرتیں کیں۔ یہ روایت ابن اسحاق کی ہے اور بعض پہلی ہجرت جانب حبشہ کہتے ہیں۔ واقدی نے کہا کہ ہمارے نزدیک یہی ثابت ہے ابن اسحاق اور واقدی دونوں ہی حاضرین بدر میں بیان کرتے ہیں۔ اصباہ میں کہا گیا ہے کہ حاطب بن عمرو بن عبد القیس بن عبد ود قرشی عامری، سہیل بن عمرو کے بھائی تھے اور وہ سابقین میں سے بتائے جاتے ہیں کیونکہ وہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے حبشہ کی جانب ہجرت کی۔ زہری نے اسی پر جزم کیا ہے اور وہ بھی اس پر اتفاق کرتے ہیں کہ وہ ان میں سے تھے جو بدر میں حاضر ہوئے۔ دوسرے حاطب بن عمرو بن عتیک بن امیہ بن زید بن مالک بن اوس ہیں جو بدر میں حاضر ہوئے۔ ابن اسحاق نے ان کو بدریوں میں ذکر نہیں کیا ہے۔ استیعاب میں اسی قدر کہا گیا ہے اصباہ میں کہتے ہیں کہ حاطب بن عمرو بن عتیک انصاری اوسی ہیں۔ ابو عمرو نے کہا کہ وہ بدر میں حاضر ہوئے اور ابن اسحاق نے ان کو بدریوں میں ذکر نہیں کیا کہتے ہیں کہ ان کے سوا دوسروں کے نزدیک بھی بدری

ہونا دیکھا ہے۔ (واللہ اعلم)

حاطب کو صحبت بارگاہ رسالت حاصل تھی اور ان دونوں کتابوں میں حاطب بن عمرو، واؤ کے ساتھ ہے اور روضۃ الاحباب کے صحیح نسخہ میں جو کہ موجود ہے بغیر واؤ کے ہے۔ (واللہ اعلم)

ابن نخل مرتد: کاتبوں میں سے ایک ابن نخل تھا۔ ابن نخل کا نام عبد العزیز تھا عام الفتح میں اس کے حالات معلوم ہو چکے ہیں کہ فتح سے پہلے مدینہ طیبہ آیا مسلمان ہوا اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا نام عبد اللہ رکھا اور زکوٰۃ کی وصولی کیلئے اس کے قبیلہ میں بھیجا تو وہ مرتد ہو گیا اور صدقہ کے جانوروں کو لے کر مکہ مکرمہ بھاگ گیا اور قریش سے کہنے لگا کہ کوئی دین تمہارے دین سے بہتر میں نے نہیں ماما فتح مکہ کے دن خانہ کعبہ کی بناہ تلاش کی اور اس کے خلاف سے لٹ کر جیھب گما پھر کسی صحابی نے دیکھ کر عرض کیا یا رسول اللہ

وسلم انہیں معلوم ہوئی جیسا کہ مروی ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنا دست مبارک دوسری مرتبہ حضرت ابی کے سینہ پر رکھا تو انہیں یہ آئیہ کریمہ معلوم ہو گئی۔

واقعی بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابی بن کعب پہلے شخص ہیں جنہوں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت انجام دی تھی اور یہی وہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے آخر خط میں لکھا کہ ”فلاں بن فلاں نے لکھا“ حضرت ابی بن کعب میانہ قد سفید داڑھی اور سر کے بال سفید تھے اپنے سر پر مہدی نہیں لگایا کرتے تھے۔ ایک روایت میں آیا ہے کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے ان سے نوازل و حوادث دریافت کیا کرتے اور مفصلات سے محاکم کرتے تھے۔ صحابہ کی ایک جماعت کثیرہ نے ان سے روایت کی ہے اور حضرت ابی بن کعب نے ۱۹ھ یا ۲۰ھ میں عہدہ خلافت فاروقی میں وفات پائی۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ”مَاتَ سَيِّدُ الْمُسْلِمِينَ“ بعض کہتے ہیں کہ خلافت عثمانی میں ۳۰ھ میں وفات پائی۔ یہ قول زیادہ ثابت ہے۔ ابن عبدالبر نے کہا کہ اکثر کاتب یہ ہے کہ عہد خلافت فاروقی میں وفات ہوئی۔ امام بغوی نے حضرت حسن سے روایت کی کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت سے پہلے جمعہ کے دن وفات ہوئی الغرض ان کی سن وفات میں اختلاف ہے۔

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک مسلمان نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! مجھے بتلائیے کہ ہمیں جو بیماریاں لاحق ہوتی ہیں کیا ان کا کچھ فائدہ بھی ہے فرمایا ہاں یہ گناہوں کا کفارہ ہوتی ہیں اس پر اس نے کہا اگرچہ بیماری کم ہو فرمایا اگرچہ کاننا چھپے اس وقت حضرت ابی ابن کعب نے اپنے لئے دعا مانگی کہ آخروقت تک بخار نہ اترے اور حج و عمرہ جہاد و نماز اور فرض جماعت سے مانع نہ ہو چنانچہ وہ ہمیشہ بیمار اور تپ زدہ رہے یہاں تک کہ وفات پائی اسے ابویعلیٰ نے روایت کیا ہے اور ابن حسان نے اسے صحیح کہا ہے۔

عبداللہ بن ارقم: انہیں کا بتان بارگاہ رسالت میں سے حضرت عبداللہ بن ارقم بن عبد یغوث بن دہب بن عبد مناف بن زہرہ قرشی زہری صحابی رضی اللہ عنہ ہیں یہ عام الفتح میں اسلام لائے یہ حضور اکرم رضی اللہ عنہ کے طلقاء میں سے تھے اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مراسلت لکھا کرتے تھے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک وہ اتنے دیانتدار تھے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ان سے فرماتے کہ فلاں کی طرف مکتوب گرامی لکھو اور یہ نہ فرماتے یہ لکھو وہ لکھ کر پیش کرتے اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ان کی دیانت کی وجہ سے بغیر پڑھے مہر لگا دیتے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد انہوں نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی کتابت کی ہے پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی طرف سے بیت المال کے بغیر اجرت کے والی مقرر ہوئے اس کے بعد انہوں نے استعفیٰ دے دیا۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اسے قبول کر لیا مالک نے کہا کہ مجھے معلوم ہوا ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے حضرت عبداللہ بن ارقم کو انعام میں تیس ہزار درہم عطا فرمائے مگر انہوں نے قبول نہ کیا۔ انہوں نے کہا میں نے خدا کیلئے خدمت کی ہے۔ ایک روایت میں سی صد ہزار آتے ہیں وہ حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے نزدیک مامون و مختار تھے یہاں تک کہ حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا ان سے بیان کرتی ہیں کہ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ فرماتے اگر تم لوگ اعتراض نہ کرتے تو میں عبداللہ بن ارقم کو اپنا خلیفہ بناتا میں نے کسی کو ان سے زیادہ خدا سے خائف نہ دیکھا اور ان سے فرماتے اگر تمہاری قوم پہلوں کی مانند ہوتی تو میں کسی کو تم پر تقدیم نہ کرتا ان سے عروہ بن زبیر اور اسلم مولا نے عمر رضی اللہ عنہ نے روایت کی ہے۔ اربعہ نے ان سے ایک حدیث حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی ہے فرمایا کہ جب عشا کا وقت آجائے اور قضاے حاجت کی ضرورت ہو تو پہلے قضاے حاجت کرے۔ اس حدیث کو مشکوٰۃ نے باب الجماعت اور اس کی فضیلت میں بیان کیا ہے۔ اس حدیث کے الفاظ یہ ہیں۔ اِذَا أُهَيِّمَتْ

بسم اللہ الرحمن الرحیم عشر : ثالثہ : ضمیر اللہ جو کہ خلافت میں فتنہ ہے

گیا ہے البتہ ایک نام استیعاب و مواہب میں لکھا ہے۔
معقب بن ابی فاطمہ دوسی رضی اللہ عنہ : معقب بن ابی فاطمہ دوسی سابقین اولین میں سے ہیں جو تمام غزوات میں حاضر ہوئے اور خلافت عثمانی یا خلافت مرتضوی میں فوت ہوئے اسی قدر مواہب میں ذکر کیا گیا ہے۔ استیعاب میں ہے کہ معقب بن ابی فاطمہ سعید بن العاص کے مولیٰ ہیں۔ اسی طرح ان کو موسیٰ بن عقبہ نے ابن شہاب سے نقل کیا ہے اور کہا کہ لوگ گمان رکھتے ہیں کہ وہ

۱۰. اصغر، مناجا، مؤلف حضرت اکریم صلی اللہ علیہ وسلم، نرسا طبرستان، و امام اکرام حنفیہ شتہ، فرام، دارالافلاک، تھران، جمادی الثانی ۱۳۸۵ھ

دوسری قسم حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے مکاتیب و رسائل کی وہ ہے جو عرب کے بعض قبائل کی زبان اور ان کی لغت میں لکھے

م. ا. د. ر. د. رفصانه باذراع زامر کا تحفہ، ذیل کا اظہار اکرام اور فہم عقائد اسلام سے خود کو وابستہ کرنے کی خاطر

• کتاب الشفاء قاضی عیاضؒ میں مذکور و مسطور ہیں۔ یہ خطوط درحقیقت حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بین معجزات میں سے ہیں کیونکہ نہ آپؐ کہیں تشریف لے گئے اور نہ کسی اہل زبان اور اس قبیلہ کے لوگوں سے مصاحبت فرمائی اور نہ ان کے لغات کی جستجو و تلاش فرمائی نہ کسی سے تعلیم لی اور نہ حاصل کیا اور آپؐ کا یہ اعجاز آپؐ کے ان سفیروں اور قاصدوں میں بھی ظاہر ہوتا ہے جن کو آپؐ ان کے سلاطین و امرا کے پاس بھیجتے تھے کہ وہ سفیر جس قوم اور جس زبان والوں کی طرف جاتے وہ انہیں کی زبان و لغت میں بات کرتے اور جواب دیتے تھے۔ (صلی اللہ علیہ وسلم)

باب ہشتم

سفا اور قاصدوں کے مسائل

اس باب میں ان سفیروں اور قاصدوں کا تذکرہ ہے جن کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے سلاطین و امرا کی طرف بھیجا تھا۔ روضۃ الاحباب میں گیارہ اشخاص اور ان کے اسماء کتب و رسائل کے ضمن میں بیان کئے ہیں جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے لیکن ان کے حالات نہیں بیان کئے گئے اور نہ ان کو یکجا بیان کیا گیا ہے اگر اس غرض کی خاطر جتنا کچھ بیان ہو چکا ہے اور جو نہیں ہوا ہے سب کو یکجا بیان کریں تو مناسب رہے گا۔

عمر بن امیہ ضمری رضی اللہ عنہ: ان قاصدوں میں سے ایک عمرو بن امیہ ضمری رضی اللہ عنہ ہیں جو نبی ضمرہ بن عبد مناف کنانی میں سے ہیں اور صحابہ میں دیہروں اور بہادروں میں سے تھے اور جرات و تجربہ کاری میں عرب کے جوانوں میں سے تھے۔ بدرواح میں مشرکوں کے ساتھ آئے اس کے بعد جب مشرکین احد سے بھاگے تو انہوں نے اسلام قبول کر لیا ان کا نسب سے پہلا جہاد سے منع نہ کیا۔ ۱۲ روز ان کو عام یزید، طفیل، زاسہ کسا اور الامام بیٹا نے کمال اکٹہ کر چھوڑا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو کھانا

حبشہ نجاشی کے پاس مکتوب گرامی کے ساتھ بھیجا۔ نجاشی نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے مکتوب گرامی کا ادب و احترام کیا اور اپنی سعادت مندی سمجھی اور اسلام لے آیا۔ اس کے بعد دوسرا مکتوب گرامی بھیجا تا کہ سیدہ ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کا نکاح حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے منعقد کر دیں جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے۔

مواہب لدنیہ میں منقول ہے کہ عمرو بن امیہ ضمری کو مسلمہ کذاب کی طرف بھی مکتوب گرامی دے کر بھیجا گیا تھا اور فردہ بن عمرو جذامی کی طرف جو کہ قیصر شاہ روم کی طرف سے گورنر تھا بھیجا تھا۔ انہوں نے اس کو دعوت اسلام دی اور وہ اسلام لایا اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں ایک خط لکھ کر بھیجا اور مسعود بن سعد کے ساتھ ایک بغلہ شہباء جبرہ کو فضاء کہتے تھے اور ایک گھوڑا جس کو ضراب کہتے تھے اور کچھ کپڑے اور سندس کی مٹلا قباہیہ میں بھیجی۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے ہدایا کو قبول فرمایا اور مسعود بن سعد کو بارہ اوقیہ عطا فرمائے ان سے ان کے دونوں بیٹے جعفر و عبد اللہ نے اور شعیب و ابو قلابہ نے حدیث روایت کی ہے ان کا شمار اہل حجاز میں ہوتا ہے ان کا تذکرہ متعدد جگہوں میں واقع ہوا ہے۔ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں مدینہ طیبہ میں وفات پائی۔ ایک قول یہ ہے کہ ۶۰ھ میں وفات پائی۔

دحیہ بن خلیفہ کلبی رضی اللہ عنہ: ان قاصدان بارگاہ رسالت میں سے دحیہ بن خلیفہ کلبی رضی اللہ عنہ ہیں جو کہ کلب بن



حاطب بن ابی بلتعہ رضی اللہ عنہ: انہیں سفیروں میں سے ایک حضرت حاطب بن ابی بلتعہ رضی اللہ عنہ مشہور صحابی ہیں ان کی کنیت ابو عبد اللہ ہے ایک قول ہے کہ ابو محمد ہے یہ قریش کے حلیف تھے۔ بعض کہتے ہیں کہ حضرت زبیر بن العوام رضی اللہ عنہ کے حلیف تھے بعض نے کہا کہ قریش کے ایک شخص کے مکاتیب غلام تھے جس کا نام عبد اللہ بن حمید تھا اس نے ان کو پہلے مکاتیب کہا پھر کتابت سے آزاد کر کے انہیں آزادی دے دی وہ اہل یمن میں سے تھے۔ بدر احد خندق اور بعد کے تمام غزوات میں شریک ہوئے۔ ۳۰ھ میں مدینہ طیبہ میں بزمانہ خلافت عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ وفات پائی ان کی عمر پینسٹھ سال کی ہوئی ان کی نماز جنازہ حضرت عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ نے پڑھائی۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو مقوقس شاہ اسکندریہ کی طرف بھیجا جیسا کہ پہلے مذکور ہو چکا ہے۔ اصابہ میں مرزبانی سے نقل کیا ہے کہ معجم الشرا میں منقول ہے کہ حضرت حاطب رضی اللہ عنہ قریش کے سواروں اور ان کے شعرا میں سے زمانہ جاہلیت میں تھے حضرت حاطب رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کئی حدیثیں روایت کی ہیں ایک یہ کہ مَنْ رَأَى بَعْدَ مَوْتِي فَكَانَ مَرَأِي فِي حَيَاتِي وَمَنْ مَاتَ فِي أَحَدِ الْحَرَمَيْنِ بُعِثَ فِي الْأَمْنَيْنِ يَوْمَ الْقِيَمَةِ۔ ”جس نے مجھے میری رحلت کے بعد خواب میں دیکھا تو گویا اس نے مجھے میری جہات ظاہری میں دیکھا اور جو دونوں حرموں میں سے کسی حرم میں فوت ہوا وہ قیامت میں محفوظ و مامون لوگوں میں اٹھے گا۔“

صاحب استیعاب فرماتے ہیں کہ میں نے اس کے سوا ان کی کوئی اور حدیث نہیں دیکھی۔ اصابہ میں کہا گیا ہے کہ علماء نے صاحب استیعاب کی اس بات کو عجیب و غریب جانا ہے اس لئے کہ اس کے سوا اور بھی کئی حدیثیں ان سے مروی ہیں ابن السکن نے بطریق محمد بن عبد الرحمن بن حاطب عن ابیہ عن جدہ روایت کی ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ مسلمان کی جنت میں ستر اور تیس بیویاں ہوں گی ستر جنتی بیویاں اور تیس دنیاوی عورتیں۔ صاحب اصابہ نے کہا کہ میں نے ان کی تین اور حدیثیں پائی ہیں

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے ہاتھ ہودہ بن علی خنی کے نام مکتوب گرامی بھیجا جیسا کہ گزرا ابن اسحق نے کہا کہ وہ اپنے والد کے ساتھ جنگ یمامہ میں حاضر ہوئے اور وہاں شہید ہو گئے۔ ابو معشر نے کہا وہ شہید نہیں ہوئے۔ صاحب استیعاب نے کہا انشاء اللہ درست یہی ہے اور کہا حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے ان کی خبر یوں دی ہے کہ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حلے پہنائے ایک حلہ زیادہ ہو گیا۔ حضرت عمر نے فرمایا مجھے کوئی ایسا جوان بتاؤ جس نے اور اس کے باپ نے ہجرت کی ہو لوگوں نے کہا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ ہیں آپ نے فرمایا نہیں بلکہ سلیط بن عمرو رضی اللہ عنہ ہیں چنانچہ ان کو وہ حلہ پہنا دیا۔

علاء بن الحضرمی رضی اللہ عنہ: انہیں سفیروں میں ایک حضرت علاء بن الحضرمی رضی اللہ عنہ ہیں جن کا ذکر کاتبوں میں گزر چکا ہے۔ ظاہر ہے کہ وہ کاتب بھی تھے اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے قاصد و سفیر بھی پہلے ارسال رسل کے باب میں ارباب سیر سے ہم نقل کر چکے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے علاء بن حضرمی رضی اللہ عنہ کو منذر بن سادی والی بحرین کی جانب بھیجا اور مکتوب گرامی لکھا۔ مواہب لدنیہ میں تفصیل کے ساتھ اس کا تذکرہ کیا گیا ہے۔

جریر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ: انہیں سفیروں میں حضرت جریر بن عبد اللہ بجلي ہیں ان کو طائف کے ایک بادشاہ ذی الکلاع کی طرف حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھیجا ان کا قصہ دسویں سال کے واقعات میں حجتہ الوداع کے بعد مذکور ہو چکا ہے یہ حضرت جریر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ نہایت حسین و جمیل اور صاحب فضل و کمال تھے ان کی کنیت ابو عبد اللہ ہے اور ایک قول ہے کہ ابو عمر رضی اللہ عنہ ہے۔ یہ بجلي اور یمانی تھے۔ بجلي قبیلہ بجليہ کی طرف منسوب ہے جو کہ ام قبیلہ ایک عورت کا نام تھا۔ ان کے اسلام لانے کے وقت میں اختلاف ہے بعض کہتے ہیں کہ اس سال کے ماہ رمضان میں اسلام لائے جس سال حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے رحلت فرمائی۔ ایک قول یہ ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی رحلت سے چالیس دن پہلے اسلام لائے۔ ابن عبد البر نے اسی پر جزم کیا ہے اور اصابعہ میں کہا گیا ہے کہ یہ غلط ہے اس لئے کہ صحیحین میں واقع ہوا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حجتہ الوداع کے روز ان سے فرمایا کہ لوگوں کو خاموش کرو اور واقدی نے جزم کیا ہے کہ انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی موجودگی میں ماہ رمضان ۱۰ھ میں وفات پائی اس لئے نجاشی نے ۱۰ھ سے پہلے وفات پائی ہے۔

جامہ دانی سے اپنے کپڑے نکال کر اپنا لباس بدلا اور میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مسجد شریف میں اس حال میں داخل ہوا کہ حضور اکرم خطبہ دے رہے تھے پھر تمام لوگوں نے مجھے گھور گھور کر دیکھنا شروع کر دیا اس پر میں نے ایک پاس کے بیٹھے ہوئے شخص سے پوچھا کہ کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے بارے میں پہلے کچھ فرمایا تھا؟ انہوں نے کہا ہاں! تمہارا اچھا ذکر فرمایا تھا اس خطبہ کے ہی دوران ایک بات عارض ہوئی اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے خطبہ میں ایک مات فرمائی کہ غفر یہ تم میں ایک شخص دو دراز

علاقہ یمن سے داخل ہوگا جس کا چہرہ پر فرشتہ نے ہاتھ پھیرا ہے (یہ کنایہ حسن و جمال کی طرف ہے) حضرت جریر فرماتے ہیں کہ میں نے اس نعمت پر جو خدا نے مجھے عطا فرمائی خدا کا شکر بجالایا۔ حضرت جریر سید مطاع اور بدیع الجہاں تھے گویا کہ ان کا چہرے کا ٹکڑا ہے۔ ترمذی نے شامک میں حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ انہوں نے فرمایا میں نے حضرت جریر رضی اللہ عنہ کی صورت سے زیادہ حسین صورت کوئی نہ دیکھی۔ بجز اس خبر کے جو حضرت یوسف علیہ السلام کے بارے میں ہمیں پہنچی ہے اور حضرت فاروق اعظم فرمایا کرتے کہ جریر اس امت کے یوسف ہیں۔

حضرت جریر فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جب عرب کے وفد آتے تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مجھے طلب فرماتے میں عمدہ لباس پہن کر مجلس مبارک میں حاضر ہوتا اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مجھ پر فخر فرماتے تھے۔ مروی ہے کہ ان کا قد چھ ہاتھ تھا۔ صحیح بخاری میں حضرت جریر سے مروی ہے وہ فرماتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مجھے جب سے میں اسلام لایا ہوں آنکھوں سے اوجھل نہ ہونے دیتے تھے۔ جب بھی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مجھ پر نگاہ کرم فرماتے تو تبسم فرماتے اور میرے روبرو تبسم کناں رہتے۔ حضرت ابوذرؓ سے مروی ہے کہ حضرت جریر فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ہر مسلمان کی نصیحت و خیر خواہی پر بیعت کی ہے۔ حضرت جریر جب کوئی چیز خریدتے تو اپنے ساتھی جو فروخت کرنے والا (بالغ) ہوتا فرماتے واللہ یہ چیز اس قیمت سے زیادہ ہے جتنی کہ میں نے خریدی مثلاً اگر گھوڑا ہوتا اور اس کی قیمت ایک ہزار درہم ہوتا تو وہ اس کی قیمت اتنی بڑھا دیتے کہ چار ہزار تک پہنچا دیتے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جریر کو ۳۰ مسلمانوں کے ساتھ ذوالحلیفہ میں ایک بت خانہ کو توڑنے کیلئے بھیجا انہوں نے عرض کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! اگر گھوڑا ہوتا تو ہم اس کی قیمت بڑھا دیتے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا کہ

WWW.NAFSEISLAM.COM

میرے سینہ پر رکھا یہاں تک کہ اس کی ٹھنک میرے سینے کے اندر محسوس ہوئی اور فرمایا: ”اَللّٰهُمَّ ثَبِّتْہٗ وَاجْعَلْہٗ هَادِیًا مَّہْدِیًا“ خداوند ان کو ثابت و مستحکم بنا اور ان کو ہدایت یافتہ اور ہدایت دینے والا کر اس کے بعد وہ ذوالحلیفہ گئے بت کو توڑ کر اسے جلا دیا۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ عراق کی جنگ میں تمام اہل بخیلہ پر حضرت جریر کو فوقیت دیتے اور اگے بڑھاتے تھے اور انہوں نے قادسیہ کی فتح میں بہت بڑا کام کیا تھا اور حضرت جریر رضی اللہ عنہ کوفہ میں رہنے لگے ان کا وہاں ایک گھر تھا۔ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ

کتاب میں یہ کلمات اہل معلوم ہوا کہ یہ جہت میں درجہ بالا ہے۔ کافی اہمیت رکھتی



مسعود ہیں بعض نے کہا کہ مکہ کا ولید بن مغیرہ ہے اور طائف کا عبد یلیل ہے۔ قتادہ نے کہا کہ ولید بن مغیرہ یا عروہ بن مسعود ثقفی ہیں اور اکثر کا یہی قول ہے۔ حدیث میں مروی ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میرے سامنے انبیاء علیہم السلام کو لایا گیا تو میں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو چھریے بدن کا دیکھا اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو میں نے دیکھا کہ وہ عروہ بن مسعود ثقفی رضی اللہ عنہ سے بہت زیادہ مشابہ تھے پھر میں نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو دیکھا تو وہ تمہارے صاحب کے بہت زیادہ مشابہ تھے اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی شباهت و جسامت شریف کو مراد لیا اور میں نے جبریل علیہ السلام کو دیکھا تو ان کی مشابہت میں زیادہ قریب دجیہ کلی ہیں۔

یہ گیارہ اصحاب ہیں جن کو روضۃ الاحباب میں سفیروں کے ضمن میں بیان کیا گیا ہے اس کے بعد کہتے ہیں کہ بعض اہل سیر حضرت ابو موسیٰ اشعری اور حضرت معاذ رضی اللہ عنہ بن جبل کو اور بعض نے وترہ بن مھن اور خبیب بن زید بن عامر کو بھی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سفیروں اور قاصدوں کے ضمن میں شمار کیا ہے اس بنا پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سفیروں اور قاصدوں کی تعداد پندرہ ہو جاتی ہے۔

مواہب لدنیہ میں امیر المومنین علی مرتضیٰ عینیہ بن حصین، بریدہ، عباد بن بشر، رافع بن مکلیث، ضحاک بن سفیان، بشیر بن سفیان اور عبد اللہ بن نسیر جو مرد آزاد تھے ان حضرات کو بھی شمار کیا ہے۔ ان کے حالات یہ ہیں۔

ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ: حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کا نام عبد اللہ بن قیس ہے یہ کنیت کے ساتھ مشہور ہیں یہ اشعر سے منسوب ہیں جو ان کے اجداد میں سے ہیں اور یمن میں اولاد سب سے ہیں یہ اکابر صحابہ میں سے ہیں وہ مکہ میں آ کر رہے اور

یہ اشعر سے منسوب ہیں جو ان کے اجداد میں سے ہیں اور یمن میں اولاد سب سے ہیں یہ اکابر صحابہ میں سے ہیں وہ مکہ میں آ کر رہے اور

یہ اشعر سے منسوب ہیں جو ان کے اجداد میں سے ہیں اور یمن میں اولاد سب سے ہیں یہ اکابر صحابہ میں سے ہیں وہ مکہ میں آ کر رہے اور

یہ اشعر سے منسوب ہیں جو ان کے اجداد میں سے ہیں اور یمن میں اولاد سب سے ہیں یہ اکابر صحابہ میں سے ہیں وہ مکہ میں آ کر رہے اور

یہ اشعر سے منسوب ہیں جو ان کے اجداد میں سے ہیں اور یمن میں اولاد سب سے ہیں یہ اکابر صحابہ میں سے ہیں وہ مکہ میں آ کر رہے اور

یہ اشعر سے منسوب ہیں جو ان کے اجداد میں سے ہیں اور یمن میں اولاد سب سے ہیں یہ اکابر صحابہ میں سے ہیں وہ مکہ میں آ کر رہے اور

یہ اشعر سے منسوب ہیں جو ان کے اجداد میں سے ہیں اور یمن میں اولاد سب سے ہیں یہ اکابر صحابہ میں سے ہیں وہ مکہ میں آ کر رہے اور

یہ اشعر سے منسوب ہیں جو ان کے اجداد میں سے ہیں اور یمن میں اولاد سب سے ہیں یہ اکابر صحابہ میں سے ہیں وہ مکہ میں آ کر رہے اور

یہ اشعر سے منسوب ہیں جو ان کے اجداد میں سے ہیں اور یمن میں اولاد سب سے ہیں یہ اکابر صحابہ میں سے ہیں وہ مکہ میں آ کر رہے اور

یہ اشعر سے منسوب ہیں جو ان کے اجداد میں سے ہیں اور یمن میں اولاد سب سے ہیں یہ اکابر صحابہ میں سے ہیں وہ مکہ میں آ کر رہے اور

یہ اشعر سے منسوب ہیں جو ان کے اجداد میں سے ہیں اور یمن میں اولاد سب سے ہیں یہ اکابر صحابہ میں سے ہیں وہ مکہ میں آ کر رہے اور

یہ اشعر سے منسوب ہیں جو ان کے اجداد میں سے ہیں اور یمن میں اولاد سب سے ہیں یہ اکابر صحابہ میں سے ہیں وہ مکہ میں آ کر رہے اور

یہ اشعر سے منسوب ہیں جو ان کے اجداد میں سے ہیں اور یمن میں اولاد سب سے ہیں یہ اکابر صحابہ میں سے ہیں وہ مکہ میں آ کر رہے اور

یہ اشعر سے منسوب ہیں جو ان کے اجداد میں سے ہیں اور یمن میں اولاد سب سے ہیں یہ اکابر صحابہ میں سے ہیں وہ مکہ میں آ کر رہے اور

یہ اشعر سے منسوب ہیں جو ان کے اجداد میں سے ہیں اور یمن میں اولاد سب سے ہیں یہ اکابر صحابہ میں سے ہیں وہ مکہ میں آ کر رہے اور

یہ اشعر سے منسوب ہیں جو ان کے اجداد میں سے ہیں اور یمن میں اولاد سب سے ہیں یہ اکابر صحابہ میں سے ہیں وہ مکہ میں آ کر رہے اور

یہ اشعر سے منسوب ہیں جو ان کے اجداد میں سے ہیں اور یمن میں اولاد سب سے ہیں یہ اکابر صحابہ میں سے ہیں وہ مکہ میں آ کر رہے اور

یہ اشعر سے منسوب ہیں جو ان کے اجداد میں سے ہیں اور یمن میں اولاد سب سے ہیں یہ اکابر صحابہ میں سے ہیں وہ مکہ میں آ کر رہے اور

اہل بصرہ میں افتخار اور اقتدار تھے۔ شعی نے فرمایا کہ چھ شخصوں پر علم کی نہایت ہے ان میں سے ایک حضرت ابوموسیٰ کا ذکر فرمایا ہے۔ بکاری نے بطریق شعی ان لفظوں سے ذکر کیا کہ ”العلماء ستہ“ اور مدینی نے کہا کہ قاضی چار ہیں۔ حضرت عمر ابوموسیٰ، زید بن ثابت اور حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہم۔ حضرت حسن بصری نے فرمایا میں بصرہ والوں کیلئے حضرت ابوموسیٰ سے بہتر کوئی شخص نہیں آیا۔ یہ حسن صوت کے ساتھ قرآن کریم پڑھنے والے تھے۔ حدیث صحیح میں آیا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ان کو آل داؤد کے مزامیر میں سے ایک مزامیر دیا گیا ہے ابو عثمان نہدی نے فرمایا حضرت ابوموسیٰ کے قرآن کی حسن صوت سے بہتر ربط و مزامیر کی آواز میں نے نہیں سنی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ جب بھی حضرت ابوموسیٰ کو دیکھتے تو کہتے اے ابوموسیٰ ہمیں اپنے رب کی یاد دلاؤ مطلب یہ کہ قرآن پڑھو تا کہ خدا یاد آئے۔

ایک روایت میں آیا ہے کہ فرمایا ہمیں رب تعالیٰ کے حضور لے کے چلو حقیقت یہ ہے کہ کوئی چیز قرآن کریم کے سننے سے زیادہ خدا کی یاد دلانے والی اور اس کا شوق پیدا کرنے والی نہیں ہے کیونکہ اہل عرب اسے خوش آوازی سے پڑھتے ہیں۔ سنت میں مروی ہے کہ ایک رات حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ قرآن کریم پڑھ رہے تھے اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ان کی آواز پر اپنے گوش مبارک رکھے ہوئے تھے۔

جب دن نکلا تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے ابوموسیٰ تم قرآن کریم کو خوب پڑھتے ہو میں تمہاری تلاوت کو سن کر محفوظ ہو رہا تھا۔ حضرت ابوموسیٰ نے عرض کیا افسوس اگر مجھے معلوم ہوتا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سماعت فرما رہے ہیں تو میں اور بہتر آراستہ و مزین کر کے پڑھتا۔ حدیث میں آیا ہے کہ رَتَسُوا الْقُرْآنَ بِأَصْوَاتِهِمْ ”مسلمانو! اپنی خوش آوازی سے قرآن کو زینت دو۔“ ایک روایت میں ہے کہ بسلحون العرب ما اذن الله بشئى كاذنه لنبى لجهر بالقُرآن ایک روایت میں بجهر بالقُرآن آیا ہے حدیث میں آیا ہے کہ لَيْسَ مِنَّا مَنْ لَمْ يَتَغَنَّ بِالْقُرْآنِ اس مقام کی بحث پہلے باب تمنا میں گزر چکی ہے۔

معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ: حضرت معاذ رضی اللہ عنہ بن جبل ابو عبد الرحمن انصاری خزرجی شیبی رضی اللہ عنہ علم حلال و حرام میں امام مقدم اور بخیاء و اخیر اصحاب میں سے تھے بڑے جوانمرد اور عالی ہمت تھے۔ صحابہ میں بڑے بزرگ اور عزت والے تھے اور وہ ان لوگوں میں سے تھے جن کے ذکر کے وقت بیساختہ تکبیر و تسبیح یعنی اللہ اکبر اور سبحان اللہ کی آواز بلند ہو جاتی ہے اور وہ انصار کے ان ستر افراد میں سے تھے جو عقبہ میں حاضر ہوئے تھے اور اس جماعت میں تھے جنہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں قرآن کو جمع کیا۔ صحیح میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً مروی ہے کہ اقْرَأْ وَالْقُرْآنُ مِنْ اَرْبَعَةٍ تَمَّ جَارٌ اَمْيُوْا قرآن سے سیکھو ان میں اُن کا بھی ذکر ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے اور حضرت عبد اللہ بن مسعود کے درمیان مواخاۃ فرمائی اور کہا گیا ہے کہ اَخْلَى بَيْنَهُ وَبَيْنَ جَعْفَرِ بْنِ اَبِي طَالِبٍ ان کے اور حضرت جعفر کے درمیان بھائی چارہ کیا گیا یوں تو تمام مسلمان ہی ایک دوسرے کے بھائی ہیں لیکن خاص مناسبت اور مخصوص نسبت کی رعایت ملحوظ تھی اور بعض کو بعض کے ساتھ خاص فرما دیا اس کی حکمت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہی خوب زیادہ جاننے والے ہیں ممکن ہے کہ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ بن جبل کو ان دونوں عزیزوں کا بھائی بنایا ہو۔ (واللہ اعلم)

حضرت معاذ رضی اللہ عنہ غزوہ بدر اور بعد کے تمام غزوات میں شریک ہوئے اور ان کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یمن کی طرف اٹھائیس سال کی عمر میں ہی قاضی و معلم بنا کے بھیجا تھا اور یمن میں جو عمال مقرر تھے ان سے اموال صدقات کو وصول کر کے ان کو مستحقین کے درمیان تقسیم کرنے کا اختیار بخشا۔ ان کی فضیلت میں اتنا ہی کافی ہے کہ حق تعالیٰ نے ان کی رائے کو کتاب و سنت کے

مترادف و برابر قرار دیا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب ان کو یمن کی طرف روانہ فرمایا تو فرمایا اے معاذ رضی اللہ عنہ تم کس چیز سے فیصلہ دو گے عرض کیا اس چیز سے جو کتاب اللہ میں ہے فرمایا اگر تم کتاب اللہ میں نہ پاؤ اور تم پر ظاہر نہ ہو تو پھر کس سے فیصلہ دو گے عرض کیا اجتہاد کروں گا اور میں سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر عمل کروں گا فرمایا اگر سنت رسول میں بھی تم نہ پاؤ تو کس طرح عمل کرو گے؟ عرض کیا اجتہاد کروں گا اور راہ صواب پر پہنچنے کی کوشش کروں گا اور اپنی رائے پر عمل کروں گا اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے شکرانہ میں دست مبارک اٹھایا اور فرمایا: **اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ وَفَّقَ رَسُوْلَهٗ بِمَا یَرْضٰی اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ** یہ ارشاد مبارک امت محمدیہ کے تمام مجتہدوں کیلئے ان کے اجتہاد کیلئے دلیل و حجت ہے اور حضرت معاذ رضی اللہ عنہ ان مجتہدین کرام کے امام و مقتدا ہیں اور خود سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ روز قیامت حضرت معاذ رضی اللہ عنہ امام العلماء بن کے اٹھیں گے اور فرمایا جس وقت علماء اپنے رب کے حضور حاضر ہوں گے تو حضرت معاذ رضی اللہ عنہ بن جبل ان کے آگے ہوں گے اور حق تبارک و تعالیٰ حضرت معاذ پر فرشتوں سے مہابات فرمائے گا۔ حدیث میں ہے کہ حضرت معاذ کی ہر چیز ایمان لائی ہے حتیٰ کہ ان کی مہر یعنی انگشتری تک ایمان لائی ہے یہ ارشاد حضرت معاذ رضی اللہ عنہ جو بھی فتویٰ دیں یا لکھیں اور مہر لگائیں اس کی صحت و صداقت کی طرف اشارہ ہے اور فرمایا: **اَعْلَمُهُمْ بِالْحَلَالِ وَالْحَرَامِ** حلال و حرام کو سب سے زیادہ جاننے والے حضرت معاذ رضی اللہ عنہ بن جبل ہیں اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یمن والوں کو لکھا (جب یہ وہاں بھیجے گئے) میں نے تمہارے پاس اپنے پاس سے بہترین شخص کو بھیجا ہے مسروق سے مروی ہے وہ بیان کرتے ہیں کہ ہم حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے کہ حضرت ابن مسعود نے پڑھا: **اِنَّ مُعَاذًا كَانَ اُمَّةً قَانِتًا لِلّٰهِ** اس پر فروہ بن نوفل نے جو کہ حاضرین مجلس میں تھے کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ اس آیت کو فراموش کر گئے ہیں اور بھولے سے یوں پڑھ گئے ہیں اس پر حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا میں آیت کو بھولا نہیں ہوں بلکہ میں نے تشبیہ کے طریقہ پر حضرت ابراہیم علیہ السلام کی جگہ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کو پڑھا ہے اور ہم حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کو حضرت ابراہیم سے تشبیہ دیا کرتے تھے۔ استیعاب میں یہ حکایت اس طرح منقول ہے کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے جب آیہ کریمہ **اِنَّ مُعَاذًا كَانَ اُمَّةً قَانِتًا لِلّٰهِ حَنِیْفًا وَّكَمَّ يَتُّ مِنَ الْمُسْرِکِیْنَ** پڑھا تو فروہ اشجعی نے کہا اے ابوعبدالرحمن حق تعالیٰ کا ارشاد اس طرح ہے کہ **اِنَّ اِبْرٰهٰیْمَ كَانَ اُمَّةً قَانِتًا لِلّٰهِ حَنِیْفًا** اس پر حضرت ابن مسعود نے اعادہ کیا اور پھر یہی پڑھا کہ ان معاذ کسان امہ جب میں نے دیکھا کہ دوبارہ پھر یہی پڑھ رہے ہیں تو میں نے جان لیا قصد اُڑھا ہے بھول کر نہیں پڑھا ہے اس پر میں خاموش ہو گیا اس کے بعد حضرت ابن مسعود نے فرمایا تم جانتے ہو کہ امت کون ہے اور قانت کون ہے میں نے عرض کیا اللہ اور اس کا رسول زیادہ جانتا ہے فرمایا امت وہ ہے جو خیر کی تعلیم کرے اور اس کی پیروی کی جائے اور قانت وہ ہے جو خدا کا مطیع و فرمانبردار ہو یہی حال حضرت معاذ رضی اللہ عنہ بن جبل رضی اللہ عنہ کا ہے کہ وہ خیر کی تعلیم دیتے اور حق سبحانہ و تعالیٰ اور اس کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی و اطاعت کرتے ہیں۔

ارباب سیر بیان کرتے ہیں کہ جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو یمن کی طرف بھیجا تو فرمایا تمہارے لئے ہدیہ حلال ہے اگر کوئی تمہارے پاس ہدیہ بھیجے تو اسے قبول کر لینا اور جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کو رخصت کیا تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کیلئے دعا فرمائی کہ حق تعالیٰ تمہیں تمہارے آگے اور تمہارے پیچھے اور تمہارے داہنے اور تمہارے بائیں کو محفوظ رکھے اور فرمایا اے معاذ رضی اللہ عنہ میں تمہارے لئے پسند کرتا ہوں کہ نماز کے بعد تین مرتبہ **یَا رَبِّ اَعِیْزِ عَلٰی ذٰلِکَ وَتُکْرِکَ وَحُسْنِ عِبَادَتِکَ** پڑھ لیا کرو۔ ابونعیم نے حیلہ میں ان کی تعریف میں کہا کہ وہ امام الفقہاء اور مخزن العلماء ہیں اور وہ عقبہ بدر اور تمام غزوات میں حاضر ہوئے وہ انصار کے جوانوں میں حلم و حیا اور سخاوت میں افضل تھے وہ حسین و جمیل، نیک خصال، پاکیزہ ترین

شخص تھے۔ ایک روایت میں آیا ہے کہ وہ گورے اور تابندہ چہرے اور درخشندہ دانتوں والے اور سرگیں جسم تھے۔ کعب بن مالک رضی اللہ عنہ نے فرمایا حضرت معاذ رضی اللہ عنہ جوان جمیل تخی اور اپنی قوم کے جوانوں میں سب سے بہتر شخص تھے۔ انہوں نے خدا سے جو مانگا حق تعالیٰ نے انہیں مرحمت فرمایا و اقدی فرماتے ہیں کہ وہ بہت حسین و جمیل تھے اور تمام غزوات میں شریک ہوئے۔ انہوں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے احادیث روایت کی ہیں اور ان سے عمرو بن العاص، ابن عمر، عبد اللہ بن عمرو بن العاص، عبد اللہ بن اونی، انس ابن مالک، ابوقحادہ انصاری، جابر بن سمرہ وغیرہ صحابہ کام اور کبار تابعین کی جماعت کثیرہ رضی اللہ عنہم اجمعین نے روایت کیا ہے۔ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ بن جبل بڑے تخی تھے کچھ بچا کے نہیں رکھتے تھے ہمیشہ قرض دار رہتے تھے یہاں تک کہ ان کا تمام مال قرض میں گھر گیا اس کے بعد وہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئے اور قرض خواہوں کو بلا کر ان سے قرض معاف کرنے کیلئے فرمایا مگر انہوں نے انکار کر دیا اگر وہ قرض خواہ کسی کی وجہ سے کسی کیلئے قرض معاف کرتے تو وہ یقیناً رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وجہ سے حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کو معاف کر دیتے۔

حضرت معاذ رضی اللہ عنہ یمن سے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے زمانہ خلافت میں واپس آئے اس کے بعد وہ شام کی جانب چلے گئے۔ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے حضرت صدیق رضی اللہ عنہ سے اس وقت کہا کہ جب حضرت معاذ رضی اللہ عنہ شام جا رہے تھے کہ ان کو جانے سے روکوں کہ اہل مدینہ ان کی فقہ اور ان کے فتوے کے ضرورت مند ہیں اس میں خلل واقع ہوگا لہذا ان کی ضروریات کا لحاظ کرتے ہوئے ان کو روک لیا جائے مگر حضرت صدیق رضی اللہ عنہ نے مجھ سے منع فرمادیا اور فرمایا کہ میں کس طرح ایسے شخص کو روک سکتا ہوں جو درجہ شہادت کا خواستگار ہے اس پر میں نے کہا خدا کی قسم آدمی کو اس حال میں بھی کہ وہ اپنے گھر بستر پر پڑا ہو شہادت کا ثواب دیا جاتا ہے۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کو حضرت ابوعبیدہ بن الجراح رضی اللہ عنہ کی وفات کے بعد شام پر حاکم مقرر فرمایا پھر وہ بھی اسی سال اردن میں طاعون عمواس میں ۱۸ھ یا ۱۷ھ میں فوت ہو گئے اس وقت ان کی عمر شریف پینتیس یا چونتیس یا اڑتالیس سال کی تھی (عمواس ایک قریہ ہے جو امد اور بیت المقدس کے درمیان ہے) ان کے بعد حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کو عامل بنایا جب لوگوں میں طاعون کی بیماری پھیلی تو عمرو بن العاص کھڑے ہو گئے اور لوگوں سے کہا اس جگہ سے چلے جاؤ کیونکہ یہ آگ کے حکم میں ہے۔ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ بن جبل نے فرمایا تم عجب نادان ہو اور تم اور تمہارے لوگ گدھے سے زیادہ بے وقوف ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا ہے کہ یہ امت کیلئے رحمت ہے اے خدا معاذ رضی اللہ عنہ اور معاذ رضی اللہ عنہ کے لوگوں کو ان میں سے یا دفرما جن کو تو نے اس رحمت میں یاد کیا ہے مروی ہے کہ جب طاعون کی بیماری پھیلی تو عرض کیا خداوند یہ تیری جانب سے تیرے بندوں پر رحمت ہے خداوند معاذ رضی اللہ عنہ کو اس کے گھر والوں کو اس کے حق سے محروم نہ فرما اور جب حضرت معاذ رضی اللہ عنہ پر طاعون کا حملہ ہوا تو اپنی وفات کے وقت کہا اَحْسِنُ حَلَقِيْ گلے کو خنقی کے ساتھ گھونٹ جیسا کہ تو چاہتا ہے وَ عَزَّكَ لَتَعْلَمَنَّ اَنِّيْ اُحِبُّكَ قسم ہے تیرے عزت و جلال کی یقیناً تو جانتا ہے کہ میں تجھے محبوب رکھتا ہوں۔ (كَمَا قَالَ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ) منقول ہے کہ ایک عورت بھی اس کا شوہر دو سال سے غائب تھا جب شوہر واپس آیا تو اس نے اپنی بیوی کو حاملہ پایا اس پر اس نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی عدالت میں مقدمہ پیش کیا۔ انہوں نے اس عورت کو سنگسار کرنے کا حکم دیا اس وقت حضرت معاذ رضی اللہ عنہ بن جبل رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر فاروق اعظم سے فرمایا اگر تمہیں سربراہی حاصل ہے تو وہ عورت کی ذات پر ہے اور جو بچہ اس کے پیٹ میں ہے اس پر تمہیں کوئی ولایت حاصل نہیں اس پر حضرت عمر فاروق نے فرمایا بچہ کی پیدائش تک قید میں رکھو اس کے بعد عورت نے دو سالہ بچا جناب اس بچے کو اس کے باپ نے دیکھا تو اس نے بچہ میں اپنی شبہت پہچان لی اور کہنے لگا اِنْسِيْ اِنْسِيْ وَ رَبِّ

الْكُفَّةِ یعنی میرا بیٹا ہے، میرا بیٹا ہے رب کعبہ کی قسم جب یہ خبر حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کو پہنچی تو آپ نے فرمایا اگر وہ عورت اپنے

شک کو دور رکھتے تو اس پر ہرگز کوئی ضرر نہ ہوتا۔

== جلد دوم ==

== جلد دوم ==

== جلد دوم ==

== جلد دوم ==

== جلد دوم ==

== جلد دوم ==

== جلد دوم ==

== جلد دوم ==

== جلد دوم ==

== جلد دوم ==

== جلد دوم ==

== جلد دوم ==

== جلد دوم ==

== جلد دوم ==

== جلد دوم ==

== جلد دوم ==

== جلد دوم ==

== جلد دوم ==

== جلد دوم ==

== جلد دوم ==

== جلد دوم ==

== جلد دوم ==

محسن کا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے قاصدوں میں سے ہونا معلوم ہوتا ہے اور ظاہر ہوتا ہے کہ بدرہ ابن مسہر خفی بھی کوئی شخص تھا جس کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت حاصل تھی۔ اصابعہ میں پہلے و بر بن مسہر خفی بیان کیا اس کے بعد و بر بن محسن کلبی لائے ہیں اور دونوں کیلئے صحبت کا اثبات کیا ہے اور براء بن محسن سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے بیان کیا کہ مجھ سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تم صنعا پہنچو تو پہاڑ کے مقابل صنعا میں ایک مسجد ہے اس میں نماز پڑھنا جب اسود کذاب قتل کر دیا گیا تو براء نے کہا کہ یہی وہ جگہ ہے جہاں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز پڑھنے کا مجھے حکم فرمایا ہے اور و بر ابن مسہر کے ذکر میں ہے کہ مسیلہ کذاب نے ان کو ابن نواح اور ابن معان خفی کے ساتھ بھیجا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ان کا آنا اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کی گواہی دینا اور مسیلہ کے کذب کا اقرار کرنا بھی بیان کیا ہے۔

ضیب بن زید بن عاصم رضی اللہ عنہ: ضیب بن زید بن عاصم انصاری مازنی بخاری برادر عبد اللہ بن زید رضی اللہ عنہما ہیں۔ بدر واحد اور خندق میں حاضر ہوئے اور ابن اسحق نے انہیں عقبہ کے حاضرین میں شمار کیا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو مسیلہ کذاب کا طرف مامہ بھیجا اور جب مسیلہ کذاب ان سے کہتا کہ کتا تم گواہی دے تو جو کہ محمد خدا کے رسول ہیں، تو وہ کہتے

ہاں میں گواہی دیتا ہوں اور جب وہ کہتا کہ کیا تم گواہی دیتے ہو کہ میں خدا کا رسول ہوں؟ تو وہ کہتے ہیں بہرہ ہوں کچھ نہیں سنتا اسی طرح کئی مرتبہ اس ملعون نے کہا بالآخر مسیلہ لعنۃ اللہ علیہ نے ان کو قتل کر دیا اور ان کے اعضا کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیئے اور وہ شہید ہو کے فوت ہوئے جب روزِ یمامہ ہوا تو ان کے بھائی عبد اللہ بن زید میدان جنگ میں نکلے انکی والدہ نے نذر مانی تھی کہ جب تک مسیلہ مارا نہ جائے گا غسل نہ دیں گی یہ اسماء و رضیۃ الاحباب میں بیان کئے گئے ہیں جو تمام ہوئے کچھ اور نام بھی ہیں جن کو مومناہ لدنیہ میں بیان کیا گیا ہے ہم ان کو بھی بیان کرتے ہیں وہ یہ ہیں۔

عباد بن بشر رضی اللہ عنہ: ایک عباد بن بشر رضی اللہ عنہ ہیں جن کو بنی سلیم دانیہ کی جانب بھیجا گیا۔ عباد فتح عین و تشدید با اور بشر بکسر با و سکون شین ہے۔ یہ انصاری اشہلی ہیں۔ حضرت مصعب بن عمیر کے ہاتھ پر حضرت سعد بن معاذ سے پہلے اسلام لائے بدر واحد اور تمام غزوات میں حاضر ہوئے اور یہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بہت خدمت کرتے اور آپ کی پاسبانی بھی کرتے تھے۔ اسی وجہ سے ان کو پاسبان بارگاہ رسالت میں بھی ذکر کیا گیا ہے۔ (جیسا کہ مذکور ہوا)

بریدہ رضی اللہ عنہ: ایک حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ ہیں ان کو حضرت کعب بن مالک کے ساتھ قبیلہ غفار و اسلم کی طرف بھیجا۔ بارگاہ رسالت کے کاتبوں میں تذکرہ گزر چکا ہے۔

رافع بن مکیث رضی اللہ عنہ: ایک رافع بن مکیث (فتح میم و کسر کاف و سکون یا) جہنی ہیں۔ بیعت رضوان میں حاضر ہوئے اور یہ ان میں سے ہیں جو قبیلہ جہنیہ کے علم روز فتح مکہ اٹھائے ہوئے تھے اور قبیلہ جہنیہ پر ان کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے وصولی صدقات کیلئے عامل بنایا اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ساتھ حابہ میں حاضر ہوئے ابوداؤد میں ان کی ایک حدیث ہے جو کہ ان کے فرزند حارث بن رافع کی سند سے حسن ملکہ میں ہے۔ اسی طرح اصابعہ میں مذکور ہے اور استیعاب میں ہے کہ رافع بن مکیث جہنی برادر جندب بن کیث ہیں۔ حدیبیہ میں حاضر ہوئے انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی ہے کہ فرمایا کہ آگ برآمد ہوگی جو لوگوں کو محشر کی طرف گھیر کر لے جائے گی ان سے ان کے بیٹے بشر بن رافع رضی اللہ عنہ نے روایت کیا۔

کیلئے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے علم تیار کیا تھا۔ واقدی نے کہا کہ وہ اپنی قوم بنی کلاب کے صدقات پر عامل تھے اور قریش پر ان کو حاکم بنایا تھا وہ اہل مدینہ میں شمار کئے گئے ہیں اور ان کو شجاعوں میں شمار کیا جاتا تھا تنہا ان کو سو جوانمردوں کے مقابل سمجھا جاتا تھا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو لشکر کے مار، بھیجا اور انکا اطراف حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے لکھا کہ اشیر ضالما، کا، یومہ، کا، ارش، راکم،

کو جمع کر کے لائیں تو وہ مولیٰ اور اموال زکوٰۃ کے لائے اور انہوں نے ان کو لے لیا۔ بنی تمیم کو اپنی ذاتی خسرت و بخل کی بنا پر یہ مال بہت معلوم ہوا اور وہ بنی کعب سے کہنے لگے اتنا زیادہ مال اپنے سے کیوں جدا کرتے اور باہر نکالتے ہو بنو کعب نے کہا ہم دین اسلام کے تابع اور فرمانبردار ہیں اور دین میں زکوٰۃ دینا لازمی ہے۔ تمہیوں نے کہا خدا کی قسم ہم ایک اونٹ بھی یہاں سے جانے نہ دیں گے اور ہتھیار باندھ کر آمادہ پیکار ہو گئے۔ بشر بن سفیان نے راہ فرار اختیار کرنے کو بہتر سمجھا اور وہ مدینہ طیبہ لوٹ آئے جب یہ واقعہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں پیش ہوا تو چاہا کہ بنو تمیم پر لشکر بھیجیں فرمایا کون ہے جو ان کے یہاں جائے اور ان سے سرکشی کا بدلہ لے۔ عیینہ بن حصین جو بنی تمیم سے عداوت اور دشمنی رکھتے تھے عرض کرنے لگے یہ کام میں کروں گا تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مہاجر و انصار کے پچاس سوار ان کے ہمراہ کر کے بنو تمیم پر بھیجا۔ انہوں نے ان پر حملہ کیا اور تاخت و تاراج کر دیا۔ ان کی عورتوں بچوں کو قید کر کے لے آئے اس کے بعد بنو تمیم روتے پیٹتے فریاد کرتے آئے اور کہنے لگے یا رسول اللہ ہمیں کیوں لٹواتے پٹواتے اور ہمارے بال بچوں کو قید کراتے ہیں پھر وہ بہت جھگڑے اور مفاخرت کرنے لگے یہ قصہ بہت طویل ہے جو سالانہم کے ابتدائی واقعات میں بیان ہو چکا ہے یہ چند اشخاص تھے جن کو مواہب نے قاصدوں میں شمار کیا ہے لیکن مخفی نہ رہنا چاہئے کہ ان اشخاص کو قاصدوں کے زمرہ میں داخل کرنا موزوں و مناسب نہیں ہے ان کو عمال کے زمرہ میں داخل کرنا چاہئے تھا۔



باب پنجم

در ذکرِ عمالِ بارگاہِ نبوت صلی اللہ علیہ وسلم

قبائل سے اموال صدقات کو وصول کرنے والے چند افراد تھے جن کے اسماء یہ ہیں

عاجلہ سے : حضرت مولانا محمد رفیع الدین صاحب دہلی نے فرمایا کہ :

صدقات پر عامل تھے یہ عام لفیل کے دس سال بعد پیدا ہوئے جاہلیت میں ان کا نام عبدالکعبہ یا عبدعمر تھا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا نام عبدالرحمن رکھا ان کی والدہ شفا بنت عبدعوف بن حارث بن زہرہ ہے اور وہ ان کی والدہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر قدیم زمانہ میں اسلام لائے اور حبشہ کی دونوں ہجرتیں کیں اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تمام غزوات میں حاضر ہوئے۔ روز احد ثابت قدم رہے اور غزوہ تبوک میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے پیچھے نماز پڑھی اس کا قصہ جیسا کہ حدیث میں مذکور ہے یہ ہے کہ حضور صحرا میں تشریف لے گئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے آئے۔ حضرت عبدالرحمن رضی اللہ عنہ نے چاہا کہ پیچھے آجائیں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اپنی جگہ رہنے کا اشارہ فرمایا پھر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک رکعت ان کے ساتھ گزاری اور بعد کو مسبوکی کی مانند اپنی نماز مکمل فرمائی۔

حضرت عبدالرحمن بن عوفؓ سے تھے اور اس نے طبع کا طرف ہجرت کیا تھا، اور ان کو نہ تو نگہی اور ساری خبروں

الرحمن نے دعا مانگی کہ خداوند حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے پہلے مجھے موت دے دے چنانچہ وہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے چھ ماہ قبل فوت ہو گئے۔

حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ نے حضرت عبدالرحمن بن عوف کی رحلت کے وقت فرمایا: ذَهَبَ ابْنُ عَوْفٍ فَقَدْ أَذْرَكْتُ صَغُورَهَا وَسَبَقْتُ لَهُ زَهَقًا اے گدڑ رکھا یعنی ابن عوف رخصت ہو گئے جو کہ بلاشبہ پاک و صاف تھے اور اپنی تلخت اور بچا کچھ لوگوں کو چھوڑ گئے۔

حضرت ابراہیم بن عبدالرحمن بن عوف سے مروی ہے انہوں نے بیان کیا کہ مرض موت نے ان کو بے ہوش کر دیا جب ہوش آیا تو فرمایا میرے پاس دو فرشتے سخت و خشن آئے اور انہوں نے مجھ سے کہا آؤ تا کہ تمہارا محاکمہ عزیز و امین کے پاس لے جائیں پھر ان سے ایک اور فرشتہ ملا اس نے ان سے کہا اسے کہاں لئے جاتے ہو انہوں نے کہا ہم اس کا محاکمہ کریں گے۔ اس پر اس فرشتہ نے ان دونوں فرشتوں سے کہا جو لے جانا چاہتے تھے اسے چھوڑ دو کیونکہ یہ ان میں سے ہیں جن کی سعادت مندی اس وقت ہی لکھ دی گئی تھی جبکہ وہ اپنی ماں کے پیٹ میں تھے۔ اسے ابو نعیم نے روایت کیا ہے۔

حضرت عبدالرحمن بن عوف کے اسلام لانے کا قصہ جیسا کہ حمید بن عبدالرحمن بن عوف نے اپنے والد ماجد سے بیان کیا ہے یہ ہے انہوں نے فرمایا کہ میں نے اپنے والد ماجد کو فرماتے سنا ہے کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے ایک سال قبل یمن کی جانب سفر کر رہا تھا میں عکان بن عوام حمیری کے پاس ٹھہرا وہ ایک سن رسیدہ شخص تھے ان کی عمر بہت طویل تھی یہاں تک کہ چوزہ کی مانند اس کی کمر کبڑی ہو گئی تھی اور میں ہمیشہ یمن میں اسی کے پاس ٹھہرا کرتا تھا تو وہ مجھ سے ہمیشہ مکہ کے حالات پوچھا کرتے تھے اور استفسار کرتے کہ کیا وہ ہستی مقدس تم میں ظاہر ہو گئی ہے اور تم میں اس کا چرچا شروع ہو گیا ہے؟ کیا تم میں سے کسی نے تمہارے دین کی مخالفت میں اپنا دین حق ظاہر کیا ہے؟ میں کہتا ابھی تک ان کا ظہور نہیں ہوا ہے اور جس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کا ظہور ہوا اور میں اس کے پاس گیا تو اس نے مجھ سے کہا کیا تمہیں ایسی خوشخبری سناؤں جو تمہاری تجارت سے زیادہ بہتر ہے اور کہا کہ اللہ تعالیٰ نے تمہاری قوم میں ایک نبی مبعوث فرمایا ہے اور اس پر اپنی کتاب نازل فرمائی ہے جس میں بت پرستی کی ممانعت ہے اور اسلام کی دعوت دی گئی ہے اور وہ نبی مکرم حق کا حکم دیتا ہے اور اس کا اثبات کرتا ہے اور باطل سے منع فرماتا ہے اور اس کا ابطال کرتا ہے وہ بنی ہاشم میں سے ہے اور تم ان کے بھائیوں میں سے ہو۔ اے عبدالرحمن اس بات کو گرہ میں باندھ لے اور ان کے پاس پہنچنے میں جلدی کر اور ان کی تقویت کر اور ان کی تصدیق بجالا اور یہ اشعار میری طرف سے ان کی بارگاہ میں پیش کر دے۔ آیات

اشهد بالله ذی العالی	دفاع اللیل والصبح
انک فی الیسر من القریش	یا ابن المسعدی من الذباح
ارسلت مدعوا الی یقین	ترشد للحق والفلاح
یذکر والسنن رکبسی	عن بکرۃ السیر والسرواح
نصرت جلساء الارض بیٹی	قد قص من فوقی جناحی
اذ نادى بالیدیار بعد	فانت حرزی و مستراحی
اشهد بالله رب موسی	انک ارسلت بالبطاح
فکن شفیع الی ملک	یدعو البرایا الی الفلاح

حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے ان اشعار کو یاد کر لیا اور واپس مکہ مکرمہ لوٹ آیا اس کے بعد میں نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے ملاقات کی اور سارا حال ان سے بیان کیا انہوں نے فرمایا یہ محمد بن عبداللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں جن کو حق تعالیٰ نے ساری خلق کی طرف مبعوث فرمایا ہے تو آؤ ان کے حضور حاضر ہوں پھر میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہوا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت سیدہ خدیجہ الکبریٰ کے گھر تشریف فرما تھے میں نے حاضر ہونے کی اجازت چاہی جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے دیکھا تو تبسم کے ساتھ فرمایا میں تمہارا چہرہ ہشاش بشاش دیکھ رہا ہوں اور اس سے بھلائی کی توقع رکھتا ہوں بتاؤ اے ابو محمد! کیا خبر لائے ہو میں نے عرض کیا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کس خبر کے بارے میں استفسار فرما رہے ہیں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم ایک امانت لے کے آئے ہو جس کو لے کر تمہیں میری طرف بھیجا گیا ہے تو وہ امانت پہنچاؤ اور بیان کرو اور آگاہ و خبردار ہو جاؤ کہ ابنائے حمیر، خواص مومنین میں سے ہیں۔ حضرت عبدالرحمن فرماتے ہیں کہ اس کے بعد میں اسلام لے آیا اور میں نے شہادت دی کہ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ پھر ان اشعار کو سنایا جو کہ اس حمیری شخص نے کہے تھے۔ اس پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کتنے ہی خوش نصیب لوگ ہیں جو بغیر مجھے دیکھے مجھ پر ایمان لائے اور بغیر حاضر ہوئے میری تصدیق کی یہ لوگ میرے بھائی

اہل سیر بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے ان سے سو درہم مانگے انہوں نے فرمایا میں حاتم کا بیٹا ہوں مجھ سے سو درہم مانگتے ہو خدا کی قسم میں تمہیں نہ دوں گا۔ منقول ہے کہ ایک شاعر نے ان کی مدح کرنی چاہی آپ نے فرمایا ٹھہرو پہلے میں دیکھ لوں کہ میرے گھر میں کیا ہے تاکہ اس کے مطابق میری مدح کرو آپ اندر گئے اور گھر میں جس قدر نقد و جنس اور غلام و گھوڑے تھے لائے اور سب اسے دے دیئے بقیہ احوال ملاقات اور قصہ اسلام وغیرہ کا تذکرہ (وفود کے بیان میں) وفد بنی طے میں گزر چکا ہے۔

عیینہ بن حصین رضی اللہ عنہ: ایک عامل عیینہ بن حصین بن فزازہ فتح فاوڑا ہیں ان کا تذکرہ نویں سال کے واقعات کی ابتدا میں گزر چکا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب شروع ماہ محرم ۹ھ میں ان قبائل کی جانب عمال مقرر فرمائے جو اسلام لے آئے تھے تاکہ یہ ان سے ان کے اموال کا صدقہ وصول کر کے لائیں۔ ایک انہیں سے بشر بن سفیان کہی تھے جن کو بنی کعب کی شاخ خزاعہ کی جانب بھیجا تھا جس وقت بشر بنی کعب کی زکوٰۃ و صدقات کو جمع کر کے لانے لگے تو بنی تمیم نے اپنی وفاء و خاست اور بقیہ جہالت و جفا اور شدت و قساوت اور عدم حسن اسلام کی بنا پر ان اموال کو لے جانے سے روکا تھا اس کا پورا ذکر بیان کیا جا چکا ہے۔ تعجب ہے کہ روضۃ الاحباب میں حضرت بشر بن سفیان کو ان عاملوں کے ضمن میں بیان نہیں کیا ممکن ہے کہ اس بنا پر بیان نہ کیا ہو کہ وہ گئے بھی مگر بغیر کام کئے بھاگ آئے تھے اور وہ کرتے بھی کیا جبکہ وہ تنہا تھے اور لشکر ساتھ نہ تھا اور حضرت عیینہ بن حصین کے ساتھ لشکر تھا اسی بنا پر اس لشکر کا نام سریہ عیینہ بن حصین ہوا مع ہذا چند ایسے عاملوں کا تذکرہ کیا ہے جن کے حالات میں انہوں نے کچھ بیان کیا میں ان لوگوں کے حالات کو تلاش کر کے اس جگہ انشاء اللہ تعالیٰ بیان کرتا ہوں۔

ایاس بن قیس اسدی رضی اللہ عنہ: ایک ایاس بن قیس اسدی ہیں جن کو بنی اسد پر بھیجا گیا تھا یہ نام ان سیر کی کتابوں میں میں نے نہیں پایا۔ (واللہ اعلم)

ولید بن عقبہ رضی اللہ عنہ: ایک ولید بن عقبہ بن ابی ابی معیط ہیں جن کو بنی المصطلق پر بھیجا گیا تھا یہ حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کی والدہ کے بھائی ہیں ان کی کنیت ابو ذہب ہے وہ اور ان کے بھائی خالد بن عقبہ اسلام لائے۔ استیعاب میں اتنا ہی مذکور ہے۔ اصابعہ میں عمارہ بن عقبہ کہا گیا ہے۔ ان کو بنی المصطلق پر بھیجنے کا تذکرہ بیان کیا جا چکا ہے۔

ارباب سیر بیان کرتے ہیں کہ جب ان کو بنی المصطلق پر ان کے صدقات کی وصولیابی کیلئے بھیجا گیا تو وہ ان کے پاس ہتھیار باندھ کر گئے تو ان کے دل میں ان کی طرف سے خوف بیٹھا ہوا تھا وہ لوٹ آئے اور خبر دی کہ وہ لوگ مرتد ہو گئے ہیں اور صدقہ کی ادائیگی سے انکار کر دیا ہے اس پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو ان کی تحقیق حال کے لئے روانہ فرمایا۔ حضرت خالد رضی اللہ عنہ خراہ کرکہ لوگ اسامہ بن مستقم پر اس وقت آئے کہ انہوں نے ان کے پاس پہنچا تو انہوں نے ان سے کہا کہ تم لوگ اسامہ بن مستقم پر آئے ہو۔

جب ولید رضی اللہ عنہ کوفہ میں آئے تو انہوں نے فرمایا میں نہیں جانتا کہ تم میرے بعد نیکو کار رہو گے یا لوگ تمہیں خراب کر دیں گے۔ استیعاب اور اصابہ میں منقول ہے کہ ولید بن عقبہ شاعر فصیح، سخی، کریم، حلیم اور مروان قریش میں سے شجاع شخص تھا۔ یہ ان کے لشکروں میں سے تھا لیکن اس کی بد حالی اور افعال کی برائی میں خبریں بہت مروی و مشہور ہیں اور اس کا شراب پینا تو پایہ ثبوت کو پہنچ چکا ہے اور صحیحین میں مذکور ہے کہ حضرت عثمان نے شراب خوری کی حد اس پر نافذ کی ہے اور اسے معزول کر دیا ہے۔

صحیح بخاری میں مروی ہے کہ حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا اس پر حد جاری کر دو۔ استیعاب میں ابن شوذب سے منقول ہے کہ ولید نے صبح کی نماز قوم کو چار رکعت پڑھائی اس کے بعد قوم کی طرف منہ پھیر کے کہا اور زیادہ پڑھاؤں۔ اس پر حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہم آج سے ہمیشہ ہی تمہاری طرف سے زیادتی میں ہیں۔ اصابہ میں کہا گیا ہے کہ بعض اہل کوفہ نے ولید کے ناحق ہونے کی گواہی دی ہے۔ ابن عبدالبر کہتے ہیں کہ اس بارے میں جتنی بھی خبریں لائی گئی ہیں وہ سب منکر ہیں۔ (واللہ اعلم)

حارث بن عوف مزی رضی اللہ عنہ: ایک عامل حارث بن عوف مزی ہیں۔ عہد جاہلیت کے فرسان سے بنی مرہ پر بھیجا تھا جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہوئے تو ان پر ان کی قوم کا خون باقی رہ گیا تھا اسلام نے ان کو چھٹکارا دلویا۔ منقول ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی بیٹی کا پیغام دیا۔ اس پر انہوں نے کہا کہ میں راضی نہیں ہوں کہ اسے آپ کے عقد میں دیا جائے اس لئے کہ وہ برص کے مرض میں مبتلا ہے حالانکہ اسے برص نہ تھا پھر جب وہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس گھر پہنچے تو اپنی بیٹی کو برص میں مبتلا دیکھا پھر اس نے اپنے چچا کے بیٹے زید بن حمزہ مزی سے نکاح کر دیا اس سے ایک لڑکا پیدا ہوا جو ابن البرصا کے نام سے مشہور ہوا۔ بنی مرہ کے وفد میں تیرہ آدمی تھے ان کے سردار حارث بن عوف تھے یہ وفد حبشہ کی واپسی پر آیا تھا۔ پھر وہ بیت الحارث میں ٹھہرے اس کے بعد وہ بارگاہ رسالت میں حاضر ہوئے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت مسجد نبوی شریف میں جلوہ افروز تھے پھر حارث نے کہا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! ہم آپ کے خاندان اور آپ کی قوم سے ہیں یعنی لوئی بن غالب کی اولاد سے ہیں۔ اس کے بعد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو بنی مرہ پر بھیجا۔ حارث نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے ساتھ کسی کو بھیجئے جو آپ کے دین کی ہماری قوم کو دعوت دے، ہم اس کے محافظ ہوں گے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک انصاری شخص کو ان کے ساتھ بھیجا پھر حارث کی قوم نے اس کو قتل کر دیا اور حارث رضی اللہ عنہ اپنی قوم کو اس سے باز نہ رکھ سکے۔ اس کے بعد حارث آئے اور معذرت خواہی کی اور حسان بن ثابت نے آیات کہے جو حارث رضی اللہ عنہ کی معذرت کے مقبول نہ ہونے پر دلالت کرتے تھے۔ اس پر حارث رضی اللہ عنہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میں حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ کی زبان سے آپ سے پناہ مانگتا ہوں اس کے بعد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی معذرت قبول فرمائی اور قاتل نے مقتول کی دیت میں اونٹ بھیجے اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان اونٹوں کو قبول فرمایا اور انصاری شخص کی قوم کی جانب انہیں بھیج دیا۔

مسعود بن رجبیل رضی اللہ عنہ: ایک عامل مسعود بن رجبیل اشجعی ہیں جن کو اشجعی پر بھیجا گیا تھا۔ وہ بنی عبداللہ غطفان سے ہیں اور وہ بنی عیسٰی پر عامل تھے اور وہ احزاب میں مسلمانوں کے خلاف قوم اشجعی کے قائد تھے اس کے بعد وہ اسلام لائے اور ان کا اسلام

ہے۔ (واللہ اعلم)

عباس بن مرداس رضی اللہ عنہ: ایک عامل عباس بن مرداس ہیں جن کو بنی سلیم کی جانب بھیجا گیا اس نام کو بھی میں نے نہیں ماما البتہ عباس رضی اللہ عنہ بن مرداس کا تذکرہ جو مشاہیر مؤلفۃ القلوب میں سے ہیں اور ایک شاعر ہیں۔ ان کا ذکر پہلے بھی مار مار

گزر چکا ہے۔ اہل سیر کہتے ہیں کہ انہوں نے زمانہ جاہلیت میں شراب کو اپنے اوپر حرام کر رکھا تھا لیکن ان کا عامل بنانا معلوم نہ ہوا۔ روضۃ الاحباب کے نسخہ صحیحہ میں عباس رضی اللہ عنہ بن مرداس بتقدیم دال برراء لکھا ہوا ہے۔ (واللہ اعلم)

لبید بن حاطب رضی اللہ عنہ: ایک عامل لبید بن حاطب ہیں جو قبیلہ دارم پر عامل تھے ان کا نام بھی میں نے نہیں پایا۔ عامر بن مالک رضی اللہ عنہ: ایک عامل بن مالک بن جعفر بن کلاب بن ربیعہ عامری کلابی ہیں جو بنی عامر بن حصصہ پر عامل تھے ان کو "ملاعب الاسنہ" کہتے ہیں۔ ان سے بروایت سلیمان بن ابی عثمان نہدی مروی ہے۔ انہوں نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا طاعون و غرق شہادت ہے۔ استیعاب میں اتنا ہی بیان کیا گیا ہے اور کہا کہ ان کو ابن قانع نے صحابہ میں بیان کیا ہے۔

محسن اسلام

WWW.NAFSEISLAM.COM

سعد رضی اللہ عنہ وعوف رضی اللہ عنہ اور ضحاک رضی اللہ عنہ: ان عاملوں میں سے سعد بن مالک اور عوف بن

مالک نضری اور ضحاک کلابی ہیں ان کو بنی کلاب پر عامل مقرر کیا گیا۔ اس عبارت سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ تینوں بنی کلاب پر بھیجے گئے تھے اور یہ بھی معلوم ہو گیا کہ بنی عامر اور بنی کلاب ایک ہی شخص ہیں ان میں سے ایک سعد بن مالک بن سان جو کہ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ ہیں وہ اپنی کنیت کے ساتھ مشہور ہیں اور مشآہیر صحابہ میں سے ہیں۔ دوسرے سعد بن مالک بن خالد انصاری ساعدی ہیں۔ جنہوں نے غزوہ بدر کی تیاری کی پھر وہ بیمار ہو گئے اور جانہ سکے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو بھی حصہ مرحمت فرمایا تیسرے سعد بن مالک وہ ہیں جو سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کے نام سے مشہور ہیں اور عشرہ مبشرہ میں سے ہیں چوتھے سعد بن مالک عذری (بضم عین وسکون ذال) منسوب بہ بنی عذرہ ہیں اور وہ بنی عذرہ کے وفد کے ساتھ حاضر ہوئے تھے۔ اصحابہ میں ابو عمر و بن حریث العذری سے

روایت ہے انہوں نے کہا کہ ہم نے اپنے اجداد کی کتاب میں پایا ہے کہ انہوں نے کہا کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ۹ھ میں بارہ افراد کے ساتھ وفد بن کے حاضر ہوئے اس وفد میں حمزہ بن نعمان اور سعد و سلیم پسران مالک تھے جیسا کہ گزرا ظاہر ہے کہ اس جگہ سعد بن مالک سے مراد وہی ہیں۔

عوف بن مالک کے بارے میں اصحابہ میں کہا گیا ہے کہ عوف بن مالک نضری کو خلیفہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے عاملوں میں بیان کیا ہے جن کو ہوازن نضر اور ثقیف پر بھیجا گیا تھا اور کہا کہ گویا کہ ان کا نام منقلب ہو گیا ہے کہ مشہور تو مالک بن عوف ہیں مگر اصل میں عوف بن مالک بن سعید بن ربیع ابوعلی النضری آیا ہے۔ وہ حنین کے دن مشرکوں کے سردار تھے جب مشرکوں کو شکست ہوئی تو مالک بن عوف طائف پہنچ گئے اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اعلان کرایا کہ اگر وہ مسلمان ہو کر آجائے تو اس کے اہل و عیال کو اسے واپس کر کے سوانٹ انعام میں دوں گا جس طرح کہ تمام مؤلفۃ القلوب کو عطا فرمایا ہے پھر مالک بن عوف نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مدح میں قصیدہ پیش کیا اس کے بعد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو ان کے قبیلہ کے جو لوگ مسلمان ہو گئے تھے ان پر عامل بنایا۔ شیخ نے اصحابہ میں ایسا ہی کہا ہے۔ (واللہ اعلم)

لیکن ضحاک رضی اللہ عنہ بن سفیان بن عوف بن ابوبکر کلاب کلابی ان کی کنیت ابوسعید ہے وہ اپنی قوم کے صدقات پر عامل تھے اور وہ شجاعوں میں سے تھے وہ تنہا سواروں کے برابر شمار ہوتے تھے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو ایک لشکر کا امیر بنا کے بھیجا۔ امام حسن بصری نے ان سے ایک حدیث روایت کی ہے جسے بغوی نے نقل کیا ہے اور ابن قانع نے بھی نقل کیا ہے کہ وہ بڑے شمشیر زن تھے۔ وہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سرہانے تلوار حمل کر کے کھڑے ہوتے تھے اسی بنا پر ان کو پاسبان بارگاہ رسالت میں بھی شمار کیا جائے تو اس کی گنجائش ہے۔

لیکن انہوں نے ان اسماء کو جن کو روضۃ الاحباب میں سال نہم کے واقعات میں عاملوں میں بیان کیا ہے اور ان کا ذکر اس جگہ عمال کی فہرست میں نہیں کیا ایک بریدہ ہیں جو کہ کعب بن مالک کی روایت میں کاتبوں میں ذکر کیا گیا ہے۔

باب دہم

بارگاہ رسالت کے مؤذنوں، خطیبوں، شاعروں اور حدی خوانوں کے بیان میں

مؤذنین بارگاہ رسالت صلی اللہ علیہ وسلم: حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک مؤذن حضرت بلال بن رباح حبشی رضی اللہ عنہ ہیں ان کی والدہ حمامہ ہیں ان کی کنیت ابو عبد اللہ یا ابو حازن ہے وہ سراقہ کے رہنے والے تھے۔ یہ مکہ مکرمہ و یمن کے درمیان ایک مقام ہے۔ قدیم و صادق الاسلام اور طاہر القلب تھے اور وہ پہلے شخص تھے جنہوں نے مکہ مکرمہ میں اپنا اسلام ظاہر کیا۔ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اول اظہار اسلام کرنے والے سات ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ابو بکر صدیق، عمار بن یاسر ان کی والدہ سمیہ (بضم سین و تشدید یاء) صہیب، بلال اور مقداد رضی اللہ عنہم لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حق تعالیٰ نے آپ کے چچا ابوطالب کے غم کے سبب اظہار سے منع کر دیا تھا اور حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کو ان کی قوم کی وجہ سے منع کر دیا لیکن دیگر حضرات صحابہ کو مشرکوں نے پکڑ کر توحید اور دین اسلام کی بنا پر اذیتیں دینا شروع کر دیں ان کو لوہے کی زرہ پہنا کر دھوپ میں بٹھاتے اور مارتے تھے اور مسلمانوں میں کوئی ایسا نہ تھا جن کو وہ پکڑ کر لاتے اور مشرکین جو چاہتے ان سے سلوک کرتے تھے اور وہ رخصت پر عمل کرتے تھے بجز حضرت بلال رضی اللہ عنہ کے وہ اپنے آپ کو بہت کمتر سمجھتے تھے مگر اپنے دین حق میں مضبوطی سے قائم تھے اور راہ خدا میں اذیتوں کو آسان سمجھتے تھے۔ امیہ بن خلف حنظلہ جو حضرت بلال رضی اللہ عنہ کا ایک مالک تھا ان کو دو پہر کے وقت مکہ کے ریگزاروں پر لے جاتا اور ان کے گلے میں رسی باندھ کر لٹا دیتا اور بہت بڑا پتھر ان کے سینہ پر رکھ کر اس سے کوٹتا تھا تا کہ یا تو اس کے نیچے جان دے دیں یا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے منکر ہو جائیں یہ ان کو رسیوں سے باندھ کر مکہ کے گلی کو چوں میں پھراتا تھا اور وہ احدا حد کہتے جاتے تھے ایک روایت میں ہے اللہ اللہ لیکن تقدیر الہی اس طرح واقع ہوئی کہ معرکہ بدر میں وہ ملعون حضرت بلال رضی اللہ عنہ کے ہاتھ سے مارا گیا تو وہ ایک دن اسی طرح اذیتیں پہنچاتا تھا۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کا گزر ان کی طرف ہوا انہوں نے ایک حبشی غلام کے بدلے ان کو خرید لیا اور آزاد کر دیا۔ مروی ہے کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو اس حال میں خریدا کہ بہت بڑے پتھر کے نیچے دبے ہوئے تھے۔ مروی ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے ملے اور فرمایا اگر ہمارے پاس مال ہوتا تو میں بلال رضی اللہ عنہ کو خرید لیتا اس کے بعد حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ بن عبد المطلب سے ملے اور ان سے کہا کہ میرے لیے بلال کو خرید لیجئے اس کے بعد حضرت عباس رضی اللہ عنہ بن خلف کی بیوی کے پاس گئے کیونکہ وہ اس کے لیے پالک تھے انہوں نے فرمایا اپنے اس غلام کو جس کا نام بلال رضی اللہ عنہ ہے قبل اس کے کہ وہ تمہارے ہاتھ سے جاتا رہے اور تم اس کی قیمت سے خروم ہو جاؤ اس کی فروختگی کی خواہش مند ہو اس نے کہا تم کیا کرو گے وہ خمیٹ ہے کسی کام کا نہیں ہے دوسری مرتبہ پھر ملے اور یہی بات دوبارہ کہی اس کے بعد حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے ان کو خرید لیا اور حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پاس بھیج دیا یعنی ان کو دے دیا پھر انہوں نے ان کو آزاد کر دیا۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے اَبُو بَكْرٍ سَيِّدُنَا عَنَقَ سَيِّدُنَا يَعْنِي بَلَاءَ حضرت صدیق رضی اللہ عنہ ہمارے سردار ہیں اور

انہوں نے ہمارے سردار یعنی بلال رضی اللہ عنہ کو آزادی دی۔ مشہور یہ ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی رحلت کے بعد حضرت بلال رضی اللہ عنہ شام چلے گئے حضرت صدیق رضی اللہ عنہ نے ہر چند اصرار کیا کہ وہ مدینہ میں رہیں اور ان کیلئے اذان کہیں یہاں تک کہ وہ کھڑے ہو گئے اور عرض کیا اے ابوبکر رضی اللہ عنہ اگر تم نے مجھے رضائے الہی کیلئے خرید کے آزاد کیا ہے تو اب بھی مجھے چھوڑ دو گے اور آزادی دو گے پھر وہ شام چلے گئے۔ ابن عبد البر استیعاب میں نقل کرتے ہیں کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کیلئے اذان کہی مروی ہے کہ ابو جہل ملعون نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو دیکھا اور اس نے کہا تم بھی وہی کہتے ہو جو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کہتے ہیں اور ان کو پکڑ کر منہ کے بل کے اوپر گرا دیا اور دھوپ میں لٹا کر ان کے سینہ پر پتلی کا پاٹ رکھ دیا۔ حضرت بلال رضی اللہ عنہ برابر احد احد کہتے رہے اس کے بعد حضرت صدیق رضی اللہ عنہ نے اپنے کسی دوست کو بھیجا یہاں تک اس نے ان کیلئے بلال رضی اللہ عنہ کو خرید لیا اور جب حضرت فاروق رضی اللہ عنہ کا دور خلافت آتا تو ان سے احازت طلب کی۔ حضرت فاروق نے فرمایا کما چیز تم کو میرے ماس رسنے اور اذان کہنے

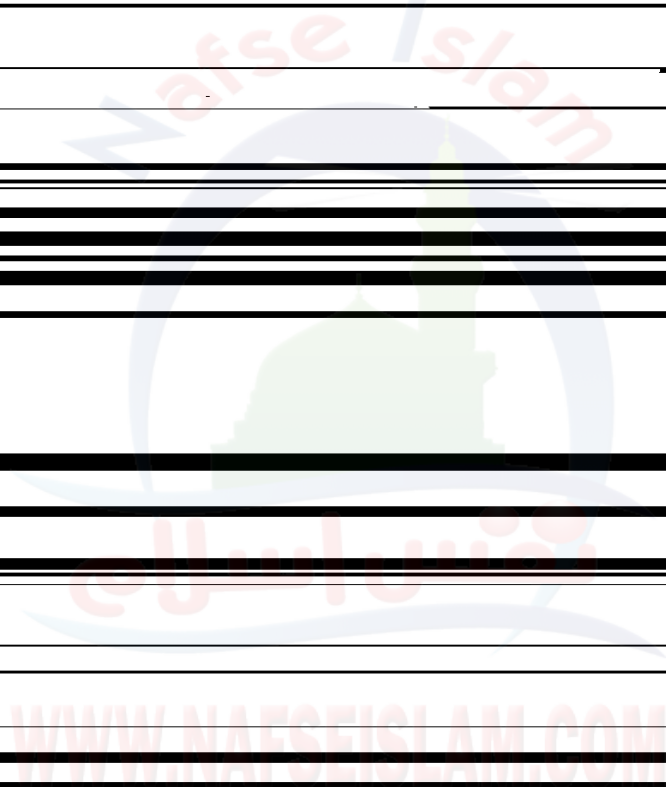
کے درمیان مواخات فرمائی تھی اور امام مالک کی موطا میں ہے کہ انہوں نے فرمایا مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ حدیث پہنچی ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بلال رضی اللہ عنہ سے فرمایا اے بلال رضی اللہ عنہ کیا حال ہے کہ میں جنت میں داخل ہوا تو تمہاری جوتیوں کی آواز میں نے سنی ہے مجھے بتاؤ کہ تم ایسا کون سا عمل کرتے ہو؟ عرض کیا جو نمازیں مجھ پر فرض کی گئی ہیں میں اسے خوب طہارت کے ساتھ پڑھتا ہوں۔ حضرت بلال رضی اللہ عنہ جب اس حدیث کو بیان کرتے تو رونے لگتے تھے۔ علامہ امام سیوطی رحمۃ اللہ علیہ جمع الجوامع میں روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: السابق اربعة انا سابق العرب و بلال الحبستہ (الحديث)

حضرت بلال رضی اللہ عنہ کے فضائل و مناقب بے شمار ہیں وہ گہرے سیاہ رنگ، نحیف و طویل دبلے بازوؤں والے تھے انہوں نے دمشق میں وفات پائی اور باب صغیر کے پاس مدفون ہوئے ان کی وفات ۲۰ھ یا ۱۸ھ میں ہوئی ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ وہ حلب میں فوت ہوئے اور وہاں مدفون ہوئے مگر سہا قول، زیادہ صحیح ہے ۱۰ھ کا عم شرف کچھ اور ساٹھ سال پہلے سال کا، ہو گا ایک قول، ہے کہ ستر

مذکور ہے۔

سعد قرض رضی اللہ عنہ: چوتھے مؤذن سعد قرض ہیں۔ ان کو سعد رضی اللہ عنہ قرضی بھی کہتے ہیں۔ ان کا نام سعد بن عائد ہے اور

حضرت عمار رضی اللہ عنہ بن یاسر کے مولیٰ ہیں۔ اور سعد قرض کے ساتھ مشہور ہیں۔ ان کو صحبت حاصل ہے سعد قرض کا، محدثہ۔ ۱۰۰۔



راست حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی ہو یا ان سے دوسروں نے روایت کی ہو خواہ ان کی سند صحیح ہو یا بطریق حسن یا ضعیف ہو یا ایسے طریقہ پر مردی ہو جو ان کی صحابیت پر دلالت کرتی ہو۔ بہر تقدیر وہ صحابی ہیں۔ دوسری قسم ان لوگوں کی ہے جن کو صحابہ کرام نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں حضور اکرم کے سامنے لڑکوں اور لڑکیوں کی شکل میں کیا ہو اور جن کی عمر اس وقت حالت طفلی کی تھیں۔ اور جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے رحلت فرمائی تو ان کی عمریں سن بلوغ کو نہیں پہنچی تھیں۔ چونکہ ان کا ذکر کیا جاتا ہے باوجودیکہ وہ صحابہ میں سے نہیں ہیں تو برسبیل الحاق ہے اور اس بنا پر ہے کہ صحابہ کرام اپنی اولاد کو حضور اکرم کی بارگاہ میں پیش کرنے کا شوق و جذبہ رکھتے تھے خصوصاً ولادت کے وقت تاکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تحسین و تسمیہ فرمائیں اور دعائے برکت دیں لہذا شیخ فرماتے ہیں کہ اگر وہ بات جو ابن عساکر حبان وائل کے بارے میں کہی ہے ثبوت کو پہنچ جائے تو وہ تیسری قسم میں محمول ہوں گے۔ اس لیے کہ مشہور یہ ہے کہ وہ ایک جاہل شخص تھا۔ ابو نعیم اپنی کتاب خطبات میں کہتے ہیں کہ حبان عرب کا غیر مدافع خطیب تھا۔ جب یہ خطبہ دیتا تو وہ ایک حرف کو دوبارہ نہیں کہتا تھا۔ نہ وہ ٹھہرتا اور نہ وہ سوچتا تھا بلکہ تسلسل جاری رہتا تھا۔ تو اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حبان حضور اکرم کے شعراء میں سے نہ تھا اس نے نہ تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا اور نہ خلفاء اربعہ کو ہی پایا ہے۔ مگر اس کا مسلمان ہونا متحقق ہے خواہ یہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں اسلام لائے ہوں یا بعد میں مدت عمار اور زمانہ وفات بھی معلوم نہ سکا (واللہ اعلم)

حسان رضی اللہ عنہ بن ثابت: حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک شاعر حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ ہیں۔ ان کی کنیت ابو الولید ہے یا عبد الرحمن یا ابو الحسام۔ ان کا نام حسان بن ثابت بن المنذر بن حرام انصاری بخاری مرزی شاعر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہے جاہلیت و اسلام کے محول شعراء میں سے ہیں۔ اہل عرب نے اس پر اجماع کیا ہے کہ اہل بدر و اہل یشرب ہیں یہ اشعر یعنی اول

درجہ کے شاعر ہیں ان کے بعد عبد القیس پھر ثقیف ہیں۔ اور اس پر بھی اجماع کیا ہے کہ اشعر اہل مدینہ حضرت حسان رضی اللہ عنہ بن ثابت ہیں ان کی عمر اور ان والد ثابت ان کے دادا منذر ان کے جد اعلیٰ حرام کی عمریں ہر ایک کی ایک سو بیس ۱۲۰ سال کی ہوئیں۔ ابو نعیم فرماتے ہیں کہ عرب میں ان کے سوا کوئی کسی اور کا سلسلہ نسب ایسا علم میں نہیں ہے جن کے اجداد کی چار پشتیں مسلسل ایک عمر کی گزری ہوں ان کے بیٹے عبد الرحمن بن حسان بن ثابت جب اس کو بیان کرتے تو خود کو سیدھا ڈال کر پاؤں پھیلا دیتے اور خوب ہنستے اور اپنے مرنے سے بے فکر ہو جاتے اور گمان کرتے کہ میں بھی اتنی ہی عمر پاؤں گا لیکن یہ اڑتالیس سال ہی میں فوت ہو گئے۔ اصمعی سے منقول ہے انہوں نے کہا کہ حسان رضی اللہ عنہ بن ثابت محول شعراء سے ہیں اور ابو حاتم نے کہا کہ ان سے ہلکے اشعار مردی ہیں اس پر اصمعی نے کہا ان کی طرف ان چیزوں کی نسبت کی جاتی ہے جو ان سے صحیح نہیں ہے اور ابو حاتم۔ ابو عبیدہ سے نقل کرتے ہیں انہوں نے کہا کہ حضرت حسان رضی اللہ عنہ کو شعرا خیر پر فضیلت دی جاتی ہے وہ جاہلیت میں انصار کے شاعر تھے اور نبوت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے شاعر تھے اور اسلام میں ان کی تمام شاعری برکت والی تھی۔

اہل سیر بیان کرتے ہیں کہ ان کی جاہلیت کے اشعار اسلام کے شعروں سے زیادہ اجدود و عمدہ تھے۔ اس لیے کہ اسلام کذب سے ماز رکھتا اور اس سے منع کرتا ہے۔ اور شعروں کو کذاب اور تو صنف میں مبالغہ و ازینت دیتا ہے۔ اور اہل اہل بیت و اہل بیت کے سب کذب۔

اللہ عنہ بن الحارث بن عبدالمطلب ابن عم رسول اللہ۔ اور عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ وغیرہم اہل سیر بیان کرتے ہیں کہ کسی مسلمان نے حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ سے عرض کیا کہ آپ ہم مسلمانوں کی جانب سے ان لوگوں کی مذمت کیجئے جو مسلمانوں کی ہجو کرتے ہیں۔ انہوں نے فرمایا اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مجھے اجازت مرحمت فرمادیں تو میں ایسا کروں جب یہ بات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سنی فرمایا علی رضی اللہ عنہ اس کام کے لائق نہیں ہیں جیسا کہ وہ چاہتے ہیں۔ اور نہ علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ اس بات کو چاہیں گے جو تم ان سے چاہتے ہو۔ اس کے بعد فرمایا کون ہے جو مسلمانوں کی مدافعت کرے جس نے اپنے ہتھیاروں سے خدا کے رسول کی مدد کی ہے کہ وہ اس میدان میں اپنی زبانوں سے مدد کرے؟ اس پر حضرت حسان رضی اللہ عنہ نے عرض کیا ”یا رسول اللہ! میں اس کام کیلئے حاضر ہوں۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم کس طرح ان کی ہجو اور مذمت کرو گے جبکہ تمہارا نسب ان میں ہے۔ میرا نسب بھی ان کے ساتھ ہے اور ان کا نسب مجھ میں داخل ہے اور تم ابوسفیان رضی اللہ عنہ کی کیسے ہجو اور مذمت کرو گے درانحالیکہ وہ میرے چچا کے بیٹے ہیں۔ حضرت حسان رضی اللہ عنہ نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میں آپ کو ان میں سے ایسا نکال لوں گا جس طرح آٹے میں سے بال نکال لیا جاتا ہے اس کے بعد حضور اکرم نے فرمایا حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس جاؤ اور ان سے رجوع کرو کیونکہ وہ علم نسب میں تم سے زیادہ عالم ہیں۔ اس کے بعد وہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس گئے یہاں تک کہ ان کو ان کے نسبوں سے باخبر کیا۔ تو انہوں نے کہنا شروع کیا کہ فلاں سے اپنے کو باز رکھ اور فلاں فلاں کو یاد کر۔ اس کے بعد مشرکوں کی ہجو اور مذمت شروع کر دی جب قریش نے حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ کے شعر سنے تو انہوں نے پہچان لیا کہ یہ شعر ان کی طرف سے نہیں ہیں بلکہ ابن ابی قحافہ کی طرف سے ہیں حضرت حسان رضی اللہ عنہ نے ابوسفیان بن الحارث کی مذمت کی ہے جب ابوسفیان رضی اللہ عنہ نے ان کے شعر سنے تو کہا یہ ایسا کلام ہے جس سے ابن ابی قحافہ رضی اللہ عنہ غائب نہیں ہیں۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت حسان رضی اللہ عنہ بن ثابت کیلئے مسجد نبوی شریف میں منبر رکھواتے تاکہ اس پر کھڑے ہو کر حضور اکرم کی مدحت بیان کریں اور آپ کے دشمنوں کی ہجو اور مذمت کریں۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: إِنَّ اللَّهَ لَيُؤَيِّدُ حَسَنًا بِرُوحِ الْقُدُسِ مَا دَامَ يَنَافِعُ عَنْ رَسُولِ اللَّهِ

بیشک اللہ تعالیٰ احسان کی روح القدس سے تائید کرتا ہے جب تک کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے دشمنوں کی ہجو کرتے ہیں۔ ایک روایت ”یفاخر“ یعنی حضور کا فخر بیان کرتے ہیں آیا ہے حضور اکرم فرماتے ہیں کہ حسان رضی اللہ عنہ بن ثابت کا قول مشرکوں پر تیر کے آنے اور اس کے چھینے سے زیادہ سخت تر ہے اور فرمایا کہ حق تبارک وتعالیٰ جسے زبان عطا فرمائے اور گویائی کی طاقت اور قدرت بخشے اسے چاہیے کہ وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مدحت اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دشمنوں کی ہجو مذمت میں کوتاہی نہ کرے اس لیے کہ سب سے بہترین عمل یہی ہے اہل سیر فرماتے ہیں کہ حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ کا کام یہی تھا وہ مشرکوں کی وقائع وایام اور آثار میں معارضہ کرتے اور ان کی مذمت کرتے تھے۔ اور ان کی قباحتوں اور انکی برائیوں کو بیان کر کے انہیں یاد دلاتے تھے۔

ایک مرتبہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا گزر حضرت حسان پر ہوا وہ اس وقت مسجد نبوی شریف میں کچھ اشعار پڑھ رہے تھے۔ اس پر حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے حضرت حسان رضی اللہ عنہ جانب گھور کر دیکھا اور فرمایا مسجد میں شعر خوانی کرتے ہو؟ اس پر حضرت حسان رضی اللہ عنہ نے جواب دیا میں نے مسجد میں اس ذات مقدس کے حضور شعر پڑھے ہیں جو تم سے بہتر و افضل تھے یعنی بنی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ فاروق خاموش ہو گئے۔

حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ کے منتخب اشعار وہ ہیں جو انہوں نے فی البدیہہ حضور اکرم کے سامنے اس وقت پڑھے جبکہ نبی تمیم کا وفد آیا ہوا تھا جیسا کہ گزرا۔ اس وقت حضرت حسان رضی اللہ عنہ نے قصیدہ مرتب کیا اور ثابت رضی اللہ عنہ بن قیس بن شماس نے

خطبہ دیا اور بنی تمیم نے اپنے بجز وناوانی کا اقرار و اعتراف کیا اور کہا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے شاعر ہمارے شاعر خطیب سے بہتر ہیں۔ منقول ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: حسان رضی اللہ عنہ مسلمانوں اور منافقوں کے درمیان علامت و نشانہ ہے، منافق

ان کو دوست نہیں رکھتا اور مسلمان ان سے دشمنی و عداوت نہیں رکھتا۔ اور فرمایا کہ حسان رضی اللہ عنہ کو برا نہ کہو کیونکہ وہ خدا اور اس کے رسول کی طرف سے دشمنوں کے ساتھ منافی و مخالف اور معارضت کرتا ہے۔ اور ان کی طرف ایسی نسبت کرتے ہیں کہ وہ کسی غزوے میں حاضر نہ ہوئے۔ اہل تشیع اس باب میں ایسی خبریں بیان کرتے ہیں جو کہ یہہ و ناگوار ہیں۔ ان کا ذکر کرنا اور انہیں بیان کرنا مناسب نہیں ہے۔

ابن کلبی نے کہا ہے کہ وہ بخت گوار شجاع تھے۔ ان کو ایک بیماری لاحق ہوئی جس سے ان میں حین پیدا ہو گیا۔ اور یہ اس وقت سے ہوا تھا جبکہ صفوان بن المعطل نے تلوار ماری تھی۔ بعض اہل علم ان کی طرف حین کی نسبت کرنے کے منکر ہیں۔ اور ان خبروں کا بھی انکار کرتے ہیں جو ان کی برائی میں ہیں اور وہ دلیل یہ پیش کرتے ہیں کہ اگر ان میں حین ہوتا تو اعداء دین اس سے ان کی ہجو اور مذمت کرتے۔ اس لیے کہ انہوں نے بہت سے قوموں کی ہجو اور مذمت کی ہے۔ لہذا اگر وہ بدلوں میں ہوتے تو وہ قومیں ضرور ان کی مذمت کرتیں۔ البتہ ان کی خطاؤں میں سے (اللہ تعالیٰ انہیں معاف کرے) سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے اہل الک میں شامل ہونا ہے خدا جانتا ہے کہ وہ کیسے اس گرداب میں پڑے۔ لیکن اگر کوئی حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے پاس ان کو برا کہتا تو وہ فرماتیں حسان رضی اللہ عنہ کو گالی نہ دو۔ کیونکہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی منافقت و مفاخرت کرتے تھے۔ ابن العزیز فرماتی ہیں کہ میں امید رکھتی ہوں کہ اللہ تعالیٰ ان کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مدافعت اور اپنی زبان سے ان کے دشمنوں سے منازعت کی بنا پر جنت میں داخل کر دے گا قریہ بنت خالد حضرت حسان رضی اللہ عنہ کو والدہ ہیں وہ بھی خزرجیہ ہیں۔ انہوں نے اسلام کو پایا اور وہی حضرت حسان (رضی اللہ عنہ) کو بارگاہ مصطفیٰ میں لے کر آئیں اور بیعت کی حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ اپنی توبہ کرنے کے بعد اور اس فعل شنیع پر حد قذف جاری ہونے کے بعد حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی منقبت پڑھا کرتے تھے۔ آخر عمر میں وہ نابینا ہو گئے تھے اور حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کی خلافت کے زمانہ میں ۴۰ھ میں وفات پائی ایک قول پچاس ۵۰ اور ایک قول ۵۳ کا ہے ان کی عمر ایک سو بیس ۱۲۰ سال کی ہوئی (رضی اللہ عنہ)

کعب بن مالک: حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دوسرے شاعر حضرت کعب بن مالک ہیں۔ ان کی کنیت ابو عبد الرحمن یا ابو عبد اللہ ہے۔ یہ انصاری خزرجی سلمیٰ مدنی صحابی عقبی ہیں عقبہ ثانیہ میں حاضر ہوئے اور یہ ان ستر اصحاب میں سے ایک ہیں جو عقبہ ثالثہ میں حاضر ہوئے تھے۔ غزوہ بدر میں ان کے حاضر ہونے میں اختلاف کیا گیا ہے اور یہ تمام غزوات میں حاضر ہوئے ہیں بجز غزوہ تبوک کے بعض کہتے ہیں کہ بدر میں بھی حاضر ہوئے (واللہ اعلم) غزوہ احد میں گیارہ زخموں سے مجروح ہوئے اور یہ ان تین اصحاب میں سے ایک ہیں جنہوں نے غزوہ تبوک سے خلف کیا تھا اس کے بعد توبہ کی اور رحمت الہی کے خواستگار ہوئے تو حق تعالیٰ نے رحم فرمایا اور ان کی توبہ مقبول ہوئی۔ سال نہم کے واقعات میں غزوہ تبوک کے ضمن میں گزر چکا ہے یہ بھی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے شاعروں میں سے تھے اور یہ عمدہ شاعر اور مطیع تھے جاہلیت میں ان پر شعر گوئی غالب آ گئی تھی اور وہ اس میں مشہور ہو گئے تھے اور ان کا کام یہ تھا کہ وہ کافروں کو جنگ سے ڈراتے تھے جس طرح حضرت حسان رضی اللہ عنہ بن ثابت ان کی ہجو کرتے اور ان کی قباحتیں اور برائیاں بیان کرتے تھے (جیسا کہ گزرا) انہوں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی ہے اور ان سے ان کے بیٹوں عبد اللہ عبد الرحمن محمد حضرت عبد اللہ بن عباس حضرت جابر بن عبد اللہ اور ابو جعفر محمد باقر اور بہت سوں نے روایت کی ہے۔ ۵۰ یا ۵۳ھ میں فوت ہوئے

ان کی عمر ستر (۷۷) سال کی ہوئی۔

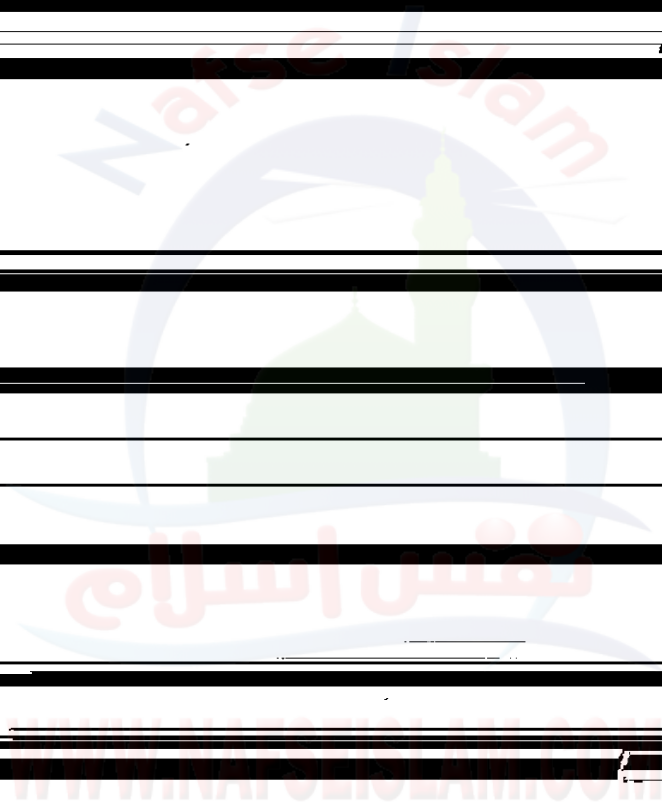
حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ: حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے تیسرے شاعر حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ



حضرت عثمان رضی اللہ عنہ پر چڑھ کے آئے تھے۔ انہوں نے کہا نہیں لیکن میں ان لوگوں میں سے تھا جو ان کے حامی و معاون تھے پھر کہا کہ کس چیز نے تمہیں باز رکھا کہ تم ان کی مدد کرتے۔ ابن عامر نے جواب دیا کہ تمہیں کس چیز نے باز رکھا کہ تم ان کی مدد کرتے جبکہ یہ حادثہ پیش آیا تھا باوجود یہ کہ تم شام کے حاکم تھے اور سب تمہارے تابع تھے۔ اس پر امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے کہا ”کیا تم نے نہیں دیکھا کہ میں نے ان کے خون کا قصاص طلب کیا تھا انہوں نے جواب دیا ہاں میں نے دیکھا ہے لیکن تمہارا حال ایسا ہے جیسا کہ فلاں قبیلہ کے ایک شخص نے کہا ہے کہ

لام تفتیک بعد الموت تندی وفی حیاتی مازوتنی زادی

ایک مرتبہ اس شخص نے کہا کہ میں نے تمہیں زندہ دیکھا تھا لیکن تمہاری موت کے بعد میں نے تمہیں زندہ دیکھا تھا۔



بہترین شاعر تھے اور یہ پہلے شخص تھے جنہوں نے بصرہ کی مسجد میں وعظ کیا ان سے حضرت حسن بصری نے روایت کی ہے۔
ارباب سیر بیان کرتے ہیں کہ جب وہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دربار میں حاضر ہوئے تو عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ
سلا و سلم ہ کسار کہ لکھ جہ مہارہ کا تو ہ نہ حضرت اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے زفا انشا تمہارے یہ لکھا کہ



کہ جب لبید اسلام لائے تو اپنی قوم کی طرف لوٹ گئے اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی خلافت کے زمانہ میں کوفہ میں جب ان کی طرف سے ولید بن عقبہ حاکم تھا تو جا کے رہے یہ قول اصح ہے۔ ولید رضی اللہ عنہ نے ان کے پاس بیٹھ کر انہوں نے ان کو اپنی طرف سے ذبح کیا۔ مبرد وغیرہ بیان کرتے ہیں کہ لبید بن ربیعہ شاعر نے نذر مانی تھی کہ باد صبا چلے تو ذبح کر کے لوگوں کو کھانا دیں گے اس کے بعد وہ کوفہ میں اترے اور مبرہ رضی اللہ عنہ بن شعبہ نے جب دیکھا کہ باد صبا چلی تو انہوں نے لوگوں کو ضیافت دی وہ اس زمانہ میں کوفہ میں تھے تو ولید بن عقبہ نے یہ سنا اور وہ اس وقت حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی طرف سے کوفہ کا حاکم تھا اس نے خطبہ دیا کہ لوگو! تمہیں معلوم ہے کہ ابو عقیل رضی اللہ عنہ نے اپنے پر ایک نذر لازم کی ہے لہذا تم اپنے بھائی کی اعانت کرو خطبہ کے بعد مبرہ سے اتر اور لوگوں کو ان کی طرف بھیجا تو انہوں نے اپنی نذر پوری کی۔ مبرد کے سوالوگ بیان کرتے ہیں کہ ان کے پاس ہزار سواری جمع ہوئی اس وقت ولید نے اس باب میں ایک قصیدہ لکھا جس کا مطلع یہ ہے

ارلے الجرار فتحد لتصير به هبت رياح ابى عقيل

اعزالوجه ابيض عامرى طویل الباع كالسيف العقيل

ام المؤمنین حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ اللہ تعالیٰ لبید رضی اللہ عنہ پر رحم کرے کیا بات کہی ہے

ذهب الدين يعاش في اكنا فهم و بقیة من خلف كحمله الاجزب

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں اسے لبید رضی اللہ عنہ نے اپنے زمانہ میں کہا ہے تو کیا ہوتا اگر وہ ہمارے اس زمانہ کو دیکھتے اور عروہ کہتے ہیں یہ کیسے ہوتا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ہمارے زمانہ کو دیکھتیں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے منقول ہے انہوں نے کہا مجھ سے لبید کے بارہ ہزار اشعار بیان کیے گئے ہیں۔ صاحب استیعاب فرماتے ہیں کہ ولید بن ربیعہ عامری اور علقمہ بن علامہ عامر مؤلفۃ القلوب میں سے ہیں اور دو علقمہ بھی عمدہ ترین شاعروں میں سے ہیں۔ منقول ہے کہ جب لبید نے کہا کہ

الاكل شئى ما خلا الله باطل و كل نعيم لا محالة زائل

تو ان سے عثمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا تم جھوٹ کہتے ہو نعيم جنت زائل نہ ہوگی اس پر لبید غصہ میں آئے اور یہ شعر مزید

کہا

سواى جنت الفردوس اين نعمتها سيفى ، ان الموت لا بد فازل

لبید رضی اللہ عنہ کی عمر میں اختلاف کیا گیا ہے بعض ایک سو چالیس سال کہتے ہیں اور بعض ایک سو ستاون سال بتاتے ہیں بعض ایک سو ساٹھ سال (واللہ اعلم)

نابغہ جعدی رضی اللہ عنہ: نابغہ جعدی کے نام میں اختلاف ہے بعض قیس بن عبد اللہ اور بعض صاحبان بن قیس بن عبد اللہ بن عمرو بن عدس بن ربیعہ بن جعدہ کہتے ہیں لیکن نابغہ نام سے وہ مشہور و معروف ہیں کیونکہ وہ عہد جاہلیت میں شعر کہا کرتے تھے۔ اس کے بعد تیس سال تک کوئی شعر نہ کہا اس کے بعد پھر شعر گوئی شروع کر دی اور ان کا نام نابغہ پڑ گیا۔ ناباغہ فحش سے ہے بنوع کے معنی ظاہر ہونے کے ہیں بغیر اس کے کہ عمدہ شعر کہنے میں دراصل شاعر ہونا و نابغہ فحش شعراء کی ایک جماعت ہے مثلاً نابغہ جعدی اور نابغہ زیانی منسوب بہ ذبیان بن تغص۔ نابغہ جعدی دراصل شاعر تھا جب عرصہ دراز تک شعر گوئی چھوڑ دی تو گویا شاعر نہ رہا جب دوبارہ شعر گوئی شروع کر دی تو نابغ یعنی ظاہر ہو گئے اور نابغہ مبالغہ کیلئے ہے قاموس میں ہے۔ نَبَغُ فَلَانٌ قَالَ الشُّعْرَا وَجَارَ لَمْ يَكُنْ شَاعِرًا یہ نابغہ شاعر حسن اور جاہلیت و اسلام میں طویل العمر ہے اس نے نابغہ زیانی سے بہت زیادہ عمر پائی ہے اس کی عمر ایک سو اسی سال بعض دو سو سال اور بعض دو سو تیس

سال بتاتے ہیں اور اصمعی نے دو سو بیس سال روایت کی ہے۔ پہلا قول زیادہ صحیح ہے وہ حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کے زمانہ تک رہا یہ زمانہ جاہلیت میں دین ابراہیمی کا ذکر کیا کرتا تھا اور نماز روزہ و استغفار کرتا تھا اس نے ایسے اشعار کہے ہیں جو توحید اور اقرار بعث و جزا آخرت اور جنت و نار پر دلالت کرتے ہیں جس طرح کہ امیہ بن ابی الصلت کے اشعار ہیں اس کے بعد ایسے اشعار ہیں کہ اکثر کا خیال ہے کہ وہ اسی کے ہیں بعض کہتے ہیں امیہ بن ابی الصلت کے ہیں۔

الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي لَا شَرِيكَ لَهُ مَنْ لَمْ يَقْلُهَا فَنَفْسِهِ ظُلْمًا
مَنْ لَمْ يَقْلُهَا يُصَلِّي الْجَحِيمِ يَشْفَعُ دَهَاجَهُ دَانَ رَغَمًا

ابن عبدالبر نے فرمایا کہ یونس بن حبیب حماد الروایۃ محمد بن سلام اور علی بن سلیمان الانخفش نے تصحیح کی ہے کہ یہ اشعار نابغہ کے ہی ہیں اور انہیں سے مروی ہے کہ کہا میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دربار میں حاضر ہوا اور میں نے ایک قصیدہ کہہ کر بارگاہ رسالت میں پیش کیا اس میں وہ کہتا ہے۔

ويتلو كتاباً كالمخبر سرا

اتیت رسول اللہ اذا جاء بالہدی

اس قصیدے میں ایسے اشعار ہیں جو مغاخرت سے خالی نہیں ہیں یہاں تک کہ میں نے یہ شعر پڑھ ل

بغاء السماء یحدنا وعدونا

ایک روایت میں ہے۔

علونا طریقها انا لمرجوفون ذلك مظهرا

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا اے المنظر یا ابالی یعنی اے ابولہی وہ مظہر کہاں تک ہے ایک روایت میں ہے۔ اَبْنُ اَبْنٍ وَلَا اَمَ لَكَ اس نے کہا ابالی الجنتہ اس پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ٹھیک ہے انشاء اللہ اس کے بعد یہ شعر پڑھ ل

ولا خیر فی حلم اذا لم یکن له بوادو یحمی صفوة وان تکدر ولا خیر فی جہل ذالم یکن حلیم اذا ما اور دلا امر اصدر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ٹھیک کہا تم نے اور اچھا کہا اور فرمایا: لَا يُفِيضُ اللَّهُ فَاك اس کے بعد میں نے ایک سو بیس سال دیکھا ان کے تمام دانت بہترین اور تمام لوگوں سے زیادہ سخت ترین تھے اگر کوئی دانت اکھڑ جاتا تو دوسرا دانت اس کی جگہ نمودار ہو جاتا اور ان کے تمام دانت ڈالہ کی مانند تھے اور یہ برق کی مانند تباہ تھے یہ اس بنا پر کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے منہ کو عادی بھی یہاں تک کہ نابغہ نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے آگے اپنا پورا قصیدہ پڑھ کے سنایا یہ قصیدہ بہت طویل ہے تقریباً دو سو اشعار ہیں۔ جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات مقدس کی نعت و صفت پر مشتمل ہیں یہ نابغہ خلفا راشدین کے پاس آتے رہے اور ان کے پاس مسجد حرام میں داخل ہوئے اشعار کثیرہ کہے۔ اس پر حضرت ابن زبیر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اے نابغہ تمہارے یہ اشعار وسیلہ و مددگار ہیں۔ بارگاہ الہی میں اور اس کی جناب میں ذخیرہ ہیں تمہیں اس کی جزا ضرور ملے گی ایک حق تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی روایت کا ہے اور ایک حق اسلام میں شامل ہونے کا ہے اس کے بعد انہیں شترخانہ لے گئے اور ایک ناقہ جو ان اور کنی عمدہ گھوڑے اور گندم و کھجور اور کپڑوں کے انبار دیئے۔ نابغہ رضی اللہ عنہ نے کھجوروں کے کھانے میں جلدی کی۔ اس پر حضرت ابن زبیر رضی اللہ عنہ نے بتایا اے ابولہی افسوس ہے کہ تمہیں فاقہ کشی کی بڑی مشقت اٹھانی پڑی ہے۔ اس کے بعد نابغہ رضی اللہ عنہ نے ایک حدیث روایت کی جو قریش کے مناقب میں ہے جس میں یہ الفاظ ہیں کہ وہ انبیاء کے جگر پارنے میں کم لوگ جنت میں ایک درجہ میں

میں جو کہ علامہ سیوطی کی جمع الجوامع کے تبویب پر کتاب کا نام ہے اس میں اسے بیان کیا ہے اور طرمح شاعر سے فروق تک منتہی ہوا ہے کہا کہ میں نے نابذ رضی اللہ عنہ بن جعدہ شاعر سے ملاقات کی ہے میں نے ان سے کہا کیا تم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات کی ہے؟ انہوں نے کہا ہاں میں نے اس قصیدہ کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے پڑھا ہے پھر میں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے روئے انور کو دیکھا تو جلال کے آثار نمودار تھے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اِلَیَّ اَیْنَ یَا اَبَا لَیْلٰی میں نے عرض کیا: اِلَیَّ الْجَنَّةِ یا رسول اللہ فرمایا: اِلَیَّ الْجَنَّةِ اِنْ شَاءَ اللہ تَعَالٰی روئے انور پر جلال کے آثار کا ظہور ایک قسم کی مفاخرت و تکبر کی بنا پر تھا جو کہ اس قصیدے میں ہے۔

ابو نعیم نے تاریخ اصفہان میں کہا ہے کہ نابذ قیس بن عبد اللہ اصفہان کا شاعر شخص ہے اور وہ حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی جانب سے اصفہان کا حاکم تھا اس کی بہت سی حکایتیں اور خبریں ہیں۔

خطبائے بارگاہ رسالت

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے خطباء کا بھی اسی طرح ذکر کیا گیا ہے اور شعراء و مؤذنین و امراء و کتاب کی مانند مشاکلت و موافقت میں جمع کا صیغہ خطباء بولا گیا ہے لیکن سیر کی کتابوں میں جن کا ذکر کیا گیا ہے وہ ایک ہی تھے اور یہ ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ ہیں۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے خطیب ہونے سے مراد وہ خطیب نہیں ہیں جو جمعہ اور عیدوں میں خطبے دیتے ہیں اس لیے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بنفس نفیس خود جمعہ و عیدین کے خطبے دیا کرتے تھے بلکہ یہ خطیب کسی قوم کے خطیب ہوتے تھے کیونکہ اگر کوئی قوم اپنی مفاخرت و مکابرت اور اپنے تعصب میں کھڑی ہو جائے تو یہ خطیب اسی جانب سے بھی ان کے مقابل کھڑے ہو کر ان سے معارضہ مصادقہ کرتا تھا اور بہ نصرت الہی غالب و مظفر رہتا تھا جس طرح کہ بنی تمیم کے جہال آئے اور انہوں نے اپنے خطباء و شعراء کو لاکھ مفاخرت کے اظہار کیا تھا اس وقت حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ ان کے شاعروں سے معارضہ کرو اس پر حضرت حسان رضی اللہ عنہ نے قصیدہ غراء برسبیل ہدایت دار تجال پڑھا اور غالب آئے اس طرح حضرت ثابت رضی اللہ عنہ بن قیس کو حکم دیا کہ وہ ان کے خطیبوں کا جواب دیں تو حضرت ثابت رضی اللہ عنہ نے فی البدیہہ ایسا فصیح و بلیغ خطبہ دیا جو ان کے فہم و فراست سے اونچا تھا جس سے وہ لوگ خاموش ہو کر رہ گئے یہ سب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تائید و تقویت اور آپ کی نصرت و اعانت تھی۔ اقرع بن حابس رضی اللہ عنہ جو بنی تمیم کا بزرگ ترین شخص تھا کہنے لگا خدا کی قسم! حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تائید و نصرت عالم غیب سے کی جاتی ہے اور اس اقرار میں ہمیں کوئی باک نہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے خطیب ہمارے خطیبوں سے اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے شاعر ہمارے شاعروں سے بہت برتر و افضل ہیں پھر وہ حق و انصاف کی راہ پر آ گئے اور سب مطیع و منقاد ہو گئے جیسا کہ اس کا پورا قصہ سال نہم کے واقعات کے شروع میں گزر چکا ہے۔

حضرت ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ: اب رہا حضرت ثابت بن قیس بن شماس بن مالک رضی اللہ عنہ کے حالات کا تذکرہ تو ان کی کنیت ابو جہد یا ابو عبد الرحمن بھی یہ انصار کے خطیب تھے اور ان کو ”خطیب رسول اللہ“ کہا جاتا تھا جس طرح کہ حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ کو شاعر رسول کہا جاتا تھا وہ احداً و بعد کے تمام غزوات میں حاضر ہوئے اور جنگ یمامہ میں حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی خلافت کے زمانہ میں شہید ہوئے۔ صاحب اصابعہ فرماتے ہیں کہ اہل سیر نے ان کو بدر کے اصحاب مغازی میں بیان کیا ہے اور کہتے ہیں کہ سب سے پہلا ان کا غزوہ احد ہے اس کے بعد کے تمام غزوات میں شریک ہوئے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو جنت کی

بشارت اس مشہور قصہ میں دی ہے جو اس آئیہ کریمہ یَا یٰھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَرْفَعُوْا اَصْوَاتَکُمْ کے نازل ہونے کے بعد اپنے گھر میں بیٹھ جانے اور مجلس نبوی میں حاضر نہ ہونے کی بنا پر ہے چونکہ وہ جمیر الصوت تھے اس پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اپنے پاس بلایا اور بشارت دی جیسا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بتوں کے باب میں تفصیل کے ساتھ گزر چکا ہے فرمایا: نِعْمَ الرَّجُلُ ثَابِتٌ بَنُ قَیْسٍ ثَابِتٌ رَضِیَ اللہ عنہ بن قیس بہت اچھے آدمی ہیں اور ان کیلئے خاص طور سے فرمایا: یَعِیْشُ حَمِیْدًا وَیُقْتَلُ شَہِیْدًا پسندیدہ زندگی ہے اور شہادت کی موت ہے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ میں رونق افروز ہوئے تو ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ کو بلایا انہوں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس چیز سے روکتا اور باز رکھتا ہوں جس سے خود کو اور اپنی اولاد کو منع کرتا ہوں تو اس کی جزا میرے لیے کیا ہے؟ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تمہاری جزا جنت ہے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ جب جنگ یمامہ گرم ہوئی اور لوگ متفرق و پراگندہ ہو گئے تو میں نے ثابت رضی اللہ عنہ بن قیس سے کہا میرے چچا لوگوں کو سخت دشواری کا سامنا ہے اس کے بعد میں نے دیکھا کہ وہ اپنی رانوں سے اپنے تہبند کو اٹھاتے ہیں اور ہاتھ پاؤں مارتے ہیں اور کہتے جاتے ہیں کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اس طرح جنگ نہیں کرتے تھے اور عادت کے مطابق اسی طرح جنگ کرتے تھے کہ اپنے آپ کو بچانے کی کوشش کی جاتی ہے لیکن خداوند میں اس سے بیزار ہوں جس طرح کہ لوگ کر رہے ہیں اس کے بعد خوب جنگ کی یہاں تک کہ شہید ہو گئے۔

ایک اور روایت میں آیا ہے کہ جب جنگ یمامہ کا دن ہوا تو حضرت ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کے ساتھ مسیلہ کذاب کی طرف بڑھے جب دونوں لشکر مل گئے اور معرکہ کارزار نے وسعت اختیار کی اور لوگ پراگندہ و متفرق ہو گئے تو ثابت اور سالم مولائے ابو حذیفہ نے کہا یہ کیا ہے جو یہ لوگ کر رہے ہیں ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اس طرح جنگ نہیں کرتے تھے اس کے بعد انہوں نے ایک گڑھا کھودا اور اپنے پاؤں اس گڑھے میں خوب جما لیے اور جنگ کرنے لگے یہاں تک کہ وہ شہید ہو گئے اس جگہ ایک عجیب و غریب حکایت ہے جسے طبری نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ جنگ یمامہ کے روز حضرت ثابت رضی اللہ عنہ بن قیس کے جسم پر ایک نفیس ذرہ تھی ایک مسلمان ان کے پاس سے گزرا اس نے اس زرہ کو اتار لیا تو مسلمانوں کے لشکر میں سے ایک شخص نے اس زرہ کو خواب میں آئے اور ثابت بن قیس نے اس شخص کو خواب میں بتایا کہ میں تمہیں ایک وصیت کرتا ہوں اور یہ خواب نیک اور اچھا ہے میری اس وصیت کو ضائع نہ کرنا تم جان لو کہ جب میں شہید ہو گیا تو فلاں شخص نے میری زرہ اتار لی ہے اس کا گھر فلاں گوشہ اور فلاں مقام میں ہے اور اس کے پاس ایسا گھوڑا ہے جو اتنی بڑی رسی کے برابر پھاند جاتا ہے جس سے کہ گھوڑا باندھا جائے اور وہ اسے چھوڑ دیتا ہے کہ جہاں چاہے چرے اور میری اس زرہ کے اوپر ایک دیگ لوٹ رکھی ہے اور اس دیگ کے اوپر ایک اور دیگ ہے اور اس نشان و علامت کا وہ آدمی ہے اور ایسی زرہ ہے جب حضرت ثابت بن قیس نے اس شخص کو خواب میں یہ سب بتا دیا تو فرمایا تم خالد رضی اللہ عنہ کے پاس جانا اور ان سے کہنا کہ وہ میری زرہ حاصل کر لیں اور حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے کہنا کہ اس کو فروخت کر کے اس کی قیمت کو اس قرض میں دے دیں جو مجھ پر ہے ایک روایت میں ہے کہ اس کی قیمت کو مسکین و فقراء پر تقسیم کر دینا اور فلاں فلاں میرے غلام کو آزاد کر دیں جب وہ شخص خواب سے بیدار ہوا تو وہ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کے پاس آیا اور سارا حال بیان کیا۔ حضرت خالد رضی اللہ عنہ نے کسی کو زرہ لانے کیلئے بھیجا پھر وہ زرہ لے کر آیا اس کے بعد حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سے یہ خواب بیان کیا گیا اس پر حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے حضرت ثابت رضی اللہ عنہ کی وصیت کے مطابق عمل کرنے کی اجازت دی

ہم نہیں جانتے کہ کسی نے مرنے کے بعد وصیت کو نافذ کیا ہو۔ بجز حضرت ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ کی وصیت کی۔

حداۃ بارگاہ رسالت: اب رہے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حدی پڑھنے والے صحابہ کرام تو یہ متعدد حضرات تھے جو حدی

تھے تو اثنائے سفر میں ایک رات حضرت عامر بن الاکوع رضی اللہ عنہ حضرت ابن رواحہ کے رجزیہ اشعار حدی میں پڑھ رہے تھے کہ
اَللّٰهُمَّ كَوِّلَا اَنْتَ (آخر تک) یہاں تک کہ تمام صحابہ مست و جھوم اٹھے اور اونٹوں کی رفتار از حد تیز ہو گئی سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے
پوچھا یہ حدی پڑھنے والا کون ہے؟ اصحاب نے عرض کیا کہ ابن الاکوع رضی اللہ عنہ ہیں فرمایا: ”رحمۃ اللہ علیہ“ ایک روایت میں ہے عَفَوَ
لَكَ رَبُّكَ جب عامر حدی پڑھنے سے خاموش ہو گئے تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ بن رواحہ سے فرمایا کیا
تم ہمارے لیے حدی نہ کہو گے؟ اس کے بعد انہوں نے بھی حدی کہی ان کو بھی جنت کی دعا دی۔

انجھ رضی اللہ عنہ ایک حبشی غلام تھے جو انتہائی خوش آواز تھے انکا تذکرہ ”موالی نبوت“ کے ضمن میں گزر چکا ہے۔ حضرت انس بن
مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت براء رضی اللہ عنہ بن مالک جو ان کے بھائی تھے مردوں کیلئے حدی کہتے تھے اور انجھ رضی اللہ عنہ
عورتوں کیلئے حدی کہتے تھے اور حضور فرماتے اے انجھ رضی اللہ عنہ اونٹوں کو آہستہ چلاتا کہ آہگینوں کو ٹھیس نہ لگے۔ آہگینہ سے مراد
عورتیں تھیں چونکہ وہ کمزور ہوتی ہیں اور اونٹوں کے تیز دوڑنے سے انہیں تکلیف ہوتی ہے بعض کہتے ہیں کہ مقصود رفع خاطر ہے جو تمنا کے
سننے سے لاحق ہوتا ہے جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے۔ (واللہ اعلم)

باب یازدہم

در بیان اسلحہ و آلات حزب سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم

شمشیریں

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی دس تلواریں بیان کی گئی ہیں اور یہ ہمیں معلوم نہیں کہ یہ دس تلواریں ایک ہی وقت میں جمع تھیں یا متعدد اوقات میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دست مبارک میں رہی ہیں اور جن کی تعداد مدت العمر میں دس تک پہنچی ہیں۔

ان تلواروں میں سے ایک تلوار کا نام ذوالفقار ہے۔ اہل سیر کہتے ہیں کہ یہ تلوار روز بدر آپ کے دست مبارک میں آئی اور تمام غزوات میں کام دیتی رہی بعد ازاں اس کو امیر المؤمنین سیدنا علی کرم اللہ وجہہ کو عطا فرمادی اس سے دوسرا مطلب ظاہر ہوتا ہے یہی حال دیگر ہتھیاروں گھوڑوں اور موسیٰیوں کا ہے۔ (واللہ اعلم)

دوسری تلوار کا نام ماثور تھا (بمشطہ مضمومہ) قاموس میں ہے الاثور ویدسیف ویکسر کالایثر و سیف ماثور فی حسنہ ایک اثر ہے صراح میں ہے او ثار بفتح گوھر شمشیر والاثور النسیف الذی یقال انه من عمل الجن و قال الاصمعی و لیس من الاثر الذی هو الفرید کذا فی الصحاح۔

صاحب مواہب لدنیہ فرماتے ہیں کہ یہ پہلی تلوار ہے جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ملکیت میں آئی اور یہی وہ تلوار ہے جس کے بارے میں اہل سیر کہتے ہیں کہ اس کے ساتھ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجرت کی تیسری تلوار کا نام غضب بفتح عین مہملہ و سکون ضاد معجمہ ہے اس تلوار کو حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ نے ہدیہ کے طور پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو پیش کیا تھا جس وقت کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بدر کی جانب سفر فرما رہے تھے۔ قاموس میں ہے الغضب القطع والضرب والطعن والسیف صراح میں ہے۔ ”غضب بریدن و شمشیر براں۔“

چوتھی تلوار کا نام مخزم بکسر میم و سکون خا معج و فتح ذال معجمہ ہے قاموس میں ہے۔ خذمه یخذه قطعه و سیف خذم ککشف و کصور و معظم قاطع صراح میں ہے۔ خذم بریدن و تخذیم پارہ پارہ کردن مخذم بالکسر تیغ براں۔

پانچویں تلوار کا نام رسوب بفتح راء و ضم سین ہے۔ رسوب پانی میں تہ نشیں چیز کو کہتے ہیں اور فتح سے تلوار کو کیونکہ ذریعہ میں غائب ہو جاتی ہے۔ ذریعہ تہ نشیں چیز کو کہتے ہیں۔ قاموس میں ہے کہ رسوب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تلوار کا نام ہے یا ان سات تلواروں کے نام ہیں جو بلقیس نے حضرت سلیمان علیہ السلام کیلئے بھیجی تھیں اور حارث بن ابی شمر کا تلوار اور خیل ہاشم کے گھوڑے کا نام تھا اور اس تلوار

اور سینہ کو چھپاتی ہیں۔

ڈھال مبارک: حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تین پرتھیں ایک کو ازلق کہتے تھے جو رزلق سے بنا ہے بمعنی تصریدن و جتیدن اور دوسرے کو فتن کہتے تھے اور تیسرے کو دوفر بمعنی نام کردن و بسیار کردن کہتے تھے مروی ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک ورڈھال بھی تھی جس میں کبش یا عقاب کی تصویر تھی یہ تحفہ کے طور پر بھیجی گئی تھی تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی تصویر کو مکروہ جانا اور اس پر اپنا دست مبارک رکھا تو اس کی تصویر معدوم ہو گئی۔ ایک روایت میں آیا ہے کہ ایک روز صبح کو اٹھے تو حق تعالیٰ نے اس ڈھال سے تصویر کو مٹا دیا تھا صاحب روضۃ الاحباب فرماتے ہیں کہ معلوم نہیں کہ یہ ڈھال ان تینوں میں سے ایک تھی جن کے نام بیان کیے گئے یا کوئی اور تھی دونوں وجہوں کا احتمال ہے۔ (واللہ اعلم)

نیز: حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے چار نیزے تھے تین تو بنی قبیقاع کے یہودیوں کے اسلحہ میں سے پسند فرمائے تھے ایک اور تھا جس کا نام مہوی ٹوٹی سے ماخوذ بمعنی اقامت تھا اور اسے مٹی مٹی سے ماخوذ بمعنی دوتا ہونا بھی کہتے ہیں بعض کہتے ہیں کہ یہ دونوں نام دونیزوں کے تھے اور دیگر دونوں کے نام نہیں رکھے گئے تھے۔

حربہ: حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے کئی حربہ تھے ایک کو بغہ کہتے ہیں دوسرے کو بیضہ تیسرے کو عنزہ (بعین ونون وزائے مفتوحات) صراح میں ہے کہ حربہ چوب دہی کو کہتے ہیں بعضوں نے چھوٹے تیر سے تفسیر کی ہے اس کی جمع حرباب ہے۔ حدیث میں ہے وَالْجَنَّةُ كَأَنَّا يَلْعَبُونَ بِالْحَوَابِ تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک حربہ تھا جسے بغہ کہتے ہیں۔ نج ایک درخت ہے جس سے کمان بنائی جاتی ہے اور اس کی ٹہنیوں سے تیر بنائے جاتے ہیں۔ نج اس کی لکڑی ہے اور نجہ اس کا حصہ۔ دوسرا حربہ جسے بیضہ کہتے تھے ظاہر ہے کہ وہ سفید لکڑی کا تھا۔ تیسرا حربہ جسے عنزۃ القرح کہتے تھے جو تیر جیسا ہوتا تھا اسے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے خدام ہمراہ رکھتے تھے تاکہ اس سے سترہ بنائیں یا استنجہ کیلئے ڈھیلے کھودیں۔ عید کے دنوں میں انہیں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے آگے گاڑتے تھے۔

کمان: حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی کمانیں چھ تھیں جو بنی قیقاع کے اسلحہ سے ملی تھیں ایک کو روحا اور دوسرے کو بیضا اور دو کمانیں درخت شوط کی تھیں اور ایک نبج درخت کی جسے صفرا، کتوم اور بحجشت کہتے تھے۔ اسے ابو قحادہ نے لیا تھا اسے متصلہ کہتے تھے ان کی کمر چمڑے کی تھی جس میں تین چاندی کے حلقے تھے۔

خیمہ مبارک: حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک خیمہ تھا جسے کن (بکسر کاف و تشدید نون) کہتے تھے۔ اس عبارت سے ظاہر ہوتا ہے کہ کن ایک قوم کا نام تھا کن اور کینان کے اصل معنی پوشش کے ہیں اس کی جمع اکنان ہے۔ حق سبحانہ و تعالیٰ قرآن کریم میں لوگوں پر منت رکھ کر فرماتا ہے۔ **وَجَعَلَ لَكُم مِّنَ الْجِبَالِ اَكْنَانًا** بھی کن کی جمع ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: **وَجَعَلْنَا عَلَىٰ قُلُوبِهِم اَكِنَّةً** کنا نہ تیرواں کو کہتے ہیں اور کانون آتشدان کو کہتے ہیں۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے خیمہ دیزر ہوتے تھے اور چڑے کے بھی تھے۔ ایک حدیث میں آیا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جس خیمہ میں تشریف فرما تھے وہ چھوٹا تھا پھر صحابی آئے اور ان کو خیمہ کے اندر طلب فرمایا۔ اس صحابی نے بطریق مزاح و مطاہرہ کہا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیا اپنے پورے وجود کے ساتھ آ جاؤں؟ مطلب یہ کہ یہ خیمہ اتنا تنگ ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کیلئے بھی ناکافی ہے میں کس طرح مزید اس میں سما سکتا ہوں۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی خوش طبعی میں فرمایا ہاں اپنے پورے جسم کے ساتھ آ جاؤ۔

علم مبارک: حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے کئی جھنڈے اور علم تھے ایک علم سیاہ تھا جس کا عقاب نام تھا دوسرا علم سفید تھا اور کبھی اپنی ازواجِ مطہرات کی چادروں کا علم مرتب فرماتے۔

مویشی: حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے مویشی یعنی گھوڑے اونٹ، خچر، دراز گوش اور بکریاں بہت کثرت سے تھیں اور یہ ثابت نہ ہوا کہ گائے بھینس میں کچھ رکھتے تھے یا نہیں۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دس گھوڑے بتائے گئے ہیں ان کے نام بھی لکھے ہوئے ہیں۔ اول سبک و سبکب دراصل اس کے معنی پانی بہانے کے ہیں۔ سبک الماء سبکاً صبه فانصب ماء ساکب و مسکوب بولتے ہیں اور ساکب نسبت لفظی ہے مثل تامر اور لابن کے اور ”ماء سبک“ بھی بولتے ہیں بہ ہر طریق وصف مصدر مبالغہ کیلئے ہے اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے گھوڑے کے نام سبک بھی اسی بنا پر تھا کہ وہ اپنی رفتار میں پانی کے بہاؤ کی مانند رواں دواں تھا سبک ایسے گھوڑے کو کہتے ہیں جو رفتار میں عمدہ تیز اور سریع السیر ہو اور پانی کی مانند رواں ہو۔ قاموس میں ہے سبک اس گھوڑے کو کہتے ہیں جو تیز رفتار ہو۔ ... عا ... ق ... عا ... حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے گھوڑے کا نام ہے اور یہ سلا گھوڑا ہے جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ملکیت

کہ معنی پر گوشت کے ہیں۔

مواہب میں ہے کہ اس گھوڑے کا نام بوجہ اپنی شدت تلوز اور اجتماع خلقت کے موسوم ہوا ہے۔ ”ولز بالشیئ اے فرق بہ“ گویا یہ اپنے مطلوب کے ساتھ مل گیا۔ یہ نام اس کی رفتار کی تیزی کی بنا پر ہے۔

روضۃ الاحباب کے حاشیہ میں مرقوم ہے کہ لزاز کے معنی سیدھا باندھنے کے ہیں۔ رَجُلُ الزَّائِ شَدِيدُ الْخُصُومَةِ سخت دشمن شخص کو مرد الز کہتے ہیں اور اس گھوڑے کو لزاز اس بنا پر کہتے ہیں کہ وہ گھوڑا محکم اور تیز رفتار تھا (اتھی) جتنا کچھ بیان کیا گیا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کا لزاز نام رکھنا از قبیل وصف مصدر ہے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا چوتھا گھوڑا الحیف (لجاء مہملہ) تھا اسے ربیعہ بن الی البراء نے بدرہ کساتھا اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم

الاحباب کے حاشیہ میں ہے کہ بلواح اور ملاوح اس گھوڑے کو کہتے ہیں جس کی کمر پتلی ہو اور فربہ نہ ہو۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا نواں گھوڑا سجدہ ہے جو سیاحت بمعنی پیرنے سے ماخوذ ہے۔ اَلَسَّوَابِحُ الْخَيْلُ يُسَبِّحُهَا يُرِيدُهَا فِي سَبْرِهَا۔ مواہب میں ہے۔ قَرَسٌ سَابِحٌ اِذَا كَانَ حَسَنَ اَحَدِ الْيَدَيْنِ فِي الْحَبْرَى ابْنِ كَتْمَانَ نے کہا کہ یہ گھوڑا اشقر ہے جسے ایک اعرابی سے دس اونٹ کے عوض میں خرید فرمایا تھا۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا دسواں گھوڑا بحر ہے۔ يُقَالُ قَرَسٌ بَعْرُ آمٍ وَاسِعُ الْبَحْرِ قَامُوسٌ میں ہے۔ ”البحر الجواز“ اس گھوڑے کو ان تاجروں سے خرید تھا جو یمن سے آئے ہوئے تھے۔ اس گھوڑے پر تین مرتبہ مسابقت فرمائی اور تینوں مرتبہ بہ سابق یعنی آگے رہا اس پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا دست مبارک اس کی پیشانی پر پھیر کر فرمایا۔ مَا اَنْتَ اِلَّا بَحْرٌ فَسَمِيتُ بَحْرًا وَكَانَتْ بَيْضَاءَ۔ روای البخاری تو دریا ہے میں نے تیرا نام بحر رکھا وہ گھوڑا سفید تھا ابن اثیر نے کہا وہ کیت تھا۔

یہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دس گھوڑے ہیں جو کہ اکثر کتب سیر میں مسطور ہیں بعض نے اور نام بھی بیان کیے ہیں جیسے ابلق، ذوالعقال، ذواللمہ، مرجل، تراوح، سرحان، یعسوب، نجیب، اوہم، سجا، تجل، طرف اور مندوب وغیرہ۔

مخفی نہ رہنا چاہیے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے گھوڑوں کو اہل سیر نے بکثرت بیان کیا ہے لیکن یہ ظاہر نہیں کیا وہ کس جنس کے تھے اس لیے گھوڑوں کی بے شمار جنسیں ہیں مثلاً عراقی گھوڑے، ترکی گھوڑے وغیرہ۔ ظاہر یہ ہے کہ یہ عربی گھوڑے ہوں گے جیسا کہ ان شہروں میں متعارف ہے۔ (واللہ اعلم)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے انہوں نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک ازواج مطہرات کے بعد گھوڑا سب سے زیادہ محبوب تھا اور یہی وہ تیسری بات ہے جو حدیث مبارک حَبِيبُ الْيَمَنِ مِنْ دُنْيَاكُمْ ثَلَاثٌ میں ہے اور وہ تیسری بات متروک ہو گئی ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک گھوڑوں میں اشقر ارقم، تجل مطلق الیمین بہت محبوب تھا۔ اشقر، تجل اور مطلق الیمین کے معنی تو معلوم ہو گئے ثم ایسے گھوڑے کو کہتے ہیں جس کی ناک اور نچلے ہونٹ سفید ہوں اور اقرح وہ گھوڑا جس کی پیشانی غرہ سے کمتر سفید ہو۔ گھوڑے کی فضیلت میں اخبار و احادیث بکثرت وارد ہیں۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم گھوڑے کی پیشانی کے بال کو ہل دیتے اور فرماتے: اَلْخَيْلُ مَعْقُودٌ فِي نَوَاصِيهَا الْخَيْرُ اِلَى يَوْمٍ

تیری پشت پر سوار ہو کر غنایم حاصل کریں گے اور میں نے تجھے ایسا پیدا کیا ہے کہ بغیر پروں کے تو طرارے بھرے فَأَنْتَ الْمُطَلَّبُ وَأَنْتَ الْمُهْتَبَرُ اور میں نے تیری پشت کو ان جو ان مردوں کیلئے بنایا ہے جو تسبیح و تحمید اور تہلیل و تکبیر کہیں گے۔

جب فرشتوں نے سنا کہ گھوڑے کو پیدا فرمایا ہے تو انہوں نے مناجات کی اے رب ہم بھی تیرے بندے ہیں اور تیری تسبیح و تحمید اور تہلیل و تکبیر کرتے ہیں ہمارے لیے تو نے کیا پیدا کیا ہے؟ اس پر حق تبارک و تعالیٰ نے فرشتوں ایسے گھوڑے پیدا فرمائے جن کی گردنیں بختی اونٹوں کی گردنوں کی مانند ہیں تاکہ حق تعالیٰ کے انبیاء و مرسلین علیہم السلام کی جس کو خدا چاہے مدد کریں۔

جب گھوڑوں کے پاؤں اور اعضاء درست ہوئے تو خطاب ہوا کہ اپنی ہنہا ہٹ سے مشرکوں کے دلوں کو ڈرا اور ان سب کے کانوں میں اپنی آواز پہنچا کر ان کی گردنوں کو ذلیل و خوار کر۔ جب حضرت آدم علیہ السلام پیدا ہوئے تو ان کے سامنے تمام مخلوق لائی گئی حق تعالیٰ نے فرمایا میری مخلوق میں سے جس کو چاہوں احاطہ معلوم ہوا کہ اس کو کھانا دے گا اور اس کو پانی پینے دے گا۔

ایک روایت میں ہے کہ حق تعالیٰ نے جبریل علیہ السلام سے فرمایا جنوبی ہوا سے ایک مٹھی لو تو انہوں نے ایک مٹھی لی اس کے بعد اس سے کیت گھوڑا پیدا فرمایا۔ (آخر حدیث تک) جبریل علیہ السلام کو باد جنوبی سے ایک مٹھی لینے کیلئے خاص کرنے اور حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق عزرائیل علیہ السلام کو مشیت خاک لانے کیلئے خاص کرنے میں گویا حکمت یہ ہے کہ تخلیق آدم کے لیے مشیت خاک لانے میں عزرائیل علیہ السلام کو حکم اس لیے دیا کہ خاک کی خاصیت بخل ہے لہذا عزرائیل علیہ السلام جن کی سرشت میں قہر و جبر ہے وہ اس سے لیس اور ہوا میں بہ نسبت اس کے سخاوت ہے جیسا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی صفت میں مروی ہے کہ كَانَ فِي رَمَضَانَ كَالزَّيْتِ الْمُسْبَلَةِ رمضان المبارک میں آپ کی خوب باؤسیم کی مانند ہو جاتی تھی اس لیے اس جگہ جبریل علیہ السلام کو حکم ہوا تاکہ رفیق نرمی سے لیں۔ جبریل علیہ السلام کو گھوڑے کے ساتھ ایک نسبت و تعلق ہے کیونکہ انہوں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ جہاد کیے ہیں اور

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس اون سے اس کے رسی مٹی اور باگ ڈور تیار کی پھر کاشانہ اقدس میں تشریف لے جا کر ایک کھلی لائے اور اس کی چار تہہ کر کے اس خچر کی پشت ڈال دیا پھر بسم اللہ کہہ کر سوار ہوئے اور مجھے اپنا ردیف بنایا یہ پہلا خچر تھا جو عہد السلام میں سواری کے کام میں لائے صاحب حیۃ الحیوان فرماتے ہیں کہ محدثین کا اجماع ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ خچر نہ زتھانہ مادہ۔ (واللہ اعلم)

طبرانی نے معجم اوسط میں بروایت حضرت انس رضی اللہ عنہ نقل کیا ہے کہ جب مسلمان حنین کے دن منہزم و متزلزل ہوئے تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے بغلہ شبہاء پر جسے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم دلدل فرماتے تھے سوار تھے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے فرمایا اے دلدل زمین کے قریب ہو تو دلدل نے سینہ زمین پر لگا دیا یہاں تک کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مٹھی خاک زمین سے لی اور دشمنوں کے چہروں پر چھڑکی اور فرمایا: **لَا يُنْصَرُونَ** وہ مغلوب ہوں گے۔ اسی دم وہ ہزیمت کھا گئے جیسا کہ گزرا۔ ایک اور خچر تھا جسے فضہ کہتے تھے اسے فردہ بن عمرو حذامی نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کیلئے ہدیہ میں بھیجا تھا بعض کہتے ہیں کہ دلدل اور فضہ ایک ہی ہے یہ بات اس قول کے زیادہ موافق ہے جو بعض لوگ کہتے ہیں کہ دلدل سفید تھا شبہاء نہ تھا اس خچر کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت صدیق رضی اللہ عنہ اکبر کو عطا فرمایا۔

ایک خچر اور تھا جسے ابن العلاء صاحب ایلم نے بھیجا تھا اور اس خچر کو ایلم کہتے تھے۔ ایک اور خچر دومتہ الجندل سے آیا تھا ایک اور خچر نجاشی حبشہ کے پاس سے آیا تھا بعض کہتے ہیں کہ ایک اور خچر بھی تھا جسے کسریٰ نے بھیجا تھا یہ قول بعید از قیاس ہے اس لیے کہ اس بد بخت نے تو فرمان مصطفویٰ کو پارہ پارہ کر کے گستاخی و بے ادبی کی تھی ہدیہ بھیجنا بعید ہے جاننا چاہیے کہ خچر گدھے اور گھوڑے کا مرکب ہے اس بنا پر اس کے اعضا میں گدھے کے اعضاء کی تختی اور گھوڑے کے اعضا کی طوالت ظاہر ہے اسی طرح اس کی نہنناٹ بھی جسے (شین) دیا اور دوچیم کے ساتھ) کہتے ہیں مرکب ہے گھوڑے کی نہنناٹ اور گدھے کی نہق دونوں موجود ہیں۔ خچر عقیم ہوتا ہے اس سے کوئی بچہ پیدا نہیں ہوا مشہور یہ ہے کہ خچر کی پیدائش گھوڑی پر گدھے کی جفتی سے ہوتی ہے جیسا کہ حدیث میں آیا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک خچر پیش کیا گیا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو وہ بہت پسند آیا اس پر صحابہ نے عرض کیا ہم گھوڑوں پر گدھے کو چھوڑ دیں تاکہ اس سے خچر پیدا ہو مگر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اس پر راضی نہ ہوئے فرمایا یہ کام وہ کرتے ہیں جو بے علم ہوتے ہیں اس ممانعت کی علت و غرض میں علماء فرماتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی جانور کو غیر جنس پر چھوڑنے کو مکروہ جانا ہے بعض کہتے ہیں کہ یہ موجب تقلیل نوع فرس ہوگا اور گھوڑے کے منافع میں تعطل واقع ہوگا کیونکہ اس سے دار و مدار سواری رکض، طلب، حرب، عزت اور حصول غنائم ہیں۔ (واللہ اعلم)

حیۃ الحیوان کی عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ خچر کی پیدائش دونوں طریق سے ہے وہ کہتے ہیں کہ اگر زنگدھا ہو تو گھوڑے سے خچر سخت تر ہوتا ہے اور اگر زنگوڑا ہو تو گدھے سے خچر مشابہ گدھے کے ہوتا ہے اور کہا گیا ہے اس کا ہر عضو جو بھی ہو فرس و حمار کے بین بین ہوتا ہے۔ اسی طرح اس کے خارجی صفات کا حال ہے کہ نہ گھوڑے جیسی ذکاوت ہے اور نہ گدھے جیسی حماقت اس کے باوجود اس کی تعریف میں ہے جس راہ سے ایک مرتبہ گزرا ہے اسے وہ یاد رکھتا ہے وہ سواری کا بادشاہ ہے بوجھ اٹھانے اور دور دراز سفر طے کرنے میں فائق ہے۔

۱۰۱۔ بعد ازاں زناغہ تارخ دمشق میں حضرت علی اکرم اللہ وجہہ سے نقل کما سے فرماتے ہیں پہلے خچر سے تناسل و تولد ہوتا تھا چونکہ

ہماری بستی میں ایک چکی والا رافضی تھا اس کے دو خچر تھے ایک کا نام اس نے ابو بکر رضی اللہ عنہ رکھا تھا اور دوسرے کا نام اس نے عمر رضی اللہ عنہ رکھا تھا اور وہ ان دونوں کی بہت زیادہ اہانت و تذلیل کرتا تھا تو ایک روز ان دونوں خچروں میں سے کسی نے اس چکی والے پر حملہ کیا اور اسے ہلاک کر دیا جب اس کی خبر میرے دادا حضرت امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کو ملی اور ساری کیفیت معلوم ہوئی تو فرمایا جا کے جستجو کرو کہ ان دونوں میں سے کس خچر نے اسے واصل جہنم کیا ہے میرا گمان ہے کہ اس خچر نے اسے ہلاک کیا ہے جس کا نام اس نے عمر رضی اللہ عنہ رکھا تھا چنانچہ جب تحقیق کی گئی تو یہی معاملہ تھا جیسا کہ حضرت امام نے خبر دی تھی۔

دراز گوش: حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے تین دراز گوش یعنی ہمارے ایک کا نام عفیر بر وزن زبیر تھا اسے مقوقس نے بھیجا تھا دوسرے کا نام فروہ جذامی نے بھیجا تھا کہتے ہیں کہ عفیر اور یعفور ایک ہی دراز گوش ہے۔ عفورہ مثیلے رنگ کو کہتے ہیں اور اعفر از طلبا اسے کہتے ہیں جس کی سرخی پر سفیدی غالب ہو تیسرا دراز گوش وہ جسے حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ لائے تھے۔

حیاۃ الحیوان میں منقول ہے کہ لوگوں کے اقوال اس جانور یعنی ہمارے مدح و ذم میں کئی ہیں۔ محبت، اغراض اور مصالح کے لحاظ سے یہ مختلف اقوال ہیں چنانچہ بعض اسلاف سے منقول ہے کہ بعض لوگ چھوٹے گدھے کی سواری کو برا زین کی سواری پر ترجیح دیتے ہیں برا زین ترکی نسل کے گھوڑوں کا نام ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ بوجھ اٹھاتا اور منزل پہ پہنچا دیتا ہے یہ بیمار کم ہوتا ہے اور چارہ ہلاک ہے۔ اس میں مؤنت کم ہے اور معونت زیادہ اس کا نیچے اترنا آسان ہے اور اوپر چڑھنا تیز ہے غرض یہ کہ گھوڑے، خچر اور اونٹ کے بعد لوگوں کیلئے اس کی سواری کی فضیلت و بزرگی کیلئے اتنا ہی کافی ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر سواری کی ہے اور بعض حدیثوں کے سیاق کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ تواضع اور ترک تفاخر اس سے ملحوظ و منظور تھا۔

امام بیہقی نے شعب الایمان میں حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام دراز گوش پر سواری کرتے پشینہ کا لباس پہنتے اور بکری کا دودھ دوہتے تھے اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک دراز گوش تھا جسے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کیلئے مقوقس نے بھیجا تھا اس کا نام عفیر تھا۔ قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ نے غین کے ساتھ لکھا ہے مگر شارحین حدیث، قاضی عیاض کی اس میں غلطی و خطا پر متفق ہیں اور کہا کہ جب خیبر فتح ہوا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دراز گوش پایا جو سیاہ رنگ کا تھا اس نے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کلام کیا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے اس کا نام پوچھا اس نے کہا میرا نام یزید بن شہاب ہے اللہ تعالیٰ نے میری جد کی نسل سے ساٹھ ہمار پیدا کیے ہیں ان پر بجز انبیاء کرام کے کوئی سوار نہ ہوا اور امید رکھتا ہوں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مجھ پر سواری فرمائیں گے میرے جد کی نسل میں بجز میرے کوئی ہمار باقی نہیں رہا ہے اور انبیاء میں سے بجز حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے کوئی باقی نہیں اور میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے ایک یہودی کے قبضہ میں تھا میں دانستہ طور پر سواری میں ٹھکرا کر گر ا دیتا تھا وہ میرے پیٹ پر الم و اذیت پہنچاتا اور میری کمر پر کوڑے برساتا تھا اس پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے فرمایا تو یعفور ہے یعنی تیرا نام یعفور ہے کیا تو مادہ کی خواہش رکھتا ہے اس نے کہا مجھے کوئی خواہش نہیں ہے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی ضروریات کے وقت اس پر سواری کرتے تھے اور جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اتر آئے تو اسے کسی شخص کے دروازہ پر بھیجتے تاکہ وہ اسے بلا لائے تو وہ اپنے سر سے دروازہ کو گوثا جب مالک مکان باہر نکل کر اس کے پاس آتا تو یعفور اس سے اشارہ کرتا جس سے وہ شخص جان لیتا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے اس کے بلانے کیلئے بھیجا ہے۔ پھر وہ شخص حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں آتا جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وفات پائی تو یعفور ایک کنویں پر آیا اور خود کو اس کنویں میں گرا کر ہلاک کر لیا یہ ہلاکت فران میں بے صبری و ناطاقتی کی بنا پر ہے اس کے بعد وہی کنواں اس کی قبر بنا جیسا کہ باب وفات میں گزر چکا ہے۔

بعض ارباب علم حدیث اس حدیث کی صحت میں کلام کرتے ہیں۔ سبکی نے اس حدیث کو کتاب ”العرف والاعلام“ میں بیان کیا ہے درحقیقت یہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا معجزہ ہے جو اس چوپایہ میں ظاہر ہوا۔

رسالہ قشیری میں ”باب کرامات الاولیاء“ میں کہا گیا ہے کہ میں نے ابو حاتم بھتانی سے سنا ہے وہ کہتے ہیں کہ میں نے ابو نصر سراج سے سنا وہ کہتے ہیں کہ میں نے حسین بن احمد رازی سے سنا وہ کہتے ہیں کہ میں نے ابوسلیمان خواص سے سنا وہ فرماتے تھے کہ میں ایک دن گدھے پر سوار تھا کھیاں اسے پریشان کر رہی تھیں اور وہ بار بار اپنے سر کو دھنستا تھا اور میں اپنے ہاتھ کی لکڑی سے اسے مارتا تھا۔ اس پر اس نے سر اٹھا کر کہا تم بھی اپنے سر پر مارو تمہیں بھی مارا جائے گا مطلب یہ کہ میری اس مار کے بدلے تم پر مار ہوگی۔

صاحب حیۃ الخیوان نے ایک عجیب خبر حضرت جابر بن عبد اللہ سے نقل کی ہے ایک شخص کسی صومعہ میں عبادت کیا کرتا تھا جب بارش ہوئی اور زمین میں گھاس اگی تو باہر نکلا اس نے ایک گدھا دیکھا جو سبزہ چر رہا تھا۔ اس نے کہا اے میرے رب! اگر تیرا کوئی گدھا ہو تو میں اسے اپنے ساتھ چراؤں اور گدھے کی خدمت بجالاؤں جب یہ بات اس زمانہ کے نبی کے کان میں پہنچی تو منع کیا اور اس پر دعائے بدفرمائی اس پر ان پر وحی نازل ہوئی کہ میں اپنے بندوں کو ان کی عقلوں اور ان کی صدق توجہ کے مطابق جزا دیتا ہوں ان احادیث کو ابو نعیم نے حلیہ میں زید بن اسلم کی روایت سے نقل کیا اور یہ حکایت اس حکایت کے موافق ہے جو مولانا نے روم نے مثنوی شریف میں لکھی ہے فرمایا

دید موسیٰ یک شبالے را براہ گوہی نالید و می گفت اے اللہ

اس بات کی حقیقت از روئے علم یہ ہے کہ وہ شخص جاہل تھا اور بعض ایسے صفات بولتا تھا جو صفات تنزیہ و تقدیس سے متعلق تھے اور کہتے ہیں کہ اصل ایمان کے حصول میں بالفعل یہ علم شرط نہیں ہے جس طرح کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی باندی سے پوچھا: ”این اللہ“ خدا کہاں ہے اس نے کہا وہ آسمان میں ہے۔ اس حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے مسلمان ہونے کا حکم فرمایا اس لیے کہ اس نے زمین کے باطل معبودوں کی نفی و برات کا اظہار کیا اور یہ ایسا شخص تھا جسے اپنے اعتقاد کے بموجب حق تعالیٰ کے ساتھ انتہائی محبت و عشق اور صدق و اخلاص حاصل تھا اور اسی جذبہ کی حالت میں اس شخص سے یہ کلمات صادر ہوئے اور اسے معذور رکھا گیا اور یہ نسبت مقبول ہو گئی کہ ”کَلَامُ الْمُجَانِّینِ یَطْوٰی وَلَا یُرْوٰی“ دیوانوں کی باتیں حال ہوتی ہیں بیان نہیں کی جاتیں۔

اونٹ: حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اونٹ پندرہ سے زیادہ تھے ان میں سے ایک اونٹ کا نام قصوا (فتح قاف و سکون صاد) تھا۔ قصوا اونٹ کے کان کے گوشہ کو چیرنے کو کہتے ہیں ایسے زاونٹ کو ”مقصو“ کہتے ہیں اور مادہ کو قصوا اور شاة قصوی کہتے ہیں اور جمل کو قصا نہیں کہتے بلکہ مقصوا اور مقصی کہتے ہیں اس میں ترک کیا گیا ہے۔ (کذا فی الصحاح) لیکن قاموس میں کہا گیا ہے کہ ناقہ کو قصوا اور مقصو کہتے ہیں اور جمل کو اقصیٰ و مقصو کہتے ہیں جس طرح کہ ”امراة حسناء“ کہتے ہیں اور ”رجل احسن“ نہیں کہتے ہیں۔

اہل سیر بیان کرتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ناقہ یعنی اونٹنی مقطوع الاذن نہ تھی بلکہ پیدائشی کان ہی ایسے تھے کہ ایک جانب کان کٹا ہوا معلوم ہوتا تھا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ناقہ کو ہجرت کے وقت حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے خرید لیا تھا جیسا کہ ہجرت کے باب میں اس کا ذکر گزر چکا ہے اسی ناقہ پر سوار ہو کر آپ نے ہجرت فرمائی تھی اور وہ خدا کی جانب سے مامور تھی کہ جہاں لے جائے اور جہاں وہ بیٹھے۔

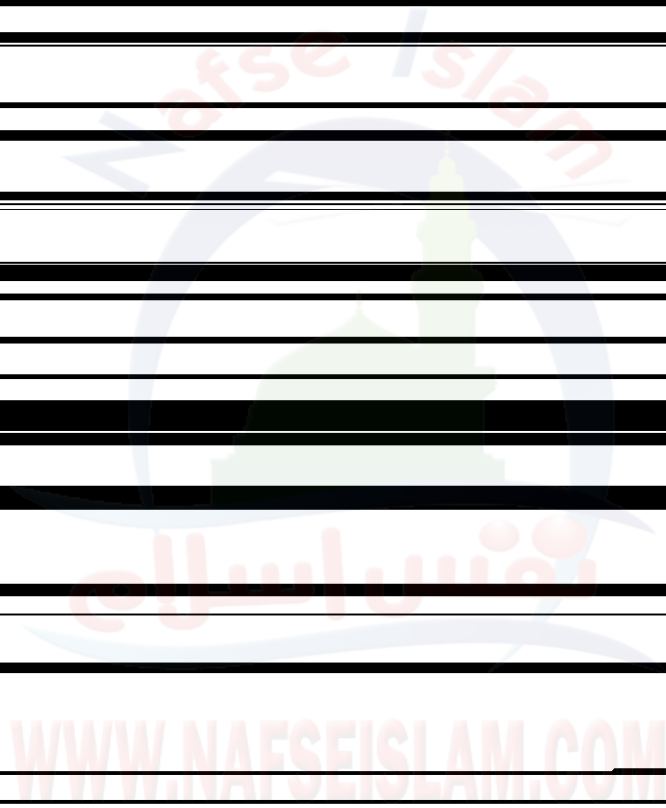
حدیبیہ میں بھی اسی ناقہ پر سوار تھے۔ سفر و حضر میں اسی پر سواری فرماتے اور اس ناقہ کی سواری کے وقت وحی بھی نازل ہوتی تھی۔ اہل سیر بیان کرتے ہیں اس قصوا اونٹنی کے سوا کوئی اور ناقہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی وحی کے نزول کا بوجھ برداشت نہ کر سکتا

تھا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اونٹوں کے ناموں میں اعضا اور جذعا بھی آیا ہے اور عصب بھی بمعنی اونٹ کے کان چیرنے کے آیا ہے اور کبش کا سینگ ٹوٹنے کے آیا ہے۔ جذعا کے بھی یہی معنی ہیں اور ہاتھ ناک، کان اور ہونٹ چیرنے کے معنی میں آتا ہے بعض ارباب سیر کہتے ہیں کہ یہ دونوں نام اسی ناقہ کے تھے جس کو قصواء کہا جاتا ہے کیونکہ اس میں قصواء عقیلی اور جذعا کے معنی کچھ نہ تھا بلکہ اس کے مکان میں ایسی چیز تھی جو اس کے مشابہ تھی جیسا کہ ابھی بیان کیا گیا۔

ان ناموں میں صرما (صاد و سکون را) اور صلما (صاد و لام کے ساتھ) بھی آیا ہے اور محضرہ (بضم میم و فتح حاد سکون ضاد) بھی آیا ہے ان سب کے معنی قطع و برید کے ہیں اور ناقہ مصرمہ کے معنی سرپستان بریدہ کے ہیں اور صلح جز سے کان اکھڑنے کو کہتے ہیں اور محضرہ اس ناقہ کو کہتے ہیں جس کے کان کا کونہ کٹا ہوا ہو ان ناموں کے بارے میں بھی اہل سیر کہتے ہیں کہ یہ قصواء کے ہی نام تھے۔

مروی ہے کہ اعضا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک اونٹنی تھی کوئی اونٹنی اس سے سبقت نہیں لیتی تھی اچانک ایک اعرابی شتر جوانہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے گناہات صحابہ رضائے اہل بیت اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا حق تعالیٰ ر

شریف نہ ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے مختصر ہر کوعہ جو ان سے تشبیہ دی گئی ہے یا شارح خرماء ہی مختصر تھی، (واللہ اعلم) اور قصبہ شونخط



سے لے لیا اور میں اسے بیماروں کیلئے دھو کر اس کا پانی شفا یابی کیلئے دیتی ہوں۔ (رواہ مسلم)

عمامہ مبارک: حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا عمامہ شریف تھا جسے سحاب فرماتے تھے ایک اور سیاہ عمامہ شریف تھا۔ صاحب روضۃ الاحباب فرماتے ہیں کہ ارباب سیر نے نقل کیا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب اس جہان سے کوچ فرمایا اس وقت رو برو صبرہ صحاری جامہ عمانی تہبند ایک سحلی قمیض، یعنی جبہ قمیصہ، سفید چادر اور ایک لحاف تھا جو درس سے رنگا ہوا تھا اور چند طاقتور خوردا آپ کے پاس باقی تھے۔

تشریح یہ ہے کہ برد بضم باء چادر ہے کذا فی الصراح اور حمزہ بکسر حاء وفتح بایہ کپڑے کی ایک قسم ہے۔ صراح میں کہا گیا ہے کہ برد یمانی اور صحاری منسوب قریہ صحار کی طرف ہے جو یمن میں ہے۔ حدیث میں آیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دو صحاری کپڑوں کا کفن دیا گیا اور کہتے ہیں کہ صحاری صحر سے ہے اور صحرہ ہلکی سرخی عنبرہ کی مانند ہے اور ثواب اصحر و صحاری بولا جاتا ہے۔ عمان بضم عین و تخفیف میم، یمن کا ایک شہر ہے ”عُمَانُ بِالْمَعَانِ اِذَا قَامَ بِهِ“ اور جوشام میں ہے وہ فتح عین اور تشدید میم کے ساتھ ہے اور قاموس میں ہے کہ غراب کے وزن پر عمان، یمن کا شہر ہے اور شداد کے وزن پر عمان شام کا شہر ہے۔

حدیث میں آیا ہے کہ تین سحلی کپڑوں کا کفن دیا گیا۔ سحلی بفتح سین ہے یا بضم سین۔ فتح کے ساتھ سحول بمعنی قصار کی طرف منسوب ہے اس لیے وہاں دھویا جاتا ہے اور سفید کیا جاتا ہے یا منسوب قریہ سحول کی طرف ہے جو یمن میں ہے اور ضمہ کے ساتھ سحول بمعنی ثوب کی جمع ہے جو کہ سوتی صاف ستھرا اور سفید کپڑا ہوتا ہے بعض کہتے ہیں کہ ضمہ کے ساتھ قریہ کی طرف منسوب ہے اور خمیصہ از فر مشہور گھاس کا بنا ہوا ہوتا ہے یا نقشین اون کا بعض سیاہ کے ساتھ مقید کرتے ہیں۔ صراح میں ہے خمیصہ چوکور سیاہ کھل ہے۔ اس کے دو نام ہیں اور قطیفہ ریشمی کپڑے کو کہتے ہیں اور کساء زیر اور مد کے ساتھ چادر سوتی کو کہتے ہیں اور لمحقة بکسر میم و سکون لام وفتح حاء چادر کو کہتے ہیں اور درس بفتح دا و ایک گھانس ہے اس سے کپڑے رنگتے ہیں۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ندر ہم چھوڑے نہ دینار اور نہ بکریاں چھوڑیں اور نہ اونٹ اور راوی کا کہنا ہے کہ میں غلام کے بارے میں شک کرتا ہوں اور یہ اس کے منافی نہیں ہے جو کہ مذکور ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے گھوڑے، اونٹ، خادم اور غلام تھے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے سب کو صرف فرمایا اور انہیں تقسیم کر دیا اور انہیں آزاد کر دیا اور وہ املاک جو بنی نضیر اور ذک کے تھے وہ مسلمانوں پر وقف تھے جو ان کی ضروریات آپ کی اہل بیت کے حوائج اور ان کے نفقہ وغیرہ پر خرچ ہوتے تھے۔ مروی ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے کچھ تبرکات حضرت عمر بن عبد العزیز کے پاس تھے اور وہ انہیں گھر میں خوب حفاظت سے رکھتے تھے اور ہر روز ایک مرتبہ جاتے اور ان کی زیارت کرتے تھے اور کبھی ایسا ہوتا کوئی ذی عزت شخص ان کے پاس آتا تو وہ ان کو اس مکان میں لے جاتے اور ان تبرکات کی زیارت کراتے تھے اور فرماتے کہ ”مِیْرَاثُ اَخْتَرَامِكُمْ اللّٰهُ وَاَعَزَّكُمْ بِہِ“

اہل سیر کہتے ہیں کہ اس مکان میں ایک پلنگ ایک چڑھ کا گدا جو جھلو سے ملفوف تھا ایک جوڑہ موزے کا، قطیفہ، پچلی اور ایک سرکش تھا جس میں چند تیر تھے اور کہتے ہیں کہ اس قطیفہ میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سر مبارک کی طراوت کا اثر موجود تھا۔

ایک شخص بہت بیمار تھا اور اسے شفا نہ ہوتی تھی اس نے حضرت عمر بن عبد العزیز رضی اللہ عنہ سے عرض کیا تو انہوں نے اس قطیفہ کو تھوڑا سا دھویا اور اس کا پانی اس کی ناک میں پکادیا وہ بیمار تندرست ہو گیا۔

تکملہ

یہ تکملہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ان صفات کے بیان میں جن کو اہل معرفت نے اپنی زبان میں بیان کیا ہے اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں توجہ کا طریقہ اور آپ سے استمداد و استعانت کرنے کے بیان میں ہے۔

واضح رہنا چاہیے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے احوال و اوصاف شریف دو قسم کے ہیں ایک تو وہ ہیں جو ثقہ راویوں کے ساتھ احادیث و اخبار میں منقول ہیں اور سیر کی کتابوں میں جو اخلاق و صفات مذکور و مسطور ہیں وہ آپ کی نبوت و رسالت اور تمام انبیاء و مرسلین علیہم السلام سے آپ کے افضل و اکمل ہونے میں بہت کافی روانی ہیں دوسری قسم وہ ہے جو مکاشفان اسرار حقیقت اور مشہدان انوار وحدت نے دیدہ بصیرت سے پایا ہے اور ان کے اظہار و ابراز کی طرف گئے ہیں چونکہ قسم اول بعون عنایت الہی ابواب سابقہ میں مرتب ہو چکے ہیں اب قسم دو کے ساتھ بھی اس کی تکمیل و تکمیل کرتا ہوں۔ بیدہ التوفیق۔

انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام حق تبارک و تعالیٰ کے اسماء ذاتیہ سے پیدا کیے گئے ہیں اور اولیاء کرام اسماء صفاتیہ کی مخلوق ہیں بقیہ ساری کائنات صفات فعلیہ سے پیدا ہوئے ہیں۔ سید المرسلین صلوٰۃ اللہ تعالیٰ و سلامہ علیہ و علیہم اجمعین ذات حق سے مخلوق ہیں اور ظہور حق آپ میں بالذات ہے چونکہ صفات و اسماء ہیں ظہور و بروز کے اقتضاء سے بیشتر و ظاہر تر ہے حق تعالیٰ کی صفات سے ہر صفت میں خوب ظاہر ہوا ہے اور جو کچھ جمال و جلال سے مخصوص تھا ظاہر ہوا اور اسماء حسی میں سے ہر اسم نے جو اس کے معنوی کمال کے اقتضا میں سے تھا ظہور ہوا اور کنہ ذات الہی تعالیٰ و تقدس جس طرح خفا میں حقیقت سر یہ پر بطون میں تھی باقی رہی پھر ان اسماء صفات کے حقائق مشہد معنوی میں مجتمع ہوئے۔ ذَاتٌ حَیْثُ لَا کَيْفٌ وَلَا اَیْنَ اور نہ اہوئی اور نہ اہا فرمایا اگرچہ میں نے اس کمال کو ظاہر کیا اور ان جمال و جلال کے مقامات کو ہویا کیا جو حد حصر و احصاء سے باہر ہیں لیکن یہ سب بحر وحدت کا ایک قطرہ ہے اور ذات بیضاء کا ایک ذرہ ہے۔

ہیہات ہیہات! ہمارا اجتماع کہاں اور حقیقت ذات کہاں اور ظہور شیون ذاتیہ حق کہاں اور بروز حقائق اسماء صفاتیہ کہاں تو پھر کہ عبارت منہیہ سے اشارہ ہوا کہ میں اپنی ذات سے نکالتا ہوں اور ایک ایسی حقیقت کو پسند کرتا ہوں جو جامع تمام کمالات اسماء و صفات شیونات ذات ہو اور اس میں ایسا بروز برابر کروں جو انی کونات کا عین ہے اور ایسا ظہور ظاہر کروں جو عین بطون سے جو تصور بصورت

بعید اور منزل مشاہد فیض میں ہو جو کہ تمہارے لیے نشاۃ رافع اور جامع انشاء بدیع ہو اور اپنے حد میں ممتاز ہو اور وہ کنہ کمال میں مرموز ہو کہ نہ پہچانا جائے اور نہ حقیقت دریافت میں آئے اور اس کی توصیف نہ کی جاسکے اور اس کی نسبت مظہر اتم، اکمل محلی اغرو افضل ہو بہ نسبت تمہارے مظاہر عظمیٰ محال کریمہ کے جیسی کہ نسبت ذات کی صفات کے ساتھ ہوتی ہے تاکہ میری برتری پر میری بنا کامل ہو تو میں نے اس کے نام کو محمد سے مشتق کر کے محمد احمد اور محمود رکھا ہے اور میں نے اسے عابد بنایا اور لواء احمد اس کے ہاتھ میں دیا اور اس کا مقام وسیلہ عظمیٰ بنایا لہذا انبیاء علیہم السلام مظہر اسماء و صفات ہوئے اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم مظہر ذات تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مقام اجلال و اکرام کے بالذات ختام ہیں اور انبیاء و اولیاء بالواسطہ جبکہ سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم ذات حق سے مخلوق ہیں اور ظہور حق ان پر بالذات ہے تو ان کے سوا جو بھی ہے سب سے تمام صفات اور جمیع کمالات میں فائق و منفرد ہیں نیز اسی بنا پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا دین تمام ادیان کا ناسخ ہے اس لیے کہ بروز ذات کے بعد صفات مشہود نہیں رہتے نیز اسی بنا پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا عروج فوق عرش ہے کیونکہ ذات جمیع اسماء پر فائق ہے اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم رحمانیت حق کے محل ہیں جو کہ عرش سے فوق و وسیع ہے اور عرش محیط اجام ہے اور رحمت ہر شے پر وسیع ہے رحمتی وسعت کل شئی لہذا محمدی حقیقت جمیع موجودات کا مصدر اور تمام کامبدا اور تمام فیوض و برکات کا واسطہ

سے لے لیا اور میں اسے بیماروں کیلئے دھو کر اس کا پانی شفا یابی کیلئے دیتی ہوں۔ (رواہ مسلم)

عمامہ مبارک: حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا عمامہ شریف تھا جسے صحاب فرماتے تھے ایک اور سیاہ عمامہ شریف تھا۔ صاحب روضۃ الاحباب فرماتے ہیں کہ ارباب سیر نے نقل کیا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب اس جہان سے کوچ فرمایا اس وقت روبرو صبرہ صحاری جامہ عثمانی تہبند ایک حولی قمیض، یعنی جبہ قمیصہ، قطیفہ سفید چادر اور ایک لحاف تھا جو درس سے رنگا ہوا تھا اور چند طاقہ خورد آپ کے پاس باقی تھے۔

تشریح یہ ہے کہ بردھضم باء چادر ہے کذا فی الصراح اور حمزہ بکسر حاء وفتح بایہ کپڑے کی ایک قسم ہے۔ صراح میں کہا گیا ہے کہ بردیمانی اور صحاری منسوب قریہ صحار کی طرف ہے جو یمن میں ہے۔ حدیث میں آیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دو صحاری کپڑوں کا کفن دیا گیا اور کہتے ہیں کہ صحاری صحر سے ہے اور صحرہ ہلکی سرخی غبرہ کی مانند ہے اور ثواب اصحر و صحاری بولا جاتا ہے۔ عمان بضم عین و تخفیف میم، یمن کا ایک شہر ہے ”عَمَّانُ بِالْمَكَّانِ اِذَا قَامَ بِهِ“ اور جو شام میں ہے وہ فتح عین اور تشدید میم کے ساتھ ہے اور قاقاموس میں ہے کہ غراب کے وزن پر عمان، یمن کا شہر ہے اور شداد کے وزن پر عمان شام کا شہر ہے۔

حدیث میں آیا ہے کہ تین حولی کپڑوں کا کفن دیا گیا۔ حولی بفتح سین ہے یا بضم سین۔ فتح کے ساتھ حول بمعنی قصار کی طرف منسوب ہے اس لیے وہاں دھویا جاتا ہے اور سفید کیا جاتا ہے یا منسوب قریہ حول کی طرف ہے جو یمن میں ہے اور ضمہ کے ساتھ حول بمعنی ثوب کی جمع ہے جو کہ سوتی صاف ستھرا اور سفید کپڑا ہوتا ہے بعض کہتے ہیں کہ ضمہ کے ساتھ قریہ کی طرف منسوب ہے اور خمیصہ ازفر مشہور گھاس کا بنا ہوا ہوتا ہے یا نقشین اون کا بعض سیاہ کے ساتھ مقید کرتے ہیں۔ صراح میں ہے خمیصہ چوکور سیاہ کبل ہے۔ اس کے دو نام ہیں اور قطیفہ ریشمی کپڑے کو کہتے ہیں اور کساء زیر اور مد کے ساتھ چادر سوتی کو کہتے ہیں اور المحقہ بکسر میم و سکون لام وفتح حاء چادر کو کہتے ہیں اور درس بفتح واد ایک گھانس ہے اس سے کپڑے رنگتے ہیں۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ درہم چھوڑے نہ دینار اور نہ بکریاں چھوڑیں اور نہ اونٹ اور راوی کا کہنا ہے کہ میں غلام کے بارے میں شک کرتا ہوں اور یہ اس کے منافی نہیں ہے جو کہ مذکور ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے گھوڑے اونٹ خادم اور غلام تھے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے سب کو صرف فرمایا اور انہیں تقسیم کر دیا اور انہیں آزاد کر دیا اور وہ املاک جو بنی نضیر اور ذک کے تھے وہ مسلمانوں پر وقف تھے جو ان کی ضروریات آپ کی اہل بیت کے حوائج اور ان کے نفقہ وغیرہ پر خرچ ہوتے تھے۔ مروی ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے کچھ تبرکات حضرت عمر بن عبد العزیز کے پاس تھے اور وہ انہیں گھر میں خوب حفاظت سے رکھتے تھے اور ہر روز ایک مرتبہ جاتے اور ان کی زیارت کرتے تھے اور کبھی ایسا ہوتا کوئی ذی عزت شخص ان کے پاس آتا تو وہ ان کو اس مکان میں لے جاتے اور ان تبرکات کی زیارت کراتے تھے اور فرماتے کہ مِیْرَاثُ اَنْحُرَاْمَکُمْ اللّٰهُ وَاَعَزَّکُمْ بِہِ

اہل سیر کہتے ہیں کہ اس مکان میں ایک پلنگ ایک چمڑہ کا گدا جو جملو سے ملفوف تھا ایک جوڑہ موزے کا، قطیفہ، چکی اور ایک سرکش تھا جس میں چند تیر تھے اور کہتے ہیں کہ اس قطیفہ میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سر مبارک کی طراوت کا اثر موجود تھا۔

ایک شخص بہت بیمار تھا اور اسے شفا نہ ہوتی تھی اس نے حضرت عمر بن عبد العزیز رضی اللہ عنہ سے عرض کیا تو انہوں نے اس قطیفہ کو تھوڑا سا دھویا اور اس کا پانی اس کی ناک میں ٹپکا دیا وہ بیمار تندرست ہو گیا۔

سے ہاتھی دانت یا اس کی ہڈی کی تجارت کے جائز ہونے پر استدلال کرتے ہیں۔

علماء کہتے ہیں کہ بعض اسلاف اس سے کنگھی بناتے تھے۔ امام شافعی کے نزدیک نجس ہے اور مراد عاج سے دریائی کھجورے کی پشت کی ہڈی ہے یا مولیشی کے کمر کی ہڈی ہے اس کو لیتے اور اس سے ننگن دھار اور کنگھی بناتے ہیں اور اسے ذیل کہتے ہیں۔ ذیل بفتح ذال معجم و باء موحده ہے اور یہ جو حدیث میں آیا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدہ فاطمہ الزہراء رضی اللہ عنہا کیلئے عاج کا قلبہ خرید فرمایا تو اس سے مراد یہی ذیل ہے۔ (واللہ اعلم)

ایک مکملہ (بضم میم و سکون کاف و بضم حا) یعنی سرمہ دانی تھی جس سے روزانہ رات کو سونے سے پہلے دونوں آنکھ میں تین تین بار سرمہ لگاتے تھے ایک روایت میں ہے کہ پہلے دو مرتبہ داہنی آنکھ میں پھر تین مرتبہ بائیں آنکھ میں پھر ایک مرتبہ داہنی آنکھ میں سلائی پھیرتے تھے تاکہ داہنی آنکھ سے شروع ہو کر داہنی آنکھ پر ہی ختم ہو لیکن صحیح و مشہور پہلا ہی طریقہ ہے اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا قصعہ (فتح قاف و سکون صاد) تھا اس کا نام غزا تھا اس میں چار حلقہ تھے۔ قصعہ بڑے برتن کو کہتے ہیں اور جفہ (فتح جیم و سکون نا) بھی کاسہ بزرگ اور صفحہ بھی کاسہ بزرگ کو کہتے ہیں۔

بعض کہتے ہیں کہ صفحہ وہ برتن ہے جس میں پانچ آدمی شکم سیر ہو سکیں اور قصعہ وہ ہے جس میں دس آدمی شکم سیر ہو سکیں۔ تینوں لفظوں کی جمع بروزن فعال (بکسرفا) آتی ہے یعنی قصاع، جفان اور صحاف۔ صحاح میں کسائی سے منقول ہے کہ برتنوں میں سب سے بڑا برتن جفہ ہے پھر قصعہ ہے جو دس آدمیوں کو آسودہ کرتا ہے پھر صفحہ ہے جو سات آدمیوں کو آسودہ کرتا ہے پھر ملیکہ ہے جو دو یا تین آدمیوں کو آسودہ کرتا ہے اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا صاع اور مد تھا جس سے ناپ کے فطرہ نکالا کرتے تھے (کذا قبل) اور کھانا بھی ناپ کر پکایا جاتا ہو تو بعید نہیں ہے جیسا کہ حدیث میں آیا ہے کہ طعام کو ناپ کر خرچ کرو۔ صاع اور مد دو پیمانے میں ایک صاع چار مد کا ہوتا ہے اور مد ایک رطل اور تہائی اہل حجاز کے نزدیک ہے اور دو رطل اہل عراق کے نزدیک ہے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک پلنگ تھا جس کے پٹی پائے رشاج کے تھے اور اس پر بستر چڑے کا تھا جس میں چہلو بھرے ہوئے تھے اس کے اوپر پلاس یعنی ٹاٹ تھا جس کی دو تہہ کر کے رات کو اس پر تکیہ کرتے تھے۔

انگشتی مبارک: حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی انگشتی چاندی کی تھی جس میں چاندی کا ہی نگینہ تھا۔ مواہب میں ہے کہ ایک اور انگشتی لوہے کی تھی جس پر چاندی کا ملمع تھا اور احادیث میں آیا ہے کہ لوہے کی انگشتی کی ممانعت فرمائی گئی ہے گولع شدہ یا تو بیان جواز کیلئے ہو گیا ابتدائے حال کا ذکر کیا گیا ہوگا۔ (واللہ اعلم)

موزے اور جبہ: حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دو موزے سادہ تھے جس کو نجاشی نے ہدیہ میں بھیجا تھا اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں سفروں میں پہنا تھا اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے تین جے تھے جن کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جنگ میں زیب تن اقدس فرماتے تھے۔ ایک جبہ سبز سندس کا تھا اور دوسرا جبہ اطلاس کا تھا اور تیسرا جبہ معلوم نہ ہوا کہ کس کپڑے کا تھا جبہ اس کپڑے کو کہتے ہیں جسے کاٹ کر سیا جاتا ہے اب اگر حبیب والا ہو تو تمیض کہتے ہیں اور اگر نہ ہو تو قبا کہتے ہیں اور جبہ سب کو شامل ہے چادر اور عمامہ کو جبہ نہیں کہتے ہیں۔

طیالہ جمع طیلسان گویا طیلسان میں بنایا اور بنا جاتا ہے اور یہ عجمی کپڑوں میں سے ہے جو سیاہ اور گول ہوتا ہے اور تانا بانا پشم کا ہوتا ہے۔ حضرت اسماء بنت ابی بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے مروی ہے وہ بیان کرتی ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ جبہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے پاس تھا جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی رحلت ہوئی تو میں نے اس جبہ کو حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا

وصل: صورت ومعنی کے لحاظ سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی کمال خلقت و اعتدال اور آپ کا جمال و جلال اس حد تک ہے جو حد

حصراً و احصاء سے باہر ہے اور جتنا کچھ کہ بیان کیا گیا ہے وہ دریا کے مقابلہ میں ایک قطرہ اور بیضاء کے ساتھ اک..... کو نسبت ہوتی ہے۔
جاننا چاہیے کہ وجود مطلق بنظر مراتب و مفردات موجودہ منقسم بہ دو قسم ہیں۔ ایک قسم لطیف ہے جس طرح کہ معانی و ارواح وغیرہ ہیں اور دوسری قسم کثیف ہے جیسا کہ صور و اشکال اور اجسام وغیرہ اور ہر ایک ان دونوں قسموں کی دو نوعیتیں ہیں ایک نوعیت اعلیٰ دوسری نوعیت ادنیٰ، اعلیٰ معنوی انسان میں مانند خلق و تحقق صفات البہیہ و اخلاق محمد صلی اللہ علیہ وسلم وہ اور تمام مراتب کمالات معنوی سے متصف ہوتا ہے اور اس علو کو علوم کانت کہتے ہیں اور اس کی نہایت خدا کے نزدیک ہے۔ حق تبارک و تعالیٰ یہ خوبیاں اس میں جمع فرماتا اور اسے عنایت فرماتا ہے جس کی تعظیم کا وہ ارادہ فرمائے اور اپنی بارگاہ میں جسے بزرگ بنائے اور نوع اعلیٰ صوری، فعال حسنہ اعمال صالحہ صور حسنہ اشکال لطیفہ اور ماکن علیہ فیضیہ ہیں۔ اس علو صوری کا نام مکان ہے اور اعلیٰ مکان جنت ہے۔

باوجود تفاوت درجات اور اس کے مراتب کے اور اس کا اعلیٰ درجہ وسیلہ ہے جس کی خبر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ دی ہے کہ حق تبارک و تعالیٰ نے اپنے بندوں میں سے ایک کے ساتھ اس کا وعدہ فرمایا ہے میں امید رکھتا ہوں کہ وہ بندہ میں ہی ہوں لہذا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم علوم کانت ساتھ مخصوص ہیں جس طرح کہ علوم کانت کے ساتھ مخصوص ہیں اس لیے کہ حق تعالیٰ کے نزدیک قدر و منزلت میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ کوئی اعظم نہیں ہے اور حدیث پاک میں ہے کہ حق تبارک و تعالیٰ فرماتا ہے کہ اے حبیب میں نے تمہارے لیے اپنی شفاعت کو پنہاں کر کے رکھا ہے اور بجز آپ کے کسی نبی کیلئے اسے پنہاں کر کے نہ رکھا۔

حضرت ابو جعفر بن محمد بن علی بن حسین سلام اللہ علیہم اجمعین فرماتے ہیں کہ حق تعالیٰ نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کیلئے آسمانوں اور زمین پر شرف کو کامل فرمادیا ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں روز قیامت عرش کی دہنی جانب کھڑا ہوں گا جہاں میرے سوا کوئی کھڑا نہ ہو سکے گا اور فرمایا میں آدمیوں میں سب سے پہلا نکلنے والا ہوں گا جس وقت کہ وہ اٹھائے جائیں گے اور میں ان کا خطیب ہوں گا جب وہ درگاہ الہی میں آئیں گے اور ان کا بشارت دینے والا ہوں گا جب وہ ناامید ہو گیا۔ لواء الحمد میرے ہاتھ میں ہوگا اور میں اپنے رب کے نزدیک اولاد آدم میں سب سے گرامی تر ہوں گا و لا فخر۔

ایک روایت میں ہے کہ میں ان کا قاید ہوں گا جبکہ وہ درگاہ الہی میں آئیں گے اور میں ان کا خطیب ہوں گا جبکہ وہ خاموش ہوں اور سنیں گے اور میں ان کا شفیع ہوں گا جبکہ ان پر تمام دروازے بند ہو جائیں گے اور ”لواء کرم“ میرے ہاتھ میں ہے اور میں اکرم اولاد ہوں اپنے رب کے حضور حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کی حدیث میں آیا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اَنَا سَيِّدُ وَلَدِ آدَمَ يَوْمَ الْقِيَمَةِ وَيَسِيْدِي لَوَاءُ الْحَمْدِ وَلَا فَخْرَ بَرٍّ أَوْ ذِمٍّ يَأْنِ كَسْوَابِ مِرَّةٍ جَهَنَّمَ تَلْتَمِسُ هَلْ هِيَ۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث میں آیا ہے کہ آگاہ ہو جاؤ کہ میں خدا کا حبیب ہوں۔ ایک روایت میں انہیں سے مروی ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اَنَا أَكْرَمُ الْأَوَّلِينَ وَالْآخِرِينَ وَلَا فَخْرَ. اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلَيْهِ وَسَلِّمْ۔

ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا ہے مروی ہے کہ جبریل علیہ السلام نے حاضر ہو کر عرض کیا میں نے زمین کے مشارق و مغارب کو دیکھ ڈالا ہے مگر کوئی بھی محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے افضل مجھے نظر نہ آیا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اکملیت اور تمام کمالات صوری و معنوی کے مجتمع ہونے میں احادیث اتنی کثرت سے ہیں ان سب کا احاطہ نہیں کیا جاسکتا۔ کوئی بھی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اکملیت میں متنازع اور آپ کی افضلیت میں مدافع نہیں ہے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے علوم کانت کو حقائق اسماء و صفات کے ساتھ تعبیر کیا جاتا ہے اور علوم مکان کو وسیلہ اور مقام محمود کے ساتھ تعبیر کیا جاتا ہے لہذا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مکان و مکانت کے اعتبار سے اعلیٰ و افضل موجودات ہیں اور باعتبار صورت و معنی انتہائی علو و جودی کے ساتھ مخصوص ہیں یہ بیان نوع اعلیٰ کا ہی جو مکان و مکانت کے ساتھ تعبیر کیا گیا ہے اور اس کی دونوں نوعیتیں دونوں قسموں کی بیان کر دی گئیں۔

اب رہی ان دونوں قسموں کی دونوں ادنیٰ نوعیں جسے سقوط مکانت سے تعبیر کیا جاتا ہے تو وہ دونوں اہلیں کے نصیب میں ہیں اور ان کا حد و مقام شیطان کے مقبوعین اشقیاء کیلئے ہے۔ نَعُوذُ بِاللّٰهِ مِنْ ذَٰلِكَ اس باب میں کلام دو وصل میں کیا ہے۔

وصل اول در کمالات معنوی: اہل وصل میں ان کمالات معنوی کا بیان ہے جو بارگاہ الہی میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو علوم کانت میں حاصل ہے۔ لہذا یہ دو قسم پر منقسم ہے۔ ایک قسم کمالی ہے جس کے ساتھ کاملین عظام رضوان اللہ علیہم اجمعین متعلق و متحقق ہیں جیسا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تَخْلُقُوا بِأَخْلَاقِ اللَّهِ۔ دوسری قسم کمال کوئی ہے جس کے ساتھ کاملین عظام متصف و متعلق ہیں اور یہ وہ صفات حمیدہ ہیں جن کا مجموعہ ”مکارم اخلاق“ ہے مخفی نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کسی مخلوق میں اس قدر مکارم اخلاق جمع نہیں کیے جس قدر کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم میں مکارم اخلاق اور حمیدہ صفات جمع فرمائے کیونکہ وہ آپ ہی سے پیدا ہوئے اور آپ ہی نے پروان چڑھایا اور آپ ہی پر ختم ہو کر مکمل ہوئے۔ اسی لیے حق تبارک تعالیٰ نے آپ کے حق میں فرمایا: إِنَّكَ لَعَلَىٰ خُلُقٍ عَظِيمٍ سیر و احیاء کی کتابیں آپ کے اخلاق حمیدہ خصائل جلیلہ سے اتنی لبریز ہیں۔ جن کا کوئی حد و حساب نہیں۔

عارف کامل شیخ عبدالکریم چلبلی رحمۃ اللہ صاحب قاموس اعظم و قابوس اقدیم فرماتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے مکارم اخلاق کے سلسلہ میں کتابوں میں جس قدر ذکر کیا گیا ہے وہ دریا کے مقابلہ میں ایک قطرہ ہے اور وہ جو دار و نہیں ہوا اور بیان نہیں کیا گیا ان سے سوائے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے کوئی متصف نہیں ہے اور وہ کسی میں جمع نہیں کیے گئے وہ آپ کے ساتھ ہی مخصوص ہے اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہی ان کے جامع ہیں۔ اس سے آپ کے خلق معنوی کا کمال ظاہر ہوتا ہے۔

اب رہا کمال حقی جو کہ حق تعالیٰ نے آپ کو بخشا ہے اور ان کے ساتھ آپ کو مخصوص فرمایا وہ اس سے زیادہ ہیں جن کو ادا رک کیا جائے اور غور و فکر کے بعد ان کو دریافت کیا جائے اور ان کو پہچانا جائے۔ ان کی کوئی حد و غایت نہیں ہے۔ کیونکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جمیع اخلاق الہیہ اور صفات ربوبیہ سے متحقق ہیں۔ شیخ مذکور رحمۃ اللہ نے ان کتاب کمالات اللہ در صفات محمدؐ ہر صفت صفت اور اسم

اسم کر کے بیان کیا ہے اور اس میں ان چیزوں کا بیان کیا ہے جو کتاب عزیز میں ان پر تصریحاً اشارۃ اور تلمیحاً دلالت کرتی ہیں۔ منجملہ ازاں اسم اللہ کا ہے اور اس پر دلیل کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اس اسم کے مظہر ہیں۔ حق تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے: وَمَا رَمَيْتَ إِذْ رَمَيْتَ وَلَكِنَّ اللَّهَ رَمَىٰ مِثْلَ خَاكٍ آپ نے نہیں پھینکی جبکہ آپ نے پھینکی لیکن اللہ نے پھینکی، اور حق تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے کہ وَمَنْ يُطِيعِ الرَّسُولَ فَقَدْ أَطَاعَ اللَّهَ جس نے رسول کی اطاعت کی بلاشبہ اس نے اللہ کی اطاعت کی: وَإِنَّ الَّذِينَ يُبَايِعُونَكَ إِنَّمَا يُبَايِعُونَ اللَّهَ يَسْأَلُ اللَّهُ فَوْقَ آبِدِيهِمْ وہ آپ جو آپ سے بیعت کر رہے تھے بلاشبہ وہ اللہ سے بیعت کر رہے تھے۔ اللہ کا ہاتھ ان کے ہاتھ کے اوپر ہے۔

شیخ قدس فرماتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد: انا عبد اللہ میں اللہ کا بندہ ہوں کے یہی معنی ہیں۔ یہ عبودیت جو اپنے رب کے نام کے ساتھ ہے آپ کے اسم گرامی کے ساتھ خاص عبارت ہے۔ اس لیے کہ آپ متعلق باخلاق الہیہ ہیں۔ حضرت شیخ رحمۃ اللہ فرماتے ہیں کہ اس بات کو جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کیلئے ہے تعظیم حق میں بعید و محال نہ سمجھو اس لیے کہ یہ بات نہ اللہ تعالیٰ کے

اعتراض نہ کرے اور کوئی مجادل اس میں نزاع نہ کرے اور فرمایا میں نے اس کتاب میں اسی قدر پراکتفا کیا ہے اس لیے کہ محققین کے نزدیک اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تمام اسماء حسنیٰ اور صفات علیا کے ساتھ متصف و متحقق ہیں اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اتنے کمالات عطا ہوئے ہیں کہ آپ کے سوا کسی دوسرے کو سزاوار نہیں ہیں: كَمَا خُلِقَ الْقُرْآنُ آپ کا خلق قرآن ہے اور قرآن کلام خدا ہے اور یہ اس کا حصہ ہے۔ تَحْفَظُ مَا رَافَعَهُ بِالْعِلْمِ مَا لَا يَنْفَدُ كَمَا لَا يَفْنَى كَلِمَةُ اللَّهِ عَزَّ وَجَلَّ بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ اس کا مطلع ہے: کہ

وجہ سے اپنی معرفت و رسائی کی داد دی۔ حق تبارک و تعالیٰ نے قرآن پاک میں خود فرمایا ہے: اِنَّهُ لَقَوْلُ رَسُولٍ كَرِيمٍ بلاشبہ قرآن عزت والے اللہ کے رسول کا قول ہے حالانکہ حقیقتہً خدا کا قول ہے لہذا حق تعالیٰ کے صفات عظیمہ کے ساتھ متصف و متحقق ہونے پر غور و فکر کرنا چاہیے کہ حق تعالیٰ نے اپنے صفات اور اپنے اسماء میں اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو مقام تخلف میں اپنا خلیفہ اور اپنا قائم مقام بنایا۔ اور خوب غور کرنا چاہیے کیونکہ اس کے تحت اسراثر بیضہ مضمحل ہیں اللہ تعالیٰ ہمیں اور تمہیں اس کی حقیقت سے باخبر و مطلع فرمائے (آمین واللہ البہادی)

وصل دوم در کمالات صوری: حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے وہ کمالات صوری جو آپ کیلئے بارگاہ الہی میں علو مکان کے تحقق پر شاہد ہیں۔ یہ کمالات صوریہ تین قسموں پر اول ذاتی ہے قسم دوم فعلی ہے مثلاً نماز روزہ اور صدقہ وغیرہ اور تیسری قسم قولی ہے قسم اول حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ذات شریف اور آداب کا صورت جمیل، اسے اور آداب کا ذات اجمل، زوات اکمل، و افضل

واظہر اور انور تھی اور آپ کی صورت احسن، اجمل، اجلا اذکائے صورت تھی۔ علماء کرام ”شکر اللہ سبیم“ کو کچھ آپ کا حلیہ شریف معلوم ہوا اور ان کے فہم میں آیا انہوں نے اس کو جمع کیا اور بیان کر دیا۔ اس سے مقصود آپ کا تصور جمال، مطالعہ کمال اور ہر گھڑی اسے ملحوظ خاطر رکھنا اور اس کام کی مشق کرنا اور اس کا مراقبہ کرنا اور اسے اپنا نصب العین بنانا ہے۔ تاکہ اس جمال جان فزا کو پیش نظر رکھ کر دائمی محبت قائم رہے اور کبھی جدا نہ ہو۔

طریقہ حصول کمال، وصال، کسل، فقر، و اور درجہ صحت، کرم، اور اصحاب، و افانصار، میں شامل رہو، نہ کا ذریعہ

بس اتنا ہی کافی ہے جو وارد ہوا ہے کہ طول قیام کی وجہ سے آپ کے قدم اقدس درم کرتے تھے۔ باوجودیکہ ذنوب مانتقدم و ماتاخر مغفور ہیں اور یہ کہ خزائن ارض کی کنجیاں دست قدرت میں ہونے کے باوجود شکم اطہر پر پتھر باندھنا وارد ہے حالانکہ جبریل علیہ السلام نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ مجھے حق تعالیٰ نے حکم دیا ہے کہ میں آپ کیلئے زمین کے پہاڑوں کو سونا کر دوں لیکن حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا انکار فرمایا اور فقر کو اختیار فرمایا۔ آپ کے حضور میں بحرین کا مال لایا گیا آپ نے گوشہ چشم سے بھی نہ دیکھا اور اس سے کچھ بھی تو اپنے گھر نہیں لے گئے۔ حالانکہ اس وقت کھانا تک موجود نہ تھا۔ مجرد سیاہ کھجور اور پانی کے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ظاہری صفات اس سے کہیں زیادہ بلند و بالا ہیں جن کو کہ احاطہ میں لایا جاسکے۔ یہ تمام باتیں بطور نمونہ ہیں۔

لیکن تیسری قسم جو کہ قولی ہے۔ وہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال فصیحہ اور کلمات ملیحہ ہیں جن سے اسلامی کتابیں مخلو و مشحون ہیں۔ وہ سب دریائے مقابلہ میں ایک قطرہ اور روشنی میں ایک ذرہ کی مانند ہیں۔ آپ کی عظمت شان میں حق تبارک تعالیٰ کا قرآن کریم میں وہ قول جو کہ آپ کا کلام ہے کافی ہے کہ: **اِنَّهُ لَقَوْلُ رَسُولٍ كَرِيمٍ** جو ظاہر میں آپ کا کہا ہوا تھا۔ مگر حقیقت میں خدا کا کلام ہے اور حق تعالیٰ نے فرمایا: **وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوَىٰ اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُوحَىٰ** اور وہ اپنی خواہش سے نہیں بولتے نہیں ہے وہ مگر وحی جو ان کی طرف کی گئی۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث کے جس کلمہ کو تم چاہو غور و فکر کرو تا کہ تمہیں اس میں ہر جہت اور ہر حقیقت کے محاسن حاصل ہوں اور آپ نے کوئی چیز ایسی نہ چھوڑی مگر یہ کہ مخلوق خدا کو اس کی طرف ہدایت فرمائی اور کوئی فضیلت ترک نہ فرمائی مگر یہ کہ اس پر آپ نے لوگوں کو تنبیہ فرمائی۔ اسی بناء پر حق تعالیٰ نے آپ کو خاتم النبیین بنایا اس لیے کہ خبرداری کے ہر دقیقہ کو آپ نے احاطہ فرمایا اور ہر طریقہ پر حقیقت سے روشناس کرایا۔ لہذا آپ کے بعد کسی اور مرشد و رہنما کی حاجت باقی نہ رہی اور آپ آخر میں خاتم النبیین ہوئے جس طرح کہ آپ ابتداء و اول میں سائقیں النبیین تھے جبکہ: **وَادْمِیْنِ الْمَاءِ وَالطِّیْنِ** حضرت آدم پانی اور مٹی کے درمیان تھے آپ کی بزرگی عظیم اور آپ کا مرتبہ کریمہ ہے۔

وصل: اس بیان میں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی قابلیت تمام موجودات کی نسبت میں ایسی ہے جیسی کہ دریا کی قابلیت قطرہ کی نسبت سے ہے۔

جاننا چاہیے کہ فیض الہی کا تفاوت قبول کرنے والوں کے تفاوت کے اندازہ پر ہے کیا تم نہیں دیکھتے کہ آفتاب کی شعاعیں آئینہ میں کتنی ظاہر ہوتی ہیں اور وہ اسے ایسا روشن کرتا ہے کہ کسی کی طاقت نہیں کہ اس کی طرف نظر کر سکے نظر کر سکے وہ آنکھ اس کے نظارہ میں خیرہ ہو کے رہ جاتی ہے۔ بخلاف اس کے اس کی شعاعیں جو جمادات پر پڑتی ہیں ان کا یہ حال نہیں ہوگا۔ یہی صورت دکھانے والے آئینہ کی ہے چنانچہ اگر وہ آئینہ معتدل ہے تو چہرہ معتدل نظر آتا ہے اور اگر مستطیل آئینہ ہے تو چہرہ لمبوتر نظر آتا ہے اور اگر عریض ہے تو چہرہ عریض نظر آتا ہے اور اگر چھوٹا ہے تو چہرہ چھوٹا نظر آتا ہے اور اگر بڑا ہے تو چہرہ بڑا نظر آتا ہی تو اس سے معلوم ہوا کہ ثبوت فیض، قابلیت کے اندازہ پر ہے اور حق تعالیٰ حکیم سے وہ ہر چیز کو اس کے مقام میں ہی رکھتا ہے۔ جسکے بلعین مختلف و متفاوٹ ہیں تو مخلوق

چند محل نعمت اسم المنعم کے مظہر ہیں اور چند محل نعمت اسم المنتقم کے مظہر ہیں منعم اور منتقم دونوں قدیم اسم الہی ہیں اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کے صفات قدیم اس کے ساتھ قائم ہیں اور عالم کی ہر شئی اس کے اسماء و صفات کے اثر سے ہے۔ لہذا عالم کا ہر فرد حق تعالیٰ کے اسماء و صفات کے مقام حد و اثر میں ہے۔

واضح رہنا چاہیے کہ انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام حق تعالیٰ کے اسم ذاتی سے پیدا کیے گئے ہیں۔ لہذا وہ اسماء ان کے محامد ہیں اور اولیا کرام اسماء صفاتیہ سے پیدا کیے گئے ہیں وہ اسماء ان کے محامد ہیں اور بقیہ تمام موجودات صفات فعلیہ سے مخلوق ہیں وہ ان کے محامد ہیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ذات عز و جل سے مخلوق ہیں لہذا آپ کا حد و مقام ذات حق ہے اور آپ پر ظہور حق بالذات ہے۔

اسی بناء پر آپ جمع صفات کے ساتھ منفرد ہیں اس لیے کہ صفات ذات کی طرف راجع ہیں اور آپ کا دین تمام دینوں کا ناخ ہے اس لیے کہ بروز ذات کے بعد صفات مشہود نہیں ہوتے۔ البتہ ان کا علم باقی رہتا ہے۔ اسی بنا پر انبیاء علیہم السلام کی نبوت اپنے جال پر باقی رہی وہ منسوخ نہ ہوئی صرف ان کے ادیان منسوخ ہوئے اور قابلیت محمدیہ کی نسبت بحر کی مانند ہے اور دیگر انبیاء و اولیاء کی قابلیت کی نسبت نہروں اور چشموں کی مانند ہیں اور بقیہ عالم کی قابلیت کی نسبت ان کی قطرات کی مانند ہے۔ یہ الفاظ حضرت شیخ قدس سرہ کے ہیں۔ اس حقیر (یعنی مؤلف) کی زبان پر ایسا آیا ہے کہ اقرب کثر ان اقداح غرف قطرات اور بحر کی جو مثالیں ہیں اس کا سبب یہ کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم مجموعہ عالم ہیں اس لیے کہ آپ کی روح مقدس عقل اول ہے اور تمام عالم اسی سے مخلوق ہے لہذا صرف حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی قابلیت تمام موجودات کی قابلیتوں کے برابر ہوگی۔ آپ مستفیض اول اور مفیض ثانی ہیں اور ذاتی فیض سب سے پہلے آپ ہی کی جانب متوجہ ہے اور آپ سے تمام بقیہ موجودات و مخلوقات کو ان کی قابلیتوں کے موافق فیض متوجہ ہے۔ لہذا آپ تمام موجودات کے کل ہیں اور آپ ہی سے کل شئی ہے وہو الکل اور آپ ہی کل ہیں اور حق تبارک تعالیٰ کل الکل۔

امام عبد اللہ یافعی رضی اللہ عنہ کا قول کتنا اچھا ہے جو انہوں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مدح میں کہا ہے کہ

يا واحد الدهر ويا عين الوجودی ويا غيث الانام هادی کل حیران

چونکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی قابلیت کل ہے اور تمام اکوان یعنی انبیاء و مرسلین ملائکہ مقربین اور تمام اولیاء صدیقین و مؤمنین کی قابلیتیں جزئی ہیں۔ لا محالہ وہ سب کے سب حضور اکرم کے مقام رفعت کے انتہائی دریافت و فہم سے قاصر ہیں گے اور آپ کی شان رفیع کے طوق سے عاجز ہوں گے۔

اور جبکہ یہ بات جان لی اور پہچان لی کہ تمام انبیاء و مرسلین نے اپنے سروں کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے در اقدس کی رفعت کے آگے جھکا دیا اور اپنی گردنوں کو زمین مذلت پر آپ کی شان مجد و عظمت کے آگے سرنگوں کر دیا تو اب اس عہد مبارک کا یہی مطلب ہو یعنی انبیاء کرام علیہم السلام سے لیا گیا تھا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانا اور آپ کی مدد کرنا اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَإِذْ أَخَذَ اللَّهُ مِيثَاقَ النَّبِيِّينَ لَمَا آتَيْتُكُمْ مِنْ كِتَابٍ وَحِكْمَةٍ ثُمَّ جَاءَكُمْ رَسُولٌ مُصَدِّقٌ لِمَا مَعَكُمْ لَتُؤْمِنُنَّ بِهِ وَتَنْصُرُنَّهُ.

یاد کرو جب اللہ تعالیٰ نے نبیوں سے عہد لیا کہ جب میں تم کو کتاب و حکمت سے نوازوں پھر تمہارے پاس وہ رسول تمہارے ساتھ کی چیز کا تصدیق کرتا تشریف لائے تو تم ان پر ایمان لانا اور ان کی مدد کرنا۔

تمام اولیاء مقربین اپنی علوشان کے ساتھ آپ ہی کے عروہ و فہم کے ذریعہ اور اس کے تمسک سے ترقی و عروج کرتے ہیں۔ حضرت جنید بغدادی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا در ہر طرف سے بند ہے لیکن سید عالم محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا در کھلا ہوا ہے درگاہ حق سبحانہ و تعالیٰ میں داخل ہونے کیلئے کوئی راستہ نہیں بجز حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دروازہ کے اور کسی کو اس کے سوا کوئی چارہ نہیں ہے کہ وہ

ظاہر و باطن میں آپ کے در پر حاضر ہو کر آپ کا اتباع کرے تاکہ وہ خدا تک پہنچ سکے۔ اگر درمیان میں یہ بندش نہ ہوتی تو آپ کے بعد کے اولیاء وہی دعویٰ کرتے جو آپ سے نبیوں نے کیا ہے اور اولیاء امت محمدیہ نے باطن میں خدا سے وہ پایا ہے جو انبیاء سابقین علیہم السلام نے ظاہر میں پایا ہے وہ نبوت نہ پاسکے کیونکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر نبوت ختم و منقطع ہو گئی۔ اس انقطاع نبوت میں حکمت یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام نے جو کچھ پایا ہے نبوت سے پایا ہے اور ادیان میں جو کچھ بھی مشروع ہوا ہے وہ خدا کے حکم یا خدا کے اذن سے ہوا ہے۔ یہاں تک کہ دین محمدی کے ظہور سے ان کے ادیان منسوخ کر دیئے گئے اس لیے کہ ان کا دین جزئی تھا اور دین محمدی کلی ہے اور جزئی، کل پر غالب نہیں آتا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دین کی کلیت اس بناء پر ہے کہ آپ تمام مخلوق کی طرف مبعوث ہیں اور آپ کے سوا تمام انبیاء و مرسلین علیہم السلام مخصوص قوموں کی جانب مبعوث ہوتے تھے اسی بنا پر ان کے دینوں کا یہ حال تھا۔

لہذا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دین کی قوت میں تمام عالم کی قوت ہے خواہ عرش و کرسی ہو یا لوح و قلم افلاک و اہلاک سموات وارض ہوں یا کواکب و شمس و قمر نار و ہوا و آب و خاک اشجار و معاون ہوں یا حیوانات و جن و انس جو کچھ بھی پیدا ہوا یا ہوگا۔ سب کچھ اس دین حق کے تحت قوت ہیں۔

پھر ان سب پر جمعیت کبریٰ کو زیادہ کیا گیا جو اس کی مخصوص حقیقت ہے اور یہی وہ بات ہے جس کی تعبیر قاب قوسین سے کی گئی ہے۔ جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کیلئے ہے اور آپ کے سوا اس میں کا کچھ بھی حصہ میسر نہیں ہے۔ مگر یہ کہ جس جتنی وسعت و قابلیت تھی اس کے موافق اسے حصہ ملا لہذا اس میں خوب غور و فکر کرو اور اس کو سمجھو اور اس میں گم ہو جاؤ اس کے ساتھ اپنے آپ کو ایسا وابستہ کر دو جیسے قطرہ دریا میں گم ہو کر فنا ہو جاتا ہے تاکہ سعادت کبریٰ اور مکان زلفی سے فائز ہو جاؤ۔ اس میں سر جلیل اور امر نبیل کا نکتہ ہی اگر حق تبارک و تعالیٰ نے اس نکتہ کے سمجھنے کی توفیق نصیب فرمائی ہے تو سمجھ لے گا۔ اور اس بحر محمدی میں گم اور فنا ہونے کی جانب سیدی عارف شیخ ابو الغیث بن جمیل رضی اللہ عنہ نے اپنے قول کے ساتھ اشارہ فرمایا ہے کہ: **حَصَيْنَا بَحْرًا وَوَقَفَ الْأَنْبِيَاءُ عَلَى سَاحِلِهِ** میں نے اس بحر محمدی کی شناساوری کی ہے در انحالیکہ انبیاء اس کے ساحل پر کھڑے تھے۔

اور یہ ان کا دریا ہے محمدی میں داخل ہونا اور انبیاء علیہم السلام کا اس کے ساحل پر کھڑا ہونا اس لیے ہے کہ طوق حقیقی مشخص نہیں ہوتا مگر اسی کو جو آپ کے بعد آئے اور صورت میں آپ کا تابع ہو۔

لہذا کالمین اولیاء محمدی آپ کی صورت و معنی کے ساتھ لاحق ہیں اور بحر لائق میں داخل ہیں بخلاف انبیاء صلوات اللہ تعالیٰ و سلامہ علیہم اجمعین کے کیونکہ وہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حکماً لاحق ہیں اور من حیث المعنی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے تابع و لاحق ہیں نہ کہ من حیث الصورة۔ اسی بنا پر انبیاء کرام شکل محمدی بحر لائق کے ساحل پر کھڑے ہیں۔ اس لیے کہ وہ اپنی حد ذات میں متبوع ہیں اور صورت میں اپنے کسی غیر کے وہ تابع نہیں ہیں۔ لیکن معنی میں تابع ہیں۔

اولیاء محمدی، یعنی وحشی اور صورت اور معنی تابع ہیں۔ اسی بنا پر حق تعالیٰ نے جس کو یہ توفیق بخشی ہے کہ وہ اپنے وجودی قطرہ کو بحر محمدی میں غرق و فنا کر دے بلاشبہ اسے سعادت کبریٰ اور مکان زلفی حاصل ہو گئی اور اسی کو سزاوار ہے کہ وہ یہ کہے جو قطب الوقت غوث اعظم شیخ عبدالقادر جیلانی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جو بھی قدم پاک اٹھایا ہے اسی جگہ آپ کے نشان قدم پر میں نے اپنا قدم رکھا ہے۔ مگر قدم نبوت جو کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مخصوص ہے لہذا کوشش کرو کہ آپ کے ساتھ لاحق ہو جاؤ اور آپ کی متابعت کے دریا میں غرق ہو جاؤ۔ **وَفَقْنَا اللَّهَ وَابَاكَ كَذَلِكَ**۔

وصل: حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا حبیب خدا نام ہونے کے اسرار کے بیان میں اور مرکز محبوبیت (جو آپ کے مقام حداسم

میں ہے) کے ذکر میں وہ حدیث ہے جو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے انہوں نے کہا کہ ایک دن صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری کے انتظار میں بیٹھے ہوئے تھے۔ پھر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم برآمد ہوئے اور ان کے قریب پہنچے آپ نے سنا کہ وہ ایک دوسرے سے کہہ رہے تھے۔ ان میں سے ایک نے کہا کہ بلاشبہ حق تعالیٰ نے اپنی مخلوق میں سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو خلیل بنایا۔ دوسرے نے کہا موسیٰ علیہ السلام سے کلام کرنا۔ عجیب ہے کہ فرمایا: وَكَلَّمَ اللَّهُ مُوسَىٰ تَكْلِيمًا تیسرے نے کہا کہ حضرت عیسیٰ کلمۃ اللہ اور روح اللہ ہیں۔

چوتھے نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو برگزیدگی مرحمت فرمائی۔ اس کے بعد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو سلام کیا اور فرمایا میں نے تمہاری گفتگو اور تمہارے تعجب کو دیکھا اور سنا تم نے یہی تو کہا کہ حضرت ابراہیم خدا کے خلیل ہیں حضرت موسیٰ خدا کے کلیم نبی ہیں اور حضرت عیسیٰ روح اللہ ہیں اور حضرت آدم کو خدا نے برگزیدہ فرمایا۔ جان لو اور آگاہ ہو جاؤ کہ میں خدا کا حبیب ہوں اور یہ فخر یہ نہیں۔ نہیں حامل لواء الحمد ہوں روز قیامت یہ فخر یہ نہیں۔ میں پہلا شفیع اور پہلا قبول الشفاعت ہوں یہ فخر یہ نہیں میں پہلا شخص ہوں جو جنت کی کنڈی کھٹکھاؤں گا تو میرے لیے جنت کا دروازہ کھولا جائیگا اور میں ہی پہلے جنت میں داخل ہوں گا اس حال میں کہ فقراء امت میرے ساتھ ہوں گے میں اکرم اولین و آخرین ہوں یہ فخر یہ نہیں۔

یہ حدیث مبارک حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے کمالات میں جامع اور آپ کی افضلیت میں اکمل ہے افضل ہے۔ بلاشبہ پہلے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا علوم مکان اور علوم کانت کا بیان گزر چکا ہے اس جگہ مقصود آپ کیلئے اسم حبیب کی تخصیص کا بھی بیان کرنا ہے لہذا خوب جان لو کہ مقام جبرئیل اعلیٰ مقامات کمالہ سے بلاشبہ حدیث قدسی میں وارد ہوا ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ارشاد ہے: کُنْتُ

نفس اسلام

WWW.NAFSEISLAM.COM

اس لیے کہ ہر امت اپنے نبی کے ساتھ ملحق ہے اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا کوئی حبیب نہیں لازمی ہے کہ آپ کی امت محبت کے ساتھ مخصوص ہو۔

واضح رہنا چاہیے کہ حب کے علی الاطلاق نومرتبے ہیں۔ ایک مرتبہ خالق میں ہے اور باقی مخلوق میں ہیں تو پہلا مرتبہ جو خالق میں ہے اسے حب کہا جاتا ہے بغیر اس کے کہ اس کے ظہور کے اثر کیلئے حرکت ہو۔

جب یہ حال حب میں حاصل ہو تو ارادہ حاصل ہوتا ہے اور حقیقۃً ارادہ حق تبارک و تعالیٰ ہی کا ہے مرتبہ خلق میں حب کا پہلا مرتبہ میلان ہے اور وہ مطلوب کی جانب دل کا کھچاؤ اور جھکاؤ ہے اور جب زیادہ ہو جائے تو اسے رغبت کہتے ہیں اور رغبت میں اضافہ ہو تو طلب کہتے ہیں اور اگر طلب میں زیادتی ہو تو اسے ولع کہتے ہیں اور جب ولع میں شدت ہو اور دوام کی صورت پکڑ لے تو اسے صابہ کہتے ہیں اور جب یہ قوی ہو جائے اور دل میں اتر جائے اور مراد سے انیت پکڑ لے تو اسے ہوا کہتے ہیں جب ہوا غالب ہو جائے اور وہ دل پر چھا جائے تو اسے شغف کہتے ہیں اور وہ اس حیثیت میں ہو کہ محبت کو اپنے آپ سے فانی کر دے جب وہ نمود پکڑے اس طرح سے کہ اپنے نفس سے فانی ہو جائے اور اپنی فنا سے فانی ہو جائے تو اسے اعزام کہتے ہیں اور جب یہ مستحکم اور پختہ ہو جائے اور ظاہر و متضمن ہو جائے اور محبت اپنے نفس سے فانی ہو جائے اور حبیب کی طرف سے بھی اس حیثیت میں ہو جائے کہ کسی واحد بن جائے تو اسے حب مطلق کہتے ہیں اور اسی کا نام عشق ہے مخلوق کیلئے محبت میں یہ آخری مقام ہے اور اس مقام میں محبت حبیب اور حبیب محبت بن جاتا ہے اور ہر ایک کا رنگ دوسرے پر ہو جاتا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ عاشق کی روح معشوق کی صورت میں متمکن ہوتی ہے اور وہ صورت روحانیہ اس کے دل سے متعلق ہو جاتی ہے اور اس صورت میں باہمی فک و مفارقت اور انفعال مستحیل ہو جاتا ہے جیسا کہ کسی نے کہا ہے

رق الزجاج ورق الخمر۔ (ابیات)

یہ نومرتبہ حقیقۃً مخلوق کیلئے ہیں ان کا اطلاق خدا کیلئے نہیں کیا جائے گا۔ بجز اس کے کہ ان تمام مراتب کا خالق اللہ تعالیٰ ہے۔

لیکن حب اور ارادہ حقیقۃً خدا کیلئے ہے اور حب کیلئے ایک مرتبہ اور ہے جو خلق اور خلق میں ظاہر ہوتا ہے اور اس کو مرتبہ جامعہ کا نام

دیتے ہیں اور اس کو دوم قرار دیتے ہیں۔ اسماء الہی میں سے ایک نام در ہے حق تعالیٰ اپنے بندوں میں سے جس کو چاہتا ہے دوست رکھتا ہے اور بندے اس کو دوست رکھتے ہیں۔

فَسَوْفَ يَأْتِي اللَّهُ بِقَوْمٍ يُحِبُّهُمْ وَيُحِبُّونَهُ عَنِقَرِيبُ اللَّهُ تَعَالَى اِيكِي قَوْم كُولَاے گا جس کو وہ دوست رکھتا ہے اور وہ اللہ کو دوست رکھتے ہیں تو دونوں مرتبہ میں مشترک ہیں نہ مرتبہ عالم ظہور میں دونوں جانب سے واقع ہونے کی بنا پر مراتب عشق میں انتہائی مقام میں

ہے اور خلق میں عشق الہی کے مرتبہ سے زیادہ فائق کوئی چیز نہیں ہے۔ اِذْهُوَ نَارُ اللَّهِ الْمُوقَدَةُ الَّتِي تَطْلُعُ عَلَى الْاَفْنِيَةِ۔

وصل: حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تعلق رکھنے کی کیفیت اور آپ کے در پر حاضر ہونے کی برکت کے بارے میں جاننا چاہیے کہ جب حق تبارک و تعالیٰ اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کو دوست رکھتا ہے اور روز قیامت امت کیلئے آپ کو شفیع بنایا ہے جو قرب و عزت اور محبت کے لوازم میں سے ہے اور اس شفاعت کو آپ کیلئے عام قرار دیا اور آپ کے سوا شفاعت کے عموم میں کوئی مخلوق نہیں ہے اس میں بھی یہ ہے کہ چونکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تمام مخلوق کی جانب مبعوث اور ان کے پیشتر پیشرو و نگہبان ہیں اور ہر راعی و نگہبان اپنی رعایا و امت کا جوابدہ ہوتا ہے اور اس پر ان کے احوال کی رعایت واجب ہوتی ہے۔ اسی بناء پر حق تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر امت کے دنیا و آخرت کے مصالح واجب فرمائے اور اسی بنا پر آپ کو اس کی توفیق عطا فرمائی اور آپ سے اس وسیلہ کا وعدہ فرمایا جو مقام

پہلی نوع تعلق صوری ہے جو اس جناب کے ساتھ ہے اس کی بھی دو قسمیں ہیں۔ ایک قسم کمال اتباع پر استقامت اور قول و فعل میں کتاب و سنت کے امر و نہی پر مواعظت ہے اور وہ اعتقاد رکھے جو ائمہ اربعہ یعنی امام ابو حنیفہ، امام مالک، امام شافعی اور امام احمد بن حنبل رضی اللہ عنہم کے معتقدات ہیں اس لیے کہ علماء محققین کا اجماع واقع ہوا ہے کہ یہ چاروں ائمہ اہل حق ہیں اور انشاء اللہ تعالیٰ روز قیامت یہی فرقہ ناجیہ ہے اور اس قسم کی اتباع صوری کمال اس بات پر ہے کہ عزائم امور کے فعل پر اعتماد کرے اور رخصت کی طرف مائل نہ ہو اس لیے کہ حق سبحانہ و تعالیٰ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو عزائم پر عمل کرنے کا حکم فرمایا اور فرمایا: **فَصَابِرٌ كَمَا صَبَرَ أُولُو الْعَزْمِ مِنَ الرُّسُلِ** اور یہ اولو العزم رسول پانچ ہیں جن کی وضاحت اس آیت کریمہ میں کی گئی ہے۔

شَرَعَ لَكُمْ مِنَ الدِّينِ مَا وَصَّى بِهِ نُوحًا وَالَّذِي أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ وَمَا وَصَّيْنَا بِهِ إِبْرَاهِيمَ وَمُوسَى وَعِيسَى أَنْ أَقِيمُوا الدِّينَ وَلَا تَتَفَرَّقُوا فِيهِ تو یہ اولو العزم رسول، حضرت نوح، حضرت ابراہیم، حضرت موسیٰ، حضرت عیسیٰ اور سید عالم محمد صلی اللہ علیہ وسلم علیہم اجمعین وسلم ہیں تو کامل الاتباع تابع کو چاہیے کہ آئے اور عزائم امور کا اتباع کرے اور رخصت و سہولت کی طرف میلان نہ کرے کیونکہ یہی اسلام کا مقام ہے۔

ہم تمہارے لیے وہ چیز چاہتے ہیں جو ہم اپنے لیے چاہتے ہیں اور یہ مقامات قربت اور صدیقیت ہے اور اس کی شرط حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا عزائم امور میں اتباع اور عمل کرنا ہے اور عزائم امور پر عمل کرنے میں اس وقت تک تم قادر نہ ہو گے جیسا کہ عمل و اتباع کا حق ہے جب تک کہ تمہیں نفس کی شناسائی اور اس کے غلط و اسباب کی معرفت نہ حاصل ہو۔

یہ بات اہل اللہ میں سے کسی شیخ کامل ہی کے واسطے سے حاصل ہو سکتی ہے وہی تمہاری اس میں رہنمائی کر سکتا ہے اور ہر وقت اعمال و احوال کی تمہارے احوال کے مطابق جیسی بھی تمہاری حالت ہوگی معرفت کر سکتا ہے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہدایت امر میں بہت دنوں تک غار حرا کے اندر عبادت الہی کرتے رہے جب نہایت ہوئی اور شان عظیم ہوئی تو غار حرا میں عبادت اور خلوت نشینی کو ترک فرما دیا اور تمام سال بجز رمضان کے عشرہ اخیرہ کے اپنے صحابہ کے ساتھ رہتے تھے۔ بلاشبہ طالب کسی ایسی چیز کو جو اس کے حال کے لائق ہے نہ جان سکتا ہے اور نہ پہچان سکتا ہے شیخ مرشد کے واسطے اور ذریعہ کے سوا وہی اس کی رہنما کر سکتا ہے یا تو بواسطہ جذب الہی کے جو اسے اس بارے میں کشف ہوا ہو ہماری باتیں مجذوب کے ساتھ ہیں۔

اے عاقل! طالب اتباع محمدی کیلئے ہمارا کلام تاباں اور واضح ہے لہذا تمہیں چاہیے کہ کسی ایسے شیخ کی جستجو میں کوشش کرو جو تمہیں معرفت الہی اور تمہاری اپنی حالت کے پہچاننے میں تمہاری رہنمائی کرے اور جب تمہیں ایسا شیخ مل جائے تو اس کے حکم کی مخالفت نہ کرو اور اس سے جدا نہ ہوا اگرچہ بلائیں اور مصیبتیں تمہارے کھڑے کھڑے کر دے اس کی نافرمانی سے اجتناب کرو اور اس سے اپنا کوئی حال نہ چھپاؤ اگر شومی قسمت سے تم سے کوئی مصیبت سرزد ہو جائے تو اپنے شیخ سے عرض کرو تا کہ وہ اس کو دفع کرنے میں کوشش کرے اور تمہاری اقتضائے حال کے مطابق اس کی مداوی کرے یا بارگاہ الہی میں دعا کر کے شفاعت کرے تا کہ وہ تمہیں اس مذلت سے رستگاری کرائے۔

اور اگر کسی ایسے شیخ سے ملنے کا اتفاق نہ ہو اور کوئی اہل اللہ میں سے تمہیں نہ ملے تو اہل اللہ کے طریقہ کو لازم پکڑو اہل اللہ کے تمام طریقے چار ہیں۔

ایک فراغ قلب ہے اور یہ دنیا و آخرت میں ماسوی اللہ کی طرف مائل ہونے سے دل کو خالی کرتا ہے۔

دوسرا اقبال علی اللہ ہے اور یہ مکمل طور پر اللہ سے محبت کرتا ہے جو کہ اغراض و خطرات عدم التفات اور طلب عوض سے پاک ہو۔

وسلم کا خوب ذکر کرو اور آپ پر درود و سلام بھیجو اور ذکر کی حالت میں ایسے بن جاؤ گویا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تمہیں ملاحظہ فرما رہے ہیں اور تمہارا کلام سن رہے ہیں اور تم حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو جلال و عظمت اور حیا و ادب کے ساتھ دیکھ رہے ہو اور سمجھ کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تمہیں ملاحظہ فرما رہے ہیں اور تمہارا کلام سن رہے ہیں اس لیے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم متصف بصفات اللہ تعالیٰ ہیں اور ایک صفات میں سے یہ ہے کہ اَنَا جَلِيسٌ مَنْ ذَكَرَنِي جِوِ مِرَازٍ كَرَّ كَرْتَا هِيَ فِي اس كَا هِم مَجْلِس هُو تَا هُوں ہوتو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کیلئے اس صفت الہی کا نصیب بہت زیادہ ہے اس لیے کہ وصف الہی کا عارف ہونا آپ کی معروف صفت ہے اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تمام لوگوں سے زیادہ عارف باللہ تعالیٰ ہیں۔

اور اگر تم اپنے کو اس صفت کے ساتھ نہیں بنا سکتے تو اگر تم نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر انور کی کبھی زیارت کی ہے اور روضہ مبارک اور قبہ میفہ کو دیکھا ہے اسی کو اپنے ذہن میں اسی بارگاہ مقدس کا تصور جماؤ اور جب بھی تم حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر کرو اور آپ پر درود و سلام بھیجو تو ایسے ہو جاؤ کہ گویا تم حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے روضہ انور کے آگے تعظیم و جلال کے ساتھ کھڑے ہو یہاں تک کہ تم مانا مہ اطو مہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو ملاحظہ ہو

اور اگر تم ایسے بھی نہیں ہو کہ تم نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے روضہ انور کو دیکھا ہو اور قبر شریف کی زیارت نہیں کی ہے تو ہمیشہ آپ پر صلوٰۃ و سلام بھیجو اور تصور کرو کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سن رہے ہیں اور کمال ادب و احترام کی حالت اختیار کر رہے ہیں اور اس بات سے شرم کرو کہ جب تم حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر کرو اور آپ پر صلوٰۃ و سلام بھیجو تو تم کسی اور مشغلہ میں مشغول ہو اور تمہارا صلوٰۃ و سلام ”جسم بے روح“ کے حکم میں ہو اور ہر وہ عمل جس کو بندہ کرتا ہے اس کا دار و مدار حضور قلب کے ساتھ ہے اور ایسا عمل زندہ ہے اور اگر غفلت اور غیر کے ساتھ مشغول ہونے کی حالت میں ہو تو وہ عمل ”جسم بے روح“ کی مانند ہے اسی بنا پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّيَّاتِ تمام اعمال کا دار و مدار نیتوں اور قلبی ارادوں پر موقوف ہے۔

حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نے سیدی شیخ اسماعیل جیرنی قدس سرہ سے سنا ہے وہ ایک دن فرماتے تھے کہ جب بندہ ابتدا میں بغیر نیت کے عمل شروع کر دے اور وہ اس سے تقرب الی اللہ چاہے تو لازم ہے کہ عمل کو شروع کرنے کے بعد نیت کر لے یہ ایسے ہوگا کہ اس میں روح پھونک دی گئی ہے اور اگر کسی عمل کو بری نیت کے ساتھ شروع کیا اور اثنائے عمل میں اس نے بری نیت کو بدل کر نیک نیت کر لی تو یہ بھی حسن صورت میں اس کیلئے نافع ہے اور عمل اس کی وجہ سے زندہ اور کامل ہو جاتا ہے بلاشبہ حضرت شیخ قدس سرہ نے بالکل ٹھیک فرمایا ہے جو کچھ فرمایا ہے۔

جب تم نے جان لیا جو کچھ ہم نے بیان کیا تعلق معنوی کے قسم اول میں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی صورت مبارک کو تصور میں لانا ہے اور اس چیز کا تصور جو آپ کے ساتھ تعلق رکھتی ہے تو اس پر مداومت کو بہت و جلال و کمال عزت و احترام کے ساتھ لازم کر لو تا کہ

علیہ وسلم نور ذات سے مخلوق اور اس کے اسماء و صفات اور افعال و آثار کے حکمی و عینی جامع ہیں اسی موقع پر حق تبارک و تعالیٰ نے آپ کے حق میں فرمایا: **لَنْ يَمَسُّنَا فِي شَيْءٍ مِنْ دَعْوَانِهِمْ**۔

میں تمہارے لیے اس آیت کریمہ قرآنیہ کے معنی کی حقیقت میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے کمالات میفہ میں سے ہے ایک مثال بیان کرتا ہوں تاکہ تم ذہن میں اس کا تصور کر سکو اور اس مثال کے دیکھنے سے اس کے معنی انشاء اللہ تعالیٰ مستحق ہو جائیں گے۔

اب تم یوں سمجھو کہ تمام وجود ایک دائرے کی مانند ہے جو ایک ایسے خط کے ذریعہ آدھا آدھا تقسیم کیا ہوا ہے جو مرکز دائرہ سے گزرتا ہے تو نصف اعلیٰ وجود قدیم اور واجب الوجود اور حق بزرگ کے نام سے موسوم ہے اور وہ تقسیم و انقسام سے منزہ ہے اور اس کا نصف اصفل وجود محدث و ممکن اور خلق کے نام سے موسوم ہے تو دائرہ کا ہر نصف قوس ہے اور خط واحد اس قوس کا وتر ہے پس خط قوس دائرہ کا وتر ہے اور اسی خط کی وجہ سے ہر نصف دائرہ قوس بنتا ہے اور یہ خط جو کہ وتر ہے ”قوسین“ کے نام سے موسوم ہے تو جان لو کہ اہل کمال و کمالات اللہ اور کمالات خلق کا صورتہ اور معنی جامع سے دائرہ وجود مثالہ

کی بارگاہ میں حاضر ہو کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے شرف ہم کلامی کر سکو گے اور حضور تمہیں جواب عنایت فرمائیں گے تم عرض کرو گے اور حضور تمہیں خطاب فرمائیں گے۔

وصل: حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بارگاہ عالیہ میں حاضر ہونا اس صورت لطیفہ کا معانی عزیزہ مینفہ کے ساتھ ہمیشہ مشاہدہ کرنا اگرچہ تصور و تخیل اور متفکر ہو لیکن بارگاہ عزت میں حاضر رہنے کا باعث اور آپ کی درگاہ قرب کے وصول کا موجب ہے کیا تم نے نہیں دیکھا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جو اصدق القائلین ہیں فرماتے ہیں کہ: أَكثَرُكُمْ عَلَي صَلَوةٍ أَقْرَبُكُمْ مِنِّي تم مجھ پر زیادہ سے زیادہ صلوٰۃ و سلام بھیجو وہ تم کو مجھ سے زیادہ قریب کر دیگی۔ مطلب یہ کہ تمہارا بہت زیادہ مجھ پر درود پڑھنا تم کو بہت زیادہ قریب کر دیتی ہے اس وقت وہ حضور کی صورت و رخانیہ پر اپنے دل سے عاشق ہو جاتا ہے لامحالہ وہ حضور کے قریب ہو جاتا ہے پھر وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بن جاتا ہے: الْمَرْءُ مَعَ مَنْ أَحَبَّ اس جگہ ایک نکتہ اور ہے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث میں مروی ہے کہ فرمایا دعا کرنے والا جب اپنے مسلمان بھائی کیلئے دعا کرتا ہے تو فرشتے اس سے کہتے ہیں: لَكَ مِثْلُ ذَلِكَ تیرے لیے بھی اسی کی مانند ہے اور اس میں کسی کا اختلاف نہیں ہے کہ فرشتوں کی دعائیں مقبول و مستجاب ہیں لہذا درود پڑھنے والے پر اس کا درود اور حق تبارک و تعالیٰ رحمتیں نازل فرماتا ہے تو درود پڑھنے والے پر اس کا درود اور حق تبارک و تعالیٰ کی رحمت دونوں کی لوثی ہیں اسی بنا پر حدیث میں وارد ہوا ہے کہ: مَنْ صَلَّى عَلَيَّ وَاحِدَةً صَلَّى اللَّهُ عَلَيَّ عَشْرًا جو مجھ پر ایک مرتبہ درود بھیجتا ہے حق تعالیٰ اس پر دس مرتبہ رحمتیں نازل فرماتا

نفسِ اسلام

کے بعد جو ولی اس ولی تجلیات میں سے کسی تجلی میں دیکھتا ہے جس کے ہاتھ میں وہ خلعت نبویہ ہے تو وہ ولی اس خلوت کو اسے پہنا دیتا ہے اور اس دوسرے دیکھنے والے کو حضور کی طرف سے عطا کر دیتا ہے پھر اس عطا کرنے والے ولی کیلئے مقام محمدی سے اس سے کامل تر خلعت اس عطا کردہ خلعت کے عوض نازل ہوتی ہے اور اگر کوئی دوسرا ولی اس کو اس حالت میں دیکھتا تو وہ اس خلعت کو اسے دے دیتا ہے اور اس کیلئے بارگاہ نبوت سے دوسرا اس سے بہتر خلعت حاصل ہو جاتا ہے اسی طرح بارگاہ محمدی سے بے حد و نہایت خلعتیں تقسیم ہوتی ہیں اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ سنت ازل سے جب سے کہ حق تعالیٰ نے انبیاء علیہم السلام سے عہد لیا تھا جاری ہے یہاں تک کہ انہوں نے مقام نبوت اس کی وجہ سے پایا اور اولیاء کرام کے ہاتھ مقام نبوت تک پہنچنے سے قاصر ہیں اس لیے کہ اولیاء کرام کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی رویت حاصل نہیں ہوئی مگر اس رویت کے بعد جو کہ اس محل کا غیر ہے اسی بناء پر انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام نے ایسا درجہ سعادت پایا ہے جو ان کے سوا کسی کو حاصل نہیں ہے۔ اس لیے کہ یہ وہ پہلے حضرات ہیں جنہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اکمل خلعت میں دیکھا ہے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے شایان شان تھا اور ہمیشہ سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت کریمہ اور طریقہ جلیلہ تمام دیکھنے والوں کیلئے وہی کہ وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے جمال باکمال کو دیکھیں اور ابداً باد تک اولیاء کرام حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھتے رہیں گے (صَلَّى اللہُ تَعَالٰی عَلٰی خَیْرِ خَلْقِہٖ مُحَمَّدٍ وَّآلِہٖ وَصَحْبِہٖ اَجْمَعِیْنَ وَبَارِکْ وَسَلِّمْ) تمت۔

ہزار شکر و سپاس بدرگاہ رب الناس جل و علیٰ اور لاکھوں درود و سلام بہ بارگاہ حبیب رب الناس صلی اللہ علیہ وسلم کہ

ترجمہ کتاب مستطاب فیض انتساب مدارج النبوت در سیرت سید المرسلین خاتم النبیین اشرف المخلوقین علیہ وعلیہم